جملہ حقوق محفوظ

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو ۱۵۵

ایرانِ بعہدِ ساسانیان

مصنفہ

پروفیسر آرتھر کرسٹن سین، پروفیسر السنۂ شرقیہ
جامعۂ کوپن ہاگن، ڈنمارک (بزبانِ فرانسیسی)

مترجمہ

ڈاکٹر محمد اقبال پروفیسر اورینٹل کالج لاہور

انجمن ترقیِ اردو (ہند)، دہلی

سنہ ۱۹۴۱ء

انجمن کی تازہ ترین مطبوعات

آثار جمال الدین افغانی

از

قاضی محمد عبدالغفار ایڈیٹر "پیام" حیدرآباد دکن

سید جمال الدین افغانی رح گذشتہ صدی کے اُن چار نامور اشخاص میں سے ہیں جنھوں نے دنیا میں بڑے بڑے انقلاب پیدا کیے ہیں ان کی زندگی کے حالات بہت عجیب و غریب اور عبرت آموز ہیں۔ اگرچہ اس سے قبل ان کے حالات پر چند مختصر رسالے یا مضامین شایع ہوئے ہیں لیکن اب تک کوئی مکمل سوانح عمری نہیں لکھی گئی۔ یہ کتاب سالہا سال کی کوشش اور محنت کا نتیجہ ہے تقطیع ۲۲×۱۸/۸ صفحات پانچ سَو سے زیادہ سولہ تصاویر اور اخبار عروۃ الوثقیٰ کا عکس

قیمت بلا جلد تین رپے، مجلد تین رپے آٹھ آنے،

فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں

اوّل، دوم، سوم

یہ بہت ہی قابل قدر کتاب ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ہماری زبان میں کیا کچھ خزانہ بھرا پڑا ہے جو ہماری غفلت سے ناکارہ اور زنگ آلود ہو گیا ہے پہلے حصے میں تیاری مکانات اور تہذیب و آرایش عمارات کے ذیل میں بیس پیشوں کی اصطلاحات ہیں، دوسرے حصے میں تیاری لباس و تزئین لباس کے ذیل میں پچیس پیشوں کی اصطلاحیں بیان کی گئی ہیں۔ تیسرے حصے میں لوازم دنیاوی خوراک کی اصطلاحات دی گئی ہیں۔ ہر اصطلاح کی مناسب تشریح کی گئی ہے اور حسب ضرورت ذہن نشین کرنے کے لیے تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ باقی حصے زیر طبع ہیں۔ مولوی ظفر الرحمٰن صاحب نے سالہا سال کی محنت سے مرتب کی ہے۔ ہر ادیب کی میز پر اور کتبخانے کی الماری میں رکھنے کے قابل ہے،

ہر حصے کی قیمت بلا جلد عمر مجلد للعہ

اضافیت

(آئن شٹاین کا نظریہ اُردو میں)

یہ کتاب ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی پروفیسر ریاضیات جامعہ عثمانیہ کی تصنیف ہے۔ اس میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے نظریہ اضافیت کو عام فہم زبان میں بیان کیا ہے جس نظریہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے سمجھنے والے دنیا میں صرف دو چار ہیں اس کی تشریح ایسی سلیس زبان میں کی گئی ہے کہ معمولی ریاضی جاننے والا آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ تصنیف اردو ادب میں بیش بہا اضافہ ہے۔ قیمت بلا جلد بارہ آنے مجلد ایک روپیہ چار آنے

سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو ۱۵۵

ایران بعہدِ ساسانیان

مصنّفہ

پروفیسر آرتھر کرسٹن سین، پروفیسر السنۂ شرقیہ
جامعۂ کوپن ہاگن، ڈنمارک (بزبان فرانسیسی)

مترجمہ

ڈاکٹر محمّد اقبال پروفیسر اورینٹل کالج لاہور

انجمن ترقی اُردو (ہند)، دھلی

سنہ ۱۹۴۱ء

گیلانی پریس لاہور میں باہتمام ضمیر احمد خان غوری پرنٹر چھپی
اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سیکرٹری انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی نے شائع کی

دیباچۂ مترجم

ڈاکٹر آرتھر کرسٹن سین کی فرانسیسی تصنیف[1] جس کا ترجمہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے سنہ ۱۹۳۶ء میں کوپن ہاگن (ڈنمارک) سے شائع ہوئی تھی۔ مصنف نے اس کے لکھنے میں کتنی محنت کی ہے اور کس جانفشانی اور استقلال کے ساتھ اس کے لیے مواد جمع کیا ہے اس کا اندازہ ناظرین کو خود اس کے مطالعہ سے ہو جائیگا۔

ڈاکٹر کرسٹن سین سنہ ۱۹۱۹ء سے کوپن ہاگن یونیورسٹی میں السنۂ ایرانی کے پروفیسر ہیں۔ اُن کی پیدائش سنہ ۱۸۷۵ء کی ہے اور اصلاً ڈنمارک کے رہنے والے ہیں۔ اُنھوں نے پہلے کوپن ہاگن اور پھر گوٹنگن یونیورسٹی میں تعلیم پائی جہاں سنہ ۱۹۰۳ء میں اُنھوں نے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی۔ اُس وقت سے برابر آج تک وہ تصنیف و تالیف میں مشغول ہیں اور بیشمار کتابیں لکھ چکے ہیں۔ ایران و ایرانیات میں ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ سنہ ۱۹۳۴ء میں فردوسی کی ہزار سالہ برسی کے موقع پر وہ ڈنمارک کی طرف سے نمایندہ بن کر ایران گئے تھے۔

ڈاکٹر کرسٹن سین کی تصانیف بیشتر ڈنمارکی اور فرانسیسی زبانوں میں

ہیں لیکن رباعیات خیام کے موضوع پر ایک کتاب اُنھوں نے انگریزی میں بھی لکھی ہے۔ ذیل میں ہم اُن کی بعض اہم کتابوں کا ذکر کرتے ہیں :-

۱- رباعیاتِ عمرِ خیام پر تحقیقات (بزبان فرانسیسی)، سنہ ۱۹۰۵ء
۲- شاہنشاہیٔ ساسانیان (فرانسیسی)، سنہ ۱۹۰۷ء
۳- اساطیرِ ایران میں اوّلین انسان اور اوّلین بادشاہ (فرانسیسی)، دو جلد، سنہ ۱۹۱۷ء و سنہ ۱۹۳۴ء،
۴- عہد شاہ کواذ اور اشتمالیتِ مزدکی (فرانسیسی)، سنہ ۱۹۲۵ء
۵- رباعیات عمر خیام کا تنقیدی مطالعہ (انگریزی)، سنہ ۱۹۲۷ء،
۶- کیانیان (فرانسیسی)، سنہ ۱۹۳۱ء
۷- ایران بہ عہد ساسانیان (کتاب حاضر)، سنہ ۱۹۳۶ء،

ان کتابوں کے علاوہ اُن کے بیشمار مضامین ہیں جو یورپ کے مختلف علمی رسالوں میں شایع ہوتے رہے ہیں لیکن یہاں ان کو شمار کرنا ممکن نہیں۔

ساسانی خاندان جس کے تمدن کی یہ تاریخ ہے دنیا کے شاہی خاندانوں میں مشہور و معروف ہے، سنہ ۲۲۶ء میں اردشیر اوّل نے اس کی بنا ڈالی اور سنہ ۶۴۰ء میں عربوں کی تلوار نے اس کا خاتمہ کیا، دُنیا کی تاریخ میں ساسانیوں کی بہت بڑی اہمیت یہ ہے کہ انھوں نے مسلسل چار سَو سال تک اپنی طاقت و جبروت سے رومیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکے رکھا ورنہ سارا مغربی ایشیا اور شاید ہندوستان بھی اب سے سترّہ سَو سال پہلے یورپ کا محکوم ہو چکا ہوتا، عرب ان کے وارث و جانشین بنے اور باوجود

اس کے کہ مذہب اور نسل اور زبان کا تفاوت درمیان میں تھا ساسانی تمدن نے عربوں پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ حضرت عمرؓ ہی کے زمانے سے حکومت کے محکمے ایرانی نمونے پر ڈھلنے شروع ہو گئے اور عباسیوں نے تو سر سے پاؤں تک ساسانی شعار کو اختیار کر لیا۔ وہی آئینِ دربار، وہی عہدے، وہی طرزِ حکومت، وہی رسم و رواج، وہی روایات، حتیٰ کہ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ساسانی خاندان دوبارہ زندہ ہو کر عباسی خاندان کہلایا چونکہ دربارِ خلافت دوسرے مسلمان بادشاہوں کے لیے ہر لحاظ سے ایک قابلِ تقلید نمونہ تھا اس لیے وہی روایات بغداد سے نکل کر تمام عالمِ اسلام میں سرایت کر گئیں۔ یہ کہنا غلط نہیں کہ اکبر اور شاہجہان کا دربار انوشیروان اور خسرو پرویز کا دربار تھا،

یہی وجہ ہے کہ دورِ عباسی میں ساسانیوں کے تمدن پر کثرت سے عربی زبان میں کتابیں لکھی گئیں اور پھر وہ عربی سے منتقل ہو کر فارسی میں آئیں۔ عہدِ اسلام کے فارسی شاعروں نے ساسانی بادشاہوں کے کارناموں کو نظم میں بیان کر کے اُن کو اس قدر مشہورِ عالم کیا کہ آج بھی باوجودیکہ فارسی ادب تقویم پارینہ کا حکم رکھتا ہے اردشیر اور شاپور اور بہرام گور اور انوشیروان عادل اور خسرو پرویز کا نام بچے بچے کی زبان پر ہے،

کتاب حاضر عہد ساسانی کے تمدن کی تاریخ ہے۔ جنگوں کے واقعات اس میں بہت کم لکھے گئے ہیں، جس چیز کو زیادہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ اُس عہد کے اجتماعی اور سیاسی حالات ہیں، اسی بات نے

کتاب کو زیادہ دلچسپ اور پُر از معلومات بنایا ہے، اردو میں تو جہاں تک مجھے علم ہے اس موضوع پر کوئی تصنیف موجود نہیں ہے - انگریزی میں بھی صرف ایک دقیانوسی کتاب رالنسن کی "تاریخ ساسانیان" ہے جو آج سے ستّر برس پہلے لکھی گئی تھی اور اس میں بھی صرف لڑائیوں کے حالات ہیں - اس بنا پر میں نے اس کتاب کو دیکھتے ہی مصنّف سے ترجمہ کرنے کی اجازت حاصل کی - ہندوستان میں رہ کر اس قسم کی کتاب خود لکھ سکنا ناممکن ہے - ناظرین خود ملاحظہ فرمائینگے کہ فاضل مصنّف نے جو مواد جمع کیا ہے وہ دنیا بھر کی مردہ اور زندہ زبانوں سے لیا گیا ہے جن کا نہ ہندوستان میں کوئی سمجھنے والا ہے اور نہ یہاں کے کتب خانوں میں اُن کتابوں اور رسالوں کا کوئی نام و نشان ہے جن سے مصنّف نے استفادہ کیا ہے - ایسی صورت میں سوائے ترجمہ کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں - اور عموماً ہُوا بھی یہی کرتا ہے کہ ایک زبان کی ترقّی کے ابتدائی مدارج میں علمی کتابوں کے ترجمے ہوتے ہیں پھر رفتہ رفتہ قوم میں اجتہاد و تحقیق کا مذاق پیدا ہوتا ہے،

ترجمے میں مَیں نے شخصوں اور جگہوں کے ناموں کو فرانسیسی شکل کی بجائے انگریزی شکل میں لکھا ہے تاکہ وہ زیادہ مانوس معلوم ہوں مثلاً زینوبیا (ملکہ) کا نام فرانسیسی میں زینوبی ہے - سلوکیہ (شہر) کو فرانسیسی میں سیلوسی اور آرمینیہ کو آرمے نی کہتے ہیں - ایرانی نام اصل کتاب میں قدیم پہلوی شکل میں لکھے گئے ہیں، میں نے ان میں سے ایسے ناموں کو جن کی فارسی شکلیں

زیادہ معروف و مانوس ہیں پہلوی سے بدل کر فارسی شکل میں لکھا ہے مثلاً
شاہ پُہر کی بجائے شاپور، وہرام کی بجائے بہرام، نرسہ کی بجائے نرسی،
لیکن وہ نام جن کی پرانی اور نئی شکلیں یکساں معروف ہیں پُرانی شکل میں رہنے
دیے ہیں، مثلاً پیروز کی بجائے میں نے فیروز لکھنا مناسب نہیں سمجھا،

فحش مقامات کو میں نے حذف کر دیا ہے تاکہ کتاب طالب علموں
کے لیے بھی قابلِ مطالعہ اور مفید ہو سکے - ایسے مقامات دو چار سے زیادہ
نہیں ہیں،

میں جناب مصنّف کا ممنون ہوں کہ اُنھوں نے نہایت عالی حوصلگی
سے مجھے اس کتاب کا ترجمہ کرنے کی اجازت دی اور میری درخواست پر
اپنی تازہ تصویر بھی ارسال فرمائی جو کتاب کے شروع میں زینت افروز ہے،

مجھے اپنے مخدوم جناب ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سیکرٹری انجمن
ترقیٔ اردو کا بھی دلی شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ اُنھوں نے کتاب کو انجمن کے
سلسلۂ مطبوعات میں شامل کر لیا ورنہ شاید میرے لیے اس کا شایع کرانا
ممکن نہ ہوتا، اہلِ ذوق جانتے ہیں کہ اس قسم کی علمی کتابوں کی اشاعت جن کا
کوئی گاہک نہیں کس قدر دشوار ہے،

لاہور - یکم جون سنہ ۱۹۴۱ء

محمّد اقبال

فہرست مضامین

فہرست تصاویر

پروفیسر آرتھر کرسٹن سین

مصنف کتاب

نوٹ:- اصل کتاب میں یہ شجرہ نسب نہیں دیا گیا، میں نے اس کو اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے (مترجم)۔

مقدمہ

ہماری کتاب موسوم بہ "شاہنشاہی ساسانیان"[1] کو شائع ہوئے اب تقریباً تیس برس ہو چکے۔ اس عرصے میں بہت سا نیا تاریخی مواد فراہم ہوا ہے جو نہ صرف عہد ساسانی کے تمدّن کی تاریخ کے مطالعہ کے لیے کار آمد ہے (جو ہماری پہلی تصنیف کا موضوع تھا) بلکہ بہت سے اور مسائل مثلاً اس عہد کے فنون و مذاہب پر بھی روشنی ڈالتا ہے، لہذا بجائے اس کے کہ ہم اپنی پرانی کتاب کی ایک نئی اڈیشن ترمیم و اضافہ کے ساتھ شائع کرنے پر قناعت کریں ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ تمدّنِ عہدِ ساسانی کا ہر پہلو سے از سرِ نو مطالعہ کریں اور اس کی ہر ممکن جہت کو اور ہر مختلف شکل کو بہ ترتیبِ زمان دکھلانے کی کوشش کریں، ہماری اس تجویز کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہم کو ساسانی ایران کی ایک عام تاریخ لکھنی پڑی ہے جس میں سیاسی تاریخ بمنزلہ ایک چوکھٹے کے ہے جس کے اندر مادّی اور روحانی زندگی، حالاتِ معاشرت، مذہبی اور فلسفیانہ عقاید اور فنون و صنایع کی تصویریں دکھلائی گئی ہیں،

ساسانیوں کے نظامِ حکومت کی کیفیت کو ہم نے طبعی طور سے اس خاندان کی ابتدائی تاریخ کے ساتھ لکھا ہے اور اُن تبدیلیوں کو جو اُن کے دورانِ حکومت میں بمرورِ زمان

---

[1] "L'empire des Sassanides." 1907

پیدا ہوتی رہیں بہ ترتیبِ وقت دکھایا ہے، علاوہ اس کے ہم نے اپنی کتاب کو زیادہ دلپسند بنانے کے لیے یہ کیا ہے کہ تمدّنی معلومات پر علیحدہ مبحث قائم کرنے کی بجائے ان کو جابجا ابواب کے اندر ایسی مناسب جگہوں پر رکھ دیا ہے جہاں وہ سیاسی واقعات یا حالاتِ عمومی کی شرح کا کام دیں جو ان ابواب میں بیان کیے گئے ہوں، مثلاً ساسانیوں کے دورِ اوّل کے فوجی نظام کے متعلق جملہ معلومات کو ہم نے باب پنجم میں جنگہای ایران و روم کو بیان کرنے سے پہلے لکھ دیا ہے، اسی طرح محکمۂ عدالت اور قانون فوجداری کی کیفیت باب ششم میں ملے گی جہاں ایران میں عیسائیوں کی حالت بیان کی گئی ہے جن کے خلاف قانونی کارروائیاں کرکے ان کو موردِ ایذا بنایا جاتا تھا، علیٰ ہذا القیاس خانوادہ اور جائداد کے مضمون پر ہم نے تمہید کے طور پر باب ہفتم میں بحث کی ہے جس کا موضوع مزدک اور اصولِ اشتمالیت[1] پر اس کی خفیہ تعلیم ہے، اسی طرح پایہ تخت ایران کا مختصر وصف باب ہشتم میں لکھا گیا ہے جس میں خسرو اوّل (انوشیروان) کے عہد کا حال ہے کیونکہ حقیقت میں یہ خسرو ہی تھا جس نے طیسفون و سلوکیہ[2] کے نواح میں شہر انطاکیہ نو[3]

---

[1] Communism.

[2] - Ctesiphon-Seleucia ، شہر طیسفون عراق میں دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر (بغداد سے تقریباً بیس میل جنوب کی طرف) آباد تھا، پہلی صدی قبل مسیح میں وہ سلطنت پارتھیا کا پایہ تخت بنا، اسی کے بالمقابل دریا کے مغربی کنارے پر شہر سلوکیہ تھا جس کو سکندر کے نامور سپہ سالار سلوکس نے آباد کیا تھا۔ ساسانیوں نے ان دونوں شہروں کو ملا کر ایک کر دیا اور اس کو دارالسلطنت قرار دیا، عربی تاریخوں میں وہ مدائن کے نام سے موسوم ہے۔ اب اس کا کوئی نشان باقی نہیں ہے، انوشیروان کے سر بفلک محل کی چند ٹوٹی پھوٹی دیواریں باقی رہ گئی ہیں جن میں ایک بہت بلند محراب بھی ہے، کتابوں میں اسی کو ایوانِ مدائن یا طاقِ کسریٰ کہا گیا ہے۔ (مترجم)

[3] انوشیروان نے ۵۴۰ء میں شہر انطاکیہ (پایہ تخت شام) کو فتح کرکے خوب لوٹا، اس کو اس شہر کی ساخت اس قدر پسند آئی کہ اس نے واپس آ کر لوٹ کے مال سے طیسفون کے نواح میں بالکل اسی نمونے پر نیا انطاکیہ آباد کیا، فردوسی نے شاہنامہ میں اس شہر کے آباد ہونے کی کیفیت بیان کی ہے لیکن اس کا نام اس نے زیب خسرو لکھا ہے۔ (مترجم)

کی بنیاد رکھ کر پایۂ تخت ایران کو پوری وسعت دی ، اسی باب کے اندر ہم نے آدابِ دربار پر بھی بحث کی ہے کیونکہ اس بارے میں عربی اور فارسی مصنّفین کے بیانات میں عہدِ ساسانی کے اِسی آخری دور کا پرتو نظر آتا ہے جس کا آغاز مزدکیّت کی فنا کے بعد خسروِ اوّل کے زمانے سے ہوتا ہے ، برعکس اس کے وہ حصّہ جس میں دربارِ ساسانی کی شان و شوکت کا ذکر ہے اُس باب میں شامل کر دیا گیا ہے جس میں خسرو ثانی (پرویز) کے عہدِ سلطنت کا حال ہے کیونکہ ہمارے نزدیک جہاں تک شاہانہ جاہ و جلال اور عیش و عشرت کے ساز و سامان کا تعلق ہے کوئی ساسانی بادشاہ خسرو پرویز سے سبقت نہیں لے جا سکا ،

ایران کی سیاستِ خارجہ کو بیان کرنے میں ہم نے نہایت اختصار سے کام لیا ہے ، واقعاتِ جنگ کا ذکر بالعموم ہم نے وہیں کیا ہے جہاں ضرورت نے ہم کو سختی کے ساتھ مجبور کیا ، اس بارے میں اگر ہم نے شاپور دوم اور دولتِ روم کے مابین جنگ کا حال مستثنیٰ طور پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے تو اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اس جنگ کی غیر معمولی کیفیت ایک لاثانی مؤرّخ امّیانوس مارسیلینوس[1] نے اپنی تصنیف میں بیان کی ہے جس نے اپنے سحرِ بیان سے ایران کے اس عظیم الشّان بادشاہ اور اُس کی فوجوں کو زندہ کر کے ہماری آنکھوں کے سامنے لا کھڑا کیا ہے اور اُن واقعات کی متحرّک تصویریں ہمیں دکھلائی ہیں جن کو اُس نے بچشم خود دیکھا تھا ،

اس کتاب میں کہیں کہیں ہماری سابقہ تصنیف شاہنشاہیِ ساسانیان کی عبارات

---

[1] Ammianus Marcellinus. ، انطاکیہ کا رہنے والا تھا اور فوج میں ملازم تھا ، ۳۶۳ء میں جولین قیصر روم نے جب ایران پر چڑھائی کی تو امّیانوس اس کی فوج میں شریک تھا ، اس حملے کی چشم دید کیفیت اس نے اپنی تاریخ میں لکھی ہے . شاپور دوم اس وقت ایران کا بادشاہ تھا ، جولین کو اس حملے میں ناکامی ہوئی بلکہ وہ خود بھی ایرانیوں کے خلاف لڑائی میں مارا گیا ،

(مترجم)

دیکھنے میں آئینگی جن کو ہم نے بعض جگہ لفظ بہ لفظ نقل کیا ہے اور بعض جگہ ان میں حسب ضرورت ترمیم و اضافہ کر دیا ہے، جہاں کہیں ہماری سابقہ رائے میں کوئی نمایاں تغیر واقع ہؤا ہے اس کو ہم نے یا تو متن میں یا حاشیے میں جتا دیا ہے، مثلاً مرزبانوں، پاذگوسپانوں اور سپاہبذوں[1] کے مرتبے اور باہمی نسبت کے بارے میں پہلے ہمارا عقیدہ کچھ اور تھا اور اب وہ بالکل بدل گیا ہے یہ تبدیلی بیشتر مسٹر ای۔ شٹاین کے ایک مضمون کے شائع ہونے پر پیدا ہوئی جس کا ذکر کتاب کے آخر میں ضمیمہ ۲ میں کیا جائیگا۔ لیکن ہم اعتراف کرتے ہیں کہ یہ مسائل ابھی واضح طور پر سمجھ میں نہیں آئے ہیں، کواذ اوّل[2] اور مزدکیت کے بارے میں جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ اس موضوع پر ہماری پہلی تصنیف کے حصّۂ دوم کی نقل ہے جس کا نام "عہد کواذ اوّل اور اشتمالیت مزدکی"[3] ہے، لیکن اس کے ساتھ کتاب کے حصّۂ اوّل میں سے بہت سی باتیں لے کر اضافہ کر دی گئی ہیں،

اس کتاب کا مسوّدہ تین سال سے تیار پڑا تھا لیکن اس کی اشاعت بعض ایسے اسباب سے ملتوی ہوتی رہی جو میرے بس کے نہ تھے، اس تاخیر کی وجہ سے ہمیں باب چہارم پر جس میں مانویت پر بحث ہے بار بار نظر ثانی کرنی پڑی اس لیے کہ اسی عرصے میں اس مضمون پر نہایت اہم کتابوں کا ایک سلسلہ شائع ہؤا، مانویت پر قبطی کتابیں جو حال ہی میں دریافت

---

[1] آگے چل کر ان عہدوں کی مفصّل کیفیت معلوم ہوگی، یہاں صرف اسی قدر جان لینا کافی ہے کہ مرزبان، پاذگوسپان اور سپہبذ ساسانی گورنمنٹ میں اونچے رتبے کے افسر یا حاکم تھے، (مترجم)

[2] انوشیروان کا باپ تھا، مزدک اسی کے عہد میں گزرا ہے (عہد سلطنت ۴۸۷ء۔ ۵۳۱ء)، (مترجم)

[3] "Le regne du roi Kawadh et le Communisme mazdak ite"

ہوئی ہیں اور جن کا فقط ایک حصّہ (طبع ہو کر) ہمارے ہاتھوں میں آیا ہے ہمیں یقین دلاتی ہیں کہ اس مذہبی تحریک کے متعلّق ہماری معلومات میں ان سے نمایاں اضافہ ہوگا۔[1]

آرتھر کرسٹن سین

---

[1] اس کے بعد مصنّف نے چند باتیں طریق ہجا پر تحریر کی ہیں جو انھوں نے پہلوی یا عربی ناموں کے لکھنے میں اختیار کیا ہے، نیز کتابوں اور رسالوں کا حوالہ دینے کا جو اصول انھوں نے برتا ہے اس کو واضح کیا ہے اور اپنے احباب کا شکریہ ادا کیا ہے جنھوں نے ان کو کسی طرح کی مدد دی ہے، ان سب باتوں کو میں نے ترجمے میں غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا ہے،

(مترجم)

فصل اوّل

ساسانیوں کے آنے سے پہلے تمدّن ایران کی مختصر کیفیّت

۱۔ سلطنت اشکانی[1] کی سیاسی اور اجتماعی ساخت

اہل ایران نے نہایت قدیم زمانے سے اپنی معاشرت کو ایک نظامِ خانوادگی[2] کی شکل میں ترتیب دیا جو بلحاظ تقسیماتِ ارضی چار حصّوں پر مبنی تھا یعنی (۱) گھر (نمانَ)، (۲) گاؤں (وِیس)، (۳) قبیلہ (زَنتُو)، (۴) ولایت (دَہیُو)[3]، لوگ اپنے تئیں

[1] سلطنت اشکانی (Arsacid) کا بانی ایک شخص مسمّی اَشک یا ارشک (Arsaces) تھا، وہ قبیلہ پرنوا کا سردار تھا جس کا مسکن بحر خزر کا جنوب مشرقی علاقہ تھا جو بعد میں خراسان کہلایا، لیکن اس علاقہ کا قدیم نام اسی قبیلے کے نام پر پارتھیا تھا، اشک نے ۲۵۰ ؁ قبل مسیح میں اسی علاقے میں اپنی آزاد حکومت قائم کی جو رفتہ رفتہ بہت بڑی سلطنت بن گئی جس کی وسعت دریائے فرات سے دریائے سندھ تک تھی اور تقریباً پانچ سو سال تک قائم رہی، ۲۲۶ ؁ء میں اردشیر بابکان (بانیٔ خاندانِ ساسانی) نے اس کا خاتمہ کیا، سلطنت اشکانی اور سلطنت پارتھیا سے ایک ہی سلطنت مراد ہے، (مترجم)

[2] patriarchal.

[3] اوستا کے باب گاتھا میں ان چار تقسیموں کے نام یوں دئے ہیں: (۱) دْمانَ (۲) وِیس (۳) شوا ئِنْدَر (۴) دَہیو، دیکھو موسیو مے یے (A.Meillet) کی کتاب موسوم بہ "اوستا کے باب گاتھا پر تین لیکچر" (طبع پیرس ۱۹۲۵ء) ص ۲۳ (مصنف)، لفظ وِیس اور زنتو کا اب کوئی نشان فارسی میں باقی نہیں لیکن "نمانَ" وہی لفظ ہے جو اب خان ومان یا خانماں میں موجود ہے، "دَہیُو" کی موجودہ شکل دِہ (گاؤں) ہے، (مترجم)

آریا کہتے تھے جس میں سے نسلی اور جغرافیائی نام ایرَان (بیاءِ مجہول) نکالا گیا جس کو اب ایرَان (بیاءِ معروف) پکارا جاتا ہے،

مغربی ایران میں معاشرت کا یہ خانوادگی اصول کسی قدر تمدّنِ بابلی کے رنگ میں چھپ گیا تھا چنانچہ دولتِ ہخامنشی[1] کے متعلّق ہم کہ سکتے ہیں کہ وہ آسوری[2]، بابلی اور عیلامی[3] سلطنتوں کے سلسلے کی آخری کڑی تھی، ہخامنشیوں کا سیاسی نظام وہی تھا جو بابل اور میڈیا[4] کے بادشاہوں کا تھا البتّہ اس کو کُورش اور داریوش اوّل[5] جیسے باتدبیر بادشاہوں نے اپنی ذہانت سے زیادہ کامل بنا دیا تھا، با ایں ہمہ وہ ابتدائی نظامِ خانوادگی برابر باقی رہا اور میڈیا اور فارس میں ہمیں وہ زندہ نظر آرہا ہے مثلاً نقشِ رستم[6] میں داریوش کے مقبرے کے کتبے میں اُس کو "پسرِ وِشتاسپ، ہخامنشی، پارسی، آریائی" لکھا ہے جس کا مقصد

---

[1] دولتِ ہخامنشی (Achæmenian) کا بانی شاہ کُورشِ بزرگ (Cyrus the Great) تھا جس نے سنہ ۵۵۰ قبل مسیح میں سلطنت میڈیا کو فتح کرکے خاندانِ ہخامنشی کی حکومت قائم کی. ہخامنش اس خاندان کا مورثِ اعلیٰ تھا، سنہ ۳۳۰ قبل مسیح میں سکندر نے اس خاندان کے آخری بادشاہ داریُوش سوم (دارا) کو شکست دے کر دولتِ ہخامنشی کا خاتمہ کر دیا، (مترجم) [2] سلطنت آسوری (Assyrian) ایک وسیع مملکت تھی جس کا طویل زمانہ سنہ ۱۴۰۰ قبل مسیح سے سنہ ۶۰۰ قبل مسیح تک تھا، اس کا پایۂ تخت دریائے دجلہ کے کنارے پر مشہور شہر نینوا تھا، سنہ ۶۰۷ قبل مسیح میں میڈیا والوں نے اس کو فتح کرکے اپنی سلطنت میں ملا لیا، سلطنت بابلی کا آغاز سنہ ۲۳۰۰ (قبل مسیح) میں ہُوا، شہر بابل جو اس کا پایۂ تخت تھا دریائے فرات کے کنارے پر (بغداد سے تقریباً ساٹھ میل جنوب کی طرف) آباد تھا۔ اس کے کھنڈرات اب زمین میں سے کھود کر نکالے گئے ہیں، سنہ ۵۳۹ قبل مسیح میں کُورشِ بزرگ (شاہِ فارس) نے سلطنت بابل کو فتح کر لیا، سلطنت عیلام (Elam) کا زمانہ بھی تقریباً وہی ہے جو بابل کا ہے، عیلام کا پایۂ تخت شوش (Susa) تھا جس کے کھنڈرات اب اہلِ فرانس نے برآمد کئے ہیں، اس شہر کے نام پر اس سلطنت کو (Susiana) (خوزستان بھی کہتے ہیں، شہر شوش کو سنہ ۶۴۵ قبل مسیح میں آسور بانیپال (بادشاہ آسور) نے فتح کرکے سلطنت عیلامی کا خاتمہ کر دیا (مترجم) [4] میڈیا (Media) کی سلطنت مغربی ایران میں سنہ ۷۰۰ قبل مسیح میں وجود میں آئی، اس کا پایۂ تخت شہر اکبٹانا تھا جس کو اب ہمدان کہتے ہیں، سنہ ۵۵۰ قبل مسیح میں کُورشِ بزرگ نے میڈیا کو فتح کر لیا، (مترجم) [5] شاہ کُورشِ بزرگ کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، وہ دولتِ ہخامنشی کا بانی ہے، اس کا عہدِ سلطنت سنہ ۵۵۰ ق م سے سنہ ۵۲۹ ق م تک رہا، داریُوش اوّل جس کو داریُوشِ بزرگ بھی کہتے ہیں خاندانِ ہخامنشی کا تیسرا تاجدار ہے اس کا عہدِ حکومت سنہ ۵۲۱ ق م سے سنہ ۴۸۵ ق م تک تھا، (مترجم) [6] سلطنت ہخامنشی کا پایۂ تخت صوبۂ فارس میں شہر پرسی پولس (تختِ جمشید) تھا جس کے کھنڈرات شیراز سے تقریباً چالیس میل شمال کی جانب واقع ہیں، نقشِ رستم انھی کھنڈرات کے قریب ہے، (مترجم)،

گھر، خاندان، قبیلہ اور قوم کو نمایاں کرنا ہے[۱]،

عہد ہخامنشی میں فارس میں سات ممتاز خاندان تھے جن کے خاص حقوق تھے، ان میں سے ایک شاہی خاندان تھا، مؤرخ ہیروڈوٹس[۲] نے غلط سمجھا ہے کہ یہ امتیازی حقوق ان کو اس بات کے معاوضے میں دئے گئے تھے کہ وہ نقلی بردیا یعنی گوماتا[۳] کے قتل کرنے میں شریک ہوئے تھے،

بنجیا کے ان خاندانوں کے علاوہ (جن کی بزرگی نسبی تھی) سلطنت ہخامنشی میں ماتحت حکمرانوں کا ایک سلسلہ موجود تھا، مثلاً ایشیاے کوچک میں فرمانرواؤں کے بعض قدیم خاندان حکومت کرتے تھے جو شہنشاہ کے ماتحت تھے اور جن پر مؤثر طریقے سے نگرانی کا کام گورنروں کے سپرد تھا، لیکن ان کے علاوہ شہنشاہ اس طرح کے نئے حکمران بھی پیدا کرتا رہتا تھا، وہ یوں کہ بعض لوگوں کو وہ سلطنت کے خاص علاقے موروثی جاگیر کے طور پر عطا کر دیتا تھا جس کی وجہ سے ان کو امتیازی حقوق حاصل ہو جاتے تھے، ان بڑے خاندانوں کا اقتدار اپنے اصلی وطن یعنی فارس[۴]

---

۱ دیکھو مقالۂ آنڈریاس (Andreas) در روئداد اجلاس سیزدہم کانفرنس مستشرقین بین المللی (ص ۹۶)،

۲ (Herodotus) مشہور یونانی مؤرخ ہے (سنہ ۴۸۴ - ۴۲۴ ق م)، اس کی تاریخ میں (جس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے) بیشتر ایرانیوں اور یونانیوں کی لڑائیوں کا حال ہے، (مترجم)،

۳ بردیا اصل میں شاہ کوروش بزرگ کے بیٹے کا نام تھا لیکن سنہ ۵۲۹ ق م میں کوروش کے مرنے کے بعد اس کا دوسرا بیٹا کمبوجیہ تخت پر بیٹھا، اس نے اپنے بھائی بردیا کو اس خوف سے کہ کہیں وہ سلطنت کا دعویٰ نہ کرے خفیہ طور پر مروا دیا، سنہ ۵۲۵ ق م میں کمبوجیہ مصر کی مہم پر چلا گیا اور چار پانچ برس اپنے پایہ تخت سے غیر حاضر رہا، اس اثنا میں ایک شخص مسمی گوماتا نے جو محلات شاہی کا داروغہ تھا اور شکل و صورت میں بردیا سے مشابہت رکھتا تھا اس بات کا دعوی کیا کہ میں بردیا ہوں اور تخت سلطنت کا وارث ہوں، چونکہ لوگوں کو بردیا کے مارے جانے کا حال معلوم نہ تھا اس لئے سب نے اس کو بادشاہ تسلیم کر لیا، کمبوجیہ کو مصر میں جب اس بغاوت کی اطلاع ملی تو وہ فوراً وہاں سے چل پڑا لیکن شام میں پہنچ کر مر گیا، اس کے بعد داریوش اول کو وہیں (شام میں) کمبوجیہ کا جانشین تسلیم کیا گیا، اس نے پایہ تخت واپس پہنچ کر چھ امیروں کی مدد سے جن پر گوماتا یا نقلی بردیا کا راز فاش ہو گیا تھا اس کو قتل کیا اور خود بادشاہ بنا، (مترجم)،

۴ فارس ایران کے جنوب میں مشہور صوبہ ہے، یہاں فارس کو اصلی وطن اس لئے کہا گیا ہے کہ شاہان ہخامنشی اپنے عروج سے پہلے یہیں کے رہنے والے تھے اور صوبۂ فارس ان کی ریاست میں تھا، (مترجم)

کے محض کسی چھوٹے سے گاؤں (وِیس) کی ملکیت کی وجہ سے نہیں ہوتا تھا بلکہ سلطنت کے دوسرے حصّوں میں بھی ان کی بڑی بڑی جاگیریں ہوتی تھیں، وہ لوگ بھی جو ان بڑے خاندانوں میں سے کسی سے تعلّق نہیں رکھتے تھے خواہ وہ فارس کے ہوں یا میڈیا کے یا بالکل اجنبی ہوں (جیسا کہ یونان کے جلاوطن جو ایران میں آنکلتے تھے) شہنشاہ کے دستِ کرم سے جاگیریں حاصل کرنے کے اہل سمجھے جاتے تھے، گورنروں کے ساتھ ان حکمرانوں کے روابط واضح نہیں ہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ امتیازی حقوق جو انھیں حاصل ہوتے تھے وہ خاصے معقول ہوتے تھے، بعض وقت غالباً انھیں ٹیکس کی معافی بھی مل جاتی تھی یعنی یہ کہ جو لگان وہ رعایا سے وصول کریں اس کو (شاہی خزانے میں بھجوانے کی بجائے) اپنی جیب میں ڈال لیں[1]،

یہ تھی ایران میں نظامِ منصب داری[2] کی ابتدا، لیکن ہخامنشیوں کے زمانے میں ابھی اس کو چنداں ترقی نہیں دی گئی تھی، سکندر اور (اس کے بعد) سلوکیوں[3] نے جو شاہانِ ہخامنشی کی سیاست کے وارث تھے داریوشِ بزرگ کے قوانین کی اصولی باتوں کو برقرار رکھا،

عہدِ ہخامنشی کی سیاسی روایات سلوکیوں کے بعد بھی قائم رہیں جبکہ اشکانیوں نے قبیلہ داہہ[4] کی اعانت سے جو خود ان کی طرح شمالی ایران کے باشندے تھے صوبۂ

---

[1] دیکھو اڈورڈ مائر (Ed. Meyer) کی کتاب "تاریخ عہدِ قدیم" ج ۳ ص ۶۱-۶۲؛ نیز کرسٹن سین کا مقالہ بعنوان "ایرانیان" درکتاب (Handbuch der Altertumswissenschaft, III.I.3) ص ۲۶۸ بعد،
[2] feudalism.
[3] Seleucids، اس خاندان کا بانی سلوکس (سکندر کا سپہ سالار) تھا جس نے سکندر کے بعد اس کی سلطنت کے بڑے حصّے پر قبضہ کرلیا جس میں ایران اور سارا مغربی ایشیا شامل تھا، سلوکی خاندان ۳۱۲ق.م سے ۱۷۵ ق.م تک ایران پر حکومت کرتا رہا، (مترجم)
[4] قبیلہ داہہ (Dahæ) ایک خانہ بدوش وحشی قبیلہ تھا جس کا مسکن بحرِ خزر کے مشرق کی طرف تھا، لفظ داہہ کے معنی "راہزن" کے ہیں، (مترجم)،

پارتھیا[1] پر قبضہ جمایا اور اپنی اس فتح سے ایک نئی ایرانی سلطنت پیدا کی، اشکانیوں نے خاندان ہخامنشی کے اصولِ مملکت داری کو ترک نہیں کیا لیکن بایں ہمہ اس پارتھی سلطنت سے ایک خاص بات یہ پیدا ہوگئی کہ سیاسی اقتدار ایران کے مغرب سے شمال کی جانب کو منتقل ہوگیا جہاں ایرانی صفات زیادہ خالص حالت میں محفوظ رہ سکیں، بنابریں دولت اشکانی باوجود اس کے کہ اس پر یونانی رنگ چڑھ گیا تھا اپنی ایرانیت میں دولتِ ہخامنشی سے زیادہ خالص تھی، تقریباً دو سو سال تک اشکانیوں نے صوبۂ پارتھیا میں شہر ہکاٹوم پیلوس[2] کو اپنا پایہ تخت رکھا لیکن ارتقاءِ تاریخی نے ان کو بعد میں دجلہ کے کنارے شہر طیسفون[3] میں منتقل ہونے پر مجبور کیا،

شمالی ایرانیوں کے غلبہ پا جانے کی وجہ سے قدیم خانوادگی طرز کی حکومت کو پھر فروغ ہوا۔ نظامِ اجتماعی میں سلسلۂ نسب کی محافظت کا خیال زرتشتی جماعت کے لوگوں میں صدہا سال تک حتّٰی کہ ساسانی سلطنت کے مٹ جانے کے بعد بھی قائم رہا۔ پہلوی کتابوں میں[4] حکّامِ چہارگانہ کا ذکر اکثر ملتا ہے یعنی (۱) حاکمِ خانہ (۲) حاکم دیہ (۳) حاکمِ قبیلہ (۴) حاکمِ ولایت، مانوی کتابوں کے جو اجزا ترفان[5] میں دستیاب ہوئے ہیں ان میں بھی

---

[1] یہ صوبہ بحر خزر کا جنوب مشرقی علاقہ تھا، دیکھو اوپر ص ۶ ح [1]، (مترجم)،

[2] Hecatompylos. جس کے معنی یونانی زبان میں "شہر صد در" کے ہیں، یہ شہر صوبہ پارتھیا کے عین وسط میں واقع تھا اور کہا جاتا ہے کہ سکندر نے آباد کیا تھا، بعد میں سلوکس نے اس کی توسیع کی، (مترجم)

[3] دیکھو اوپر ص ۲ ح [2]، [4] پہلوی زبان ساسانیوں کے زمانے میں ایران کی مروّجہ زبان تھی، (مترجم)

[5] مذہبِ مانوی کا پیغمبر مانی تھا جو فارسی ادبیات میں مصوّر کی حیثیت سے مشہور ہے، وہ سنہ ۲۱۶ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۲۷۳ء میں شاہ بہرام اوّل ساسانی کے حکم سے قتل کیا گیا، شاپور اوّل (سنہ ۲۴۰ء تا سنہ ۲۷۱ء) نے اس کو ایران سے جلا وطن کر دیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ برسوں چین اور ہندوستان کی سیاحت کرتا رہا اور شاپور کے مرنے کے بعد ایران واپس آیا۔ چینی ترکستان میں ترفان ایک شہر ہے جہاں اب سے چند سال پہلے مانوی مذہب کی کتابوں کے بہت سے پراگندہ اوراق دستیاب ہوئے تھے، یہ اوراق سریانی زبان کے خاص اس رسم الخط میں لکھے ہوئے ہیں جس کا موجد خود مانی تھا، چونکہ یہ رسم الخط نہایت خوبصورت اور نظر فریب تھا لہٰذا مانی کی شہرت بحیثیت ایک نقاش یا مصوّر کے قائم ہوگئی، (مترجم)،

یہی قدیم طبقہ بندی دیکھنے میں آتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ وہاں وہ عالم ملکوت کے بارے میں بیان ہوئی ہے، لیکن حقیقت میں ان حکّام چہارگانہ میں سے دو آخری اور برترین حاکم (یعنی حاکمِ قبیلہ اور حاکمِ ولایت) بہت مدّت ہوئی کہ ناپید ہوگئے اور ان کے فرائض کو حکومتِ ملکی نے اپنے ذمّے لے لیا، نہایت قدیم زمانے سے حاکمِ قبیلہ اور حاکمِ ولایت نظامِ حکومت کے ضروری عنصر تھے لیکن ان کے اختیارات غیر معیّن اور تغیّر پذیر تھے اور بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ ان کا زور مقامی حکومت کے مقابلے میں چل سکے جو رؤسائے طوائف[1] کے کے ہاتھوں میں ہوتی تھی، سلطنت کے وجود میں آنے پر حاکم ولایت کی جگہ تو خود شہنشاہ نے لے لی چنانچہ شاہانِ ہخامنشی کتبوں میں اپنے آپ کو "کھشا یَتیا دَہیُو نام" (یعنی شاہِ ولایات) لکھتے ہیں اور سردارانِ قبائل کے جانشین بادشاہ کے نائب یعنی گورنر ہوگئے، بعینہٖ یہی صورتِ حالات اشکانیوں کے زمانے میں بھی قائم رہی کیونکہ شاہانِ ہخامنشی کا نظامِ حکومت اس بارے میں اس درجہ مستحکم تھا کہ کوئی انقلاب اس کو متزلزل نہیں کرسکتا تھا، لیکن برخلاف اس کے نظامِ خانوادگی کے دو ادنٰی مراتب یعنی حاکمِ خانہ (مان بَد) اور حاکمِ دیہ (وِیس بَد) زیادہ محکم ہونے کی وجہ سے اپنی جگہ پر برقرار رہے، خود شاہانِ اشکانی اور وہ لوگ جو شروع سے ان کی رفاقت میں تھے اور جو آگے چل کر سلطنت پارتھیا کے چشم و چراغ بنے ابتدا میں رؤسائے طوائف ہی تھے جیسا کہ اس سے پیشتر داریوش اور اس کے رفقاء تھے، ہم اس بات کو پھر دہراتے ہیں کہ رؤسائے طوائف اس نظامِ امارت کی برترین جماعت تھی جن کے اقتدار کی بنیاد موروثی جاگیروں پر تھی، اس بنا پر جونہی کہ سلطنتِ پارتھیا وجود میں آئی جاگیرداری (یا منصبداری) کا دستور بڑے شدّ و مد کے ساتھ جاری ہوا،

---

[1] clans.

اس عہد میں جو گھرانے برترین رتبے کے تھے (غالباً عہد ہخامنشی کی روایت کے اثر میں) تعداد میں سات تھے[1] جن میں سے دو (شاہی گھرانے کو چھوڑ کر) بہت با اقتدار تھے، ایک تو سورین کا خاندان جسے بادشاہ کو تاج پہنانے کا موروثی حق حاصل تھا اور دوسرے قارین[2] کا خاندان، ان گھرانوں میں جو لوگ حکّام دیہ (ویس بذ) تھے وہی حکومت کا مرکزِ ثقل تھے اور انہی میں وہ بڑے بڑے باجگزار حاکم تھے جو اپنی رعایا میں سے بغرض جنگ سپاہی بھرتی کرتے تھے خواہ وہ جنگ بادشاہ کی حمایت میں ہوتی تھی (جو اُن کا حاکم اعلیٰ تھا) یا اُس کے خلاف، کراسوس[3] کے مقابلے پر سورین جو دس ہزار فوج لے کر نکلا تھا وہ (بقول پلوٹارک) سب اس کے "غلام" تھے[4]، اس سے بلا شبہ یہ پایا جاتا ہے کہ رعایا یا کسان جن کے ذمّے فوجی خدمت ہوتی تھی وہ ان طاقتور سرداروں کے قبضے میں ایک طرح کی غلامی میں آن گرے تھے، لیکن ان باجگزار حاکموں اور کسانوں کے بین بین ایک اور جماعت تھی جس کے افراد چھوٹی چھوٹی جاگیروں کے مالک تھے یعنی کمتر درجے کے منصبدار یا نائٹ[5]، اور غالباً یہی جماعت تھی جو "مان بذ" کہلاتے تھے، اس صورتِ حالات میں اور یورپ کے ازمنۂ متوسطہ کی فیوڈل[6] حکومت میں ایک ایسی مشابہت ہے

[1] بقول مؤرّخ یونیپیوس (Eunapius) اشک (بانی سلسلۂ اشکانیان) کو سات آدمیوں نے تخت پر بٹھایا تھا (ص ۲۲۲) [2] جس سورین نے کراسوس (رومی سپہ سالار) کو شکست دی تھی وہ تاریخ میں بہت مشہور ہے (یہ واقعہ ۵۳ سنہ ق۔م کا ہے، مترجم)، اسی نام کے ایک اور بڑے سردار کا ذکر مؤرّخ ٹاسیٹوس (Tacitus) نے سنہ ۳۲ع کے واقعات میں کیا ہے (تاریخ ج ۶ ص ۴۲) ایک قارین کا ذکر اسی مؤرّخ نے سنہ ۵۰ع کے واقعات میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ گودرز اور مہرداد کے درمیان لڑائیوں میں اس کی شخصیت بہت اہم تھی (تاریخ، ج ۱۲، ص ۱۲ ببعد) [3] Crassus مشہور رومی سپہ سالار رہے، سنہ ۵۳ ق۔م میں اس نے سکندر کی تقلید میں ایران کو فتح کرنا چاہا لیکن ایرانی سپہ سالار سورین نے اس کو حرّان کے مقام پر شکست فاش دی اور وہ مارا گیا (مترجم)، [4] پلوٹارک، احوال کراسوس، [5] مؤرّخ جسٹن (Justin) لکھتا ہے کہ رومی سپہ سالار انٹونی (Antony) کے مقابلے کے لیے پارتھیوں نے پندرہ ہزار کا لشکر جمع کیا تھا جس میں سے صرف چار سو آدمی آزاد تھے (باقی غلام) (تاریخ جسٹن، کتاب ۴۱، ص ۲)۔ مصنّف، یہ وہی انٹونی ہے جو شکسپیر کے مشہور ڈرامے (Antony and Cleopatra) کا ہیرو ہے، سنہ ۳۶ ق۔م میں اس نے پارتھیا پر چڑھائی کی لیکن لا تعداد لشکر اور سخت کوششوں کے باوجود اس کو بہت نقصان اٹھا کر واپس ہونا پڑا، (مترجم)، [6] feudal,

جس نے مؤرخین کی توجہ کو اپنی طرف کھینچا ہے ،

یورپین فیوڈلزم[1] کی طرح پارتھیوں کے ہاں بھی یہ بات پائی جاتی تھی کہ باجگزار حاکموں اور ان کی رعایا کے درمیان رشتہ زیادہ محکم تھا بہ نسبت اُس رشتے کے جو باجگزار حاکموں اور بادشاہ کے درمیان تھا جو ان کا برترین حاکم تھا ، عہدۂ شاہی کُلّی طور پر کبھی نظامِ جاگیرداری کے تابع نہیں ہُوا ، وہ ہمیشہ خاندان اشکانی کے ساتھ وابستہ رہا لیکن اس طرح پر کہ یہ ضروری نہ تھا کہ باپ کے بعد بیٹا جانشین ہو ، اکابر اس بات کا فیصلہ کرتے تھے کہ کس کو بادشاہ ہونا چاہیے اور اگر وہ باہم متفق نہ ہوں تو مختلف پارٹیاں اشکانی شہزادوں میں سے اپنا اپنا آدمی منتخب کر کے اس کو بادشاہ بنانے کے لیے باہم جنگ کرتی تھیں ،

ہمیں یہ ٹھیک طور سے معلوم نہیں کہ کسی صوبے کی شاہی حکومت اور وہاں کی جاگیروں کے درمیان کس قسم کا رابطہ ہوتا تھا ، صرف یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ حکّام باجگزار اکثر انھی صوبوں کے گورنر مقرر کیے جاتے تھے جہاں اُن کی جاگیر کا بیشتر حصّہ واقع ہوتا تھا[2] ، بہرحال صوبوں کی گورنریاں خاندانِ شاہی اور باقی چھ ممتاز خاندانوں کے ممبروں کے لیے مخصوص ہوتی تھیں ، عہدِ اشکانی میں اکثر صوبہ داریاں اپنی وسعتِ قلمرو کے لحاظ سے قدیم (ہخامنشی) صوبوں سے کمتر ہوتی تھیں لیکن یہ صوبہ دار اپنے اختیارات میں اُن قدیم گورنروں سے زیادہ آزاد تھے ، شاہی خاندان کے جو ممبر گورنر مقرر ہوتے تھے وہ "شاہ" کا لقب اختیار کرتے تھے اور ایران میں ہمیشہ سے یہی قاعدہ رہا ہے ، لیکن ایسا معلوم

---

[1] feudalism [2] غالباً یہ محض اتفاقی امر نہیں تھا کہ وہ صوبہ جو اشکانیوں کی قوت کا اولین مرکز تھا (یعنی صوبۂ پارتھیا) ان کے زمانے میں بہ نسبت سلطنت کے کسی اور علاقے کے زیادہ حصّوں میں منقسم تھا ، بقول مؤرخ اِیسی ڈور (Isidore) وہ چھ حکومتوں میں منقسم تھا جن میں سے ایک ہرکانیا (گرگان) تھی جو غالباً گیو کی موروثی ریاست تھی ، اس کی اولاد میں ایک شخص گودرز کی تخت نشینی کا ذکر کیا گیا ہے ، یہ گیو یقیناً سلطنت کے اوّلین خاندانوں میں سے کسی خاندان کا ممبر تھا ،

ہوتا ہے کہ اشکانیوں کے وقت میں اٹھارہ صوبوں کی گورنریاں سب کی سب "بادشاہیاں" کہلاتی تھیں[1]، لہذا سکندر اور ساسانیوں کے درمیانی زمانے کو جو عرب مؤرخ "ملوک الطوائف" کا زمانہ کہتے ہیں اس کو ہم بالکل غلط نہیں کہہ سکتے، یہ اصطلاح پہلوی "کذک خوذای[2]" کا ترجمہ ہے جس کے معنی "رئیس خانہ" یا "والی" کے ہیں،

سیاسی اقتدار جو حکّامِ باجگزار کو حاصل تھا اس کا اظہار وہ مجلسِ امرا کی کونسل میں کرتے تھے جس نے بادشاہ کی قوّت کو محدود کر دیا تھا، مؤرّخ جسٹن[3] اس مجلس کو سینیٹ[4] کے نام سے یاد کرتا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ سردارانِ سپاہ اور گورنر اس کے ممبروں میں سے منتخب کئے جاتے تھے[5] جس سے پتہ چلتا ہے کہ گورنریاں موروثی نہیں ہوتی تھیں، سینیٹ کے ممبر اپنے تئیں شہنشاہ کے رشتہ دار کہتے تھے، یہ مجلسِ شوریٰ شاہی گھرانے کے شہزادوں اور باقی چھ ممتاز خاندانوں کے رؤسا پر مشتمل تھی کیونکہ پارتھی زمانے کے سردارانِ سپاہ میں سے اکثر کو ہم سورین یا قارین کے نام سے موسوم پاتے ہیں، ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ دو خاندان نسب کے لحاظ سے اپنے آپ کو شاہی گھرانے کے ہمدوش خیال کرتے تھے، سینیٹ کے علاوہ ہم کو ایک اور مجلسِ شوریٰ کا ذکر بھی بعض جگہ ملتا[6] ہے جو سلطنت کے انتظام میں حصّہ لیتی تھی، وہ مجلسِ "دانشمندان و مُغاں" تھی جس سے شاہانِ اشکانی حکومت کے کاموں میں مشورہ لیتے تھے اور جو بعض اہم امور میں شرعی فتویٰ دینے کا اختیار رکھتی تھی[7]،

---

[1] پلینی (Pliny) "تاریخ طبیعی" (کتاب ۶، صفحہ ۲۶)،
[2] یہ الفاظ "ایرانی بُندہِشن" (طبع انکلساریا، ص ۲۱۴، س ۱۳) اور "کارنامگ" میں ملتے ہیں، دیکھو بارتھولمی "محاورات پہلوی" ج ۳، ص ۳۵، [3] کتاب ۴۲ : ۴، ۱، [4] Senate
[5] سٹریبو (Strabo) کتاب ۱۱، فصل ۹، جسٹن، کتاب ۴۱ : ۲، ۲، [6] سٹریبو مقام مذکور،
[7] سٹریبو لکھتا ہے کہ بادشاہ کا انتخاب ہمیشہ ان دونو مجلسوں میں عمل میں آتا تھا، ہمارے خیال میں اس کا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت انتخاب سینیٹ میں ہوتا تھا اور بعد میں "مجلسِ دانشمندان و مغاں" میں اس کی باضابطہ تائید ہوتی تھی،

لیکن بظاہر اس مجلس کا اثر کچھ ایسا زیادہ نہ تھا اور کہیں ہمارے سُننے میں نہیں آیا کہ مجلسِ "دانشمندان و مغاں" کو سلطنت پارتھیا کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں کبھی دخل ہُوا ہو، اس جماعت کو بجز مشورہ دینے کے اور کوئی اختیار نہ تھا، برخلاف اس کے سینیٹ انتظامِ سلطنت میں ایک حقیقی طاقت تھی،

رؤسا کی اس قلیل تعداد نے جس کا مرکز سینیٹ تھا بڑے بڑے عہدے پانے کا حق اپنے لیے خاص کر رکھا تھا جن سے ہماری مراد دربار کے باعزت منصب اور انتظامِ امورِ عامّہ کے ممتاز مشاغل ہیں، اس طرح پر رؤسائے جاگیردار ساتھ ہی ساتھ رؤسائے دربار بھی اور رؤسائے نظمِ امور بھی تھے، سلطنت پارتھی کے سیاسی اداروں کے متعلّق جو قلیل اطّلاعات ہم کو یونانی اور لاطینی مؤرّخوں نے دی ہیں ان کی کمی کو ارمنی تاریخ نویسوں اور وقائع نگاروں کے اُن بیانات نے پُورا کیا ہے جو اُنھوں نے خود اپنے ملک کے نظامِ حکومت کے متعلّق دیے ہیں، چونکہ ۶۶ءسنہ سے آرمینیہ پر خاندان اشکانی کی ایک شاخ متسلّط ہوگئی تھی لہذا نئے سرے سے اس کی حکومت کی تشکیل پارتھی نمونے پر کی گئی، موسیٰ خورینی[1] نے اس تغیرِ ہیئت کا دلچسپ بیان لکھا ہے جو آرمینیہ کے سب سے پہلے اشکانی بادشاہ وال ارشک[2] کے ہاتھوں عمل میں آئی، اس بادشاہ نے سب سے پہلے شاہی گھرانے کی تنظیم کی، خاندان بگراتونی کے رئیس کو جو ازروئے روایت یہودی الاصل

[1] نویں صدی عیسوی کا ارمنی مؤرّخ ہے اور "تاریخ آرمینیہ" کا مصنّف ہے، دیکھو آگے باب اوّل (مترجم)

[2] وال ارشک "وولاگاسس" (Volagases) کی ارمنی شکل ہے جس کے آخر میں ک بطور لاحقہ بڑھایا گیا ہے، دراصل آرمینیہ میں اشکانی خاندان کا بانی تیرداد تھا جو پارتھی بادشاہ وولاگاسس اوّل کا بھائی تھا اس کو قیصر روم نیرو (Nero) نے ۶۶ءسنہ میں بادشاہ تسلیم کیا تھا (دیکھو مارکوارٹ Z. D. M. G. ج ۴۹ ص ۶۳۹)، موسیٰ خورینی کی تاریخ کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں موسیو لانگلوا (Langlois) نے کیا ہے ("سلسلۂ مؤرّخین ارمنی" ج ۲، ص ۸۲ بعد)،

تھا خانوادۂ شاہی کی ریاست کا اعزاز بخشنا جس کے ساتھ بادشاہ کو تاج پہنانے کا موروثی حق شامل تھا[1]، اس کے علاوہ ایک اور عہدہ کہ وہ بھی موروثی تھا اس کو عطا ہُوا یعنی رسالہ فوج کی سپہ سالاری جس کے فرائض منصبی میں یہ بھی تھا کہ دربار عام یا خلوت گاہ شاہی میں بادشاہ کا تاج اس کی تحویل میں رہے، یہ تاج ایک خاص وضع کا ہوتا تھا جس میں سونا یا جواہرات نہیں ہوتے تھے بلکہ صرف موتیوں کی تین لڑیوں کا بنا ہوتا تھا، اسی طرح ایک اور خاندان کے سردار نے بادشاہ کو جواہرات پہنانے کا عہدہ حاصل کیا، بادشاہ کا باڈی گارڈ بھی اسی طرح ایک خاص ممتاز قبیلے کے افراد پر مشتمل تھا، باقی عہدوں میں مختلف خاندان شریک تھے مثلاً میرِ شکار کا عہدہ، غلّے کے انباروں کا داروغہ، بازدار، داروغۂ محلّات ییلاقی، خوانسالار، حاجب، شرابدار، قربانیوں کا داروغہ اور میدانِ جنگ میں بادشاہ کے جلو میں عقاب لے کر چلنے کا عہدہ وغیرہ، غالباً ان میں سے ہر خاندان اس عہد سے پہلے برترین رتبے کا نہ تھا کیونکہ موسٰی خورینی واضح طور پر کہتا ہے کہ جس خاندان کو شرابداری کا عہدہ ملا اس کو ترقی دے کر مقام گورنری (بخرار[2]) تک پہنچایا گیا اور جو محلّات ییلاقی شاہی کا محافظ تھا اس کو سلسلۂ نجبار میں منسلک کر کے افرادِ خانوادۂ شاہی کے ہم رتبہ بنایا گیا،

غرض اس طرح اپنے دربار کو ترتیب دینے کے بعد والارشاک نے اپنے امرا کو جاگیریں اور صوبہ داریاں عطا کیں، موسٰی اور دوسرے ارمنی مؤرّخوں کے ہاں لفظ "جاگیر" اور

---

[1] سلطنت پارتھیا میں یہ حق خاندانِ سورین کو حاصل تھا،

[2] یہ ایک ایرانی عہدے کی ارمنی شکل ہے جو ہم کو ایران میں دوبارہ بعہد ساسانی لفظ "نخوذار" میں ملتی ہے، ایک اور لقب جو اسی مادّے سے مشتق ہے بزبان شمال مغربی نخوارگ (یا نخویر) اور بزبان جنوب مغربی نخویرگ ہے، یونانی مؤرّخوں کے ہاں اس کی مختلف شکلیں ہیں (دیکھو بین ونِشت (Benveniste) در "تبصرۂ مطالعات ارمنی" ج ۹، ص ۶-۷)،

"صوبہ داری" کے استعمال میں نمایاں اشتباہ ہے، مثلاً موسیٰ نے بیان کیا ہے کہ وال ارشک نے ایک امیر مسمّی جبل (داروغۂ انبار ہائے غلّہ) اور ایک اور امیر مسمّی ہابیل کو گاؤں عطا کئے جو انھی کے نام پر موسوم تھے اور پھر کہتا ہے کہ ان گاؤں میں جبلیوں اور ہابیلیوں کی "حکومت" (نخرارو تیون) ہے[1]، بلاشبہ یہاں لفظ "حکومت" کو جاگیر کے معنوں میں لینا چاہیئے، اُن جاگیروں کو شمار کرتے ہوئے جو وال ارشک نے امرا میں تقسیم کیں موسیٰ لکھتا ہے کہ گوچر خاندان کے لوگ شمالی ضلع کے حاکم (بدشخ) بنلئے گئے لیکن یہاں وہ اس حکومت کو جاگیر (نہاپتوتیون[2]) کے لفظ سے تعبیر کر رہا ہے، اِس قسم کے اشتباہات کی اور مثالیں بآسانی دی جاسکتی ہیں جس کی توجیہہ صرف یوں کی جاسکتی ہے کہ آرمینیہ میں (کم از کم بعض حالتوں میں) گورنریاں موروثی تھیں اور لہذا وہ بمنزلہ ریاستوں یا جاگیروں کے بن گئیں، اس لحاظ سے ایران کی نسبت آرمینیہ اپنے منازلِ ارتقا میں زیادہ آگے بڑھ چکا تھا،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بدشخ (حاکم ضلع یا مرزبان) اُن حُکّامِ چہارگانہ کو کہتے تھے جو جہاتِ اربعہ (شمال، مغرب، جنوب، مشرق) میں محافظ سرحد تھے[3]، اس فرض منصبی کے ساتھ وہ بڑی بڑی جاگیریں بھی ان کو دے دی جاتی تھیں جو ان کے علاقے میں ہوتی تھیں، مثلاً موسیٰ کے بیان کے مطابق ثیرشن جو خاندان سنسر سے تھا اور جنوب مغربی سرحد کا "بدشخ" تھا جاگیر کے طور پر ضلع ارزن اور اس کے مضافات، کوہستان توروس اور

[1] لانگلوا، ج ۲، ص ۸۳، [2] نہاپت اور نخرار دو مختلف عہدے تھے (ایضاً، ص ۸۴) بین ونشت مقام مذکور، ص ۷، [3] آرمینیہ کے بدشخوں کے متعلق دیکھو مارکوارٹ: "ایرانشہر" ج ۱، ص ۱۶۵ ببعد، مارکوارٹ کی رائے ہے کہ جہات اربعہ کے بدشخوں کا عہدہ آرمینیہ میں سب سے پہلے تیگرانِ بزرگ نے قائم کیا، (تیگران کا عہد سلطنت ۹۶ء ق.م سے ۵۶ء ق.م تک تھا - مترجم)

کوئلی سیریا[1] کا سارا علاقہ اپنے قبضے میں رکھتا تھا، اس بات کا ثبوت کہ بذشخ کا عہدہ آرمینیہ والوں نے پارتھیا سے لیا یہ ہے کہ ساسانیوں کے زمانے میں وہ بشکل "بِذخش" موجود ہے[2]، اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ اصل میں ایرانی عہدہ تھا، اس کے علاوہ ایران میں سرحد کے علاقوں کو چار مرزبانوں میں تقسیم کرنے کا ہمیشہ دستور رہا ہے[3]،

امورِ سلطنت اور دربار کے متعلق بہت سے اور انتظامات بھی والارشک کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں، سرحدوں کی حفاظت کے لیے جو فوج تھی اس کو اس نے مختلف دستوں میں تقسیم کیا، (بڑی بڑی لڑائیوں کے لیے جو فوج جاتی تھی اس کے لیے سپاہی منصبداروں کے ہاں بھرتی ہوتے تھے)، اس کے علاوہ اس نے حاضری دربار، مشاورت اور تفریح کے لیے اوقات معین کر دیے اور دو مشیر مقرر کیے جن میں سے ایک کا فرض یہ تھا کہ بادشاہ کو بذریعہ تحریر کارِ خیر کی تاکید کرتا رہے اور دوسرا سزا و انتقام کی یاد دہانی کرے، پہلے کو یہ بھی حکم تھا کہ وہ بادشاہ کو بحالتِ غضب کوئی ناواجب حکم صادر کرنے سے روکے اور اس کو انصاف اور رفاہ عام کے کاموں کی ترغیب دلاتا رہے[4]، اس نے شہروں اور دیہاتوں میں حُکّامِ عدالت مقرر کیے، اہلِ شہر کو اس نے رتبے کے لحاظ سے دیہاتیوں پر فائق رکھا اور دیہاتیوں کو تاکید کی کہ اہلِ شہر کو برتر سمجھ کر ان کی تعظیم کریں، لیکن ساتھ ہی شہریوں کو حکم تھا کہ وہ دیہاتیوں سے تکبر کے ساتھ پیش نہ آئیں وغیرہ وغیرہ، یقیناً ان سب باتوں میں ایرانی قوانین کا پرتو نظر آرہا ہے،

---

[1] کوہستان توروس (Taurus) ایشیائے کوچک کے جنوبی حصے میں واقع ہے، کوئلی سیریا (Coele-Syria) شام کا وہ علاقہ ہے جو نشیب میں واقع ہے اور دمشق کے شمال میں ہے (مترجم)، [2] کتبۂ پای کُلی (طبع ہرتسفلٹ) ص ۱۵۵-۱۵۶، [3] دیکھو آگے باب دوم، [4] مقابلہ کرو نہایت الارب (براؤن، رسالہ انجمن آسیائی J. R. A. S. سنہ ۱۹۰۰ء، ص ۲۳۲) جہاں یہ کہا گیا ہے کہ شاہ ساسانی خسرو اول (انوشیروان) نے اپنے وزیروں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ جب کبھی وہ کوئی نامنصفانہ فیصلہ صادر کرے تو مداخلت کرکے اس کو روک دیں،

مؤرخ فاؤسٹوس[1] (بازنتینی) نے کیفیت بیان کی ہے کہ کس طرح شاہ ارشک (والی آرمینیہ) نے چوتھی صدی عیسوی کے وسط میں بدامنی کا ایک عرصہ گزرنے کے بعد اپنی مملکت کو دوبارہ منظم کیا، وہ بعض حکّامِ سرحد کے نام بتلاتا ہے اور لکھتا ہے کہ خاندان گنونی[2] کو (جس کو وال ارشک نے شرابداری کے ساتھ حکّامِ ولایات کے عہدوں تک ترقیاں دیں) اب انتظامِ امورِ سلطنت میں برترین اختیارات کا حامل بنایا گیا ہے اور محکمۂ فوج اور اس کے تمام متعلّقات کو خاندان مامیکون[3] کے سپرد کیا گیا ہے، ان دو خاندانوں کے ممبر نیز وہ امرا جن کے خاندان رتبے میں ان کے بعد تھے حکّام ولایات (گورنر) کے القاب سے سرفراز ہوکر اس بات کا حق حاصل کرلیتے تھے کہ بادشاہ کے حضور میں تکیے لگا کر بیٹھیں اور اپنی سرفرازی کا نشان اپنے سر پر لگائیں، ان کے علاوہ ممتاز گھرانوں کے رؤسا ایسے بھی تھے جن کو (حکّام ولایات ہونے کی حیثیت سے) محلّ شاہی میں بھی باریل سکتا تھا اور بادشاہ کے ساتھ کھانے میں بھی شریک ہوتے تھے، دسترخوانِ شاہی کے مہمانوں میں سے نو سو ۹۰۰ کرسیوں پر فقط یہ امرا رجلوہ گر ہوتے تھے،

ان تمام معلومات کو اور اسی نوعیّت کی اور اطّلاعات[4] کو جانچنے سے ہم پر یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ عہدہ اور منصب ہمیشہ ایک ہی خاندان کے ساتھ ایسے مستحکم طور پر وابستہ نہیں ہوتے تھے جیسا کہ جاگیر، اور یہ کہ جس بادشاہ کو قدرت کی طرف سے زبردست شخصیت عطا ہوتی تھی وہ طبقۂ امرا کو پورے طور سے اپنے قابو میں رکھ سکتا تھا، برعکس اس کے ایسی

---

[1] طبع لانگلوا، ج ۱، ص ۲۳۶، Faustus مشہور مؤرخ ہے اور چوتھی صدی عیسوی کے آخر میں گزرا ہے، اس نے یونانی زبان میں آرمینیہ کی تاریخ لکھی ہے، (مترجم)، [2] Gnuni [3] Mamikon

[4] منجملہ اور مآخذ کے کچھ فہرستیں ہیں (جو بعد کے زمانے کی مرتب کی ہوئی ہیں)، ان میں ان امرا کے نام ترتیب وار لکھے گئے ہیں جو بادشاہ کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھتے تھے، (حیات سینٹ نرسہ St. Nerseh، لانگلوا، ج ۲، ص ۲۵)،

مثالیں بھی موجود ہیں کہ ایک صاحب منصب نے بستر مرگ پر خود اپنی مرضی سے اپنے تمام حقوق اور فرائض منصبی اپنے بیٹے کو سپرد کر دیے ہیں[1]، شاہزادوں اور گورنروں کی بغاوتیں آئے دن ہوتی رہتی تھیں لیکن کوئی شخص جو خود خاندان شاہی سے تعلّق نہ رکھتا ہو بادشاہ بن بیٹھنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا[2]، بعض اوقات یہاں تک بھی نوبت آجاتی تھی کہ جب کوئی بادشاہ بہت زیادہ طاقتور ہوتا تھا تو وہ اُن امرا کے خاندانوں کی جو اس کی نگاہ میں خطرناک ہوتے تھے کلّیتہً بیخ کنی کر دیتا تھا[3] اور ممکن ہوتا تو ایسے موقعوں سے فائدہ اُٹھا کر اُن کی جاگیریں ضبط کرلیتا اور اُن کو جاگیر خالصہ میں شامل کرلیتا تھا[4]، امرا میں باہمی لڑائیاں بھی اکثر ہوتی رہتی تھیں، خواجہ سراؤں کے رئیس کو بعض وقت اتنا اقتدار حاصل ہو جاتا تھا کہ وہ اپنے ظلم و تعدّی سے حکّامِ ولایات اور امرا کے خاندانوں کو عاجز کر دیتا تھا[5]،

فاؤسٹوس بازنتینی[6] کی کتاب میں ایک مقام ایسا ہے جس سے اس تمام صورتِ حالات یعنی امرا کی پوزیشن پر روشنی پڑتی ہے جو ایک حیثیت سے مستخدمینِ شاہی تھے اور ایک حیثیت سے کم و بیش حکّامِ خود مختار، اسی مقام سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کی طاقت کی بنیاد فوج پر تھی جس کا نظام اصولِ منصبداری پر مبنی تھا،

خسرو دوم شاہ آرمینیہ کو جب چوتھی صدی عیسوی کے وسط میں ایرانیوں کے خلاف شدید جنگ پیش آئی[7] تو اس نے امرا کے غدر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے

---

[1] جیسا کہ مانویل سپہ سالار نے کیا (فاؤسٹوس، طبع لانگلوا، ص ۳۰۵)

[2] سنتروک (Sanatruk) نے جو خاندان اشکانی سے تھا باغی ہو کر بادشاہ کا لقب اختیار کرلیا لیکن اسی کے ساتھ جب بدرِشخ بزرگ موسوم بہ باکور باغی ہوا تو اس کو بادشاہ بن بیٹھنے کی جرأت نہیں ہوئی کیونکہ وہ شاہی خاندان سے نہ تھا، (موسٰی خورینی، طبع لانگلوا، ص ۱۳۵)، [3] ایضاً، ص ۱۴۸،

[4] فاؤسٹوس، ص ۲۱۷ (طبع لانگلوا)، [5] ایضاً، ص ۲۵۰، [6] ایضاً، ص ۲۱۷،

[7] یہ وال ارشک کی اصلاحات سے پہلے کا واقعہ ہے،

لیے (جس کا ایسی حالت میں ہو جانا کچھ بعید نہ تھا) ذیل کا فرمان نافذ کیا :- "آگاہ کیا جاتا ہے کہ اب سے آیندہ تمام امرا، حکّامِ ولایات، جاگیرداران و والیانِ صوبجات جن کے ماتحت ایک ہزار سے دس ہزار تک فوج ہو حکماً مجبور ہونگے کہ موکب شاہی میں شخصاً برابر حاضر رہیں، ان میں سے کسی کو اجازت نہیں کہ وہ لشکر شاہی میں رہے"، اس تدبیر سے خسرو نے قدیم خاندانوں کے تمام رؤسا کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے سپاہیوں کو شاہی لشکر میں لا کر شامل کر دیں، اس طریقے سے جو فوج جمع ہوئی اس کی کمان اس نے دو آزمودہ سپہ سالاروں کے ہاتھ میں دی کہ سر برآوردہ امرا میں سے انھی دو پر اس کو پورا بھروسہ تھا، خسرو کی کوشش دراصل یہ تھی کہ ایک ہی وار میں آرمینیہ میں نظامِ منصبداری کا خاتمہ کر دے لیکن جہاں تک پتہ چلتا ہے یہ فرمان بے نتیجہ رہا کیونکہ اس کی وفات سے پیشتر ہی واچہ نے (جو سالارِ کُل تھا اور اُن دو امیروں میں سے ایک تھا جن پر بادشاہ کو اعتماد تھا) تمام حکّامِ ولایات کو مع اُن کے لشکروں کے پھر یکجا کیا تاکہ اُن کو ساتھ لے کر ایرانیوں پر چڑھائی کرے[1]

اب ہم پھر سلطنت پارتھیا کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس کی جو تصویر لاطینی مؤرّخوں نے ہمارے روبرو کھینچی ہے وہ دولت آرمینیہ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے، اس کے نمایاں خط و خال میں ہم جس چیز کو دیکھتے ہیں وہ وہ کشمکش ہے جو بادشاہ کی قدرت اور امراء منصبدار کی طاقت کے درمیان (جو ساتھ ہی عمّالِ دولت بھی تھے) جاری رہتی تھی، عہد پارتھی کے ایک امیر کبیر کا کامل نمونہ سورین ہے جو کراسوس کا

---

[1] فاؤسٹوس، ص ۲۲۰۔

حریف تھا[1]، پلوٹارک[2] ہمارے سامنے اس کی تصویر بدیں الفاظ کھینچتا ہے :—

"نموّل، نجابت اور شان و شوکت میں بادشاہ کے بعد اس کا اوّلین درجہ تھا، شجاعت اور لیاقت کے اعتبار سے وہ پارتھیوں میں برترین تھا، قامت اور جسمانی خوبصورتی میں کوئی اس کا ثانی نہ تھا، جب وہ کسی مہم پر جاتا تھا تو اس کے ہمراہ ایک ہزار اونٹ ہوتے تھے جن پر اس کا اسباب لادا جاتا تھا، دو سو رتھوں میں اس کی خواصیں سوار ہوتی تھیں، ہزار زرہ پوش سوار اور اس سے کہیں زیادہ سپاہی ہلکے ہتھیاروں کے ساتھ (باڈی گارڈ کے طور پر) اس کے ہمرکاب ہوتے تھے، ان دس ہزار سواروں میں سے کچھ تو اس کی رعایا تھے اور کچھ اس کے غلام تھے، لڑائی کے دن وہ اپنی فوج کو ساتھ لئے بن سنور کر میدان میں نکلتا تھا، اس کی بہادری کی شہرت کو اس کے زنانہ بناؤ سنگار کے ساتھ کچھ موافقت نہ تھی کیونکہ اہل میڈیا کی وضع کے مطابق وہ چہرے پر غازہ ملتا تھا اور بالوں میں مانگ نکالتا تھا حالانکہ باقی تمام پارتھی سکیتھین[3] فیشن کے مطابق اپنے بال لمبے اور اُلجھے ہوئے رکھتے تھے تاکہ ان کی شکل مہیب نظر آئے[4]"، وہ اپنے حرم کو اپنے ساتھ رکھتا تھا اور میدان جنگ میں بھی عیش و عشرت کی راتیں بسر کرتا تھا جن میں میخوشی، راگ رنگ اور عشق و محبّت کے مشغلوں سے اپنا جی بہلاتا تھا[5]،

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۱۲ ، [2] Plutarch مشہور یونانی تذکرہ نگار ہے جس کی کتاب (Plutarch's Lives) بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے (سنہ ۴۸ء – سنہ ۱۲۲ء) (مترجم)،

[3] Scythian قبائل سکیتھین اصل میں شمالی ایشیا کے باشندے تھے لیکن ساتویں صدی قبل مسیح میں وہ بحر اسود کے نواح میں آ کر آباد ہو گئے تھے چنانچہ اس علاقے کا نام Scythia پڑ گیا، (مترجم)

[4] دیکھو پلوٹارک : کتاب مذکور، تذکرہ کراسوس (فصل ۲۱ و ۲۴)، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل میڈیا کی نفاست پارتھیوں کے تمام طبقۂ اشراف میں رائج تھی، مِتھرداتِ (مہرداد) اوّل کے زمانے سے لے کر شاہانِ پارتھی کے سکوں پر بادشاہ کی تصویر میں سر اور ڈاڑھی کے بال چھلّے دار دکھائے گئے ہیں، اہلِ پارتھیا کے طرز زندگی کے متعلق دیکھو مؤرخ پلینی Pliny، کتاب ۱۰ ص ۵۰، کتاب ۱۱، ص ۲۶، ۲۹، ۵۳، کتاب ۱۲ ص ۳، ۱۷، کتاب ۱۴، ص ۳، ۲۲، جسٹن، کتاب ۴۱، ص ۳، [5] پلوٹارک : تذکرہ کراسوس (کتاب ۳۲)،

باوجود اس تمام طاقت وجبروت کے سورین بالآخر بادشاہ کے حسد کا شکار ہو گیا[1]
کیونکہ عموماً یہی ہوتا تھا کہ جب کبھی امرا میں سے تنہا کسی ایک کو بادشاہ کے ساتھ مقابلہ
آن پڑتا تھا یا جب امرا میں باہمی نفاق ہوتا تھا تو غلبہ ہمیشہ بادشاہ ہی کو ہوتا تھا ،
برعکس اس کے بہت دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ سربرآوردہ امرا نے اپنے اتحاد سے
بادشاہوں کو یکے بعد دیگرے تخت پر بٹھایا اور معزول کیا ہے ، اگرچہ اشکانیوں کی بادشاہت
کو کبھی وہ قوت اور استحکام نصیب نہیں ہوا جو ہخامنشیوں کو حاصل تھا تاہم ان کی حکومت
کم از کم ظاہری صورت میں ہمیشہ ایک استبدادی حکومت رہی ، بادشاہ کے اختیارات
کسی قانون کے ماتحت نہ تھے لہذا جب کبھی حالات موافق ہوتے اور اس کی پوزیشن مضبوط
ہوتی تو وہ ایک مشرقی فرماں روا کی سی کامل خود مختاری کے ساتھ حکومت کرتا تھا ، لیکن بادشاہ
سب سے زیادہ اپنے خاندان کے لوگوں سے خائف رہتا تھا ، اس کی وجہ یہ تھی کہ ایرانیوں
میں نسبِ شاہی کا احترام جبلّی اور تقریباً داخلِ مذہب تھا لہذا امرا کو بادشاہ کے ساتھ
جنگ آزمائی کی جرأت صرف اسی صورت میں ہوتی تھی جب وہ خاندان اشکانی کے کسی
دعویدار کو اُس کے مقابلے پر اپنے ساتھ ملا لیتے تھے ، اسی وجہ سے شاہانِ اشکانی بسا اوقات
اپنے خاندان کے لوگوں کا بے رحمی کے ساتھ قتل عام کرتے تھے لیکن یہ تدبیر اکثر بے سود ہوتی تھی
کیونکہ باغیوں کو بالعموم کوئی نہ کوئی اشکانی شاہزادہ مل ہی جاتا تھا جو قتلِ عام سے سلامت
رہ گیا ہو اور جو اپنے سہے ہوئے مظالم کا بدلہ لینے میں کامیاب ہو سکے ،

---

[1] ۵۳ ق م قبل مسیح میں جب سورین نے حرّان کی لڑائی میں رومیوں پر شاندار فتح حاصل کی تو بادشاہ
(اُرُد اوّل) کو اس کی طاقت سے سخت اندیشہ لاحق ہوا اور کسی حیلے سے اس کو مروا دیا ، (مترجم) ،

بادشاہ بالعموم لوگوں کے لئے ناقابل رسائی ہوتا تھا[1]، جاہ و جلال کے امتیازی حقوق جو اس کے لیے مخصوص تھے ان میں ایک یہ تھا کہ وہ اونچا تاج پہنتا تھا[2] اور زرّین پلنگ پر سوتا تھا، یہ دو حقوق بطور استثنا شاہ اردوانِ سوم نے ایزات[3] حاکم ایڈیابین[4] کو اس بات کے معاوضے میں عطا کیے تھے کہ اس نے اُس کو تختِ شاہی کے دوبارہ حاصل کرنے میں مدد دی تھی[5]، بادشاہ کے لیے ایک تختِ زرّین طیسفون کے شاہی محل میں بچھا رہتا تھا جو ۱۱۵ء میں ٹریجن قیصرِ روم کو ہاتھ لگا[6]، شکار کے لیے (جیسا کہ عہد ہخامنشی میں بھی تھا) بادشاہ کی مخصوص شکارگاہیں تھیں جن کو "فردوس" کہا جاتا تھا جہاں شیر، ریچھ اور چیتے پالے جاتے تھے[7]، مشرقی درباروں میں حرم کو جو اہمیت حاصل ہے اس کی وجہ سے خواجہ سراؤں کو بڑا اقتدار حاصل تھا اور امورِ سلطنت میں وہ اپنا خاصا اثر رکھتے تھے[8]، بادشاہ جب سفر میں ہوتا تھا تو اس کے ساتھ ایک کثیر تعداد باڈی گارڈ کے مسلّح سپاہیوں کی ہوتی تھی[9]، جیسا کہ ہخامنشیوں کے عہد میں دستور تھا اشکانیوں کے ہاں بھی رسم تھی کہ جو

---

[1] تاریخ ٹاسیٹوس (Tacitus)، کتاب دوم، ص ۲، ایک اطلاع جو چنداں قابلِ اعتماد نہیں ہے مؤرخ فلاویوس فیلوسٹریٹوس (Flavius Philostratus) کی تاریخ (حصۂ اوّل ص ۲۷) میں ملتی ہے، وہ لکھتا ہے کہ "ہر اجنبی کو جو کسی بڑے شہر میں داخل ہوتا ہے بادشاہ کا ایک طلائی مجسّمہ دیا جاتا ہے جس کی پرستش اس پر واجب ہوتی ہے، شہر سے یہاں بابل مراد ہے، [2] شاہانِ ہخامنشی بھی ایسا ہی تاج پہنتے تھے، بڑی بڑی تقریبوں پر شاہانِ پارتھی ہخامنشیوں کے دیوار دار تاج کی بجائے ایک ایسا تاج پہنتے تھے جس پر موتی جڑے ہوتے تھے جس کو مؤرّخ ہیروڈین (Herodian، کتاب ۶، ص ۲) "دوہرا تاج" کہتا ہے، (دیوار دار تاج سے مراد ایسا تاج ہے جس میں صرف دیوار ہو اور اوپر چھت یا چندوا نہ ہو — مترجم)، [3] Izate [4] Adiabene، سلطنتِ آسور (Assyria) کے ایک صوبے کا نام تھا جو دریائے دجلہ کے مشرق کی طرف تھا، (مترجم)، [5] یہ واقعہ ۳۷ء کا ہے، اردوانِ سوم کا عہدِ سلطنت ۱۰ء سے ۴۰ء تک ہے (مترجم)، [6] ٹریجن (Trajan) نے ۱۱۵ء — ۱۱۶ء میں سلطنتِ پارتھیا پر چڑھائی کرکے شہر طیسفون کو فتح کر لیا تھا، لیکن بعض ملکی حالات سے مجبور ہو کر اس کو اس فتح سے دست بردار ہونا پڑا، (مترجم)، [7] فلاویوس (کتاب اوّل، ص ۳۸)، [8] ٹاسیٹوس، کتاب ۶، ص ۳۱، [9] فلاویوس کتاب اوّل، ص ۳۱،

شخص بادشاہ کے حضور میں پیش ہوتا تھا نذر کے لیے تحفے لاتا تھا[۱]، سلطنت کا خزانہ اور بادشاہ کا ذاتی خزانہ ایک ہی چیز تھی اور ایران میں سدا سے ایسا ہی چلا آیا ہے، البتّہ اب ہمارے زمانے میں مشروطیّت کے نافذ ہونے سے صورت حالات بدل گئی ہے، ممالک مفتوحہ کا خراج شاہی خزانے میں داخل ہوتا تھا جہاں بے اندازہ دولت جمع ہوتی رہتی تھی[۲]،

۲ - اقوام شمال و مشرق

سکندر اعظم اور اس کے جانشینوں نے مشرقی ایران میں جو نئی بستیاں بسائیں وہ صدیوں تک ان دور دراز علاقوں میں تہذیب یونانی کا ملجا و ماویٰ بنی رہیں، تیسری صدی قبل مسیح کے وسط میں ڈیوڈوٹس[۳] نے ایک آزاد سلطنت کی بنا ڈالی جس میں باختر (بلخ)، سُغد اور مرو کے صوبے شامل تھے، دوسری صدی قبل مسیح کے نصف اوّل میں ڈیمٹریوس[۴] نے جو کہ غاصب یوتھیڈیموس[۵] کا بیٹا تھا پنجاب کو فتح کیا اور افغانی و ہندوستانی علاقوں پر قابض ہوگیا، اسی اثنا میں باختر اور اس کے متّصل صوبے ایک شخص مسمّی یوکراٹیڈس[۶] کے ہاتھ لگ گیے، یہ دونو بادشاہ (جو آپس میں نہایت سختی کے ساتھ لڑتے رہے) نئی یونانی بستیاں بسانے میں بہت کوشاں تھے، با ایں ہمہ ملک کے اصلی تمدّن نے ازسرنو اپنا اثر دکھانا شروع کیا چنانچہ ڈیمٹریوس کے "یونانی باختری" سکّوں پر پشت کی جانب ہندوستانی خطوط ثبت ہیں جن کی ابجد کہا جاتا ہے کہ آریائی ہے اور اس کی اصل آرامی

---

[۱] فلاویوس، کتاب اوّل، ص ۲۸، [۲] فلاویوس، کتاب اوّل، ص ۳۹،

[۳] Diodotus، [۴] Demetrius، [۵] Euthydemus، [۶] Eucratides.

ہے، اور یوکراٹیڈس نے اپنے سکوں میں ایک ایسا معیار رائج کیا جو مشرقی ایران کے ساتھ مخصوص تھا، دریائے کابل کی وادی میں اور پشاور کے آس پاس کئی چھوٹی چھوٹی یونانی ریاستیں پیدا ہو گئی تھیں لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد وادی کابل اور ہندوستان کی تمام یونانی ریاستیں مل کر دوبارہ ایک بڑی سلطنت پیدا ہو گئی جہاں دوسری صدی قبل مسیح کے آخر اور پہلی صدی کے شروع میں مشہور بادشاہ میناندر[1] حکومت کرتا تھا جس کو ہندوستانی ملنڈا لکھتے ہیں اور جس نے ہندوستان کے چند نئے علاقے فتح کرنے کے بعد بدھ مذہب اختیار کر لیا تھا اور اپنے ہم مذہبوں میں بہت نیک نامی حاصل کی تھی،

اسی زمانے میں اقوام وسط ایشیا کی بڑی بڑی مہاجرتیں شروع ہو گئی تھیں[2]، قبائل ہون[3] جو ترکی الاصل تھے اور جن کی رگوں میں مغولی اور چینی خون مخلوط تھا دوسری صدی قبل مسیح کے نصف اوّل میں چین کے صوبہ کانسو پر حملہ آور ہوئے جس کی وجہ سے سب سے پہلے اُن اقوام کو اپنے وطن سے حرکت کرنی پڑی جن کو اہل چین یُواےچی اور وُوسُون کہتے تھے لیکن بعد میں اور قبائل بھی اس حرکت میں شامل ہو گئے، چند سال بعد قبیلۂ یُواےچی کا ایک بڑا گروہ جو "یُواےچی بُزرگ" کے نام سے موسوم ہے ہجرت کر کے دریائے جیحوں کے شمال میں آ کر آباد ہوُا، اسی کے ساتھ ہم کو قبیلۂ طُخار کا نام بھی ملتا ہے جس کی وجہ سے اس مسئلہ کو طے کرنے میں بعض شکوک پیدا ہو گئے ہیں کہ آیا یُواےچی اور

---

[1] Menandre

[2] رجوع بہ تحقیقات جدید در "گزارشات آثار قدیمۂ ایران" (Archäol. Mitteilungen aus Iran) از ڈاکٹر ہرٹسفلٹ (Hertzfeld) ج ۴ ص ۱۳ بعد،

[3] Huns

طخار ایک ہی قوم کے دو نام ہیں یا یہ کہ یُو اے چی طخاریوں کو محکوم بنانے کے کچھ عرصہ بعد خود بھی اُنھی کے نام سے موسوم ہو گئے یا یہ کہ آیا یُو اے چی طُخاریوں میں حکمران جماعت کا لقب تھا، قوم ساکا[1] کے بعض قبائل جن کو اس نقل مکانی نے فرغانہ سے دھکیل کر آگے نکال دیا صوبجات باختر (بلخ)، اراخوزیا[2] (جس کو چینی مؤرّخ کپن لکھتے ہیں) اور درنگیانا[3] میں آن گھسے چنانچہ ان صوبوں کا نام اُسی زمانے سے سکستان یا ساکستان پڑ گیا، آج جو صوبہ سیستان کہلاتا ہے وہ اُسی علاقے کا ایک حصّہ ہے، اِن قبائل ساکا نے (جو تاریخ میں ہندو ساکا[4] کہلاتے ہیں) ایک مملکت کی بنا ڈالی جو شہنشاہِ بزرگ متری دات (۱۲۳ سنہ ۔ ۸۸ سنہ قبل مسیح) کے زمانے سے اپنے آپ کو سلطنت پارتھیا کے ماتحت تسلیم کرتی رہی، اس مملکت کے بادشاہ ماویس نے جو پہلی صدی قبل مسیح میں حکمران تھا اور اس کے بیٹے آزیس نے اپنی حدودِ سلطنت کو پھیلا کر پنجاب کو اس میں شامل کر لیا،

پہلی صدی قبل مسیح کے دوران میں مملکت سکستان کے ساکا خاندان نے ایک ایک پارتھی خاندان[5] کے لیے جگہ خالی کر دی جس کا ایک بادشاہ گندو فاریس یا گندوفار (جس کا عہد حکومت تقریباً سنہ ۲۰ء سے شروع ہوتا ہے) نہایت طاقتور تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اشکانیوں کی اطاعت سے آزاد کر لیا تھا، اس بادشاہ کے سکّے سیستان، ہرات، قندھار حتیٰ کہ پنجاب میں بھی پائے گئے ہیں، مبلّغ مسیحی سینٹ ٹامس کے "وقائع" سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے شاہ گندوفار کے عہد میں ہندوستان کا سفر کیا تھا،

---

[1] Scythians. [2] Arachosia، جنوبی افغانستان، (مترجم)، [3] Drangiana، مغربی افغانستان (مترجم)، [4] Indo-Scythian، (مترجم)، [5] بقول ڈاکٹر ہرسفلٹ یہ خاندان سورین کے گھرانے سے علاقہ رکھتا تھا،

باوجود اُس ہل چل کے جو قبائل کی مہاجرتوں کی وجہ سے مچی ہوئی تھی مشرقی ایران اور اس کے آس پاس کی ریاستیں خاصی خوشحالی کے ایّام بسر کر رہی تھیں، یہ جنگجو خانہ بدوش قبائل جب ان اطراف میں آن گھسے تو اس سے وہاں کے اصلی باشندوں کی زندگی میں کوئی بڑے تغیّرات پیدا نہیں ہوئے، بیشک چند اجنبی سردار جن کی تعداد نسبتہً بہت تھوڑی تھی حکومت پر قابض ہو گئے لیکن ان نئے حاکموں نے جہاں تک ہوسکا محکوم اقوام کے تمدّن کے ساتھ موافقت اختیار کر لی، لیکن ساتھ ہی تمدنِ یونانی کے بچے کھچے آثار صدیوں تک اُن اجزا کے ساتھ مل جل کر باقی رہے جن کا منبع ایرانی اور ہندوستانی تمدّن تھا، ان حکومتوں کے ماتحت جو یکے بعد دیگرے آئیں باامن لوگ اپنی پُر منفعت بین الاقوامی تجارت مسلسل کرتے رہے، تجارتی تعلّقات شاذ و نادر ہی خلل پذیر ہوئے اور شہنشاہان چین ممالک مغربی کے ساتھ تجارتی وسائل میں آسانیاں حاصل کرنے کی خاطر وسط ایشیا کی ان ریاستوں کے ہاں اکثر اپنے سفیر بھیجتے رہے،

خوارزم میں دوسری صدی قبل مسیح سے ہم کو ایک قوم آ اورسیز[1] ملتی ہے جس کا نام اہلِ چین ین تسائی لکھتے ہیں، اس سے اگلی صدی میں آ اورسیز نے اپنی جگہ سے حرکت شروع کی اور مغرب کی طرف اُسی راستے پر آگے بڑھے جس کو اس سے پہلے قبائل سکیتھین اور سرمات[2] نے اختیار کیا تھا، پہلی صدی قبل مسیح کے نصف کے بعد آ اورسیز[3] کا نام بالکل ناپید ہو جاتا ہے اور اس وقت کے بعد سے یہ قوم الان

---

[1] Aorses، [2] Scythians، Sarmates، یہ قبائل شمالی ایشیا کے وحشی خانہ بدوش قبائل تھے جو ایک ہی نسل سے تھے، ساتویں صدی قبل مسیح میں وہ مغرب کی طرف ہجرت کر کے بحر اسوَد کے شمالی اور مشرقی علاقوں میں آباد ہوئے۔ یہاں اسی ہجرت کی طرف اشارہ ہے (مترجم)،

[3] Alans، مشرقی قفقاز میں البانیا کی چھوٹی سی ریاست انھی کے نام پر تھی اور یہیں انھوں نے اپنا وطن اختیار کیا تھا (مترجم)،

کہلانے لگتی ہے جو کہ لفظ آریا کی شمالی ایرانی شکل ہے۔ الان کی ایک جماعت نے یورپ میں قبائل بربری[1] کے حملے بعد اپنی مہاجرت کو مغرب کی طرف جاری رکھا، ان میں سے جو لوگ روس کے جنوب میں مقیم ہوگئے ان کی آخری یادگار ہمارے زمانے میں کاکیشیا (قفقاز) کی قوم اوس سیت ہے[2]۔

شاہ گندوفاریس کی وفات کے کچھ عرصہ بعد گندھار (قندہار) اور پنجاب پر قبیلۂ یُوا ےچی (یعنی نژادِ ساکا) کے ایک خاندان کا قبضہ ہوگیا جو کوشان کے نام سے مشہور ہے، اس خاندان کے بادشاہ کجولا کادفیزس[3] اور اس کے جانشین وِیمہ کادفیزس نے ممالک یُوا ےچی و طخار اور اس کے ساتھ قبائل ساکا کے مقبوضات کا ایک بڑا حصہ اپنی حکومت میں ملا لیا، بالآخر ۱۲۵ء کے بعد یہ سلطنت اس خاندان کے بادشاہ کنشکا نامی کے قبضے میں آگئی جو بُدھ مت کی کتابوں میں اس مذہب کے ایک پُرجوش مبلّغ اور مروّج کی حیثیت سے مشہور ہے[4]۔

---

[1] Barbarians [2] Ossets [3] Kujula Kadfises

[4] رجوع بہ مآخذ ذیل:-

۱- فون گوٹ شمٹ (Gutschmid)، "ایران اور اس کی ہمسایہ سلطنتیں" (ٹوبنگن ۱۸۸۸ء) بزبان جرمن

۲- فون سالٹ (Von Sallet)، "جانشینان سکندر اعظم در باختر و ہند" (برلن ۱۸۷۹ء) بزبان جرمن

۳- پرسی گارڈنر (Percy Gardner)، "مسکوکات شاہان یونانی و ساکائی در باختر و ہند در موزۂ بریطانیہ" (لنڈن ۱۸۸۵ء) بزبان انگریزی

۴- وارک روتھ (Warwick Wroth)، "فہرست مسکوکات پارتھیا" (لنڈن ۱۹۰۳ء) بزبان انگریزی،

۵- ڈروین (Drouin)، "مسکوکات شاہان کوشان بزرگ"، ۱۸۹۶ء، بزبان فرانسیسی

۶- ہرٹ (F. Hirth)، "چین و مشرق رومانی" (۱۸۸۵ء، لیپزگ) بزبان انگریزی

۷- فرانکہ (Franke)، "وسط ایشیا کی ترک اور ساکا اقوام کے متعلق چینی مآخذ" (۱۹۰۴ء) بزبان جرمن

۳۔ افکار و عقاید مذہبی

آریاؤں کے قدیم مذہب کی بنیاد عناصر، اجسام فلکی، اور قدرت کی طاقتوں کی پرستش پر تھی، لیکن قدرت کے ان معبودوں کے ساتھ جلد ہی نئے خدا بھی شامل ہو گئے جو اخلاقی قوتوں کے نمایندے تھے یا ذہنی تصوّرات کے مجسّمے تھے، ایسا

گذشتہ سے پیوستہ:۔

۸۔ ہرمن (Hermann)، "عہد قدیم میں چین و شام کے درمیان ریشم کی آمد و رفت" (برلن سنہ ۱۹۱۰ء) جرمن

۹۔ ریپسن (Rapson)، "کیمبرج ہسٹری آف انڈیا" (کیمبرج سنہ ۱۹۲۲ء)

۱۰۔ شٹن کونو (Sten Konow)، "ہند و سا کا پر مقالات" (سنہ ۱۹۱۶ء) جرمن

۱۱۔ مولر (Müller)، "طخاری و کوشان" (سنہ ۱۹۱۸ء)، جرمن

۱۲۔ شٹن کونو (Sten Konow)، "ہند و سا کا تاریخ پر ملاحظات" (جرنل آف انڈین ہسٹری ج ۱۲ نمبر ۱)

شاہان کوشان کی تاریخ جو بہت کچھ موجب بحث و جدال تھی بظاہر اب موسیو شٹن کونو، فان ویک (Von Wijk) اور ڈاکٹر ہرسفلٹ کی تحقیقات سے روشن و ثابت ہو گئی ہے، دیکھو "گزارشات آثار قدیمۂ ایران" (Archäol Mitteilungen aus Iran)، جلد ۴ (برلن سنہ ۱۹۳۲ء) ص ۱ — ۱۱۶،

۱۳۔ پیلیو (Pelliot)، "طخاریان و کوچیان" (مجلۂ آسیائی سنہ ۱۹۳۴ء ص ۲۳ بعد) فرانسیسی،

معلوم ہوتا ہے کہ قوم آریا کی ایرانی اور ہندوستانی شاخوں کے افتراق سے پہلے ہی دیوتاؤں کی دو جماعتوں میں کسی قدر تفاوت نمایاں ہوچکا تھا جن میں سے ایک تو دیئےوَ (دیو) تھے جن کا ممتاز ترین نمایندہ خدائے جنگ اندرا تھا اور دوسرے اَسُر (ایرانی = اَہُر) تھے جو حقوق و عہود کے دیوتا تھے جن میں برترین وَرُنَ اور مترا تھے، اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ ایرانیوں کا دیوتا مزدا (بمعنی "حکیم") جو بہ سبیل تعمیم اَہُرا کہلاتا ہے وہی ہے جو قدیم زمانے میں وَرُنَ تھا جس کا اصلی نام ایرانیوں کے ہاں محفوظ نہیں رہا۔ وہ دیوتے جو اہُر کہلاتے تھے اُن صفات کے مالک تھے جو اخلاق و تہذیب و تمدّن کے ساتھ وابستہ سمجھی جاتی ہیں، برخلاف اس کے جو دیئےوَ کے نام سے پکارے جاتے تھے اُن کی پرستش کرنے والے خانہ بدوش، جنگجو اور لوٹ مار کرنے والے وحشی قبیلے تھے، جس وقت اہل ایران عہد تاریخی میں داخل ہوتے ہیں اُس وقت مزدا (یا مزدا اہُرا یا اہُرا مزدا) مشرق و مغرب میں پُر امن اور مہذّب قبائل کا خدائے بزرگ و برتر بن چکا تھا، بالفاظ دیگر مزدا ئیّت مذہبِ زرتشت سے زیادہ قدیم ہے، مزدا کسی خاص قبیلے یا خاص قوم کا خدا نہیں بلکہ وہ نوعِ انسان اور دنیا بھر کا خدا ہے، اس عقیدے کی وجہ سے مزدا ئیّت میں افرادِ انسانی اور قدرت ربّانی کے درمیان زیادہ قریبی تعلق ہے بہ نسبت دوسرے مذاہب کے جو مغربی ایشیا میں پیدا ہوئے، یہ تعلق اخلاقِ شخصی کا محرّک ہے اور وہ اس مذہب میں اپنی پاکیزہ ترین شکل میں نمایاں ہے، ان دو خصوصیتوں (یعنی مزدا کی عالمگیری اور افرادِ بشر کے ساتھ اس کے قریبی لگاؤ) کی وجہ سے ایرانی عقاید نے رفتہ رفتہ مشرقِ قریب (یعنی مغربی ایشیا)

کے مذہبی افکار پر اپنا اثر نافذ کیا ،

نواحِ مشرق کے اُس حصے میں جو اب سرزمین افغانستان میں شامل ہے غالباً ساتویں صدی قبل مسیح میں زرتشت (زرا تشترا) ایک اصلاح شدہ مزدائیت کا پیغمبر بن کر آیا ، اس سرزمین میں قبائلِ شہرنشین یا کم از کم وہ قبیلے جو نیم خانہ بدوش نیم زراعتی تھے اور خاصے تمدن یافتہ ہو چکے تھے ہمیشہ رہزن ، بادیہ نشین قبائل کے حملوں کے خطرے میں رہتے تھے اور یہ سیاسی دشمنی منتقل ہو کر میدانِ مذہب میں آگئی ، یہی وجہ ہے کہ زرتشت کے نزدیک دیئےوَ (دیو) سے مراد شیاطینِ بدکردار ہیں ، دیوتاؤں کی دو جماعتوں کے درمیان جو مخالفت ہے اُسی میں سے مذہبِ زرتشت کے اس عقیدے نے پیدا ہو کر نشو و نما پائی ہے کہ روزِ ازل سے دو مخالف روحوں میں جنگ جاری ہے یعنی روحِ توانا (یا روحِ خیر) جس کا نام سَپِنْتَ مَیْنیُو[1] ہے اور جو گویا مزدا کی حقیقتِ اصلی ہے اور روحِ شر "اَکامَیْنیُو" جس کا نام اوستا کے جدید تر حصوں میں اَنْگرَ مَیْنیُو[2] ہے ، مزدا کے ممتاز ترین آسمانی معاونوں میں سے چھ (فرشتے) ہیں جن کو زمانۂ مُتأخّر میں امیشہ سپِنْتَ کا مشترک نام دیا گیا جس کے معنے "توانائے جاوید" کے ہیں ، وہ یہ ہیں :- (۱) وُہُومَنا یعنی پندارِ نیک ، (۲) اَشا وَہِشْتَ یعنی صداقتِ برترین ، (۳) کشا ذْرَ وَیرِیَ یعنی تسلّطِ مرغوب ، (۴) آرَمَیتی یعنی فرمان پذیری ، (۵) ہَورْوَتات یعنی سلامتِ باصحت ، (۶) اَمرَتات یعنی غیر فانیّت یا بقائے دوام ، ان کے ساتھ ساتواں خود

---

[1] لفظ "سپِنْتَ" کے معنی کے متعلق اختلاف ہے ، مسٹر بیلی نے ایک مستند مضمون میں اس کے معنی "دارائے قوّتِ فوق العادۃ" بتلائے ہیں ، (دیکھو مجلّۂ مدرسۂ شرقی در لنڈن ۱۹۳۴ء ص ۲۷۶ ببعد) ،

[2] لفظ اہرمن اسی کی بگڑی ہوئی شکل ہے (مترجم) ،

سپنتَ مینیو ہے ، ان اسمارِ مجرّدہ کے پردے میں غالباً وہی قدیم دیوی دیوتا مستور ہیں جو عناصر اور قدرت کی طاقتوں کے مظاہر ہیں ، مثلاً آرمیتی کے متعلق ہمیں کوئی شک نہیں کہ وہ اصل میں دھرتی (عنصرِ خاکی) کی دیوی ہے ، دینِ زرتشتی کا ایک اور معبود سَرَاؤش ("اطاعت") ہے ، زرتشت نے اُن مقبولِ عام دیوتاؤں کو جو اس کے مذہب میں اسمارِ مجرّدہ کے تحت میں اختیار نہیں کیے گئے یا تو دیووں میں شمار کیا ہے یا ان کو بالکل ترک کر دیا ہے ، تخریب و ہلاکت کے دیووں میں سے جو روحِ شر کے معاون ہیں سب سے زیادہ مستعد آیشمَ[1] ہے جو غارتگر بادیہ نشینوں کی بے رحمی کا مظہر ہے ،

زرتشت کا مذہب ایک ناکامل توحید ہے ، ربّانی ہستیوں کی وہاں کثرت ہے اس طرح پر کہ مزدا گویا ذات ہے اور وہ سب اس کی تجلّیات یا صفات ہیں اور ساتھ ہی وہ اس کی مشیّت کو کہ وہی مشیّتِ ایزدی ہے نافذ کرنے والی ہیں ، مزدا کی ذات لاشریک ہے اور ثنویت کا عقیدہ فقط ظاہری ہے کیونکہ وہ عالمگیر روحوں (یعنی روحِ خیر اور روحِ شر) کے درمیان جو جنگ جاری ہے وہ بالآخر روحِ خیر کی فتح پر منتہی ہوگی ، اس جنگِ عظیم میں انسان کے لیے بھی ایک مأموریّت ہے ، وہ یہ کہ تدیّن و تقویٰ کے ساتھ صداقتِ دینی اور اخلاق کے لیے جہاد کرے ، وسائلِ حیات کی طرفداری کرتے ہوئے موت کی طاقتوں کا مقابلہ کرے ، تمدّن اور سب سے بڑھ کر تہذیبِ وطن کی خدمات میں روحِ خیر کا حامی رہے ، پندارِ نیک ، گفتارِ نیک اور کردارِ نیک اخلاقِ زرتشتی کے اصول سہ گانہ ہیں جن کی جزاء عقبیٰ میں جنّت الفردوس ہے اور صحت و بقائے دوام

[1] فارسی میں لفظ خشم (بمعنی غصّہ) اس سے مشتق ہے (مترجم) ،

کے ساتھ "مقام روحانی" میں رہنا ہے، برخلاف اس کے گناہگاروں کی سزا "مقامِ ناراستی" ہے جہاں ہمیشہ کے لیے عذابِ الیم ہے، لیکن جزا و سزا کے اس فیصلے کے علاوہ جو انسان پر مرنے کے بعد فوراً صادر کیا جاتا ہے اوستا کے بابِ گاتھا میں (جو منظوم نصائح پر مشتمل ہے اور جس میں زرتشت کی اصلی تعلیم کا پرتو ہے) ایک عمومی اور کلّی حسابِ آخرت کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں جو "روح و آتش" کے ذریعے سے کیا جائیگا یعنی روحِ مزدا حساب لینے والی ہوگی اور امتحان بذریعہ آگ اور پگھلی ہوئی دھات کے کیا جائیگا، یہ امتحان اختتام زمان کائنات کے بعد ہوگا جبکہ روح خیر اور روح شر کی فوجوں کے درمیان آخری جنگ کا خاتمہ مزدا کی فتح پر ہوچکا ہوگا،

اوستا کے اُس حصّے میں جو "قدیم" کہلاتا ہے (جس کا لبّ لباب بابِ گاتھا ہے) اور "حصّۂ جدید" میں نمایاں تفاوت ہے کیا بلحاظ معبودین کی تعداد کے اور کیا بلحاظ افکارِ مذہبی کے، بالآخر جو دیوتا مقبول عام تھے دبائے نہ جا سکے اور موبدانِ زرتشتی گاتھا کے مخصوص معبودوں کے ساتھ ساتھ ان کو بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے۔ مشرقی ایران کی مزدائیت میں زرتشت کی اصلاحات سے پہلے بعض یَشت یا بھجن اِن ہر دلعزیز دیوتاؤں کی ستایش میں موجود تھے مثلاً مِترا (یا متھرا) کی ستایش میں جو عہد و پیمان کا دیوتا ہے اور ساتھ ہی خدائے نور بھی ہے[1] یا اَرْدْوِی سُورا جس کا لقب اَناہِتا ہے جو پانی اور زرخیزی کی دیوی ہے یا ستارۂ تِشتر یا جو کہا گیا ہے کہ شعرای یمانی ہے، یا وَرِثْرغنا کہ جنگ و فتح کا دیوتا ہے، یا خْوَرِنہ جو شاہانِ آریائی کا جاہ و جلال ہے یا فْرَوَشی

---

[1] یشت ۱۰، ۱۳، کی رو سے متھرا طلوع آفتاب سے پہلے کوہسار پر جلوہ نما ہوتا ہے، ہرٹل کے نزدیک اوستا کا متھرا رات کا آسمان ہے، (دیکھو "مآخذ و تحقیقات در باب ہند و ایران" بزبان جرمن، ج ۹)،

یعنی وہ فرشتے جو با ایمان لوگوں کے ہمزاد و محافظ ہیں ، یہ وہ یشت ہیں جو پہلے سے موجود تھے لیکن ان کو زرتشتی عقاید کے مطابق کر لیا گیا اور ان کے ساتھ اور یشت اضافہ کیے گئے جو خالص طور پر زرتشتی ہیں یعنی جن کو موبدانِ زرتشتی نے خود تصنیف کیا ، قدیم یشت جن میں ایرانیوں کی افسانوی تاریخ اور تاریخ ایرانِ شرقی قبل از زمانِ زرتشت کے متعلق قیمتی اطلاعات ملتی ہیں اوستائی جدید کا قدیم ترین حصہ ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کا لٹریچر گاتھاؤں سے بھی زیادہ پرانا ہے[1]۔

---

[1] قدیم ایرانی مذہب اور اصلاحاتِ زرتشت کو ہم نے یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے ، ناظرین کو چاہیئے کہ زیادہ مفصل مطالعہ کے لیے میرے اُن مضامین کی طرف رجوع کریں جو میں نے بہ عنوان "مطالعات درباب دین زرتشتی در ایران قدیم" نیز "دین زرتشتی کے قدیم ترین ادوار پر ملاحظات" شایع کیے ہیں ، ان کے علاوہ میری کتاب موسوم بہ "کیانیان" کو بھی ملاحظہ فرمائیں ، اصلاحات زرتشت کے متعلق تازہ ترین اور مفصل کتب حسبِ ذیل ہیں :-

۱- لومل (Lommel) ، "دین زرتشت" (ٹوبنگن سنہ ۱۹۳۰ع) ، بزبان جرمن

۲- گائیگر (Geiger) ، "امشا سپندان" (روئداد ویانا اکیڈیمی ، سنہ ۱۹۱۶ع) جرمن

۳- مے یے (Meillet) "اوستا کے باب گاتھا پر تین لیکچر" (پیرس سنہ ۱۹۲۵ع) فرانسیسی

۴- لومل (Lommel) ، "یشت ہای اوستا کا ترجمہ مع شرح" بزبان جرمن ،

۵- ہرٹل (Hertel) ، مضمون شائع شدہ در "مآخذ و تحقیقات درباب ہند و ایران" جزء ۷ ، نیز در "رسالہ اکیڈیمی ساکس در جرمنی" ج ۴۱ نمبر ۶ ، بزبان جرمن

ہرٹل نے ان مضامین میں عقیدۂ آتش کے متعلق اپنے خیالات کو یشتوں کے ساتھ مطابق کر کے دکھایا ہے ، ان کی رائے ہے کہ دینِ زرتشتی کی تمام مذہبی اصطلاحات میں آتش پرستی کا اثر موجود ہے ،

۶- بن ونست (Benveniste) و رنو (Renou) "ورثرا اور ورثرغنا" (پیرس سنہ ۱۹۳۴ع)

مذہب زرتشت ایران میں صدیوں تک نا اصلاح یافتہ مزدائیت میں محصور رہا جس کی نشوو نما ایران کے مختلف حصوں میں کسی قدر مختلف ہوئی تھی، مثلاً اُس مزدائیت میں جو ہخامنشیوں کے وقت میں اہل فارس کا مذہب تھا اور اُس مزدائیت میں جو میڈیا کے مغوں یا موبدوں کا مذہب تھا بہت سے اختلافات تھے لیکن جس زمانے میں کہ مؤرخ ہروڈوٹس اہل فارس اور اہل میڈیا کے مذہبی عقاید و رسوم کو بیان کر رہا تھا ابھی زرتشت کی مذہبی اصلاح ایران کے مغرب تک نہیں پہنچی تھی[1]، کہیں چوتھی صدی قبل مسیح میں جا کر میڈیا کے مُغوں میں ایک مزدائیت دیکھنے میں آتی ہے جو زرتشت کی طرف منسوب کی جاتی ہے لیکن وہ بعض امور میں گاتھاؤں کی مزدائیت سے اسی قدر مختلف ہے جس قدر کہ وہ اوستائے جدید کی مزدائیت سے اختلاف رکھتی ہے، ایک نہایت قدیم ایرانی عقیدے کے مطابق جس کے کچھ دھندلے سے آثار گاتھاؤں میں باقی رہ گئے ہیں خدائے خیر اور خدائے شر توام بھائی تھے جو زمانِ نامحدود (زُروان یا زَروان) کے بیٹے تھے[2]، مزدائیت کی ایک اختلافی صورت میں سے جس پر کلدانی علم نجوم کا بہت اثر پڑا اور جو ایشیائے کوچک کے مجوسیوں میں نشو و نما پاتی رہی[3] متھرائیت یعنی پرستش متھرا (مہر پرستی) پیدا ہوگئی جس کو خدائے خورشید تصور کیا گیا ہے، یہ پرستش سلطنت روما میں بہت رواج پذیر ہوئی[4]،

ان حالات میں متھرا پرستوں نے اور ان کے ساتھ مختلف قسم کے بدعتیوں نے جن میں

---

[1] بن ونیست (Benveniste) — "مذہب ایران از روئے مآخذ یونانی" (پیرس ۱۹۲۹ء)، باب دوم، [2] دیکھو آگے باب سوم، [3] کیوموں (Cumont) — "مغربی مجوسیوں کے عقیدے میں دنیا کا انجام" (مضمون در مجلہ "تبصرۂ تاریخ مذاہب" ۱۹۳۱ء ص ۲۹ ببعد)،

[4] کیوموں "اسرار متھرا پرستی از روئے متون و ابنیۂ منقش" (برسلز ۱۸۹۶ء)، نیز "اسرار متھرا" ۱۹۱۳ء)،

سے بعض شیطان پرست تھے (جو انگرہ مینیو یا اہرمن کے ماننے والے تھے) زُروانی عقیدے کو اختیار کر لیا،

ہندو ساکا[1] بادشاہوں کے سکّوں پر جن دیوتاؤں کی تصویریں ہیں ان کو دیکھ کر مزدائیت کی ایک نئی اختلافی صورت کا حال کھلتا ہے جس پر ہندوستان کے بعض عقاید کا اثر پڑا ہے، یہ مزدائیت مشرقی ایران میں تربیت پذیر ہوئی اور آگے چل کر بدھ مذہب کی روحانی فضا میں گھر کر فنا ہو گئی[2]،

مغربی ایران میں اور بالعموم ایشیا کے مغربی حدود پر یونانیت (یعنی عقاید یونانی) نے مختلف مذاہب میں ایک توافق کی صورت پیدا کر دی، بابلی اور یونانی دیوتا اور ایرانی دیوتا عیناً ایک سمجھے جانے لگے چنانچہ اہُرا مزدا کو بیل کے ساتھ متھرا کو شمش کے ساتھ اور اناہیتا کو اِشتر کے ساتھ ملتبس کیا گیا[3]، کماژین[4] کے بادشاہ انٹیوکس اوّل (۶۹ — ۳۴ ق.م) نے جن دیوتاؤں کے بت کھڑے کیے ان کے نام یہ ہیں :- (۱) زیوس اورومزدیس[5] (اہُرا مزدا)، (۲) اپولو متھراس ہیلیوس ہرمیس[6]، (۳) ارتگنیس (ورثرغنا) ہرقلیس آریس[7]،

---

[1] Indo-Scythian [2] شٹائن (Stein) : "خدایانِ زرتشتی بر روئے مسکوکات شاہانِ ہندو ساکا" (مجموعۂ آثار بابل و شرق، لنڈن ۱۸۸۶ء)، ویسٹ (West) : "ہندو ساکا مسکوکات کے متعلق چند نوٹ" (لنڈن ۱۸۸۸ء)، کریسٹن سن : "مطالعات درباب دین زرتشتی" ص ۳۶ بعد، [3] بیل اہل بابل کے نزدیک نوع بشر کا خدا (خدائے برترین) ہے، شمش بابلی زبان میں وہی لفظ ہے جو عربی میں شمس ہے یعنی سورج دیوتا، اشتر اہل بابل کے عقیدے میں محبت و آفرینش کی دیوی ہے، (مترجم) [4] شام کا شمال مشرقی علاقہ، یہاں کے فرمانروا خاندان سلوکس سے علاقہ رکھتے تھے سلوکیوں کے زوال کے بعد خود مختار ہو گئے (مترجم)، [5] (Zeus-Oromasdes)، [6] Apollo-Mithras-Helios-Hermes ، [7] Artagnes-Heraclius-Ares

(۴) مجسمۂ مملکت گماژین جس کو اس نے "میرا نہایت زرخیز وطن گماژین" کا لقب دیا، ان "یونانی ایرانی" دیوتاؤں کی پرستش کے لیے اس نے مستقل مذہبی رسوم جاری کیں، شاہان اشکانی نے "مشتاق یونان"[1] کا لقب اختیار کر رکھا تھا اور یونانی آداب و تہذیب کی طرف مائل تھے[2]، لیکن ان کی یونان پرستی محض سطحی تھی اور اس اجنبی تہذیب کی ہلکی سی تہ کے نیچے وہ سب کے سب زرتشتی رنگ میں رنگے ہوئے تھے،

عہد پارتھی کا آغاز تھا جبکہ کتاب اوستا کا وہ حصہ تصنیف ہوا جس کو وندی داد (وِ دیو داد یعنی شریعتِ دیو شکن) کہا جاتا ہے اور جو زرتشت کے احکامِ شریعت پر مشتمل ہے، زبانِ اوستا اس وقت مردہ ہو چکی تھی اور علمائے دین کو اس کے استعمال کرنے میں بہت دقت تھی، وندی داد قواعد و رسوم کا ایک مجموعہ ہے جو ملک کے مختلف حصوں میں کسی قدر اختلاف کے ساتھ رائج تھے جس کی دلیل یہ ہے کہ ان احکامِ شریعت میں کہیں کہیں بدیہی تناقضات دیکھنے میں آتے ہیں، وندی داد میں مختلف قسم کے گناہوں اور نجاستوں کے متعلق بحث ہے اور توبہ و تطہیر کے وسائل بتائے گئے ہیں، اس کے علاوہ افعال جور و تعدّی اور مخلوقاتِ مطہّرہ (انسان، کُتّا اور اودبلاؤ) کی خونریزی سے بحث ہے، پھر مردوں کی تجہیز و تکفین کے مسائل ہیں جن کے متعلق حکم ہے کہ ان کو دخموں پر (جو اینٹوں سے تعمیر کیے جاتے ہیں اور جن کو آج کل "مینار ہائے

---

[1] Phil-Hellenes.

[2] جے - ایم - اون والا (Unvala) : "پارتھیوں کے مذہب پر مشاہدات" (بمبئی ۱۹۲۵ء)

خاموشی" کہا جاتا ہے) کھُلا چھوڑ دیا جائے تاکہ شکاری پرندے ان کو کھا جائیں[1]
کیونکہ لاش کو دفن کرنے یا جلانے سے عناصر کو ناپاک کرنا قطعاً ممنوع ہے، علاوہ بریں
اُس ناپاکی کا ذکر ہے جو مردہ جسم کو چھونے سے یا........ اور اسی قسم کی اور چیزوں
سے لاحق ہو جاتی ہے، وندی داد میں ہم کو کئی ایک جنّوں یا دیووں نیز دُرُج یعنی
چڑیلوں اور پائریکا یعنی پریوں یا جادوگرنیوں کے نام فرداً فرداً بتائے گئے ہیں، یہ
سب روحِ شر (انگرہ مینیو یعنی اہرمن) کا لشکر ہیں، مثلاً ایک دیو کا نام اِندرا
ہے، ایک ساؤرَو ہے، ایک ناؤن ہیثیا ہے، یہ تینوں قدیم "ہندو ایرانی"
دیوتا ہیں، ایک اور دیو کا نام اپاؤش ہے جو مخصوص طور سے تِشتریا (شعرای
یمانی) کا دشمن ہے، ایک بُوشیَستا ہے جو بیہوشی یا نیند کی چڑیل ہے، ایک
نَسُو ہے جو لاشوں اور مردہ اجسام کا جنّ ہے، وغیرہ وغیرہ،

پارسی روایت کے مطابق زرتشتی مذہب کی مقدس کتابوں کی تالیف کا کام ایک
اشکانی بادشاہ کے حکم سے انجام دیا گیا جس کا نام وولاگاسس[2] (بلاش) تھا، غالباً وہ
وولاگاسس اوّل ہے جس کا عہد سلطنت سنہ ۵۱ء سے سنہ ۸۰ء تک تھا،

———— : ————

[1] مؤرخ اگاتھیاس (Agathias — چھٹی صدی عیسوی) نے واضح طور پر بتلایا ہے کہ ایرانیوں میں یہ دستور ساسانیوں کے عہد میں جاری تھا، (تاریخ مصنّف مذکور ج ۲ ص ۲۳ ببعد)، چینی سیاح ہیوئن سانگ لکھتا ہے کہ اہل ایران اپنے مُردوں کو ترک کر کے چلے جاتے ہیں (ج ۲ ص ۲۷۸)، روسی زبان میں ایک رسالہ موسیو Inostrantzev نے اس مبحث پر لکھا ہے کہ قدیم ایرانی اپنے مُردوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے، اس کا ترجمہ انگریزی میں موسیو بوگڈانوف (Bogdanov) نے کیا ہے جس کو کاما انسٹیٹیوٹ بمبئی نے شائع کیا ہے،

[2] Volagases

جس وقت سے کہ بخت نصر (شاہ بابل) نے یہودیوں کو اپنے وطن (فلسطین) سے خارج کر کے بابل میں آباد کیا اُس وقت سے ان کی تعداد بیبی لونیا[1] اور میسوپوٹیمیا[2] میں برابر بڑھتی چلی گئی، وہاں یہ لوگ تجارت، زراعت اور ہر قسم کی صنعت و حرفت میں مصروف ہو گئے، اشکانیوں کے زمانے میں ان کی تعداد خصوصیت کے ساتھ نہر دیا (بابل کے شمال میں)، سورا، پمبا دِیتا اور ماخوزے یعنی سلوکیہ میں بہت کثیر تھی، اس کے علاوہ یہودیوں کی جماعتیں میڈیا اور فارس میں بھی موجود تھیں،

پہلی صدی عیسوی میں جب ان یہودیوں نے اپنے آپ کو ایک رئیس یا لیڈر کی سرکردگی میں منظم کیا جس کا لقب ریش گالوتا (رأس الجالوت) تھا تو شہنشاہ ایران نے ان کو ایک باقاعدہ ملّت تسلیم کر لیا اور ان کو ایک خاص حد تک خود مختاری دے دی، ریش گالوتا کو یہ اختیارات دیے گئے کہ وہ مالیات یا ٹیکس وصول کرے اور عدالت کے لیے جج مقرّر کرے، اپنی شریعت اور روایات کو یہ لوگ برابر ترقّی دیتے گئے، تیسری صدی عیسوی کے شروع میں سورا کا مدرسہ قائم ہوا اور اسی وقت سے امورا ئیم یعنی علماءِ یہود علوم کے مطالعہ میں لگ گئے اور اُنھوں نے ہر قسم کی احادیث، روایات اور تعلیمات کا وہ طومار جمع کرنا شروع کیا جو تلموذ کے نام سے معروف ہے[3]،

———— : ————

اشکانیوں کے عہد میں عیسائیت کے آغاز کے متعلق ہمارے پاس اطلاعات

---

[1] Babylonia [2] Mesopotamia

[3] گریٹز (Grätz) - "تاریخ یہودیاں" (طبع چہارم، ج ۳ ص ۳۰۰ بعد، ج ۴ ص ۲۵۱ بعد و ص ۲۹۳ بعد)، نوئے باؤر (Neubauer) "جغرافیائے تلموذ" (ص ۳۴۶ - ۳۵۶ - ۳۶۰) — بزبان جرمن، لابور (Labourt) — "عیسائیت در کشور ایران" (ص ۷ بعد) بزبان فرانسیسی،

بہت ناکافی ہیں[1] ، پہلی صدی عیسوی میں عیسائیت شام اور ایشیائے کوچک میں پھیل چکی تھی اور سنہ ۱۰۰ء کے قریب عیسائیوں کی جماعتیں دریائے دجلہ کے پار اربل[2] میں موجود تھیں[3] لیکن ممالک مشرق میں عیسائیت کی تبلیغ کے بارے میں ہمارے پاس صریح معلومات موجود نہیں ہیں ، افسانے کی رُو سے سب سے پہلا مبلّغ جس نے پارتھیا میں عیسائیت کی دعوت دی وہ سینٹ ٹامس ہے اور کتابِ مجہول موسوم بہ " وقائع سینٹ ٹامس " کے مطابق تو اس کی تبلیغ ہندوستان کے اندر تک پہنچی ہے ، لیکن یہ کتاب تاریخی اعتبار کے پایہ سے گری ہوئی ہے ، اربل کے بعد مشرقی عیسائیت کا محکم ترین ملجا و ماوی ظاہراً کرخای بیت سلوخ تھا جس کو آج کل کرکوک کہتے ہیں ، " وقائع شہدائے ایران[4] " میں لکھا ہے کہ " شاہ بلاش کے زمانے سے لے کر شاپور بن اردشیر کی حکومت کے بیسویں سال تک (یعنی کُل نوّے سال) کرخا ایک پاک سرزمین تھی جہاں کسی قسم کی خراب نباتات نہیں اگتی تھی[5] " ۔

چونکہ ساسانی بادشاہ شاپور اوّل پسر اردشیر اوّل سنہ ۲۴۱ء میں تخت نشین ہوا لہذا بلاش بجز شاہ اشکانی وولاگاسس سوم کے اور کوئی نہیں ہوسکتا جس کا عہد سلطنت سنہ ۱۴۸ء سے سنہ ۱۹۱ء تک تھا ، بہرحال شاہان اشکانی کے زمانے میں عیسائیوں کا ملکی معاملات میں کوئی حصّہ نہیں تھا ، بعد میں ایک جعلی تحریر موسوم بہ

---

[1] لابور - کتاب مذکور ص ۹ - ۱۷ ، سخاؤ (Sachau) — " تاریخ اربل " سنہ ۱۹۱۵ء بزبان جرمن ،
[2] موصل کے قریب ہے ، یورپین مصنّف اس کو اربیلا لکھتے ہیں ، یہ وہی جگہ ہے جہاں سکندر نے دارا کو شکست دی تھی ، (مترجم) [3] سخاؤ کتاب مذکور ص ۱۲ ببعد ،
[4] Acts of the Martyrs of Iran ،
[5] ہوفمن (Hoffmann) — " اقتباسات از وقائع شہدائے ایران بزبان سریانی " (لیپزگ سنہ ۱۸۸۰ء) بزبان جرمن ،

"مکتوب آبار مغربی" تیار کی گئی جس کی تاریخ دوسری صدی عیسوی کا آغاز ہے ، اس کی رُو سے سلوکیہ کے جاثلیق کو کامل خودمختاری عطا کی گئی ہے یعنی اُس کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے عہدۂ پادریت کی تقدیس خود حاصل کر سکے بغیر اس کے کہ وہ اس کی تحصیل کے لئے انطاکیہ جائے ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشکانیوں کے زمانے میں جاثلیق کا عہدہ سرے سے تھا ہی نہیں ،

مغربی ایشیا کی مختلف قوموں اور نسلوں کے اختلاط نے مختلف تمدّنوں اور عقیدوں کے امتزاج کے لئے حالات کو مساعد بنا دیا ، جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں فلسفۂ یونان مشرقی ادیان کے ساتھ مخلوط ہوگیا اور اس سے بیشمار اور رنگارنگ کے پیوندی مذہب پیدا ہوگئے[1] ، مثلاً قدیم زمانے سے صوبۂ میسوپوٹیمیا کے آرامی[2] ماحول میں ایرانی اور سامی عقاید مخلوط تھے ، ایک جدید عنصر جو ان کے ساتھ اور شامل ہوا وہ ایشیائے کوچک کے پُراسرار مذاہب تھے ، پھر یونانیوں کے فلسفیانہ خیالات اُس پر اور اضافہ ہوئے اور یہودیوں کے قبالائی[3] یا باطنی عقاید اور کیمیائی نظریات بھی اس میں مل جل گئے ، خیالات مجرّدہ اور قدرت کی طاقتیں جن کے مجسّمے دیوتا کے طور پر پوجے جاتے تھے اب ان کو یونانی نام دئے جانے لگے ، ایرانی بابلی اور یونانی اساطیر سب ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہوگئے اور مشرقی افسانوں کے اشخاص یونانی دیوتاؤں کے بھیس میں جلوہ نما ہونے لگے ، دنیائے خیر اور دنیائے شر، دُنیائے نور

---

[1] گرسمن (Gressmann) : "تغیرّ مذاہب مشرقی تحتِ اثرِ فلسفۂ یونانی" (۱۹۲۶ء) بزبان جرمن ،

[2] Aramean، [3] Cabalistic ،

اور دنیائے ظلمت کے درمیان ایک صریح امتیاز ، زندگی میں انسان کے مخصوص فرائض ، بہشت و دوزخ ، روز قیامت اور تجدید کائنات ، قدرتِ باری کی ہمہ جائیت اور اس کے ساتھ فرد انسان کے ذاتی اور باطنی تعلّقات ، غرض یہ تمام اعتقادات جو ایرانی مزدائیّت کے مخصوص خط و خال تھے مغربی ایشیا کا مشترک سرمایۂ مذہب بن گئے ، یہ خط و خال ہم کو اُن مراسم مذہبی میں نظر آتے ہیں جن کے ذریعے سے مریدانِ مبتدی کی تقریب معبود کے ساتھ کی جاتی تھی ، یہ تقریب خاص مناسک اور خفیہ تعلیمات کے ساتھ ہوتی تھی جو الہامی خیال کی جاتی تھیں ، وہ بعض پُراسرار کتابوں میں محفوظ تھیں اور نامحرموں کے لئے ناقابل فہم تھیں ، اُن میں مصری ، ایرانی ، کلدانی اور یہودی عقاید سب کے سب باہم مخلوط تھے ، اسی ماحول میں "زرتشتِ مجوسی" کے بعض جعلی نوشتہ جات ظہور پذیر ہوتے ہیں[۱] اور زرتشتی مذہب کے خاص بدعتی فرقوں میں زرتشت کو نوعِ بشر کا نجات دہندہ قرار دیا جاتا ہے ، اس عہد کے باطنی عقاید کسی مقامی یا قومی حدود کے اندر نہ تھے بلکہ یہ مانا جاتا تھا کہ وہ نوعِ بشر کے دینِ اصلی کے اصول پر مشتمل ہیں جس کے حقایق ناقص شکل میں مختلف مذاہبِ عمومی کے اندر جلوہ نما ہیں[۲]

دوسری صدی عیسوی میں سلطنت روما کے اندر مذہبِ "عرفان[۳]" رائج

[۱] الفرک (Alfaric) ـ "نوشتہ ہای مانوی" ج ۲ ص ۲۰۵ ، ــــ بزبان فرانسیسی ،

[۲] رائتسن شٹائن (Reitzenstein) ــــ "یونانی باطنی مذاہب" طبع دوم ص ۱۵ ــ بزبان جرمن

[۳] **gnosticism** ، مذہب عرفان کے عقاید و مسائل نہایت پیچیدہ اور حیران کرنے والے ہیں اور ان کو سمجھنے کے لئے مذہب اور فلسفہ دونو کے جاننے کی ضرورت ہے ، عیسائیت سے پہلے عرفان میں یہودیت ، زرتشتیت اور فلسفۂ یونان کے مسائل مخلوط تھے لیکن عیسائیت کے بعد حضرت عیسیٰؑ کی شخصیت اور نوعیّت کا مشکل مسئلہ اس میں اور داخل ہوا ، عرفانیوں کا سب سے بڑا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کو نجات فقط عرفان (gnosis) کے ذریعے سے حاصل ہو سکتی ہے ، (مترجم) ،

ہُوا[۱] - عرفانی عقاید بیشک اس سے پیشتر بھی موجود تھے چنانچہ اسکندریہ کے یہودیوں میں وہ نمایاں طور سے دیکھنے میں آرہے ہیں لیکن ان کا منبع قدامت کی تاریکی میں گم ہے دُوسری صدی عیسوی سے عرفانی مذہب والے عیسائیوں کی کتب مقدسہ سے اپنے عقاید کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے ، باسیلیڈیس[۲] ، والنٹینوس[۳] اور مارسیون[۴] کے مذہبی مسالک اور اوفائٹ[۵] ، ناسین[۶] اور الکسائیٹ[۷] کے سلسلہ ہائے تصوف

---

[۱] رجوع بہ مآخذ ذیل :-

۱- فریڈلینڈر (Friedländer) - "عیسائیت سے پہلے یہودیوں میں مذہب عرفان" گوٹنگن ۱۸۹۸ء بزبان جرمن

۲- بوسے (Bousset) - "مذہب عرفان کے اہم مسائل" گوٹنگن ۱۹۰۷ء ، بزبان فرانسیسی

۳- شلٹس (Schultz) - "مذہب عرفان کے متعلق اسناد" (ویانا ۱۹۱۰ء) - جرمن

۴- لیگ (Legge) - "پیشروان و رقیبانِ مذہب عیسوی" - کمبرج ۱۹۱۵ء

۵- ڈریوز (Drews) - "عرفان میں سے عیسائیت کا ظہور" - ییناً ۱۹۲۴ء بزبان جرمن

۶- لیزہ گانگ (Liesegang) - "عرفان" - لیپزگ ۱۹۲۴ء - جرمن

۷- ویزن ڈونک (Wesendonk) - "ایرانی روایات میں بشر ابتدائی اور رُوح" - ہانوور ۱۹۲۴ء جرمن

۸- دوفے (de Faye) - "عرفاتی و عرفان" - پیرس ۱۹۲۵ء - فرانسیسی

۹- شیڈر - Schaeder - مجلّہ "عہد عتیق" (Die Antike) ج ۴ ص ۲۲۶ - ۲۶۵ ،

[۲] Basilides ، قیصر ہیڈرین (Hadrian) کے زمانے میں (۱۱۷ء - ۱۳۸ء) گزرا ہے ، اسکندریہ کا رہنے والا تھا اور مذہبِ عرفان کے ایک خاص فرقے کا بانی تھا (مترجم) [۳] Valentinus دوسری صدی عیسوی میں (تقریباً ۱۳۲ء - ۱۶۱ء) روما میں اپنے مسلک کی تعلیم دیتا رہا - اصل میں یہودی تھا اور مصر کا رہنے والا تھا ، (مترجم) ، [۴] Marcion ، ایشیائے کوچک کا رہنے والا اور دوسری صدی میں عرفان کے ایک فرقے کا بانی تھا (مترجم)

[۵] Ophites ، عرفانیوں کا ایک خاص فرقہ تھا جو سانپ کی پرستش کرتا تھا ، یونانی زبان میں Ophis سانپ کو کہتے ہیں ، ان کے نزدیک سانپ اس لیے مقدس تھا کہ بہشت میں آدم کو اسی نے "درختِ علم" کا پھل کھانے کی ترغیب دی تھی ، اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اولادِ آدم علم سے اور لہٰذا عرفان سے محروم رہتی جس کے بغیر نجاتِ اخروی حاصل نہیں ہوسکتی ، (مترجم)

[۶] Naassenes ، فرقہ اوفائٹ کی ایک شاخ تھی ، (مترجم) ، [۷] Elkasaites یہ فرقہ دوسری صدی عیسوی کے شروع میں پیدا ہُوا اور اپنے بانی Elkasai کے نام سے معروف ہے ، (مترجم) ،

مذہب عرفان ہی کی مختلف شکلیں ہیں جن کے مراسم اور اعتقادات مختلف ہیں[1] لیکن بایں ہمہ ان تمام نظامات کی گوناگونی میں مشترک عقاید کی ایک رَو چلتی نظر آتی ہے ،

ان میں سب سے پہلا عقیدہ ثنویت کا ہے ، لیکن مزدائیوں کی ثنویت اور عرفانیوں کی ثنویت میں گہرا اختلاف ہے ، مزدائیت کی رُو سے عالم نور اور عالمِ ظلمت میں سے ہر ایک بیک وقت روحانی بھی ہے اور مادی بھی ، برعکس اس کے عرفانی عالمِ نُور کو عیناً عالم روح اور جہانِ ظلمت کو عیناً جہانِ مادہ سمجھتے ہیں ، زندگی کے اس تصوّر کا نتیجہ انتہائی یاس پذیری اور ترکِ دنیا کی شکل میں ظاہر ہوُا ،

مذہب عرفان میں خدا کی ذات مرئی دنیا بلکہ تصوّرات کی دنیا سے بھی پرے ہے ، وہ خالقِ لایُدرک اور بے اسم ہے جس کو وہمِ انسانی نہیں پا سکتا ، اسی خدائے اوّلین کی ذات سے کائنات صادر ہوئی ہے جو نشأت یا قرون کے ایک سلسلے کی شکل میں ہے جس کی ہر کڑی اپنے ماقبل والی کڑی سے گھٹ کر ہے حتّیٰ کہ آخر میں مادّی دنیا ہے جو اس سلسلۂ نشأت میں سب سے آخری اور کثیف ترین ماحصل ہے لیکن اس میں اپنے منبعِ ربّانی کی طرف واپس جانے کا میلان موجود ہے ، مادّہ یا عالمِ اجسام بدی کا مسکن ہے لیکن سرشتِ انسان میں ایک شعلۂ یزدانی ودیعت کیا گیا ہے جو اس کو نجات کی راہ دکھاتا ہے اور عالمِ نور تک اس کی معراج کے راستے میں (جو خدائی حکّامِ عدالت کے محکمۂ عدل میں سے ہو کر جاتا ہے) رہنما کا کام دیتا ہے ، یہ تھا زمانۂ متأخر کے عرفانیوں کا نظریۂ خلقِ عالم

---

[1] بارڈیسانیس (Bardesanes) کے متعلق جس نے بالخصوص مشرق میں بہت شہرت حاصل کی دیکھو ویزنڈونک (Wesendonk) کا مضمون بعنوان "بارڈیسانیس اور مانی" (Acta Orientalia) ج ۱۰ ، ص ۳۳۶ بعد) اور شیڈر (Schaeder) کا مضمون بعنوان "بارڈیسانیس ......" (مجلۂ "تاریخ کلیسا" بزبان جرمن ۱۹۳۲ء ص ۲۱ بعد) ،

"انسان" یا "انسان اوّلین" ایک نیم ربّانی شخصیت ہے جس کا تصوّر معلوم ہوتا ہے کہ اساطیر ایران سے لیا گیا ہے[1]، بعض عرفانیوں نے اس کو آدم سمجھا ہے بعض کے نزدیک وہ یسوع ازلی ہے اور بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ پہلے وہ آدم اور بعد میں عیسیٰ کے جسم میں ظہور پذیر ہوا - وہ خدائے بزرگ کا مولودِ اوّل ہے جو مادّی دنیا میں نازل ہوا ، وہ کائنات کی روح ہے ، وہ خدائے ثانی ہے ، وہ نفس ناطقہ ہے ، وہ روحِ گویائی ہے' اسی کے ساتھ مادّے میں پستی کی ابتدا ہوئی اور ساتھ ہی نجات کے لئے جدّ و جہد کا آغاز ہوا - لیکن نجات تائید آسمانی کے بغیر ممکن نہیں ہے "

افکارِ عرفانی کی ہر نوعیّت میں ہم کو ایک نجات دہندۂ آسمانی کا عقیدہ ملتا ہے اور یہی عقیدہ تھا جس کی وجہ سے عرفانیوں نے عیسائیت کو قبول کیا کیونکہ اُن کا وہ آسمانی نجات دہندہ اُن کو عیسیٰؑ کی شخصیت میں مل گیا ، عرفانیوں کے بعض فرقوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ ہی تھے جنہوں نے نبیۂ آسمانی صوفیا کو جو مادّی حالت کی پستی میں آن گری تھی نجات دی ، فرقۂ والنٹینی[2] خدائے مُنجی (عیسیٰ) اور صوفیا کے درمیان ایک ازدواجِ مقدّس کو مانتے ہیں جس کی یادگار میں وہ "حجرۂ زفاف" کے مذہبی مراسم بجالاتے ہیں ، حقیقت یہ ہے کہ اساطیر اور نظریۂ خلقِ عالم کے افسانے سب مراسمِ مذہبی کی تعبیر وتاویل کے طور پر شکل پذیر ہوئے ، ان مراسم میں ایک شخص کائنات کی اُس جدّ و جہد کو مشاہدہ کرتا تھا جو وہ اپنی نجات کے لیے کر رہی ہے اور بذریعۂ عرفان خود نجات حاصل کرتا تھا جس سے مراد قیدِ مادّہ کی زنجیروں سے رہائی ہے ، عرفان علمِ لدنّی ہے نہ علمِ فکری اور وہ کشف وشہود اور باطنی توجّہ سے حاصل ہوتا ہے جس کے ذریعے سے انسان معرفت

---

[1] انسانِ اوّل یعنی گیومرت کے متعلق دیکھو آگے باب سوم ، [2] Valentinian

معنوی سے ملہم ہو کر نئی زندگی میں آتا ہے ، شیڈر[1] نے عرفان کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ دانشِ حقیقی ہے جو محض اپنی صداقت سے انسان کو نجات کی طرف لے جاتی ہے ،

عرفانیوں میں سے اکثر جن کے نظامِ افکار سے ہم کم و بیش آگاہ ہیں سلطنت روما کے ایشیائی صوبوں کے رہنے والے تھے ، بابل اور میسوپوٹیمیا کے عرفانی فرقوں میں سے ایک فرقہ مینڈیئن[2] تھا اور ایک وہ جس کو عربی کتابوں میں المغتسلہ لکھا گیا ہے اور وہ مذہبِ مانوی کے مآخذ میں سے ہے[3] ، عرب مصنّفوں نے مشرق کے تمام عرفانی فرقوں کو جن کے عقاید زمانۂ اسلام تک رائج رہے[4] حنیف یا صابئین کے نام میں شامل کر لیا ہے[5] ،

یونانیوں کے دورِ حکومت میں بدھ مذہب ایران کے مشرقی علاقوں میں پھیل گیا ، ہندوستان کے راجہ اشوکا نے جس نے ۲۶۰ سنہ قبل مسیح کے قریب بدھ مذہب قبول کیا چند مبلّغ گندہار (یعنی وادی کابل) اور باختر میں بھیجے ، ایک بادشاہ موسوم بہ اگاتھوکلیس[6]

---

[1] 'Schaeder' ، "نظامِ مذہبِ مانوی کی قدیم صورت اور اس کی توسیعات" ص ۱۲۱ ، ۔ بزبان جرمن ،

[2] 'Mandaeans' ، ("مندیۃ" بزبانِ آرامی بمعنی اولوا العلم) ، اس فرقے کے لوگ عراق میں اب بھی موجود ہیں اور "صابئون" کہلاتے ہیں ، وہ لوگ اگرچہ عیسائی نہیں ہیں تاہم John the Baptist کو مانتے ہیں عراق میں عوام الناس ان کو حضرت یحییٰؑ کی امّت کہتے ہیں ، (مترجم) ،

[3] الفہرست ، طبع فلوگل (Flügel) ص ۳۴۰ ، نیز رجوع بہ "سیرت مانی" از فلوگل ص ۱۳۳ ببعد ، اور شیڈر ، کتاب مذکور ص ۶۹ ،

[4] دیکھو شیڈر کا مضمون بہ عنوان "تعلیم اسلام" در مجلۂ انجمن آسیائی آلمانی" سنہ ۱۹۲۵ء ج ۷۹ ص ۱۹۲ ببعد) ،

[5] دیکھو پیڈرسن کا مضمون بہ عنوان "صابئین" در کتاب "عجب نامہ" جو پروفیسر براؤن کی ساٹھویں سالگرہ کی یادگار میں طبع کی گئی تھی ، کیمبرج سنہ ۱۹۲۲ء ، ص ۳۸۳ ببعد ،

[6] Agathocles

نے جو اراخوزیا اور ورنگیانا میں (تقریباً سنہ ۱۸۰ء۔ سنہ ۱۶۵ء قبل مسیح) حکومت کرتا تھا کچھ سکے لگائے جن پر بدھ مت کے ایک سٹوپا کی تصویر تھی، دوسری صدی قبل مسیح کے وسط میں شمال اور جنوب کے بدھ مذہب والوں میں نزاع کے سبب اختلافِ مذہب پیدا ہوا، جنوب والے جو اپنے مذہب کو ہِینیانہ یعنی "کشتیٔ خورد" کہتے تھے سختی کے ساتھ بانیٔ مذہب کی تعلیم پر عمل پیرا رہے لیکن شمالی مذہب نے جو مہایانہ ("کشتیٔ بزرگ") کے نام سے موسوم تھا ہندوستان کے دوسرے مذاہب کے عقیدوں کو اختیار کرلیا اور وہ ہمیشہ مقبول عام عقاید کے اثرات کو قبول کرنے کے لئے زیادہ آمادہ رہا، بدھ مذہب کی جو شکل وسط ایشیا کے ممالک میں رائج ہوئی وہ شریعتِ مہایانہ تھی، راجہ کنشکا نے علمار کی ایک انجمن منعقد کرائی جس نے شریعتِ مہایانہ کے اصول منضبط کیے اور اس کے قوانین پر نظرثانی کی جن کو بزبان سنسکرت تحریر کیا گیا،

گندھارا میں بدھ مذہب والوں نے سنِ عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں بہت سے وِہارے (خانقاہیں) تعمیر کیے جن کے کھنڈرات میں ہمیں پتھروں کی برجستہ تصاویر میں "یونانی ہندی" آرٹ کے نمونے ملتے ہیں جن میں بدھ کی زندگی کے سین دکھلائے گیے ہیں نیز بودھی ستواؤں[۲] اور بُدھ ہائے آیندہ کی تصویریں بنائی گئی ہیں، گندھارا آرٹ چوتھی صدی عیسوی میں اپنے معراجِ کمال پر پہنچا[۳]، بُدھائی مصوّری کے بظاہر قدیم ترین نمونے جو "یونانی ہندی" طرز پر بنائے گئے ہیں تیسری صدی عیسوی سے تعلّق رکھتے ہیں اور وہ حال ہی میں چینی ترکستان میں بعض مقامات کو کھودنے سے

---

[۱] Drangiana ، Arachosia ،

[۲] Bodhisattvas

[۳] فوشیر (Foucher) : "گندھارا کا یونانی بُدھائی آرٹ" (بزبان فرانسیسی)، پیرس سنہ ۱۹۰۵ء ،

دستیاب ہوئے ہیں[1]،

کابل کے مغرب کی طرف مقام بامیان میں بدھ کے بعض دیو پیکر مجسّمے پائے گئے ہیں جو پہاڑ کے ایک ٹیلے کو تراش کر بنائے گئے ہیں، ان مجسّموں کی محرابوں میں بعض تصویریں ہیں جن کا انداز ہمیں وسط ایشیا کی تصویروں کو یاد دلاتا ہے اور جو بعض جزئیات میں شاپور اوّل کے عہد کی ساسانی تصویر تراشی کے انداز سے بہت مشابہت رکھتا ہے[2]،

ساتویں صدی عیسوی تک ساسانی ایران میں بدّھائی خانقاہوں کی موجودگی کی تصدیق ہیونْ سیانگ کے بیان سے ہوتی ہے، وہ لکھتا ہے کہ ایران میں ہندوستان کے اور مذاہب کے پیرو بھی موجود ہیں، یہ یقیناً ایران کے مشرقی صوبوں کے متعلق صحیح مانا جا سکتا ہے[3]،

۴۔ عامیانہ اور ادبی زبانیں

گذشتہ پچیس برس کے عرصے میں چینی ترکستان میں جو اکتشافات ہوئے ہیں اُن

---

[1] شٹائن Stein ۔ "ختن کے ریت میں دبے ہوئے کھنڈرات"، لنڈن سنہ ۱۹۰۴ء، ایضاً "ختن قدیم" آکسفورڈ سنہ ۱۹۰۷ء، ایضاً۔ "صحرای خط کے کھنڈرات" لنڈن سنہ ۱۹۱۲ء، گرون ویڈل Grünwedel "چینی ترکستان کے قدیم بدّھائی آثار" برلن سنہ ۱۹۱۲ء ۔ (بزبان جرمن)، فون لوکوک Von le Coq ۔ "خوچو" برلن سنہ ۱۹۱۳ء ۔ (جرمن)،

[2] گودار و ہیکن Godard and Hackin ۔ "بامیان کے قدیم بدّھائی آثار" پیرس سنہ ۱۹۲۸ء (فرانسیسی)، ہیکن و کارل Carl ۔ بامیان کے آثار قدیمہ پر جدید تحقیقات" پیرس ۱۹۳۳ء (فرانسیسی)۔ ہیکن: "کارِ جماعتِ حفارانِ فرانسوی در افغانستان" ٹوکیو سنہ ۱۹۳۳ء (فرانسیسی)،

[3] بیل Beal ۔ "دنیائے مغرب میں آثار بدّھائی" (لنڈن سنہ ۱۹۰۶ء) ج ۲ ص ۲۷۸،

کی وجہ سے ایران کی السنۂ متوسطہ[1] کے متعلق ہماری معلومات میں بہت اضافہ ہوا ہے، علمی جماعتیں جو پے درپے ان اطراف میں گئی ہیں انھوں نے بیشمار مذہبی اور غیر مذہبی تالیفات کے اجزا ڈھونڈ نکالے ہیں جو مختلف زبانوں میں لکھے ہوئے ہیں جن میں سے بعض تو ناقص طور پر معلوم تھیں اور بعض بالکل غیر معلوم تھیں[2]،

ان علمی جماعتوں نے اس قسم کے جو اجزا جمع کئے ہیں وہ بُدّھائی، مانوی اور عیسائی کتابوں کے ہیں اور سنسکرت، چینی، تبّتی، اویغوری، پہلوی، سُغدی، ساکائی، اور طُخاری زبانوں میں لکھے ہوئے ہیں، ماہرین السنہ نے ان پر علمی تحقیقات کا کام کیا ہے لیکن پھر بھی ان میں سے اکثر اجزا ابھی تک بے تحقیق اور نامرتّب پڑے ہیں،

چینی ترکستان کے اکتشافات سے پہلے ایران کی السنۂ متوسطہ میں سے صرف دو معلوم تھیں، ایک تو "ساسانی پہلوی" جو ایران کے جنوب مغرب (فارس) میں

---

[1] ماہرین السنہ نے ایران کی زبانوں کو تاریخی اعتبار سے تین قسموں میں تقسیم کیا ہے: (۱) السنۂ قدیمہ جو عہد ہخامنشی میں مروّج تھیں جن میں فارسی قدیم (دخطِ میخی) اور اوستا بہت اہم ہیں، (۲) السنۂ متوسطہ جو اشکانی اور ساسانی عہد کی زبانیں تھیں، (۳) السنۂ جدیدہ جو عہد اسلامی میں وجود میں آئیں (مترجم)،

[2] علماء انگریزی کی جماعت شتائن Stein کی سرکردگی میں اول سنہ ۱۹۰۱ء میں اور پھر سنہ ۱۹۰۶ء۔ ۱۹۰۸ء میں بھیجی گئی، جرمن محقّقین کی جماعتیں گرون ویڈل Grünwedel اور ہُوث Huth کے ماتحت سنہ ۱۹۰۲ء۔ ۱۹۰۳ء میں، فون لوکوک Von le Coq کے ماتحت سنہ ۱۹۰۴ء میں، گرون ویڈل اور لوکوک کے ماتحت سنہ ۱۹۰۵ء۔ ۱۹۰۶ء میں لوکوک اور بارٹس Bartus کے ماتحت سنہ ۱۹۱۳ء اور ۱۹۱۴ء میں گئیں، فرانسیسی جماعت موسیو پیلو کی رہنمائی میں سنہ ۱۹۰۶ء۔ ۱۹۰۹ء میں گئی، ان کے علاوہ متعدد روسی جماعتیں موسیو ڈولڈنبرگ d'Oldenburg کے زیر ہدایت بھیجی گئیں جن میں سے آخری سنہ ۱۹۱۴ء۔ ۱۹۱۵ء میں وہاں مصروف کار رہی، جاپان سے بھی کئی جماعتیں سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد سے جا چکی ہیں،

بولی جاتی تھی اور ساسانیوں کے زمانے میں سرکاری زبان تھی، دوسری وہ جو ساسانی پہلوی کے ساتھ ساتھ خاندانِ ساسانی کے ابتدائی بادشاہوں کے بعض کتبوں میں پائی جاتی ہے اور جس کو شروع شروع میں محققین نے "کلدانی پہلوی" کا نامناسب نام دیا، آخرالذکر کو آنڈریاس[1] نے "اشکانی پہلوی" قرار دیا ہے جو پارتھیوں کے عہد کی سرکاری زبان تھی، یہ دونو زبانیں ایسے خطوط میں لکھی ہوئی ہیں جن کی ابجد آرامی زبان سے مشتق ہے لیکن دونو کے حروف شکلوں میں مختلف ہیں، عہدِ ساسانی کے زرتشتیوں کا مذہبی لٹریچر ساسانی پہلوی میں لکھا گیا تھا لیکن اس میں سے جتنا ہمارے زمانے تک پہنچا ہے وہ سب ساسانیوں کے عہد کے بعد کا نقل کیا ہوا ہے اور صحت کے اعتبار سے خاصا ناقص ہے، پہلوی ابجد کے بہت سے حروف کئی کئی طرح سے پڑھے جا سکتے ہیں جس کی وجہ سے پڑھنے میں اٹکل سے کام لینا پڑتا ہے اور لہذا غلطیاں ہوتی ہیں، اس کے علاوہ ایک مشکل یہ ہے کہ پہلوی میں بہت سے الفاظ (خصوصاً معمولی اور مانوس الفاظ) کو آرامی زبان میں لکھ کر فارسی میں پڑھا جاتا ہے[2] اور پھر فعل کے مختلف صیغوں میں لفظ کا آخری جزء (جس سے صیغہ متعین ہوتا ہے) فارسی صرف کے مطابق ہوتا ہے،

چینی ترکستان کے علاقہ تُرفان میں بیشمار اجزا مانوی کتابوں کے پائے گئے ہیں جو ایک سریانی رسم الخط میں لکھے ہوئے ہیں جس کا نام اسٹرانگلو[3] ہے، ان میں آرامی الفاظ کا عنصر نہیں ہے بلکہ سب لفظ اپنی خالص ایرانی شکل میں لکھے گئے ہیں، آنڈریاس نے جلد ہی اس بات کو ثابت کر دیا کہ ان اجزا میں دونو قسم کی زبان (یعنی اشکانی اور ساسانی

---

[1] Andreas، جرمن مستشرق (مترجم)،

[2] مثلاً آرامی زبان میں روٹی کو لحما کہتے ہیں۔ پس لکھنے میں لفظ "لحما" لکھا جائیگا اور پڑھنے میں "نان" پڑھا جائیگا، (مترجم)، [3] Estranghelo

پہلوی) موجود ہے لیکن نہ تو میولر[1] نے جو سب سے پہلا محقق ہے جس نے ان اجزاء کا ایرانی ہونا ثابت کیا اور ان میں سے کچھ اقتباسات شائع کئے[2] اور نہ سالمان[3] نے جس نے میولر کے اقتباسات کو نظرِ ثانی کے بعد عبرانی حروف میں مع فرہنگ[4] طبع کیا ان دونوں زبانوں کا فرق صریح طور پر بتلایا، آنڈریاس نے دونو کے اصولی اختلافات کو مشخص کیا[5] اور پھر ٹڈسکو[6] نے بالتفصیل ان کی شرح کی[7]، عہد اشکانی کی زبان وسطی ایران کے مجموعۂ السنہ سے تعلق رکھتی ہے جس کا نمایندہ زمانۂ حال میں نواحِ بحرِ خزر کی زبانوں میں سمنانی زبان ہے اور نواح کاشان و اصفہان کی زبانوں میں گورانی زبان ہے، وغیرہ،

ان دو ادبی زبانوں (یعنی اشکانی پہلوی اور ساسانی پہلوی) کو اکثر اوقات علی الترتیب "شمالی یا شمال مغربی" اور "جنوب مغربی" زبانوں کا نام دیا جاتا ہے، ان کے قواعدِ اصوات کی گہری واقفیت نے ہمیں اس قابل بنا دیا ہے کہ ہم زبانِ اشکانی (شمالی) کا اثر ساسانی پہلوی (جنوب مغربی) پر معلوم کر سکیں اور یہ اثر گویا اشکانی تہذیب کا اثر ساسانی تہذیب پر ہے، بہت سے الفاظ جو مذہبی، سیاسی اور معاشرتی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں یا ہتھیاروں اور سواریوں کے نام ہیں یا طبی اصطلاحات ہیں یا روزمرہ کے محاورات ہیں یہاں تک کہ معمولی افعال جو ساسانی پہلوی اور فارسی میں عام طور سے استعمال ہوتے ہیں اشکانی پہلوی کی شکل

---

[1] Müller [2] "ترفان کے مخطوطات بخط اسٹرانگلو" (روئداد پرشین اکاڈمی سنہ ۱۹۰۴ء)، اور مضمون بہ عنوان "مناجات ہائے مانوی کی کتاب (مہرنامگ) میں سے دو ورق" (ایضاً سنہ ۱۹۱۳ء) [3] Salemann ، [4] "مطالعات مانوی" (رسائل اکاڈمی سینٹ پیٹرزبرگ بابت سنہ ۱۹۰۸ء و سنہ ۱۹۰۷ء۔ سنہ ۱۹۱۳ء)، [5] دیکھو "تحقیقات کُردی و فارسی" تالیف من Mann حصۂ اوّل، مقدمہ ص ۱۴ ببعد، [6] Tedesco

[7] مضمون بعنوان "نوشتہ ہائے ترفان میں مغربی ایران کی زبانیں" در رسالہ "مشرقی دنیا" Le Monde Orientale ج ۱۵ ص ۱۸۴ ببعد،

میں محفوظ ہیں[1]، زبانِ فارسی کے قواعدِ تلفظ میں جو بظاہر بعض بے قاعدگیاں نظر آتی ہیں اُن کی وجہ دراصل یہ ہے کہ "شمالی" لہجے کے الفاظ "جنوب مغربی" زبان میں (جو ساسانیوں کی آمد کے وقت سے سرکاری زبان بن گئی تھی) سرایت کر گئے[2]،

ایران کی دوسری زبانیں مشرقی صوبوں کی آبادی میں رائج تھیں، مانوی کتابوں کے اُن اجزا کے علاوہ جو دو مذکورہ بالا پہلوی زبانوں میں لکھے ہوئے ہیں تُرفان میں بعض اوراق ایک اور زبان میں بھی لکھے ہوئے ملے ہیں جس کو آنڈریاس نے سُغدی زبان قرار دیا ہے، جب سے کہ کتاب "عہد جدید" (انجیل) کے بعض اجزا سُغدی میں ترجمہ شدہ دستیاب ہوئے ہیں ہمارے لئے اس زبان کا مطالعہ بہت آسان ہو گیا ہے، اس کے علاوہ بعض بُدھائی کتابوں کے متن قدیم سُغدی زبان میں لکھے ہوئے پائے گئے ہیں، ان چیزوں کو دیکھ کر ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ زبانِ سُغدی کی اہمیت کس قدر تھی، اس کی آخری اولاد وہ زبان ہے جو ہمارے زمانے میں سطحِ مرتفع پامیر کی وادیِ یغنوب میں بولی جاتی ہے، موسیو گوتیو[3] کی رائے ہے کہ "سنۂ عیسوی کے شروع میں زبان سُغدی دیوارِ چین سے لے کر بخطِ مستقیم سمرقند اور اس سے آگے مغرب تک رائج تھی، صدیوں تک یہ زبان وسطِ ایشیا میں بین الاقوامی زبان رہی اور بدھ مذہب اور مانوی مذہب کی کتابوں نے اسی زبان کے توسط سے قبائلِ اتراک تک رسائی

---

[1] لینٹس Lentz : مضمون بہ عنوان "فردوسی کی ادبی زبان میں شمالی ایرانی عنصر" (مجلۂ ایران و ہند شناسی" بزبان جرمن ج ۴ ص ۲۵۱ ببعد)، [2] نوشتہ ہای تُرفان کی "شمالی زبان" کو موسیو شیڈر نے خراسان کے مانوی فرقوں کی زبان قرار دیا ہے، خراسان ساسانی سلطنت کا شمال مشرقی علاقہ تھا جہاں مانویوں نے حکومت کے اُن ظلموں سے بچنے کے لئے پناہ لی تھی جو مانی کی وفات کے بعد ان پر توڑے گئے (دیکھو آگے باب چہارم) اشکانی زبان اس علاقے میں بہ نسبت مغربی علاقوں کے زیادہ دیر تک محفوظ رہی، (رسالہ نومن Gnomon ج ۹ ص ۳۵۸)، [3] Gauthiot

حاصل کی[۵]،

چینی ترکستان کے حفریات میں بعض بدھ مذہب کی کتابوں کے اجزا دستیاب ہوئے ہیں جو دو ایسی زبانوں میں لکھے ہوئے ہیں کہ اب تک غیر معروف ہیں لیکن ان کو اب ساکائی اور کھاری زبانوں کے نام دیے گئے ہیں ،

۵۔ رجوع بہ مآخذ ذیل :-

۱۔ میولر Müller ۔ "ترفان کے مخطوطات بخط استرانگلو" (ج ۲ ص ۹۶ — ۱۰۳)

ایضاً ، "متون سغدی" (روئداد پرشین اکاڈمی ۱۹۱۳ء) ، بزبان جرمن

۲۔ گوتیو ۔ "وسنتر جاتکا کا سغدی ترجمہ" (رسالہ آسیائی بزبان فرنچ ۱۹۱۲ء)

ایضاً ۔ "سغدی گریمر پر جواب مضمون" حصہ اوّل (پیرس ۱۹۱۴ء ۔ ۱۹۲۳ء)

حصہ دوم از بن ونشت Benveniste ۱۹۲۹ء ، (فرنچ)

۳ گوتیو، پیلو اور بن ونشت ، "علت و معلول کا سوترا" حصہ اوّل و دوم (پیرس ۱۹۲۰ء ۔ ۱۹۲۸ء) بزبان فرنچ ،

۴۔ "رسائل موسیو روزن برگ Rosenberg در زاپسکی Zapiski ج ۲۶ و در "اطلاعات اکاڈمی علوم در روس" ۱۹۱۸ء ، ۱۹۲۰ء و ۱۹۳۱ء ،

۵۔ رائشلٹ Reichelt ۔ "مخطوطات سغدی در موزۂ بریطانیہ" جلد اوّل و دوم ، (ہائیڈل برگ ۱۹۲۸ء ۔ ۱۹۳۱ء) بزبان جرمن ،

۶۔ ہانسن Hansen ۔ "قرابالگاسون کا سغدی کتبہ" در مجلۂ انجمن فینو اُوگرین Finno-Ougrian ۱۹۳۰ء ، جرمن ،

۷۔ میولر Müller ۔ "متون سغدی" ج ۲ ۔ (روئداد پرشین اکاڈمی ۱۹۳۴ء) ،

۸۔ ٹڈسکو Tedesco ۔ "مجلۂ ایران و ہندشناسی" ۱۹۲۵ء ص ۹۴ ببعد ، (جرمن) ،

زبان ساکائی[1] یعنی انڈوسکیتھین (ہندوساکائی) اُس مجموعۂ السنہ سے تعلق رکھتی ہے جو "مشرقی ایرانی" زبانیں کہلاتی ہیں جن کی نمایندہ آج کل افغانی (پشتو) زبان اور سطح مرتفع پامیر کی بعض زبانیں ہیں مثلاً سری قولی، شغنی، وخی، وغیرہ، زبان ختاری کے متعلق سب سے پہلے میولر، سیگ اور سیگلن[2] نے اور پھر موسیو میے[3] نے ثابت کیا کہ وہ ایک انڈویورپین زبان ہے، یہ بیشک درست ہے لیکن وہ آریائی زبان نہیں ہے، عجیب بات یہ ہے کہ وہ زبانوں کی اُس جماعت سے

[1] رجوع بہ مآخذ ذیل :-

۱- لوئمن Leumann - "شمالی آریائی (یعنی ساکائی) زبانیں اور ان کی ادبیات" (رسائل انجمن علمی در شتراس برگ، سنہ ۱۹۱۲ء، ایضاً "میتریا سمتی" شتراس برگ سنہ ۱۹۱۹ء -
ایضاً، "ادبیات بدھائی" سنہ ۱۹۲۰ء،

۲- رائشلٹ Reichelt - "سالنامۂ انڈوجرمانی" سنہ ۱۹۱۳ء ص ۲۰ ببعد،

۳- شٹن کونو Sten Konow - "قدیم آریائی زبان میں ایک بدھائی کتاب کے اجزاء" (رسالۂ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال سنہ ۱۹۱۴ء)، ایضاً - "مخطوطات ختنی" (آکسفورڈ سنہ ۱۹۱۶ء)
ایضاً، "مضامین ہندوساکائی" (روئداد پرشین اکاڈمی سنہ ۱۹۱۶ء ص ۸۰۷ ببعد)،
ایضاً "بھدرا کاپکا سُوترا کا ساکائی ترجمہ" (اوسلو سنہ ۱۹۲۹ء)،
ایضاً، "مطالعات ساکائی" (اوسلو سنہ ۱۹۳۲ء)،

۴- لوئمن - "ایک نئے ساکائی متن کی اڈیشن" سنہ ۱۹۳۴ء، ایضاً، "سُورنبھا سُوترا کے قلمی نسخے کے بارہ ورق درزبان ساکائی ختن" (روئداد پرشین اکاڈمی سنہ ۱۹۳۵ء)،
ایضاً - "ایک نئی ساکائی زبان" (ایضاً سنہ ۱۹۳۵ء)،

۵- لوڈرس Lüders "ساکائی مُورا" (ایضاً سنہ ۱۹۱۹ء)

۶- ٹڈشکو - "مجلۂ ایران و ہندشناسی" سنہ ۱۹۲۵ء ص ۹۴ ببعد،

[2] Sieg Sieglin

[3] Meillet

تعلق رکھتی ہے جس کو سنتوم[1] کہتے ہیں اور اِیٹالو سیلٹک[2] کے ساتھ قریب ترین علاقہ رکھتی ہے[3]،

السنۂ سامی میں سے آرامی زبان قدیم زمانے سے ایشیا کے مغربی حدود پر عام رواج پاگئی تھی، شاہان ہخامنشی کے سرکاری دفتروں میں وہ استعمال کی جاتی تھی، خطِ میخی کا استعمال بجز کتبوں کے اور کسی قسم کی تحریر میں بسہولت نہیں ہوسکتا تھا لہذا عام تحریروں میں آرامی رسم الخط استعمال ہونے لگا یہاں تک کہ فارسی زبان کی تحریریں بھی اسی خط میں لکھی جانے لگیں، یہیں سے پہلوی رسم الخط کی ابتدا ہوئی اور یہیں سے یہ رسم پیدا ہوئی کہ الفاظ کو آرامی زبان میں لکھ کر فارسی زبان میں پڑھا جائے[4]،

---

[1] Centum، انڈویورپین زبانوں کو حال ہی میں دو بڑے گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور اس تقسیم کی بنیاد لفظ "صد" (بمعنی سَو) کے تلفظ پر رکھی گئی ہے، ایک گروہ مشرقی زبانوں کا ہے جو سَو کو "سٹ" کہتے ہیں، اس میں تمام مشرقی آریائی زبانیں اور ارمنی اور البانی اور لیتھوانی اور سلاوی شامل ہیں، دوسرا گروہ مغربی زبانوں کا ہے جو سَو کو "سنٹ" (باضافۂ نون) بولتے ہیں، اس میں یونانی، لاطینی، سلٹک اور جرمانی زبانیں شامل ہیں، دوسری قسم کی زبانوں کو سنتوم کہتے ہیں، (مترجم)،

[2] Italo-Celtic

[3] رجوع بہ مآخذ ذیل :-

۱- میولر، "زبان طخاری" (روئداد پرشین اکاڈمی ۱۹۰۷ء)،
۲- سیگ وسیگلن، "زبان طخاری" (ایضاً ۱۹۰۸ء)
۳- مے یے۔ "طخاریان" (سالنامۂ انڈو جرمانی ۱۹۱۳ء ص ۱۲ ابعد)
۴- سلوین لیوی Sylvain Lévi "اجزاء کوچین" "کلمۂ کوچین" بمعنی "طخاری" ہے،
۵- سیگ وسیگلن "زبان طخاری کے آثار باقیہ" برلن ۱۹۲۱ء (جرمن)
۶- پیڈرسن Pedersen "انڈویورپین زبانوں کی جماعت بندی" ۱۹۲۵ء (فرینچ)،

[4] شیڈر Schæder، "مضامین ایرانی" (ہالہ ۱۹۳۰ء) - جرمن،
"نوشتہ ہای انجمن علمی کونگس برگ (جرمنی)" سال ششم، حصۂ پنجم،
مسینا Messina "آرامی قدیم" (روما ۱۹۳۴ء)، اطالوی،

ساسانیوں کے عہد میں سامی نسل کے عیسائیوں کی زبان جو سلطنت ایران میں رہتے تھے سریانی تھی جس کا مولد و منشا شہر اڈیسا[1] تھا،

سرزمین ایران میں سکندر اور اس کے جانشینوں نے جو یونانی بستیاں بسائیں وہ عرصہ ہائے دراز تک زبان یونانی کا ملجا و ماوی بنی رہیں، شاہان اشکانی یونانی زبان اور اس کی ادبیات کا احترام اس حد تک کرتے تھے کہ اس میں پرستش کا شائبہ پایا جاتا ہے، "مشتاق یونان"[2] کا لقب جسے شاہ متریدات (مہرداد) اوّل نے اختیار کیا تھا اس کے تمام جانشینوں نے برقرار رکھا چنانچہ وہ منجملہ اور یونانی القاب کے ان کے سکّوں پر لکھا ہوا پایا جاتا ہے، اشکانی سکّوں کے وہ نمونے جو ان کے ابتدائی دور سے تعلّق رکھتے ہیں سرتاسر یونانی ہیں، شاہ اُرُد[3] اوّل نے جب رومن سپہ سالار کراسوس پر فتح پائی تو حکم دیا کہ یوریپیڈیس[4] کا یونانی ڈراما بیکائی[5] اُس کے سامنے کرکے دکھایا جائے۔ بعض اشکانی بادشاہوں کے کتبے یونانی زبان میں لکھے ہوئے اب تک باقی ہیں، لیکن رفتہ رفتہ یونانیت فنا ہونے لگی خصوصاً پہلی صدی عیسوی سے اس کے خاتمے کے آثار زیادہ نمایاں ہونے لگے اور اسی صدی میں ایرانی تمدّن کا احیا شروع ہوا، سکّوں کا نمونہ یونانی طرز سے دُور ہوتا گیا اور اُن پر اب یونانی کے ساتھ ساتھ پہلوی بھی لکھی جانے لگی اور یونانی دن بہ دن غلط تر اور بدتر ہوتی چلی گئی، لیکن با این ہمہ یونانی زبان سلطنت کے بعض علاقوں میں بولی جاتی رہی اور ساسانی خاندان کے ابتدائی بادشاہوں نے دو مذکورہ بالا پہلوی زبانوں کے ساتھ ساتھ اپنے کتبوں میں یونانی کو بھی استعمال کیا ہے،

---

[1] Edessa جس کو عرب مصنّف رُہا لکھتے ہیں (مترجم)، [2] Phil-Hellenes

[3] Orodes I، (۵۵ ق م - ۳۷ ق م)، [4] Euripides مشہور یونانی ڈراما نویس، (مترجم)، [5] Bacchæ

فصل دوم

عہد ساسانی کی سیاسی اور تمدّنی تاریخ کے مآخذ

۱۔ معاصر ایرانی مآخذ، ادبیات پہلوی

ساسانی تاریخ کے مآخذ میں سب سے پہلے تو کچھ کتبے ہیں لیکن ان میں سے بعض ایسے ہیں جو بالتفصیل اور کامل طور سے صحت کے ساتھ پڑھے نہیں جاتے، ساسانی کتبوں میں سب سے زیادہ طویل پای کُلی کا کتبہ ہے جو قصر شیرین کے شمال میں صوبۂ کردستان میں واقع ہے، یہ کتبہ دونو سرکاری زبانوں (یعنی اشکانی پہلوی اور ساسانی پہلوی) میں ایک مربّع مینار کے پہلوؤں پر کندہ ہے، شاہ نرسی کی برجستہ تصویر مینار کے چاروں ضلعوں پر بنائی گئی ہے، مینار منہدم ہوچکا ہے صرف اس کی کُرسی باقی ہے، پتھر کی سلیں جن پر کتبہ کندہ تھا اکثر غائب ہوچکی ہیں اور جو باقی ہیں وہ زمین پر بکھری پڑی ہیں، اس کتبے کے بعض قطعات کو نہایت ناقص شکل میں مسٹر ٹامس نے ۱۸۶۸ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالے میں شائع کیا تھا بمطابق اُس نقل کے جو رالنسن نے لی تھی، آندریاس نے جب فضلاء کی توجّہ پای کُلی کے کتبے کی طرف منعطف کرائی تو موسیو ہرتسفلٹ ۱۹۱۱ء میں اس کو دیکھنے کے لیے گئے، دوبارہ ۱۹۱۳ء

ہیں انھوں نے پھر وہاں کا سفر کیا اور پتھروں کے فوٹو اور چربے اُتار کر لائے، ۱۹۱۴ء
میں اُنھوں نے برلن اکیڈمی کی روئداد میں اس کتبے کے متعلق ایک تمہیدی بیان شائع
کیا اور بالآخر ۱۹۲۴ء میں اُنھوں نے دو بڑی جلدوں میں کتبۂ پای کُلی کے جملہ اجزا مع
چند دیگر کتبوں کے انگریزی ترجمے کے ساتھ شائع کئے جس کے ساتھ مفصّل شرح اور ایک
مکمل فرہنگ بھی شامل ہے[1]، جلد دوم میں کتبوں کی تمام عبارات کے فوٹو گراف دیے
ہیں، مصنّف نے کتاب میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ کتبۂ پای کُلی کے جتنے قطعات
باقی بچے ہیں ان کو ترتیب میں رکھا جائے اور جہاں تک ممکن ہو متن کی اصلی شکل کو قائم
کیا جائے، اس کتاب میں بہت سی مفید اطلاعات موجود ہیں اور اس کتبے کی یہ اڈیشن
(خواہ اس کا متن کیسی ہی شکستہ اور پراگندہ حالت میں ہے) اُن دو پہلوی زبانوں کے
متعلّق جو اس میں پائی جاتی ہیں ہمارے علم میں اضافہ کرتی ہے،

اس کے علاوہ ساسانی کتبوں کی فہرست حسب ذیل ہے :-

۱- اردشیر اوّل کا کتبہ نقش رستم میں بہ نقوشِ برجستہ جو تین زبانوں میں لکھا ہوا ہے یعنی
ساسانی پہلوی، اشکانی پہلوی اور یونانی، کتبے کی عبارت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ دو
برجستہ تصاویر شاہ اردشیر اوّل اور خدائے بزرگ اہرامزدا کی ہیں، (دیکھو ہرتسفلٹ:
پای کُلی، ج ۱ ص ۸۴ ببعد)، کتبے کی تصویر کے لیے دیکھو اس کتاب کا باب اوّل،

۲- شاپور اوّل کا کتبہ نقش رستم میں بہ نقوشِ برجستہ جو پہلے کی طرح تین زبانوں میں لکھا
ہوا ہے، عبارت میں یہ مذکور ہے کہ برجستہ تصویر شاہ شاپور پسر اردشیر کی ہے، (دیکھو
ہرتسفلٹ: پای کُلی ج ۱ ص ۸۶) کتبے کی تصویر کے لیے دیکھو اس کتاب کا باب چہارم،

[1] "پای کُلی، سلطنت ساسانی کی ابتدائی تاریخ کے متعلق کتبہ اور یادگار" برلن ۱۹۲۴ء،

۳ - شاپور اوّل کا کتبہ حاجی آباد میں جو دو زبانوں میں لکھا ہوا ہے یعنی اَشکانی پہلوی اور ساسانی پہلوی، اس میں کسی موقع پر بادشاہ کی تیر اندازی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس کی عبارت کتاب بُندَہِشن (طبع ویسٹر گارڈ[1]) کے آخر میں (ص ۸۳ - ۸۴) دی گئی ہے، اس کے علاوہ اس کا اصلی متن مع ترجمہ (جو اس کتبے کا آخری ترجمہ ہے) ہرتسفلٹ کی کتاب پای کُلی (ج ۱ ص ۸۷ - ۸۹) میں دیا گیا ہے،

۴ - موبد کردیر ہرمزد کا کتبہ نقش رجب میں بزبان ساسانی پہلوی، کتبے میں مصنّف نے اپنی تقویٰ کی زندگی کا حال لکھا ہے اور سلطنت ایران کے لیے اپنی خدمات کا ذکر کیا ہے جو اس نے شاپور اوّل، ہرمزد اوّل، بہرام اوّل اور بہرام دوم کے عہد میں انجام دیں، (ہرتسفلٹ پای کُلی ج ۱ ص ۸۹ - ۹۲)،

۵ - موبد مذکور کا ایک اور کتبہ جو نقش رستم میں شاپور اوّل کی برجستہ تصویر کے اوپر ہے، لیکن اس کی عبارت بالکل مٹ چکی ہے، (دیکھو ہرتسفلٹ، پای کُلی ص ۹۲ - ۹۳)،

۶ - پای کُلی میں شاہ نرسی کا کتبہ جو دو زبانوں میں لکھا ہوا ہے، اس میں شاہ نرسی اور بہرام سوم کی لڑائی اور امرا کے اطاعت قبول کرنے کا بیان ہے، (ہرتسفلٹ، پای کُلی ج ۱ ص ۹۴ - ۱۱۹)،

۷ - شاپور (فارس) میں ساسانی پہلوی کتبہ جو شاہ بہرام اوّل کی برجستہ تصویر پر کندہ ہے، اس میں شاہ نرسی، اس کے باپ اور اس کے دادا کے اسماء و القاب درج ہیں، (ہرتسفلٹ، پای کُلی، ج ۱ ص ۱۲۰، نیز دیکھو ص ۱۷۳)، کتبے کی تصویر کے لیے دیکھو اس کتاب کا باب پنجم،

---

[1] Westergaard

۸- شاپور دوم کا کتبہ بزبان ساسانی پہلوی جو طاقِ بُستان میں دو شاپوروں (شاپور اوّل و شاپور دوم) کی برجستہ تصاویر کے دہنی طرف ایک چھوٹی سی محراب میں کندہ ہے، اس میں شاپور ثانی، اس کے باپ اور اس کے دادا کے اسماء و القاب درج ہیں، (ہرتسفلٹ، پای کُلی، ج ۱ ص ۱۲۳)، کتبے کی تصویر کے لیے دیکھو اس کتاب کا باب پنجم،

۹- شاپور سوم کا کتبہ بزبان ساسانی پہلوی جو ان برجستہ تصاویر کے بائیں طرف ہے، اس میں شاپور سوم، اس کے باپ اور اس کے دادا کے اسماء و القاب درج ہیں، (ہرتسفلٹ، پای کُلی، ج ۱، ص ۱۲۴)، تصویر کے لیے دیکھو اس کتاب کا باب پنجم،

۱۰- پرسی پولس (تخت جمشید) میں ایک ساسانی پہلوی کتبہ جو شاپور دوم کے جلوس کے دوسرے سال میں نصب کیا گیا، (ہرتسفلٹ، پای کُلی ج ۱ ص ۱۲۱)،

۱۱- پرسی پولس (تخت جمشید) میں ایک اور ساسانی پہلوی کتبہ جسے سلطنت کے دو معزّز امیروں نے شاپور دوم کے اعزاز میں نصب کرایا، (ہرتسفلٹ، پای کُلی، ج ۱ ص ۱۲۲)،

۱۲- دربند میں متعدد چھوٹے چھوٹے کتبے جن کو عہد ساسانی کی آخری صدیوں میں وہاں کے ذی رتبہ اشخاص نے نصب کرایا، (دیکھو نیبرگ[1]: "رسالۂ انجمن علمی درآذربیجان" - باکو ۱۹۲۹ء بزبان روسی[2])،

ساسانی زمانے کی مُہروں کے نقوش سے بھی ہمیں بہت سے اشخاص کے نام اور القاب کا پتہ چلتا ہے نیز بعض توقیعات کا جو بہ عبارات مختصر ان میں منقوش ہیں[3]،

---

[1] H. S. Nyberg [2] اس بارے میں ہرتسفلٹ نے جو نیا مواد جمع کیا ہے وہ ابھی ہم تک نہیں پہنچا، (دیکھو "رسالۂ انجمن مشرقی آلمانی Z. D. M. G. بابت ۱۹۲۶ء ص ۲۲۵ بعد)،

[3] دیکھو پال ہوزن (P. Horn) در رسالۂ انجمن مشرقی آلمانی (Z. D. M. G.) ج ۴۴ ص ۶۵۰ بعد، "ساسانی مُہروں کے پتھر" (بزبان جرمن) تالیف ہوزن و شتائن ڈورف (Steindorff)، برلن ۱۸۹۱ء، ہرتسفلٹ، پای کُلی ص ۷۴ بعد،

سکّے جن پر ساسانی پہلوی کے الفاظ منقوش ہیں تاریخ نویسی کے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں ، علاوہ اس کے شاہانِ ساسانی میں سے ہر ایک کا تاج ایک مخصوص شکل کا تھا جو دوسرے کے تاج سے مختلف ہوتا تھا لہذا سکّے پر بادشاہ کی تصویر دیکھ کر ہم اس کو پہچان سکتے ہیں اور جن سکّوں پر کسی طرح کی کوئی عبارت نہیں لکھی گئی ان کی تعیین میں ہمیں یہ بات بہت مدد دیتی ہے ،

معلوم ہوتا ہے کہ ساسانی سکّوں کا معیار دو طرح کا تھا ، طلائی اور نقرئی ، دونو کی قیمت کے درمیان کوئی مقرّرہ نسبت نہ تھی ، طلائی سکّے (دینار) دستیاب تو ہوتے ہیں لیکن بہت شاذ و نادر ، ساسانی خاندان کے ابتدائی بادشاہوں نے بعض طلائی سکّے جاری کئے تھے جو وزن میں معاصر قیاصرۂ روم کے طلائی سکّوں کے برابر تھے جن کو اورائی[1] کہا جاتا تھا ، ساسانیوں کے طلائی سکّے جو آج موجود ہیں وہ جسامت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں ، چاندی کا درہم وزن میں تقریباً ہمیشہ یکساں رہا اور یہ وزن اشکانی خاندان کے آخری بادشاہوں نے فینیقی[2] درہم سے اختیار کیا تھا ، درہموں کے وزن میں خفیف سا اختلاف ہے یعنی ۳٫۶۵ گرام سے ۳٫۹۴ گرام تک قیمت میں ساسانی درہم بالعموم ۰٫۷۵ فرانک طلائی کے برابر تھا ، اشکانی درہم کے مقابلے میں ساسانی درہم سائز میں زیادہ بڑا اور پتلا ہے ، ساسانی سکّوں میں ایک ستیر[3] تھا جو قیمت میں چار درہموں کے برابر تھا ، چاندی کے چھوٹے سکّوں میں ایک نیم درہم تھا ایک دانگ تھا (= $\frac{1}{6}$ درہم) اور ایک نیم دانگ (= $\frac{1}{12}$ درہم) ، ان کے علاوہ اردشیر اوّل ، شاپور اوّل اور شاپور دوم کے چند سکّے محفوظ رہ گئے ہیں جو تانبے

---

[1] aurei [2] Phoenician [3] Ster

اور جست کی ملاوٹ سے بنائے گئے ہیں، تانبے کے بھی چند سکے تھے جن کی قیمت چاندی کے سکوں کے ساتھ مربوط تھی اور وہ مختلف قیمتوں کے تھے، اُن کے بھی چند نمونے آج باقی ہیں، سب سے کم قیمت سکہ جس کا نام ہم تک پہنچا ہے پشیز تھا، مشرقی صوبوں کے گورنروں نے جو شاہی خاندان کے شاہزادے تھے اور کوشان شاہ کہلاتے تھے بعض سکے شہنشاہی سکوں کے نمونوں پر بنوائے جن پر اُن کی تصویر اور القاب درج ہوتے تھے[1]،

ساسانی درہموں میں سامنے کی جانب بادشاہ کے جسم کے بالائی حصے کی تصویر ہوتی ہے اور پشت کی جانب آتش گاہ کی تصویر، سامنے کی جانب پہلوی حروف میں بادشاہ کا نام اور القاب درج ہوتے ہیں اور عام طور سے پشت کی جانب دوبارہ بادشاہ کا نام لکھا ہوتا ہے، ان کے علاوہ ان سکوں پر کوئی نہ کوئی طغرا یا علامت بھی ہوتی ہے اور کبھی کبھی سال جلوس بھی مذکور ہوتا ہے،

سلطنت ساسانی میں مذہبِ مروّج یعنی دینِ زرتشتی کا مأخذ ایک تو وہ مقدس

---

[1] ساسانی سکوں پر تازہ ترین تالیفات حسب ذیل ہیں:-

۱- فردون جی پارک - "مسکوکات ساسانی" بمبئی ۱۹۲۴ء - (انگریزی)

۲- وَیسمر (Vasmer) - "مسکوکات ساسانی در موزۂ ارمیتاژ" (Numismatic Chronicle)، ۱۹۲۸ء ص ۲۴۹ بعد، (انگریزی)

۳- وُنڈ سیٹل (Wundzettel) "روئداد اورینٹل فیکلٹی در جامعۂ وسطِ ایشیا" تاشقند، ۱۹۲۷ء)

۴- ہرتسفلٹ - "مسکوکات کوشانی ساسانی" (آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا، ۳۸، ۱۹۳۰ء)، نیز پائی گلی ص ۳۵ بعد،

پہلوی اصطلاحات کے لئے دیکھو "فرہنگ پہلویک" طبع یُنکر (Junker) ہائیڈل برگ ۱۹۱۲ء، باب ۳۰، نیز کتاب "شایست نہ شایست" طبع مسٹر تواڈیا ہامبرگ، ۱۹۳۰ء، مقدمہ ص ۱۴-۱۶،

کتابیں تھیں جو زبانِ اوستا میں لکھی گئی تھیں اور مجموعی طور سے ساسانی اوستا کہلاتی ہیں، وہ اکیس حصوں میں منقسم تھیں جن کو نسک کہتے تھے، دوسرے زند یعنی کتابِ اوستا کا ترجمہ پہلوی زبان میں مع شرح بزبانِ پہلویِ ساسانی[1]، موجودہ کتابِ اوستا ساسانی اوستا کا محض ایک چھوٹا سا حصہ ہے[2] لیکن اکیس نسکوں کا وہ خلاصہ جو پہلوی کتاب دین کرد کی آٹھویں اور نویں جلد میں دیا گیا ہے ساسانیوں کی تمدنی تاریخ کے بارے میں نہایت دلچسپ مطالب پر مشتمل ہے، ہم کو اپنی اس کتاب میں آیندہ اکثر مقامات پر اس مأخذ کا حوالہ دینے کا موقع پیش آئیگا[3]، زند کے جو حصے آج باقی ہیں اُن میں اور پہلوی کی کتب دینیات میں جو شارحین جابجا مذکور ہیں ان کے نام یہ ہیں: ابھرگ، ماہ گشنسپ، گوگشناسپ، کے آذر بوزید، سوشیَنس، روشن، آذرہرمزد، آذر فرنبگ نرسی، میدوگ ماہ، فرخ، افروغ، آزاد مرد، — ان میں سے اکثر غالباً عہد ساسانی کے آخری زمانے میں گزرے ہیں،

پہلوی زبان کی تقریباً تمام زرتشتی کتابیں جو خالص طور پر مذہبی ہیں اور آج موجود ہیں ساسانیوں کے زمانے کے بعد تصنیف ہوئی ہیں، بالخصوص نویں صدی عیسوی میں علماء دین زرتشتی نے تصنیفِ کتب میں بے حد مستعدی اور سرگرمی دکھلائی،

---

[1] زند کے متعلق دیکھو شیڈر Schæder کا مضمون کتاب "مضامین ایرانی" میں، ج ۱ ص ۷۶ بعد (بزبان جرمن)، اور کرسٹن سین کی کتاب "کیانیان" ص ۴۷ بعد،

[2] دیکھو آگے باب سوم، [3] کتاب دین کرد کی آٹھویں اور نویں جلد کا حوالہ ہم نے اکثر پروفیسر ویسٹ (West) کے انگریزی ترجمے کے مطابق دیا ہے، صرف ان مقامات میں جہاں ہمیں یہ ترجمہ تسلی بخش معلوم نہیں ہوا ہم نے اصل پہلوی متن کی طرف رجوع کیا ہے جس کو دستور پشوتن سنجانا نے شائع کیا ہے، طبع شدہ متن میں وہ دونو جلدیں جلد ۱۵ — ۱۹ پر مشتمل ہیں،

کتاب دادستانِ مینوگِ خرد ("تعلیمِ عقلِ آسمانی" یا "روحِ عقل") اگرچہ غالباً عہد
ساسانی کی آخری صدی میں لکھی گئی لیکن اس کی موجودہ شکل ساسانی زمانے کے بعد وجود
میں آئی[1]، رؤیای اَرْداگ وِراز کا مضمون و مطلب (جو کتاب ارداگ وِراز نامگ[2] میں
میں بیان ہوا ہے) بیشک دورِ ساسانی کی ایجاد ہے، ان تصنیفات میں سے بعض جن کا اہم
اور مشترک مآخذ ساسانی اوستا اور زند ہے ساسانی زمانے کی تمدنی تاریخ کے متعلق مفید
مطالب پر مشتمل ہیں، ان میں سب سے مقدم کتاب دین کرد[3] ہے جس کا اوپر ذکر ہوا نیز

---

[1] اس کے پہلوی متن کو آنڈریاس نے چاپِ عکسی میں شائع کیا ہے بہ عنوان "کتاب مینیوی خرد" کیل (جرمنی) ۱۸۸۲ء، دوبارہ وہ کوپن ہاگن (ڈنمارک) میں ۱۹۳۵ء میں طبع ہوئی، بمبئی میں دو بدفعات چھاپی گئی ہے، اس کا انگریزی ترجمہ پروفیسر ویسٹ (West) نے کیا ہے، (Pahlavi Texts)، ج ۳،

[2] لفظ وِراز کو وِیراف بھی پڑھا جاتا ہے، اس کتاب کا متن مع انگریزی ترجمہ بہ عنوان "کتاب اردا ویراف" ہوشنگ اور ہاؤگ (Haug) نے بمبئی سے شائع کیا تھا (۱۸۷۲ء)، اس کا فرانسیسی ترجمہ بارتھیلمی (Barthelemy) نے ۱۸۸۷ء میں پیرس سے شائع کیا، اس کے متن کے دو نہایت قدیم قلمی نسخے کوپن ہاگن (ڈنمارک) کی یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہیں، ۱۹۳۱-۳۲ء میں ان کو چاپ عکسی میں طبع کیا گیا تھا، (مصنف)، اس کتاب کا فارسی ترجمہ آقای رشید یاسمی نے حال ہی میں طہران سے شائع کیا ہے، (مترجم)، پارسی روایت یہ ہے کہ زرتشت کی تعلیمات کو جو لکھی ہوئی شکل میں محفوظ تھیں سکندر نے جلاکر تباہ کر دیا تھا، جب اردشیر اوّل کو دوبارہ ان کے لکھوانے کا خیال آیا تو اس زمانے میں ارداویراف ایک نہایت باخدا اور متقی شخص تھا اور صاحب کشف و کرامات تھا اس کو اس کام کے لیے منتخب کیا گیا۔ اس نے مناسب غسل و طہارت کے بعد ایک نہایت قوی نیند آور دوائی پی اور سات دن تک سوتا رہا اس عرصے میں اس کو عالم رؤیا میں زرتشت کے تمام مواعظ حفظ کرا دئے گئے جو اس نے بیدار ہو کر لفظ بہ لفظ لکھوا دئے اور وہی اب کتابِ مقدس اوستا ہے، (مترجم)،

[3] اس کا متن مع انگریزی ترجمہ دستور پشوتن سنجانا نے انیس جلدوں میں طبع کرایا ہے، (بمبئی ۱۸۷۴ء - ۱۹۲۸ء)، اس کے علاوہ صرف متن کی اڈیشن دو جلدوں میں مسٹر مدن نے چھپوائی ہے (بمبئی ۱۹۱۱ء)، ان کے علاوہ کوپن ہاگن یونیورسٹی لائبریری کے مخطوطہ نمبر K 43 میں اس کے بعض اقتباسات ہیں جن کو چاپِ عکسی میں شائع کیا گیا ہے،

کتاب بُندہشن جس میں ساسانی اوستا اور زند کے اُن حصّوں کا خلاصہ ہے جن میں مسئلۂ آفرینش، اساطیر، علم کائنات اور تاریخ طبیعی کے متعلق بحث ہے[1]،

اوستا اور زند عہد ساسانی میں قانون کا بھی ماخذ تھے، پہلوی زبان میں قانون کی ایک کتاب موسوم بہ "مادیگانِ ہزار دادستان" (ہزار فیصلوں کی روئداد) ہے جس کا مؤلف ایک شخص مسمّی فرّخ مرد ہے، اس کے چند اجزا کا واحد قلمی نسخہ جس میں پچپن ورق ہیں کتب خانہ مانک جی لِم جی ہوشنگ ہاتریا میں محفوظ ہے، اس کے متن کو جیون جی جمشید جی مودی نے مع مقدمہ شائع کیا ہے[2] اور ابھی انیس ورق اور ہیں جو طبع نہیں ہوئے، متن کے بعض اقتباسات کو جرمن ترجمہ اور لغوی اور فقہی تشریحات کے ساتھ بارتھولومی[3] نے شائع کیا ہے[4] لیکن چونکہ مقابلے کے لیے اور مواد موجود نہ تھا اور مضمون کی

---

[1] اس کتاب کے دو متن ہیں ایک بہ روایت ایرانی جو ایرانی بُندہشن کہلاتی ہے اور دوسری ہندوستانی بندہشن کے نام سے موسوم ہے، ہندوستانی بُندہشن کو جو کہ ملخّص ہے ویسٹر گارڈ (Westergaard) نے ۱۸۵۱ء میں شائع کیا تھا اور اب دوبارہ "سلسلہ مطبوعات پہلوی و اوستا در جامعۂ کوپن ہاگن" میں چھپی ہے، ایک اور اڈیشن یُوسٹی (Justi) نے مع جرمن ترجمہ شائع کی تھی (لیپزگ ۱۸۶۸ء)، پروفیسر ویسٹ کا انگریزی ترجمہ "سلسلہ کتب مقدسۂ مشرقی" (اکسفورڈ) میں طبع ہُوا تھا، ایرانی بُندہشن کا چاپ عکسی انکلساریا نے ۱۹۰۸ء میں بمبئی سے شائع کیا، بندہشن کے اصلی مصنّف نے کہیں کہیں عربی کتابوں سے استفادہ کیا ہے، دیکھو کرسٹن سین کی کتاب "کیانیان" ص ۴۴ بعد،

[2] "مادِگان ہزار دادِستان" (چاپ عکسی فوٹو زِنکو گراف، بمبئی ۱۹۰۱ء)،

[3] (Bartholomæ)،

[4] روئداد ہائیڈل برگ اکیڈمی ۱۹۱۰ء، مصنّف مذکور۔ "قانون ساسانی" (روئداد مذکور بابت سال ۱۹۱۸ء، ۱۹۲۰ء، ۱۹۲۲ء، ۱۹۲۳ء، ایضاً۔ "زن در قانون ساسانی"۔ ("تہذیب و زبان" حصّۂ پنجم۔ ہائیڈل برگ ۱۹۲۴ء)۔ بزبان جرمن، نیز دیکھو آگے باب ۶ و ۷،

نوعیّت بھی خاص ہے لہٰذا ان اقتباسات کو کما حقّہ سمجھنے میں بہت سی مشکلات کا سامنا ہے ، "مادیگان" میں عہد ساسانی کے چند ایسے قانون دانوں کے نام محفوظ رہ گئے ہیں جن کے فتوے اس میں درج کیے گئے ہیں ، وہ یہ ہیں :- وہرام ، داد فرّخ ، سیاوُش ، پُسان وِہ آزاد مردان ، پُسان وِہ برزآذر فرّبگان ، وِہ پناہ (جو "مگوگان اندرزبد"[1] کے اعلےٰ عہدے پر سرفراز تھا) ، خُوَذای بوذ دبیر ، واہبیادار ، راذ ہرمزد ، وہرام شاذ ، یُوان یِم ، زُروان داذ پسر یُوان یِم ، فرّخ زُروان ، وِہ ہرمزد ، زاماسپ ، ماہان داذ وغیرہم ، اس کتاب میں مصنّف نے ایک موقع پر ایک کتاب دشت وَرّان کا نام لیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی قانون کی کوئی کتاب تھی ، عہد ساسانی کا ایک "مجموعۂ قوانین" تھا جو اصل میں پہلوی زبان میں لکھا گیا تھا اور اس کے بعض مآخذ وہی تھے جو "مادیگان" کے تھے ، اس کا سریانی ترجمہ ہمارے زمانے تک پہنچا ہے جو آٹھویں صدی میں فارس کے اُسقفِ اعظم اِیشوع بُخت نے کیا تھا لیکن اس عیسائی مترجم نے ایرانی قوانین میں تغیّر و تبدّل کر دیا ہے تاکہ وہ اس کے ہم مذہبوں کے مذاق کے مطابق ہو جائیں[2] ،

عہد ساسانی کی آخری صدی میں نظری اور عملی اخلاق کے موضوع پر مقبولِ عام کتابیں کثرت سے لکھی گئیں جن کو "اندرز" یا "پند نامک" کہا جاتا تھا اور جن میں تاریخی یا افسانوی اشخاص کے طریقِ عمل اور حکیمانہ اقوال قلمبند کیے جاتے تھے ، ساسانی زمانے کے بعد کی لکھی ہوئی اس قسم کی چند پہلوی کتابیں آج موجود ہیں ، منجملہ

---

[1] "مُغان اندرزبد"- دیکھو باب دوم ، [2] متن مع جرمن ترجمہ از سخاؤ ، برلن ۱۹۱۴ء ، (سلسلۂ کتب قانون سریانی) ، نیز دیکھو بارتھولمی کا مضمون بہ عنوان "زن در قانون ساسانی" ص ۵ ،

ان کے ایک اندرزِ حکیم اوشنر ہے[1] جو قدیم افسانوی اشخاص میں سے ہے، ایک اندرزِ خسروِ اوّل پسرِ کواذ ہے جس کا نام "اندرزِ خسروِ کواذان" ہے، اسی طرح ایک اور کتاب "اندرزِ آذربدِ مہرسپندان" ہے[2] جو شاپور دوم کے عہد کا مشہور موبدِ موبدان تھا، ایک اور کتاب زردشت پسر آذربد کا پند نامہ ہے جس کا نام "پند نامگِ زردشت" ہے، اندرز کی ایک اور کتاب ہے جس میں وُزُرگ مہر کے مواعظ درج ہیں جس کو عربی اور ایرانی مصنّف بزرجمہر لکھتے ہیں اور جو بقول ان کے خسروِ اوّل (انوشیروان) کا وزیرِ دانا تھا، اس افسانوی شخص کی خیالی تاریخ جس میں اَحیقر[3] کے قدیم افسانے کی نشانیاں پائی جاتی ہیں عہد اسلامی کے قرونِ وسطیٰ میں بہت مقبول تھی، گمان غالب یہ ہے کہ یہ مشہور اور پُراسرار شخص جس کا نام ایران میں وردِ شطرنج کے قصّے کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے[4] وہی برزویہ طبیب[5] ہے جس کا ذکر ہم آگے چل کر باب ہشتم میں کرینگے، "اندرزِ وُزُرگ مہر" غالباً نویں صدی میں لکھی گئی لیکن نصیحتیں جو اس میں وُزُرگ مہر کی زبان سے ادا کی گئی ہیں ان میں سے بعض کے اندر تو کتاب "کلیلگ و دمنگ" (کلیلہ و دمنہ) کے دیباچے کا پرتو موجود ہے جس کو برزویہ نے سنسکرت کی کتاب پنچ تنترا سے ترجمہ کیا تھا اور بعض یقیناً اندرز کی قدیم تر کتابوں سے لی

---

[1] اس کا فارسی ترجمہ آقای رشید یاسمی نے شائع کیا ہے (مترجم)،

[2] فارسی ترجمہ از رشید یاسمی شائع ہو چکا ہے (مترجم)،

[3] احیقر یا اخیقر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سناچرب (Sennacherib) شاہِ آسور (Assyria) کا وزیر تھا جس کا زمانہ ۷۰۵ تا ۶۸۱ ق.م ہے، اس کا نام حکمت آموز کہاوتوں اور کہانیوں کے ساتھ اسی طرح وابستہ کیا جاتا ہے جس طرح کہ عربی میں لقمان کا اور یونانی میں ایسپ کا، اس کے حکیمانہ اقوال قدیم آرامی زبان میں جمع کئے گئے تھے جن کا ترجمہ بعد میں بہت سی زبانوں میں ہوا، کہا جاتا ہے کہ یونانی زبان میں ایسپ کی بہت سی کہانیاں احیقر کی حکایتوں سے ماخوذ ہیں، لیکن یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ تاریخ میں واقعی کوئی شخص احیقر گزرا ہے (مترجم)،

[4] "مادیگان چترنگ" دیکھو آگے، وردِ شطرنج کا قصّہ فردوسی، ثعالبی اور دوسرے مصنّفین نے بھی بیان کیا ہے،

[5] دیکھو کرسٹن سین کا مضمون "حکیم بزرجمہر" (Acta Orientalia)، ج ۸ ص ۸۱ بعبد،

گئی ہیں[1]،

ساسانی سوسائٹی کے اونچے طبقے کے لوگوں میں جو کھیلیں اور دل بہلاوے مروّج تھے ان کے متعلق بعض دلچسپ اطلاعات ایک پہلوی کتاب میں ملتی ہیں جس کا نام "خسروِ کواذان و ریدگی" (یعنی خسرو پسرِ قباد اور اُس کا غلام)[2] ہے، دیکھو آگے باب نہم،

مختصر تاریخی افسانے ساسانیوں کے زمانے میں بہت مقبول تھے، ان میں سے بعض جن میں ساسانی تاریخ کی کہانیاں بیان ہوئی ہیں اور جو عہد ساسانی کی آخری صدی میں تصنیف ہوئے وہ اصل پہلوی میں آج موجود ہیں لیکن ان کے قلمی نسخے ساسانی زمانے کے بعد کے لکھے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک "کارنامگِ اردشیرِ پابگان" ہے اور ایک "مادیگانِ چترنگ" (قصۂ بازیِ شطرنج)[3] ہے،

ایران میں شہروں کے آباد کیے جانے کے مختصر حالات ایک کتاب موسوم بہ "شہرستانہائے ایرانشہر"[4] میں لکھے گئے ہیں،

مانوی کتابوں کے اجزار کے متعلق دیکھو باب چہارم،

---

[1] کتب اندرز کے پہلوی متن جاماسپ اسانا نے شائع کئے ہیں (سلسلۂ متون پہلوی، بمبئی ۱۹۱۳ء) "پندنامگِ وزرگ مہر"، "اندرزِ آذر بدمہرسپندان" اور "اندرزِ خسروِ کواذان" کو پشوتن سنجانا نے "گنج شائگان" میں طبع کیا ہے (بمبئی ۱۸۸۵ء)، "پندنامگِ زردشت" کو فرائمن (Freiman) نے ویانہ سے ۱۹۰۶ء میں شائع کیا تھا، "اندرز حکیم اوشنر" بمبئی میں طبع کی گئی ہے (۱۹۳۰ء)، [2] پہلوی متن کو جے۔ ایم اون والا نے مع انگریزی ترجمہ بمقام پیرس شائع کیا تھا، (۱۹۲۱ء) [3] کارنامگ کی متعدد اڈیشنیں بمبئی سے شائع ہوئی ہیں، نولڈکہ نے اس کا جرمن میں ترجمہ کیا ہے، "مادیگان چترنگ" جاماسپ اسانا کے "سلسلۂ متون پہلوی" میں چھپ چکی ہے اور پشوتن سنجانا کے "گنج شائگان" میں وہ انگریزی ترجمے سمیت طبع ہوئی ہے،

[4] مارکوارٹ (Markwart) - "صوبجات ایرانشہر کے پایہ تختوں کی فہرست" (طبع مسینا، روما ۱۹۳۱ء)، ڈواڈیا - (Orientalistische Literaturzeitung)، ۱۹۲۶ء ص ۸۸۳ بعد

۲۔ ساسانی روایات جو عربی اور فارسی ادبیات میں محفوظ ہیں

جس طرح کہ ہخامنشیوں کے زمانے میں دستور تھا اسی طرح ساسانیوں کے عہد میں بھی دربارِ شاہی میں تاریخی واقعات کو محفوظ رکھا جاتا تھا[۱]، قیاس یہ ہے کہ اس سرکاری تواریخ سے "خُوَذای نامگ" (خدای نامک یعنی شاہنامہ) کے مصنّف یا مصنّفوں نے ضرور استفادہ کیا ہوگا، خُوَذای نامگ عہد ساسانی کے آخری زمانے کی اور غالباً یزدگرد سوم کے عہد کی تصنیف ہے[۲]، نولڈکہ نے ثابت کیا ہے[۳] کہ یہ پہلوی تاریخ اُن قدیم عربی اور فارسی کتابوں کا اہم ترین مأخذ تھی جن میں تاریخِ ایران قبل از زمانۂ اسلام لکھی گئی ہے اور جو آج ہمارے سامنے موجود ہیں، اس کتاب کے پہلوی نام کو عربی میں "کتاب سِیَرملوک العجم" یا "سِیَرالملوك" کے الفاظ کے ساتھ ترجمہ کیا گیا ہے اور فارسی میں اس کو "شاہنامہ" کہا گیا ہے، "خوَذای نامگ" کے عربی ترجموں میں سب سے مشہور وہ تھا جو ابن المقفّع نے کیا تھا، یہ شخص جس کی وفات ۷۶۰ء کے قریب ہوئی اصل میں زرتشتی تھا لیکن مشرّف بہ اسلام ہوا، وہ ایک فاضل متبحّر اور صاحب تصانیف

---

[۱] اگاتھیاس Agathias، ج ۲ ص ۲۷، ج ۴ ص ۲۷-۳۰، تھیوفی لکٹوس Theophylactus ج ۳ ص ۱۸، [۲] یہاں سے آگے جو مطالب ہم نے حوالۂ قلم کئے ہیں وہ بعض اضافوں کے ساتھ ہم نے اپنی سابقہ کتاب "عہد شاہ قباد" سے اخذ کئے ہیں، دیکھو کتاب مذکور، ص ۲۲ ببعد)،

[۳] ترجمۂ تاریخ طبری (عہد ساسانیان)، مقدمہ ص ۱۴ ببعد، نیز "رزمیاتِ ایران" در (Grundriss) ج ۲ ص ۱۴۱ ببعد،

تھا، پہلوی زبان کی متعدد کتابیں اُس نے عربی میں ترجمہ کیں، بدقسمتی سے نہ صرف اصل پہلوی "خوَذای نامگ" بلکہ ابن المقفع کا عربی ترجمہ بھی تلف ہو چکا ہے اور یہی حال اُن تمام عربی ترجموں اور تالیفوں کا ہوا جن میں ساسانی عہد کی تاریخ تھی اور جن کے وجود سے ہم کو اُن عربی مصنّفوں نے آگاہ کیا ہے جو بعد کے زمانے میں گزرے ہیں بالخصوص حمزہ اصفہانی جس نے اپنی تاریخ ۹۶۱ء میں لکھی، نولڈکہ کے نظریہ کے مطابق ابن المقفع کی سِیَر الملوك سب سے پہلا ترجمہ تھا جو براہ راست پہلوی سے عربی میں ہوا، باقی تمام سیر الملوك کی کتابیں جن کے مصنّفوں کے نام حمزہ نے بتلائے ہیں اسی ترجمے پر مبنی تھیں، برعکس اس کے ایران کے قدیم بادشاہوں کے واقعات جو فردوسی نے شاہنامے میں بیان کیے ہیں وہ بیشتر "خوَذای نامگ" کے ایک فارسی ترجمے سے مأخوذ ہیں جو ابن المقفع کے عربی ترجمے سے بالکل بے تعلّق تھا، لیکن جب سے کہ دانشمند فاضلِ رُوسی بیرن وکٹر روزن[۱] نے از سرِ نو اس مسئلہ کے متعلق تحقیقات کی ہے اور روسی زبان میں ایک رسالہ بہ عنوان "ترجمہ ہای عربی خوَذای نامگ" لکھا ہے[۲] تب سے نولڈکہ کے اس نظریہ میں ترمیم کی ضرورت پیش آئی ہے، روزن کی دانشمندانہ تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ حمزہ اصفہانی اور دوسرے عربی مؤرّخوں نے ابن المقفع کی کتاب کے ساتھ جن مأخذوں کا ذکر کیا ہے وہ اس میں شک نہیں کہ اُس سے زیادہ متأخر ہیں لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ قطعاً یا مخصوصاً ابن المقفع پر مبنی ہیں گو یہ ممکن ہے کہ اُن میں سے بعض نے علاوہ اور مأخذوں کے اس سے بھی استفادہ کیا ہو، ان مأخذوں میں بعض اور ترجمے بھی تھے جو براہ راست اصل پہلوی سے (عربی میں) کیے گئے تھے اور اگرچہ رفتہ رفتہ ابن المقفع کی شہرت سے دوسرے مترجم ماند پڑ گئے تاہم کوئی دلیل اس بات

[۱] Baron Victor Rosen. [۲] طبع ۱۸۹۵ء،

کی موجود نہیں ہے کہ مثلاً حمزہ اصفہانی کے زمانے میں ابن المقفع کو دوسروں پر ترجیح دی جاتی تھی، حمزہ کے پیش نظر جو مآخذ تھے ان کو اس کی اپنی تعیین کے مطابق تین قسموں میں منقسم کیا جا سکتا ہے: (۱) مترجمین مثل ابن المقفع و محمّد بن الجہم البرمکی وزادویہ بن شاہویہ الاصفہانی جنھوں نے خُوذای نامگ کے اصل پہلوی متن کو خاصی صحت کے ساتھ پیش کیا ہے اگرچہ اس میں حذف و اختصار بھی کیا ہے اور بعض موقعوں پر اس کی ترتیب میں بے اُصولی سے بھی کام لیا ہے، (۲) مؤلفین جنھوں نے تالیف کی بنا ترجمے پر رکھی ہے مثل محمد بن مطیار الاصفہانی اور ہشام بن قاسم الاصفہانی، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے ترجموں میں تاریخی قصّے اور افسانے دوسری پہلوی کتابوں سے اخذ کرکے لکھ دئے ہیں (۳) مصنّفین مثل موسیٰ بن عیسیٰ الکسروی اور موبد بہرام بن مردانشاہ، ان لوگوں نے "خُوذای نامگ" کے مختلف ترجموں کا مقابلہ کیا ہے اور نہایت دلیری کے ساتھ جعلسازیاں کی ہیں بعض بیانات کو دوسری ادبی تصانیف سے لے کر لکھ دیا ہے اور مختلف مآخذ میں جو ناموافقت پائی جاتی ہے اس کی توجیہہ کے لیے بہت سے نکتے خود ایجاد کئے ہیں، یہ سب کوششیں انھوں نے اس غرض سے کی ہیں کہ اصل متن کو دوبارہ منظّم صورت میں لائیں لیکن ایسی کوششوں کا نتیجہ ظاہر ہے کہ کیا ہونا چاہئے، ان میں سے ایک مصنّف (موبد بہرام) نے بقول حمزہ اصفہانی "خُوذای نامگ" کے عربی ترجموں کے بیس سے زیادہ نسخوں کو دیکھا بھالا اور دوسرے یعنی الکسروی نے (جس کے طریقۂ تنقید کی چند عجیب و غریب مثالیں روزن نے پیش کی ہیں) باوجود تحقیق و تفحّص کے کوئی دو نسخے ایسے نہ پائے جو آپس میں مطابقت رکھتے ہوں[1]، البیرونی، بلعمی اور دوسرے مصنّفوں کے ہاں ہم کو بعض اور

[1] "تاریخ حمزہ اصفہانی" کے ایک مقام سے ایسا مستنبط ہوتا ہے کہ الکسروی کے پاس سیر الملوک کے دو نسخے تھے، ایک بڑا اور ایک چھوٹا اور دونو کے تاریخی مواد میں بہت فرق تھا، دیکھو تاریخ حمزہ طبع گوٹ والٹ (Gottwald) ص ۲۱،

لوگوں کے نام بھی ملتے ہیں جنھوں نے اس قدیم تاریخ (خُوَذای نامگ) کے ترجمے یا تالیف کے کام میں محنت اُٹھائی ہے ، آخر میں روزن نے شاہنامۂ فردوسی کے دیباچۂ جدید کی تنقید کی ہے جس کے مصنّف کا نام معلوم نہیں اور جس پر اس نظریہ کی بنیاد ہے کہ فردوسی کا اہم ترین مأخذ پہلوی "خُوَذای نامگ" کا ایک ترجمہ تھا جو نثر میں تھا اور عربی ترجموں سے بالکل بے تعلّق تھا ، تنقید کے بعد روزن نے کسی قدر احتیاط کے ساتھ یہ رائے ظاہر کی ہے کہ فردوسی کا اہم ترین فارسی مأخذ اُنھی عربی کتابوں سے مأخوذ تھا جو اُن عربی مؤرّخوں کے پیش نظر تھیں جن کی تصانیف آج ہمارے سامنے موجود ہیں[1] ،

ترجمۂ تاریخ طبری (عہد ساسانیان) کے حواشی میں نولڈکہ نے بار بار اس بات کو ثابت کیا ہے کہ خُوَذای نامگ میں شاہانِ ساسانی کے اعمال و خصال کو طبقۂ نجبا اور علماء دین زرتشتی کے نقطۂ نظر سے جانچنے کا زبردست میلان نظر آتا ہے ،

افسوس ہے کہ عربی اور فارسی مؤرّخین جن کی تصانیف آج ہمارے سامنے ہیں بجز شاذ و نادر اپنے مآخذ کا ذکر نہیں کرتے جن سے مستفیداً انھوں نے اپنا مواد لیا ہے ، بدیں سبب ہم اتنا بھی نہیں بتلا سکتے کہ کس مؤرّخ نے کس تلف شدہ ترجمے یا تالیف سے اپنی اطلاعات حاصل کی ہیں ،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یزدگرد سوم کی وفات کے بعد علماء زرتشتی نے پہلوی تواریخ (خُوَذای نامگ) کے ساتھ بعض ملحقات اضافہ کئے جن میں اُنھوں نے خاندان ساسانی کے آخری ایّام کے واقعات لکھے تھے ، اصل خُوَذای نامگ تو خسرو دوم

[1] خُوَذای نامگ کے متعلق منجملہ اور کتابوں کے دیکھو "مقدّمۂ جوامع الحکایات" للعوفی (بزبان انگریزی) از محمد نظام الدین (سلسلۂ مطبوعات گِبْ ، لنڈن ۱۹۲۹ء) ، ص ۵۸ ، نیز گبریلی (F. Gabrieli) "تصانیف ابن المقفع" (بزبان اطالوی ، ۱۹۳۲ء) ،

(پرویز) کی وفات پر ختم کر دیا گیا تھا لیکن عربی اور فارسی مصنفین کی تمام کتابوں میں اُس زمانے کے متعلّق ایرانی روایات لکھی گئی ہیں جو خسرو کی وفات سے لے کر یزدگرد سوم کی وفات تک ہے، لیکن ان کتابوں کے بیانات میں جو شدید اختلافات دیکھنے میں آتے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ ان روایات کے لیے ان کا کوئی مشترک مأخذ نہ تھا،

اب ہم ایک اور پہلوی کتاب کا ذکر کرتے ہیں جس میں ساسانیوں کی تاریخ کے متعلّق بعض مطالب قلمبند کیے گئے تھے اور جس کا ترجمہ ابن المقفّع نے عربی میں کیا تھا، اس سے ہماری مراد کتاب "آئین نامگ"[۱] ہے، مسعودی لکھتا ہے[۲] کہ اس کتاب کے کئی ہزار اوراق ہیں اور اس کے کامل نسخے سوائے موبدوں کے یا بعض مقتدر اشخاص کے اور کسی کے پاس نہیں ملتے۔" آئین نامگ میں نظام سلطنت کی تفاصیل پر بحث تھی نیز عہد ساسانی اور اس سے پہلے کی ایرانی معاشرت اور اس کی تشکیلات کا بیان تھا اور فنّ حکومت کے قواعد بتلائے گئے تھے، ثعالبی کی تاریخ میں اس کتاب کا ذکر ملتا ہے[۳] اور ابن قتیبہ کی عیون الاخبار میں کئی مقامات پر اس کا حوالہ دیا گیا ہے[۴] اس کے مطالب کے بعض آثار نامۂ تنسر[۵]، تاریخ حمزہ اصفہانی[۶] اور جوامع الحکایات عونی[۷]

---

[۱] دیکھو پہلوی لفظ "آئینگ" (جس کا قدیم تلفظ "اَذْوینگ" ہے) در کتاب "پہلوی آموز" از نیبرگ (Nyberg) در زبان جرمن ج ۲ ص ۳، نیز کتاب موسوم بہ "مزامیر کے ایک پہلوی ترجمے کے چند قطعات" (بزبان جرمن) از انڈریاس بار (Andreas Barr)- "روئداد پرشین اکیڈمی" سنہ ۱۹۳۳ء ص ۱۱۷،

[۲] "کتاب التنبیہ والاشراف" طبع یورپ ص ۱۰۴، [۳] کتاب مذکور طبع پیرس ص ۱۴،

[۴] نریمان - "مسلم ادبیات پر ایرانی اثرات" (بزبان انگریزی) طبع بمبئی سنہ ۱۹۱۸ء، ص ۱۶۴، ۱۶۷، نیز Inostrantzev "مطالعات ساسانی" (بزبان روسی)، ص ۱۱، [۵] دیکھو آگے،

[۶] مارکوارٹ (Marquart) - "ایرانشہر" (بزبان جرمن) ص ۴۸ ح ۱، ہرتسفلٹ، پای کلی ص ۴۶،

[۷] مقدّمۂ جوامع الحکایات (بزبان انگریزی) از محمد نظام الدین ص ۵۵ ببعد،

میں پائے جاتے ہیں، آیئن نامگ یا کُتبِ آیئن نامگ (اگر وہ تعداد میں کئی ایک تھیں) مختلف قسم کی کھیلوں اور ورزشوں کے متعلق بھی اطلاعات بہم پہنچاتی تھیں مثلاً تیر اندازی، گوی و چوگان اور پرندوں کی اُڑان سے فال لینے کے متعلق مختلف عقیدوں کی تشریح وغیرہ وغیرہ[1] "آیئن نامگ" کا ایک حصّہ "گاہ نامگ" تھا "جس میں سلطنت ایران کے تمام بڑے بڑے عہدہ داروں کی فہرست تھی جو تعداد میں چھ سو تھے، اس میں اُن کے نام ان کے رتبے کی ترتیب کے لحاظ سے لکھے گئے تھے[2]"۔ یعقوبی[3]، مسعودی[4] اور جاحظ[5] نے جو ساسانی زمانے کے عہدوں کے مدارج کا ذکر کیا ہے تو غالباً اُن کی اطلاعات "گاہ نامگ" (یا کتب "گاہ نامگ") ہی سے مأخوذ ہیں،

ان کے علاوہ ایک کتاب "تاج نامگ" (کتاب التاج) تھی جس میں غالباً شاہان ایران کے خطبات، احکام اور فرامین جمع کیے گئے تھے، یہ بتلانا مشکل ہے کہ اس مجموعے میں تاریخی شہادتیں کہاں تک کام میں لائی گئی تھیں، "تاج نامگ" کا ذکر فہرست ابن الندیم میں ملتا ہے[6] اور اسی کے حوالے سے ابن قتیبہ کی عیون الاخبار میں اس کے بعض اقوال نقل کیے گئے ہیں، بعض تقریریں یا مقولے جو اس میں درج کیے گئے ہیں وہ

---

[1] رجوع بہ مآخذ ذیل :-
۱- روزن (Rosen) - "مجموعۂ مضامین آسیائی" ماخوذ از جریدۂ علمی اکاڈمی ہمایونی پطرزبورغ" ج ۱۳ ص ۵۵ ۷ - ۷۷۷،
۲- کتاب الفہرست (لابن الندیم) ص ۳۱۵،
۳- Inostrantzev، کتاب مذکور ص ۱۲،
۴- گبریئلی Gabrieli - رسالہ "مطالعات مشرقی" ج ۱۳ ص ۲۱۳ (بزبان اطالوی)
[2] مسعودی، "کتاب التنبیہ" ص ۱۰۴، [3] طبع ہوتسما ج ۱ ص ۲۰۲،
[4] مروج الذہب، ج ۲ ص ۱۵۳، کتاب التنبیہ ص ۱۰۳:
[5] کتاب التاج طبع مصر ص ۲۲ بعد، گبریئلی، رسالہ مطالعاتِ مشرقی (بزبان اطالوی) ج ۱۱ ص ۲۹۲،
[6] طبع فلوگل ص ۳۰۵، س ۱۱،

چند ایسے بادشاہوں کی طرف منسوب ہیں جن کے نام نہیں بتلائے گئے اور بعض خسرو دوم (پرویز) کی سیاسی نصائح سے مأخوذ ہیں جو کہا جاتا ہے کہ اُس نے اپنے بیٹوں، دبیروں، خازنوں اور حاجبوں کو مخاطب کرکے کی تھیں[1]، طبری نے جو بعض مراسلاتِ شاہی کا ذکر کیا ہے (مثلاً مراسلاتِ شاپور سوم مشتمل بر احکام و ہدایات بنام حکّام ولایات یا مراسلات بہرام چہارم بنام سپہ سالاران یا مراسلات خسرو اوّل بنام پاذگوسپانِ آذربائجان وغیرہ) وہ غالباً "تاج نامگ" ہی سے مأخوذ ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ کُتبِ "تاج نامگ" اور قسم کے موضوع پر بھی تھیں کیونکہ کتاب الفہرست (ص ۱۱۸ س ۲۸) میں ایک تاج نامگ کا ذکر ہے جس میں انوشیروان کے اقوال و افعال بیان ہوئے ہیں، اس کا ترجمہ ابن المقفّع نے کیا تھا، لیکن موسیو گبریلی کی رائے ہے کہ تاج نامگ صرف ایک ہی کتاب تھی اور "انوشیروان کے اقوال و افعال" کا اضافہ غلطی سے ہو گیا ہے،

لیکن بادشاہوں کے وہ خطبات جو اُنھوں نے اپنی اپنی تخت نشینی کے وقت دیے اور جو عربی اور فارسی کتابوں میں منقول ہیں احتمالِ قوی ہے کہ وہ اصل "خُوَذای نامگ" میں موجود تھے،

ساسانی عہد کے آیئن و آداب کے متعلّق ہماری معلومات کے اہم ترین مآخذ میں سے "نامۂ تنسر بنام شاہ طبرستان" ہے، تنسر ایک تاریخی شخص ہے، وہ عہد اردشیر اوّل میں دین زرتشتی کا مجدّد تھا[2]، نامۂ تنسر کا متن سب سے پہلے ڈارمسٹٹیر نے مجلّۂ

---

[1] Inostrantzev، کتاب مذکور ص ۲۸-۲۹، ۳۰-۳۱، نیز بیان کتاب مذکور ص ۶۷-۶۸، اور ۷۱/۷۲ حواشی و اضافات ص ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۷، گبریلی رسالۂ مطالعات مشرقی ج ۱۳ ص ۲۱۵ ببعد،

[2] دیکھو آگے باب سوم،

آسیاتی[1] میں شائع کیا[2]، حال ہی میں اس کو دوبارہ آقای مجتبی مینوی نے بہ عنوان "نامۂ تنسر بگشناسپ" طبع کیا ہے[3]، ڈارمسٹیٹر کی اڈیشن دو نسخوں پر مبنی ہے لیکن مجتبی مینوی نے جس نسخے سے اپنا متن شائع کیا ہے وہ ڈارمسٹیٹر کے پرانے نسخے سے بھی بقدر پچاس سال قدیم تر ہے اور بعض لحاظ سے اُن دونو سے کامل تر بھی ہے، یہ نامہ (جو ابن اسفندیار کی تاریخ طبرستان میں بھی درج ہے) اصل میں فارسی خلاصہ ہے ابن المقفّع کے عربی ترجمے کا جو اس نے ایک پہلوی متن سے کیا تھا، عربی ترجمہ اور اصل پہلوی دونو تلف ہو چکے ہیں، ابن المقفّع کے عربی ترجمے کی ایک عبارت مسعودی نے نقل کی ہے[4] دوسری البیرونی کی کتاب الہند میں ہے[5] اور تیسری فارسی میں (جو اسفندیار کی روایت کا تتمہ ہو سکتی ہے) کتاب فارس نامہ میں ہے[6]، نامۂ تنسر ایک تاریخی، سیاسی اور اخلاقی مقالہ ہے بشکل مراسلت مابین ہیربد بزرگ تنسر و شاہ طبرستان جو نئے سیاسی حالات سے پوری طرح واقف نہیں ہے اور اردشیر کی اطاعت قبول کرنے میں متردّد ہے، مصنّف کا مقصد یہ ہے کہ شاہ طبرستان کو اطاعت کی ترغیب دینے میں دراصل ابنار زمانہ کو سیاسی امور کی تعلیم دے، نامۂ مذکور کتبِ اندرز کی قسم سے ہے جو خسرو کے عہد میں تألیف ہوئیں، دراصل اس کی تاریخِ تصنیف اردشیر اوّل کا زمانہ نہیں ہے بلکہ خسرو اوّل (انوشیروان) کا عہد ہے، تنسر ایک جگہ بیان کرتا ہے[7] کہ شاہ اردشیر نے مذہبی مجرموں کے لیے سزائیں ہلکی کر دیں، "پہلے زمانے میں جو شخص مذہب سے برگشتہ ہو جاتا تھا اس کو فوراً قتل کر دیتے تھے، لیکن اردشیر نے حکم جاری کیا کہ جو شخص مرتد ہو جائے اس کو گرفتار کیا جائے

[1] Journal Asiatique [2] سنہ ۱۸۹۴ء، حصہ اوّل ص ۲۰۰ ببعد، ترجمے کے لیے دیکھو اسی کا ص ۵۰۲ ببعد، [3] طہران سنہ ۱۹۳۲ء، [4] کتاب التنبیہ والاشراف ص ۹۷،
[5] طبع سخاؤ ص ۵۳،
[6] کرسٹن سین: "ابرسام و تنسر" (Acta Orientalia) ج ۱۰ ص ۵۰ – ۵۵)،
[7] ڈارمسٹیٹر کی اڈیشن ص ۲۱۹ و ۵۲۴،

اور قید میں رکھا جائے اور ایک سال تک اس کو وعظ و نصیحت کی جائے، اگر اس مدت کے بعد اس پر کوئی اثر نہ ہو تو پھر اس کو قتل کیا جائے"۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے سخت قوانین جن کی رُو سے ارتداد کی سزا قتل قرار دی گئی تھی اُس زمانے سے پیشتر ہرگز نافذ نہیں ہو سکتے تھے جبکہ اردشیر نے دینِ زرتشتی کو حکومت کا مذہب قرار دیا، برعکس اس کے سزاؤں کی تخفیف بعد کے زمانے کی بات ہے جبکہ تہذیب و انصاف کا دور دورہ ہوا، اس نقطۂ نظر کی تبدیلی کو خاندان ساسانی کے نامور بانی کی طرف منسوب کرنے میں اس کو زیادہ باوقعت بنانے کی کوشش کی گئی ہے، یہی بات اُن جرموں کی سزاؤں کی تخفیف کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے جن کا ارتکاب بادشاہ یا حکومت یا دوسرے لوگوں کے خلاف ہو، نامۂ تنسر میں ایسے جرموں کا ذکر کیا گیا ہے، مذہبی معاملات میں خسرو اوّل (انوشیروان) کی رواداری اور اس کا رحم و انصاف محتاجِ بیان نہیں،

اب ہم بادشاہ کی جانشینی کے مسئلہ کی طرف توجہ کرتے ہیں[1]، نامۂ تنسر کے بیان کے مطابق اردشیر نہیں چاہتا تھا کہ اپنا جانشین نامزد کرے کیونکہ اس صورت میں اُس کو اندیشہ تھا کہ وہ اسے مار ڈالنے کی فکر میں رہیگا، لہذا اُس نے اپنے جانشین کے انتخاب کا یہ انتظام کیا کہ سربمہر لفافوں کے اندر چند وصیتیں اور ہدایتیں موبد بزرگ، سپہ سالار اعظم اور دبیر بزرگ کے نام لکھوا کر چھوڑ گیا جن میں لکھا تھا کہ میری وفات کے بعد یہ تینوں مل کر خاندان شاہی کے شہزادوں میں سے میرا جانشین منتخب کریں اور اگر ان میں آپس میں اتفاق رائے نہ ہو تو پھر انتخاب کا فیصلہ فقط موبدِ بزرگ کی رائے پر ہو، لیکن ساتھ ہی اردشیر نے واضح طور پر یہ بھی لکھوا دیا کہ "میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس طریقِ عمل کو سنّت قرار دیا جائے

---

[1] دیکھو نامۂ تنسر، ڈارمستیٹر کی اڈیشن ص ۲۲۷ - ۲۲۸، ۲۳۹ ببعد، اور ص ۵۳۲، ۵۴۳ ببعد،

بلکہ سر دست بہ تقاضائے مصلحت میں نے ایسا کیا لیکن آیندہ خدا جانے کوئی زمانہ ایسا آئے کہ مصلحتِ وقت کچھ اور ہو"۔ اوّل تو اس قسم کا انتظام اردشیر جیسے باتدبیر بادشاہ کے لیے شایستہ نہیں معلوم ہوتا دوسرے طبری کے بیان کے مطابق (جو ساسانیوں کے زمانے کی مستند تاریخ پر مبنی ہے) اردشیر، شاپور اوّل اور شاپور دوم نے اپنے اپنے جانشین خود منتخب کیے تھے، لیکن جو زمانہ کہ اردشیر دوم اور کواذ اوّل[1] کے عہد کے درمیان گزرا ہے اُس میں البتّہ بادشاہ کا انتخاب عموماً بزرگانِ سلطنت کی رائے پر چھوڑا جاتا تھا، جو انتظام کہ نامۂ تنسر میں بیان ہوا ہے وہ اسی زمانے میں متداول تھا، اور یہ جو عجیب و غریب قول اردشیر کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ "اس طریقِ عمل کو سنّت نہ قرار دیا جائے اور یہ کہ دوسرے زمانے میں مصلحتِ وقت کچھ اور ہو سکتی ہے" اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ نامۂ تنسر کی تصنیف ایسے زمانے میں ہوئی ہے جبکہ وہ انتظام جو اردشیر کی طرف منسوب ہے اگرچہ منسوخ ہو چکا تھا لیکن اس کی یاد ابھی زندہ تھی یعنی ایسے زمانے میں جبکہ بادشاہوں کو از سرِ نو یہ قدرت حاصل ہو چکی تھی کہ اپنا جانشین اپنی زندگی میں نامزد کر دیں، یہ زمانہ کواذ اور ہرمزد چہارم کے عہد کا درمیانی زمانہ ہے۔[2]

نامۂ تنسر میں[3] اردشیر کی زبان سے یہ الفاظ ادا کیے گئے ہیں کہ "بجز شاہانِ زیر دست کے کوئی شخص جو ہمارے گھرانے سے تعلق نہ رکھتا ہو اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ شاہ کا لقب اختیار کرے سوائے اُن حکّام سرحد کے جو ولایتِ آلان اور اضلاع مغربی پر یا خوارزم و کابل پر فرماں روا ہیں"۔ "حاکم سرحد ولایتِ آلان" سے بلاشبہ اُن چار سپہبدوں میں

---

[1] اردشیر دوم کا عہد ۳۷۹ء سے ۳۸۳ء تک ہے اور کواذ اوّل کا ۴۸۸ء سے ۵۳۱ء تک، (مترجم)،

[2] ہرمزد چہارم انوشیروان کا لڑکا اور اس کا جانشین ہے، اس کا عہد سلطنت ۵۷۹ء سے ۵۹۰ء تک ہے، (مترجم)،

[3] طبع ڈارمسٹیٹر ص ۲۱۰، طبع مجتبی مینوی ص ۹،

سے ایک مُراد ہے جن کو خسرو اوّل (انوشیروان) نے مقرر کیا تھا، ہمیں بتلایا گیا ہے کہ اُسے اس بات کا امتیازی حق حاصل تھا کہ وہ تختِ زرّیں پر بیٹھ سکے اور یہ کہ اس کا منصب اور عہدہ مستثنیٰ طور پر اُس کے جانشینوں کو ورثے میں ملتا چلا جائے جو "ملوک السریر" کہلاتے تھے،[1]

ان سب باتوں کے علاوہ جغرافیائی اطلاعات جو نامۂ تنسر میں دی گئی ہیں[2] ہمیں اس قابل بناتی ہیں کہ اس کے زمانۂ تصنیف کو صحیح طور پر معیّن کر سکیں، ایک تو اس میں ترکوں کا ذکر آیا ہے دوسرے سلطنت ایرانی کی حدود بتلائی گئی ہیں کہ وہ "دریائے بلخ سے لے کر آذربائجان کی سرحد تک اور آرمینیہ اور فارس اور دریائے فرات اور سرزمین عرب سے لے کر عمان اور مکران اور وہاں سے کابل اور طخارستان تک ہے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نامۂ تنسر اُس وقت لکھا گیا ہے جبکہ خسرو اوّل (انوشیروان) ہپتالیوں (ہیاطلہ) کا قلع قمع کر کے مشرق میں اپنی فتوحات ختم کر چکا ہے لیکن ابھی یمن فتح نہیں ہوا، دوسرے لفظوں میں ۵۵۷ء اور ۵۷۰ء کے درمیان،[3]

مارکوارٹ دوسرے دلائل سے اسی نتیجے پر پہنچا ہے جس پر کہ ہم پہنچے ہیں یعنی یہ کہ نامۂ تنسر ایک جعلی کتاب ہے جو خسرو اوّل کے زمانے میں لکھی گئی[4]، مارکوارٹ نے استدلال یوں کیا ہے کہ اس میں کرمان کے ایک بادشاہ کابوس کا نام مذکور ہے حالانکہ تاریخ کی رو سے اردشیر کے زمانے میں کرمان کا بادشاہ ولخش ہے، تو یہ کابوس

---

[1] نہایت الارب در رسالۂ انجمن آسیائی ہمایونی (J. R. A. S.) ۱۹۰۰ء ص ۲۲۷،

[2] طبع ڈارمسٹیٹر ص ۲۴۱ - ۲۴۲ و ۵۴۶،

[3] ثعالبی لکھتا ہے (ص ۶۰۶) کہ "خسرو اوّل (انوشیروان) مخصوصاً اردشیر اوّل کے افعال و حرکات کا مطالعہ کیا کرتا تھا تاکہ وہ اپنے اعمال و افعال میں اُسی نمونے پر عمل پیرا ہو سکے"۔ یہی بات طبری نے بھی کہی ہے، (تاریخ طبری طبع یورپ ص ۸۹۸)، نیز دیکھو فارس نامہ ص ۸۸،

[4] "ایرانشہر" (بزبان جرمن)، ص ۴۸، ح ۱،

دراصل خسرو اوّل کا بھائی کاؤس ہے جس کے نمونے پر کابوس کی شخصیت تیار کی گئی ہے[1]،

ساسانیوں کی تاریخ کے پہلوی مآخذ میں سے ایک کتاب "پیشینگان نامگ" (یعنی "کتاب القدمار") ہے جس میں سے کچھ عبارت نظام الملک نے اپنے سیاست نامے میں نقل کی ہے[2]،

مؤرخ مسعودی نے ۱۶-۹۱۵ء میں فارس کے کسی امیر کے پاس اصطخر میں "ایک بڑی ضخیم کتاب دیکھی تھی جو ایرانیوں کے علوم، ان کی تاریخ، ان کی عمارات اور ہر بادشاہ کے عہد سلطنت وغیرہ پر مشتمل تھی" اور جس میں منجملہ اور چیزوں کے شاہانِ ساسانی کی تصاویر بھی دی گئی تھیں، "رسم یہ تھی کہ ہر بادشاہ کی وفات کے دن (خواہ وہ جوان مرے یا بڈھا ہو کر مرے) اس کی تصویر بنائی جاتی تھی جس میں اس کا لباس، اس کا تاج، اس کی ڈاڑھی کی وضع اور اس کی ظاہری شبیہ دکھلائی جاتی تھی۔ پھر اس تصویر کو شاہی خزانے میں رکھوا دیا جاتا تھا" "تاکہ شاہ متوفّی کی شکل و شباہت آنے والی نسلوں کو یاد رہے۔" اگر بادشاہ کی تصویر لباسِ جنگی میں کھینچی جاتی تو اس کو استادہ دکھایا جاتا تھا اور اگر اس کو امورِ سلطنت میں مشغول دکھانا منظور ہوتا تھا تو وہ نشستہ ہوتا تھا اور اس کے گرد دربار کے بڑے اور چھوٹے جمع ہوتے تھے اور تصویر کا سارا نقشہ اس طرح دکھایا جاتا تھا کہ اس کے عہد کے تمام بڑے بڑے واقعات آنکھوں کے سامنے آجاتے تھے، مسعودی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کتاب اُس نسخے کی نقل تھی جو شاہانِ ایران کے خزانے میں ماہ جمادی الثانی ۱۱۳ھ (۷۳۱ء) کے

[1] "ایرانشہر" (بزبان جرمن)، ص ۳۰ و ح ۲، نامۂ تنسر کے متعلق اس کے علاوہ دیکھو گبریئیلی "رسالۂ مطالعات مشرقی" (بزبان اطالوی) ج ۱۳ ص ۲۱۷ بعد، [2] طبع پیرس ص ۱۰،

وسط میں پایا گیا تھا، ہشام بن عبدالملک بن مروان کے حکم سے اس کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا اور اس کی تصاویر کو حیرت انگیز رنگ آمیزی کے ساتھ اس طرح بنایا گیا کہ "آج کل ویسا بن سکنا ناممکن ہے"۔ اس کے رنگوں میں محلول سونا اور چاندی اور تانبے کا سفوف استعمال کیا گیا تھا، مسعودی کہتا ہے کہ "اس کے اوراق ایسی کاریگری کے ساتھ تیار کیے گئے تھے کہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ آیا وہ کاغذ کے تھے یا باریک چمڑے کے"۔ غالباً یہی کتاب تھی جو حمزہ اصفہانی کے پیش نظر تھی اور اپنی تاریخ میں جو اس نے تمام ساسانی بادشاہوں کی ہیئتِ جسمانی کی کیفیت بیان کی ہے وہ ضرور اسی کتاب سے مأخوذ ہوگی، لیکن یقیناً یہ تصاویر شروع سے آخر تک ساری کی ساری قابلِ اعتبار نہ تھیں، غالباً یہ رسم کہ وفات کے دن بادشاہ کی تصویر بنائی جائے اور اس کو شاہی خزانے میں رکھوایا جائے دورِ ساسانی کے کسی زمانے میں جاری ہوئی جس کو ہم ٹھیک طور سے معیّن نہیں کرسکتے لہٰذا مجموعۂ تصاویر کو مکمّل کرنے کے لیے شروع کے بادشاہوں کی تصویریں یقیناً خیالی اور قیاسی بنائی گئی ہوں گی، لیکن کوئی وجہ نہیں کہ آخری بادشاہوں کی تصاویر کو معتبر نہ سمجھا جائے کیونکہ ان میں سے ہر بادشاہ کا لباس، ساز و سامان اور ہیئتِ جسمانی ان کی اُن تصویروں کے ساتھ جو پتّھروں میں یا چاندی کے برتنوں میں کندہ ہیں اس درجہ مطابق ہے کہ ہرگز یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ عہد ساسانی کے بعد جعلی طور پر بنائی گئی ہیں،

اصطخری لکھتا ہے[1] کہ ضلع شاپور (فارس) میں ایک جگہ پر پہاڑ کی چٹان میں فارس کے بادشاہوں، امیروں اور موبدوں کی تصویریں کندہ کی ہوئی ہیں، پھر کہتا ہے کہ ان کی تصاویر، ان کے اعمال و افعال اور ان کے تاریخی حالات اُن کتابوں میں دیے

[1] طبع یورپ ص ۱۵۰؛

گئے تھے جو نہایت احتیاط کے ساتھ اُن لوگوں کی نگرانی میں رکھوائی گئی تھیں جو قلعۂ شیئز (علاقۂ ارّجان) میں سکونت رکھتے تھے، موسیو اینوس ترانت زیف[۱] نے اس عبارت سے یہ مطلب نکالا ہے کہ تصاویر مذکور شاپور کے کتبوں کی حجّاری کے نمونے پر بنائی گئی تھیں[۲]،

پہلوی کی متعدد کتابوں کے نام جن کے ترجمے عربی میں ہوئے الفہرست میں مذکور ہیں[۳]، ان کتابوں کے نام بعض اور مصنّفوں کے ہاں بھی ملتے ہیں، ان میں سے بعض تو سلسلۂ کتبِ "اندرز" سے متعلّق ہیں[۴] اور بعض تاریخی افسانوں کے زمرے میں آتی ہیں لیکن چونکہ ان میں سے اکثر ایسی ہیں جن کے فقط نام ہی نام معلوم ہیں اس لیے یہ بتانا مشکل ہے کہ کون سی کتاب کس زمرے سے تعلّق رکھتی ہے،

تاریخی افسانوں میں سے یعنی وہ افسانے جن کے منصوبے ساسانیوں کی تاریخ سے لیے گئے اور جن کے ترجمے عربی میں ہوئے[۵] قابلِ ذکر دو ہیں یعنی "مزدک نامگ" اور "وہرام چوبین نامگ"۔ "مزدک نامگ" میں بانیٔ مذہبِ اشتمالیّت یعنی مزدک کے حالات اور شاہ کواذ کے ساتھ اس کے تعلّقات بیان کیے گئے تھے، اس کتاب کا ترجمہ عربی میں ابن المقفّع نے کیا تھا اور اللاحقی نے اس کو (عربی میں) نظم کیا تھا[۶]، منجملہ اور

[۱] Inostrantzev، [۲] "مطالعات ایرانی" (بزبان روسی)، پطرزبورغ ۱۹۰۹ء، ص ۹، نریمان۔ "ادبیات اسلامی پر ایرانی اثرات" (بمبئی ۱۹۱۸ء)، ص ۲۰ بعد،
[۳] ص ۳۰۵، ۳۱۵-۳۱۶، [۴] دیکھو اوپر ص ۶۷-۶۸،
[۵] دیکھو میرا مضمون بہ عنوان "پہلوی زبان میں تاریخی افسانے" جو مجموعہ مضامین بیادگار فرانتس بُول (Franz Buhl) میں شائع ہوا تھا (کوپن ہاگن ۱۹۲۵ء) ص ۲۴-۳۴،
[۶] الفہرست (ص ۱۱۸ س ۲۷ و ص ۱۶۳ س ۱۰)،

کتابوں کے اس کا ذکر حمزہ اصفہانی کی "تاریخ" میں اور "نہایۃ (الارب)" میں ملتا ہے۔ سیاست نامۂ نظام الملک میں[1] اور ایک پارسی روایت میں[2] اس کے جو اقتباسات دیے گئے ہیں ان کو ملانے سے ہم اس افسانے کا نفس مضمون ذہن میں لا سکتے ہیں،

"مزدک نامگ" کو ثعالبی، فردوسی، بیرونی اور فارس نامہ اور مجمل التواریخ کے مصنفوں نے بطور ماخذ استعمال کیا ہے[3]،

"وہرام چوبین نامگ" غاصب سلطنت وہرام چوبین کی داستان تھی جس کو جبلہ بن سالم نے عربی میں ترجمہ کیا[4]، اس داستان کے مجموعی خط و خال عربی تواریخ اور فردوسی کے بیانات سے دوبارہ بہم کیے جا سکتے ہیں[5]،

یہ ہیں ساسانیوں کی تاریخ کے بڑے بڑے ماخذ جن کے نام ہم کو اُن عربی اور فارسی مؤرخین کے ہاں ملتے ہیں جن کی تصانیف آج موجود ہیں، ان تصانیف میں سے قدیم ترین اور اہم ترین یہ ہیں: تاریخ یعقوبی[6] (نویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں لکھی گئی) اور تاریخ ابن قتیبہ[7] (متوفی سنہ ۸۸۹ء) جس کی دوسری تصنیف عیون الاخبار[8] میں بھی ساسانیوں کی تاریخ کے متعلق بعض اہم مطالب لکھے گئے ہیں، ان کے علاوہ اخبار الطوال[9] للدینوری (متوفی سنہ ۸۹۵ء)، تاریخ طبری[10] (متوفی سنہ ۹۲۳ء)، تاریخ سعید

---

[1] باب ۴۵ از طبع شیفر (پیرس)، [2] "روایت داراب ہرمز یار" ج ۲ ص ۲۱۴ - ۲۳۰،
[3] نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۴۵۵ ببعد، کرسٹن سین، "عہد شاہ کواذ" ص ۴۴ ببعد، ایضاً۔ "قصۂ مزدک کی دو روایتیں" (مجموعۂ مضامین بیادگار جمشید جی جیون جی مودی ص ۳۲۱ ببعد)،
[4] الفہرست (ص ۳۰۵ س ۱۰)، [5] نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۴۷۴ ببعد، کرسٹن سین۔ "افسانۂ بہرام چوبین" [6] طبع ہوتسما (لیڈن سنہ ۱۸۸۳ء)،
[7] طبع ووسٹنفلٹ (Wüstenfeld) گوٹنگن سنہ ۱۸۵۰ء، [8] طبع بروکلمن (برلن سنہ ۱۹۰۰ء۔ سنہ ۱۹۰۸ء، طبع مصر (سنہ ۱۹۲۵ء۔ سنہ ۱۹۳۰ء)، [9] طبع لیڈن سنہ ۱۸۸۸ء،
[10] طبع دخویہ، ساسانی تاریخ کے حصے کا ترجمہ بزبان جرمن از نولڈکہ (سنہ ۱۸۷۹ء)،

بن بطریق[1] (جو اسکندریہ کا اسقف تھا اور ۹۲۹ء میں مرا)، مروج الذہب للمسعودی[2] (متوفی درحدود ۹۵۶ء) اور اسی کی دوسری تصنیف کتاب التنبیہ والاشراف[3]، تاریخ حمزہ اصفہانی جو ۹۶۱ء میں لکھی گئی[4]، بلعمی کی فارسی تاریخ جو طبری سے مأخوذ ہے اور ۹۶۳ء میں تالیف ہوئی[5]، تاریخ مطہر بن طاہر المقدسی[6] مؤلفہ ۹۶۶ء اور شاہنامۂ فردوسی[7] (متوفی درحدود ۱۰۲۰ء) جو ایرانیوں کی قومی رزمیہ نظم ہے۔ فردوسی کے ضمنی بیانات ساسانی تمدن سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے بیحد مفید ہیں یہاں تک کہ شاہنامے کے اُن حصوں میں بھی جو زرتشت سے پیشتر کے افسانوی زمانے کے متعلق ہیں عہد ساسانی ہی کے احوال کا پرتو ہے اس لیے کہ فردوسی کے اصلی مآخذ اسی عہد میں تصنیف ہوئے۔ تصانیف مذکورہ بالا کے علاوہ غُرر اخبار الملوک للثعالبی[8] (متوفی ۱۰۳۸ء)، نہایۃ الارب فی اخبار الفرس والعرب جس کے مصنف کا نام معلوم نہیں لیکن غالباً گیارھویں صدی کے نصف اوّل میں لکھی گئی[9]، فارس نامہ (بزبان فارسی) جس کا مصنف ابن البلخی کے نام سے مشہور ہے[10] اور مجمل التواریخ (فارسی) جس کا مصنف غیر معلوم ہے لیکن تاریخ تصنیف ۱۱۲۶ء ہے[11]، ساسانیوں کی تاریخ کے متعلق جو کچھ

---

[1] طبع پوکوک (Pococke) (اکسفورڈ ۱۶۵۸ء) مع ترجمہ لاطینی، طبع جدید از لوئیس شیخو (بیروت ۱۹۰۶ء - ۱۹۰۹ء)، [2] طبع باربیے دو مینار مع ترجمہ فرانسیسی، جلد دوم، (طبع ثانی، پیرس ۱۹۱۴ء)، [3] طبع دخویہ (لیڈن ۱۸۹۴ء)، [4] طبع گوٹ والٹ (Gottwald)، پطرزبورغ ۱۸۴۴ء - ۱۸۴۸ء (نیز مطبع کاویانی برلن - مترجم) مع ترجمہ لاطینی، [5] ترجمۂ فرانسیسی از زوٹن برگ (پیرس ۱۸۶۹ء - (اس کا فارسی متن مطبع نولکشور میں چھپ چکا ہے - مترجم)، [6] متن و ترجمہ فرانسیسی از موسیو ہیوآر (Huart) پیرس ۱۹۰۳ء، [7] متن مع ترجمہ فرانسیسی از مول (Mohl) - پیرس ۱۸۶۶ء - ۱۸۷۸ء، انگریزی ترجمہ از وارنر (Warner)، لنڈن ۱۹۱۲ء - ۱۹۲۵ء، [8] متن و فرانسیسی ترجمہ از زوٹن برگ (پیرس ۱۹۰۰ء)، [9] خلاصہ و اقتباسات از پروفیسر براؤن (J. R. A. S.) ۱۹۰۰ء ص ۱۹۵ ببعد)، نیز دیکھو J. R. A. S. ۱۸۹۹ء ص ۵۱ - ۵۳)، [10] سلسلۂ مطبوعات گِب، لنڈن ۱۹۲۱ء، [11] متن مع ترجمہ فرانسیسی از مول در "مجلۂ آسیائی" (J. A.)، سلسلۂ سوم ج ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴ و سلسلۂ چہارم ج ۱، (طبع جدید از آقای بہار، ، طہران، ۱۳۱۷ ہجری شمسی - مترجم)،

پہلوی کتاب بُنْدَہِشْن میں دیا ہے وہ خوذای نامگ کے عربی ترجموں اور تحریفوں سے ماخوذ ہے[1]،

ابن مسکویہ، ابن الاثیر اور اُن مؤرّخوں کی تصانیف جو زمانۂ متاخرین میں گزرے ہیں (مثلاً ابوالفداء، حمد اللہ مستوفی قزوینی مؤلّف تاریخ گزیدہ اور میرخوند وغیرہ) زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں، ساسانیوں کی تاریخ کے متعلّق ان میں بہت کم ایسی اطّلاعات ملتی ہیں جو قدماء کی کتابوں میں موجود نہ ہوں،

عربی اور فارسی کے اہم ترین ماخذوں میں جو باہمی تعلق ہے اس کو سمجھنے کے لیے نولڈکہ کے اُس مقدّمہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو اُس نے ترجمۂ تاریخ طبری پر لکھا ہے[2] اِس کتاب میں اُس نے جو بیشمار حواشی لکھے ہیں اُن سے اُس کی اہمیّت بہت بڑھ گئی ہے، اس کے علاوہ زوٹن برگ کا مقدّمہ ثعالبی کی کتاب پر اور میری تصنیف موسوم بہ عہد شاہ کواذ اوّل نیز وہ مضامین جو میں نے حکیم بزرجمہر اور ابرسام اور تنسر پر لکھے ہیں[3] اس بارے میں مفیدِ مطلب ہیں، نولڈکہ کی رائے میں[4] ابن بطریق اور ابن قتیبہ نے ابن المقفّع کے عربی ترجمۂ خوذای نامگ کی پیروی دیانت داری کے ساتھ کی ہے[5]، طبری واقعات کی مختلف روایات کو جو اُسے دستیاب ہوئی ہیں الگ الگ بیان کرتا ہے لیکن بالعموم اپنے مآخذ کا ذکر نہیں کرتا اور ضمناً حیرہ کی عربی سلطنت کے تاریخی واقعات بھی لکھتا جاتا ہے، بلعمی نے طبری کی مختلف روایات کو باہم ملا دیا ہے اور پھر بعض تفاصیل دوسرے مآخذ سے لے کر اس میں اضافہ کی ہیں، اسی طرح صاحب فارس نامہ نے بھی

---

[1] دیکھو اوپر ص ۶۶، [2] کرسٹن سین: "کیانیان" ص ۴۹ — ۵۱ و ۶۱ ببعد،
[3] Acta Orientalia ج ۸ و ۱۰، [4] مقدّمۂ تاریخ طبری ص ۲۱،
[5] گبرئیلی۔ "رسالۂ مطالعات مشرقی" (اطالوی) ج ۱۳ ص ۲۰۹ ببعد،

جو مجموعی طور سے طبری کی پیروی کرتا ہے دوسرے مآخذ سے بہت سی باتیں لے کر بڑھادی ہیں، حمزہ نے جس کی کتاب محض ایک خلاصہ ہے خُوَذای نامگ کے عربی ترجموں اور تحریفوں سے بہت مدد لی ہے، مجمل التواریخ کا مصنّف حمزہ سے روایت کرتا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیش نظر اِس خلاصے کے علاوہ جو ہمارے سامنے ہے حمزہ کی زیادہ مفصّل تاریخی تصانیف تھیں جواب موجود نہیں ہیں، دینوری نے خُوَذای نامگ کی ایک جداگانہ روایت کا تتبّع کیا ہے جس کی زیادہ مفصّل شکل نہایۃ میں پائی جاتی ہے تو یا تو نہایۃ کے مصنّف نے دینوری کو بطور مأخذ استعمال کیا ہے یا دونو کا ایک مشترک مأخذ ہے، بعض اور روایات جو خُوَذای نامگ سے لی گئی ہیں یعقوبی، مسعودی اور مطہّر کی مختصر کتابیں ہیں اور پھر فردوسی اور ثعالبی میں پائی جاتی ہیں جن کے متّصل مآخذ ایک مشترک مأخذ سے مستفید ہوئے ہیں، ان مصنّفوں نے خُوَذای نامگ کی روایات کو پیش کرنے میں بعض اور پہلوی مآخذ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جیساکہ آئین نامگ، گاہ نامگ، تاج نامگ، کتبِ اندرز اور مقبول عام افسانے، فردوسی اور ثعالبی کے مشترک مأخذ نے کتب اندرز اور افسانوں کو استعمال کیاہے لیکن فردوسی نے مخصوصاً ان دوقسم کی کتابوں سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے،

بہت سی اہم اطلاعات جن کا منبع عہد ساسانی کی متفرق روایات ہیں کثرت کے ساتھ اُن کتابوں میں ملتی ہیں جو جاحظ (متوفی ۸۶۹ء) کی طرف منسوب ہیں خصوصاً کتاب التاج[1] میں جس کے معتبر ہونے میں موسیو ریشر[2] کو شبہ ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ شبہ ناحق ہے کیونکہ اس میں تمام روایات عمدہ اور قدیم مآخذ سے نقل کی گئی ہیں، نیز

---

[1] طبع احمد زکی پاشا (قاہرہ ۱۹۱۴ء)، نیز دیکھو گبریئیلی ــ "رسالہ مطالعات مشرقی" (اطالوی) ج ۱۱، (روما ۱۹۲۸ء) ص ۲۹۲ ببعد، [2] Rescher

کتاب المحاسن والمساوی میں جو البتہ غیر معتبر ہے اور یقیناً جاحظ کی تصنیف نہیں ہے[1] ان کے علاوہ خوارزمی کی مفاتیح العلوم میں (جو تقریباً ۹۷۶ء میں لکھی گئی)[2] اور البیرونی (متوفی ۱۰۴۸ء) کی الآثار الباقیہ میں[3] اور نظام الملک کے سیاست نامہ میں (جو ۱۰۹۲ء میں تصنیف ہوا)[4] بہت سی مفید معلومات پائی جاتی ہیں، عربی کی ان کتابوں میں سے جو کتبِ "ادب" کہلاتی ہیں ساسانی زمانے کے متعلق بہت سی حکایتیں اور نقلیں جمع کی جاسکتی ہیں، بظاہر اس قسم کی کتابیں کتب اندرز کی تقلید میں لکھی گئی ہیں، منجملہ ان کے دو "کتاب المحاسن والمساوی" ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا، ان کے علاوہ ابن الجوزی (متوفی ۱۲۰۰ء) کی کتاب الاذکیاء[5] اور سعد الدین وراوینی کا فارسی مرزبان نامہ ہے جو ۱۲۱۰ء اور ۱۲۲۵ء کے درمیان لکھا گیا[6]، جغرافیے کی عربی کتابوں میں بھی اسی طرح بہت سی بکھری ہوئی باتیں ملتی ہیں مثلاً جغرافیۂ ابن خرداذبہ (نویں صدی)، ابن الفقیہ الہمدانی (متوفی در آغاز قرن دہم)، اصطخری اور ابن حوقل (قرن دہم) اور یاقوت (متوفی ۱۲۲۹ء)[7] بعض اطلاعات مقامی تاریخ کی کتابوں سے بھی حاصل ہوسکتی ہیں مثلاً تاریخ طبرستان

---

[1] طبع فان فلوٹن (Van Vloten) لیڈن ۱۸۹۸ء، ترجمہ جرمن از رشیر (ج ۱، قسطنطنیہ ۱۹۲۶ء) (ج ۲، سٹٹ گرٹ جرمنی ۱۹۲۲ء)، اسی نام کی ایک اور کتاب بیہقی کی تصنیف ہے جو دسویں صدی کے نصف اول میں گزرا ہے، اس کو شوالی (Schwally) نے شائع کیا ہے (گیسن ۱۹۰۲ء)،

[2] طبع فان فلوٹن (لیڈن ۱۸۹۵ء)، اس کے ایک اقتباس کا انگریزی ترجمہ جے۔ایم۔اون والا نے شائع کیا تھا (بمبئی ۱۹۲۸ء)، [3] طبع سخاؤ (لیپزگ ۱۸۷۸ء)، انگریزی ترجمہ از ایضاً (لنڈن ۱۸۷۹ء)، [4] متن و فرانسیسی ترجمہ از موسیو شیفر (پیرس ۱۸۹۱ء و ۱۸۹۳ء)، [5] جرمن ترجمہ از موسیو رشیر (گلاٹا ۱۹۲۵ء)، [6] طبع میرزا محمد قزوینی (لیڈن ۱۹۰۹ء)، [7] طبع ووسٹنفلٹ (معجم البلدان) در شش مجلد، (لیپزگ ۱۸۶۶ء)، اس کا فرانسیسی ترجمہ (بالاختصار) موسیو باربیے دو مینار (Barbier de Meynard) نے شائع کیا تھا، (پیرس ۱۸۶۱ء)،

مؤلفۂ ابن اسفندیار (در ۱۲۱۶ء) [1]، تاریخ طبرستان مؤلفہ ظہیر الدین المرعشی (در حدود ۱۴۷۶ء) [2]، عقاید مذہبی کو معلوم کرنے کے لیے شہرستانی (متوفی ۱۱۵۳ء) کی کتاب الملل والنحل [3] کے وہ حصے نہایت ضروری ہیں جن میں مذہب زرتشت، مانویت اور مزدکیت پر بحث ہے نیز ابو المعالی کی بیان الادیان (فارسی) [4] کا باب دوم جس میں انھی تینوں مذہبوں کے بارے میں مفید مطالب لکھے گئے ہیں، مذاہب ایران قدیم کے متعلق بعض باتیں تبصرۃ العوام میں بھی ملتی ہیں جو فارسی زبان میں تیرھویں صدی کے نصف اول میں تصنیف ہوئی اور سید مرتضی بن داعی حسنی رازی کی طرف منسوب ہے، عربوں کی فتح ایران کا حال معلوم کرنے کے لیے اول درجے کا مأخذ کتاب فتوح البلدان للبلاذری [5] (متوفی ۸۹۲ء) ہے، اس کتاب کے نصف اول میں (جس کا ترجمہ جرمن میں موسیو ریشر نے کیا ہے [6]) خاص خاص موقعوں پر تاریخ ایران کے واقعات جو پانچویں سے ساتویں صدی تک کے زمانے سے متعلق ہیں مذکور پائے جاتے ہیں،

---

[1] ترجمۂ انگریزی بالاختصار از پروفیسر براؤن (لیڈن ۱۹۰۵ء)، [2] طبع ڈورن (Dorn)، پطرزبورغ ۱۸۵۰ء، [3] طبع کیورٹن (Cureton)، لنڈن ۱۸۴۶ء، جرمن ترجمہ از ہاربروکر (۱۸۵۰ء)، [4] مؤلفہ ۱۰۹۲ء، موسیو شیفر کے "منتخبات فارسی" کی جلد اول (ص ۱۳۲ ببعد) میں شائع ہوئی ہے، اس کے باب دوم کا ترجمہ اطالوی زبان میں موسیو پتزی (Pizzi) نے کیا تھا جو تورین (Torino) کی سائنس اکیڈیمی کی روئداد میں ۱۹۰۳ء میں چھاپا گیا تھا، پوری کتاب کا ترجمہ ڈینش یعنی ڈنمارک کی زبان میں کرسٹن سین نے کیا ہے (طبع کوپن ہاگن ۱۹۱۶ء) اور اطالوی زبان میں موسیو گبریلی نے (روما ۱۹۳۲ء)، نیز دیکھو "انتقادات کرسٹن سین" در مجلۂ "دنیاے شرق" (Monde Orientale) ۱۹۱۱ء ص ۲۰۵ ببعد،
[5] طبع دخویہ (لیڈن ۱۸۶۶ء)،
[6] لیپزگ، ۱۹۱۷ء، حصہ دوم سٹٹ گرٹ ۱۹۲۳ء،

۳- یونانی اور لاطینی مآخذ

ڈیون کاسیوس[1] (متوفی درحدود ۲۳۵ء) نے اپنی تاریخ روم میں جو ۲۲۹ء پر ختم ہوتی ہے سلطنت ساسانی کی تاسیس کا حال لکھا ہے، اور مؤرخ ہیروڈین[2] (متوفی ۲۴۰ء) نے تغییرِ خاندانِ حکومت کی کیفیت اور اس کے متعلق جملہ واقعات نہایت مفصّل طور پر اپنی تاریخ روم میں قلمبند کیے ہیں،

خاندان ساسانی کے ابتدائی زمانے کے متعلق اطلاعات ہم کو مؤرخ ڈیکسیپّوس ساکن ایتھنز[3] کی تاریخ کے اُن اجزاء سے حاصل ہوتی ہیں جو آج موجود ہیں نیز تاریخ قیاصرۂ روم مؤلفہ ٹری بیلیوس پولیو[4] سے جو ڈیوکلیشین[5] اور قسطنطین بزرگ[6] کے زمانے کا مؤرخ ہے، اس کے معاصر مصنّف لیکٹینٹیوس فرمیانوس[7] نے جو عیسائی ہوگیا تھا ایک افسانہ مبنی بر تعصّب لکھا ہے جس میں اُس نے شاپور اوّل کا ظالمانہ سلوک قیصر ویلیرین[8] کے ساتھ (جو ایرانیوں کے ہاتھ میں قید ہوگیا تھا) دکھایا ہے، ان کے علاوہ ایران کے تاریخی واقعات کی طرف اشارے کتب ذیل میں کہیں کہیں پائے جاتے ہیں :-

---

[1] Dion Cassius، اس کی تاریخ روم اسی جلدوں میں تھی جس میں سے اب صرف ایک چوتھائی کے قریب باقی ہے (مترجم)، [2] Herodian، اس نے آٹھ جلدوں میں تاریخ روم یونانی زبان میں لکھی ہے جس میں ۱۸۰ء سے ۲۸۳ء تک کے واقعات ہیں (مترجم)، [3] Dexippos، تیسری صدی کے نصف ثانی میں گزرا ہے، [4] Trebellius Pollio؛ [5] Diocletian، قیصر روم، عہد سلطنت ۲۸۴ء - ۳۰۵ء (مترجم)، [6] Constantine the Great، قیصر روم مشہور و معروف، قسطنطنیہ کا نام اسی کے نام پر ہے جس کو اس نے ۳۳۰ء میں روم Rome کی بجائے اپنی سلطنت کا پایۂ تخت قرار دیا، عہد سلطنت ۳۰۶ء - ۳۳۷ء (مترجم)، [7] Lactantius Firmianus، [8] (Valerian)، اس نے ۲۶۰ء میں ایران پر لشکرکشی کی لیکن الرّہا (Edessa) میں شاپور سے شکست کھا کر قید ہوگیا (مترجم)،

۱- تاریخ قیصر اوریلین[1] مؤلفہ فلیویُوس ووپسکوس[2] (در حدود ۳۰۰ء)۔

۲- مؤرخ یوسیبیوس قیصاری[3] (متوفی ۳۴۰ء) کی تاریخ کلیسا،

۳- مؤرخ روفینوس[4] کی تاریخ جس نے یوسیبیوس کی تاریخ کلیسا کا ذیل لکھا ہے جو ۳۹۵ء پر ختم ہوتا ہے،

۴- تاریخ قیاصرۂ روم از آریلیوس وکٹر[5] جو ۳۶۰ء پر ختم ہوتی ہے،

۵- یونیپیوس[6] حکیم افلاطونی جدید (متوفی در حدود ۴۱۵ء) کی تاریخ جو ۲۷۰ء سے ۴۰۴ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے،

ان تمام کتابوں کے مصنفوں کو ایران کے ساتھ صرف وہیں تک دلچسپی ہے جہاں تک کہ اس کے تعلقات سلطنت روم کے ساتھ تھے، لہذا اُنھوں نے ایران کا ذکر صرف وہیں کیا ہے جہاں دونوں سلطنتوں کو ایک دوسرے سے واسطہ پڑا،

رومیوں کے ساتھ شاپور دوم کی لڑائیوں کے حالات کا اہم ترین مأخذ امیانوس مارسیلینوس[7] کی لاطینی تاریخ ہے جس کی اکتیس جلدوں میں سے اٹھارہ جو اب باقی ہیں (یعنی جلد ۱۴ تا ۳۱) ان میں ۳۵۳ء سے ۳۷۸ء تک کے واقعات درج ہیں، امیانوس نے جن لڑائیوں کی کیفیت بیان کی ہے ان میں وہ بذات خود موجود تھا، ۳۶۳ء میں جب رومیوں نے ایران پر فوج کشی کی تو اس میں وہ شریک تھا، اس واقعہ کی تفصیل بیان کرنے میں اس نے بہت سی اطلاعات جو نہایت اہم ہیں ایران اور اہلِ ایران کے متعلق دی ہیں، ایک اور لاطینی مؤرخ جو ۳۶۳ء کی لشکر کشی

---

[1] Aurelian عہد سلطنت ۲۷۰ء - ۲۷۵ء (مترجم)،

[2] (Flavius Vopiscus) [3] Eusebius (Bishop) of. Cæsarea

[4] Rufinus، [5] Aurelius Victor، لاطینی مؤرخ، [6] Eunapius،

[7] Ammianus Marcellinus، دیکھو اوپر ص ۳،

میں شریک تھا یُوٹروپیوس[1] ہے جو روم کی ایک مختصر تاریخ کا مصنّف ہے خطبات ومکتوبات لیبانیوس[2] (متوفی ۳۹۳ء) جو فنّ خطابت کا ماہر لیکن مشرک تھا اور راہب سول پی سیوس سیویروس[3] (متوفّی مابین ۴۲۰ء و ۴۲۵ء) کی تاریخ اس عہد میں ایران و روم کے باہمی تعلّقات کو جاننے کے لیے مفید مطلب ہیں،

ایک عالم مسیحی مسمّی تھیوڈور دو موپسوئشت[4] (متوفّی ۴۲۸ء) ہمارے لیے قابل توجّہ ہے بسبب اس بات کے کہ اُس نے زرتشتیوں کے زُروانی عقیدے کا ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ ہمیں فوٹیوس[5] نے دیا ہے، اس کے مرید تھیوڈورٹ[6] (متوفّی ۴۶۰ء) نے جو شہر کُرُس[7] کا پادری تھا اور پانچویں صدی کے نصف اوّل کے مذہبی مباحثوں میں مستعدی کے ساتھ حصّہ لیتا رہا یوسیبیوس کی تاریخ کلیسا کا ذیل لکھا ہے جس میں ۳۲۴ء سے ۴۲۹ء تک کے واقعات درج کیے ہیں، یہاں مناسب ہے کہ ہم یونانی زبان کے مؤرّخین کلیسا کی تصانیف کا بھی ذکر کریں جن میں مشرقی عیسائیت کے مذہبی مناقشات نیز ایران و روم کی دو بڑی سلطنتوں کے درمیان سیاسی اور مذہبی عداوتوں کا ذکر ہے، ان تصانیف میں ایک تو سقراط سکولاسٹیکوس[8] (متوفّی

[1] Eutropius، قسطنطین بزرگ کا سیکرٹری تھا، پھر قیصر جولین کی ملازمت میں رہا جس کی معیّت میں وہ ایران گیا، اس کی تاریخ روم بزبان لاطینی دس جلدوں میں تھی (مترجم)، [2] Libanius، انطاکیہ میں ۳۱۴ء میں پیدا ہوا، قسطنطنیہ میں مدّت العمر فن بلاغت اور ادب کی تعلیم دیتا رہا، اس کی سب تصانیف یونانی زبان میں تھیں، (مترجم)، [3] Sulpicius Severus، فرانس کا رہنے والا تھا اس کی اکثر تصانیف (بزبان لاطینی) تاریخ کلیسا پر ہیں (مترجم)،
[4] Theouore of Mopsuest موپسوئشت ایشیائے کوچک کے جنوبی علاقے میں ایک شہر کا نام تھا، (مترجم)، [5] Photius، قسطنطنیہ کا پادری تھا، نویں صدی میں گزرا ہے اور بہت سی کتابوں کا مصنّف ہے، (مترجم)، [6] Theodoret، [7] Cyrrhus، شام میں ایک شہر تھا جس کو سلوکیوں نے آباد کیا تھا، (مترجم)، [8] Socrates Scholasticus، قسطنطنیہ میں ۳۷۹ء میں پیدا ہوا، اس کی تاریخ کلیسا ۳۰۶ء سے ۴۳۹ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے اور سات جلدوں میں ہے (مترجم)،

۴۴۳ء) کی کتاب ہے ایک سوزومین[1] (متوفی بعد از ۴۴۳ء) کی تصنیف ہے، نیز یوآگریئوس[2] (متوفی بعد از ۶۰۰ء) کی کتاب اور اورُوسیوس[3] (قرن پنجم) کی کتاب موسوم بہ ردِّ کفار ہے جو عیسائیت کی حمایت میں لکھی گئی ہے اور اس میں تاریخِ عالم تا ۴۱۷ء درج ہے، ان کے علاوہ تاریخ قیاصرۂ روم (تا ۴۱۰ء) ہے جس کا مصنف زوسیموس[4] مشرک ہے اور ۵۰۰ء کے قریب لکھی گئی ہے، پرِسکوس[5] (متوفی ۴۷۱ء) نے ہمیں شاہ پیروز[6] کے عہد کے متعلق تاریخی اطلاعات دی ہیں،

پروکوپیوس[7] (قیساریہ کا رہنے والا) جو بیلی ساریوس[8] کے ساتھ فوجی مہموں میں شریک رہا ایک نہایت بلند پایہ مصنف ہے، اس کی تاریخ شاہ کواذ اول اور خسرو اول کے عہد کے حالات پر اہم ترین مآخذ میں سے ہے، اس میں بالخصوص ایرانیوں کے ساتھ جنگ کے واقعات، ایران کی اندرونی حالت اور نظامِ حکومت پر کارآمد باتیں ملتی ہیں،

---

[1] Sozomen، فلسطین کا رہنے والا تھا لیکن قسطنطنیہ میں مقیم تھا، اس کی تاریخ کلیسا جو آج موجود ہے نو جلدوں میں ہے (مترجم)، [2] Euagrius، [3] Orosius، ہسپین کا رہنے والا تھا، (مترجم)

[4] Zosimus، اس کی تاریخ چھ جلدوں میں ہے اور آج موجود ہے، وہ عیسائیت کا سخت مخالف ہے اور روم کے عیسائی بادشاہوں (قیاصرہ) پر سختی کے ساتھ نکتہ چینی کرتا ہے (مترجم)، [5] Priscus، تھریس کا رہنے والا تھا، اس کی تاریخ آٹھ جلدوں میں تھی جس کے صرف چند اجزا باقی ہیں (مترجم)

[6] پیروز یا فیروز انوشیرواں کا دادا ہے، عہد سلطنت ۴۵۹ء ـ ۴۸۴ء (مترجم)،

[7] Procopius، قیساریہ (فلسطین) کا رہنے والا تھا، ۵۰۰ء میں پیدا ہوا، قسطنطنیہ میں فنِ بلاغت و ادب کا پروفیسر تھا، بعد میں بڑے بڑے ملکی عہدوں پر مامور رہا، ۵۶۵ء میں فوت ہوا، (مترجم)، [8] Belisarius، قیصر جسٹینین Justinian کا قابل ترین سپہ سالار تھا جس نے ۵۳۴ء اور ۵۴۴ء کے درمیان ایشیا، افریقہ اور اٹلی میں نمایاں فتوحات حاصل کیں، ان مہموں میں پروکوپیوس اس کے سکرٹری کی حیثیت سے اس کے ساتھ رہا، ۵۶۵ء میں فوت ہوا، (مترجم)،

پیٹروس پیٹریسیوس[1] جس کو دربارِ قیصرِ روم کی طرف سے سیاسی سفیر بنا کر خسرو اوّل کے پاس بھیجا گیا تھا اور ۵۶۲ء کے صلح نامے کی شرائط پر اسی نے گفت و شنید کی تھی ایک تاریخی روئداد کا مصنّف ہے جس کے بعض اجزاء "اقتباساتِ سفارت نامہ ہا"[2] میں محفوظ ہیں،

پروکوپیوس کی تاریخ کو اگاتھیاس سکولاسٹیکوس[3] (متوفی ۵۸۲ء) نے آگے جاری رکھا، اس کی تاریخ مشتمل بر زمانِ حیات جسٹینین ایران کے تاریخی حالات کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ (جیسا کہ وہ خود کہتا ہے) منجملہ اور مآخذ کے اس نے تاریخ کی اُن کتابوں کو استعمال کیا ہے جو سرکاری طور پر لکھوائی گئی تھیں اور طیسفون میں قدیم کاغذات کے دفاتر میں محفوظ تھیں، اگاتھیاس کی درخواست پر سرجیوس[4] مترجم نے جس کو خسرو اوّل روم و ایران کا فاضل ترین مترجم مانتا تھا محافظین دفاتر سے التجا کی کہ یہ کتابیں اُسے دکھائیں، بعد ازآں اجازت لے کر اُس نے ان کتابوں میں سے شاہانِ ایران کے نام، ہر ایک کی مدّتِ سلطنت اور اہم ترین واقعات لکھ لیے، پھر ان سب چیزوں کا یونانی میں ترجمہ کر کے اگاتھیاس کو دے دیا، لیکن اگاتھیاس نے ساسانیوں کی تاریخ لکھنے میں اس کے علاوہ بیشک اور روایات سے بھی مدد لی ہے جو اُس نے دوسرے ذرائع سے حاصل کی تھیں، مثلاً اردشیر اوّل کے نسب اور اس کی جوانی کے زمانے کے حالات یقیناً اس نے کسی مقبولِ عام روایت سے

---

[1] Petrus Petricius، [2] Excerpta de legationibus،

[3] Agathias Scholasticus، ۵۳۶ء میں پیدا ہوا، قسطنطنیہ میں وکالت کا پیشہ کرتا تھا، اس کی تاریخ جو پانچ جلدوں میں ہے اور ۵۵۲ء سے ۵۵۸ء تک کے حالات پر مشتمل ہے آج موجود ہے، (مترجم)، [4] Sergius،

اخذ کیے ہیں، یہ صحیح ہے کہ دین زرتشتی کے متعلق اس کے بیانات اغلاط سے خالی نہیں تاہم ان سے ہمیں بعض قیمتی مطالب حاصل ہوتے ہیں،

ملالاس[1] (متوفی در حدود ۵۷۸ء) کی تاریخ سے ہمیں کم از کم مزدکیت کی تاریخ کے متعلق بعض دلچسپ باتوں کا پتہ چلتا ہے،

۵۵۸ء سے ۵۸۲ء تک کی تاریخ میناندر پروٹیکٹر[2] کے قلم کی مرہون منت ہے جو ساتویں صدی کے نصف اول میں گزرا ہے، ۵۸۲ء سے ۶۰۲ء تک کے حالات تھیوفی لیکٹس سموکٹا[3] (قرن ہفتم) نے اپنی تاریخ میں قلمبند کیے ہیں جس میں بعض قیمتی اطلاعات ایرانی آئین و آداب کے متعلق ملتی ہیں، تاریخ شاہان ساسانی جو سینکیلوس[4] (متوفی بعد از ۸۱۰ء) نے تالیف کی ہے تاریخ اگاتھیاس سے ماخوذ ہے،[5] خسرو دوم (پرویز) اور اس کے جانشینوں کی تاریخ کے عمدہ ماخذ میں سے ایک تو تھیوفنیس[6] (متوفی در حدود ۸۱۸ء) کی کتاب ہے اور ایک وہ جو تاریخ پاسکال[7] کہلاتی ہے اور نویں صدی کی تصنیف ہے، ان کے علاوہ ساسانی ایران کا ذکر کہیں کہیں اُن بازنتینی[8] مصنفین کی کتابوں میں آجاتا ہے جو زیادہ متأخر زمانے میں گزرے

---

[1] Malalas، اس کا پورا نام Joannes Malalas ہے، ملالاس کے معنے سریانی زبان میں "خطیب" کے ہیں، انطاکیہ کا رہنے والا تھا، وہ ایک تاریخ کا مصنف ہے جو ابتدائے آفرینش سے لے کر جسٹینین کے زمانے تک ہے، چھپ چکی ہے، (مترجم)،

[2] Menandre Protector، [3] Theophylactus Simocatta، مقیم قسطنطنیہ، قیصر ہرقل کی ملازمت میں تھا اور ۶۱۰ء سے ۶۲۹ء تک بڑے بڑے عہدوں پر مامور رہا، اس کی تاریخ آٹھ جلدوں میں ہے اور ایک سے زیادہ مرتبہ چھپ چکی ہے، (مترجم)،

[4] Synkellos، [5] دیکھو نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۴۰۰، [6] Theophanes، اس کی تاریخ (Chronicon) ۲۷۷ء سے ۸۱۱ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے اور موجود ہے، (مترجم)، [7] Chronicon Paschale، [8] Byzantine،

ہیں مثلاً نیکیفورس[1] جو سنہ ۸۰۶ء سے سنہ ۸۱۵ء تک قسطنطنیہ کا اسقف تھا اور کیڈرینوس[2] (قرن یازدہم) اور زونارس[3] (متوفی بعد از سنہ ۱۱۱۸ء) اور گلیکس[4] (قرن دوازدہم)،
عہد ساسانی کے یونانی اور لاطینی مصنّفین میں سے کچھ اقتباسات جن سے ایرانی مذہب پر روشنی پڑتی ہے پروفیسر ولیمز جیکسن[5] اور کلیمان[6] نے جمع کیے ہیں اور ان کا انگریزی ترجمہ مسٹر شرُوڈ فوکس[7] نے کیا ہے،

۴- ارمنی مآخذ

دورِ ساسانی میں آرمینیہ کی تاریخ کا سلطنت ایران کی تاریخ کے ساتھ نہایت گہرا لگاؤ رہا، لہذا آرمینیہ کے معاصر مؤرخین نہ صرف ہمیں شاہانِ ایران کے حالات کے متعلّق نہایت قیمتی اطلاعات دیتے ہیں خصوصاً جن حالتوں میں کہ ایران کو آرمینیہ سے سابقہ پڑا بلکہ عہد ساسانی میں ایران کے آئین و آداب، مذہب اور تمدّن کے بارے میں بھی بیشمار تفاصیل بیان کرتے ہیں،[8]

---

[1] Nicephorus، سنہ ۸۲۸ء میں مرا، اس کی تاریخ بائی زنٹیوم سنہ ۶۰۲ء سے سنہ ۷۷۰ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے، (مترجم)، [2] Kedrenos یا Cedrenus، اس کی تاریخ ابتدائے آفرینش سے سنہ ۱۰۵۷ء تک ہے، (مترجم)، [3] Zonaras، اس کی تصنیف اٹھارہ جلدوں میں ابتدائے آفرینش سے سنہ ۱۱۱۸ء تک کی تاریخ ہے، (مترجم)، [4] Glycas، اس کا پورا نام Michael Glycas ہے، وہ بھی زونارس کی طرح ایک تاریخ کا مؤلف ہے جو ابتدائے آفرینش سے سنہ ۱۱۱۸ء تک ہے، (مترجم)،
[5] A. V. Williams Jackson، دیکھو اس کی کتاب "حیاتِ زرتشت پیغمبر ایران قدیم" (نیویارک سنہ ۱۹۱۹ء) ص ۲۴۲ ببعد، [6] C. Clemen، "سرچشمہ ہائے تاریخ مذہب ایران" (بون سنہ ۱۹۲۰ء) ص ۶۹ ببعد، [7] مطبوعات کاما انسٹیٹیوٹ عدد ۱۴ (بمبئی)، مانویت کے متعلق یونانی اور لاطینی مآخذ کے لئے دیکھو آگے باب چہارم، [8] پاتکانیان۔ "تاریخ ساسانیان مبنی بر اطلاعات مأخوذ از مؤرخین ارمنی" (جواب مضمون در زبان روسی) اس کا فرانسیسی ترجمہ موسیو پرودوم (Prud'homme) نے مجلّۂ آسیائی (پیرس سنہ ۱۸۶۶ء) میں شائع کیا تھا، ارمنی تاریخ کی کتابوں میں سے جو زیادہ اہم ہیں وہ طبع ہو چکی ہیں،

تیرداد شاہ آرمینیہ[1] کے عہد کی تاریخ اور سینٹ گریگوری ملقب بہ "نور بخش"[2] کی دعوت و تبلیغ پر ایک کتاب ہے جو ایک شخص مسمّی اگاتھانگ (اگاتھانگلوس[3]) کی طرف منسوب کی جاتی ہے، اس کے متن کا ایک نسخہ یونانی زبان میں اور ایک ارمنی زبان میں ہے، اس کتاب کے کئی حصّے ہیں جو اصل میں ایک دوسرے سے بالکل بے تعلّق تھے لیکن ۴۵۶ء کے بعد ان کو یکجا کیا گیا[4]، اس کتاب میں سرزمین آرمینیہ میں عیسائیت کی ابتدا کے متعلّق افسانوی روایات جمع کی گئی ہیں اور سلطنت ساسانی کے ابتدائی دور کے متعلّق بھی کچھ اطّلاعات دی گئی ہیں[5]، اسی طرح سینٹ نرسس[6] کی سوانح عمری جس کے مصنّف کا نام معلوم نہیں ایک قدیم (ارمنی) کتاب ہے[7] جو انھی مطالب کے لئے قابل توجّہ ہے، "تاریخ تارَوْن" (جو آرمینیہ کا ایک صوبہ ہے) شام کے ایک پادری مسمّی زینوب[8] نے لکھی ہے اور سینٹ گریگوری کے زمانے سے بحث کرتی ہے[9]، لیکن وہ پایۂ اعتبار سے گری ہوئی ہے، اس کا ذیل یوحنّا ماميکونی[10] نے لکھا ہے[11]،

---

[1] تیرداد شاہ آرمینیہ کا عہد سلطنت ۲۸۶ء سے ۳۱۴ء تک ہے، (مترجم)،

[2] Saint Gregory the Illuminator جس کی دعوت و تبلیغ سے تیرداد نے عیسائی مذہب قبول کیا، (مترجم)، [3] Agathange (Agathangelos) [4] دیکھو گوٹ شمٹ (Gutschmid) "نوشتہ ہائے کوچک" (Kleine Schriften) ج ۳ ص ۳۹۴ ببعد، اگاتھانگ ارمنی کی کتاب ناقدانہ تصحیح کے ساتھ تیر مکرتیچیان اور کانایانس (Ter-Mkrtitschian and Kanayeans) نے شائع کی ہے (تفلیس ۱۹۰۹ء)، [5] کتاب مذکور کا یونانی متن دولاگارد (de Lagarde) نے طبع کرایا تھا، (گوٹنگن ۱۸۸۷ء) اور ارمنی متن کی اڈیشن وینس میں چھپی تھی (۱۸۶۲ء)، فرانسیسی ترجمہ از موسیو لانگلوا (Langlois) در "سلسلۂ تصانیف مؤرخین ارمنی" (ج ۱ ص ۱۰۵ ببعد)، [6] St. Nerses. جس کو سینٹ نرسس اعظم (St. Nerses the Great) کہا جاتا ہے آرمینیہ کے عیسائی اولیا میں سب سے مشہور ہے (مترجم)، [7] وینس میں چھپی (۱۸۵۳ء)، ترجمہ فرانسیسی از لانگلوا (ج ۲ ص ۲۱ ببعد)، [8] Zenob. [9] طبع وینس (۱۸۳۲ء)، ترجمہ فرانسیسی از لانگلوا (ج ۱ ص ۳۳۷ ببعد)، [10] John the Mamikonian. خاندان ماميکون کے متعلق دیکھو اوپر، ص ۱۹، (مترجم)،

[11] وینس میں طبع ہوئی (۱۸۳۲ء)، ترجمہ فرانسیسی از لانگلوا (ج ۱ ص ۳۶۱ ببعد)،

فاؤستوس بازنتینی[1] کی تاریخ جو پانچویں صدی کے نصف اوّل میں تالیف ہوئی اور تقریباً سنہ ۳۲۰ء سے سنہ ۳۸۵ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے[2] قرنِ چہارم میں ایران کی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے لیے ایک حد تک مفید ہے ،

ازنیک کولبی[3] نے سنہ ۴۴۵ء اور سنہ ۴۴۸ء کے درمیان اپنی کتاب موسوم بہ "ردِّ مذاہب" لکھی جس میں اُس زمانے کے زرتشتی عقاید کے متعلق مفید معلومات ہیں[4] ،

پانچویں صدی عیسوی میں دو اہم تاریخی کتابیں (بزبان ارمنی) لکھی گئیں ، ایک تو ایلیزے وارداپت[5] کی تصنیف ہے جس کا نام "تاریخ وردان[6] و جنگ ارمنیان" ہے ، اس میں سنہ ۴۳۹ء سے سنہ ۴۵۱ء تک کے واقعات لکھے گئے ہیں ، اس کتاب میں اگرچہ بیحد تعصب دکھایا گیا ہے تاہم سلطنت ایران اور اس کی سیاسی اور مذہبی تشکیلات کے جاننے کے لیے اس کی اہمیت اس تعصب کی وجہ سے کم نہیں ہوئی[7] ، دوسری کتاب

---

[1] Faustus of Byzantium. بائی زنیٹوم قسطنطنیہ کا پُرانا نام تھا ، قیصر قسطنطین بزرگ (سنہ ۳۰۶ – سنہ ۳۳۷ء) کے نام پر اس کا نام بدلا گیا ، فاؤستوس خود ارمنی تھا لیکن اس نے تاریخ آرمینیہ یونانی زبان میں لکھی ہے (مترجم)

[2] وینس میں طبع ہوئی (سنہ ۱۸۳۲ء و سنہ ۱۸۸۹ء) ، دوبارہ پطرز بورغ میں (بہ تصحیح پاتکانیان سنہ ۱۸۸۳ء) ترجمہ فرانسیسی از لانگلوا (ج ۱ ص ۲۰۹ ببعد) ، جرمن ترجمہ از لاؤر (Lauer) کولون سنہ ۱۸۷۹ء ، نیز دیکھو پیٹرز (Peeters) : "بلجیم کی رائل اکیڈمی کے ادبی رسالوں میں سے اقتباسات" (سلسلہ پنجم ج ۱۷ ، سنہ ۱۹۳۱ء ص ۱۶ ببعد) ،

[3] Eznik of Kolb. [4] مطبوعہ وینس (سنہ ۱۸۲۶ء) ، طبع ثانی سنہ ۱۹۱۴ء ، فرانسیسی ترجمہ از وایان دو فلوریوال (Le Vaillant de Florival) پیرس سنہ ۱۸۵۳ء نیز از لانگلوا (ج ۲ ص ۳۷۵ ببعد) جرمن ترجمہ از شمٹ (J. M. Schmid) ویانا سنہ ۱۹۰۰ء ، کتاب موسوم بہ (Le De Deo d'Eznik de Kolb) از ماری ایس (Maries) پیرس سنہ ۱۹۲۴ء ،

[5] Elisee Vardapet. [6] Vardan. خاندان مامیکون سے تعلق رکھتا تھا ، جب یزدگرد دوم (سنہ ۴۴۰ء – سنہ ۴۵۷ء) نے اہل آرمینیہ کو بزور شمشیر زرتشتی بنانا چاہا تو وردان نے تقریباً ایک لاکھ ارمنیوں کو (جو عیسائی ہو چکے تھے) جمع کر کے اس کا مقابلہ کیا اور کئی سال تک لڑتا رہا لیکن آخر ایک لڑائی میں مارا گیا ، (مترجم)

[7] مطبوعہ وینس سنہ ۱۸۵۹ء ، دوبارہ بتصحیح میکائیل پورتوگال (Michæl Porthugal) سنہ ۱۹۰۳ء ، ترجمہ لانگلوا (ج ۲ ، ص ۱۷۷ ببعد) ، اکینیان (P. N. Akinian) "وارداپت اور اس کی تاریخ جنگ ارمنیان" (بزبان جرمن) ویانا سنہ ۱۹۳۲ء ،

لازار فرپی[1] کی تاریخ آرمینیہ ہے جو ۳۸۸ء سے ۴۸۵ء تک کے واقعات بیان کرتی ہے[2]
یہ کتاب ایک ممتاز مؤرّخ کی تصنیف ہے جس کی تحریر میں انصاف اور غیر جانبداری نمایاں ہے[4]،
ایران پر ہرقل کے حملوں کی تاریخ جو سیبیوس[3] نے لکھی ہے عہد شاہ پیروز[4] سے لے کر
۶۹۱ء تک کے واقعات کو اختصار کے ساتھ بیان کرتی ہے لیکن سلطنت ایران کی آخری
نصف صدی کے حالات اور عربوں کی حکومت کے آغاز کو اس میں زیادہ تفصیل کے
ساتھ لکھا گیا ہے[5]۔

تاریخ آرمینیہ منسوب بہ موسٰی خورینی[6] بظاہر نویں صدی کی تصنیف ہے جس میں ساسانی
ایران کی تاریخ کے متعلّق بہت سی دلچسپ باتیں مذکور ہیں[7]، اس تاریخ کے ساتھ ایک مختصر
سا ضمیمہ ملحق کیا گیا ہے جس میں مملکت ساسانی کی مختلف ولایتوں اور صوبوں کا حال ہے،
یہ ضمیمہ بہت بڑی اہمیّت رکھتا ہے، موسٰی خورینی کے اس جغرافیائی ضمیمے کی آخری اشاعت
وہ ہے جس کو مارکوارٹ[8] نے جرمن ترجمے کے ساتھ بہ عنوان "ایرانشہر از روی جغرافیۂ
موسٰی خورینی" طبع کرایا ہے، فاضل جرمن مؤلّف نے اپنی اس اشاعت میں جو مفصّل
ناقدانہ حواشی اور تاریخی اور جغرافیائی مباحث اضافہ کیے ہیں ان کی وجہ سے یہ اشاعت اُن

---

[1] Lazare of Pharp. ، [2] مطبوعہ وینس (۱۸۷۳ء) مطبوعہ تفلیس ۱۹۰۴ء، ترجمہ لانگلوا (۲، ص ۲۵۹ بعد)، [3] Sebeos [4] ۴۵۹ء سے ۴۸۴ء، [5] اشاعت بتصحیح پاتکانیان (پطرز بورغ ۱۸۷۹ء)، [6] Moses of Khorene. [7] مطبوعہ وینس ۱۸۶۵ء، دوبارہ بتصحیح و تنقید آبیلیان و ہروتھیونیان (Abelian and Haruthiunian) تفلیس ۱۹۱۳ء، ترجمہ لانگلوا (۲، ص ۵۳ بعد) "نقلی موسٰی" کے زمانۂ حیات کے متعلق دیکھو مارکوارٹ کی کتاب "تحقیقات دربارۂ ایران" (بزبان جرمن) ج ۲ ص ۲۳۵، نیز (Caucasica) ۱۹۳۰ء ص ۱۰-۷۷، اکینیان کا مضمون ویانا کے علوم مشرقی کے رسالے میں، (۱۹۳۰ء ص ۲۰۴ بعد)، ملاکر (Mlaker) آرمینیا کا (Armeniaca) ۱۹۲۶ء ص ۱۲۲، اور "ویانا کا رسالۂ علوم مشرقی" ۱۹۳۵ء ص ۲۶۷ - ۲۶۸،
[8] Marquart.

لوگوں کے لئے جو عہد ساسانی کا مطالعہ کرنا چاہیں معلومات کا ایک گنجینہ بن گئی ہے ،

عہد ساسانی کی تاریخ پر جو (ارمنی) کتابیں کمتر درجے کی اہمیت رکھتی ہیں اُن میں لیوونڈ (یا گیوونڈ)[1] کی تاریخِ حملۂ عرب (تألیف قرن ہشتم) قابلِ ذکر ہے ، اس کے علاوہ اُن مؤرخین کی تصانیف جو زیادہ مؤخر زمانے میں گزرے ہیں مثلاً تاریخ آرمینیہ از طامس اَرتسرونی[2] (قرن دہم) ، تاریخ آلبان[3] از موسٰی کلن کٹوسی[4] (قرن دہم) ، تاریخ آرمینیہ از اسولیک[5] (قرن یازدہم) ، میکائیل سریانی کی تاریخ کا ترجمہ بزبان ارمنی (قرن دوازدہم) وغیرہ مفید مطلب ہیں ، پاتکانیان نے اپنے اُس جواب مضمون میں جس کا اوپر ذکر ہُوا ان تمام کتابوں سے استفادہ کیا ہے ،

---

۵ - سریانی مآخذ

سریانی زبان میں عیسائی مذہب کی کتابیں ہمارے لیے عہد ساسانی کی تاریخ کے نہایت قیمتی مآخذ ہیں ، ان میں سب سے پہلے تو چند تاریخ کی کتابیں ہیں جن میں کم از کم چار ایسی ہیں جو معاصر مصنّفین کی لکھی ہوئی ہیں ، وہ یہ ہیں :-

۱ - تاریخ کی وہ کتاب جس کو غلطی سے جوشوا اسٹائی لائٹ[6] کی طرف منسوب کیا جاتا

---

[1] Ghevond. Levond,

[2] Thomas Artsruni. ، ترجمۂ فرانسیسی از موسیو بروسے (Brosset) پطرزبورغ سنہ ۱۸۷۴ء

[3] Albans. یعنی ساکنانِ البانیا ،

[4] Moses Kalankatvasi.

[5] Asolik.

[6] Joshua the Stylite.

ہے[1]، وہ تقریباً سنہ ۵۰۸ء میں لکھی گئی اور سنہ ۴۹۴ء سے سنہ ۵۰۶ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے، شاہ کواذ اوّل کے عہدِ سلطنت کے نصفِ اوّل کی تاریخ کے لئے وہ اہم ترین مآخذ میں سے ہے، مقدّمے کے ابواب میں زمانۂ ماقبل کی تاریخ کو شاہ پیروز کے عہد سے شروع کر کے خلاصے کے طور پر دُہرا دیا گیا ہے،

۲- تاریخ اڈیسہ[2] یعنی شہر الرُّہا کی تاریخ جو سنہ ۵۴۰ء کے بعد کی تصنیف ہے، وہ سنہ ۱۳۲ قبل مسیح سے سنہ ۵۴۰ء تک کی تاریخ ہے، اس کے مآخذ میں منجملہ اور کتابوں کے ایک تاریخ ایران بھی تھی جو آج موجود نہیں ہے،

۳- تاریخ اربیلا (یا اربل) جس کی تاریخ تصنیف چھٹی صدی کا وسط ہے، اس کا موضوع سوبۂ اربل میں عیسائیت کی تاریخ ہے جو دوسری صدی سے شروع کر کے سنہ ۵۵۰ء کے قریب ختم کی گئی ہے، موسیو پال پیٹرز[3] کے نزدیک اس کتاب کے معتبر ہونے میں بہت شبہ کی گنجائش ہے[4]،

۴- تاریخ مختصر جس کو گوئیڈی نے شائع کیا ہے[5]، اس کے مصنّف کا نام معلوم

---

[1] سریانی متن مع انگریزی ترجمہ پروفیسر رائٹ (Wright) نے شائع کیا تھا (کیمبرج سنہ ۱۸۸۲ء)، دیکھو کرسٹن سین: "عہد شاہ کواذ اوّل" ص ۵ بعد، نیز دیکھو ابّے نو (Abbe'Nau) کا مضمون در "تتمۂ مشرقِ نصرانی" (بابت سنہ ۱۸۹۷ء) اور دووال (Duval) کی کتاب ادبیات سریانی (طبع دوم ص ۱۸۸)،

[2] Edessa. متن مع تنقیدی مقالہ (بزبان جرمن) مطبوعہ در سلسلۂ "متون و انتقادات" (ج ۹ لیپزگ سنہ ۱۸۹۲ء) طبع جدید از گوئیڈی (Guidi) مع ترجمہ لاطینی (پیرس سنہ ۱۹۰۳ء)،

[3] Paul Peeters. [4] دیکھو منگانا (Mingana): "مآخذ سریانی" (ص ۷-۱۱ از مقدّمہ و ص ۱-۱۵۹)، سخاؤ: "تاریخ اربیلا" (بزبان جرمن) در روئداد پرشین اکیڈیمی" (سنہ ۱۹۱۵ء نمبر ۶)، ہارناک (Harnack) کتاب موسوم بہ "تبلیغ و اشاعت نصرانیت" (بزبان جرمن) طبع چہارم، ج ۲ (لیپزگ سنہ ۱۹۲۴ء) ص ۶۸۳ بعد، پیٹرز: (Analecta Bollandiana) ج ۴۳، ص ۲۶۳، ۳۰۲ بعد، [5] گوئیڈی (Guidi) نے اس کا متن "انجمن مستشرقین بین الاقوامی" کے آٹھویں اجلاس (منعقدہ سٹاک ہالم سنہ ۱۸۸۹ء) کی روئداد میں شائع کیا تھا اور نولڈکہ نے تاریخی اور تنقیدی حاشیوں کے ساتھ اس کا ترجمہ "ویانا اکیڈیمی" کی روئداد میں طبع کرایا تھا (سنہ ۱۸۹۳ء)،

نہیں لیکن وہ سنہ ۶۷۰ء سے کچھ عرصہ بعد لکھی گئی تھی، اس میں شاہ ہرمزد چہارم کی وفات (واقع در سنہ ۵۹۰ء) کے بعد کے واقعات ایک عمدہ مأخذ کی روایت سے لکھے گئے ہیں، لیکن آگے چل کر وہ واقعات بیان ہوئے ہیں جن کو مصنّف نے بچشم خود دیکھا تا بعد از اختتامِ عہد ساسانی،

ان کتابوں کے علاوہ تاریخ الیاس نصیبینی[1] ہے جو سنہ ۱۰۰۸ء کی تصنیف ہے، مقدّمے کے طور پر اس میں سنین کی جدولیں دی گئی ہیں جن میں سے شاہانِ ساسانی کی جدول کو موسیو لامی[2] طبع کر چکا ہے[3] اور پوری کتاب کو مع ترجمہ لاطینی بروکس اور شابو[4] نے شائع کیا ہے[5]،

ایک اور اہم تاریخ میکائیل سریانی کی کتاب ہے جو انطاکیہ کا بطریق تھا، (سنہ ۱۱۶۶ء - سنہ ۱۱۹۹ء)[6]،

گریگوری بار ہبریس[7] (ابو الفرج) نے جس کی وفات سنہ ۱۲۸۶ء میں ہوئی تاریخ کی دو کتابیں لکھی ہیں ایک تاریخ سریانی اور دوسری تاریخ کلیسا، میکائیل سریانی کی کتاب اس کے متقدّم ترین مآخذ میں سے تھی[8]، اس کی عربی تاریخ (مختصر الدّول)[9]

---

[1] Elias. نصیبین کا اسقفِ اعظم تھا، (مترجم)، [2] Lamy. [3] برٹلز سنہ ۱۸۸۸ء،
[4] Brooks and Chabot. [5] " مجموعۂ تصانیف مسیحیانِ مشرق : تصانیف سریانی" (سلسلہ سوم، ج ۷ - ۸)، [6] متن مع ترجمہ فرانسیسی از موسیو شابو درچہار مجلّد (پیرس ۱۸۹۹ء - سنہ ۱۹۱۰ء)، [7] Gregory Barhebræus. [8] تاریخ سریانی کا متن بیجن (Bedjan) نے شائع کیا تھا (پیرس سنہ ۱۸۹۰ء) اور تاریخ کلیسا کو ابیلوس (Abbeloos) اور لامی نے تین جلدوں میں طبع کرایا تھا (لووین سنہ ۱۸۷۲ء - سنہ ۱۸۷۷ء)، مصنّف - اس کا سریانی متن مع انگریزی ترجمہ سر والس بج (Sir Wallis Budge) نے دو جلدوں میں شائع کیا ہے (آکسفورڈ سنہ ۱۹۳۲ء) مترجم،
[9] طبع صالحانی (بیروت سنہ ۱۸۹۰ء)،

تاریخ سریانی ہی کی تبدیل شدہ صورت ہے ،

عہد ساسانی میں ایران کے اندر عیسائیت کی تاریخ کو جاننے کے لیے کتب ذیل کی طرف رجوع کرنا چاہیئے :- (۱) روئداد ہائے مجالس کلیسائی[۱] (۲) ٹامس مرگائی کی کتاب الولاۃ[۲] جو ۸۴۰ء میں لکھی گئی ، اس میں شاہان ایران کے ساتھ فرقۂ نسطوری[۳] کے تعلقات بتلائے گئے ہیں اور قیصر ہرقل اور شاہ خسرو دوم (پرویز) کے زمانے کے حالات ہیں ، (۳) تراجم بطارقۂ نسطوری جس میں ماز ابہا اوّل ، سبرلیشوع ، دنخا ، یہبلاہا ثالث[۴] اور ربّان ہرمزد[۵] کے حالاتِ زندگی ہیں ،

تاریخ ایران کا ایک اور نہایت اہم مأخذ وقائع شہدائے ایران[۶] ہے جو نہ صرف ایران میں عیسائیوں پر مظالم کے حالات بیان کرتی ہے بلکہ مجموعی طور پر عہد ساسانی کے تمدّن کی کیفیت بھی پیش کرتی ہے ،

سریانی زبان میں دینیات کی کتابیں جو ایران میں عیسائیوں کی حالت پر روشنی ڈالتی ہیں ان میں مواعظِ افرات[۷] کا ذکر کرنا ضروری ہے جو در اصل ساسانیوں کے "مجموعۂ قوانین[۸]" کی سریانی اشاعت ہے ،

---

[۱] Acts of the Councils. اشاعتِ دو لاگارڈ (de Lagarde) ویانا ۱۸۵۶ء ،
[۲] The Book of Governors. متن سریانی و ترجمۂ انگریزی از والس بج (Walhs Budge) در دو جلد (لنڈن ۱۸۹۳ء) ، [۳] Nestorian. [۴] بیجن (Bedjan) "تاریخِ ماریہبلا و سہ بطارقۂ دیگر" (پیرس ۱۸۹۵ء) ، [۵] "تاریخ ربّان ہرمزد ایرانی" متن و ترجمۂ انگریزی از والس بج (لیوزک اینڈ کمپنی لنڈن) [۶] طبع ایسمانی (Assemani) ج ۱ ، روما ۱۷۴۸ء ، جلد دوم و چہارم طبع بیجن پیرس ۱۸۹۱ء ، ۱۸۹۴ء ، ہوفمن (Hoffmann) "اقتباسات از وقائع شہدائے ایران بزبان سریانی" مع حواشی بسیار مفید (لیپزگ ۱۸۸۰ء) برون (Braun) : "منتخب وقائع شہدائے ایران" (میونشن ۱۹۱۵ء) وغیرہ ، [۷] طبع پریسو (Parisot) پیرس ۱۸۹۴ء ، جرمن ترجمہ از برٹ مطبوعۂ درسلسلۂ "متون و انتقادات" ج ۳ (لیپزگ ۱۸۸۸ء) ، [۸] دیکھو اوپر ص ۶۷ ،

ان کے علاوہ بعض مناظرہ و مباحثہ کی کتابیں ہیں جو ہمیں اُن مذہبی عقاید سے واقف کرتی ہیں جو اس زمانے میں ایران اور مغربی ایشیا میں مروّج تھے، مثلاً "مناظرۂ آذرہرمزد و اناہید با موبدان موبد"[1] جو یقیناً عصر ساسانی کی تصنیف ہے اور "حواشیِ تھیوڈور بار کونائی" جو غالباً ۸۰۰ء کے قریب لکھی گئی، اس کی گیارھویں جلد میں نہایت اختصار کے ساتھ عرفانیوں کے عقاید کا ذکر ہے لیکن زرتشتی اور مانوی عقیدوں کو اس میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے[2]، مانویت کے متعلق اس کے علاوہ بعض اور تفاصیل سیویروس[3] (بطریق انطاکیہ از ۵۱۲ء تا ۵۱۸ء) کے ایک سو تیئیسویں خطبے کے سریانی ترجموں میں ملتی ہیں، اس خطبے کا اصلی متن تلف ہو چکا ہے[4]،

۶ - چینی مآخذ

بدھ مذہب کے زائر اور چینی سیاح ہیوئن سیانگ نے (جس نے ۶۲۹ء ۶۳۰ء میں سیاحت کی) اپنے سفرنامے میں اُس زمانے کے ایران کے متعلق

[1] دیکھو نولڈکہ کا مضمون بہ عنوان "مناظرہ سریانی با مذہب ایرانی"، مجموعہ مضامین بیادگار روٹ (Roth) ص ۳۵ ببعد، [2] پونیون (Pognon) "کتیبہ ہائے مندائی در پیالہ ہائے خوابر" (بزبان فرانسیسی)، پیرس ۱۸۹۸ء، ص ۱۰۵ — ۲۳۲، کیومون (Cumont) "تحقیقات در بارۂ مانویت" (فرانسیسی) برسلز ۱۹۰۸ء، ص ۱ — ۸۰، بین ونِشت کا مضمون در رسالۂ "مشرقی دنیا" (Monde Orientale) ۱۹۳۲ء ص ۱۷۰ — ۲۱۵، [3] Severus. [4] کیومون: "تحقیقات در بارۂ مانویت" (برسلز ۱۹۰۸ء) ص ۸۳ — ۱۲۲،

ایک جگہ مختصر سا ذکر کیا ہے، یہ واضح رہے کہ وہ خود ایران نہیں گیا بلکہ وہاں کے حالات اور وہاں کے لوگوں کے متعلق جو کچھ اُس نے سُنا اس کو قلمبند کیا ہے[1]

نولڈکہ نے ترجمۂ تاریخِ طبری کے ضمیمے میں[2] شاہانِ ساسانی کے عہد کے واقعات مشرقی اور مغربی مآخذ اور مسکوکات سے اخذ کر کے تاریخ وار ثبت کر دئے ہیں، اس ضمیمے کے آخر میں اُس نے ساسانیوں کا شجرۂ نسب دیا ہے جس میں ہرتسفلٹ[3] نے اُن اطلاعات کی روشنی میں جو اُس نے کتبۂ پای کُلی سے حاصل کی ہیں بعض دُرستیاں کی ہیں[4]،

---

[1] - دیکھو ترجمۂ سفرنامۂ ہیون سیانگ بزبان انگریزی از بیل (Beal) موسوم بہ "دنیائے مغرب میں بدھائی آثار" ج ۲ (لنڈن ۱۹۰۶ء)، ص ۲۷۷ - ۲۷۹، نیز رسالہ بہ عنوان Iranica. از شیدڑ (Schæder) از جملہ رسائل انجمن علمی درگوٹنگن (۱۹۳۴ء)، ص ۵۴،

[2] کتاب مذکور ص ۴۰۰ ببعد، [3] Herzfeld.،

[4] پائی کلی ص ۵۱،

باب اوّل

خاندان ساسانی کی تاسیس

فارس درزمان سلوکیاں واشکانیان — بازرنگیان و خاندان ساسانی - پابگ اور اس کے بیٹوں کی بغاوت — اردشیر کی فتوحات اور خاندانِ اشکانی کا خاتمہ۔ اردشیر کی تاجپوشی کا کتبہ — شہر اصطخر — فیروزآباد کا محل اور آتشکدہ — حیرہ اور غسان کی ریاستیں — اردشیر کی شخصیت — اردشیر افسانوں میں —

سلوکیوں اور اشکانیوں کے زمانے میں فارس کے تاریخی حالات بہت کم معلوم ہیں، بعض سکّے جو وہاں پائے گئے ہیں[1] اُن سے چند بادشاہوں کے نام ہمارے علم میں

---

[1] لیوی (Levy) :- "رسالۂ انجمن مشرقی المانی" (Z. D. M. G.) ج ۲۱ ص ۴۳۰ بعد، موردٹمن (Mordtmann) : "مجلّۂ مسکوکات" (بزبان جرمن) ج ۴ ص ۱۵۲ بعد و ج ۷ ص ۴۰ بعد، گوٹشمٹ (Gutschmid) : "تاریخ ایران" (جرمن) ص ۱۵۷ بعد، یُوسٹی (Justi) گرُونڈرِش (Grundriss) ج ۲ ص ۴۸۶ بعد، الوت دولافوئی (Allotte de la Fuye) : "مطالعۂ مسکوکات فارس" در رسالۂ آسیائی (فرانسیسی) ۱۹۰۶ء ص ۵۷۷ بعد، مورگن (Morgan) : "روئداد اجلاس ہائے اکادمی کتبہ ہا و ادبیات" (فرانسیسی) ۱۹۲۰ء ص ۱۳۴ بعد، ہِل (Hill) : "فہرست مسکوکات یونانی درعرب، بین النہرین و ایران" (لنڈن ۱۹۲۲ء)، ہرٹسفلٹ : پای کُلی ص ۶۸ بعد،

آئے ہیں لیکن یہ ممکن نہیں ہوسکا کہ ہر ایک کا عہدِ سلطنت یقین کے ساتھ تاریخ وار معین کیا جاسکے، ان میں سے بعض تو ہخامنشی بادشاہوں کے ہم نام ہیں مثلاً اَرتخشتر یا داریاوَہ (داریوش) اور بعضوں کے نام قدیم ایرانی اساطیر سے لیے گئے ہیں مثلاً منُوچِتر (منوچہر) جو اوستا کے ایک یَشت میں افسانوی بادشاہ کی حیثیت سے مذکور ہے، ان سکّوں پر جو نام یا تصاویر دیکھنے میں آتی ہیں اُن سے اُس دیانتداری کا ثبوت ملتا ہے جس کے ساتھ قدیم روایات اس صوبے میں (جو عہدِ قدیم میں ہخامنشیوں کا مہد سلطنت تھا) محفوظ رہی ہیں،

جہاں تک معلوم ہوسکا ہے فارس کے فرمانرواؤں کا پہلا سلسلہ (یہ سلسلے تعداد میں چار ہیں) تیسری صدی قبل مسیح میں سلوکیوں کے ماتحت حکومت کررہا تھا، ان کا لقب فرَتَرک[1] تھا جس کے معنی والی یا گورنر کے ہیں، ان کے سکّوں پر (جن پر آرامی حروف منقوش ہیں) سامنے کی جانب بادشاہ کی تصویر ہے اور پُشت کی جانب بادشاہ کو تخت پر بیٹھے ہوئے دکھایا گیا ہے کہ ہاتھ میں جھنڈا لیے ہوئے ہے جو بالکل اُس جھنڈے سے مشابہ ہے جو "جنگِ سکندر" کی مشہور پچی کاری کی تصویر میں دکھایا گیا ہے[2]، بعض سکوں پر اس کو معبد یا آتشگاہ کے سامنے استادہ دکھایا گیا ہے اور اس کے پہلو میں وہی جھنڈا ہے، شاہ وات فرَوات اوّل کے سکّوں پر اوہرمزد

[1] آنڈریاس نے اس لفظ کو اسی طرح پڑھا ہے (دیکھو "روزنامۂ کتبہ ہائے سامی" بزبان جرمن، ج ۲ ص ۲۱۳، و "صرف و نحو پہلوی قدیم" از مے یے و بین ونِشت ص ۱۵۹) لیکن ہرتسفلٹ نے اس کو فرَتَدار پڑھا ہے، [2] یہ مشہور تصویر شہر پومپیائی کے کھنڈرات میں کسی دیوار پر بنی ہوئی پائی گئی ہے جس میں سکندر و دارا کی جنگ دکھائی گئی ہے۔ اس کے فوٹو تاریخ کی کتابوں میں جابجا دیے ہوئے ہیں (مترجم)، درفش کاویانی کا حال دیکھو آگے باب دہم میں،

کی تصویر دیکھنے میں آتی ہے جس کو آتش گاہ کے اوپر ہوا میں معلق دکھایا گیا ہے، ان فرترکو (یعنی والیانِ فارس) میں سے ایک کا نام وُہُوبُرز ہے جو غالباً وہی اوبُرزوس[۱] ہے جس نے (تیسری صدی قبل مسیح میں) فارس میں مقدونیوں کی محافظ فوج کا قتلِ عام کرایا تھا[۲]، دوسری صدی قبل مسیح میں فارس کے دو فرمانرواؤں کا حال معلوم ہوا ہے جن کو شاہانِ فارس کا دوسرا سلسلہ کہنا چاہئیے، ان کے سکّوں پر اُسی طرح آتش گاہ اور جھنڈے کی تصویر دکھائی گئی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ جھنڈے کے اوپر ایک پرندہ (شاید عقاب) بنایا گیا ہے، ان فرمانرواؤں نے (جیسا کہ بعد کے تمام والیانِ فارس نے کیا) "شاہ[۳]" کا لقب اختیار کر رکھا تھا، سلسلۂ سوم کے تین بادشاہ ہیں جو پہلی صدی قبل مسیح میں ہوئے ہیں، ان کے سکّوں پر پُشت کی جانب بادشاہ کو ایک چھوٹے سے اٹھاؤ آتشدان کے آگے عبادت کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے سلسلۂ چہارم پہلی صدی قبل مسیح اور تیسری صدی عیسوی کے درمیان حکمران رہا، ان بادشاہوں کے سکّوں پر بالعموم پشت کی جانب بادشاہ کی تصویر ہوتی ہے جس کا داہنا ہاتھ دراز ہوتا ہے اور اس کے سامنے ہلال اور ستارے کی شکل بنی ہوتی ہے،

تیسری صدی عیسوی میں فارس کے اندر جو بدنظمی پھیلی اس سے اُشکانیوں کی طاقت کے انحطاط کا اندازہ ہوتا ہے[۴]، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر شہر میں جو ذرا سی بھی ہمت

---

[۱] Oborzos، [۲] تاریخ گوٹ شمٹ ص ۲۸، ہرتسفلٹ: پای کُلی ص ۶۹، [۳] بقول سٹریبو (Strabo جغرافیہ دانِ یونانی) اہلِ فارس کے اپنے علیحدہ بادشاہ تھے لیکن اُن کے اختیارات کچھ نہیں تھے بلکہ پارتھی یعنی اشکانی بادشاہوں کے ماتحت تھے، (جغرافیہ سٹریبو ج ۱۵ ص ۳ س ۳ د س ۲۴، [۴] سنہ ۱۹۶ء کے قریب شاہ بدولاگاسس (بلاش) چہارم نے فارس میں ایک نہایت خطرناک بغاوت کو فرد کیا تھا، دیکھو اس کا بیان تاریخ اربیلا میں، اس حصّے کا ترجمہ مارکوارٹ (Markwart) نے "فہرست پایہ تخت ہائے صوبجات ایران" (طبع میسنا) میں کیا ہے، ص ۹۲-۹۳،

رکھتا تھا ایک چھوٹا سا خود مختار بادشاہ حکومت کر رہا تھا، ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں سب سے زیادہ اہم اصطخر کی ریاست تھی جو فارس کے قدیم بادشاہوں کا پایہ تخت تھا، اس زمانے میں یہ شہر ایک شخص گوچہر نامی کے قبضے میں تھا جو باذرنگی خاندان سے تھا اور غالباً اُس گوچہر کی اولاد میں سے تھا جو پہلی صدی عیسوی میں گزرا ہے اور جس نے اپنے بھائی اَرتخشتر کو مروا دیا تھا[۱]، اسی طرح چھوٹے چھوٹے مقامی بادشاہوں کے خاندان گوپانان (علاقۂ دارابجرد) اور کونُس (؟) اور لَرْوِیر (؟) میں حکومت کر رہے تھے۔ ان جگہوں کے نام طبری کے ہاں مذکور ہیں[۲] لیکن ان کا صحیح تلفّظ معلوم نہیں ہوسکا، بایں ہمہ اس میں کوئی شک نہیں کہ طبری کا بیان کسی معتبر روایت سے ماخوذ ہے،

ساسان جو ایک اونچے گھرانے کا آدمی تھا اور جس کی شادی باذرنگی خاندان میں ہوئی تھی[۳] اصطخر میں اناہیذ (اناہیتا) کے معبد کا رئیس تھا، اس کے بعد اس کا بیٹا پابگ اس کا جانشین ہوا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پابگ نے باذرنگی خاندان کے ساتھ اپنے رشتے کا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنے بیٹوں میں سے (جو فوجی تعلیم پا رہے تھے) ایک کو جس کا نام اردشیر (ارتخشتر) تھا دارابجرد میں ارگبذ[۴] کے اعلیٰ فوجی عہدے پر مامور کرا دیا[۵]، ۲۱۲ء کے قریب یا اس کے بعد اردشیر فارس

[۱] دیکھو یوستی: "ایرانی ناموں کی کتاب" (جرمن) تحت کلمۂ گاوچتر،

[۲] طبع یورپ ص ۸۱۵، ترجمۂ نولدکہ ص ۶، [۳] ساسان کی بیوی کا نام بقول طبری "رام بہشت" ہے اور بقول بلعمی "مینا شب" [۴] ارگبد کے معنے کوتوال یا قلعہ دار کے ہیں، دیکھو آگے باب دوم

[۵] اردشیر کے شجرۂ نسب کے بارے میں "کارنامگ اردشیر" کا بیان خوذای نامگ اور کتبہ ہائے اردشیر و شاپور کے بیان سے مختلف ہے،

کے بہت سے مقامی بادشاہوں کے ساتھ نبرد آزما ہوا اور انہیں مروا کر اُن کے شہروں
پر قابض ہو گیا، ساتھ ہی پابگ نے اپنے قرابت دار بادشاہ گوچہر کے خلاف بغاوت
کی اور اُس کے محل موسوم بہ "قصرِ سفید"[1] پر حملہ کر کے اس کو قتل کرا دیا اور اس کی جگہ
پر خود بادشاہ بن بیٹھا،

اردشیر بظاہر تختِ فارس کا آرزومند تھا اور پابگ نے غالباً اپنے جاہ طلب
بیٹے کے منصوبوں کو معطّل کرنے کی نیّت سے وہ خط شہنشاہ اردوانِ اشکانی
(ارتبان پنجم) کو لکھا جس میں اس سے اجازت طلب کی کہ شاہ گوچہر کا تاج اس کے
فرزندِ اکبر شاہ پُہر (شاپور) کے سر پر رکھا جائے، اردوان نے جواب میں لکھا کہ
اس کے نزدیک پابگ اور اس کا بیٹا اردشیر دونوں باغی ہیں، اِس کے تھوڑا عرصہ
بعد پابگ نے وفات پائی اور شاپور اس کی جگہ پر تخت نشین ہوا، اس پر اُس کے
اور اُس کے بھائی اردشیر کے درمیان جنگ چھڑ گئی لیکن شاپور اسی اثنا میں ناگہانی
طور پر مر گیا، روایت یہ ہے کہ دارابجرد کی طرف کوچ کرتے ہوئے راستے میں وہ
ایک پرانی عمارت میں ٹھہرا اچانک اُوپر سے ایک پتھر اس پر گرا جس کے صدمے
سے اس نے انتقال کیا، دوسرے بھائیوں نے تاجِ شاہی اردشیر کو پیش کیا جس
کو اُس نے قبول کیا، لیکن بعد میں اس کو اندیشہ پیدا ہوا کہ مبادا وہ اس کے خلاف
سازش کریں لہٰذا اس نے ان سب کو مروا دیا، دارابجرد میں ایک بغاوت کو فرو
کرنے کے بعد اردشیر نے پڑوس کے صوبے کرمان کو فتح کر کے اپنی طاقت بڑھائی
اور شاہ کرمان وَلگش کو قید کر لیا، اس کے علاوہ اس نے ساحلِ خلیج فارس کو بھی تسخیر

[1] اسی کو اب شہر نسا کہتے ہیں جو شیراز کے شمال میں ہے،

کیا جہاں کا بادشاہ ایک معبود کی حیثیت سے پوجا جاتا تھا لیکن اس فاتح کی تلوار نے اس کو بھی زیر کرلیا ، اردشیر اب فارس اور کرمان کا مالک تھا جو بلحاظ جغرافیہ ساحل سمندر کے عقب کا علاقہ تھا ، اُس نے حکم دیا کہ گور میں جس کا نام اب فیروز آباد ہے ایک محل اور ایک آتشکدہ تعمیر کیا جائے ، اس کے بعد اُس نے اپنے ایک بیٹے کو کہ اس کا نام بھی اردشیر تھا کرمان کا حاکم مقرر کیا ،

آخر کار اس غاصب سلطنت اور شہنشاہ اشکانی کے درمیان جنگ چھڑ گئی ، اردوان نے شاہ اہواز (خوزستان) کو حکم بھیجا کہ اردشیر سے لڑنے کے لیے جائے اور اُسے پابہ زنجیر طیسفون لائے ، لیکن قبل اس کے کہ شاہ اہواز اس پر چڑھائی کرے اردشیر نے شاذ شاپور فرمانروائے اصفہان کو مغلوب اور ہلاک کرکے شاہ اہواز پر دھاوا کردیا اور اسے شکست فاش دے کر اس کے ملک پر قبضہ کرلیا ، اس کے بعد اس نے میسن کی چھوٹی سی ریاست کو مطیع کیا جو خلیج فارس کے کنارے دریائے دجلہ کے دہانے پر واقع تھی ، اس وقت اِس ریاست پر عمان کے عربوں کا قبضہ تھا جو اُن عربی قبائل کے پیشرو تھے جنھوں نے تقریباً اُسی زمانے میں جبکہ ساسانی خاندان کا آغاز ہو رہا تھا دریائے فرات کی طرف حیرہ میں اپنی حکومت قائم کی ، بالآخر اردشیر اور سپاہ اشکانی کے درمیان جس کا سالار خود شہنشاہ اردوان تھا ہرمزدگان کے میدان میں جس کی جائے وقوع معلوم نہیں ہوسکی ایک زبردست لڑائی ہوئی ، ساسانی روایت کی رُو سے اردوان اردشیر کے ہاتھ سے مارا گیا ، اسی روایت میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اردشیر نے شہنشاہ کے سر کو اپنے پاؤں سے روندا ، اس وحشیانہ حرکت کی روایت جو محض افسانوی معلوم ہوتی ہے غالباً نقش رستم

کے کتبے کی برجستہ تصویر سے پیدا ہوئی ہے[۱]، اس لڑائی کے بعد جو ۲۸ر اپریل ۲۲۴ء کو واقع ہوئی[۲] اردشیر فاتحانہ طور پر طیسفون میں داخل ہؤا اور اشکانیوں کے جانشین ہونے کا دعویدار ہؤا، اس سے قبل اس نے بابل کو بھی مطیع کرلیا تھا جہاں وَلگش (وولاگاسس) پنجم برادر اردوان نے اپنی حکومت قائم کر رکھی تھی، چند سال پیشتر اردوان نے اس سے تخت چھینا تھا لیکن اب بھائی کے مرنے کے بعد موقع پاکر وہ بابل پر قابض ہوگیا اور دوبارہ شاہی اقتدار حاصل کرلیا[۳]،

روایت کی رُو سے اردشیر نے اشکانی خاندان کی ایک شاہزادی سے شادی کی جو شاہ اردوان کی بیٹی[۴] یا اس کے چچا کی لڑکی[۵] یا فرخان پسر اردوان کی بھتیجی[۶] تھی، عربی اور فارسی مصنفوں نے اس شادی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ محض قصے کہانیاں ہیں بایں ہمہ موسیو ہرتسفلٹ اس کی تاریخی واقعیت کے قائل ہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ اردشیر کی ضرور یہ خواہش ہوگی کہ اشکانی خاندان کے ساتھ وصلت کرکے اپنے خاندان کے حقوق کو واجب تسلیم کرائے، لیکن مجھے دو وجہ سے اس شادی کی حقیقت مشکوک معلوم ہوتی ہے ایک تو اس لیے کہ اردوان کے ساتھ زوجۂ اردشیر کے رشتے کے بارے میں بیانات بیحد مختلف ہیں، دوسرے اس لیے کہ عربی اور فارسی کتابوں میں اس روایت کا مقصد اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ چونکہ شاپور پسر اردشیر کی ماں پرانے شاہی خاندان کی شاہزادی تھی لہذا وہ اشکانیوں کا جائز جانشین تھا، لیکن واقعہ یہ ہے

[۱] دیکھو آگے، [۲] بقول نولڈکہ (ترجمہ طبری ص ۴۱۱)، [۳] طبری ص ۸۱۳ ببعد، گوٹشمٹ تاریخ ایران ص ۱۵۹ - ۱۶۳، [۴] بقول طبری ص ۸۲۳ و فارس نامہ ص ۵۹، [۵] بقول نہایہ (براؤن ص ۲۱۸)، [۶] بقول دینوری ص ۴۴،

کہ شاپور پیشتر اس کے کہ اس کے باپ نے سلطنت کو فتح کیا سنّ بلوغ کو پہنچ چکا تھا اور یہ بات طبری کی روایتِ اوّل سے مستنبط ہوتی ہے کیونکہ اس نے لکھا ہے کہ شاپور ہرمزدگان کی لڑائی میں شریک تھا[1]، طبری کی یہ روایت غالباً خُوذای نامگ سے نکلی ہے۔ برخلاف اس کے اشکانی شہزادی کے ساتھ اردشیر کی شادی اور اس کے بطن سے شاپور کی پیدایش کا قصّہ (جو طبری کے ہاں شاپور کے عہد کی تاریخ میں درج ہوا ہے[2]) کسی مقبولِ عام افسانے سے ماخوذ ہے[3]،

اس کے بعد چند سالوں کے دوران میں اردشیر نے سب سے پہلے تو شہر ہترا (الحضر[4]) کا محاصرہ کیا لیکن چونکہ وہ بہت مستحکم تھا اس لیے کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوُا، پھر اُس نے آذربائجان اور آرمینیہ پر حملہ کیا جس میں پہلے تو اُسے کامیابی نہ ہوئی لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے ان دونو ملکوں کو فتح کر لیا، مشرق کی طرف اُس نے ممالک سکستان (سیستان)، ابہرشہر (یعنی وہ علاقہ جس کو اب خراسان کہا جاتا ہے)، مرگیانا (مرو)، خوارزم اور باختر کو زیرنگیں کر کے اپنی سلطنت کی توسیع کی، طبری کی ایک روایت کی رُو سے جس کی صحت کی تصدیق ہرسفلٹ نے

---

[1] طبری ص ۸۱۹، [2] Acta Orientalia. ج ۱۰ ص ۴۴ - ۴۵، [3] ہرسفلٹ کا عقیدہ یہ ہے کہ پہلوی داستان "کارنامگ" کے اس بیان میں کہ اردشیر کی پرورش اردوان کے دربار میں ہوئی ضرور ایک تاریخی صداقت محفوظ ہے، اس نے یہ فرض کیا ہے کہ اردشیر نے اسی زمانے میں جبکہ اس کا عالم جوانی تھا اور وہ زمرۂ امرائے دربار میں تھا بادشاہ کی بیٹی سے شادی کی ہوگی جس کے کچھ عرصہ بعد شاپور کی پیدایش ہوئی، لیکن کارنامگ اور دوسرے تمام مآخذ اس بارے میں متفق ہیں کہ اشکانی شہزادی کے ساتھ اردشیر کی شادی اردوان کے مرنے کے بعد ہوئی، [4] Hatra، دجلہ اور فرات کے درمیان واقع تھا، اس کے کھنڈرات شہر نینوا کے کھنڈرات سے تقریباً اسّی میل جنوب مغرب کی طرف ہیں (مترجم)،

کی ہے[1] شاہِ کوشان نے جس کے قبضے میں اس وقت وادی کابل، پنجاب، طوران، مکوران (یعنی علاقۂ قصدار جس کو کوئٹہ کے جنوب میں سمجھنا چاہیئے) اور مکران (یعنی خلیج عمان اور بحر ہند کے ساحل کا علاقہ) وغیرہ تھے اردشیر کے پاس سفیر بھیجے اور اس کی حکومت کو تسلیم کیا، اب اس کی سلطنت کی وسعت اتنی تھی کہ اس میں ایران، افغانستان، بلوچستان، صحرای مرو، علاقۂ خیوہ تا جیحون در سمت شمال اور مغرب میں بابل اور عراق شامل تھے، شاہی خاندان کے شاہزادے جو خراسان کی حکومت پر مامور کئے جاتے تھے کوشان شاہ کے لقب سے ملقّب ہوتے تھے،

غالباً دار السلطنت طیسفون کی فتح کے تھوڑا عرصہ بعد اردشیر نے "شہنشاہِ ایران" کا لقب اختیار کر کے باضابطہ تاجپوشی کی رسم ادا کی، لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ یہ رسم کس مقام پر ادا کی گئی، اغلب یہ ہے (جیسا کہ موسیو زارہ[2] کا خیال ہے[3]) کہ بانیٔ خاندانِ ساسانی کی تاجپوشی فارس میں ہوئی ہو گی جو اس خاندان کا مولد و منشا تھا اور غالباً اس کی باضابطہ رسم اصطخر میں اناہیتا کے معبد میں ادا کی گئی ہو گی جہاں اس کا دادا ساسان موبدِ اعلیٰ تھا اور جہاں چار سو برس بعد خاندانِ ساسانی کے آخری بادشاہ کو تاج پہنایا گیا تھا، یا پھر یہ تاجپوشی درۂ نقشِ رجب میں ہوئی ہو گی جو اصطخر سے قریب ہے اور جہاں اردشیر اور اس کے جانشین شاپور اوّل نے ایک چٹان پر اپنی برجستہ تصاویر کے ذریعے سے اپنی تخت نشینی کی

---

[1] پای کُلی ص ۳۶ ببعد، نیز ص ۲۰۴ - ۲۰۵،

[2] Sarre. ، [3] زارہ — ہرتسفلٹ : "ایران کی برجستہ منبّت کاری" (بزبان جرمن) ص ۹۸،

یادگار کو امٹ بنا دیا ہے ،

برجستہ تصاویر جن میں اہورا مزدا کے ہاتھ سے اردشیر کی تاجپوشی دکھائی گئی ہے دو جگہ پر ہیں ایک تو نقش رجب میں اور دوسرے نقش رستم میں شاہان ہخامنشی کے مقبروں کے نزدیک ایک چٹان پر جو عمودی طور پر کاٹ کر ہموار کی گئی ہے ، موسیو زارہ کے قیاس کی رُو سے نقش رجب کی منبّت کاری زیادہ پرانی ہے ، افسوس ہے کہ وہ اچھی حالت میں محفوظ نہیں ہے ، پتھر کے ٹوٹ پھوٹ جانے کی وجہ سے بہت سے نقوش ناقابلِ شناخت ہو گئے ہیں ، تصویر میں اہورا مزدا کو اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اپنے داہنے ہاتھ میں حلقۂ سلطنت کو لیے ہوئے ہے اور بائیں ہاتھ میں عصائے شاہی کو تھامے ہوئے ہے اور عہدۂ بادشاہی کی اِن دو علامتوں کو ہاتھ پھیلا کر بادشاہ (اردشیر) کے حوالے کر رہا ہے ، بادشاہ اپنے داہنے ہاتھ سے حلقے کو لے رہا ہے اور بایاں ہاتھ (جس کی انگشتِ شہادت آگے کو اٹھی ہوئی ہے) مؤدّبانہ فرمانبرداری کے اظہار کے لیے اوپر کو اٹھا رکھا ہے ، خدا (اہورا مزدا) ایک دیوار دار تاج[1] پہنے ہوئے ہے ، بادشاہ کو اس تصویر میں اسی وضع کے ساتھ دکھایا گیا ہے جو اس کے آغازِ عہد کے سکّوں پر دیکھنے میں آتی ہے جس میں اس کی ڈاڑھی لمبی اور مربّع شکل کی ہے اور سر کے بال چھوٹے ہیں ، خدا اور بادشاہ اور باقی تمام اشخاص جو تصویر میں دکھائے گئے ہیں پیادہ پا ہیں ، شاہ و خدا کے درمیان موسیو زارہ نے دو بچوّں کی تصویریں شناخت کی ہیں ، بادشاہ کے پیچھے ایک خواجہ سرا اس کے سر کے اوپر چوری تھامے ہوئے ہے اور اعیان سلطنت میں سے کوئی بڑے رتبے کا شخص جس کے

[1] دیوار دار تاج سے ایسا تاج مراد ہے جس میں صرف دیوار ہو اور اوپر چند دانہ ہو (مترجم)

ڈاڑھی ہے اپنا دایاں ہاتھ اُسی طرح مؤدّبانہ طور پر اوپر کو اٹھائے ہوئے جس طرح اوپر بتلایا گیا ہے، وہ تصویریں جو غالباً عورتوں کی ہیں اہورامزدا کے پیچھے ہیں اور علیحدہ ایک شامیانے کے نیچے خدا کی طرف پیٹھ کئے ہوئے ہیں، موسیو زارہ کا خیال ہے کہ یہ شاہی گھرانے کی خواتین ہیں جو علیحدہ طور سے محل میں یا آتشکدہ میں بادشاہ کے ساتھ اظہار عقیدت کر رہی ہیں[۱]،

نقش رستم کی برجستہ تصاویر زیادہ بہتر حالت میں محفوظ ہیں، ان میں اہورامزدا اور بادشاہ کو گھوڑوں پر سوار دکھایا گیا ہے لیکن تناسب میں گھوڑوں کے جثّے سواروں سے بہت چھوٹے بنائے گئے ہیں، گھوڑے ایک دوسرے کی طرف مُنہ کئے ہوئے ہیں اور ایک نے اپنا اگلا سم اُٹھا رکھا ہے، نقش رجب کی طرح یہاں بھی اہورامزدا بائیں ہاتھ میں عصائے شاہی تھامے ہوئے ہے اور دائیں ہاتھ سے حلقۂ سلطنت کو جو شکن دار فیتوں سے مزیّن ہے آگے بڑھا کر بادشاہ کو دے رہا ہے، بادشاہ اپنے دائیں ہاتھ سے اس کو لے رہا ہے اور بایاں ہاتھ جس کی انگشتِ شہادت استادہ ہے اظہار احترام کے لئے اٹھا رکھا ہے، اردشیر سر پر ایک مدوّر خود پہنے ہوئے ہے جس کے ساتھ ایک گردن پوش لگا ہوا ہے، خود اوپر کی طرف بلند ہو کر ایک ایسے گولے کی سی شکل بن گیا ہے جس کے اوپر گویا ایک مہین کپڑے کا غلاف چڑھا ہے، سر کا یہ عجیب لباس بعد کے تمام ساسانی بادشاہوں کی تصویروں میں دیکھنے میں آتا ہے خواہ وہ تصویریں عمارتوں پر ہوں یا سکّوں پر، البتہ اردشیر اوّل کے آغازِ عہد کے سکّوں پر بجائے اس کے بادشاہ کے سر پر اشکانی وضع کا اونچا تاج ہوتا ہے، اردشیر کے لمبے اور گھونگر والے بال لہریں مارتے ہوئے اُس کے

[۱] زارہ ـ ہرتسفلٹ، کتاب مذکور ص ۹۴، ببعد، دیولافوا (Dieulatoy): "ایران کی قدیم صنعت کاری" (بزبان فرانسیسی) ج ۵، تصویر نمبر ۱۷،

سکۂ اردشیر بطرز اشکانی

سکۂ اردشیر بطرز نو
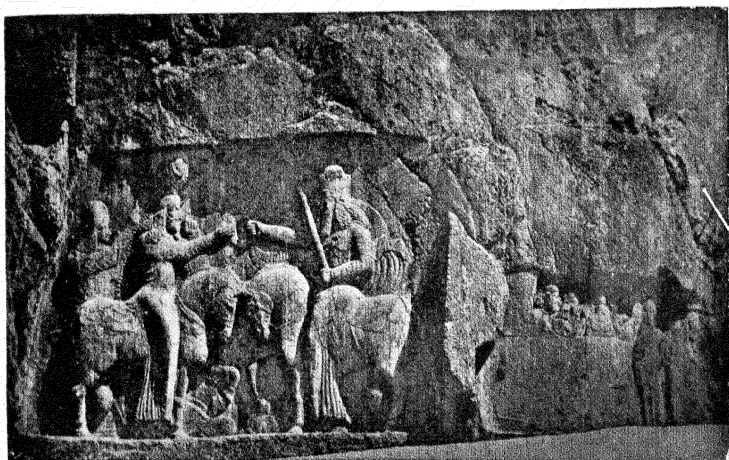
نقش رستم میں اردشیر اور اھورا مزد کی برجستہ تصاویر

کندھوں پر پڑے ہیں، ڈاڑھی کا نچلا سرا جو تراش کر نوکدار بنایا گیا ہے ایک تنگ چھلّے میں پرو دیا ہُوا ہے اس طرح پر کہ بالوں کا طرّہ چھلّے سے نیچے نکلا ہُوا ہے، گلے میں موتیوں کا گلوبند اور بدن میں آستین دار چغہ ہے جو جسم پر بالکل چسپاں ہے، چوڑے چوڑے فیتے جن میں چنّٹ پڑی ہے خود کے ساتھ آویزاں ہیں اور اس کی پیٹھ پر لٹک رہے ہیں، اہورا مزدا نے دیوار دار تاج پہن رکھا ہے جس میں سے اس کے سر کی چوٹی کے گھونگر والے بال دکھائی دیتے ہیں، اس کے بالوں کے گول حلقوں اور اس کی لمبی مربّع ڈاڑھی کی بدولت اس کی ہیئت قدیمانہ بن گئی ہے، سوائے اس کے باقی اس کا لباس تقریباً وہی ہے جو بادشاہ کا ہے، اس کے تاج کے ساتھ بھی وہی چنّٹ دار فیتے آویزاں ہیں، دونو گھوڑوں کا ساز و سامان ایک جیسا ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ بادشاہ کے گھوڑے کی زین کے اگلے حصّے میں جو تختیاں لگی ہیں ان پر آرایش کے طور پر شیروں کے سر برجستہ بنائے گئے ہیں اور اہورا مزدا کے گھوڑے کی تختیوں پر اسی طرح پھول بنے ہوئے ہیں، دونوں گھوڑوں کی اگلی اور پچھلی ٹانگوں کے درمیان ناشپاتی کی شکل کی ایک بڑی لیکن ہلکی گیند لٹک رہی ہے جو زنجیر کے ذریعے گھوڑوں کے پہلوؤں کے ساتھ آویزاں ہے اور یہ چیز عہد ساسانی کی برجستہ تصاویر میں گھوڑوں کے ساز میں ہمیشہ دیکھنے میں آتی ہے، بادشاہ کے پیچھے ایک خواجہ سرا ممدے کی اونچی سی ٹوپی پہنے جس پر امتیازی نشان لگا ہُوا ہے اس کے سر پر چوری بلند کئے کھڑا ہے، ایک شخص سر پر خود پہنے بادشاہ کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے زمین پر پڑا ہے، گمان غالب یہ ہے کہ وہ شاہ

اردوان ہے جو مغلوب ہو کر اردشیر کے ہاتھ سے مارا گیا تھا، اسی طرح اہورا مزدا کے گھوڑے کے نیچے بھی ایک شخص پڑا ہے اور بظاہر برہنہ معلوم ہوتا ہے، اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال پریشان ہیں اور بالوں کے حلقوں میں سے سانپوں کے سر باہر نکلے ہوئے ہیں، یہ غالباً اہرمن (روحِ شر) یا کوئی اور دیو ہے جس کو اہورا مزدا پاؤں کے نیچے پامال کر رہا ہے، بادشاہ کے گھوڑے پر ایک کتبہ یونانی، اشکانی پہلوی اور ساسانی پہلوی میں ہے جس میں لکھا ہے کہ اس گھوڑے کا سوار پرستندۂ مزدا، اردشیر ربّانی شہنشاہِ ایران از نژادِ ایزدی پسرِ شاہ پابگ ہے، اسی طرح اہورا مزدا کے گھوڑے پر بھی انھی تینوں زبانوں میں کتبہ ہے جس میں اس کو "اہورمزد خدا" لکھا ہے اور یونانی ترجمے میں زیوس، [1]

---

[1] (Zeus)، دیکھو دیولافوا (Dieulafoy) ج ۵ تصویر ۱۴، زارہ - ہرتسفلٹ، "برجستہ حجّاری" ص ۶۷ بعد اور تصویر نمبر ۵، یہ کتبے ہرتسفلٹ کی کتاب پای کُلی میں دہرائے گئے ہیں (ص ۸۴ بعد) آذربائجان میں شہر سلماس کے قریب ایک چٹان کی دیوار پر کچھ برجستہ تصاویر ہیں جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ عہدِ اردشیر سے تعلق رکھتی ہیں، ان میں دو شخص گھوڑوں پر سوار دکھلائے گئے ہیں جو ساسانیوں کا شاہی لباس پہنے ہوئے ہیں جس میں فیتے لہرا رہے ہیں اور ان کی ٹوپیوں کے اوپر کپڑے کی بنی ہوئی گیندیں لگی ہوئی ہیں اور ہاتھ تلواروں کے قبضوں پر ہیں، بائیں جانب جو سوار ہے اس کے ڈاڑھی ہے اور دائیں جانب والے سوار کی نسبت (جو بے ریش ہے) زیادہ بڑی عمر کا معلوم ہوتا ہے، ہر سوار کے سامنے ایک شخص پیادہ پا کھڑا ہے اور منہ سوار کی طرف کئے ہے، موسیو لیمن ہاؤپٹ (Lehmann-Haupt) نے ان میں سے ایک پیادے کے اوپر ایک پہلوی کتبے کے آثار شناخت کئے ہیں جو بالکل محو ہو چکے ہیں، موسیو زارہ کی رائے میں جس کا حوالہ لیمن ہاؤپٹ نے دیا ہے یہ تصاویر غالباً اردشیر اوّل اور اس کے بیٹے شاپور کی ہیں جو اہلِ آرمینیہ کی اطاعت قبول کر رہے ہیں، دیکھو جیکسن کی کتاب "ایران ماضی و حال" ص ۸۰؛ لیمن ہاؤپٹ: "ارمنستانِ ماضی و حال" (بزبان جرمن) ج ۱ ص ۳۱۶ بعد و ص ۵۳۵، ہرتسفلٹ: پای کُلی ص ۳۷،

LIBRARY
HYDERABAD-7
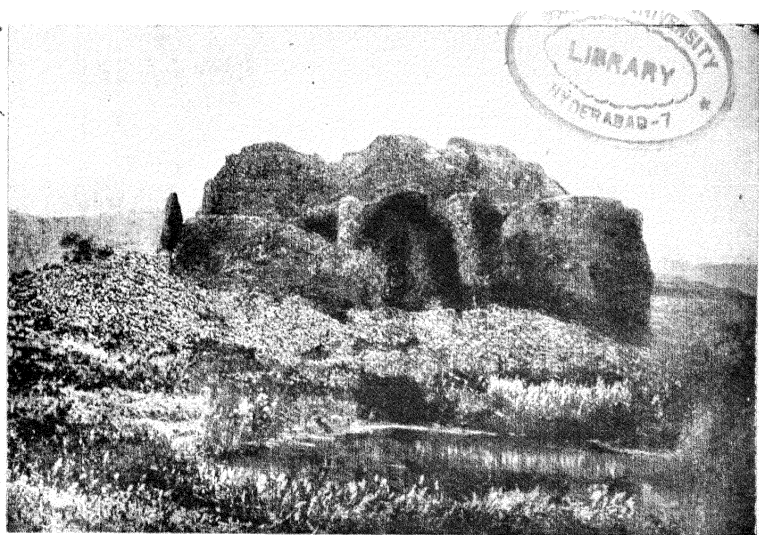
قصر فیروز آباد کے کھنڈرات

ساسانیوں میں شروع کے بادشاہ فارس کے ساتھ ایک طبعی اُنس رکھتے تھے جو اُن کا اصلی وطن تھا، یہی حب الوطنی اردشیر اور اس کے جانشینوں کے لیے اس امر کا باعث ہوئی کہ اُنھوں نے اصطخر کے گرد و نواح کے چٹانی علاقے کو اپنی برجستہ تصاویر کے لیے منتخب کیا، لیکن اس کے علاوہ اس انتخاب میں بلاشبہ شاہان ہخامنشی کی وسیع سلطنت کی دھندلی سی یاد بھی شریک تھی جن کے قابل یادگار مقبرے نقش رستم کی چٹانوں کو کھود کر بنائے گئے ہیں[۱]، اصطخر جو ایک فصیل سے گھرا ہوا مستحکم شہر تھا اور قدیم پرسی پولس[۲] (تختِ جمشید) کا وارث و جانشین تھا جس کے مرعوب کرنے والے کھنڈرات (ہخامنشیوں کی) گذشتہ عظمت کی یاد دلاتے تھے روایتِ ساسانی کا مقدس شہر بن گیا[۳]، اغلب ہے کہ بانیٔ خاندانِ ساسانی کبھی کبھی شہر گور میں بھی قیام کرتا تھا جو اصطخر کے جنوب کی طرف واقع تھا اور جس کے چاروں طرف گلاب اور میوہ دار درختوں کے باغ تھے، اس کا نام اب اس نے اردشیر خورہ رکھا جس کے معنے "شوکتِ اردشیر" کے ہیں، آج کل اس کا نام فیروزآباد ہے، یہاں اردشیر نے ایامِ جوانی میں ایک محل تعمیر کرایا تھا جس کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں[۴]، وہ

---

[۱] ایران کی قومی روایات میں عہد ہخامنشی کے واقعات بہت کم محفوظ رہے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد کی تاریخی باتیں جلد ہی بھولی بسری ہوگئی تھیں، دیکھو کرسٹن سین: "کیانیان" ص ۱۴۶ بعد،

[۲] Persepolis،

[۳] اصطخر کے متعلق دیکھو پال شوارتس (Paul Schwarz) کی کتاب "ایران در قرونِ وسطیٰ" (بزبان جرمن) ج ۱ (لیپزگ ۱۸۹۶ء) ص ۱۳ بعد، پہلوی کتاب "شہرستانہائے ایران" (نمبر ۴۱) کی رُو سے اس شہر کا بانی ایک اشکانی بادشاہ اردوان نام تھا، عربی اور فارسی مصنفوں نے اس شہر کی بنا کو افسانوی تاریخ کے مختلف بادشاہوں کی طرف منسوب کیا ہے، نیز دیکھو مارکوارٹ: "فہرست پایہ تخت ہائے صوبجات ایران" (بزبان انگریزی) ص ۹۱ بعد، [۴] دیکھو تصویر نمبر ۳،

ایران کی اُن اوّلین عمارتوں میں سے ہے جن کی چھتیں محراب دار بنائی گئی ہیں، سامنے والا کمرہ جس میں پہلے داخل ہوتے ہیں اور اس کے پہلوؤں کے کمروں پر گنبد دار چھتیں پڑی ہیں، بیرونی دیواروں میں کوئی کھڑکی نہیں ہے لیکن اُن میں باہر کو نکلی ہوئی محرابیں اور برجستہ ستون ہیں[1]، اردشیر نے اس شہر میں ایک آتشکدہ بھی تعمیر کرایا تھا، اس کے کھنڈرات بھی موجود ہیں،

سلطنت ہخامنشی کے ساڑھے پانچ سو برس بعد دوبارہ اہل فارس نے تمام ایران کے لوگوں پر اپنا تسلّط قائم کیا اور ایک نئی مشرقی سلطنت وجود میں آئی جو رومن امپائر کے دوش بدوش چلتی رہی، تمدّنِ ساسانی اگرچہ اشکانی تمدّن کا تسلسل تھا تاہم اسے محض تسلسل ہی نہیں سمجھنا چاہئیے بلکہ وہ اس کی تجدید اور اس کا تکملہ بھی تھا، عہد اشکانی کی روایات کا تحفّظ ایک تو ہمیں زبان میں نظر آتا ہے، فارس یعنی جنوب مغرب کی زبان کو جب ساسانیوں نے بجائے شمال مغربی زبان کے (جو اشکانیوں کے عہد میں مروّج تھی) سرکاری زبان بنایا تو بیشمار الفاظ جو تمدّن کے مختلف شعبوں سے تعلّق رکھتے تھے اشکانی پہلوی سے مستعار لیے[2]، علاوہ اس کے تیسری صدی کے ساسانی بادشاہوں نے اپنے کتبوں میں ساسانی پہلوی کے ساتھ ساتھ اشکانی پہلوی کو بھی استعمال کیا، لیکن صوبۂ فارس اور اس کا پایۂ تخت اصطخر شہنشاہ ایران کی رہایش

---

[1] زارہ۔ہرتسفلت "حجّاری برجستہ" (ص ۱۲۸ ببعد)، نیز "رسالہ انجمن مشرقی المانی" (Z. D. M. G.) سنہ ۱۹۲۶ء ص ۲۵۴، موسیو دیولافوا نے "ایران کی قدیم صنعت کاری" (ج ۴ ص ۴ ببعد) میں غلطی سے قصر فیروزآباد کو عہد ہخامنشی کی عمارت تصوّر کیا ہے،

[2] دیکھو اوپر ص ۵۲ - ۵۳،

کے لیے موزوں نہ تھے، ارتقائے تاریخی نے ضرورۃً میسوپوٹیمیا کو مشرقی سلطنت کا مرکز بنا دیا تھا، بابل کی سیاسی حیثیت سلوکیہ۔طیسفون کی طرف منتقل ہو گئی تھی جیسا کہ بعد میں وہ بغداد کے حصے میں آئی، لیکن اس میں ایک خرابی یہ تھی کہ مغرب کی طاقتور سلطنت (روم) پایۂ تخت کے عین دروازے پر تھی، شہر طیسفون حقیقت میں سرزمینِ ایران سے باہر آرامی علاقے میں واقع تھا اور عرب کی سرحد تقریباً شہرِ وہ اردشیر کی فصیل سے ملی ہوئی تھی، وہ اردشیر نیا سلوکیہ تھا جس کو اردشیر نے پرانے سلوکیہ کی بجائے (جس کو ۱۶۵ء میں رومن سپہ سالار اویدیوس کیسیوس[1] نے ویران کر دیا تھا) آباد کیا تھا، اسی زمانے میں دریائے فرات کے پرلی طرف (جس جگہ وہ بل کھا کر دجلہ کی طرف مڑتا ہے اور دونو دریاؤں کا درمیانی فاصلہ تقریباً پچاس کیلومیٹر رہ جاتا ہے) ایک عرب مملکت کی بنا پڑی جو ساسانیوں کی باجگذار تھی یعنی مملکت حیرہ جس نے آئندہ چل کر ان کو خانہ بدوش بدویوں کے خلاف ایک فصیل کا کام دیا[2]، صحرائے شام کے شمال میں ایک اور عربی مملکت تھی جو مملکتِ غسّان کہلاتی تھی، وہ روم کی باجگذار اور حلیف تھی[3]،

افسوس ہے کہ ہمارے مآخذ ایسے نہیں ہیں جن میں اردشیر کی شخصیت کا گہرا مطالعہ کیا جا سکے، مشرق کے مؤرخین صفات شخصی کی توصیف میں ماہر

---

[1] Avidius Cassius. ، [2] روٹ شٹائن (Rothstein)، "حیرہ کا لخمی خاندان" (برلن ۱۸۹۹ء)، اولنڈر (Olinder): "شاہان کندہ" ۱۹۲۷ء (بزبان انگریزی)،
[3] نولڈکہ: "خاندان جفنہ کے غسّانی بادشاہ" (بزبان جرمن)، برلن ۱۸۸۷ء،

نہیں ہوتے بلکہ بجائے اس کے خاص نوعیت کے اشخاص کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں، عربی اور فارسی کتابوں کے ذریعے سے جو روایات ہمیں پہنچی ہیں ان کے مصنّف یہی مؤرّخ ہیں، انھوں نے شاہان ساسانی میں سے جن کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے ان کو ہمارے سامنے شاہانِ نیک سیرت، متّقی اور مستعد بنا کر پیش کیا ہے جو اپنی رعایا کی مادی اور روحانی ترقی کے لیے سرگرم کار ہیں اور ان کے مواعظ اور حکیمانہ اقوال بھی لکھے ہیں، اردشیر کی تصویر بھی اسی طرز میں کھینچی گئی ہے اور اس کے مواعظ و حِکَم بکثرت موجود ہیں، لیکن قطع نظر اس سے خود اس کے کارنامے اس کی جنگی قابلیّت، اس کی روحانی قوّت اور اس کی سیاسی بلند نظری پر دلالت کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اس امر کا ثبوت بھی موجود ہے کہ اپنی اغراض کو پورا کرنے میں وہ ضمیر کی آواز پر کان نہیں دھرتا تھا اور انسانی زندگی کے تلف ہونے کی اس کو چنداں پروا نہ تھی، چند سال کے عرصے میں اس نے ایک طاقتور ہاتھ کے ساتھ سلطنت اشکانی کی تمام مخالف جماعتوں کو ایک مستحکم اور پائدار دوستی کے اندر متّحد کر دیا اور اُن مشرقی ممالک کو اپنی سلطنت میں شامل کیا جو کبھی اشکانیوں کے زیر فرمان نہیں ہوئے تھے، سیاسی اور مذہبی نظام جو اس نے پیدا کیا وہ ایسا پائدار ثابت ہوا کہ چار سو سال سے زیادہ قائم رہا، ایک امتیازی وصف جو مشرقی مؤرّخ اچھے بادشاہوں کی خصلت میں ہمیشہ بیان کیا کرتے ہیں وہ شہروں کا آباد کرنا، معابد کی تعمیر، نہروں کا بنوانا اور اسی طرح کے اور رفاہ عام کے کام ہیں، اس بات کا ثبوت کہ اردشیر ایسے کاموں میں بہت مستعد تھا نہ صرف ہمیں مؤرّخوں کے بیانات سے

ملتا ہے بلکہ ایسے متعدد شہروں سے جن کے ناموں کی ترکیب اردشیر کے نام کے ساتھ ہے مثلاً شہر سلوکیہ جس کو اس نے ویہ اردشیر کے نام سے دوبارہ آباد کیا، اس کے علاوہ اردشیر خورّہ، ریو اردشیر اور رام اردشیر جو جنوبی فارس میں تھے، شہر ہرمزد اردشیر جو بعد میں سوق الاہواز کہلایا خوزستان میں تھا، میسین (کرخائے میشان) کے قدیم شہر کو اُس نے استرآباد اردشیر کے نام سے دوبارہ تعمیر کرایا اور وہشت آباد اردشیر جو عہد اسلام کے شروع میں بصرہ کے نام سے دوبارہ آباد ہوا وغیرہ[1]،

بمرورِ زمان بانئ خاندانِ ساسانی کے گرد افسانہ واساطیر کا ایک ہالہ پیدا ہوگیا، داستانِ "کارنامگ اردشیر پابگان"[2] میں جو اردشیر کے اعمال و افعال بیان کرتی ہے افسانۂ شاہ کورش بزرگ کے متعدد خط و خال پائے جاتے ہیں[3]، اور اژدہا کو مارنے میں اردشیر وہی کچھ کرتا ہے جو قدیم بابل کے خدا مردوک نے کیا تھا، مردوک نے تیامت نامی عفریت کو اس طرح مارا کہ اس کے منہ میں ایک خوفناک ہوا کا جھونکا داخل کر دیا جس سے وہ ہلاک ہوگیا، اردشیر نے ہفتان بوخت اژدہا کے منہ میں پگھلی ہوئی دھات ڈال دی جس سے وہ بہت تکلیف پا کر مرا،

[1] طبری ص ۸۲۰، شیڈر (Schæder): "حسن البصری" (رسالۂ اسلام بزبانِ جرمن) ج ۱۴ ص ۱۳۱،

[2] دیکھو اوپر ص ۶۹، [3] گوٹ شمٹ (Gutschmid): "رسالۂ انجمن مشرقی آلمانی (Z. D. M. G.)" ج ۳۴ ص ۵۸۶،

باب دوم

تنظیم دولتِ ساسانی

دولت ساسانی کی خصوصیّات - سیاسی اور معاشرتی جماعت بندی - مرکزی حکومت کا نظم و نسق - وزیر اعظم - مذہب - مالیّات - صنعت وحرفت، تجارت اور ذرائع آمد و رفت - فوج - وزرائے سلطنت - صوبوں کی حکومت،

رومن مؤرّخوں نے اُس تغیّر کی اہمیّت کو بخوبی نہیں سمجھا جو نئے شاہی خاندان کی آمد سے پیدا ہُوا، ڈیون کاسیوس اور ہیروڈین نے محض چند الفاظ میں اُس فتح کا ذکر کیا ہے جو اردشیر نے اردوان پر حاصل کی، رومیوں نے اتنا تو اندازہ کر لیا کہ نئی سلطنت پرانی کی نسبت زیادہ طاقتور اور لہٰذا رومن امپائر کی مشرقی سرحد کے امن کے لئے زیادہ خطرناک ہے لیکن وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ نئی سلطنت پہلی سے اصولاً مختلف ہے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ ایک ارتقائے طولانی کی آخری منزل ہے جو اشکانیوں کی غیر منظّم سلطنت میں یونانیّت کی سطح کے نیچے جاری تھا، یونانی عناصر میں سے بعض کو تو ایرانی تنظیم نے نکال کر پھینک دیا بعض کو جذب کر

لیا اور بعض کی ہیئت کو بدل دیا، جس زمانے میں اردشیر نے عنان حکومت کو ہاتھ میں لیا اس وقت ایرانی دنیا ایک متّحدہ قوم کی صورت میں نظر آنے لگی تھی اور اس اتحادِ قومی کے آثار تمام ذہنی اور معاشرتی حلقوں میں دن بدن زیادہ نمایاں ہوتے چلے جاتے تھے،

غرض یہ کہ تغییرِ خاندان شاہی محض ایک سیاسی واقعہ نہ تھا بلکہ وہ کشورِ ایران میں ایک نئی روح کے پیدا ہونے کا اعلان تھا، دولتِ ساسانی کی دو بڑی امتیازی خصوصیتیں تھیں ایک تو شدید مرکزیّت اور دوسرے حکومتی مذہب کی پیدائش، اگر پہلی خصوصیّت کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ عہد داریوشِ اوّل کی روایات کا احیاء تھا تو دوسری خصوصیّت بالکل نئی ایجاد تھی لیکن وہ ایک تدریجی ارتقا کا نتیجہ تھی ٹھیک جیسا کہ تیرہ سَو سال بعد شیعیت کا مذہبِ حکومت قرار پانا اسی قسم کے ارتقا کا نتیجہ تھا،

اردشیر کا خاندان چارسَو سال تک برسرِ حکومت رہا۔ اس طویل عرصے میں سلطنتِ ساسانی کے اندر عوام الناس کی زندگی اور نظامِ حکومت میں بیشک مختلف قسم کی تبدیلیاں ہوتی رہیں[1] لیکن معاشرت اور حکومت کی جس عمارت کی تعمیر یا تکمیل بانیٔ خاندانِ ساسانی نے کی وہ اپنی مجموعی ہیئت میں آخر تک اُسی طرح قائم رہی،

اوستائے جدید میں سوسائٹی کے تین طبقوں کا ذکر ہے یعنی (۱) علماءِ مذہب (آذَرَوان) (۲) سپاہی (رَذَایشتر)، (۳) زراعت پیشہ (واشتریوفشُوینت)[2]، سوسائٹی کی یہ تقسیم بہت قدیم زمانے سے چلی آتی ہے، یاسنا میں[3] صرف ایک جگہ

[1] ان تبدیلیوں کی تفصیل ہم مناسب جگھوں پر سیاسی واقعات کے ساتھ ساتھ بیان کرتے جائینگے،

[2] بین ونِشت (Benveniste) : "روایتِ اوستا کی رُو سے معاشرتی جماعت بندی" (مجلۂ آسیائی J. A. سنہ ۱۹۳۲ء ص ۱۱۷ ببعد) [3] ۱۹، ۱۷،

ایک چوتھے طبقے کا ذکر آیا ہے یعنی اہل حرفہ (ہُوتُخْش)، ساسانیوں کے زمانے میں یہ تقسیم نئی طرح سے دیکھنے میں آتی ہے جس میں چار طبقے بنائے گئے ہیں تیسرا طبقہ دبیروں یعنی عمّالِ سلطنت کا ہے اور چوتھے میں زراعت پیشہ اور اہل حرفہ شامل ہیں، سوسائٹی کی یہ نئی جماعت بندی سیاسی صورتِ حالات کے ماتحت عمل میں آئی، عہد ساسانی میں وہی چار طبقے حسب ذیل تھے: (۱) علماء مذہب (آذُرَوان)، (۲) سپاہی (آرتیشتاران)، (۳) عمّالِ حکومت (دِبہیران یعنی دبیران)، (۴) عوام النّاس جن میں زراعت پیشہ (واشتر یوشان) اور اہلِ حرفہ اور تاجر (ہُتخشان) شامل تھے،[۱]

---

[۱] دیکھو نامۂ تنسر (طبع ڈارمیسٹٹیر ص ۲۱۴، طبع مینوی ص ۱۲) ڈارمیسٹٹیر کو یہ غلط شبہ ہُوا ہے کہ دبیروں کا طبقۂ سوم قرار پانا غالباً نامۂ تنسر کے کسی مترجم (عربی یا فارسی) کی غلطی سے ہُوا ہے، اوّل تو اس طبقہ بندی کی تائید نامۂ تنسر کے ایک اور مقام سے ہوتی ہے (ڈارمسٹٹیر ص ۲۱۵، مینوی ص ۱۴) جہاں یہ لکھا ہے کہ اگر ایک شخص سوسائٹی کے چوتھے طبقے میں ہو تو اس کو مستثنےٰ طور پر ترقی دے کر اوپر کے کسی طبقے میں لایا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ یا تو عمدہ اخلاق اور با اخلاص طاعت میں ممتاز ہو (جو علماء مذہب کا خاصہ ہے) یا طاقت و شجاعت میں یکتا ہو (جو سپاہیوں کی امتیازی خصوصیت ہے) یا قابلیت، قوتِ حافظہ اور ذہانت میں بے مثل ہو اور یہ خصوصیتیں وہ ہیں جن کی توقع زراعت پیشہ لوگوں کی نسبت دبیروں سے زیادہ کی جائیگی، اور پھر یہ تقسیم اس امر کے ساتھ بھی مطابقت رکھتی ہے کہ گوازاوّل اور خسرو اوّل کے زمانے سے پہلے بادشاہ کا انتخاب موبدِ موبدان، سالارسپاہ اور دبیر بزرگ کی مرضی پر ہوتا تھا یعنی پہلے تین طبقوں کے رؤسا کی رائے پر، (دیکھو نامۂ تنسر طبع ڈارمسٹٹیر ص ۲۳۹، مینوی ص ۳۸ ببعد)، علاوہ اس کے مسعودی نے کتاب التنبیہ (ص ۱۰۳) میں سلطنت ساسانی کے سب سے اونچے عہدہ داروں کے نام لیے ہیں جن میں ایک تو وزیر اعظم (وُزُرگ فرمادار) ہے اور باقی چار یہ ہیں: (۱) موبد، (۲) سپاہ بد، (۳) دبیر بد، (۴) ہُتخش بد (یعنی رئیس اہل حرفہ) جس کو "واشتر یوش بد" (یعنی رئیس اہل فلاحت) بھی کہا جاتا تھا، مسعودی کا یہ بیان نامۂ تنسر کے ساتھ بالکل مطابقت رکھتا ہے، جاحظ کی "کتاب التاج" (طبع مصر ص ۲۵) کی رو سے اردشیر اوّل نے لوگوں کی چار جماعتیں قائم کیں:

(۱) خاندانِ شاہی کے فوجی شہسوار، (۲) موبدان و ہیربدان (جو آتشکدہ کی خدمت پر مامور ہوتے تھے) (۳) اطبا و دبیران و منجمین، (۴) اہل زراعت و حرفت،

ان میں سے ہر ایک طبقہ کئی کئی جماعتوں میں منقسم تھا ، طبقۂ علماء مذہب میں سب سے پہلی جماعت قُضاۃ کی تھی جو داذور کہلاتے تھے ، اُن سے اُتر کر پیشوایانِ مذہب تھے جن میں سب سے نیچے کا درجہ مُغوں کا تھا جو تعداد میں سب سے زیادہ تھے ، پھر ایک جماعت موبدوں کی تھی اور ایک ہیربدوں کی اور ان کے علاوہ اور کئی مختلف جماعتیں تھیں جن کے مختلف وظائف تھے مثلاً دستُوران یا دستوران (یعنی انسپکٹران) اور مغان اندرزبد (معلّمین) وغیرہ ، سپاہیوں کا طبقہ سوار اور پیادہ جماعتوں میں منقسم تھا جن میں سے ہر ایک کے مدارج اور وظائف معیّن تھے ، عمّالِ حکومت یا دبیروں کے طبقے میں مصنّفین ، محاسبین ، نقل نویس ، تمسّکات کے محرّر ، تذکرہ نگار وغیرہم شامل تھے ، ان کے علاوہ اطبّاء ، شعراء اور منجّمین بھی اسی طبقے میں شمار ہوتے تھے ، نچلے طبقے کے لوگوں میں کسان ، تاجر اور باقی تمام پیشہ ور تھے[۱]

ہر ایک طبقے کا ایک رئیس ہوتا تھا ، علماء مذہب کا رئیس موبدان موبد کہلاتا تھا ، فوج کا رئیسِ اعلیٰ ایران سپاہ بد تھا ، دبیروں کا رئیس ایران دِبہیر بد (جس کا دوسرا نام دِبہیران مہشت تھا) ، چوتھے طبقے کا رئیس واسترِیوشان سالار تھا جس کو واسترِیوش بد بھی کہتے تھے ، ہر ایک رئیس کے ماتحت ایک ناظر ہوتا تھا جس کا کام اپنے طبقے کی مردم شماری کرنا تھا ، اور ایک انسپکٹر جو ہر شخص کی آمدنی کے متعلق تحقیقات کرتا تھا[۲] ، پھر ایک معلّم (اندرزبد) ہوتا تھا جس کا فرض یہ تھا کہ " ہر شخص کو بچپن سے کسی پیشے یا فن کی تعلیم دے تاکہ اس کو تحصیل معاش

---

[۱] نامۂ تنسر [۲] ایضاً ، مینوی کی اڈیشن میں " دخل " (آمدنی) کی بجائے " دغل " ہے ،

میں آسانی ہو[1]"

ساسانیوں کے ابتدائی عہد میں سوسائٹی کی ایک اور تقسیم یا جماعت بندی دیکھنے میں آتی ہے جو بلا شبہ اشکانیوں کے زمانے کی یادگار ہوگی، یہ تقسیم ہم کو حاجی آباد کے کتبے سے معلوم ہوئی ہے جو دو زبانوں میں لکھا ہوا ہے[2]، اس میں شاپور اوّل نے اپنی تیر اندازی کے اُس مشہور کرتب کا حال لکھوایا ہے جو اُس نے شہرداران (شاہزادگانِ سلطنت) و واسپُہران (رؤسا یا افراد خانوادہائے بزرگ) و وُزرگان (امرا) و آزاذان (نجبا) کی موجودگی میں دکھایا تھا[3]، اِس تقسیم میں (جس میں سوسائٹی کی صرف ممتاز جماعتوں کا ذکر ہے) اور مذکورہ بالا تقسیم میں جو نسبت ہے اس کو ہم صحیح طور پر معین نہیں کر سکتے، معاشرتی طبقات کی تقسیم ہمیشہ ایک ہی نہیں رہی اور خلاصہ یہ ہے کہ سوسائٹی کی مختلف جماعتوں کی ترتیب ایک بہت پیچیدہ مسئلہ ہے،

اس معاشرتی اور سیاسی طبقہ بندی میں جو الجھن اور بدیہی تناقص ہے وہ منطقیاً نتیجہ ہے اُس خاص اُصولِ ثنویت کا جو اشکانیوں کے نظامِ حکومت میں ملحوظ تھا

---

[1] نامۂ تنسر طبع ڈارمسٹیٹر ص ۲۱۷ — ۲۱۸، مینوی ص ۱۵، [2] یعنی اشکانی پہلوی اور ساسانی پہلوی، [3] شہرداران (جس کی قدیم تاریخی املا شتر داران ہے اور عہد ساسانی کے آخر میں اس کا تلفظ غالباً شہرياران تھا) اور واسپُہران اشکانی پہلوی کے الفاظ ہیں، "واسپُہر" جو آرامی ہُزوارش میں باربَیتا (بمعنی ابن البیت) ہے وِیسپُہر (بمعنی فرزند قبیلہ) کی ایک مختلف شکل ہے، ہخامنشیوں کے عہد میں بھی ہم کو بزبان آرامی "بنی بَیتا" (بنوالبیت) کی اصطلاح ملتی ہے، ویسپُہر اور واسپُہر دونو ارمنی زبان میں بطور الفاظِ دخیل موجود ہیں بشرطیکہ ارمنی لفظ سپوہ واقعی وہی ایرانی لفظ ویسپُہر ہے، لفظ واسپُہر ایک ارمنی صوبے واسپُہرکان کے نام میں موجود ہے دیکھو نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۵۰۱، نیز ہین ونشت: "تبصرۂ مطالعاتِ ارمنی" ج ۹ ص ۹ — ۱۰، و ہرتسفلٹ: پای کُلی (فرہنگ نمبر ۳۰۰)

اور جو ساسانیوں کو ورثے میں ملا یعنی اصول جاگیرداری (یا منصبداری) اور استبداد، اِنھی دو عنصروں کا تناقض ہے جو امتیازی خصوصیت ہے اُس معاشرتی اور سیاسی ارتقا کی جو اردشیر بابگان کے زمانے سے خسرو کے زمانے تک چلتا رہا،

شہرداران

دولت ساسانی میں طبقۂ اوّل کے افراد شاہ کے لقب سے پکارے جاتے تھے جس کی وجہ سے بادشاہ ایران کا شہنشاہ کہلانا بجا تھا، اس طبقے میں سب سے پہلے تو وہ شاہانِ ماتحت شامل تھے جو سلطنت کی سرحدوں پر حکومت کرتے تھے، دوسرے وہ چھوٹے چھوٹے بادشاہ جنھوں نے اپنے آپ کو شاہ ایران کی پناہ میں دے رکھا تھا اور اس کے عوض میں شہنشاہ نے اُن کے لیے اور ان کے جانشینوں کے لیے ان کی ریاست کی حفاظت کا ذمّہ لے رکھا تھا، شرط یہ تھی کہ جب شہنشاہ کو ضرورت پڑے تو وہ اپنی افواج کو اس کے اختیار میں دے دیں اور شاید کچھ خراج بھی ادا کریں، نامۂ تنسر میں ذیل کے الفاظ اردشیر کی زبان سے ادا کیے گئے ہیں[1]: "ہم ہرگز شاہ کا لقب اُن لوگوں کے نام سے علیحدہ نہیں کرینگے جو ہمارے حضور میں حاضر ہو کر فرمانبرداری کا اظہار کرینگے اور جادۂ اطاعت پر گامزن رہینگے"۔ ان شاہانِ ماتحت میں حیرہ کے عرب بادشاہ بھی شمار ہوتے تھے[2]، مؤرّخ امیان مارسیلینوس نے شاپور دوم کے ملتزمین رکاب میں شاہِ چینوئیت اور شاہِ البان کا بھی نام لیا ہے[3]،

[1] طبع ڈارمسٹٹر ص ۲۱۰، طبع مینوی ص ۹، [2] بحرین جو شاپور دوم کے زمانے سے سلطنت ایران میں شامل ہوگیا تھا ایک امیر کے زیر حکومت تھا جس کو حیرہ کا بادشاہ نامزد کرتا تھا، لیکن عہد ساسانی کے آخری زمانے میں ایک بڑا ایرانی افسر اس امیر کی نگرانی کے لیے موجود رہنے لگا تھا، (روٹشٹائن ص ۱۳۴)

[3] باب ۱۸، ۶، ۲۲، چینوئیت سے مراد قوم ہون (Hun) ہے، البان جن کے نام پر آرمینیہ کے مشرق میں ایک چھوٹا سا صوبہ البانیا ہے، (مترجم)،

میسوپوٹیمیا میں ایک بادشاہ پُولر (؟) نام شاپور دوم کا باجگذار تھا جس کے بچّوں کے کے ایرانی نام تھے[1]، پای کُلی کے کتبے میں جو لفظ شترپ ملتا ہے تو اس سے قوم ساکا کا کشترپ (فرماں روا) مراد ہے[2] کہ وہ بھی شہنشاہ کا باجگذار تھا، تسلّط ساسانی کے آغاز میں آرمینیہ جہاں کے بادشاہ اشکانی الاصل تھے شاہِ ایران کے ماتحت تھا اور وہاں کا اور گرجستان کا عامل سرحد اُس وقت تک "بَدَخش" کے لقب سے مُلقّب تھا[3] لیکن سنہ ۴۲۸ء میں آرمینیہ سلطنت ایران کا ایک صوبہ بن گیا اور وہاں کی حکومت ایک مرزبان کے سپرد کردی گئی،

ساسانیوں نے سلطنت کی قدیم تقسیم کو اس طرح قائم رکھا کہ چار سرحدی صوبے اُسی طرح رہنے دیے، پانچویں صدی کے شروع سے ہم دیکھتے ہیں کہ ان سرحدی صوبوں کے حاکم مرزبان کہلانے لگے تھے، ان چاروں مرزبانوں کا رتبہ وہی تھا جو اُن شاہی خاندانوں کا تھا جن کا اوپر ذکر ہوا اور انھی کی طرح وہ شاہ کہلاتے تھے[4]،

یہی رتبہ صوبوں کے اُن گورنروں کا تھا جو شاہی خاندان سے ہوتے تھے، قدیم دستور کے مطابق بادشاہ کے بیٹے گورنر بنائے جاتے تھے خصوصاً وہ بیٹے جنھیں یہ امید ہوسکتی تھی کہ شاید آیندہ کسی دن وہ تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوں، اُن کے

---

[1] ہوفمن: "اقتباسات" ص ۱۰، [2] ہرتسفلٹ: پای کُلی (فرہنگ - نمبر ۲۰۶)،

[3] دیکھو اوپر ص ۱۷-۱۸، زبان گرجی میں لفظ بدخش کی مختلف شکلیں یہ ہیں: پِتی اَخْشی، پِتی اَخشی، پِتی اشخ، یونانی میں: پِتی اَکْسِش، پِتیوَکسِش، سریانی میں: اَپِتخشا؛ دیکھو فرہنگ پای کُلی نمبر ۲۱۴ و ۷۸۱،

[4] مرزبانوں کے متعلق دیکھو اس باب کے آخر میں جہاں صوبوں کی حکومت پر بحث ہے،

لیے یہ ضروری تھا کہ وہ کسی صوبے کی حکومت پر مامور رہ کر فرائض شاہی کی تربیت حاصل کریں، شاپور اوّل کے دو بھائی اردشیر اور پیروز علی الترتیب کرمان اور کوشان کے گورنر تھے، موخر الذکر کا لقب "شاہ بزرگِ کوشان"[1] تھا، شاہانِ ساسانی میں سے شاپور اوّل، ہرمزد اوّل، بہرام اوّل اور بہرام دوم اپنی تخت نشینی سے پہلے خراسان کی گورنری اور کوشان کی بادشاہی پر مامور رہ چکے تھے[2]، بہرام سوم سیستان کا گورنر رہ چکا تھا اور سگانشاہ (یعنی شاہ سگستان = سیستان) کے لقب سے ملقب تھا، اردشیر دوم ایڈیابین کا حاکم تھا، بہرام چہارم کرمان کی حکومت پر مامور رہا تھا اور کرمان شاہ کہلاتا تھا، ہرمزد سوم بھی سیستان کا گورنر تھا اور سگانشاہ کا لقب رکھتا تھا[3]، امرا نے جب بہرام پنجم کو تخت سے محروم کرنا چاہا تو انھوں نے یہی عذر پیش کیا تھا کہ وہ کبھی کسی صوبے کی حکومت پر مامور نہیں رہا اور لہذا اس کی قابلیت کا حال کسی کو معلوم نہیں[4]، لیکن انتظام امورِ سیاسی کی مصلحت سے ان شاہزادوں کو گورنری کے حقوق موروثی طور پر نہیں دیے جاتے تھے[5]، یہ بھی ضروری تھا کہ بہبودی سلطنت کا جو تقاضا ہو اس کے مطابق بادشاہ ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلتا رہے، ان شاہزادوں کے لیے اور مرزبانوں کے لیے شاہ کا لقب سوائے اس کے کچھ معنی نہیں رکھتا تھا کہ اس کے ذریعے سے ان کو سوسائٹی کے سب سے اونچے طبقے کی صف اوّل میں جگہ پانے کا حق

---

[1] ہرتسفلٹ: پای کلی (فرہنگ۔ نمبر ۸۱۱)، شاپور کا ایک تیسرا بھائی مہرشاہ بھی تھا جو میسین کا بادشاہ تھا، اس کا ذکر مانوی کتابوں کے اجزاء میں ملتا ہے، [2] پای کلی (ص ۴۱، ۴۵، ۴۷، ۴۸) ۔ نیز دیکھو "آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا"۔ نمبر ۳۸ ۔ "مسکوکات کوشانی ساسانی" [3] ان کے علاوہ اور القاب جو لفظ شاہ کے ساتھ مرکب ہیں پای کلی میں مذکور ہیں (فرہنگ نمبر ۶۳۲)،
[4] طبری ص ۸۵۸، [5] نامۂ تنسر۔ ص ۲۱۰، طبع مینوی ص ۱۰،

حاصل ہو جاتا تھا،

شاہزادوں پر یہ واجب تھا کہ نوبت بنوبت دربارِ شاہی میں حاضر ہو کر اپنا فرضِ اطاعت بجا لائیں[1] لیکن دربار میں معیّن طور پر اُن کا کوئی عہدہ نہ ہو" کیونکہ اگر وہ دربار میں عہدوں کے دعویدار ہونے لگیں گے تو باہمی جھگڑوں، لڑائیوں، مخاصمتوں اور سازشوں میں مبتلا ہوں گے جس سے ان کا وقار جاتا رہیگا اور لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہونگے[2]"

واسپُہران ساسانیوں کو نظامِ منصبداری اشکانیوں سے ورثے میں ملا تھا، لہذا اردشیر کی نئی سلطنت میں مراتب کی ترتیب میں رؤسائے طوایف کی طاقتور جماعت کو دوسرا درجہ حاصل تھا جن میں سب سے آگے سات ممتاز خاندان تھے[3]، ان میں کم سے کم تین ایسے تھے جو پارتھیوں (اشکانیوں) کے زمانے میں بھی عالی درجہ رکھتے تھے یعنی خاندان قارین (قارن)، خاندان سُورین اور خاندان اسپاہبذ، یہ تینوں خاندان اشکانی الاصل تھے اور اپنے نام کے ساتھ پہلَو (پارتھی) کا لقب لاتے تھے، پارتھی خاندان سے تعلّق رکھنا بہت بڑا امتیاز سمجھا جاتا تھا، چنانچہ عہد ساسانی میں ان سات ممتاز گھرانوں میں سے بعض اور بھی (مثلاً خاندانِ سپندیاد اور خاندانِ

---

[1] نامۂ تنسر طبع ڈارمسٹیٹر ص ۲۱۰، طبع مینوی ص ۱۰، یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ "شہرداران" شاپور اوّل کی تیراندازی کی رسم پر بھی حاضر تھے، [2] نامۂ تنسر،

[3] دیکھو اوپر ص ۸ و ۱۲، نولڈکہ: ترجمہ طبری ص ۴۳۷، ان سات خاندانوں کے ممبروں کو ایران کے اندر تاج پہننے کا حق حاصل تھا کیونکہ وہ ازروی نژاد شاہانِ ایران کے ہم پلّہ تھے، صرف اتنی بات تھی کہ ان کا تاج شاہانِ ساسانی کے تاج سے چھوٹا ہوتا تھا، (بلعمی، ترجمۂ زوٹن برگ ج ۲ ص ۴۸۴)،

مہران) اشکانی الاصل ہونے کے دعویدار تھے[1]،

[1] موسیٰ خورینی کے قول کے مطابق ارشویر شاہ پارتھیا کہ وہی فراٹیس (فرہاد) چہارم ہے چار فرزندوں کا باپ تھا یعنی (۱) اردشیس (ارتخشتر)، (۲) قارین، (۳) سورین، (۴) ایک بیٹی جس کا نام کشم تھا، (مارکوارٹ کی رائے ہے کہ یہ نام کومش کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو صوبہ کومیسین کا جدید نام ہے، دیکھو Z.D.M.G. ج ۴۹، ص ۶۳۹)، ان میں پہلا بیٹا باپ کا جانشین ہوا (لہذا وہ فراٹیس یا فرہاد پنجم ہے)، باقی دو بیٹے اُن خاندانوں کے مورث اعلےٰ ہوئے جو اُن کے نام سے معروف ہیں، بیٹی کی شادی ایک شخص سے ہوئی جس کا لقب "سالارِ ایرانیاں" تھا جس کے بعد اس کی اولاد اسپاہ بذ پہلو کے نام سے موسوم ہوئی، اسپاہ بد کی قدیم شکل سَپاذ پتی ہے، یہی لفظ ارمنی زبان میں بہ شکل سپاراپت اختیار کیا گیا ہے جو سپہ سالار کا مترادف ہے، پانچویں صدی میں وہ باضافۂ الف (یعنی اسپاراپت) استعمال ہوتا تھا، یونانی میں اس کی مختلف شکلیں اسپاہاپت، اسپبیدس، اسپیویدس، اسپابیدس اور اسپینوس ہیں، مؤرخ تھیوفی لیکٹس کے بیان کے مطابق اسپابیدس خسرو دوم کا رشتہ دار اور وندوی اور وِشتہم (بندوی اور بستہم) کا باپ تھا، سریانی میں ایک جگہ اسپابر آیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ کاتب کی غلطی ہے اور صحیح اسپابد ہے، طبری نے سات خاندانوں کی فہرست میں باضابطہ طور پر سپاہ بذ کا نام لیا ہے،

واضح رہے کہ موسیٰ خورینی کی روایت کے لیے کوئی تاریخی سند نہیں ہے، ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ ایک سورین میدان جنگ میں کراسوس رومی کا حریف تھا (دیکھو اوپر ص ۲۱-۲۲) اور وہ لڑائی فرہاد چہارم کے باپ کے عہد میں ہوئی تھی، لیکن بہرحال ان تین خاندانوں کا وجود ساسانیوں کے آنے سے بہت پہلے ثابت ہے اور اس زمانے میں ان کی بہت بڑی جاگیریں تھیں، خاندان سپندیاد کا تعلق اشکانیوں کے ساتھ بظاہر بعد کے زمانے میں قائم کیا گیا جبکہ اُن کی تاریخ دلوں سے محو ہو چکی تھی، اس خاندان کے ایک شخص مسمّی مہر نرسی (دیکھو طبری ص ۸۶۸ - ۸۶۹) کے شجرۂ نسب میں دارا (داریوش سوم) اور اس کے بیٹے کے اشک کا نام موجود ہے (یعنی اشک اور اس کے ساتھ ماقبل تاریخی زمانے کا بادشاہی لقب کوِی جو بعد میں بدل کر کَے ہوگیا)، شجرۂ مذکور میں اس نام کے بعد چند نام ہیں جو اشکانیوں میں سے کسی کے نہیں ہیں، صرف ایک نام سیسن ابرُوہ ہے جس کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید وہ سنترُوک (شاہ اشکانی) کے نام کی بگڑی ہوئی شکل ہو اور یہ تبدیلی غالباً شجرے میں اس سے اوپر والے نام سیس پذ کے زیر اثر ہوئی ہے، اس کے علاوہ خاندان قارین کے ایک ممبر مسمّی سوخرا کا شجرۂ نسب جو طبری نے دیا ہے (ص ۸۷۷ - ۸۷۸) اس میں بھی یہی خصوصیت پائی جاتی ہے یعنی یہ کہ وہ بعد کے زمانے کا تیار کیا ہوا ہے، علیٰ ہذا القیاس ہم فرض کر سکتے ہیں کہ خاندان مہران کا اشکانی الاصل ہونا بھی اسی طرح ایک جعلی بات ہے، مارکوارٹ کا یہ خیال بیشک صحیح ہے (Z. D. M. G. ج ۴۹ ص ۶۳۳) کہ افسانوی ہیرو میلاد کسی پارتھی شہزادے یا بادشاہ میتھریدات (مہرداد) نام کی اولاد سے تھا لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ خاندان مہران کا شجرہ (جس کا مورث اعلیٰ گرگین پسر میلاذ دکھایا گیا ہے) کسی تاریخی میتھریدات سے ملتا ہے،

سات مذکورہ بالا خاندانوں میں سب سے پہلے تو خاندان شاہی (خاندان ساسانی) ہے[1]) اور پانچ وہ ہیں جن کے نام اوپر لیے گئے ہیں یعنی قارین پہلو، سورین پہلو[2]، اسپاہ بد پہلو، سپندیاد، مہران اور ساتواں شاید خاندان زیک[3] ہے، طبری کے بیان کے مطابق[4] قارین کا مسکن شہر نہاوند (میڈیا میں) تھا) سورین کا وطن سیستان تھا، سپندیاد کا علاقہ رَی (رگا، طہران کے نزدیک) اور اسپاہ بد کا دہستان (گرگان میں)، لیکن دوسری طرف ہمیں یہ بھی علم ہے کہ سوخرا جو خاندان قارین کا ایک فرد تھا ضلع اردشیر خورّہ (علاقۂ شیراز) کا رہنے والا تھا[5] دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ خاص فارس کا باشندہ تھا، نیز ہمیں یہ بھی علم ہے کہ رَی کے قریب ایک دریا اور نیشاپور کے نزدیک ایک گاؤں سورین کے نام سے موسوم تھے[6] اور یہ کہ مہرنرسی جو خاندان سپندیاد سے تھا ایک گاؤں آبرُوان (علاقہ دشتِ بارین ضلع اردشیر خورّہ صوبہ فارس) کا رہنے والا تھا اور اُسے یہ گاؤں اور ایک اور گاؤں ژیرہ جو پڑوس کے ضلع شاپور میں تھا اپنے آبا و اجداد سے ورثے میں ملے تھے[7]،

[1] شاپور اوّل کے بھائی شہزادہ پیروز کو "واسپہر ساسانگان" کہا گیا ہے، دیکھو ہرتسفلٹ: پای کُلی ص ۵۴ و ۹۴۔ [2] مؤرخ فاؤستوس بازنتینی کے ہاں دو سورین کا ذکر ملتا ہے جن کے ساتھ "پارسیگ" (پارسی) کی نسبت لگی ہوئی ہے، شاید وہ خاندان سورین پہلو کی شاخیں ہونگی، [3] مؤرخ میناندر نے لکھا ہے کہ "زیک" ایرانیوں کے ہاں ایک بڑا عہدہ ہے (تاریخ بازنتین حصۂ اوّل ص ۴۷۳)، لیکن بازنتینی مؤرخوں میں یہ عام بات ہے کہ وہ خاندانوں کے نام اور ایرانی خطابات میں التباس پیدا کر دیتے ہیں مثلاً پروکوپیوس یہ خیال کرتے ہوئے کہ مہران کوئی لقب یا عہدہ ہے لکھتا ہے کہ سپہ سالار پیروز کو مہران بنا یا گیا، اسی طرح فاؤستوس اور ارمنی مؤرخ اگا تھانگ نے زیک کو ایک خاص لقب تصوّر کیا ہے، شاپور دوم کے زمانے میں زیک اور قارین دو بڑے سپہ سالار تھے لیکن اُن کو سائی لیکس اور ارتبانیس تصوّر نہیں کرنا چاہیئے جن کے نام مؤرخ مارسیلینوس کے ہاں مذکور ہیں (۲۷، ۱۲، ۵)، خاندان زیک کے دو ممبر جن کے نام معلوم ہو سکے ہیں یوسٹی کی کتاب "اسمار ایرانی" میں مذکور ہیں، نیز دیکھو ہرتسفلٹ: "آثار قدیمۂ ایران" ج ۴، ص ۵۷، ح ۲، [4] ترجمہ از نولڈکہ ص ۴۳۷، [5] طبری ص ۸۷۳، ۸۷۷، [6] نولڈکہ ترجمہ طبری ص ۴۳۹، [7] طبری ص ۸۷۰،

خاندانِ مہران کے ممبروں میں سے بہرام چوبین[1] اور پیران گشنسپ گرگوری[2] رَی کے رہنے والے تھے لیکن دریائے مہران کا نام جو صوبہ فارس میں ہے اس خاندان کے نام پر ہے[3]۔ ان حالات سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ واسپہروں کی جاگیریں ایران کے مختلف حصّوں میں بکھری ہوئی تھیں اور غالباً زیادہ تر وہ صوبجات میڈیا اور پارتھیا میں تھیں جو سلطنت اشکانی کا مولد و منشا تھے یا صوبۂ فارس میں جو ساسانیوں کا اصلی وطن تھا، خاندانوں کی یہ جاگیریں نزدیک نزدیک واقع تھیں لیکن نہ اس طرح کہ سب کو ملا کر ایک وسیع اور سالم ریاست بن سکے، غالباً منجملہ اور وجوہات کے یہ بھی ایک بڑی وجہ اس بات کی ہوئی کہ اس زمانے کے دوران میں بڑے بڑے امرائے جاگیردار رفتہ رفتہ منصبداری کی نوعیت سے ہٹ کر نجبا و اشرافِ دربار کی نوعیت اختیار کرتے گئے، جب تک کہ قدیم سوسائٹی قائم رہی واسپہروں کا پُرانا تعلق گاؤں (ویس) کے ساتھ برقرار رہا۔ یہی وجہ ہے کہ مؤرخ جب کبھی ان میں سے کسی کے مولد و منشا

---

[1] طبری ص ۹۹۲، [2] ہوفمن، "اقتباسات" ص ۷۸، (مصنّف)، پیران گشنسپ عہد نوشیروان کا مشہور سپہ سالار ہے، عیسائی ہو کر گریگوری کے نام سے موسوم ہوا، ۵۴۲ء میں مارا گیا، (مترجم)،

[3] خاندان ہائے قارین، سورین اور مہران کے افراد کے متعلق دیکھو نولڈکہ کے حواشی (ترجمۂ طبری ص ۱۲۷، ۱۲۸، ۴۳۸ - ۴۳۹، ۱۳۹ - ۱۴۰) اور سورین کے متعلق فرہنگِ پای گلی (نمبر ۷۱۵)، ان کے ناموں کا شمار یُوسٹی نے اپنی کتاب "اسمائے ایرانی" میں مکمل کر دیا ہے (دیکھو تحت کلمۂ قارین، سورین اور مہران)، اسپاہبد کے متعلق دیکھو یُوسٹی (تحت کلمہ شپادپتی) اور فرہنگ پای گلی (نمبر ۷۲۷)، اسپندیاد کے متعلق (جس کی فارسی شکل اسفندیار اصلی لفظ کو غلط پڑھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی) دیکھو نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۴۳۹، نیز دیکھو مارکوارٹ (Z. D. M. G.) ج ۴۹، ص ۶۳۳ وبعد، کتاب ایرانشہر ص ۷۱، ہرتسفلٹ: "آثار قدیمۂ ایران" ج ۴ ص ۴۶ وبعد، ہرمزدان جو یزدگرد سوم کا مشہور سپہ سالار تھا ان سات خاندانوں میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتا تھا لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ کونسا خاص خاندان تھا، اس کی ماں خوزستان میں کسی جگہ کی رہنے والی تھی اور اس صوبے کی حکومت (جس میں ستر شہر تھے) اس کے خاندان میں متوارث تھی، (الطبری ص ۲۵۳۸ اور ۲۵۶۳، بلعمی ترجمہ زوٹن برگ ج ۳ ص ۴۷۴ وبعد

کا ذکر کرتے ہیں تو عموماً گاؤں ہی کا نام لیتے ہیں،

غالباً منصبداروں کا اعلیٰ طبقہ ان سات ہی خاندانوں پر محدود نہ تھا، مؤرخ فاؤسٹوس بازنتینی ایک سپہ سالار دماوند نامی کا ذکر کرتا ہے[1] جس کا خاندانی نام کاؤسگان ہے، بہت سے خاندانی نام جن کے آخر میں ان ہوتا ہے منصبداروں کے خاندانوں کو یا ان خاندانوں کی شاخوں کو ظاہر کرتے ہیں، لیکن اگر دیکھا جائے تو ان منصبداروں کی جاگیروں کا کل رقبہ بمقابلہ اُس رقبے کے بہت کم تھا جو براہ راست حکومت کے تصرف میں تھا اور جو بادشاہی گورنروں کے زیر فرمان تھا،

ہمارے پاس صحیح اطلاعات اس بارے میں نہیں ہیں کہ ان جاگیرداروں کو کیا خاص حقوق حاصل تھے، مثلاً ہمیں یہ معلوم نہیں کہ بادشاہی گورنروں کو اُن جاگیروں پر جو اُن کے صوبوں میں واقع ہوتی تھیں کسی قسم کا اختیار تھا یا نہیں یا آیا ان جاگیرداروں کو کُلّی یا جزئی آزادی حاصل تھی یا نہیں، صرف اتنی بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ کسانوں پر یہ واجب تھا کہ اپنا اپنا لگان خواہ جاگیردار کو ادا کریں خواہ گورنمنٹ کو خواہ دونو کو، نیز وہ اس بات پر مجبور تھے کہ اپنے اپنے جاگیردار کی کمان میں وقتِ ضرورت فوجی خدمت انجام دیں،

ہم دیکھتے ہیں کہ ساسانیوں کے زمانے میں بھی وہ پرانی رسم موجود ہے کہ سات خاندانوں کے رؤسا کے لئے خاص خاص فرائض موروثی طور پر مقرر تھے، مؤرخ تھیوفی لیکٹس ہمیں بتلاتا ہے[2] کہ یہ موروثی فرائض کیا کیا تھے، وہ لکھتا ہے کہ "وہ خاندان جس کا نام ارتبیدس ہے رتبۂ شاہی رکھتا ہے اور بادشاہ کو تاج پہنانے کا

---

[1] طبع لانگلوا (Langlois) ج ۱ ص ۲۶۲،
[2] ج ۳ ص ۸،

فرض اس کے ذمّے ہے ، اسی طرح ایک اور خاندان کو فوجی امور کا ذمّہ دار بنایا گیا ہے ، ایک اور خاندان امور ملکی کا نگران ہے ، ایک خاندان کا عہدہ یہ ہے کہ منصفانہ طور پر متخاصمین کے جھگڑوں کا فیصلہ کرے ، پانچویں خاندان کے ذمّے رسالہ فوج کی کمان ہے ، چھٹا خاندان اس بات پر مامور ہے کہ مالیّات وصول کرے اور خزانۂ شاہی کا محافظ رہے ، ساتواں خاندان اسلحہ اور فوجی ساز و سامان کی حفاظت کا ذمّہ دار ہے ؎"

ارتبیدس بگڑی ہوئی شکل ہے ارگبیدس کی جو اصل میں ارگبد یا ہرگبد ہے جس کے معنی شروع میں محافظِ قلعہ[1] کے تھے لیکن بعد میں وہ ایک بڑے اہم فوجی عہدے کا نام ہو گیا[2] چونکہ اردشیر کا پہلے یہ لقب تھا[3] لہذا ساسانیوں کی نئی سلطنت میں وہ شاہی خاندان کے ممبروں کے نام کے ساتھ ایک بہت بڑے فوجی خطاب کے طور پہ لگایا جاتا تھا[4] ،

باقی کے چھ موروثی عہدوں میں سے جن کا شمار تھیوفی لیکٹس نے کیا ہے تین فوجی ہیں اور تین ملکی ، فوجی عہدوں میں سے ایک تو ناظرِ امور فوجی کا عہدہ ہے[5] ایک رسالہ

---

[1] نولڈکہ ، ترجمۂ طبری ص ۵ ، ح ۱ و ۳ ، ہرتسفلٹ : پای کُلی (فرہنگ - نمبر ۴۱۶) یوسٹی کا یہ قیاس کہ یہ ارگ سے مشتق ہے جس کے معنی "قلعۂ مستحکم" کے ہیں بارتھولومی نے صحیح تسلیم کیا ہے لیکن ہرتسفلٹ کے نزدیک وہ مشکوک ہے ، [2] دیکھو اوپر ص ۱۰۹ - ۱۱۰ ، [3] ابرسام اردشیر اوّل کے زمانے میں ارگبد تھا (طبری ص ۸۲۳) ، ہرتسفلٹ ، فرہنگ پای کُلی (نمبر ۴۱۶) ، کرسٹن سین : (Acta Orientalia) ج ۱۰ ص ۴۳ بعد ، یزدگرد اوّل (۳۹۹ء - ۴۲۰ء) کے زمانے میں مہرشاپور ارگبد کے عہدے پر مامور تھا ، (لابور : "عیسائیت در ایران بعہد ساسانی " ص ۹۷) ، [4] ہم نے اپنی دوسری کتاب " سلطنت ساسانیان " (ص ۲۷) میں ناظر امور فوجی کو ایران سپاہبذ تصور کیا ہے لیکن اب ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ اغلب نہیں ہے کہ سارے ایران کے کمانڈر انچیف یا وزیر جنگ کا سا ذمّہ داری کا عہدہ وراثت کے توکّل پر چھوڑا جاتا ہوگا ، ہمارا قیاس یہ ہے کہ یہ کوئی کمتر درجے کا فوجی عہدہ ہے مثلاً کنارنگ کا عہدہ (بزبان یونانی کنارنگیس ، بزبان سریانی قنارق) جس کو مؤرخ پروکوپیوس ایک خاص خاندان میں موروثی بتلاتا ہے ، ابرشہر (خراسان) کا مرزبان کنارنگ کہلاتا تھا ، وہاں کا صدر مقام نیشاپور تھا اور یہ صوبہ ہمیشہ وحشی خانہ بدوش قبیلوں کے حملے کے خطرے میں رہتا تھا ، (مارکوارٹ : " ایرانشہر " ص ۷۴ - ۷۵ ، ہرتسفلٹ : " آثار قدیمۂ ایران " ج ۲ ص ۱۱۰) ، یزدگرد سوم کے عہد میں جب عربوں کے ساتھ لڑائیاں جاری تھیں طوس

فوج کے سردار کا[1] اور ایک میگزین کے محافظ (ایران انبارگبد)[2] کا جس کو تھیوفی لیکٹس نے ساتویں خاندان کے ذمّے بتلایا ہے، ملکی عہدوں میں سے ایک ناظرِ امور ملکی کا عہدہ ہے جس کی نوعیت کسی قدر غیر واضح ہے دوسرے حاکم عدالت کا اور تیسرے کلکٹر اور خزانہ دار شاہی کا[3] یہ واضح رہے کہ تھیوفی لیکٹس کا یہ بیان ساسانیوں کے آخری زمانے کے متعلق ہے،

(گذشتہ سے پیوستہ) کا مرزبان کنارنگ کہلاتا تھا، (ثعالبی ص ۱۰۴ ، بلاذری ص ۴۰۵، س ۷ ، بلاذری میں اس لفظ پر غلط اعراب لگائے گئے ہیں)، فارسی کے فرہنگ نگار لفظ کنارنگ کے معنی 'حاکم صوبہ' کے لکھتے ہیں'

[1] ہماری کتاب "سلطنت ساسانیاں" (ص ۲۷) میں اس عہدے کا نام اسپ بد لکھا ہے لیکن یہ نام یقینی نہیں ہے، ہمارا خیال ہے کہ اسپ واربد یا اسوار بد زیادہ قرین صحت ہوگا،

[2] دیکھو نولڈکہ (ترجمہ طبری ص ۴۴۴)، ہرتسفلت : پای کُلی (فرہنگ۔ نمبر ۶۶)،

[3] ہمارا خیال نہیں ہے کہ یہ عہدہ وہی ہے جس کو واستر یوشان سالار (مستوفی ممالک) کہتے تھے، طبری (ترجمہ نولڈکہ ص ۱۱۰) اُن بڑے بڑے عہدوں کا شمار کرتے ہوئے جو وزیر مہر نرسی نے اپنے تین بیٹوں کو دلوائے لکھتا ہے کہ منجھلا بیٹا ماہ گشنسپ بہرام پنجم کے عہد میں شروع سے آخر تک واستر یوشان سالار کے عہدے پر مامور رہا، اگر یہ عہدہ موروثی تھا تو پھر ماہ گشنسپ کو بڑا بیٹا ہونا چاہیئے تھا، گمان یہ ہے کہ طبری سے اس بیان میں کچھ غلطی ہوئی ہے، دوسری جگہ (ترجمہ ص ۱۱۲) اس نے تینوں بیٹوں کو ایک اور ترتیب سے ذکر کیا ہے اور وہاں ماہ گشنسپ کو سب سے چھوٹا بیٹا بتلایا ہے، لیکن اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ماہ گشنسپ سب میں بڑا تھا اور لہذا اس کو واستر یوشان سالار کا عہدہ ورثے میں ملا تو پھر یہ ماننا پڑیگا کہ اس سے پہلے اس کا باپ مہر نرسی اور اس کا دادا درازگ بھی اس عہدے پر مامور رہ چکے تھے، لیکن دینوری (ص ۵۷) لکھتا ہے کہ یزدگرد اوّل کے بعد (یعنی مہر نرسی کی زندگی میں) ایک شخص مسمّی گشنسپ آذار "کاتب الخراج" تھا جس سے یقیناً واستر یوشان سالار مراد ہے، پس معلوم ہوا کہ جب اس عہدے پر مہر نرسی کی زندگی میں ایک دوسرا شخص مامور تھا تو مہر نرسی کو یہ عہدہ کبھی نہیں ملا، اگر دینوری کے اس بیان کو غلط بھی کہا جائے تب بھی یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ ماہ گشنسپ کو اپنے باپ کی زندگی میں اپنے خاندان کا موروثی عہدہ کیونکر مل گیا؟ غرض یہ کہ ہمارا قیاس ہے کہ کلکٹر اور خزانہ دار شاہی کے عہدے سے مراد واسپہرگان آمارکار ہے یعنی مستوفیِ خراجِ واسپہران" ۔ اس عالی مقام عہدہ دار کا ذکر ارمنی مآخذ میں بھی آیا ہے اور اس کے متعلق ایک جگہ لکھا ہے کہ اصفہان کا خراج اس کے گھر میں جمع ہوتا تھا، (ہیوبشمن، ارمنی گرامر ج ۱ ص ۱۰۸)،

یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کونسا عہدہ کس خاندان کے ساتھ مربوط تھا، ارگبد کے عہدے کے متعلق البتہ ہمیں علم ہے کہ وہ ساسانی خاندان سے متعلق تھا اور رسالہ فوج کی سرداری کے متعلق فرض کیا جا سکتا ہے کہ وہ خاندان اسپاہبد کے ذمے تھی، چونکہ سورین اور مہران اکثر ایرانی فوج کے سرداروں کے نام ہوتے ہیں اس سے شاید ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ باقی کے دو فوجی عہدے ان دو خاندانوں کی میراث میں تھے، لیکن یہ محض قیاس ہی قیاس ہے جس کے لئے ہمارے پاس کوئی سند نہیں، ملکی عہدوں کی تقسیم کے متعلق ہمیں کسی قسم کا کوئی علم نہیں،

اگر ہم بغور ملاحظہ کریں تو معلوم ہوگا کہ موروثی عہدے جتنے تھے وہ بیشک بہت اہم تھے لیکن عالی ترین اور اہم ترین نہیں تھے، درحقیقت یہ اغلب معلوم نہیں ہوتا کہ سلطنت میں چوٹی کے عہدے مثلاً وزیر اعظم یا کمانڈر انچیف کا عہدہ حقِ وراثت سے حاصل ہوتے ہوں اور بادشاہ کے ہاتھ میں اپنے مشیروں کے انتخاب کا کوئی اختیار نہ ہو اور جب کبھی وہ کسی بڑے عہدہ دار کو برطرف کرنا چاہے تو اس کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہ ہو کہ اس کو قتل کروا کے اس کی جگہ اس کے بڑے بیٹے کو مقرر کرے، ساسانیوں کی سلطنت کی بنیاد خود مختار حکومت پر تھی پس ایسی صورت حالات ان کی خود مختاری کے ساتھ کس طرح موافقت رکھ سکتی ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو تھوڑے ہی عرصے میں سلطنت تباہ ہو جاتی[1]، ساسانی سلطنت میں موروثی عہدے

---

[1] حیرہ کی عربی ریاست میں وزیر (رِدْف) کا عہدہ خاندان یربوع میں موروثی تھا اور یہ اس بات کے صلے میں تھا کہ اس خاندان والے تخت حیرہ کے دعوے سے دست بردار ہو گئے تھے (جوہری)، دیکھو انگر (Enger) کا مضمون، رسالۂ انجمن مشرقی آلمانی (Z. D. M. G.) ج ۱۳ ص ۲۴۰، روٹ شٹائن (خاندان لخمی، ص ۱۱۲، ۱۳۳)، یہ وہی ایرانی دستور تھا جس کو معقولیت کی حد سے آگے بڑھا دیا گیا تھا اور ایسی بات حیرہ جیسی چھوٹی سی ریاست ہی میں ممکن ہو سکتی تھی جس کو ایک بڑی سلطنت کی پناہ اور نگرانی نصیب تھی،

عزّت و افتخار کے عہدے تھے جو سات اوّلین خاندانوں کی امتیازی حیثیّت کی علامت سمجھے جاتے تھے[1]، لیکن اُن کی طاقت محض ان عہدوں سے نہیں تھی بلکہ اُس آمدنی سے جو اُن کو اپنی جاگیروں سے حاصل ہوتی تھی اور اس کے علاوہ (خصوصاً کواذ اور خسرو اوّل کے عہد سے پہلے) جاگیرداری کے اُس تعلق سے جو اُن کو اپنی رعایا کے ساتھ تھا، پھر ایک اور بات یہ بھی تھی کہ چونکہ ان کے لئے بادشاہ کے حضور میں رسائی حاصل کرنا آسان ہوتا تھا لہذا اس کی بدولت اُنہیں حکومت کے بڑے بڑے عہدے پانے کے امتیازی حقوق مل جاتے تھے،

قدیم سوسائٹی اور خاندانِ ساسانی کے خاتمے کے بعد بھی مدّتہائے دراز تک واسپُہر صوبۂ فارس میں باقی رہے، ابنِ حوقل دسویں صدی عیسوی میں لکھ رہا ہے کہ "فارس میں یہ بڑا اچھا دستور ہے کہ قدیم خاندانوں کے لوگوں (اہل البیوتات = واسپُہران) کی بڑی عزّت کی جاتی ہے اور ممتاز گھرانوں کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، ان خاندانوں میں بعض ایسے ہیں جو موروثی طور پر سرکاری محکموں

---

[1] ممکن ہے کہ شاہانِ ہخامنشی کی یہ رسم ساسانیوں کے ہاں بھی جاری ہو کہ شہنشاہ اپنی بیویوں کا انتخاب ترجیحاً اپنے خاندان میں سے کرتا تھا اور یہ نہیں تو پھر باقی کے چھ ممتاز گھرانوں میں سے، خسرو دوم (پرویز) کی ماں خاندان اسپاہ بذ سے تھی اور وِشتہم اور وِندوی (بِشتہم اور بِندوی) کی بہن تھی (نولدکہ ص ۲۷۳)، بہرحال یہ ایسا قاعدہ نہیں تھا جس میں استثناء نہ ہو، یزدگرد اوّل نے یہودیوں کے ریش گالوتا (راس الجالوت) کی بیٹی سے شادی کی تھی، خسرو اوّل کی بیوی خاقانِ اتراک کی بیٹی تھی اور خسروِ دوم ایک بازنطینی (رومی) شاہزادی سے بیاہا تھا، دوسری طرف اس امر کا ثبوت کہ ساسانی شاہزادیاں چھ ممتاز خاندانوں میں بیاہی جا سکتی تھیں یہ ہے کہ خسرو دوم کے ایک بھانجے کا نام مہران تھا (نولدکہ: ص ۱۴۰)، یوحنّا مامیکونی (مؤرّخ ارمنی) نے ایک سپہ سالار مسمّی وِخفنگ اور اس کے بھائی سورین کا ذکر کیا ہے اور لکھتا ہے کہ یہ دو نو خسرو دوم کے ماموں ہیں' (لانگلوا، ج ۱ ص ۳۷۰ ببعد و ص ۳۷۳)،

(دواوین) کے رئیس ہیں اور قدیم الایام سے اب تک اسی طرح چلے آتے ہیں[۱]"
مسعودی نے بھی اسی طرح فارس کے اہل البیوتات کا ذکر کیا ہے،

وُزُرگان

ساسانیوں کی تاریخ میں جس کا ایک حصّہ ہمارے لئے طبری کی تصنیف میں محفوظ رہا ہے تقریباً ہر صفحے پر بزرگان و آزادگان (العظماء و اھل البیوتات) کا نام ملتا ہے، جب کبھی کوئی نیا بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا تو بزرگان و آزادگان اظہارِ اطاعت کے لئے اور بادشاہ کا خطبہ سننے کے لئے جس کے ذریعے سے وہ اپنا تعارف اپنی رعایا سے کرتا تھا دربار میں جمع ہوتے تھے، یہی تھے جنھوں نے اردشیر دوم کو تخت سے اتارا اور شاپور سوم کو قتل کرایا[۲]، انھی بزرگان و آزادگان میں سے بعض تھے جنھوں نے یزدگرد اوّل کی اولاد و اعقاب کو تخت سے محروم کرنے کی ٹھانی تھی[۳] اور بعد میں اس کی جانشینی کے بارے میں جو گفت و شنید منذر (شاہِ حیرہ) کے ساتھ ہوئی وہ انھی بزرگان و آزادگان نے کی تھی[۴]، بعض وقت العظماء والاشراف[۵] کی ترکیب بھی دیکھنے میں آتی ہے، عربی میں "اھل البیوتات" اور "العظماء" اور "الاشراف" لفظی ترجمہ ہیں پہلوی الفاظ "واسپہران" اور "وُزُرگان" اور "آزادان" کا،[۶]

---

[۱] ابن حوقل، طبع یورپ ص ۲۰۷، [۲] طبری ص ۸۴۶، ترجمہ نولڈکہ ص ۷۰ و ۷۱،
[۳] طبری ص ۸۵۸، ترجمہ نولڈکہ ص ۹۱، [۴] طبری ص ۸۵۰ بعد، منذر کے ساتھ گفت و شنید کی وجہ یہ تھی کہ امراء دربار یزدگرد اوّل کے بعد بہرام گور کو تخت پر بٹھانا چاہتے تھے اور وہ اُس وقت منذر کے دربار میں مقیم تھا، (مترجم)، [۵] طبری ص ۸۳۵، ۸۷۱، ۸۸۳،
[۶] نولڈکہ، ترجمۂ طبری ص ۷۱ ح ۱، اہل البیوتات کا مترادف آرامی زبان میں باربیتان ہے جو واسپہران کے لئے بطور ہزوارش استعمال ہوا ہے، طبری کے ہاں ایک اور ترکیب "الوجوہ والعظماء" بھی استعمال ہوئی ہے (ص ۹۹۹)،

بعض وقت صرف "بزرگان" کا لفظ استعمال ہوا ہے[۱]، اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ ساسانیوں کی تاریخ میں "بزرگان" کو کس قدر اہمیت حاصل رہی ہے نیز یہ کہ اُن کا نام باقاعدہ طور پر ہمیشہ جاگیرداروں (واسپُہران) کے پہلو بہ پہلو لیا گیا ہے کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ وہ حکومت کے بڑے بڑے اعلیٰ افسر اور محکموں کے عالی ترین نمایندے تھے، زمرۂ "وزرگان" میں وزراء اور حکّامِ بالادست بھی شامل تھے[۲]،

آزاذان

اس لفظ کا مفہوم ابھی تک اچھی طرح واضح نہیں ہوا، یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ آریا قوم کے فاتحین نے آزاذان کا لقب ملک کے اصلی باشندوں کے مقابلے میں جن کو اُنھوں نے غلام بنایا اختیار کیا ہوگا۔ رفتہ رفتہ نسلوں کا اختلاط شروع ہوا جس کی وجہ سے بہت سے آزاد آریائی خاندان اپنی اصالت کو کھو بیٹھے اور اپنی سابقہ بلندی سے اتر کر کسانوں اور شہریوں کے متوسّط طبقے میں آملے، بعض اور نشیب و فراز بھی اس تنزّل میں مؤیّد ہوئے مثلاً جنگوں کے نتائج، قرضہ، اور زمین کا مسلسل حصّوں میں تقسیم ہوتے چلے جانا، آریائی خاندانوں میں سے جو نسبتہً زیادہ خالص حالت میں رہے بعض ترقّی کر کے واسپُہروں کے قلیل لیکن طاقتور زمرے میں داخل ہو گئے اور بعض اُن سے کمتر درجے کے نجباء کی جماعت میں رہے، یہ جماعت ساسانیوں کے زمانے میں خاصی کثیر تھی اور سارے ملک میں پھیلی ہوئی تھی اور صوبوں کی حکومت میں عہدہ داران زیر دست

---

[۱] طبری ص ۸۳۴، ۸۴۶، ۱۰۴۵، ۱۰۶۱،

[۲] دیکھو آگے، "مرکزی حکومت" کے عنوان میں،

انھی میں سے منتخب ہوتے تھے ، غالباً یہی لوگ تھے جنھوں نے آزاذان کا نام اپنے لئے محفوظ کر رکھا تھا ،

غالباً اسی جماعت سے ساسانیوں کی رسالہ فوج تعلق رکھتی تھی جو اُن کے لشکر کا بہترین جزء تھی ، تاریخِ یعقوبی میں ایک جگہ[1] جہاں پانچویں صدی کے شروع میں[2] یزدگرد اوّل کے زمانے میں مراتب کی ترتیب سے بحث کی گئی ہے ہمیں بتلایا گیا ہے کہ افسرانِ لشکر کو "سوار" کہا جاتا تھا ، قیاس یہ ہے کہ ان سواروں میں سے اکثر امن کے زمانے میں اپنی اپنی زمین پر زندگی بسر کرتے تھے ، کھیتوں میں کاشت کرتے تھے اور کسانوں سے کام لینے میں مشغول رہتے تھے ،

یہ طبعی بات ہے کہ جس قوم میں نہایت قدیم زمانے سے گھوڑوں کا شوق اور شہسواری کا مذاق رہا ہو وہ سواروں کے لشکر کی طرف خاص توجہ مبذول کرے اور نجبا کے طبقۂ اوّل کے بعد (جن کی تعداد قلیل تھی) ان کو شمار کرے ، آگے چل کر ہم اس بات کو ملاحظہ کرینگے کہ بعد کے زمانے میں سوار کا لقب سوسائٹی میں بہت بڑی وقعت رکھتا تھا ،[3]

دوسری طرف کمتر درجے کے اشراف تھے جن کی طاقت ان کے موروثی مقامی اختیارات میں مرکوز تھی ، وہ کذک خوذایان[4] (کدخدایان یعنی رؤسا خانہ) اور دہقانان[5]

---

[1] طبع ہوٹسما ، ج ۱ ، ص ۲۰۲ ، [2] دیکھو باب ششم و ضمیمہ نمبر ۲ ، [3] دیکھو باب ہشتم ،
[4] دیکھو ہرتسفلڈ : پای کُلی (فرہنگ - نمبر ۵۶۷ - ۵۷۰) ، بارتھولومی : "قرونِ وسطی کی ایرانی زبان کے متعلق معلومات" (جرمن) ، ج ۳ ، ص ۴۳ ببعد ، اس سیاسی اور معاشرتی جماعت کا نام قدیم زمانے کے مان بد کا مترادف ہے جو مذہبی کتابوں میں مذکور ہے (دیکھو اوپر ، ص ۱۱) ، اشکانی زمانے میں شہزادے کذک خوذای کہلاتے تھے (دیکھو ص ۱۴) ، [5] عہد ساسانی کے آخر میں دہقان کا لفظ بظاہر زیادہ وسیع معنوں میں استعمال ہونے لگا تھا اور عہد اسلامی میں بھی اس کا استعمال جاری رہا ، دہقانوں کی جماعت کو افسانوی بادشاہ ہوشنگ کے بھائی ویگرد کی نسل سے بتلایا جاتا ہے ، (دیکھو کرستن سین : "ایران کی افسانوی تاریخ میں اوّلین انسان اور اوّلین بادشاہ" ص ۱۴۴ ، ۱۵۰ ، ۱۵۱ ، ۱۵۳ ، ۱۵۵ ، ۱۵۹) ،

(رؤساء دیہ) کہلاتے تھے، حکومت کی مشین میں دہقان بمنزلہ ایسے پہیوں کے تھے جن کے بغیر اس کا چلنا دشوار تھا، اگرچہ بڑے بڑے تاریخی واقعات میں وہ کہیں نظر نہیں آتے تاہم حکومت کے نظام اور اس کی عمارت میں وہ ایسی مستحکم بنیاد کی حیثیت رکھتے تھے جس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوسکتا، دہقان پانچ جماعتوں میں منقسم تھے جن میں سے ہر ایک کا ایک امتیازی لباس تھا[1]، مجمل التواریخ میں دہقان کی تعریف یہ لکھی ہے کہ وہ "رئیس تھے، زمینوں اور گاؤں کے مالک تھے"[2] لیکن اکثر حالتوں میں دہقان کی موروثی اراضی کا رقبہ کچھ بہت زیادہ نہیں ہوتا تھا اور بعض وقت اس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنے گاؤں کا سب سے بڑا کسان ہوتا تھا[3]، لہذا کسانوں کی آبادی میں دہقان کا وہ رتبہ نہ تھا جو امرائے جاگیردار کا تھا، اس کی حیثیت یہ تھی کہ وہ سرکاری علاقے کی زمینوں کے کاشتکاروں میں گورنمنٹ کا نمایندہ تھا اور اس حیثیت سے اس کا سب سے بڑا فرض یہ تھا کہ کاشتکاروں سے لگان یا معاملہ وصول کرے[4]، دہقانوں کو جو معلومات اراضی اور رعایا کے متعلق حاصل تھیں انھی کی بدولت یہ ممکن تھا کہ لگان کامیابی کے ساتھ باقاعدہ وصول ہوتا رہتا تھا جس سے دربار کے تزک و احتشام اور جنگوں کے گراں مصارف پورے ہوتے رہتے تھے باوجود اس کے کہ ایران کی زمین بالعموم کچھ زیادہ زرخیز نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ عرب فاتحین نے جب تک دہقانوں کی معاونت حاصل نہ کی وہ ایران سے اتنا مالیہ وصول نہ کرسکے جتنا کہ ساسانیوں کے وقت میں وصول ہوتا تھا[5]،

---

[1] مروج الذہب، ج ۲، ص ۲۴۱، [2] دیکھو ترجمہ شاہنامہ از مول ج ۱، ص ۷، اس تعریف کی رو سے دہقان وہی ہوا جو ہندوستان میں ٹھاکر ہے (مترجم)، [3] نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۴۴۰،
[4] یعنی وہی جو ہندوستان میں گاؤں کا نمبردار یا پٹیل کرتا ہے، (مترجم)، [5] دیکھو فان فلوٹن (Van Vloten)، "امسٹرڈم کی شاہی اکیڈمی کی روئداد" ۱۹۱۲ء ص ۱۳ ببعد،

مرکزی حکومت کا نظم و نسق

وزیر اعظم

مرکزی حکومت کا صدر وزیر اعظم تھا جس کا لقب شروع میں ہزار بد تھا، ہخامنشیوں کے زمانے میں ہزار پتی بادشاہ کی محافظ فوج کے دستے کا افسر ہوتا تھا جس میں سپاہیوں کی تعداد ایک ہزار تھی، اس زمانے میں یہ افسر سلطنت کے اولین عہدہ داروں میں شمار ہوتا تھا اور بادشاہ اُسی کے توسط سے سلطنت کا نظم و نسق کیا کرتا تھا[۱]، یہ نام اشکانیوں کے زمانے میں محفوظ رہ کر ساسانیوں کے عہد میں پہنچا، ارمنی مؤرخ ایران کے وزیر اعظم کو "ہزارپت دُرَن اریتش" لکھتے ہیں جس کے معنی "محافظِ دربارِ ایران" کے ہیں، ایک خط میں جو اہلِ آرمینیہ نے یزدگرد دوم کے وزیر اعظم مہر نرسی کو لکھا اس کے القاب میں "ہزارپت ایران و غیر ایران"[۲] کا لقب شامل کیا، لیکن جب اسی وزیر اعظم نے ارمنیوں کو خط لکھا تو اپنا لقب

---

[۱] بقول نیپوس (مؤرخ لاطینی) اس کا رتبہ شہنشاہ کے بعد دوسرے درجے پر تھا، سکندر کے ہاں پہلے ہیفاستیون (Hephaistion) اور اس کے بعد پرڈکاس (Perdiccas) ہزار بد (Chiliarch) کے عہدے پر مامور تھا، پولی سپرکون (Polysperchon) کی ولایت کے زمانے میں کاساندر (Cassandre) کو ہزار بد کا عہدہ دیا گیا، اس پر مؤرخ ڈیوڈورس (۱۸، ۴۸) مزید اطلاع دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ شاہان ایران کے ہاں ہزار بد بلحاظ رتبہ سب سے اونچا عہدہ ہے، (مارکوارٹ رسالہ "فلولوگس" ج ۵۵، ص ۲۲۷ ببعد)، پائی کلی کے کتبے میں بھی ہزار بد کا لقب مذکور ہے، (فرہنگ نمبر ۳۸۲)

[۲] شاہ ایران کے لقب کی مماثلت سے جو "شہنشاہ ایران و اَنِ ایران" تھا،

"وُزُرگ فُرمَاذار ایران و غیر ایران"[1] تحریر کیا[2]، طبری سے ہم کو اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ باضابطہ طور پر اس کا لقب یہی تھا[3] اور مسعودی اور یعقوبی کے ہاں بعض عبارات ایسی ہیں جن سے اس امر کی کافی طور سے تائید ہوتی ہے کہ عہدِ ساسانی کے آخر تک وزیر اعظم کا لقب "وُزُرگ فرماذار" ہی تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ اس کو "در اندرزبد" (مشیر دربار) بھی کہا جاتا تھا[4]،

وزیر اعظم کے عہدے پر جو لوگ مامور رہے ان میں سے ایک تو ابہرسام کا نام معلوم ہے جو اردشیر اوّل کا وزیر تھا[5]، یزدگرد اوّل کے زمانے میں خسرو یزدگرد تھا[6]، مہرنرسی ملقب بہ "ہزار بندگ" (ہزار غلاموں والا) یزدگرد اوّل اور بہرام پنجم کا وزیر اعظم تھا[7]، سورین پہلوٗ بہرام پنجم کے زمانے میں اس عہدے پر مامور تھا[8]،

وزرگ فرماذار کے اختیارات اور وسعتِ اقتدار کے متعلق ہمارے پاس اطلاعات بہت کم ہیں، یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس کا فرض منصبی بادشاہ کی نگرانی میں امورِ سلطنت کا سر انجام تھا لیکن اکثر اوقات وہ اپنی رائے سے معاملات کو طے کرتا تھا اور جب کبھی بادشاہ سفر میں یا کسی مہم پر ہوتا تو وہ اس کا قائم مقام ہوتا تھا[9]، بیرونی ممالک کے ساتھ

---

[1] ارمنی زبان میں اس کو "وُزُرگ ہرمَنتَرَ" لکھا ہے، (ہیوبشمن، ارمنی گرامر ج ۱ ص ۱۸۲ - ۱۸۳)۔ وزرگ فرماذار کے معنی "فرمانروائے بزرگ" یا حاکم اعلیٰ کے ہیں، فُرماذار (بدون کلمۂ وزرگ) مذہب زرتشتی میں ایک اونچے درجے کا دینی عہدہ دار تھا لیکن اس کے فرائض کا حال صحیح طور سے معلوم نہیں، (ویسٹ، متونِ پہلوی ج ۱ ص ۱۴۵، ج ۲ ص ۱۵۲، ۲۷۶)، [2] لانگلوا، ج ۲ ص ۱۹۰، ۱۹۲،

[3] ترجمہ نولڈکہ ص ۱۱۱، [4] دیکھو ضمیمہ ۲، ہرتسفلٹ: پای کُلی (فرہنگ ۔ نمبر ۱۰۰)۔ در اندرزبد = طیسفون کا اندرزبد، [5] طبری ص ۸۱۶، کرسٹن سین: (Acta Orientalia) ج ۱۰ ص ۴۳ ببعد، ابہرسام علاوہ وزیر اعظم کے ارگبد بھی تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساسانی خاندان سے تھا،

[6] لابور (Labourt) ص ۹۷، [7] طبری ص ۸۴۹، ۸۶۸، [8] لازار فرپی (مؤرخ ارمنی)، طبع لانگلوا، ص ۲۷۰،

[9] طبری ص ۸۶۶، ترجمہ نولڈکہ ص ۱۰۶،

سیاسی گفت وشنید کا کام بھی اُسی کے ذمے تھا اور اگر ضرورت پڑے تو وہ سالارِ لشکر بھی ہوسکتا تھا[۱]، خلاصہ یہ کہ بادشاہ کا مشیرِ خاص ہونے کی حیثیت سے نظامِ حکومت کا جزو وکُل اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ ہر معاملے میں دخل دینے کا اہل تھا[۲]، وزرگ فرماذار جو کامل معیار کا ہوتا تھا وہ تہذیب وشائستگی میں بے نظیر، اخلاقی قوت میں ممتاز، اپنے ابنائے زمانہ میں فائق[۳]، جامعِ خصالِ حمیدہ، صاحبِ حکمت نظری وعملی[۴]، اور دانائی وفرزانگی میں یکتا ہوتا تھا، اس کی شخصیت ایسی طاقتور ہوتی تھی کہ جب کبھی بادشاہ عیّاشی اور بدکرداری میں مبتلا ہوجاتا تو وہ اس کو اپنے ذاتی اثر سے راہِ ہدایت کی طرف لاتا تھا[۵]،

وزیرِ اعظم کا عہدہ جس شکل میں کہ وہ زمانۂ خلافتِ اسلام میں تھا (اور اس کی وہی شکل تمام اسلامی سلطنتوں میں برقرار رہی) مستفیماً دولتِ ساسانی سے اخذ کیا گیا تھا[۶]، اور فضلاءِ عرب جنھوں نے سیاسی نظریے قائم کئے وزیرِ اعظم کے عہدے کے متعلق جو اصولی باتیں لکھتے ہیں وہ ساسانیوں کے وزرگ فرماذار پر عین صادق آتی ہیں، بقول ماوردی وزیرِ اعظم تمام وہ اختیارات رکھتا ہے جو خود خلیفہ کے ہیں، صرف اتنی بات اس پر واجب ہے کہ وہ خلیفہ کو اپنے تمام انتظامات سے آگاہ کرتا رہے تاکہ اس کی زبردستی اور اطاعت کا اظہار ہوتا رہے، دوسری طرف خلیفہ کا یہ فرض ہے کہ وزیر کے جملہ افعال کی نگرانی کرے، وزیر کے اختیارات صرف

---

[۱] طبری ص ۸۶۸، ترجمۂ نولڈکہ ص ۱۰۶، [۲] لیکن چھٹی صدی کے دوران میں وزرگ فرماذار کے اختیارات کم ہوگئے تھے، دیکھو باب ششم وضمیمہ ۲، [۳] طبری ص ۸۴۹، [۴] جو نمونہ کہ وزرگ مہر (بزرجمہر) کا تھا، دیکھو کرسٹن سین (Acta Orientalia) ج ۸، ص ۸۱ ببعد، [۵] طبری ص ۸۴۹، [۶] انگر (Enger)، رسالۂ انجمن مشرقی آلمانی، ج ۱۳، ص ۲۴۰،

تین باتوں میں محدود تھے، اوّل یہ کہ اس کو اپنا جانشین یا نائب خود مقرر کرنے کا حق حاصل نہ تھا، دوسرے وہ مجاز نہ تھا کہ اپنے کام سے علیحدگی اور خانہ نشینی کی اجازت لوگوں سے طلب کرے کیونکہ وہ بادشاہ کا کارندہ ہے نہ کہ لوگوں کا، تیسرے اس کو خاص اجازت کے بغیر یہ اختیار نہ تھا کہ کسی ایسے عہدہ دار کو جسے بادشاہ نے مقرر کیا ہو برخاست کرکے اس کی جگہ دوسرا آدمی تعینات کرے[1]، ان تین باتوں میں سے دوسری کے متعلق صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ عہد خلافت میں پیدا ہوئی جس کی بنا جمہوری حکومت پر تھی، پس خلاصہ یہ کہ وزرگ فرماذار کو شہنشاہِ ایران سے وہی تعلق تھا جو زمانۂ مابعد میں وزیر اعظم کو خلیفہ سے تھا، عربی کتاب موسوم بہ "دستور الوزرا" میں لکھا ہے کہ "شاہانِ ایران تمام بادشاہوں سے بڑھ کر اپنے وزرا کا احترام کرتے تھے، وہ یہ کہتے تھے کہ وزیر وہ شخص ہے جو ہماری حکومت کے معاملات کو سلجھاتا ہے وہ ہماری سلطنت کا زیور ہے وہ ہماری زبانِ گویا ہے وہ ہمارا ہتھیار ہے جو ہر وقت مہیا ہے تاکہ ہم اس سے دور دور کے ملکوں میں اپنے دشمنوں کو ہلاک کریں[2]"

نظامِ مذہب یا کلیسائے زرتشتی

مجوس (یا مغان) اصل میں میڈیا کے ایک قبیلے یا اُس قبیلے کی ایک خاص جماعت کا نام تھا جو غیر زرتشتی مزدائیت کے علماء مذہب تھے[3]، جب

---

[1] انگر، رسالۂ انجمن مشرقی آلمانی، ج ۱۳ ص ۲۴۲، [2] ایضاً ص ۲۴۰، [3] کرسٹن سین: مضمون بہ عنوان "ایرانیان" (کتابچۂ علوم قدیمہ) سلسلہ سوم، حصّۂ اوّل جلد ۳ ص ۲۸۹ بعد،

مذہب زرتشت نے ایران کے مغربی علاقوں (میڈیا اور فارس) کو تسخیر کیا تو مغان اصلاح شدہ مذہب کے رؤسائے روحانی بن گئے، اوستا میں تو یہ علماء مذہب آذروان کے قدیم نام سے مذکور ہیں لیکن اشکانیوں اور ساسانیوں کے زمانے میں وہ معمولاً مُغ کہلاتے تھے، ان لوگوں کو ہمیشہ قبیلۂ واحد کے افراد ہونے کا احساس رہا اور لوگ بھی ان کو ایک ایسی جماعت تصوّر کرتے تھے "جو قبیلۂ واحد سے تعلق رکھتی ہے اور خداؤں کی خدمت کے لئے وقف ہے"[1]

عہد ساسانی میں علمار مذہب امرائے جاگیردار کے دوش بدوش چلتے رہے اور جب کبھی ضعف و انحطاط کا دور آجاتا تھا تو یہ دونو جماعتیں بادشاہ کے خلاف ایک دوسرے کی مؤیّد ہو جاتی تھیں، لیکن ویسے یہ دو گروہ بالکل ایک دوسرے سے الگ تھے اور ہر ایک کی اپنی اپنی ترقّی کا راستہ جدا تھا، جہاں تک ہمیں علم ہے ساسانیوں کے زمانے میں امرا کے بڑے بڑے گھرانوں میں سے کوئی شخص موبدان موبد نہیں بنایا گیا[2]، موبدوں کا انتخاب ہمیشہ قبیلۂ مغان میں سے ہوتا تھا جس کی تعداد طبعی طور سے صدہا سال کے زمانے میں بہت بڑھ گئی تھی[3]، طائفۂ مغان نے بھی ایران کی شاندار افسانوی تاریخ میں سے اپنا ایک شجرۂ نسب تیار کیا جو نجباء کے عالی خاندانوں کے شجرے کے مقابلے پر تھا، ساسانیوں نے اپنا نسب (بواسطۂ ہخامنشیان) کوی وِشتاشپ تک پہنچایا جو زرتشت کا مربّی تھا اور اکثر دوسرے عالی خاندانوں نے بھی (بواسطۂ اشکانیاں) اپنا مُورث اعلیٰ

---

[1] مارسیلینوس، ج ۲۳، ص ۶، س ۳۴،

[2] تاریخ میں لکھا ہے کہ زُروان داذ پسر مہر نرسی کو جو خاندان سپندیاد سے تھا، ہیربدان ہیربد بنایا گیا تھا، [3] شیعہ سوسائٹی میں سیّدوں کی تعداد بھی اسی طرح بڑھی ہے،

اُسی کو قرار دیا، اُس کے مقابلے پر موبدوں کا جدِ اعلیٰ شاہِ افسانوی مَنُوش چِیثر (منوچہر) قرار پایا جو اساطیری خاندان پَرَداتَ سے تھا کہ وِشتاسپ سے بہت زیادہ قدیم ہے[1]،

طبقۂ علماء مذہب اپنے دنیاوی اقتدار کو ایک مقدّس اور مذہبی رنگ دیتے تھے اور اس ترکیب سے وہ ہر شخص کی زندگی کے اہم معاملات میں دخل دے سکتے تھے، گویا یوں کہنا چاہیئے کہ ہر شخص کی زندگی مہد سے لحد تک ان کی نگرانی میں بسر ہوتی تھی، مؤرخ اگاتھیاس لکھتا ہے[2]، کہ "فی زمانناہر شخص ان کا (مغان کا) احترام کرتا ہے اور بیحد تعظیم کے ساتھ پیش آتا ہے، پبلک کے معاملات ان کے مشوروں اور پیشینگوئیوں سے طے ہوتے ہیں اور لوگوں کے باہمی تنازعات کا وہ غور و فکر کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں، اہلِ فارس کے نزدیک کوئی چیز مستند اور جائز نہیں سمجھی جاتی جب تک کہ ایک مُغ اس کے لئے جواز کی سند نہ دے"۔

موبدوں کا رسوخ اور اثر محض اس وجہ سے نہ تھا کہ ان کو روحانی اقتدار حاصل تھا یا یہ کہ حکومت نے اُن کو فصلِ خصومات کا کام دے رکھا تھا یا یہ کہ وہ پیدائش اور شادی اور تطہیر اور قربانی وغیرہ کی رسموں کو ادا کراتے تھے بلکہ ان کی زمینوں اور جاگیروں اور اُس کثیر آمدنی کی وجہ سے بھی جو اُنہیں مذہبی کفّاروں اور زکوٰۃ اور نذر نیاز کی رقموں سے ہوتی تھی، اور پھر اس کے علاوہ

---

[1] دیکھو ایرانی بُندہِشن (طبع انکلساریا) کا انگریزی ترجمہ از ویسٹ (باب ۳۳)، خاندان قارین کا شجرۂ نسب جو طبری نے دیا ہے (ص ۸۷۷ - ۸۷۸) اس کی رُو سے اس خاندان کا جدّ اعلیٰ بھی یہی منوش چِثر ہے،

[2] ج ۲، ص ۲۶،

انہیں کامل سیاسی آزادی حاصل تھی یہاں تک کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے حکومت کے اندر اپنی حکومت بنا رکھی تھی، شاپور دوم کے زمانے تک میڈیا اور بالخصوص ایٹروپیٹین (آذر بائجان) مُغوں کا ملک سمجھا جاتا تھا، وہاں ان لوگوں کی زرخیز زمینیں اور پُرفضا مکانات تھے جن کے گرد حفاظت کے لئے کوئی دیوار نہیں بنی ہوتی تھی[1] اپنی ان زمینوں پر یہ لوگ اپنے خاص قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے[2] غرض یہ کہ رؤسائے مغان کے قبضے میں بلاشبہ بڑی بڑی املاک اور جاگیریں تھیں،

موبدانِ زرتشتی کی کلیسائی حکومت میں مراتب کا ایک سلسلہ تھا جو نہایت منظم اور مرتب تھا لیکن اس کے متعلق ہمارے پاس صحیح اطلاعات موجود نہیں ہیں، طائفۂ مجوس (جن کو مُغان یا مگوآن یا مگوگان لکھا جاتا ہے) پیشوایانِ مذہب میں کمتر درجے کے تھے لیکن تعداد میں کثیر تھے، بڑے بڑے آتشکدوں کے رئیس مُغان مُغ کہلاتے تھے (جس کو مگوآن مگو یا مگو مگوآن بھی لکھا جاتا ہے[3])، ان سے اوپر کا طبقہ موبدوں (مگوپت) کا تھا[4]، تمام سلطنتِ ایران کلیسائی اضلاع میں منقسم تھی جن میں سے ہر ایک ضلع ایک موبد کے ماتحت تھا، بہت سے نگینے آج موجود ہیں جن پر موبدوں کے نام اور تصویریں

---

[1] مطلب یہ کہ اُنھیں حفاظت کے لئے دیوار کی حاجت نہ تھی بلکہ ان کا تقدّس ان کا محافظ تھا

[2] مارسیلینوس، ج ۲۳، ص ۶ س ۳۵، [3] دیکھو مُہرہائے بافرنگ وکواذ، بافرنگ آتش آذرگُشنسپ کا مُغان مُغ تھا، (آتشِ آذرگشنسپ کے متعلق دیکھو باب سوم)، ہرتسفلٹ: پای گُلی ص ۸۲، [4] یونانی اور لاطینی مصنّف لفظ مگوس (Magos) سے بلا امتیاز مغ اور موبد دو نو مراد لیتے ہیں، برعکس اس کے عربی اور فارسی تصانیف میں لفظ موبد مذہب زرتشتی کے تمام کلیسائی مراتب پر حاوی ہے،

کھدی ہوئی ہیں مثلاً ایک نگینے پر خسرو شاذ ہرمز کے موبد پاپک کا نام لکھا ہوا ہے ایک پر وِیذ شاپور موبدِ اردشیر خورّہ کا ، اسی طرح فرّخ شاپور موبد ایران خورّہ شاپور، باقرسگ موبدِ میشان وغیرہ[1]،

تمام موبدوں کا رئیس اعلیٰ جس کو زرتشتی دنیا کا پوپ کہنا چاہیئے موبدان موبد تھا ، تاریخ میں پہلی دفعہ اس کلیسائی عہدے کا ذکر وہاں آیا ہے جہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ اردشیر اوّل نے ایک شخص جس کا نام شاید ماہ داذ تھا موبدان موبد مقرر کیا[2]، ممکن ہے کہ یہ عہدہ اس سے پہلے بھی موجود رہا ہو لیکن اس کی غیر معمولی اہمیت اُسی وقت سے ہوئی جب سے کہ مزدائیت کو حکومت کا مذہب قرار دیا گیا ،

ماہ داذ کے علاوہ اور جو لوگ موبدان موبد کے عہدے پر سرفراز رہے ان میں سے ایک نو ہُنگ کا نام معلوم ہے دوسرے اس کا جانشین آذربذ مہرسپندان تھا ، یہ دونو شاپور دوم کے عہد میں تھے ، اس کے بعد بہرام پنجم کے زمانے میں مہر وراز[3] ، مہر اگاوِیذ اور مہر شاپور تھے اور خسرو اوّل (انوشیروان) کے عہد میں آزاذسذ موبدان موبد تھا[4]،

تمام امورِ کلیسائی کا نظم و نسق موبدان موبد کے ہاتھ میں تھا ، دینیات اور عقاید کے نظری مسائل میں فتوے صادر کرنا اور مذہبی سیاسیات میں عملی معاملات کو طے کرنا اسی کا کام تھا ، کلیسائی عہدہ داروں کو یقیناً وہی مقرر کرتا تھا اور وہی

---

[1] ہرتسفلت : پای کُلی ص ۷۹ - ۸۱ ، [2] طبری ص ۸۱۶ ، کرسٹن سین (Acta Orientalia) ج ۱۰ ، ص ۴۹ - ۵۰ ، [3] بُندہشن (ترجمۂ ویسٹ باب ۳۳) ، متن طبع انکلساریا ص ۲۳۶،
[4] "وقائع شہدائے ایران" (اقتباسات از Braun) ص ۲۱۳،

معزول کرتا تھا، دوسری طرف خود اس کا اپنا تقرر (جیسا کہ بہت سی علامات سے ظاہر ہے) بادشاہ کے اختیار میں تھا، جب کبھی ملک کے کسی حصے میں مروجہ مذہب کے خلاف مخالفت کا ہنگامہ برپا ہوتا تھا تو وہ تحقیقاتی کمیشن کے مقرر کرنے میں حکومت کے ساتھ تعاون کرتا تھا[1]، تمام مذہبی معاملات میں وہ بادشاہ کا مشیر ہوتا تھا[2] اور روحانی مرشد اور اخلاقی رہنما ہونے کی حیثیت سے سلطنت کے تمام معاملات میں وہ غیر معمولی طور پر اپنا اثر ڈال سکتا تھا[3]،

آتشکدوں میں مراسم نماز کا ادا کرانا جس کے لئے خاص علم اور عملی تجربے کی ضرورت تھی ہیربدوں سے متعلق تھا، ہیربد وہی لفظ ہے جو اوستا میں اَیثْرَپایتی ہے، خوارزمی نے ہیربد کی تعریف "خادم النّار" کی ہے[4]، طبری نے لکھا ہے کہ خسرو دوم (پرویز) نے آتشکدے تعمیر کرائے جس میں اس نے بارہ ہزار ہیربد زمزمہ و مناجات کے لئے مقرر کیئے[5]، ہیربد کے عہدے کی جو حرمت و توقیر ہوتی تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ ساتویں صدی میں جب عربوں نے فارس کو فتح کیا تو اس وقت اس صوبے کا حاکم ایک ہیربد تھا جو گویا دین و دنیا کی حکومت

---

[1] دیکھو باب ششم، [2] طبری ص ۹۶۵، [3] شاہنامۂ فردوسی میں موبد اور موبدان موبد جو اہم فرائض انجام دیتے ہیں وہ قابلِ توجہ ہیں، نیز دیکھو نہایہ (ص ۲۲۷ و ۲۴۰) جہاں موبدان موبد شاہ متوفّی کا وصیت نامہ مرتب کرتا ہے اور پھر اس کے جانشین بیٹے کو پڑھ کر سناتا ہے، تاریخ کے خاص خاص زمانوں میں بادشاہ کے انتخاب میں موبدان موبد کو جو دخل تھا اس کے متعلق دیکھو باب ششم، طبری کے ایک مقام (ص ۸۶۲) سے پتہ چلتا ہے کہ موبدان موبد بادشاہ کے گناہوں کے اعتراف کی سماعت بھی کرتا تھا، [4] مفاتیح العلوم، ص ۱۱۶، [5] طبری ص ۱۰۴۱-۱۰۴۲ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تعداد بہت مبالغہ آمیز ہے، یعقوبی نے ہیربد کے معنی قیّم النّار بتلائے ہیں (طبع ہوتسما، ج ۱، ص ۲۰۲)، آگے چل کر معلوم ہوگا کہ بادشاہ کے سامنے آتشِ مقدس کے بجھنے کا اعلان ہیربذان ہیربذ ہی نے کیا تھا،

کا جامع تھا[1]،

ہیربدوں کا رئیس اعلیٰ، ہیربذان ہیربذ تھا جو کم از کم عہد ساسانی کے خاص خاص زمانوں میں موبدان موبذ کے بعد سب سے بڑے صاحب منصبوں میں شمار ہوتا تھا[2]، ہیربذان ہیربذ جو تاریخ میں مذکور ہیں ان میں ایک تونسر ہے جو کلیسائے رسمی کی تنظیم میں اردشیر اوّل کا معاون تھا[3]، ایک زُروان داذ پسر مہر نرسی ہے جس کو بقول طبری "اس کے باپ نے مذہب و شریعت کے لئے وقف کر دیا تھا"[4]

طبری کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حاکم شریعت کے فرائض بھی ہیربذان ہیربذ انجام دیتا تھا اور مسعودی نے تو صاف صاف لکھا ہے کہ ہیربد بحیثیت حکّامِ عدالت قانونی فیصلے صادر کیا کرتے تھے[5]،

کلیسائے زرتشتی کے دوسرے عہدہ دار جن کے فرائض کو ہم صحیح طور سے معیّن نہیں کر سکتے دَرَدَبذ (استادِ عمل)[6] اور دَستوَر تھے، دَستوَر غالباً مسائل مذہبی کے ماہر کو کہتے تھے گویا ایک طرح کا فقیہہ جس کی طرف لوگ شریعت کے پیچیدہ مسائل کو حل کرانے کے لئے رجوع کرتے تھے[7]، ایک اور اعلیٰ عہدہ مُغان اندرزبد یا مگوگان اندرزبد (مُعلّمِ مُغان) کا تھا[8]،

---

[1] آتشکدوں کے متعلق جملہ تفاصیل دیکھو باب ششم میں، [2] دیکھو ضمیمہ ۲، [3] دین کرد طبع پشوتن سنجانا ص ۵۰۴، ۵۰۶، کرسٹن سین (Acta Orientalia) ج ۱۰، ص ۴۵-۴۷، نیز دیکھو آگے باب سوم، [4] ص ۸۶۹، [5] مروج الذہب ج ۲، ص ۱۵۶، [6] بین وَنِشت (Benveniste) رسالہ "تبصرۂ مطالعات ارمنی" (بزبان فرانسیسی)، ج ۹، ص ۱۰، [7] اردشیر اوّل نے اوستا کے متن کو معیّن کرانے کے لئے سلطنت کے تمام "دستوروں" اور "موبدوں" کو جمع کیا تھا، بعض وقت لفظ "دستور" عام معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس کا اطلاق جماعت علماء زرتشتی کے تمام افراد پر ہوتا ہے، [8] ایلیزے، دیکھو ہیوبشمن (ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۹۹)، ہوفمن ص ۵۰-۵۱ (دِہ پناہ مگوگان اندرزبد) "مَسِ مُغان" یعنی رئیس مغان کا ایک عہدہ عربوں کی فتح کے وقت دماوند میں تھا اور اسلامی زمانے میں ڈیڑھ سو برس تک قائم رہا، لیکن یہ عہدہ ساسانیوں کے آخری زمانے میں وجود میں آیا تھا، (مارکوارٹ، "ایرانشہر" ص ۱۲۸)،

یہ مذہبی عہدہ دار عامّۃ النّاس کے ساتھ اپنے تعلّقات میں جو فرائض انجام دیتے تھے وہ متعدّد اور مختلف تھے مثلاً مراسم تطہیر کا ادا کرانا، گناہوں کے اعترافات کو سُننا اور ان کو معاف کرنا، کفّاروں کا تجویز کرنا، ولادت کی مقرّرہ رسوم کا انجام دلوانا، رشتۂ مقدّس یعنی زُنّار (کُستیگ) کا باندھنا، شادی اور جنازہ[1] اور مختلف مذہبی تہواروں کے مراسم کی نگرانی وغیرہ، اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ کس طرح مذہب روزانہ زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے واقعات میں بھی مداخلت کرتا تھا اور یہ کہ ہر شخص دن اور رات میں کتنی دفعہ ذرا سی غفلت پر گناہ اور نجاست میں پکڑا جاتا تھا تو معلوم ہوگا کہ مذہبی عہدہ کوئی بے کام کی نوکری نہ تھی، حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص جس کو بزرگوں سے کوئی مال یا جائداد ترکے میں نہ ملی ہو مذہبی پیشہ اختیار کرکے اپنے متفرّق مشاغل کی بدولت بآسانی صاحب ثروت بن سکتا تھا[2]،
ان مذہبی عہدہ داروں پر واجب تھا کہ دن میں چار دفعہ آفتاب کی پرستش کریں، اس کے علاوہ چاند اور آگ اور پانی کی پرستش بھی ان پر فرض تھی، ان کے لئے ضروری تھا کہ سونے اور جاگنے اور نہانے اور زنّار باندھنے اور کھانے اور چھینکنے اور بال یا ناخن ترشوانے اور قضائے حاجت اور چراغ جلانے کے وقت خاص خاص دعائیں پڑھیں، اُنھیں حکم تھا کہ اُن کے گھر کے چولھے میں آگ کبھی بجھنے نہ پائے، آگ اور پانی ایک دوسرے کو چھونے نہ پائیں، دھات کے برتنوں پر کبھی زنگ نہ آنے پائے کیونکہ دھاتیں مقدّس ہیں، جو شخص کسی میّت یا . . . . . یا زچّہ کو (خصوصاً جس نے مردہ بچّہ جنا ہو) چھو جائے اس کی ناپاکی کو دور کرنے

[1] مُردوں کو دخموں میں لے جاکر چھوڑ آنے کے متعلّق ہم اوپر لکھ چکے ہیں (ص ۳۸ - ۳۹)
[2] دین کرد، ج ۸، ۲۰، ۴۴،

کے لئے جو رسوم و قواعد تھے ان کا پورا کرنا حد سے زیادہ پُر زحمت اور تھکا دینے والا تھا، اِرْدگ وِیراز نے جو بہت بڑا صاحبِ کشف تھا جب عالمِ رُویا میں دوزخ کو دیکھا تو وہاں قاتلوں اور جھوٹی قسم کھانے والوں اور . . . . کرنے والوں اور دوسرے مجرموں کے علاوہ ایسے لوگ بھی دیکھے جن کا گناہ یہ تھا کہ اُنھوں نے زندگی میں گرم پانی سے غسل کیا تھا یا پانی اور آگ میں ناپاک چیزیں پھینکی تھیں یا کھانا کھانے میں باتیں کی تھیں یا مُردوں پر روئے تھے یا بے جوتوں کے پیدل چلے تھے،

ان مذہبی پیشواؤں کے رتبے اور مقام کے متعلق جملہ تفاصیل کتاب ہیربدستان (قانون نامۂ کلیسائی) اور نیرنگستان (قوانین رسوم مذہبی) میں مسطور ہیں، یہ دونوں کتابیں ہُسپارم نسک کے دو باب ہیں جو ساسانی اوستا کی گم شدہ جلدوں میں سے ایک ہے[1]، ہیربدستان میں منجملہ اور باتوں کے علماء مذہب کو دیہات و قصبات میں مذہبی تعلیم دینے اور مراسمِ عبادت ادا کرانے کی غرض سے بھیجنے کے مسئلے پر بحث ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اُن کو اپنی غیر حاضری میں اپنی زمین کی کاشت کا کیا انتظام کرنا چاہیئے، پھر اس بات پر بحث ہے کہ خاص حالات کے اندر مراسم عبادت میں امداد کے لئے کسی عورت یا بچّے کی خدمات سے کیونکر مستفید ہونا چاہیئے وغیرہ وغیرہ، ہُسپارم نسک کے ایک اور باب میں اس امر پر بحث ہے کہ زَوْتر کو (جو آتشکدہ میں آگ کے روبرو نماز ادا کرانے کا پیش امام ہوتا ہے[2]) کیا اجرت دینی چاہیئے، اس کے علاوہ اسی قسم کے دوسرے کلیسائی مراسم پر بحث ہے[3]، دیہات میں کسانوں پر یہ بات واجب کی گئی تھی کہ معلم مذہب کو کھلانے پلانے اور اس کی باقی تمام ضروریات کے

[1] ان کا خلاصہ دین کرد (۸، ۲۸) میں دیا ہے، دونوں بابوں کا کچھ حصّہ آج بھی باقی ہے، نیرنگستان (چاپ نوتو زنکو) بتصحیح داراب دستور پشوتن سنجانا (بمبئی ۱۸۹۴ء)، ترجمہ انگریزی از بلسارا (بمبئی ۱۹۱۵ء)،

[2] نماز کی تفصیل دیکھو باب سوم میں، [3] دین کرد (۸، ۳۱، ۲۰)،

کفیل ہوں[1]،

پیشوایانِ مذہب کا صرف یہی فرض نہیں تھا کہ وہ مراسم کو ادا کرائیں بلکہ لوگوں کی اخلاقی رہنمائی اور روحانی حکومت بھی ان کے ذمّے تھی، اور پھر تعلیمات کا سارا سلسلہ (ابتدائی درجے سے لے کر اعلیٰ درجے تک) ان علماء مذہب ہی کے ہاتھ میں تھا کیونکہ صرف یہی لوگ تھے جو علوم زمانہ کے تمام شعبوں پر حاوی تھے، کتبِ مقدّسہ اور ان کی تفاسیر کے علاوہ غالباً ایک کافی تعداد شریعت اور دینیات کی کتابوں کی موجود ہوگی، ایلیزے[2] نے ایک موبد کا ذکر کیا ہے جس کو علوم دینی میں تبحّر کی وجہ سے ہمگ دین (مذہب میں عالم کامل)[3] کا پُر توقیر لقب دیا گیا تھا، اس نے قانون کی وہ پانچ کتابیں پڑھی تھیں جن میں مُغوں کے تمام عقاید درج ہیں یعنی اَنپرتک آش[4]، بوزتپیت[5]، پہلویگ (مجموعۂ قوانین پہلوی)، پارسیگ دین (مذہب پارسی) اور ان کے علاوہ موبدوں کے مخصوص عقاید کا بھی وہ عالم تھا،

اس کتاب کے باب ششم میں ہم موبدوں کے عدالتی فرائض پر بحث کرینگے،

——— : ———

[1] دین کرد (۹، ۱۴، ۱۶)، [2] Elisee، [3] علاّمہ کا مترادف (مترجم)،
[4] یہ ارمنی شکل ہے جس کی تہ میں شاید پہلوی لفظ امبرذکیش چھپا ہو جس کے معنی کم و بیش "عقاید دینی کا کامل مجموعہ" ہونگے، [5] پہلوی بزپتِت بمعنی "کردہ گناہوں کا اعتراف"۔ گناہوں کے اعتراف کا دستور عہد ساسانی کی بدعت تھی جو بظاہر عیسائیت یا مانویّت کے اثر میں پیدا ہوئی، دیکھو پٹازونی (Pettazzoni) کا مضمون در "یادگار نامۂ مودی (Modi Memorial Volume) ص ۴۳۷ ببعد،

مالیّات

واستریوشان سالار صاحب الخراج کو کہتے تھے[1]۔ لفظ واستریوشان سالار یا واستریوش بذ کے معنے "رئیسِ کاشتکاران" کے ہیں، چونکہ خراج کا سارا بوجھ زراعت پر تھا اور لگان کی شرح ہر ضلع کی اچھی یا بُری کاشتکاری اور زرخیزی پر موقوف تھی لہذا یقیناً واستریوشان سالار پر یہ واجب تھا کہ زمینوں کے جوتنے بونے اور آب پاشی کے انتظام کی نگرانی کرے، اغلب یہ ہے کہ واستریوشان سالار محکمۂ مالیات کا رئیس اعلیٰ تھا اور ہم یہ بھی فرض کر سکتے ہیں کہ نہ صرف خراج بلکہ شخصی ٹیکس کا وصول کرنا بھی اسی کے ذمّے تھا اس لئے کہ اس کو ہُتُخش بذ (دستکاروں کا افسر) بھی کہتے تھے اور دستکاروں میں وہ سب لوگ شامل تھے جو ہاتھ کی محنت سے روزی کماتے تھے مثلاً غلام، کسان، تاجر وغیرہم، خلاصہ یہ ہے کہ واستریوشان سالار وزیر مالیات بھی تھا وزیر زراعت بھی اور وزیر صنعت و تجارت بھی[2]۔

واستریوشان سالاروں میں سے جو تاریخ میں مذکور ہیں ایک نوگشنشپ آذر[3] ہے جو بہرام پنجم کی تخت نشینی سے پہلے گزرا ہے[4]، ایک ماہ گشنسپ پسر مہرنرسی ہے[4] اور ایک یزدین ہے جو مذہباً عیسائی تھا اور خسرو دوم (پرویز) کے عہد میں تھا[5]،

محکمۂ مالیات کے اعلیٰ افسروں میں ایک نو آمارکار تھے جن کو کلکٹر یا محاسبین اعلیٰ کہنا چاہیئے، ایک اعلیٰ عہدہ ایران آمارکار کا تھا جو غالباً وزرگ فرماذار کا قائم مقام

---

[1] طبری ص ۸۶۹، [2] ہرتسفلٹ: پای کُلی (فرہنگ - نمبر ۲۷۴)، [3] دینوری ص ۵۷، [4] طبری ص ۸۶۹، [5] طبری ص ۱۰۶۰،

تھا[1] لیکن ہم اس بات کو ٹھیک ٹھیک نہیں بتلا سکتے کہ واستریوشان سالار کے
کے مقابلے پر اس کے فرائض منصبی کیا تھے، پھر ایک عہدہ درآمارکار کا تھا
(یعنی دربار یا محلّ شاہی کا محاسب اعلیٰ[2])، ایک واسپُہران آمارکار تھا جو
واسپُہروں کی جاگیروں سے سرکاری لگان وصول کرتا تھا[3]، اور ایک شہریوَ آمارکار
تھا جو غالباً صوبجات کی حکومت کا محاسب تھا[4]، ایک عہدہ آذربذگان آمارکار
بھی سننے میں آیا ہے جو صوبۂ آذربائجان کا محصّل تھا[5]،

بادشاہ کا خزانچی غالباً گنزور[6] کہلاتا تھا، ہرتسفلٹ کا خیال ہے کہ
ٹکسال کے محافظ کو گہبذ کہتے تھے[7]،

گورنمنٹ کی آمدنی کے بڑے بڑے ذرائع خراج اور شخصی ٹیکس تھے،[8] شخصی
ٹیکس کی ایک خاص رقم سالانہ مقرر ہو جاتی تھی جس کو محکمۂ مالیات مناسب طریقے

---

[1] دیکھو ضمیمہ ۲ کا آخری حصّہ، [2] ہرتسفلٹ: پای کُلی، ص ۸۰ - ۸۱، [3] ایضاً، فرہنگ (نمبر ۵۰-۵۱)، [4] ایضاً۔ فرہنگ (نمبر ۴۳۸)، [5] پاخوموف (Pachomov) و نیبرگ (Nyberg) در "رسالۂ انجمن علمی آذربائجانی" (بزبان فرانسیسی)، ص ۲۶ - ۳۴، [6] ہیوبشمن، ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۱۲۶؛ [7] پای کُلی، (فرہنگ نمبر ۲۴۷)، [8] عربوں کے عہدِ حکومت میں خراج اور جزیہ کے لفظ استعمال ہوتے تھے جن میں سے پہلا تو پہلوی لفظ خراگ اور دوسرا لفظ گزیت ہے جو آرامی سے پہلوی میں مستعار لیا گیا تھا، دیکھو نولڈکہ (ترجمہ طبری ص ۲۴۱، ح ۱)، اسلام کی پہلی صدی میں یہ دو لفظ بلا امتیاز کبھی زمین کے لگان کے لئے اور کبھی شخصی ٹیکس کے لئے استعمال ہوتے تھے، نولڈکہ نے ایک پرائیویٹ خط میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں قانونِ دیوانی میں اُس رقم کو بھی خراج کہتے تھے جو ایک پیشہ ور غلام اپنی آمدنی میں سے اپنے آقا کو دیتا تھا، تلمود میں لفظ خرگا شخصی ٹیکس کے معنوں میں آیا ہے، غرض یہ کہ عہدِ ساسانی میں ان دو لفظوں کا الگ الگ استعمال ہم ٹھیک طور پر معیّن نہیں کر سکتے، آٹھویں صدی عیسوی کے نصفِ اوّل میں جا کر عربوں نے ان دو اصطلاحوں کے معنی معیّن کئے یعنی خراج زمین کا ٹیکس اور جزیہ شخصی ٹیکس؛ (دیکھو ویلہاؤزن (Wellhausen)، "سلطنتِ عرب" ص ۱۷۳ و ۲۹۹، نیز بیکر (Bekker) "تاریخ مصر" ص ۸۷ و ۱۱۰)؛

سے ادا کنندگان پر تقسیم کر دیتا تھا، خراج کی وصولی اس طرح ہوتی تھی کہ زمین کی پیداوار کا حساب لگا کر ہر ضلع سے اس کی زرخیزی کے مطابق چھٹے حصے سے ایک تہائی تک لے لیا جاتا تھا[1]،

باایں ہمہ خراج اور ٹیکس کے لگانے اور وصول کرنے میں محصّلین خیانت اور استحصال بالجبر کے مرتکب ہوتے تھے، اور چونکہ قاعدۂ مذکور کے مطابق مالیات کی رقم سال بسال مختلف ہوتی رہتی تھی یہ ممکن نہ تھا کہ سال کے شروع میں آمدنی اور خرچ کا تخمینہ ہوسکے، علاوہ اس کے ان چیزوں کو ضبط میں رکھنا بھی بہت مشکل تھا، بسا اوقات نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اِدھر تو جنگ چھڑ گئی اور اُدھر روپیہ ندارد، ایسی حالت میں پھر غیر معمولی ٹیکسوں کا لگانا ضروری ہوجاتا تھا اور تقریباً ہمیشہ اس کی زد مغرب کے مالدار صوبوں خصوصاً بابل پر پڑتی تھی،

تاریخ میں اکثر اس بات کا ذکر آتا ہے کہ بادشاہ نے اپنی تخت نشینی پر پچھلے خراج کا بقایا معاف کر دیا، نئے بادشاہ کے لئے یہ بات ہردلعزیزی کا باعث ہوتی تھی، بہرام پنجم نے اپنی تخت نشینی کے موقع پر حکم دیا تھا کہ مالیات کا بقایا جو سات کروڑ درہم کی خطیر رقم بنتی تھی معاف کر دیا جائے اور اس کے سال جلوس کا خراج بھی بقدر ایک تہائی کے کم کر دیا جائے[2]، شاہ پیروز نے قحط کے زمانے میں اپنی رعایا کو خراج اور جزیہ اور خیراتی ٹیکس (جو رفاہِ عام کے کاموں کے لئے لیا جاتا تھا) اور بیگار اور تمام دوسرے بوجھ بار معاف کر دئے تھے[3]،

---

[1] یا بقول دینوری (ص ۷۲) پیداوار کے دسویں حصے سے نصف تک، گاؤں یا شہر کے کم یا زیادہ فاصلے کو بھی حساب میں لایا جاتا تھا، [2] طبری ص ۸۶۶،
[3] طبری ص ۸۷۴،

باقاعدہ ٹیکسوں کے علاوہ رعایا سے نذرانے لینے کا بھی دستور تھا جس کو آیین کہتے تھے، اسی آئین کے مطابق عید نوروز اور مہرگان کے موقعوں پر لوگوں سے جبراً تحائف وصول کئے جاتے تھے[1] خزانۂ شاہی کے ذرائع آمدنی میں سے ہمارا خیال ہے کہ سب سے اہم ذریعہ جاگیر ہائے خالصہ کی آمدنی اور وہ ذرائع تھے جو بادشاہ کے لئے حقوقِ خسروی کے طور پر مخصوص تھے مثلاً فارنگیون (علاقۂ آرمینیہ) کی سونے کی کانوں کی ساری آمدنی بادشاہ کی ذاتی آمدنی تھی[2]، ان کے علاوہ مالِ غنیمت بھی ایک ذریعہ آمدنی کا تھا اگرچہ وہ آمدنی غیر معیّن اور بے قاعدہ تھی، خسرو دوم اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے[3] اُن اشیا کی فہرست بیان کرتا ہے جو اس نے جنگ میں غنیمت کے طور پر حاصل کیں، اس فہرست میں سونا اور چاندی اور جواہرات اور پیتل اور فولاد اور ریشم اور اطلس اور دیبا اور مویشی اور اسلحہ اور عورتیں اور بچّے اور مرد جو گرفتار ہو کر آئے وغیرہ وغیرہ تھے،

اس بات کا ثبوت کہ اس زمانے میں محصولِ درآمد بھی لیا جاتا تھا ہم کو اُس صلح نامہ کی شرائط سے ملتا ہے جو ۵۶۲ء میں خسرو اوّل (انوشیروان) اور قیصر جسٹینین[4] کے درمیان طے ہوا، اس صلح نامے کی دفعہ ۳ میں یہ قرار پایا کہ ایرانی اور رومی تاجر ہر قسم کا مالِ تجارت اسی طرح لاتے اور لیجاتے رہیں جیسا کہ وہ ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں لیکن چاہئے کہ کُل مالِ تجارت محصول خانوں میں سے ہو کر جائے اور دفعہ ۴

[1] فان فلوٹن (Van Vloten): "حکومت عرب پر تحقیقات" (بزبان فرانسیسی) ص ۹، تحفے تحائف پیش کرنے کی رسم اس وقت بھی ایران میں جاری ہے، دیکھو کرزن کی کتاب "ایران" جس میں جابجا اس کا ذکر پایا جاتا ہے، گرین فیلڈ (Greenfield): "تنظیم دولتِ ایرانی" (جرمن) برلن سنہ ۱۹۰۴ء، ص ۳۴۶، عید نوروز و مہرگان کے متعلق دیکھو باب سوم، [2] پروکوپیوس، ج ۱، ص ۱۵، [3] اس کی تفصیل کے لئے دیکھو باب نہم، [4] (Justinian)

میں یہ شرط لکھی گئی کہ فریقین کے سفیر اور سرکاری قاصد اس بات کے مجاز ہوں کہ جب وہ فریق ثانی کے ملک میں وارد ہوں تو ڈاک کے گھوڑوں کو سواری کے لئے استعمال کرسکیں اور ان کے ہمراہ خواہ کتنا ہی مال کیوں نہ ہو اس کو بلا رکاوٹ جانے دیا جائے اور اس پر کوئی محصول نہ لیا جائے[1]،

سلطنت کے مصارف کی بڑی بڑی مدّوں میں ایک تو جنگ تھی دوسرے دربار کے اخراجات تیسرے سرکاری ملازموں کی تنخواہیں گویا حکومت کی کل کو باقاعدہ چلانے کا خرچ، چوتھے زراعت کے لئے رفاہ عام کے کام مثلاً نہروں اور بندوں کی تعمیر اور ان کی نگہداشت کے اخراجات وغیرہ، لیکن رفاہ عام کے کاموں سے جن صوبوں کی آبادی کو خاص طور سے فائدہ پہنچتا تھا ان لوگوں سے ان کاموں کے لئے چندہ لیا جاتا تھا اور شاید یوں بھی بالعموم لوگوں سے ایسی تعمیرات کے لئے خاص مالیہ وصول کیا جاتا تھا، مالیات کا بقایا معاف کرنے کے علاوہ بعض اوقات غربا کو نقد روپیہ بھی تقسیم کیا جاتا تھا جیسا کہ مثلاً بہرام پنجم اور پیروز نے کیا[2]، بہرام نہ صرف غربا کو خیرات تقسیم کرتا تھا بلکہ اس کی بخششوں سے امراء و نجباء بھی بہرہ مند ہوتے تھے جن کو اس نے دو کروڑ درہم انعام و اکرام کے طور پر دیئے، لیکن پبلک کے فائدے کے لئے جتنا روپیہ شاہی خزانے سے خرچ ہوتا تھا وہ کچھ زیادہ نہ تھا، شاہان ایران کے ہاں ہمیشہ یہ دستور رہا کہ جہاں تک ممکن ہوتا اپنے خزانے میں نقد روپیہ اور قیمتی اشیاء جمع کرتے تھے،

---

[1] دیکھو گرے (Gray) کا مضمون مودی کے "یادگار نامے" میں (ص ۱۴۹)، نیز "استقلال گمرک ایران" تالیف رضا صفی نیا (طہران ۱۳۱۵ ہجری شمسی)، ص ۹۹ - ۱۰۲،

[2] طبری ص ۸۶۶، ۸۷۳،

ارمنی مؤرخوں کے بیان کے مطابق جب نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا تھا تو خزانے میں جتنا روپیہ موجود ہوتا اس کو گلا دیا جاتا تھا اور پھر نئے بادشاہ کی تصویر کے ساتھ نئے سکے بنائے جاتے تھے، اسی طرح جس قدر سندیں پرانے کاغذات میں محفوظ ہوتی تھیں ان میں ضروری تبدیلیاں کر کے نئے بادشاہ کے نام سے ان کو دوبارہ نقل کر کے رکھا جاتا تھا[1]۔

صنعت و حرفت۔ تجارت اور آمد و رفت کے راستے

مشہور چینی سیاح ہیوئن سیانگ جس نے ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں مغربی ایشیا کے ملکوں کی حالت بیان کی ہے نہایت مختصر الفاظ میں ایران کی صنعت و حرفت کے بارے میں لکھتا ہے کہ "اس ملک کی صنعتی پیداوار میں سونے، چاندی، تانبے اور بلّور کی بنی ہوئی چیزیں، نایاب قسم کے موتی اور دوسری مختلف قسم کی قیمتی اشیا ہیں، یہاں کے صنّاع ریشم کا نہایت باریک دیبا، اونی کپڑے اور قالین وغیرہ بُن سکتے ہیں[2]"۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پارچہ بافی ایران کی عمدہ صنعتوں میں سے شمار ہوتی رہی ہے۔

نئی قسم کی صنعتوں کو رائج کرنے کے لئے اور بنجر علاقوں کو آباد کرنے کی غرض سے ایران میں یہ دستور رہا ہے کہ ملک کے مختلف حصوں میں اسیرانِ جنگ کی نئی بستیاں

---

[1] پاتکانیان: "مجلۂ آسیائی" (J. A.) سنہ ۱۸۶۶ء، ج ۱، ص ۱۱۳۔

[2] انگریزی ترجمہ سفرنامہ ہیون سیانگ از بیل (Beal)، ص ۲۷۸۔

آباد کی جاتی تھیں، مثلاً داریوش اوّل نے اری ٹریا[1] کے بہت سے باشندوں کو خوزستان میں لا کر آباد کیا تھا[2] اور شاہ اوروڈیس[3] نے رومن قیدیوں کی بستیاں مرو کے نواح میں بسائی تھیں، اسی طرح شاپور اوّل نے رومن قیدیوں کو جندیشاپور میں آباد کیا اور فنّ انجینیری میں ان کی مہارت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اُن سے وہ مشہور بند تعمیر کرایا جو تاریخ میں "بندِ قیصر" کے نام سے مذکور ہے[4]، شاپور دوم نے جو قیدی آمِد میں گرفتار کئے تھے انہیں شوش، شوشتر اور اہواز کے دوسرے شہروں میں تقسیم کر دیا جہاں اُنھوں نے دیبا اور دوسرے ریشمی کپڑے بُننے کی صنعت کو رائج کیا[5]، اگرچہ بسا اوقات اس قسم کی بستیاں تھوڑی مدّت کے بعد ویران ہو جاتی تھیں لیکن کبھی کبھی ان کی آبادی پائدار بھی ثابت ہوتی تھی[6]،

خشکی کے راستے سے جو تجارت ہوتی تھی اس کے لئے قدیم کاروانی راستے استعمال کئے جاتے تھے، طیسفون سے جو دجلہ کے کنارے پر سلطنت کا پایہ تخت تھا ایک شاہراہ حلوان اور کنگاور ہوتی ہوئی ہمدان پہنچتی تھی جہاں سے مختلف راستے مختلف سمتوں کو جاتے تھے، ایک جنوب کو جو خوزستان اور فارس میں سے گزرتا ہوا خلیج فارس تک پہنچتا تھا، دوسرا رَے کو (جو طہرانِ جدید کے قریب واقع تھا) جہاں سے وہ گیلان اور کوہستانِ البرز کی تنگ گھاٹیوں کو طے کرتا ہوا بحرِ خزر تک جاتا تھا یا خراسان میں سے گزر کر وادی کابل کی راہ سے ہندوستان میں جا داخل ہوتا تھا یا ترکستان اور گذرگاہِ تارم میں سے ہو کر چین پہنچ جاتا تھا،

[1] (Eretria) مشرقی یونان میں ایک نہایت آباد شہر تھا، داریوش اوّل نے سنہ ۴۹۰ قبل مسیح میں اُسے فتح کر کے ویران کر دیا تھا اور اس کے اکثر باشندوں کو غلام بنا لیا تھا (مترجم)، [2] ہیروڈوٹس، ج ۶ ص ۱۱۹، [3] Orodes، [4] نولڈکہ: ترجمہ طبری ص ۳۳ ح ۲، [5] مسعودی: مروج الذہب ج ۲ ص ۱۸۶، [6] شپیگل (Spiegel) "تاریخ ایران قدیم" (جرمن)، ج ۳، ص ۶۶۰،

رومن امپائر کی طرف آمد و رفت کے لئے شہر نصیبین ایک اہم مرکز تھا، ۲۹۸ء میں جو صلحنامہ شاہ نرسی اور قیصر ڈائیوکلیشین[1] کے درمیان طے ہؤا اس کی ایک شرط یہ تھی کہ دونو سلطنتوں کے درمیان آمد و رفت کا (واحد) مرکز نصیبین ہو، لیکن صلحنامے کی اس شرط کو نرسی نے منظور نہ کیا، مؤرّخ مارسیلینوس کے زمانے سے شہر بٹنی[2] میں جو فرات کے مشرقی کنارے کے قریب واقع تھا ہر سال ستمبر کے شروع میں ایک بہت بڑا میلہ لگتا تھا جس میں ہندوستان اور چین کا مال تجارت بکثرت آکر فروخت ہوتا تھا[3]، قیصر ہونوریوس[4] اور تھیوڈوسیوس صغیر[5] کے ایک فرمان مجریہ ۴۱۰ء کی رُو سے جن شہروں میں ایرانیوں کے ساتھ تجارتی لین دین کی اجازت تھی اُن میں سے ایک تو مشرق میں دجلہ کی جانب شہر نصیبین تھا اور مغرب میں فرات کی جانب شہر کیلی نیکوس[6] اور شمال کی طرف آرمینیہ میں شہر ارٹکساٹا[7]، چونکہ نصیبین اور سنگارا (سنجار) کے باشندے ان شہروں کو خالی کر گئے تھے لہذا ۳۶۳ء کے صلحنامے کی رُو سے وہ سلطنت روم کے حوالے کر دیے گئے تھے[8]۔

سمندر کے راستے کی تجارت بہت اہم تھی، اردشیر اوّل نے جب میسین اور خاراسین[9] پر قبضہ کیا تو وہاں کی قدیم بندرگاہوں کی توسیع کی اور نئی بندرگاہیں تعمیر کرائیں، رینو[10] لکھتا ہے کہ "ایرانیوں نے عربوں کے ساتھ مل کر جبکہ وہ اپنے

---

[1] (Diocletian) [2] (Batnæ) [3] تاریخ مارسیلینوس، ج ۱۴ ص ۳،
[4] (Honorius)، [5] Theodosius the Younger [6] Callinicus
[7] Artaxata ، دیکھو موسیو رینو کی کتاب موسوم بہ "مشرقی ایشیا کے ساتھ سلطنت روم کے سیاسی اور تجارتی تعلقات" (بزبان فرانسیسی)، ۱۸۶۳ء ص ۲۶۷،
[8] مارسیلینوس، ج ۱۵، ص ۷، [9] میسین اور خاراسین دو چھوٹے چھوٹے صوبے تھے جو ساحل خلیج فارس پر شط العرب کے نواح میں واقع تھے (مترجم) [10] Reinaud

حسنِ تدبیر سے اُن کے ساتھ متحد ہو کر حکومت کر رہے تھے رفتہ رفتہ جہازوں کا ایک معقول بیڑا تعمیر کر لیا، ایرانی جہاز مشرقی سمندروں میں یکے بعد دیگرے نمودار ہوتے گئے، شروع شروع میں تو رومی اور حبشی جہازوں کے ساتھ رقابت رہی لیکن آخر میں ایرانیوں کی بحری طاقت کو غلبہ ہو گیا، منجملہ اور وجوہات کے ایرانیوں کا یہ بحری غلبہ اس بات کا باعث ہُوا کہ مشرقی سمندروں میں روم کی طاقت پہلے تو زوال پذیر ہوئی اور پھر بالکل نابود ہو گئی"[1] ۵۲۳ء میں جب شاہ حبشہ نے اہل حجاز پر حملہ کیا تو علاوہ سات سَو ہلکی کشتیوں کے جو اس نے تعمیر کرائیں چھ سَو رومی اور ایرانی جہاز اس کے ہمراہ تھے، لیکن ہندوستان اور لنکا کی پیداوار کو اہلِ روم کے لئے اُس زمانے میں حبشی جہاز لاتے تھے[2]،

مالِ تجارت جو ایران میں سے ہو کر گزرتا تھا اس میں سب سے اہم چیز ریشم تھی[3]، چین سے جتنا ریشم اس طور پر ایران میں وارد ہوتا تھا اہل ایران اُس کا بہت بڑا حصّہ کپڑا بُننے کے لئے خود رکھ لیتے تھے اور اِس طرح ان کے لئے ہمیشہ یہ بات ممکن ہو جاتی تھی کہ ممالک مغرب میں اپنے ہاں کا بنا ہُوا ریشمی کپڑا جس قیمت پر چاہیں فروخت کریں، لیکن چھٹی صدی سے اہل روم نے اپنے ہاں کامیابی کے ساتھ شہتوت کی کاشت اور ریشم کے کیڑے کی پرورش شروع کر دی اور ریشمی کپڑا خود بُننے لگے جس کی وجہ سے کسی حد تک وہ باہر سے ریشم منگوانے سے بے نیاز

[1] رینو، کتاب مذکور ص ۲۴۱، ۲۹۲، نیز اسی مصنّف کا مضمون بہ عنوان "مملکت ہای میسین اور خاراسین پر یادداشت" (روئداد فرنچ انسٹیٹیوٹ ... ج ۲۴ ب ص ۱۵۵ ببعد)، اور شیڈر (Schæder) کا مضمون "حسن بصری" در رسالۂ اسلام (جرمن) ج ۱۴ ص ۱۱ ببعد، [2] رینو، کتاب مذکور ص ۲۶۹، [3] یوسٹی (Justi) در گرنڈرس (ج ۲ ص ۴۷۷ ح ۱)،

ہو گئے، ترکوں نے اہلِ سغد کی تحریک سے جو ان کی رعایا تھے خسروِ اوّل سے
اس بات کی اجازت حاصل کرنی چاہی کہ ان کے ہاں کے ریشم کو ایران میں سے
گزرنے دیا جائے لیکن اُنھیں کامیابی نہ ہوئی[۱]،

اہلِ چین جو چیزیں ایران سے خریدتے تھے ان میں سے ایک ایران کا
مشہور غازہ تھا جو چین کی عورتیں بھوؤں پر لگاتی تھیں، وہ اس کو بہت مہنگی
قیمت پر لیتے تھے اور ملکۂ چین اپنے خاص استعمال کے لئے اس کو منگاتی تھی[۲]،
چینی لوگ بابل کے قالین بھی بہت شوق سے خریدتے تھے[۳]، ان چیزوں کے
علاوہ شام کے قیمتی پتھر (قدرتی اور مصنوعی)، بحرِ قلزم کے مرجان اور موتی، شام
اور مصر کے بنے ہوئے کپڑے اور مغربی ایشیا کے مُسکرات بھی چین میں ایران کے
راستے سے جاتے تھے[۴]،

ڈاک کا انتظام جو خلفائے نے ایران سے حاصل کیا وہ تقریباً اُسی شکل میں
تھا جو عہد ہخامنشی میں تھی اور جس کا علم ہمیں یونانی مصنّفوں کے ذریعے سے ہُوا ہے،
ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ساسانیوں کے زمانے میں بھی اس انتظام کی
بالکل وہی صورت تھی، محکمۂ ڈاک صرف گورنمنٹ کی خدمت انجام دیتا تھا اور پبلک
کے ساتھ اسے کوئی واسطہ نہ تھا، اس کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ مرکزی حکومت
اور صوبوں کی حکومت کے درمیان ایک سریع اور آسان ذریعۂ خبر رسانی کا کام دے،
ڈاک کے ذریعے سے آدمیوں کو اور خطوط کو ایسے راستوں سے لیجایا جاتا تھا

---

[۱] ہرٹسفلٹ کی کتاب موسوم بہ "ایشیا کا دروازہ" (جرمن) ص ۱۲۲، شیڈر: "ایرانیکا" ص ۱۴ ببعد،
[۲] ہرٹ (Hirth)، "مطالعاتِ چینی" ص ۲۳۵ ببعد، [۳] ایضاً: "چین و مشرقِ رومی" (انگریزی) ص ۲۵۳، [۴] ایضاً ص ۲۳۴ — ۲۷۹،

جہاں ہر قسم کا سامان مہیّا ملتا تھا۔ ڈاک کی ہر چوکی پر اس کی اہمیّت کے مطابق ملازموں کا عملہ اور گھوڑے مامور رہتے تھے[1]، ڈاک لے جانے کا کام گھوڑوں کے سوار بھی کرتے تھے اور ہرکارے بھی جو پیدل دوڑتے تھے، ہرکاروں سے زیادہ تر ایرانی علاقوں میں کام لیا جاتا تھا جہاں چوکیوں کے درمیان فاصلے بہت تھوڑے تھوڑے ہوتے تھے بہ نسبت شامی اور عربی علاقوں کے جہاں ڈاک لے جانے کا کام اونٹوں سے لیا جاتا تھا[2]، ایوبرید، دوبرید، سہ برید پہلوی میں ڈاک کی اصطلاحات تھیں جن سے مراد قاصدانِ تیز رفتار تھے جو شاہی ڈاک کے ایک یا دو یا تین گھوڑوں کو ایک ساتھ لے جا سکتے تھے[3] اور باری باری سے اُن پر سوار ہوتے تھے،

---

[1] "بگدیس پانیگ" بزبان پہلوی وہ گھوڑا جس پر شاہی قاصد سوار ہوتا ہو، دیکھو پہلوی کتاب "شاہ خسرو اور اس کا غلام" (طبع اون والا، آرٹیکل ۹۹ اور اس پر اڈیٹر کا نوٹ)،

[2] فان کریمر: "تاریخ تمدّن مشرقی در عہدِ خلفاء" (جرمن) ج ۱، ص ۱۹۵-۱۹۶، اس اس بات کو تحقیق کرنا ممکن نہیں ہو سکا کہ آیا محکمہ ڈاک کے ڈائرکٹروں کے ذمّے یہ فرض بھی تھا (جیسا کہ خلفاء کے زمانے میں تھا) کہ وہ صوبجات کی حکومت کی نگرانی کریں اور بادشاہ کو اپنی رپورٹ بھیجتے رہیں، اس قسم کی نگرانی جو کم و بیش خفیہ ہوتی تھی کم از کم بعض زمانوں میں اضلاع کے حکّامِ عدالت کے ذمّے لگائی جاتی رہی ہے لیکن یہ بعید نہیں ہے کہ خفیہ قسم کی نگرانی اور اور شکلوں میں موجود رہی ہو، ایران میں ہمیشہ سے جاسوسی نہایت منظّم شکل میں رائج رہی ہے، نامۂ تنسر (طبع ڈارمسٹیٹر ص ۲۲۶) سے پتہ چلتا ہے کہ خسرو اوّل کے زمانے میں امرا خفیہ نگرانی کے بوجھ کو شدت سے محسوس کرتے تھے اور اس جاسوسی نے "لوگوں کو بیحد خوف زدہ اور متحیّر بنا رکھا تھا" اس کے مقابلے پر حکومت اپنی براءت کے لئے جاسوسی کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتی تھی کہ "بادشاہ کی آنکھ (یعنی جاسوس) نہ ہی شخص ہو سکتا ہے جو دیانت دار، مطیع، پرہیزگار، وفادار، باخبر، دین دار اور پارسا ہو جو بادشاہ کو ہرگز ایسی بات کی اطلاع نہ دے جو قطعی طور سے یقینی نہ ہو اور جس کی تصدیق نہ ہو سکے، لہذا ایسے شخص سے بے گناہوں کو کیا خوف ہو سکتا ہے"؟

[3] گائیگر (Geiger): "ویانا کا رسالۂ علوم مشرقی" سنہ ۱۹۱۵ء ص ۳۰۹ ببعد،

فوج

خسرو اول کے زمانے تک سلطنت کی ساری فوج ایک واحد سپہ سالار کے ماتحت تھی جس کو ایران سپاہ بذ[1] کہتے تھے، لیکن اس کا حلقۂ عمل بہت زیادہ وسیع تھا بہ نسبت اُس سپہ سالار کے جس کا تصور ہمیں موجودہ زمانے میں ہے، وہ سپہ سالار بھی تھا وزیر جنگ بھی اور شرائط صلح کا طے کرنا بھی اسی کے اختیار میں تھا، اس بات کا ثبوت کہ کل سلطنت کی سپاہ کا نظم و نسق اس کے ہاتھ میں تھا ہمیں اس بات سے ملتا ہے کہ وہ بادشاہ کے مشیروں کی قلیل جماعت کا ممبر تھا، وزیر کی حیثیت سے جنگ کے محکمے کا دار و مدار اُسی پر تھا لیکن ساتھ ہی اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ وُزُرگ فرمادار (وزیر اعظم) کے اختیارات صاف طور پر محدود نہیں تھے اور سپاہ کے معاملات میں وہ ہمیشہ دخل دے سکتا تھا، علاوہ اس کے خود بادشاہ بھی وقتاً فوقتاً محکمۂ جنگ کے انتظام میں مداخلت کرتا رہتا تھا، شاہانِ ساسانی میں سے اکثر خود جنگ کے شوقین تھے اور لڑائیوں میں عملی طور پر حصّہ لیتے تھے، لہٰذا ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ اس قسم کے جنگجو بادشاہوں کے ماتحت ایران سپاہ بذ کو اپنے اختیارات میں کچھ زیادہ آزادی نہیں ہوتی ہوگی،

عہد ساسانی کے ابتدائی دور میں جو سپہ سالار تھے ہم یہ نہیں بتلا سکتے کہ ان میں سے کون کون ایران سپاہ بذ تھا، خاص خاص اضلاع کے حاکم بھی سپاہ بذ

---

[1] پورا لقب کارنامگ میں ملتا ہے (۱۰، ۷)،

کہلاتے تھے[1] اور بادشاہ کبھی کبھی مرزبانوں اور کنارنگوں کو فوج کا افسر بنا کر مھوں پر بھیج دیتا تھا، بازنتینی، ارمنی اور سریانی مؤرخ ہمیں ایرانی سپہ سالاروں کے القاب کے متعلق صحیح اطلاعات بہت کم دیتے ہیں لیکن ہمیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بعض وقت دوسرے عہدہ دار جن کے فرائض فوجی نوعیت کے نہیں ہوتے تھے سپاہ کی سالاری پر مامور کر دیے جاتے تھے مثلاً آرمینیہ کے ساتھ شاپور دوم کی لڑائیوں کے حال میں فاؤسٹوس بازنتینی نے بہت سے ایرانی سپہ سالاروں کے نام لیے ہیں[2] ان میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دبیرِ دبیران ہے، ایک وزیرِ دربار ہے اور ایک داروغۂ سامان ہے،

بازنتینی مؤرخوں کے ہاں ہمیں خاص طور پر اس بات کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ سپاہ سالاروں کو (جن میں سپاہ بد اور ایران سپاہ بد شامل ہیں) بادشاہ کی طرف سے شرائط صلح پر گفت و شنید کرنے کے لئے مقرر کیا گیا، مثلاً سورین کو قیصر روم جووین[3] کے ساتھ صلح کی بات چیت کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا[4] اور سیاؤش ارتیشتاران سالار[5] اور سپاہ بد ماہبُذ کو سرحد روم کی طرف روانہ کیا گیا تھا تاکہ وہ شرائط عہد نامہ کے لئے سلسلہ جنبانی کریں[6]، اسی طرح مہر مہرگوی جس کی رزم و بزم کی قابلیت کی تصدیق مؤرخ اگاتھیاس نے کی ہے[7] قیصر جسٹینین کے پاس سفیر کی

[1] تاریخ میں اکثر جگہ سواد یعنی میسوپوٹیمیا کے سپاہ بذ کا ذکر آیا ہے، بقول دینوری (ص ۵۷) یزدگرد اوّل کی وفات کے بعد بِشتہم (بستہم) سواد کا سپاہ بد تھا اور نہایہ (ص ۲۲۶) میں شاپور بن بہرام کو کواذ اوّل کے عہد میں سواد کا سپاہ بد لکھا ہے، دیکھو ضمیمہ نمبر ۲، [2] طبع لانگلوا، ج ۱، ص ۲۵۸ بعد،
[3] Jovian (۳۶۳ء–۳۶۴ء)، [4] مارسیلینوس (۲۵–۷، ۴)، [5] دیکھو آگے،
[6] پروکوپیوس (۱، ۱۱)
[7] ۲، ۲۲،

حیثیت سے بھیجا گیا تھا، جوشوا اسٹائی لائٹ کی تاریخ میں[1] سپاہ بد ہمیشہ ایک مدبّر کی حیثیت میں جلوہ نما ہوتا ہے برخلاف اس کے میدان جنگ کی کارروائیاں مرزبان کرتے ہیں[2]،

سپاہ بد کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ لشکرگاہ میں اس کے داخلے پر ترم بجائے جاتے تھے[3]،

ارتیشتاران سالاروں یعنی سالاران لشکر میں سے ایک کا ذکر کارنامگ میں آیا ہے[4]، پانچویں صدی میں مہرنرسی کا ایک بیٹا کاردار اس لقب سے سرفراز تھا[5]، بقول طبری[6] ارتیشتاران سالار کا رتبہ" سپاہ بد سے اونچا اور تقریباً ارگبد کے برابر تھا"۔ کواذ اوّل کے زمانے کے بعد ہم کو تاریخی مآخذ میں اس عہدے کا ذکر نہیں ملتا، قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ ارتیشتاران سالار" ایران سپاہ بد" ہی کا دوسرا لقب تھا جو عہدۂ کہ خسرو اوّل جانشین کواذ نے منسوخ کردیا تھا، اگرچہ مؤرّخ پروکوپیوس لکھتا ہے کہ سیاؤش سب سے پہلا اور سب سے آخری شخص تھا جو ارتیشتاران سالار کے عہدے پر مامور ہوا اور یہ کہ کواذ نے اس ذی رتبہ شخص کو قتل کروانے کے بعد اس عہدے کو منسوخ کردیا تاہم چونکہ اس بیان کا پہلا حصّہ (یعنی سیاؤش کا سب سے پہلے یہ عہدہ پانا) صریحاً غلط ہے اس لیے کہ سیاؤش سے پہلے مہرنرسی کے بیٹے کو یہ عہدہ مل چکا تھا لہٰذا اس کا دوسرا حصّہ بھی ناقابل اعتماد ہوسکتا ہے،

---

[1] ترجمۂ رائٹ (Wright)، ص ۴۲، ۷۵، [2] خسرو اوّل نے فوجی انتظامات میں جو تبدیلیاں کیں (جن میں سے ایک یہ تھی کہ ایران سپاہ بد کا عہدہ منسوخ کرکے اس کی بجائے چار سپاہ بد مقرر کئے) ان کے متعلق دیکھو آگے باب ہشتم، [3] پاتکانیان، " مجلّہ آسیائی" (J. A.) سنہ ۱۸۶۶ء ج ۱ ص ۱۱۲، [4] ۱۳، ۳، [5] طبری ص ۸۶۹، [6] دیکھو کارنامگ (۱۰، ۷)،

بادشاہ کی محافظ فوج (باڈی گارڈ) کے افسر کو پُشتیگ بان سالار کہتے تھے[1]

پیادہ فوج (پایگان) کے کچھ دستے اپنے افسر کے ماتحت جس کو پایگان سالار کہتے تھے حکّام صوبجات کے زیرِ اختیار پولیس اور جلّاد کی خدمات انجام دیتے تھے[2]،
اِسی قسم کے فرائض انجام دینے کے لیے تیر اندازوں کا بھی ایک دستہ ہوتا تھا جس کا افسر تیربذ کہلاتا تھا، یہ دستہ اگر سب جگہ نہیں تو ملک کے بعض حصّوں کے دیہات میں مامور رہتا تھا[3]، دربارِ شاہی میں بھی باڈی گارڈ کے سپاہی اکثر اوقات جلّاد کے فرائض انجام دیتے تھے[4]،

ایک بڑا عہدہ دار جس کا کام رسالہ فوج کو تعلیم دینا تھا بطور فرض منصبی شہروں اور دیہاتوں میں دورہ کیا کرتا تھا تاکہ سپاہیوں کو فنِ جنگ کے اصولوں سے آگاہ کرے اور پیشۂ سپہگری کے آداب سکھلائے[5]،

ساسانیوں کے فوجی نظام کے متعلّق باب پنجم اور ہشتم میں بالتفصیل بحث کی جائیگی،

---

[1] کارنامگ (۱۰، ۷)، [2] نولڈکہ: ترجمہ طبری ص ۴۴۸، [3] ہوفمن (Hoffmann) "اقتباسات از وقائع شہدائے ایران بزبان سریانی" ص ۶۱، [4] دیکھو طبری ص ۱۰۴۳، ترجمہ نولڈکہ ص ۳۵۶، خلافتِ عبّاسی کے ابتدائی دور میں باڈی گارڈ کا سردار جلّاد کا کام کیا کرتا تھا (فان کریمر: "تاریخ تمدّن مشرقی بعہدِ خلفاء" ج ۱ ص ۱۹۰)، محکمۂ پولیس کے متعلّق ہمیں کچھ زیادہ علم نہیں ہے، ساسانی اوستا کی گم شدہ جلدوں میں سے ایک جلد موسوم بہ سکاذُم نسک تھی جس میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پولیس کے ایک خاص افسر کے فرائض سے بحث تھی جس کا کام بازاروں میں خرید و فروخت کے قواعد کی نگرانی کرنا تھا، اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ رہتا تھا (دین کرد، ج ۸، ص ۳۸)، پہرگ بذ بمعنی سنتری اور گزیرایے (جو کسی ایرانی لفظ کی سریانی شکل ہے، بمعنی مسلح پولیس" کتابوں میں ملتا ہے،
[5] نامۂ تنسر: طبع دارمستیٹر ص ۲۱۸، طبع مینوی ص ۱۵ — ۱۶،

دبیرانِ سلطنت اور حکومتِ مرکزی کے دوسرے عہدہ دار

ایران میں جو رسوخ دبیرانِ سلطنت (دِبہیران[1]) کو حاصل رہا وہ بہت امتیازی قسم کا تھا، اہلِ ایران ہمیشہ دستور اور قاعدے کے بہت پابند رہے ہیں، سرکاری نوشتہ جات ہوں یا نج کے خطوط ہر ایک کو وہ ایک مقررہ صورت اور قاعدے کے ساتھ تحریر کرنا ضروری سمجھتے تھے، ہر ایک تحریر میں علمی مقولے، امثال، مواعظ، اشعار اور لطیف معمّے وغیرہ اس طرح داخل کیے جاتے تھے کہ مجموعی طور پر وہ ایک خوش آیند چیز بن جاتی تھی، جن قاعدوں کے ساتھ خط میں مضمون اور القاب لکھے جاتے تھے ان میں کاتب اور مکتوب الیہ کے باہمی تعلق اور اس کے تمام مدارج کا نہایت احتیاط کے ساتھ لحاظ رکھا جاتا تھا، اسی تصنّع اور عبارت آرائی کا میلان عام طور سے پہلوی کتابوں میں اور بادشاہوں کے تخت نشینی کے خطبوں میں پایا جاتا ہے[2]؛

دولت ساسانی کے حکّامِ اعلیٰ ایک دوسرے کو جو خطوط لکھتے تھے یا حکومتِ ایرانی اور دول خارجہ کے درمیان جو خط کتابت ہوتی تھی ان میں یہ خصوصیت اور بھی زیادہ نمایاں ہوتی تھی، فارسی مصنّف نظامی عروضی اپنے چہار مقالہ میں لکھتا ہے کہ "پیش ازین درمیان ملوک عصر و جبابرۂ روزگار پیش چون پیشدادیان وکیان واکاسرہ وخلفاء رسمی بودہ است کہ مفاخرت ومبارزت بعدل وفضل کردندی دبیر

---

[1] ہرتسفلٹ: پای کُلی (فرہنگ - نمبر ۲۶۴)، شیڈر: ایسرا (Esra) "دبیر" (بزبان جرمن)، ٹوبنگن سنہ ۱۹۳۰ء ص ۳۹ ببعد، اور ص ۴۷ - ۴۸، [2] طبری، فردوسی، ثعالبی کے ہاں یہ خطبے جابجا موجود ہیں؛

رسولی کہ فرستادندی از حِکَم و رموز و لغز مسائل با او ہمراہ کردندی و دریں حالت پادشاہ محتاج شدی بارباب عقل و تمیز و اصحاب رای و تدبیر و چند مجلس دران نشستندی و برخاستندی تا آنگاہ کہ آن جوابہا بر یک وجہ قرار گرفتی و آن لغز و رموز ظاہر و ہویدا شدی، . . . پس ازین مقدمات نتیجہ آن ہمی آید کہ دبیر عاقل و فاضل ہمین جمالی است از تجمّل پادشاہ وہمین رفعتی است از ترفّع پادشاہی[1]"

دول اسلامی ہیں محکمۂ دبیری جس میں مثال کے طور پر وزارتِ عظمیٰ کو لیا جاسکتا ہے ایرانی نمونے کی پوری پوری نقل تھی، نظامی عروضی نے اپنے زمانے (بارھویں صدی عیسوی) کے فنِ دبیری کی جو تشریح کی ہے اس کو پڑھ کر ہم عہد ساسانی کے دِبہیروں (دبیروں) کے فرائض اور ان کی اہمیّت کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، نظامی لکھتا ہے کہ "دبیری صناعتی است مشتمل بر قیاسات خطابی و بلاغی منتفع در مخاطباتی کہ درمیان مردم است بر سبیل محاورت و مشاورت و مخاصمت در مدح و ذم و حیلہ و استعطاف و اغراء و بزرگ گردانیدنِ اعمال و خُرد گردانیدن اشغال و ساختن وجوہ عذر و عتاب و احکام وثائق و اذکار سوابق و ظاہر گردانیدن ترتیب و نظام سخن در ہر واقعہ تا بر وجہ اولی و احری ادا کردہ آید، پس دبیر باید کہ کریم الاصل شریف العرض دقیق النظر عمیق الفکر ثاقب الرای باشد و از ادب و ثمرات آن قسم اکبر و حظّ اوفر نصیب او رسیدہ باشد و از قیاسات منطقی بعید و بیگانہ نباشد و مراتب ابناء زمانہ شناسد و مقادیر اہل روزگار داند و بحطام دنیوی و مزخرفات آن مشغول نباشد[2]"

ان تمام خوبیوں کے علاوہ دبیر کے لئے خوشخط ہونا بھی لازمی تھا، جو دبیر

---

[1] چہار مقالہ طبع سلسلۂ گِبْ (Gibb) ص ۲۲ و ۲۵، نیز دیکھو عیون الاخبار لابن قتیبہ (طبع مصر) ج ۱ ص ۴۲ بعد، [2] چہار مقالہ ص ۱۲،

انشا پردازی اور خوشنویسی میں سب سے فائق ہوتے تھے ان کو دربار شاہی میں ملازم رکھا جاتا تھا باقیوں کو صوبجات کے گورنروں کی خدمت میں دے دیا جاتا تھا[۱]،

غرض یہ کہ دبیرانِ سلطنت حقیقی سیاسندان ہوتے تھے، وہ ہر قسم کے نوشتہ جات[۲] کا مضمون تیار کرتے تھے، سرکاری خط کتابت انھی کے ہاتھوں میں تھی، فرامین شاہی کا لکھنا اور اندراج کرنا انھی کے ذمّے تھا، ٹیکس اور خراج ادا کرنے والوں کی فہرستیں اور سرکاری آمدنی اور خرچ کا سارا حساب وہی رکھتے تھے[۳]، بادشاہ کے دشمنوں اور حریفوں کے ساتھ خط کتابت کرنے میں ان کی لیاقت اس بات میں دیکھی جاتی تھی کہ مضمون کا لہجہ موقع ومحل کے مطابق مصالحت آمیز یا متکبّرانہ اور تہدید آمیز رکھ سکیں، لیکن اگر جنگ میں دشمن فتحیاب ہوجاتا تو پھر دبیر کی جان سلامت نہیں رہ سکتی تھی مثلاً شاپور پسر اردشیر اوّل نے آخری اشکانی بادشاہ کے دبیر دادبُنداد کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا اس لیے کہ اُس نے اپنے بادشاہ کی طرف سے ایک توہین آمیز خط اردشیر کو لکھا تھا[۴]،

زمرۂ دبیرانِ سلطنت کا رئیس ایران دِبِیربذ یا دِبِیران مہشت کہلاتا تھا جس کا ذکر کبھی کبھی بادشاہ کے مصاحبوں میں آتا ہے[۵] اور جس کو بادشاہ گاہے گاہے سفارت کی خدمت بھی سپرد کردیتا تھا[۶]،

---

[۱] شاہنامۂ فردوسی طبع مول، ج ۵، ص ۳۵۸، شعر نمبر ۳۲۴ بعد، [۲] طبری ص ۱۰۶۰، خسرو اول نے ایک دبیر کو "جو اپنے نسب اور قابلیت اور وقعت میں ممتاز تھا" لشکر کے سپاہیوں کی فہرست رکھنے اور عرض سپاہ کا کام سپرد کیا تھا، [۳] طبری ص ۸۱۹، [۴] کارنامک ۱، ۱۰، ۷، نولڈکہ ترجمہ طبری ص ۴۴۴، [۵] کارنامک مقام مذکور، نہایہ (ص ۲۳۲) میں ایک شخص یزدگرد کو دبیر اعظم لکھا ہے، اور صفحہ ۲۳۱ پر ایک شخص کا ذکر ہے جو دِبِیربذ بھی تھا اور ساتھ ہی پایۂ تخت کا گورنر بھی تھا، طبری (ص ۸۵۹) میں جو ایک شخص یُوانویہ کا ذکر ہے کہ یزدگرد اوّل کے عہد میں دیوانِ رسائل کا رئیس تھا اس کے متعلق ہم یہ فیصلہ نہیں کرسکتے کہ آیا وہ ایران دِبِیربذ تھا یا فقط محکمۂ دبیری کے کسی خاص دفتر کا حاکم تھا،

خوارزمی نے دبیرانِ سلطنت کو یوں شمار کیا ہے[۱] :- (۱) داذ دبہیر (دبیر عدالت)، (۲) شہر آمار دبہیر (دبیر مالیاتِ سلطنت)[۲]، (۳) کذگ آمار دبہیر (دبیر مالیۂ دربار شاہی)، (۴) گنز آمار دبہیر (دبیر خزانہ)،- (۵) آخُر آمار دبہیر (دبیر اصطبل شاہی)،- (۶) آتش آمار دبہیر (دبیر محاصل آتشکدہ ہا)،- (۷) رُوانگان دبہیر (دبیر امور خیریہ)[۳]،

شاہ ایران کے دربار میں ایک دبیرِ امورِ عرب بھی ہوتا تھا جس کی تنخواہ جنس کی شکل میں حیرہ کے عرب دیتے تھے، وہ ترجمان کا کام بھی کرتا تھا[۴]،

کارنامگ میں بادشاہ کے اہم ترین رفقائے شکار کی فہرست میں علاوہ موبذان موبذ، ایران سپاہ بذ، دبہیران مہشت اور پشتیگ بان سالار کے اندرزبذِ واسپہرگان[۵] (معلمِ واسپُہران) بھی مذکور ہے، لیکن اس کے علاوہ بعض اور اندرزبد بھی تاریخ میں ملتے ہیں، ایک تو دراندرزبد (منتظم دربار) ہے جو شاید وزرگ فُرمادار ہی کا دوسرا لقب تھا[۶]، ایک مغان اندرزبد (معلّم مغان) ہے اور ایک سگستان اندرزبد (معلّم مامور سیستان) ہے[۷]، حکومت کے اور بڑے بڑے عہدہ داروں میں ایک مُہر

---

[۱] ہرتسفلٹ: پای کُلی (فرہنگ - نمبر ۴۲۹)، اون والا، ترجمۂ اقتباس مفاتیح العلوم از خوارزمی، بمبئی سنہ ۱۹۲۸ء، ص ۱۶۵ و ۱۷-۱۶، [۲] شیڈر: "ایبسرا دبیر" ص ۴۷ ببعد، [۳] یعنی ناظم امور خیریہ، دیکھو دینوری (ص ۵۷)، بین ونِشت: "مجموعۂ مطالعات مشرقی بیادگار ریموند لینوسیے (Raymonde Linossier)" (بزبان فرانسیسی) جزو پنجم ص ۱۵۷، آنڈریاس-ہیننگ (Andreas & Henning): "آثار مانوی در زبان پہلوی" (بزبان جرمن) سنہ ۱۹۳۳ء ص ۳۱۷ ح ۲، شیڈر: ایرانیکا، ج ۱، سنہ ۱۹۳۴ء ص ۸ و ۱۹،

[۴] روٹ شٹائن: "خاندانِ لخمی در حیرہ" (برلن سنہ ۱۸۹۹ء)، ص ۱۳۰، [۵] کارنامگ ۱۰، ۷، نولڈکہ نے اس کو اندرزبذِ اسپوارگان پڑھا ہے لیکن واسپہرگان زیادہ مناسب ہے، دیکھو پای کُلی (فرہنگ - نمبر ۱۰۹)،

[۶] دیکھو ضمیمہ نمبر ۲، [۷] پای کُلی (فرہنگ - نمبر ۱۰۱، ۱۹۴، ۲۲۳)،

بردار تھا (جس کی تحویل میں بادشاہ کی مُہر رہتی تھی)[1] اور ایک رئیس محکمۂ اطلاعات تھا،[2] محافظِ دفترِ تواریخ بادشاہی بھی غالباً ایک اعلیٰ عہدہ تھا،[3]

طبری کے ہاں "وزیروں اور دبیروں" کا ذکر اکثر اس طرح آتا ہے کہ گویا وہ بزرگانِ سلطنت کے دو گروہ تھے جو ایک دوسرے کے قائم مقام تھے، مثال کے طور پر ہم اُس مقام کا حوالہ دیتے ہیں جہاں وہ یہ بیان کرتا ہے کہ بعض اوقات نئے بادشاہ کی تخت نشینی پر تمام وزیروں اور دبیروں میں ادلا بدلی ہو جاتی تھی،[4] اس میں شک نہیں کہ وزراء اور حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کی جماعتوں میں تغیر و تبدیل ہوتی رہتی تھی اور بعض وقت وزراء کی تعداد اور ان کے مرتبوں میں بھی کچھ نہ کچھ تبدیلی کر دی جاتی تھی، زمرۂ وزراء کا پہلوی نام ہمیں معلوم نہیں[5] لیکن جو لوگ اس زمرے میں ہمیشہ شامل رہے ہیں وہ یہ ہیں: وزرگ فرماذار، موبذان موبذ، ایران سپاہ بذ، ایران دِبہیر بذ، واستریوش بذ، خاص خاص زمانوں میں ہیربذان ہیربذ یعنی آتشکدوں کا رئیسِ اعلیٰ زمرۂ وزراء میں شامل رہا ہے اور ممکن ہے کہ اَستَبَذ (میرِ تشریفات)[6] بھی اس زمرے میں شریک رہا ہو،[7]

---

[1] مقابلہ کرو مقدمۂ ابن خلدون (طبع فرانس) درضمن (Notices et Extraits) ج ۱۷ ص ۵۳ و ج ۲۰ ص ۶۱، [2] نہایہ ص ۲۳۵، [3] دربار شاہی کے اعلیٰ عہدہ داروں اور ندیموں کے متعلق دیکھو آگے باب ہشتم، [4] طبری، ص ۸۳۶، [5] نولڈکہ نے پہلے ایسا خیال کیا تھا کہ وزراء کا لقب بطورِ عمومی وزیربذ تھا لیکن اس فاضلِ مرحوم نے مجھے ایک خط میں لکھا تھا کہ میرا وہ خیال غلط تھا اور یہ کہ تلمود میں جو گزیرپت (= ایرانی "وزیربذ") ہے وہ پولیس کے کسی افسر کا لقب تھا، (دیکھو اوپر ص ۱۷۲ ح ۴ کے آخر میں)، [6] ایک استبذ کا ذکر تاریخ سریانی منسوب بہ سٹائی لائٹ میں ۵۰۲ء و ۵۰۳ء کے واقعات میں آیا ہے، (طبع پروفیسر رائٹ ص ۵۹)، نیز مقابلہ کرو مارکوارٹ: "ایرانشہر" ص ۱۲۸ ح ۴، [7] دیکھو ضمیمہ نمبر ۲،

صوبوں کی حکومت

حکومت کے اونچے عہدہ داروں میں صوبوں کے گورنر اور سیٹرپ[1] یعنی مرزبان بھی تھے[2]، سرحدی صوبوں کے گورنر مرزبان شہردار کہلاتے تھے اور "شاہ" کے لقب سے ملقّب تھے[3]، لیکن ان کے ساتھ ساتھ کمتر درجے کے مرزبان بھی تھے جو اندرونی صوبوں کے فرماں روا تھے،

مؤرّخ امیان مارسلینوس نے اُن صوبوں میں سے اکثروں کے نام گنوائے ہیں جو اُس کے زمانے میں بِدَخشوں، سیٹرپوں اور بادشاہوں (یعنی شاہانِ زبردست) کے زیرِ حکومت تھے، بِدَخش علاوہ گورنر ہونے کے اپنے صوبے کی رسالہ فوج کا سردار بھی ہوتا تھا، صوبوں کے نام یہ ہیں :- اسیریا (آسور)، خوزستان، میڈیا، فارس، ہرکانیا (گرگان)، پارتھیا، کارمانیِ بزرگ (کرمان)، مرگیانا (مرو)، باختر (بلخ)، سوگڈیانا (سغد)، سگستان (سیستان)، ولایت سکیتھیا ماورائے

[1] (Satrap) [2] لفظ "شہربان" (شَتْرَپان = سیٹرپ) جو کتبۂ پای کُلی کی ایک مسخ شدہ عبارت میں آیا ہے (طبع ہرتسفلڈ، آرٹیکل ۳۰ و فرہنگ نمبر ۹۷۸) بظاہر مرزبان کا پرانا نام ہے، اس لفظ کا مقابلہ کرو لفظ شہرپَ آمارکار کے ساتھ جس کا اوپر ذکر آچکا ہے، شہرپَ کو شتْرپَ لکھتے تھے جو اشکانی پہلوی میں کھشَتْرپَ تھا، یہ بالکل ممکن ہے کہ ساسانیوں کے ابتدائی دور میں صوبوں کے گورنر سیٹرپ یا بِدَخش کہلاتے ہوں اور مرزبان کا لقب بعد میں رائج ہوا ہو (پای کُلی میں بِتَخش ہے، دیکھو فرہنگ - نمبر ۲۱۴)، بہرحال لفظ مرزبان ساسانیوں کے ابتدائی بادشاہوں کے کتبوں میں کہیں دیکھنے میں نہیں آتا یہاں تک کہ کتبۂ پائی کُلی کے قطعات میں بھی وہ نہیں ملتا جہاں یہ توقع ہوسکتی تھی کہ وہ پایا جائیگا، جہاں تک ہم تحقیق کرسکے ہیں مرزبان کا لقب پہلی مرتبہ بہرام پنجم (سنہ ۴۲۰ء - سنہ ۴۳۸ء) کے زمانے میں سننے میں آتا ہے جبکہ آرمینیہ کی حکومت ایک مرزبان کے سپرد کی گئی اور بادشاہ کے بھائی نرسی نے "مرزبانِ کوشان" (یعنی مرزبانِ سرحدِ کوشان) کا لقب اختیار کیا، (مارکوارٹ: "ایرانشہر" ص ۵۲)، [3] دیکھو اوپر ص ۱۳۰،

ایپوٹون[1]، سیریکا[2]، آریا (ہرات)، ولایت پَرَوپانیساد[3]، درنگیانا[4]، اراخوزیا[5]، گڈروسیا[6]، مؤرخ مذکور نے ان کے علاوہ چھوٹے چھوٹے صوبوں کا ذکر کرنا غیر ضروری سمجھا ہے، صوبوں کی یہ فہرست سوائے سیریکا (!) کے جو صریح مبالغہ ہے صحیح معلوم ہوتی ہے، تیسری اور چوتھی صدی میں سلطنت ساسانی شمال اور مشرق کی جانب واقعی بہت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی، ہرتسفلٹ کی تحقیقات کی رُو سے[7] بہرام دوم کی فتوحات کے بعد جو ۲۸۴ء میں ہوئیں مشرق کی طرف ممالک ذیل ساسانی سلطنت میں شامل تھے :- (۱) گرگان (ہرکانیا)، (۲) تمام خراسان جس کی وسعت اُس زمانے میں آج کی نسبت بہت زیادہ تھی[8]، (۳) خوارزم،

---

[1] غالباً دریائے جیحوں سے مراد ہے (مترجم)، [2] (Serica) چین کا مشرقی حصہ (!)

[3] Paropanisade، افغانستان کا مشرقی علاقہ (مترجم)، [4] Drangiana، سیستان کے شمال اور ہرات کے جنوب میں، (مترجم)، [5] Arachosia، افغانستان کا جنوبی حصہ (مترجم)

[6] Gedrosia یعنی مکران (مترجم)، [7] پائیکلی ص ۴۳،

[8] ساسانیوں کے زمانے میں خراسان کی وسعت ہرتسفلٹ نے معیّن کی ہے (پائیکلی، ص ۳۷) وہ یہ کہ ایک خط دروازہ ہائے بحر خزر (رَے کے نزدیک) سے شروع کر کے سلسلۂ کوہ البرز کے ساتھ ساتھ بحر خزر کے جنوب مشرقی کونے تک اور وہاں سے وادی اترک تک یعنی ٹرانس کیسپین ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ لطف آباد تک کھینچا جائے، دوسرا خط اُس صحرا میں سے جس میں تجند اور مرو واقع ہیں کرکی کے نیچے سے جیحون تک کھینچا جائے، یہ خط (جیسا کہ سکّے یعنی ساسانی سکّوں کے پائے جانے سے معلوم ہوتا ہے) سلسلۂ کوہ حصار کی چوٹیوں پر سے گذرتا ہوا پامیر پر آکر منتہی ہوگا اور وہاں سے جنوب کی طرف مڑکر دریائے جیحون کے اُس حصّے کے ساتھ ساتھ جائیگا جو بدخشان کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہے اور پھر ہندوکش کی چوٹی سے جا ملیگا، وہاں سے یہ سرحدی خط مغرب کی طرف کو مڑیگا اور سلسلۂ کوہ ہندوکش اور اس کی شاخوں کے ساتھ ساتھ ہرات کے جنوب میں پہنچ کر علاقہ قہستان کو طے کرتا ہوا ترشیز اور خاف کے جنوب سے گذرتا ہوا پھر دروازہ ہائے بحر خزر پر آملیگا،

(۴) سغد ، (۵) سگستان جو ایک بہت وسیع ملک تھا ، (۶) مکران ، (۷) توران ، (۸) گذرگاہ دریائے سندھ کے درمیانی اضلاع اور اس کے دہانے کے آس پاس کے صوبے یعنی کچھ ، کاٹھیاواڑ ، مالوہ اور ان سے پرے کے علاقے وغیرہ ، صرف پنجاب اور وادی کابل اس سے خارج تھے جو شاہانِ کوشان کے زیر حکومت تھے[1]،

نولڈکہ نے عربی مآخذ کے حوالے سے صوبجات ذیل کی فہرست بنائی ہے جن پر مرزبان حکومت کرتے تھے[2]:- آرمینیہ (۴۳۰ء کے بعد) بیت اُرمائی[3]، فارس ، کرمان ، سپاہان ، (اصفہان) ، آذربائجان ، طبرستان ، زرنگ (درنگیانا) بحرین ، ہرات ، مرو ، سرخس ، نیشاپور (نیوشاپور = ابہرشہر) ، طوس ، ان میں سے بعض صوبے وسعت میں کچھ زیادہ نہ تھے اور فی الجملہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہخامنشیوں کی طرح ساسانیوں کے عہد میں بھی صوبوں کی حدیں مستقل نہ تھیں ، بادشاہ ایک مرزبان کو حسب ضرورت جس صوبے میں چاہتا مقرر کر کے بھیج دیتا تھا اور مصلحتِ وقت کے مطابق کبھی چند صوبوں کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیتا کبھی ایک صوبے کے کئی حصے کر دیتا تھا ، عہدۂ مرزبان کے فرائض چنداں ملکی نوعیت کے نہ تھے بلکہ بیشتر فوجی تھے ، ساسانیوں کی حکومت میں جو شدید مرکزیت کا اصول ملحوظ تھا اس کے تحت میں ملکی نظم ونسق عہدہ داران زیر دست کے ہاتھوں میں دیا گیا تھا جو چھوٹے چھوٹے علاقوں کا انتظام کرتے تھے ، وہ شہریگ اور دیہیگ کہلاتے تھے ، جنگ کے زمانے میں مرزبان سپاہ بذوں کے ماتحت سالارانِ لشکر کے فرائض انجام دیتے

---

[1] دیکھو پای کلی ص ۷۴ ،

[2] طبری ص ۴۴۶ ،

[3] یہی جو عربی میں الستواد کہلاتا ہے (مترجم) ،

تھے[1]،

مرزبان عالی خاندانوں میں سے انتخاب کئے جاتے تھے[2]، کبھی کبھی اس بات کا ذکر دیکھنے میں آتا ہے کہ فلاں مرزبان کا ایک محل پایہ تخت میں تھا[3]، مرزبانوں کے لئے خاص طور پر ایک اعزازی نشان یہ ہوتا تھا کہ انہیں چاندی کا ایک تخت عطا ہوتا تھا[4] اور سرحدِ آلان خزر کے مرزبان شہرداراکو مستثنیٰ طور پر سونے کے تخت پر بیٹھنے کا حق حاصل تھا[5]، ابہرشہر کے مرزبان کا لقب کنارنگ تھا[6]،

صوبے اضلاع میں منقسم تھے جن کو اُستان کہتے تھے، پاذگوسپان غالباً اصل میں نائب گورنر کا لقب تھا جو ایک اُستان یا ضلع کا حاکم ہوتا تھا، یزدگشنسپ بہرام پنجم کے عہد میں پاذگوسپان تھا[7]، معمولی طور پر اُستان کے حاکم کو اُستاندار کہتے تھے، تاریخ میں کشکر اور نصیبین کے اُستاندار کا ذکر ملتا ہے[8]، نصیبین میں ایک شخص بابہائی نام کو جو شاہی خاندان سے تھا" اعزاز کے طور پر اور سرحد کی حفاظت

---

[1] تاریخ منسوب بہ جوشوا اسٹائلائٹ (طبع رائٹ ص ۶۱ و جا ہای دیگر)، [2] خاندان سورین کا ایک شخص خسروِ اوّل کے زمانے میں آرمینیہ کا مرزبان بنایا گیا تھا، (پاتکانیان، مجلۂ آسیائی (.J A) سنہ ۱۸۶۶ء ص ۱۸۳)، شاہ نرسی کے عہد میں آذربائیجان کا مرزبان شاپور وراز اعلیٰ درجے کا شریف النسب تھا (فاؤستوس بازنتینی طبع لانگلوا ج ۱، ص ۲۲۹)، شہرین جو خاندانِ مہران سے تعلق رکھتا تھا بیت درائی اور ولایت کوسین کا مرزبان تھا (ہوفمن ص ۶۹)، پیران گشنسپ جو اسی خاندان سے تھا گرزان اور ارّان کا مرزبان تھا اور ہزارہا سوار اس کی کمان میں تھے، (ایضاً، ص ۷۸ - ۷۹)، وہریز جو غالباً خاندانِ ساسانی کا ممبر تھا خسرو اوّل کے زمانے میں یمن کی فتح کے بعد وہاں کا مرزبان بنایا گیا تھا، (نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۲۲۳ - ۲۲۴)، [3] نہایہ ص ۲۵۲، [4] طبری ص ۸۶۴، [5] نہایہ ص ۲۲۷، [6] دیکھو اوپر، ص ۱۰۷، [7] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۹۶، ح ۳، پاذگوسپانوں کے مرتبے اور اختیارات میں آگے چل کر (غالباً کواذ اوّل کے عہد میں) اصولی تبدیلیاں کر دی گئی تھیں، دیکھو باب ہفتم اور ضمیمہ نمبر ۲، [8] دیکھو ہیننگ (Henning) در رسالہ " ہند و ایران شناسی " (Z II) سنہ ۱۹۳۳ء ص ۲۲۴،

کے لئے"[1] اُستاندار بنایا گیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُستاندار جن کے ہاتھوں میں مرزبانوں کی طرح فوجی طاقت بھی ہوتی تھی[2] اصل میں شاہی املاک کے منتظمین ہوتے تھے[3] اور یہ فرائض وہ ہمیشہ انجام دیتے رہتے تھے حتیٰ کہ ایسی حالت میں بھی جبکہ اُنھیں کسی علاقے کا فوجی افسر بنا دیا جاتا تھا، اگر اُس علاقے میں شاہی املاک ہوں تو فوجی فرائض کے ساتھ ساتھ وہ ان کا انتظام بھی کرتے تھے،

صوبوں کی تقسیم اضلاع میں محض انتظام ملکی کی رعایت سے کی گئی تھی، بقول نولڈکہ ہر ضلع (جو شہر کہلاتا تھا اور اس کے صدر مقام کو شہرستان کہتے تھے)[4] ایک شہریگ کے ماتحت ہوتا تھا جو دہقانوں میں سے منتخب ہوتا تھا[5]، گاؤں (دیہہ) اور اس کے سارے رقبے (رُشتاگ = رُشتاق) کا حاکم دیہیگ کہلاتا تھا[6]،

---

[1] ہوفمن، ص ۹۳، [2] نولڈکہ ص ۴۴۸، [3] ارمنی زبان میں دراصل لفظ اُشتنان کے معنی وہ علاقہ یا شہر جو بادشاہ کی ملکیت ہو (ہیوبشمن، ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۲۱۵) اور اُشتانیک وہ فوج جو استنان کی حفاظت کے لئے رکھی جائے، [4] نولڈکہ: ترجمہ طبری، ص ۴۴۶، ہوفمن ص ۲۳۹، واضح رہے کہ پہلوی کتابوں میں لفظ شہر ہمیشہ سلطنت کے معنوں میں آیا ہے اور وہ القاب جن کے شروع میں لفظ شہر ہو ہمیشہ اُن اعلیٰ عہدہ داروں کے لئے ہوتے تھے جن کے اختیارات تمام سلطنت پر حاوی ہوں،

[5] شہریگ کو عربی میں رئیس الکورۃ لکھا ہے (یعقوبی، ج ۱، ص ۲۰۳)، عراق میں شہریگ طبقۂ آزادان کی ایک جماعت تھی جن کا رتبہ دہقانوں سے ایک درجہ بلند تر تھا (مروج الذہب ج ۲، ص ۲۴۰)، نہایہ (ص ۲۴۳) کی روایت کے مطابق خسرو دوم نے سلطنت کو نئے سرے سے ۳۵ صوبوں میں تقسیم کیا تھا،

[6] ہوفمن، ص ۲۳۹، دیہیگ غالباً دیہہ سالار کا مساوی ہے (بلاذری، دیکھو نولڈکہ ترجمۂ طبری ص ۴۴۱)،

باب سوم

دینِ زرتشتی حکومت کا مذہب

مذہبِ حکومت کی تخلیق ۔ عہدِ ساسانی میں اوستا کی نئی اشاعت ۔ ساسانیوں کی زرتشتیت اور بعد کی زرتشتیت کا فرق ۔ عقاید زُروانی ۔ آتشکدے ۔ تقویم ۔ تہوار ۔ عامیانہ علم نجوم ۔

ساسانیوں نے شروع ہی سے علماء زرتشتی کے ساتھ اتحاد پیدا کر لیا تھا اور حکومت و مذہب کے درمیان گہرا تعلّق ان کے عہد میں برابر قائم رہا ،

پارسی روایت کے مطابق[1] اردشیر اوّل نے اپنی تخت نشینی کے بعد ہیربدان ہیربد تنسر کو حکم دیا کہ اشکانی اوستا کے پراگندہ اجزا کو جمع کر کے تالیف کرے ، اس نئی تالیف کو مستند اور مصدّقہ قرار دیا گیا[2] ، بعد میں اردشیر کے بیٹے اور جانشین شاپور اوّل نے کتب مقدسہ کے اندر غیر مذہبی تصانیف کو جن کا موضوع علم طب اور نجوم اور فلسفہ تھا اور

---

[1] کتاب دینکرد کے تیسرے اور چوتھے باب میں دو روایتیں دی گئی ہیں جو خاص طور پر اہم ہیں ، ان میں سے جو روایت ہخامنشی اوستا کے متعلق ہے وہ تو یقیناً مجعول ہے (دیکھو نیبرگ کا مضمون در رسالۂ آسیائی (J. A.) بابت سال ۱۹۳۱ع ص ۲۲ ببعد) ، برخلاف اس کے تالیفِ اوستا بعہدِ اشکانی کی روایت بیشک صحیح ہے ، ساسانیوں کے زمانے میں کتبِ مقدّسہ کی تاریخ کے بارے میں جو روایت ہے اس کے متعلق ہم صرف اتنا کہ سکتے ہیں کہ اس کے اہم ترین اجزا کو صحیح مان لینا چاہئے ، [2] دینکرد ، باب سوم (طبع پشوتن سنجانا ، متن ص ۵۰۴ ، ترجمہ ص ۵۶۹) ، وسٹ : "متون پہلوی" ج ۴ ، دیباچہ ص ۳۱ ، — ایضاً باب چہارم (ص ۴۵۶ ، ترجمہ ص ۵۷۸) ، وسٹ : "متون پہلوی" ج ۴ ، ص ۴۱۴ ، ارداگ ویراز نامگ ج ۱ ، ص ۱-۱۸ ،

جو ہندوستان اور یونان اور دوسرے ملکوں میں دستیاب ہوئیں داخل کردیا، بہ روایت اس شکل میں یقیناً غلط ہے، غالباً ان غیر مذہبی تصانیف سے مراد وہ کتابیں ہیں جو فضلائے ایران نے لکھیں جن میں فلسفۂ یونان کا اثر موجود تھا لیکن بظاہر ہندوستانی اثر ان میں بہت بعد کے زمانے میں آیا،

تنسر نے اوستا کی جو اڈیشن تیار کی اس کا ایک نسخہ مع اضافاتِ جدید شاپور کے حکم سے شیز میں آتشکدۂ آذرگشنسپ میں محفوظ کردیا گیا[1]، لیکن بااین ہمہ مذہبی مناقشات اور اختلافات جاری رہے، ان کا خاتمہ کرنے کے لئے شاپور دوم نے موبدِ بزرگ آذربدِ مہرسپندان کی صدارت میں ایک انجمن منعقد کرائی جس نے اوستا کا متن قطعی طور پر معین کردیا اور اس کو اکیس حصوں میں تقسیم کیا جن کو نسک کہتے ہیں، اکیس کا عدد دعائے مقدس "یذا اہو وئیریو" کے الفاظ کی تعداد سے لیا گیا ہے، اس متن کے تقدس کو ثابت کرنے کے لئے آذربد نے اپنے آپ کو بذریعۂ آتش امتحان کے لئے پیش کیا یعنی یہ کہ پگھلی ہوئی دھات اس کے سینے پر انڈیل دی جائے،

ساسانی اوستا کا بہت تھوڑا سا حصہ آج باقی ہے لیکن اس کا خلاصہ کتاب دین کرد کے آٹھویں اور نویں باب میں دیا گیا ہے جو نویں صدی عیسوی کی پہلوی تصنیف ہے[2]، ساسانی اوستا میں نہ صرف مذہبی احکام تھے بلکہ وہ جملہ علوم کا دائرۃ المعارف تھی، مسائل مبدأ و معاد، علم الاساطیر، علم نجوم، علم کائنات،

---

[1] گنزِ شیزگان یا گنزِ شیزیگان سے مراد مقام گنزک ہے جو ولایتِ شیز (آذربائجان) میں واقع تھا، دیکھو مارکوارٹ - مسینا: "فہرست پایہ تخت ہائے صوبجاتِ ایران" (بزبان انگریزی)، روم سنہ ۱۹۳۱ء ص ۱۰۸، گنزک میں آتشکدۂ آذرگشنسپ کے متعلق دیکھو آگے،

[2] دیکھو اوپر ص ۶۴-۶۵

علوم طبیعی، قانون، اخلاقِ عملی، غرض جتنی چیزیں ساسانیوں کے وقت میں متداول تھیں وہ اوستا کے اکیس نسکوں پر مبنی تھیں، ان نسکوں کے بہت سے متن (جو اوستائی زبان میں لکھے گئے[1]) غالباً ساسانی اوستا کے مؤلفین نے خود تصنیف کیے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے بعض پہلوی زبان میں پہلے سے موجود ہوں اور ان کو اوستائی زبان میں ترجمہ کر کے کتاب مقدس میں شامل کر لیا گیا ہو[2]،

دینِ کرد کا خلاصہ بہت غیر متناسب ہے، بعض نسکوں کے متعلق خصوصاً وہ جن میں قانونی مسائل پر بحث تھی بہت مفصل اطلاعات دی گئی ہیں، برخلاف اس کے اُن نسکوں کا خلاصہ جن میں مسئلۂ آفرینش بیان کیا گیا تھا بہت تھوڑے سے لفظوں میں دیا گیا ہے،

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ساسانی اوستا کا اکثر حصہ عہد اسلامی میں کیوں تلف ہو گیا؟ ہمیں معلوم ہے کہ مسلمان زرتشتیوں کو اہل کتاب مانتے تھے لہذا اُن کی کتب مقدسہ کی بربادی کو ہم اہل اسلام کے تعصب کی طرف منسوب نہیں کر سکتے، علاوہ اس کے ہم اوپر اس بات کو بتا چکے ہیں کہ نویں صدی میں ساسانی اوستا کا بیشتر حصہ باقی تھا یا کم از کم اس کا پہلوی ترجمہ موجود تھا جس کے ساتھ اس کی شرح موسوم بہ زند بھی شامل تھی، اس بربادی کی وجہ یقیناً یہ ہوئی کہ مادی زندگی کی سختیوں نے جو اُس زمانے میں زرتشتیوں کو سہنی پڑیں انھیں فرصت نہیں دی کہ کتب مقدسہ کے اس ضخیم مجموعے کو پیہم نقل کرتے رہیں، اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ

---

[1] جس زبان میں کتابِ مقدس اوستا لکھی گئی وہ اصل میں میڈیا یا مغربی ایران کی زبان تھی لیکن اس کو کتاب اوستا کی رعایت سے اوستائی زبان بھی کہہ دیتے ہیں (مترجم)، [2] نیبرگ (Nyberg) "مجلۂ آسیائی" (J. A.) سنہ ۱۹۳۱ء ص ۲۶ و ۴۶،

اسی زمانے میں وہ نسک جن میں قانونی مسائل پر بحث تھی بھلا دیے گئے ہونگے کیونکہ ایسی حالت میں جبکہ زرتشتی حکومت کا خاتمہ ہوگیا تو ان کی کیا اہمیت باقی رہی ؟ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ پھر وہ نسک جن میں مسئلۂ آفرینش اور دوسرے اصولی عقاید سمجھائے گئے تھے کیوں محفوظ نہ رہے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض قرائن ایسے موجود ہیں جن سے ہم یہ قیاس کرسکتے ہیں کہ عربی حکومت کی ابتدائی صدیوں میں زرتشتیت کسی حد تک اصلاح پذیر ہوئی جس کی وجہ سے بعض عامیانہ اساطیر اور عقاید کو جو ساسانی اوستا میں مسطور تھے خود زرتشتیوں نے اپنی مرضی سے حذف کردیا، ہم اس مبحث کی طرف باب ہشتم کے آخر میں دوبارہ رجوع کرینگے،

بہرحال جب ہم ایک طرف اُس نظام مذہب کو دیکھتے ہیں جو موجودہ اوستا اور پہلوی کی دینی کتابوں میں سمجھایا گیا ہے اور دوسری طرف اُن اشارات کو ملاحظہ کرتے ہیں جو عہدِ ساسانی میں ایرانیوں کے مذہب کے متعلق ہم کو بازنتینی، سریانی اور ارمنی مصنّفوں کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں تو ہمیں خصوصاً اساطیر اور مسئلۂ آفرینش کے بیان میں عجیب و غریب اختلافات نظر آتے ہیں،

عیسائی مآخذ کے بیانات کو بغور دیکھنے سے ایک بات جو سب سے پہلے ہماری توجہ کو کھینچتی ہے وہ یہ ہے کہ ساسانی مزدائیت میں سورج کو بہت بڑھایا چڑھایا گیا ہے۔ یزدگرد دوم قسم کھانے میں کہتا ہے کہ "قسم ہے آفتاب کی جو خدا سے برتر ہے، جو دنیا کو اپنی شعاعوں سے روشن کرتا ہے اور اپنی حرارت سے تمام جانداروں کو گرمی پہنچاتا ہے"[1]۔ شاہ مذکور نے سورج کی قسم کو تین چار مرتبہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ

---

[1] ایلیزے (Elisée) مؤرخ ارمنی، طبع لانگلوا، ج ۲، ص ۱۹۷،

دہرایا ہے[1]، عیسائی پادریوں کو جب اپنا مذہب چھوڑنے کے لئے کہا گیا تو انھیں اس بات پر مجبور کیا گیا کہ ترکِ مذہب کا اظہار پرستش آفتاب سے کریں، وقائع شہدائے ایران (بزبان سریانی) میں اس بات کو بار بار جتایا گیا ہے، شاپور دوم نے سائمن بارصبّعی[2] کی جاں بخشی کا وعدہ اس شرط پر کیا تھا کہ وہ آفتاب کی پرستش پر رضامند ہو جائے[3]۔ ایلیزے لکھتا ہے[4] کہ یزدگرد دوم کے حکم سے جب آرمینیہ کے عیسائیوں پر تعدی کی جا رہی تھی تو عیسائی قسّیس لیُونس نے تن شاپور رئیس احتساب مذہبی سے کہا کہ "شروع میں تو نے ہم کو آفتاب کی پرستش پر مجبور کیا اور اب تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ بادشاہ نے اس پرستش کا حکم دیا ہے، تو خود باواز بلند آفتاب کی ستایش کرتا ہے ......" ایک اور موقع پر "آفتاب کی پرستش اس طرح پر کی گئی کہ چند قربانیاں دی گئیں اور تمام مجوسی رسمیں ادا کی گئیں"[5]۔ بقول پروکوپیوس[6] مجوسیوں کی شریعت کا یہ حکم تھا کہ نکلتے ہوئے سورج کی پرستش کی جائے،

یہ سورج دیوتا یا خدائے آفتاب کون ہے؟ ہُوَرْ (سورج) یا ہُوَرْ خشئیت[7] (جس کے معنی بقول آنڈریاس "خورشید بادشاہ" کے ہیں) کتب اوستا میں دیوتاؤں کی صف میں جلوہ گر ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کبھی اس کو زیادہ اہمیّت حاصل نہیں ہوئی، حقیقت میں جس خدائے آفتاب کی پرستش عہد ساسانی کے مجوسی کرتے تھے وہ

---

[1] ایلیزے (Elisée)، مؤرخ ارمنی، طبع لانگلوا، ج ۲ ص ۱۹۸، [2] Simon Barsabba'é. سلوکیہ اور طیسفون کا بشپ تھا، سنہ ۳۴۰ع کے قریب شاپور دوم کے عہد میں اسی مذہبی تعدّی کے سلسلے میں شہید ہوا (مترجم)، [3] لابُور (Labourt)، "عیسائیت در ایران بعہد ساسانی" (سنہ ۱۹۰۴ع)، بزبان فرانسیسی، ص ۶۵، نیز دیکھو توں سوزدین جس کا حوالہ شرووٹ فاکس نے دیا ہے (کاما اورینٹل انسٹیٹوٹ نمبر ۱۴، ص ۱۰۲)، [4] طبع لانگلوا، ج ۲، ص ۲۲۷، [5] ایضاً ص ۱۹۹، [6] ج ۱، ص ۳،

[7] ہُوَرَ اوستا میں وہی لفظ ہے جو فارسی میں خور ہے، خشئیت لفظ شاہ کی قدیم شکل ہے (مترجم)،

ہُوُر نہیں تھا بلکہ مہر تھا جس کو قدیم یشتوں میں متھرا لکھا ہے، وہ عہد و پیمان اور نورِ صبحگاہی کا خدا تھا جو اہلِ بابل کے ہاں شمش (خدائے آفتاب) کے نام سے موسوم تھا اور جس کو (یورپ کے) متھرا پرستوں نے سول اِنْ وِکٹس[1] بنا لیا،

مؤرخ ایلیئز ایک جگہ شاہ ایران کے رئیسِ خلوت کی زبانی لکھتا ہے "تمہیں یہ اختیار نہیں ہے کہ آفتاب کی پرستش سے رُک جاؤ جو اپنی شعاعوں سے تمام دنیا کو روشنی بخشتا ہے اور اپنی حرارت سے انسانوں اور جانوروں کے لئے خوراک تیار کرتا ہے اور اپنی بے دریغ سخاوت اور ہمہ گیر فیاضی کی وجہ سے خدائے مہر کہلاتا ہے کیونکہ اس میں نہ مکر و فریب ہے اور نہ غفلت و جہالت[2]"۔ خدائے مہر کو بادشاہ اور خدا کا بیٹا اور سات خداؤں[3] کا دلیر مددگار مانا گیا ہے،

طاق بستان میں اردشیر دوم کی برجستہ تصویر ہے[4] جس میں وہ اہورا مزدا کے ہاتھ سے عہدۂ شاہی کا نشان قبول کر رہا ہے، اس تصویر میں متھرا کو جو اپنے سر کے گرد شعاعوں کے ہالے سے شناخت کیا جا سکتا ہے بادشاہ کے پیچھے دکھایا گیا ہے، برلن کے عجائب گھر میں ساسانی زمانے کی ایک مُہر ہے[5] جس پر پہلوی حروف میں اس کے مالک کا نام ہومہر (بحروف پہلوی ہومِتْر) کھُدا ہوُا ہے، یہ نام اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مُہر پر جو تصویر بنی ہے وہ متھرا کی ہے جس میں اُس کے جسم کا بالائی حصّہ اور اس کے گرد ہالہ بنایا گیا ہے

---

[1] (Sol invictus)، سول بمعنی سورج اور اِن وکٹس بمعنی ناقابلِ تسخیر، اجیت، (مترجم)

[2] لانگلوا، ج ۲، ص ۲۳۷، [3] سات خداؤں سے مراد امیشہ سپنتَ ہیں جن کو پہلوی میں اہمر سپندان کہا گیا ہے، ایلیئز طبع لانگلوا، ج ۲ ص ۱۹۴، [4] دیکھو آگے باب پنجم کے آخر میں،

[5] ہرتسفلٹ: "سالنامۂ انجمن فنون پرشیا" (جرمن)، ج ۱۴، حصّہ دوم، ص ۱۰۸،

اور سورج کی رتھ ہے جس کو دو پردار گھوڑے کھینچ رہے ہیں، یہ خدائے آفتاب کی چار اسپہ گاڑی کی ایک اختلافی شکل ہے[1] جس کا تصوّر یونانی بت سازی سے حاصل کیا گیا ہے، اسی دو اسپہ رتھ کی تصویر ایک کپڑے پر بھی بنی ہوئی ہے جو ساسانی نمونے پر بنایا گیا ہے اور برشلز میں سینکانت نیر کے عجائب گھر میں رکھا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساسانیوں کے زمانے میں سورج دیوتا کی رتھ میں چار کی بجائے دو گھوڑے لگائے جاتے تھے[2]،

اوستا کے بیشمار مقامات سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ عناصر طبعی کی پرستش ہمیشہ دینِ زرتشتی کی اصولی خصوصیت رہی، اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ زرتشتی آگ اور پانی اور مٹّی کو آلودہ کرنے سے کس قدر پرہیز کرتے ہیں، غیر ایرانی مصنّفین بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں، اگا تھیاس لکھتا ہے[3] کہ اہلِ ایران سب سے زیادہ پانی کا احترام کرتے ہیں یہاں تک کہ پانی کے ساتھ منہ دھونے سے بھی پرہیز کرتے ہیں اور سوائے پینے یا پودوں میں دینے کے اور کسی غرض کے لئے اس کو نہیں چھوتے، وندیداد میں مذہبی رسومِ تطہیر کے لئے پانی کے استعمال کی سب ہدایات لکھی گئی ہیں، تطہیر کے لئے اگر کوئی چیز پانی سے زیادہ مؤثر ہے تو وہ گائے کا پیشاب ہے،

لیکن مذہب زرتشتی میں آگ کا رتبہ عناصر میں سب سے بلند

---

[1] مقابلہ کرو مضمون نیبرگ در مجلّۂ آسیائی (.J. A) ۱۹۳۱ء ص ۹۱ بعد،

[2] ہرٹسفلڈ، مقام مذکور، ص ۱۰۶،

[3] ۲، ۲۴،

ہے[1]، اوستا میں آگ کی پانچ مختلف قسمیں بتائی گئی ہیں جن کو یاسنا (۱۷، ۱۱) میں شمار کیا گیا ہے اور اُن کی تشریح اس کی پہلوی تفسیر میں ملتی ہے، بُندَہِشْن میں بھی وہی تشریح ہے لیکن اس میں وضاحت نہیں ہے، وہ پانچ قسمیں یہ ہیں :-
(۱) بَرَزِ سَواہ وہ آگ جو آتشکدوں میں جلتی ہے، اس کو آتش بہرام بھی کہتے ہیں اور روزمرّہ کے استعمال کے لئے بھی یہی ہے، (۲) وُہوُ فرِیانَ وہ آگ جو انسان اور حیوان کے جسم میں ہے، (۳) اُرْوازِشْتَ وہ آگ جو درختوں میں پائی جاتی ہے، (۴) وازِشْتَ وہ آگ جو بادلوں میں ہے یعنی بجلی، (۵) سْپِنِشْتَ وہ آگ جو بہشت میں اہورا مزدا کے سامنے جلتی ہے، اس پانچویں قسم کی آگ یعنی آتشِ بہشت کا مظہر شاہانِ ایران کا شکوہ وجلال ہے جو ہمیشہ اُن کے گرد ایک ہالے کی شکل میں رہتا ہے اور جس کو اوستا میں خْوَرَنہ، پہلوی میں خْوَرّ اور فارسی میں فرّ کہتے ہیں[2]،

---

[1] ہرٹل (Hertel) نے ایک سلسلہ رسالوں کا موسوم بہ "سلسلۂ مآخذ وتحقیقات ہندی ایرانی" (بزبان جرمن) لکھا ہے جن میں (خصوصاً رسالہ نمبر ۶ میں جس کا نام "آریائی آتش پرستی" ہے) قدیم ہندیوں اور ایرانیوں کی آتش پرستی کو واضح کیا ہے، اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قدیم ایرانی زبانوں میں زرتشتیوں کی تمام مذہبی اصطلاحات حتیٰ کہ معمولی اخلاقی اصطلاحات کو بھی ابھی تک ٹھیک طور سے نہیں سمجھا گیا، درحقیقت وہ تمام اصطلاحات آگ کی پرستش کے ساتھ تعلّق رکھتی ہیں جو ان کے عقیدے میں ایک ایسا عنصر ہے جو عالم اکبر اور عالم اصغر کے تمام ذرّوں میں نافذ ہے، ہرٹل کے اس نظریے میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور ہے لیکن اوستا کی عبارتوں کی جو تاویلیں اس نے کی ہیں وہ ہمارے نزدیک یک طرفہ ہیں اور ان میں ذرا زیادہ جرأت سے کام لیا گیا ہے اگرچہ تَواڈیا نے پہلوی کتابوں میں سے دلائل پیدا کرکے ہرٹل کی تائید کی ہے ("مجموعۂ مطالعاتِ ہندی ایرانی" جو وِلہلم گائیگر کے اعزاز میں شائع کیا گیا، سلسلہ ۱۹۳۱ء، ص ۲۳۷ ببعد)؛ واقعہ یہ ہے کہ مذہبی خیالات کی ترقی کی ابتدا زرتشت سے پہلے ہوئی لیکن اُس کی رفارم سے اس ترقی میں تیز رفتاری پیدا ہوئی، پھر رفتہ رفتہ مغربی ایشیا میں غیر ایرانی عقاید کے اثر سے قدیم مذہبی اصطلاحات کے نئے نئے مفہوم پیدا ہوتے گئے،

[2] ڈارمستیٹر، ترجمہ زند اوستا ج ۱، ص ۱۵۱ ببعد، ہرٹل: "آریائی آتش پرستی" ص ۱۶،

آتشِ مجسّم کو جو اوستا میں آتر اور پہلوی میں آذر ہے بسا اوقات اہورامزدا کا بیٹا کہا گیا ہے، لیکن عیسائیوں نے بعض وقت زرتشتیوں کی مقدّس آگ کو اہورامزدا کی بیٹی کہا ہے چنانچہ عیسائی قسّیس مَشوُ نے جب ایک مرتبہ تلوّن مزاجی کی لہر میں ایک آتشکدے کی آگ کو بجھا دیا تو کہنے لگا کہ "نہ یہ آتشکدہ خانۂ خدا ہے اور نہ یہ آگ خدا کی بیٹی ہے بلکہ وہ ایک بدکردار لڑکی ہے . . . . [۱]" ہمارا خیال ہے کہ آگ کو اہورامزدا کی بیٹی سمجھنے کا عقیدہ ضمنی طور پر ارمنی زرتشتیوں میں پیدا ہوا اس لئے کہ آتش مجسّم کو ارمنی عقایدِ عامّہ میں مؤنّث تصوّر کیا گیا ہے[۲] اگاتھیاس نے اہل ایران کے نزدیک آگ کے مقدّس ہونے کا ذکر کیا ہے[۳]، ساسانی اوستا کے تلف شدہ حصّوں میں بہت سے مقامات ایسے تھے جن میں آتشِ مقدّس کا مذکور تھا اور اس کے احسانات اور انسان کے ذمّے اس کے حقوق و فرائض بیان کیے گئے تھے[۴]،

مسئلۂ آفرینش، علم کائنات اور مسائلِ معاد جن کے اہم ترین آثار قدیم پشتوں میں موجود ہیں ان کو رفتہ رفتہ ترقی دے کر ایک ایسا نظامِ عقاید تیار کیا گیا جو تمام کائنات کے آغاز و انجام پر حاوی تھا[۵]، اس کی رو سے کائنات کی عمر بارہ ہزار سال ہے، شروع کے تین ہزار سال کے عرصے میں عالمِ اہورامزدا (یعنی عالم نور) اور عالمِ اہرمن (یعنی عالمِ ظلمت) ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو امن و آرام سے

---

[۱] ہوفمن، ص ۳۵، [۲] ابیگیان: "ارمنی عقاید عامّہ" (بزبان جرمن)، لیپزگ، ۱۸۹۹ء ص ۶۷، [۳] ۲، ۲۵، [۴] مثلاً دیکھو دین کرد (۹، ص ۳۵ س ۱۱، ص ۵۷، س ۱۲-۱۵، ص ۵۸ س ۲۱، [۵] اس کے لئے اہم ترین مآخذِ اطلاعات یعنی بُندہشن، زادِ سپرم اور زندِ وہمن یشت (بہمن یشت) کا ترجمہ پروفیسر ویسٹ نے "سلسلۂ متونِ پہلوی" (جلد اول) میں کر دیا ہے، بُندہشن کے متعلق دیکھو اوپر، ص ۶۶، ح ۱، نیز کرسٹن سین کی کتاب "کیانیان" ص ۴۴ ببعد،

رہے ، یہ دونو عالم تین طرف سے نامتناہی ہیں لیکن چوتھی جانب پر دونو کی حدیں ملی ہوئی ہیں عالم نور اوپر ہے اور عالم ظلمت نیچے اور دونو کے درمیان ہوا ہے، اس تین ہزار سال کے عرصے میں اہورا مزدا کی مخلوقات امکانی حالت (مینوگیہا) میں رہی ، تب اہرمن نے نور کو دیکھ لیا اور اس کو نابود کرنے کے درپے ہوا ، اہورا مزدا نے جسے آیندہ کا سب حال معلوم تھا اہرمن کو نو ہزار برس کی جنگ کی دعوت دی ، اہرمن جس کو صرف ماضی کا علم تھا رضامند ہوگیا ، اس کے بعد اہورا مزدا نے پیشینگوئی کی کہ اس جنگ کا خاتمہ عالم ظلمت کی شکست پر ہوگا ، اس پر اہرمن خوف زدہ ہوکر دوبارہ ظلمت میں جا گرا اور تین ہزار سال تک وہاں بےحس و حرکت پڑا رہا ، اس اثنا میں اہورا مزدا نے مخلوقات کو پیدا کرنا شروع کردیا ، سب سے آخر میں اس نے گائے یعنی گاوِ اوّلین اور سب سے پہلا دیو ہیکل انسان بنایا جس کا نام گیومرد (اوستا = گیا مَرتَن بمعنی حیاتِ فانی) تھا جو نوع بشر کا ابتدائی نمونہ تھا ، تب اہرمن نے اہورا مزدا کی مخلوقات پر حملہ کردیا ، عناصر کو ناپاک کیا اور حشرات اور موذی قسم کے کیڑے مکوڑے پیدا کیے ، اہورا مزدا نے آسمان کے آگے ایک خندق کھودی لیکن اہرمن حملے پر حملہ کرتا رہا اور بالآخر اُس نے پہلے تو گائے کو اور پھر گیومرد کو مار ڈالا ، لیکن گیومرد کے تخم سے جو زمین میں پنہاں تھا چالیس برس بعد ایک درخت اُگا جس میں سے سب سے پہلا انسانی جوڑا (مَشیگ اور مَشیانگ) پیدا ہوا ، غرض اس طرح سے نور و ظلمت کی آمیزش (گُمیزِ شن) کا دور شروع ہوا ، خیر و شر کی اس جنگ میں انسان اپنے اچھے یا بُرے اعمال کے مطابق اہورا مزدا یا اہرمن کا مددگار ہے ، جو لوگ نیکی کے راستے پر

چلینگے وہ مرنے کے بعد چنوت پُل پر سے آسانی کے ساتھ گذر کر بہشت میں جا داخل ہونگے لیکن جب بدکار لوگ اُس پر سے گذرنے لگینگے تو وہ پُل تنگ ہو کر تلوار کی دھار کی مانند باریک ہو جائیگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ نیچے دوزخ میں جا گرینگے اور وہاں اپنے گناہوں کے مطابق عذاب سہینگے، جن لوگوں کی نیکیاں اور گناہ برابر ہیں وہ ہمیستگان[1] میں مقیم ہونگے جو ایک طرح کا "اعراف" ہے جہاں نہ جزا ہے نہ سزا، نوعِ بشر کی ابتدا کے تین ہزار سال بعد انسان کو سچّا مذہب سکھانے کے لئے زرتشت کی بعثت ہوئی، اُس وقت دُنیا کی عمر کے صرف تین ہزار سال باقی تھے، ہر ہزار سال کے بعد ایک نجات دہندہ (سوشیئنس) بطریقِ اعجاز زرتشت کے تخم سے (جو ایک جھیل میں پوشیدہ ہے) پیدا ہوتا ہے، جس وقت تیسرا اور آخری نجات دہندہ پیدا ہوگا جو افضل طور پر سوشیئنس کہلاتا ہے تو خیر و شر میں آخری اور فیصلہ کن جنگ شروع ہو جائیگی اور تمام اساطیری ہیرو اور دیو باہم لڑنے کے لئے دوبارہ زندہ ہو جائینگے، تمام مردے اُٹھائے جائینگے اور دُمدار ستارہ گوچہر زمین پر آ کر گریگا اور زمین کو اس شدت کی آگ لگیگی کہ تمام دھاتیں پگھل کر ایک آتشین سیلاب کی طرح روئے زمین پر پھیل جائینگی، تمام انسانوں کو جو زندہ ہونگے یا مُردوں سے زندہ کیے گئے ہوں گے اس سیلاب میں سے گذرنا پڑیگا جو نیکوں کے لئے گرم دودھ کی مانند (خوش آیند) ہوگا، اس امتحان کے بعد پاک و صاف ہو کر سب لوگ بہشت میں داخل ہونگے، خداؤں اور دیووں کی آخری جنگ کے بعد جس کا خاتمہ دیووں کی شکست اور تباہی پر ہوگا اہرمن ابدالآباد کے لئے تاریکی

---

[1] اس لفظ کے اشتقاق کے لئے دیکھو نیبرگ کا مضمون جو "مجموعۂ مطالعات مشرقی بہ اعزاز دستور جی صاحب کُرست جی ایرج جی پادری" میں شائع ہوا تھا (اکسفورڈ ۱۹۳۳ء)، ص ۲۴۶،

میں جا پڑیگا، زمین صاف اور ہموار ہو جائیگی اور دنیا اس طرح سے پاک ہونے کے بعد ہمیشہ کے لئے سکون و امن میں رہیگی، اس تجدیدِ دنیا کو فُرشَکَرْد (اوستا میں فرشوکَرَتی) کہا گیا ہے[1]،

موسیو نیبرگ نے ایک سلسلۂ مضامین میں جو انھوں نے مجلّۂ آسیائی[2] میں شائع کئے ہیں کمال ذہانت اور ژرف نگاہی کے ساتھ اُن پراگندہ اور اُلجھے ہوئے مطالب کو مرتب کیا ہے جو مسئلۂ آفرینشِ کائنات کے متعلق بُندَہشن کی ابتدائی فصلوں میں پائے جاتے ہیں[3]، منجملہ اور باتوں کے انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ "ایرانی" "بُندَہِشن"[4] کے پہلے باب میں ایک خاصی طویل عبارت جس میں زُروانی عقاید بیان ہوئے ہیں بعد میں اضافہ کی گئی ہے لیکن پھر کسی غیر زُروانی قلم نے اس میں کہیں کہیں اپنے عقیدے کے مطابق تصرفات کیے ہیں، یہ عبارت بقول نیبرگ اُس اصل نسخے میں موجود تھی جس سے ایرانی اور ہندوستانی بُندہِشن دونو مأخوذ ہیں اس لئے کہ اس کے آثار "ہندوستانی" "بُندہشن" میں اب تک موجود ہیں[5]،

---

[1] اس مذہبی اصطلاح کے معنی غالباً "تبدیل ہیئت" کے ہیں، (شیڈر: "نظام مذہب مانوی" ص ۱۴۱، [2] نیبرگ: "مجلّۂ آسیائی" (J. A.) سنہ ۱۹۳۱ء ص ۸۶ بعد وغیرہ)، (J. A.) مضمون نمبر ۱، رسالہ مذکور بابت سنہ ۱۹۲۹ء ص ۱۹۳ بعد، مضمون نمبر ۲ سنہ ۱۹۳۱ء ص ۱ بعد و ص ۱۹۳ بعد،

[3] سب سے پہلے مضمون میں مصنف نے بندہشن کی پہلی اور تیسری فصل کا ترجمہ دیا ہے اور تتمے کے طور پر کتاب مینوگِ خرَد کے بعض مقامات نقل کئے ہیں، اس کے بعد کسی سریانی کتاب کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے جو بظاہر ساسانی عہد کی تصنیف ہے، (مضمون نمبر ۲، ص ۸۵)، [4] "ایرانی" اور "ہندوستانی" بندہشن کے متعلق دیکھو اوپر ص ۶۶، ح ۱، [5] نیبرگ نے جو مقامات نقل کئے ہیں ان میں بعض جگہ میرے نزدیک مفہوم مختلف ہے لیکن ان جزئی اختلافات سے ان کے اہم مطالب میں چنداں خلل نہیں پڑتا،

زُروانی عقیدے کے متعلق ہم نے مجمل طور پر اس کتاب کی تمہید میں چند باتیں بیان کی ہیں[1]، اب ہم زیادہ تفصیل کے ساتھ اس پر بحث کرتے ہیں ،

اوستا کے باب گاتھا (یاسنا ، ۳۰ ، ۳) میں روحِ خیر اور روحِ شر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ "دو ابتدائی روحیں ہیں جن کا نام توأمان اعلیٰ ہے"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زرتشت نے ایک قدیم تر اصل کو جوان دونو روحوں کا باپ ہے تسلیم کیا ہے لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ اُس نے اس باپ کا کیا نام لیا ہے[2]، ارسطو کے ایک شاگرد یوڈیموس روڈیوس[3] کی ایک روایت کے مطابق[4] ہخامنشیوں کے زمانے میں اس خدائے اولین کی نوعیت کے بارے میں بہت اختلافات تھے اور علم نجوم اور الٰہیات میں اس کے متعلق بہت سے قیاسات اور مباحثات تھے، بعض اس کو "مکان" (تھواشَ بزبانِ اوستائی) سمجھتے تھے اور بعض اس کو "زمان" (زُرْوَن بزبانِ اوستائی و زُروان یا زَروان بزبانِ پہلوی) تصوّر کرتے تھے، بالآخر دوسرا عقیدہ غالب آیا اور اس زُروانی عقیدے کو متھرا پرستوں نے بھی اختیار کرلیا، کماژین[5] کے بادشاہ انٹیوکس اوّل[6] کے ایک کتبے میں (جس کا ذکر اوپر تمہید میں آچکا ہے[7] اور آگے چل کر بھی آئیگا) زُرْوَن اَکَرَنَ (زمانِ نامحدود) کو یونانی الفاظ "کرونوس اپیروس" میں ادا کیا گیا ہے، مانی پیغمبر نے جو شروع کے

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۳۶ ، نیز دیکھو بین وِنِسْت (Benveniste) : "مذہب ایرانی" (بزبان انگریزی)، باب چہارم ، مجلۂ آسیائی سنہ ۱۹۲۹ع، ص ۲۸۷ ببعد، نیز مضامین نیبرگ مذکورہ بالا ، وغیرہ ،

[2] نیبرگ کا خیال ہے (مضمون نمبر۲ ص ۱۱۳ ببعد) کہ باپ خود اہورا مزدا ہے ، اس صورت میں ظاہر ہے کہ پھر وہ روحِ خیر نہیں ہوسکتا (دیکھو اوپر، ص ۴۲)، [3] Eudemos Rhodios ، [4] دیکھو ڈماسیوس (Damascios)، طبع روئل (Ruelle) ج ۱ ، ص ۳۲۲ ، [5] Commagene

[6] Antiochus I. ، [7] ص ۳۷-۳۸

ساسانی بادشاہوں کے زمانے میں اپنے نئے مذہب کی دعوت دے رہا تھا اپنی تعلیم کو اُس زمانے کے زرتشتی عقاید کے ساتھ موافق بنانے کی خاطر خدائے برتر کو زُروان کے نام سے موسوم کیا،

اس بات کا ثبوت کہ ساسانیوں کی مزدائیت زُروان پرستی کی شکل میں مروّج تھی نہ صرف اشخاص کے ناموں کی کثیر تعداد سے ملتا ہے جو ساسانیوں کے زمانے میں لفظ زُروان کے ساتھ مرکّب پائے جاتے ہیں[1] بلکہ اُن بے شمار مقامات سے بھی جو یونانی، ارمنی اور سریانی مصنّفین کی کتابوں میں ملتے ہیں[2]، ان مصنّفین میں سب سے قدیم تھیوڈور آف موپسیوئسٹ[3] ہے جو تقریباً ۳۶۰ء - ۴۲۸ء میں گذرا ہے، تھیوڈور کی تصنیف تو ضائع ہو چکی ہے لیکن مؤرّخ فوٹیوس نے اس میں سے ایک مختصر سا اقتباس دیا ہے، وہ لکھتا ہے[4] کہ "اپنی کتاب کے جزو اوّل میں اس نے (یعنی تھیوڈور نے) ایرانیوں کے نفرت انگیز عقیدے کو بیان کیا ہے جو زردس (زرتشت) نے رائج کیا تھا، یہ عقیدہ زُروَرَم (زُروان) کے متعلق ہے جس کو اُس نے سارے جہان کا بادشاہ بتایا ہے اور جس کو وہ قضاو قدر بھی کہتا ہے، زرورم نے قربانی دی تاکہ اس کے بیٹا ہو، تب اُس کا بیٹا ہُرمزدس (اہورامزد) پیدا ہوا لیکن اس کے ساتھ اس کا دوسرا بیٹا شیطان بھی پیدا ہوا..."

آرمینیہ کے عیسائی مصنّف ازنیک[5] اور ایلیزے[6] (پانچویں صدی)،

---

[1] ویزنڈونک (Wesendonk) "تعلیم زرتشت کی نوعیت" (لیپزگ ۱۹۲۷ء)، ص ۱۹،

[2] کرسٹن سین: "ایران قدیم کی زرتشتیت پر تحقیقات" (فرانسیسی)، ص ۴۸ بعد،

[3] Theodore of Mopsueste [4] ص ۸۱، [5] Eznik.، طبع لانگلوا، ص ۳۷۵،

[6] Elisée طبع ایضاً ص ۱۹۰، مہر نرسی کے فرمان کی تنقید جو ایلیزے نے کی ہے اس کے متعلق دیکھو

آگے باب ششم،

بطریق مارا تھا[1] (چھٹی صدی)، سریانی مصنفین آذر ہرمزد اور اناہیذ جنھوں نے ایک بڑے زرتشتی موبد کے مقابلے پر (پانچویں صدی میں یا اس کے کچھ بعد) تحریری مباحثے لکھے ہیں[2]، سریانی مصنف تھیوڈور بار کونائی[3] (آٹھویں یا نویں صدی) اور وہ گمنام سریانی مصنف جس کی کتاب کا اقتباس موسیو نیبرگ نے مع ترجمہ شائع کیا ہے[4] ان سب نے مسئلۂ آفرینش کائنات کا قصہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدائے اصلی یعنی زروان ہزار سال تک قربانیاں دیتا رہا تا کہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہو جس کا نام وہ اہورمزد رکھے لیکن ہزار سال کے بعد اس کے دل میں شک پیدا ہونا شروع ہوا کہ اس کی قربانیاں کارگر نہیں ہوئیں، تب اس کے . . . . دو بیٹے موجود ہو گئے ایک اہورمزد جو اس کی قربانیوں کا نتیجہ تھا اور دوسرا اہرمن جو اس کے شک کا نتیجہ تھا، زروان نے وعدہ کیا کہ میں دنیا کی بادشاہی اس کو دونگا جو پہلے میرے سامنے آئیگا، تب اہرمن . . . . اس کے سامنے آگیا، زروان نے پوچھا تو کون ہے؟ اہرمن نے جواب دیا میں تیرا بیٹا ہوں، زروان نے کہا میرا بیٹا تو معطر اور نورانی ہونا چاہیئے اور تو متعفن اور ظلمانی ہے، تب اہورمزد معطر اور نورانی جسم کے ساتھ پیدا ہوا، زروان نے اُسے بطور اپنے فرزند کے شناخت کیا اور اس سے کہا کہ اب تک تو میں تیرے لئے قربانیاں دیتا رہا اب آیندہ چاہیئے کہ تو میرے لئے قربانیاں دے، اہرمن نے باپ کو اس کا وعدہ یاد دلایا کہ تو نے کہا تھا کہ جو پہلے میرے سامنے آئیگا اس کو بادشاہ بناؤنگا،

---

[1] طبع سخاو، ص ۲۶۵، [2] نولڈکہ: "ایرانی مذہب کے ساتھ سریانی مناظرہ" ص ۳۴ ببعد،
[3] پوئیوں (Pognon): "پیالہ ہائے خوابر کے ماندانی کتبے" ص ۱۰۵ ببعد (بزبان فرانسیسی)، بین ونست: "رسالۂ مشرقی دنیا" (Monde Orientale) سنہ ۱۹۳۲ء ص ۱۷۰ ببعد، [4] مضمون نمبر ا ص ۲۳۸ ببعد،

زروان نے کہا کہ میں نو ہزار سال کی بادشاہی تجھے دیتا ہوں[1] لیکن اس مدت کے گذرنے کے بعد اہورمزدا اکیلا سلطنت کریگا ،

کائنات کی مدتِ عمر کے بارے میں ہمارے مآخذ میں اختلافات ہیں، کہیں وہ نو ہزار سال اور کہیں بارہ ہزار سال بتلائی گئی ہے ، بین ونِشت کا خیال ہے[2] کہ نو ہزار سال زُرْوانی عقیدے کے مطابق ہے اور بارہ ہزار سال غیر زُرْوانی مزدائیوں کا عقیدہ ہے ، برخلاف اس کے نیبرگ کی رائے ہے[3] کہ کائنات کی مدتِ عمر زُرْوانی عقیدے کے مطابق بارہ ہزار سال ہے اور غیر زُرْوانی مزدائیوں کے نزدیک نو ہزار سال ہے اگرچہ کتاب بُندہِشْن کے غیر زُرْوانی اجزا میں بھی بارہ ہزار سال کی تصریح موجود ہے ، میری اپنی رائے یہ ہے کہ مدت کا یہ اختلاف زُرْوانی یا غیر زروانی عقیدے کا اختلاف نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ زروانیوں نے بھی اور غیر زروانیوں نے بھی وہ تین ہزار سال کی مدت جس میں کائنات جنینی حالت میں تھی کبھی شمار کی ہے اور کبھی نہیں کی ، تمام روایات میں خواہ زُروانی ہوں یا غیر زروانی مدتِ جنگ کو نو ہزار سال بتلایا گیا ہے ، لیکن اگر (جیسا کہ ازنیک اور ایلیزے لکھ رہے ہیں) اہرمن اور اہورمزد کی پیدائش سے پہلے زروان ہزار سال تک قربانیاں دیتا رہا تو پھر یہ ظاہر ہے کہ زروانی عقیدے کے مطابق نو ہزار سال کی مدت سے پہلے ایک ہزار سال کا عرصہ کائنات کی عمر میں اور زیادہ تھا ،

---

[1] نیبرگ کی تعبیر کے مطابق اس مدت میں اہورمزد مسلسل اس پر فائق اور بالادست رہا (مضمون نمبر۲ ص ۷۳) ، [2] "ایرانی مذہب از روئے کتب یونانی" (بزبان انگریزی)، باب چہارم ،
[3] مضمون نمبر۲ ص ۲۳۴ بعد ،

اس سے معلوم ہوا کہ کائنات کا وہ تصوّر جو زُروانیوں کا تھا عہد ساسانی کی زرتشتیت پر غالب تھا چنانچہ عیسائی مصنّفین نے آفرینشِ کائنات کا جو قصہ اوپر بیان کیا ہے اس میں ہم وہ تصوّر ایک عامیانہ اور نامہذب شکل میں پاتے ہیں، زُروانیوں کے علم دینیات کے متعلق اطّلاعات حاصل کرنے کے لیے پہلوی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے جیسا کہ نیبرگ نے کیا ہے خصوصاً کتاب بُندہِشن جس کے "ایرانی" نسخے میں زُروانی عبارات محفوظ ہیں، اس کے علاوہ کتاب مینوگِ خرد ہے جو زُروانی تصنیف ہے لیکن اس میں علم کائنات کے مسائل کو صرف کہیں کہیں چھوا گیا ہے[۱]، کائنات (جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا شروع میں جنینی یا امکانی حالت (مینوگیھا) میں تھی، اس مدت میں صرف زُروان (جس کو زمان اور قضا و قدر بھی کہا گیا ہے) ایک مؤثر ہستی رکھتا تھا، بقول شہرستانی[۲] زروانیوں کا یہ دعوےٰ تھا کہ نورِ ازلی نے متعدد اشخاص پیدا کیے جو سب کے سب نور ہی سے پیدا کیے گئے تھے اور روحانی طینت رکھتے تھے، ان میں سب سے بزرگ زُروان تھا، شہرستانی کے اس غیر واضح بیان کا مقابلہ ایک اور اطّلاع کے ساتھ کیا جا سکتا ہے جو ہم کو بعض سریانی مصنّفین مثلاً تھیوڈور بارکونائی، آذرہرمزد اور اُس گمنام مصنّف کے ہاں جس کا اوپر ذکر ہوا ملتی ہے[۳]، وہ یہ کہ پیروانِ زرتشت

---

[۱] آفرینشِ کائنات کا زروانی عقیدہ ایک اور پہلوی کتاب میں بیان کیا گیا تھا جو اب موجود نہیں ہے لیکن اس کا فارسی ترجمہ موسوم بہ "علمائے اسلام" موجود ہے جس کو موسیو بلوشے نے سلسلۂ "کتب تبصرۂ تاریخ مذاہب" (R H R) میں شائع کیا ہے، (دیکھو اڈیشن مذکور کا صفحہ ۴۰، نیز ویسٹ کا مضمون گرونڈرس Grundriss میں ج ۲، ص ۱۲۳)، مقابلہ کرو بارتھولمی: "فہرست مخطوطات زند" ص ۱۵۲ بعد، [۲] طبع لنڈن ص ۱۸۳،

[۳] پونیوں، کتاب مذکور، ص ۱۶۲، نولڈکہ: "سریانی مناظرہ" ص ۳۵ - ۳۶، نیبرگ مضمون نمبر ا ص ۲۴۰ - ۲۴۱،

عناصر اربعہ کی طرح اصول اربعہ یعنی اشوکار، فرشوکار، زروکار اور زُروان کو مانتے تھے[1] جن میں سے آخری (زروان) اہورمزد (اور اہرمن) کا باپ تھا، بقول مصنّفِ گمنام اہورمزد کا باپ فرشوکار تھا، نیبرگ نے شیڈر کی قیمتی تحقیقات[2] پر تکیہ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ زروان کو خدائے چہار صورت تصوّر کیا گیا ہے یعنی اس طرح کہ تین تین ناموں کے کئی سلسلے بنائے گئے ہیں ہر ایک سلسلے میں "زروان بلحاظ اپنے افعال وصفات کے تین مظہروں میں تصوّر کیا گیا ہے اور چوتھی خود اس کی ذات شامل ہو کر ایک چوکڑی بن جاتی ہے"[3] ان چوکڑیوں میں زروان کو کبھی متعلق بہ فلک اور کبھی خدائے قضا و قدر تصوّر کیا جاتا ہے اور بعض روایات میں یہ دو نقطۂ نظر ملا دیے گئے ہیں، بقول نیبرگ ان چوکڑیوں کے علاوہ ایک وہ ہے جس کو سریانی مصنّفین نے بیان کیا ہے اور جس کو نیبرگ نے "اربعۂ زروانی ارضی" کے نام سے موسوم کیا ہے، بالفاظ دیگر وہ اربعۂ منازلِ حیات ہے: اشوکار (بجائے ارشوکار) بمعنی "بخشندۂ رجولیت و توانائی"۔ فرشوکار بمعنی "درخشاں کنندہ" اور زروکار بمعنی "بخشندۂ پیری"۔ مطلب ان تین مظاہر سے یہ ہے کہ زروان کی ذات منازل حیات کی تین حالتوں کی جامع ہے یعنی جوانی، ادھیڑپن اور بڑھاپا[4]،

ایک اور نقطۂ نظر ہے جس میں زروان دو صورتوں میں جلوہ گر ہوتا ہے، ایک تو وہ زروان اکنارگ (زمانِ ابدی و نامحدود) ہے اور دوسرے وہ

---

[1] تھیوڈور بارکونائی (نیبرگ، مضمون نمبر ۲، ص ۸۵)، [2] "نظام ہائے مذہب مانوی کی ابتداء..." (بزبان جرمن) ص ۱۳۵ ببعد، [3] مضمون نمبر ۲ ص ۱۰۸، [4] نیبرگ، مضمون نمبر ۲ ص ۸۶ ببعد و ۱۰۷ ببعد، بین ونیشت و رنو (Renou) "ورترا و ورترغنا" (پیرس سنہ ۱۹۳۴ء) ص ۶۴ ببعد، رسالہ "مشرقی دنیا" (فرانسیسی) سنہ ۱۹۳۲ء ص ۱۷۶،

زُرْوان دیرَنگ خُوَذای (زمانِ طویل التسلّط) ہے یعنی وہ کائنات کی بارہ ہزار سال کی مدّتِ عمر کا حاکم ہے[1]۔

قدیم عامیانہ اساطیر میں زروان کو نر و مادہ کا مرکّب تصوّر کیا گیا ہے لیکن زمانۂ متأخّر کی ایک روایت کی رو سے اس کی بیوی ہے جس کا نام خُوَشیزَگ ہے جس کو نیبرگ نے بجا طور سے لفظ "خوش" کی تصغیر بتلایا ہے جس کے معنے "عمدہ" یا "خوبصورت" کے ہیں[2]۔ زروان کے .... توأم بیٹے اہرمن اور اہورمزد یعنی رُوحِ خیر و رُوحِ شر یا نور و ظلمت پیدا ہوئے لیکن اہرمن چونکہ پہلے پیدا ہوا لہذا وہ شروع ہی سے دنیا کی سلطنت کا مالک بن گیا اور اہورمزد مجبور ہوا کہ سلطنت کو حاصل کرنے کے لئے اس کے ساتھ جنگ کرے[3]۔ روحِ شر کے تقدّم اور اوّلیّت کا یہ عقیدہ قنوطیّت پر مبنی ہے اور اس لحاظ سے وہ عرفانیوں کے عقیدے سے مشابہ ہے[4] اور زرتشتیت کی اصولی نوعیّت کے بالکل خلاف ہے جو ہم کو گاتھاؤں میں نظر آتی ہے، لیکن مختلف مذہبی جماعتوں کے خیالات و عقاید میں جو تباین ہے اس کو مٹانے کی کوشش مختلف طریقوں سے کی گئی ہے، کبھی یہ کہا گیا ہے کہ اہرمن اپنے تسلّط کے زمانے میں اہورمزد

---

[1] نیبرگ، مضمون نمبر۲، ص ۱۱۰، [2] سُغدی زبان میں کسی مانوی کتاب کا ایک جزء موجود ہے (میولر Müller: "مخطوطات مانوی" حصہ دوم ص ۱۰۱ و ۱۰۲) جس میں "زندوں کی ماں" یعنی بادشاہِ نور (زُرْوان) کی بیوی اور انسانِ اوّلین (اہورامزد) کی ماں کا نام "رام راتنخ" لکھا ہے جس کے معنی بخشندۂ مسرّت" کے ہیں' (بین ونیشت: "رسالۂ مشرقی دُنیا" سنہ ۱۹۳۲ء ص ۱۸۳)

[3] جنگ برادرانِ توأم (نیبرگ، مضمون نمبر۲، ص ۱۱۱ ببعد)، نیز مقابلہ کرو کرسٹن سین کا مضمون بزبانِ ڈنمارکی جو اس نے تین بھائیوں اور دو بھائیوں کے افسانوں پر لکھا ہے جو قبائل و اقوام کی ابتدا کے متعلق ہیں، [4] نیبرگ، مضمون نمبر۲، ص ۷۹ ببعد،

کا ماتحت اور تابع تھا[1] اور کبھی اہرمن کی سلطنت کو زمانۂ جنگ کے ابتدائی تین ہزار سال پر محدود کیا گیا ہے ، زروانیوں کے عام اعتقاد کی رو سے اہرمن تین ہزار سال تک حکمران رہا پھر تین ہزار سال تک اہرمن اور اہورمزد کی کی طاقت برابر رہی لیکن آخری تین ہزار سال میں اہورمزد اہرمن پر غالب رہا، یہ آخری تین ہزار سال کا عرصہ زرتشت کے ظہور سے شروع ہوتا ہے اور اُس آخری اور فیصلہ کن جنگ پر ختم ہوگا جس میں اہرمن شکست کھا کر ہمیشہ کے لئے مغلوب ہو جائیگا اور کائنات کی "تبدیل ہیئت" شروع ہوگی، اس اہم مسئلے پر غیر زروانی مزدائیوں کی رائے کتاب بُندہشن کے پہلے باب میں بیان کی گئی ہے اور وہ بہ عبارت ذیل ہے[2] :-

"اہورمزد کو اپنے علم ازلی کی بدولت معلوم تھا کہ نو ہزار سال میں سے تین ہزار سال وہ بغیر کسی حریف و مدعی کے سلطنت کریگا، پھر تین ہزار سال کی مدت میں جو کہ آمیزش کا دور ہوگا اہورمزد اور اہرمن ساتھ ساتھ حکومت کرینگے لیکن جنگِ اخیر میں وہ روحِ شر کو مغلوب کر لیگا[3]۔"

---

[1] با این ہمہ اس مسئلہ پر مؤرخ ازنیک کے متن کی جو تاویل نیبرگ نے کی ہے وہ میرے نزدیک قائل کن نہیں ہے ،

[2] نیبرگ مضمون نمبر۱ ، ص ۲۱۰ ، مضمون نمبر۲ ، ص ۲۳۲ ، [3] اس مسئلہ پر اکثر بحث کی گئی ہے کہ ایرانیوں کے مذہب کے متعلق قدیم مؤرخوں نے جو کچھ لکھا ہے (مثلاً تھیوپومپ کا بیان جو پلوٹارک کے ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے) آیا وہ مزدائیت کے متعلق ہے یا زروانیت کے متعلق (دیکھو بین ونشت : "مذہب ایرانیان" ۶۹ بعد ، و مجلۂ آسیائی سنہ ۱۹۲۹ء ص ۲۸۷ بعد و نیبرگ مضمون نمبر۲ ص ۲۲۳ بعد) ، میری رائے میں مزدائیت اور زروانیت دو الگ الگ مذہب نہیں ہیں ، زروانیت آفرینش کائنات کے متعلق محض ایک خاص مسلک کا نام ہے جس میں کسی حد تک مسائل حیات کے متعلق اعتقادات شامل ہیں ، یہ مسلک ممکن ہے کہ مزدائیت بلکہ مذہب مہرپرستی (متھرائیت) اور مانویت وغیرہ میں بھی موجود ہو ، چنانچہ سابق میں ایک زروانی مزدائیت اور ایک غیر زروانی مزدائیت کا وجود تھا (دیکھو میرا مضمون رسالہ "مشرقی دنیا" میں بابت سنہ ۱۹۳۱ء ص ۳۲ بعد ، نیز بین ونشت کی رائے اس مسئلے پر "مشرقی دنیا" سنہ ۱۹۳۲ء ، ص ۲۰۶ بعد) ،

ہم اوپر اس بات کو دیکھ چکے ہیں کہ ہخامنشیوں کے زمانے سے کائنات کے مبدأ اصلی کے بارے میں دو مختلف رائیں تھیں، بعض کے نزدیک وہ زمان (زروان) تھا اور بعض کے نزدیک مکان (ثھُواشَ)، موسیو نیبرگ نے قوی دلائل کے ساتھ اس نظریے کو ثابت کیا ہے کہ ثھُواشَ، وَیُو (بمعنی ہوا یا فضا) کا مترادف ہے جو پہلوی میں وای ہے، نیز یہ کہ اوستا میں مذہب "وای پرستی" کے بعض آثار (جو زروانیت کا مدِّمقابل تھا) اب تک موجود ہیں[1]،

زروانی مذہب سلطنتِ ساسانی کے خاتمے کے بعد متروک ہوگیا، اس کی وجوہات ہم آگے چل کر بیان کرینگے[2]، اور اگرچہ عہدِ ساسانی کے بعد کے مصنفوں نے اپنی پہلوی کتابوں میں مذہبی روایات کو معیّن کرنے میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ زروانی عقاید کو بالکل حذف کردیں تاہم اُن کے کافی آثار باقی رہ گئے ہیں،

تھیوڈور بارکونائی، اہورامزد اور اہرمن کی پیدائش کا زروانی افسانہ بیان کرنے اور اُس اچھی اور بری مخلوقات کا ذکر کرنے کے بعد جو ان دونوں نے علی الترتیب پیدا کی لکھتا ہے[3] کہ "جب اہورمزد نے نیک لوگوں کو عورتیں بخشیں تو وہ بھاگ کر شیطان (اہرمن) کے پاس چلی گئیں، جب اہورمزد نے نیکوں کو امن اور سعادتمندی عطا کی تو شیطان نے بھی عورتوں کو سعادتمند بنایا اور اُنھیں اجازت دی کہ جو وہ چاہیں اس سے طلب کریں، اہورمزد کو اندیشہ ہُوا کہ کہیں وہ نیکوں

---

[1] نیبرگ، مضمون نمبر ۲ ص ۱۰۳-۱۰۴، وای دیوتا کے متعلق زرتشتی افسانے کے لئے دیکھو کرسٹن سین: "کیانیان" ص ۹۱-۹۲، [2] باب ہشتم کے آخر میں،

[3] پونیوں: "کتبہ ہائے ماندائی.." ص ۱۶۳،

کے ساتھ رفاقت طلب نہ کر بیٹھیں جس سے ان پر (نیکوں پر) عذاب نازل ہو، تب اس نے ایک تدبیر سوچی اور ایک خدا نرسائی نام پیدا کیا جو پانچسو سالہ جوان تھا[1] اور اس کو ۔ ۔ ۔ ۔ شیطان کے پیچھے لگا دیا تاکہ عورتیں ۔ ۔ ۔ ۔ اُس سے شیطان سے طلب کریں، عورتوں نے شیطان کی طرف ہاتھ اُٹھائے اور اس سے کہنے لگیں: "اے شیطان، اے ہمارے باپ! نرسائی خدا ہم کو عطا کر دے[2]"

اس افسانے میں فطرتِ نسوانی کا جو تصوّر ہے وہ مذہب زرتشت میں ہمارے لئے تعجّب کا باعث ہے لیکن نیبرگ نے نہایت باریک بینی کے ساتھ یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ اُسی میلانِ قنوطیّت کا نتیجہ ہے جو زروانی عقاید کی خصوصیّت ہے[3]

اس کے بعد تھیوڈور بعض اور ایرانی افسانوں کی طرف اشارے کرتا ہے لیکن ایسے الفاظ میں جو نہایت مبہم ہیں، مثلاً: زمین ایک نوجوان دوشیزہ تھی جو پرسیگ کے ساتھ منسوب تھی، آگ ذی عقل تھی اور گون رپ (جنگلوں کی رطوبت) کے ساتھ مصاحبت رکھتی تھی، پرسیگ کبھی فاختہ کبھی چیونٹی اور کبھی بڈھے کتے کی شکل میں جلوہ گر ہوتا تھا، کُوم کبھی مچھلی اور کبھی مرغا ہوتا تھا اور پرسیگ کا خیر مقدم کیا کرتا تھا، کیکوُاوُزُ ایک پہاڑی مینڈھا تھا جو اپنے سینگوں سے

---

[1] یہ نیر یوسنگ کا ذکر ہو رہا ہے، اوستائی زبان میں وہ نائریوسنہا ہے اور وہ خداؤں کا قاصد ہے "جو دنیا کو ترقی کے راستے پر چلاتا ہے"۔ وہ ایک مقبول عام دیوتا ہے جس کا ذکر پہلوی کتابوں میں اکثر آتا ہے، دیکھو کرسٹن سین: کیانیان ص ۵۸، ۹۸، ۱۰۲، کیوموں (Cumont): "مانویت پر تحقیقات" ص ۶۱ ببعد، [2] یہی مضمون آفرینشِ کائنات کے مانوی عقیدے میں بھی ملتا ہے، دیکھو باب چہارم،

[3] سطور مندرجہ بالا کے لکھ چکنے کے بعد مجھے موسیو بین ونیشت کے مضمون کا علم ہوا جس کا حوالہ کئی جگہ دیا گیا ہے، اس کا عنوان "دین زرتشت کے متعلق تھیوڈور بارکونائی کی شہادت" ہے (رسالہ "مشرقی دنیا" سنہ ۱۹۳۲ء)، اس مضمون میں عورت کی شیطانی فطرت کے متعلق زروانی عقاید پر بہت تعمق کے ساتھ بحث کی گئی ہے (ص ۱۸۵ ببعد)،

آسمان کو مارتا تھا، زمین اور گوگی نے آسمان کو نگل جانے کی دھمکی دی[1]، وغیرہ،

سریانی زبان میں کتب وقائع شہدائے ایران کے سلسلے میں ایک کتاب تاریخ ساہبا ہے[2] جس میں ایک موبد اپنے خداؤں کا شمار کرتے ہوئے کہتا ہے "ہمارے خدا زیوس، کرونوس، اپولو، بیدوخ اور دوسرے خدا"۔ ملاحظہ ہو کہ یہ زروانی خداؤں کی ایک اور چوکڑی ہے، زیوس، کرونوس اور اپولو علی الترتیب اہورمزد، زروان اور متھرا ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ بیدوخ کونسا خدا ہے جس کا سریانی مصنف نے ذکر کیا ہے؟ ظاہراً اس نام کی پہلوی شکل بیدُخت ہے جس کے معنی "خدا کی (یا خداؤں کی) بیٹی" کے ہیں (بگ = بگ بمعنی خدا در فارسیِ قدیم)، وقائع شہداء میں دوسری جگہ اس دیوی کا ایک سریانی نام دیا ہے جس کے معنی "ملکۂ آسمان" کے ہوتے ہیں[3]، نمرود داغ میں کماژین کے بادشاہ انٹیوکس اوّل[4] (۶۹ سنہ - ۳۴ سنہ ق۔م) کے کتبے میں (جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) چار خداؤں کا ذکر ہے (۱) زیوس اہورمزد (۲) اپولو متھرا ہیلیوس ہرمیس (۳) وَرَثْرَغنا ہرکلیس ایریس (۴) "میرا نہایت زرخیز ملک کماژین"۔

---

[1] بین ونِشت نے مذکورہ بالا مضمون میں (رسالہ مشرقی دنیا ۱۹۳۲ء ص ۱۹۲ بعد) ان مبہم عبارات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے، یہ باتیں جو تھیوڈور نے لکھی ہیں غالباً چہرداز نسک سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ اُن داستانوں اور افسانوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو اساطیری تاریخ کے ایرانی مآخذ میں موجود ہیں، پرسیگ "فراسیاگ" ہے جو اوستائی زبان میں فرنگ رَسْیَن اور فردوسی کے ہاں افراسیاب ہے، اکوم سے مراد ہاؤما دیوتا ہے جو پہلوی اور فارسی میں ہوم ہے، کیکواُوُز کیکاؤس ہے، اگون رپ "گرشاسپ" کی بگڑی ہوئی شکل ہے (جو اوستا میں گرساشپ ہے)، گوگی کے متعلق بین ونِشت کا خیال ہے کہ وہ ایک دیو ہے جو مانوی مذہب میں کُونی (اوستا: کوندی) کے نام سے معروف ہے، مزید تفصیل کے لئے مؤلف مذکور کے مضمون کی طرف رجوع کرنا چاہئے جس نے واقعی اس معمّے کا حل دریافت کر لیا ہے، [2] ہوفمن، ص ۷۲، [3] ہوفمن ص ۱۳۰، [4] Antiochus I.

شیڈر نے یہ ثابت کیا ہے[1] کہ یہ خدایانِ چہارگانہ زروان کے قائم مقام ہیں جس کا نام اسی کتبے میں بزبان یونانی کرونوس اپیروس (زمانِ نامحدود) لکھا ہے، خداؤں کی یہ چوکڑی زروانیانِ ایران کی اُس چوکڑی کا جواب ہے جس کا چوتھا خدا "مزدائیت مجسّم" (دین مزدایَسْن) ہے، اگر اس چوکڑی کا موازنہ ہم اُس چوکڑی کے ساتھ کریں جو تاریخ سابہا میں مذکور ہے اور یہ فرض کریں کہ زروان وَرِزْغنا کا قائم مقام ہے تو پھر "خدا کی بیٹی" بیُدخت "دینِ مزدایَسْن" قرار پائیگی،

وقائع شہدائے ایران میں ایک اور دیوی ننا یا ننائی کا ذکر ہے جو غیر ایرانی الاصل ہے اور جس کو بظاہر اناہتا سمجھا گیا ہے[2]، اس کی تصویر ہندو ساکائی (انڈوسکیتھین) سکّوں پر بھی پائی جاتی ہے[3]، وقائع شہدا میں ایک مقام اور ہے[4] جس میں یہ لکھا ہے کہ شاپور دوم نے اپنے سپہ سالار مُعاین کو جس کے متعلق اس کو عیسائی ہونے کا بجا شبہ تھا یہ حکم دیا کہ وہ سورج، چاند، آگ اور خدائے بزرگ زیئوس (اہورمزد) اور روئے زمین کی دیوی ننائی اور خدایانِ مقتدر بیل اور نبھو کی پرستش کرے، اس عبارت کو پڑھ کر طبعاً ایک شخص یہ خیال کرنے پر مائل ہوتا ہے کہ بیل اور نبھو کا نام لیتے ہیں (جو اہلِ بابل کے دو مشہور دیوتا ہیں) مصنّف سے غلطی ہوئی ہے لیکن ہم یہاں یہ جتا دینا چاہتے ہیں کہ مؤرّخ تھیوفی لیکٹس نے متھرا اور بیل دونوں کو اہلِ ایران کے دیوتا لکھا

---

[1] "ابتدا لئے نظامہائے مذہب مانوی ...." (جرمن) ص ۱۳۸ ببعد، مقابلہ کرو نیبرگ مضمون نمبر۲، ص ۴۹ و ۱۲۶، [2] ہوفمن ص ۴۹، نیز ص ۱۳۰ ببعد، ویزنڈونک (Wesendonk) "ایرانیوں کا تصوّرِ کائنات" (بزبان جرمن)، ۱۹۳۳ء، ص ۱۴۵ - ۱۴۶ و ح ۱۰، ۷،

[3] دیکھو اوپر ص ۳۲، [4] ہوفمن ص ۲۹،

ہے[1]، اسی سلسلے میں ہم کو ایک آرامی کتبے کا ذکر بھی کرنا چاہیئے جو مقام عربسون (ولایت کاپاڈوکیہ)[2] میں پایا گیا ہے اور غالباً دوسری صدی قبل مسیح کا ہے، موسیو شیڈر نے انٹیوکس اوّل (شاہ کماژین) کے کتبے کے سلسلے میں اس کتبے کی طرف بھی توجہ دلائی ہے[3] اور کہا ہے کہ یہ کتبہ حقیقت میں ایرانی مذہب کے کاپاڈوکیہ میں وارد ہونے کا اعلان ہے جس کو اس پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ مقامی خدا بیل نے دین مزدائیشن سے (جس کو عورت تصوّر کیا گیا ہے) شادی کر لی، ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ مختلف آرامی مذاہب کا اثر زروانی زرتشتیت پر کہاں تک ہؤا لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ اُن پارسی علمائے مذہب کو جو عہد ساسانی کے بعد ہوئے ہیں نہ بیدخت کا اور نہ دوسرے معبودوں یعنی ننائی، بیل اور نبھو کا علم تھا،

مذہب ساسانی پر اس مختصر بحث کو ختم کرنے سے پہلے ہم موسیو نیبرگ کے ایک نہایت اہم اور دانشمندانہ مشاہدے کو بیان کرتے ہیں[4]، زرتشتی مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک دن کسی نہ کسی معبود کے نام پر ہے، ان تیس دنوں کے نام کتاب بُندہشن کے باب اوّل کے آخر میں دیے ہیں لیکن باب سوم میں ایک قاعدہ بیان کیا گیا ہے جس کے مطابق ان تیس دنوں کو چار حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے، وہ تقسیم حسب ذیل ہے :-

---

[1] ج ۸ ص ۱۶،   [2] ایشیائے کوچک میں (مترجم)

[3] کتاب مذکور ص ۱۳۷ مقابلہ کرو نیبرگ مضمون ۲، ص ۴۹،

[4] مضمون نمبر ۲، ص ۱۲۸ بعد،

۱-اہورمزد	۲- آذر	۳- مہر	۴- دین
وہمن	آبان	سُروش	اَرْد
اُرْدْوَہِشْت	خُوَرْ	رَشْن	اَشْتاد
شہریور	ماہ	فَرْوَرْدین	اَسْمان
سپندارمذ	تیر	وَرْہران	زام داذ
خُوَرْداذ	گوش	رام	مہرسپند
امُرْداذ	دَذْو	واذ	اَنْگران
دَذْو		دَذْو	

دَذْو جو پہلی، دوسری اور تیسری فہرست کا آخری نام ہے وہ "خالق" ہے (دَذْوَہ بزبان اوستائی)، پہلی فہرست میں اہورمزد اور چھ اَمْہرسپند (امیشہ سِپَنْت)[۱] ہیں، اہورمزد کو شروع اور آخر میں (بہ شکل دَذْو) رکھا گیا ہے، موسیونیبرگ لکھتے ہیں[۲] کہ "ہمارا یہ خیال کرنا بجا ہوگا کہ باقی تین فہرستیں بھی پہلی کے اصول پر بنائی گئی ہیں کہ شروع میں خدائے خلّاق کا نام ہے اور بعد میں اس کے قوائے خلّاقہ کی فہرست ہے اور آخر میں دَذْو کا نام ہے جو ان تمام اسماء و صفات کا خلاصہ ہے۔ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ دوسری فہرست میں دذْو آذر کی فعّالیّت کا خلاصہ ہے اور اسی طرح تیسری فہرست میں وہ مہر کی فعّالیّت کا خلاصہ ہے، علیٰ ہذا القیاس چوتھی فہرست دین کی قوّت خلّاقی کی تفسیر ہے صرف فرق یہ ہے کہ اس فہرست کے آخر میں بطور خلاصہ دَذْو کا نام نہیں لکھا جس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ یہ فہرست اَنْگران کے نام

[۱] وُہومنا، اشاوہِشْت، کھشترَوَیْریا، سِپَنْت آرمَیتی، ہوروتات، اَمرتات، دیکھو اوپر ص ۳۲-۳۳
[۲] مضمون نمبر ۲ ص ۱۲۹ — ۱۳۰

پر منتہی ہوتی ہے جو انوارِ نامحدود ہیں کہ خلق نہیں کیے گئے"۔ لہذا موسیو نیبرگ کی رائے میں اہورمزد اور تین دَذْو سے مراد اہورمزد، آذر (آگ)، مہر (متھرا) اور دین (دین مَزْدَیَسْن) ہے،۔" لیکن یہ بیحد قرین قیاس ہے کہ یہاں غیر زروانی مزدائیوں نے زَرْوَنْ اَکَرَنْ کی بجائے اَنگران کو بطور بدل رکھ دیا ہو، پس زرتشتی ہیئۃ مظاہرِ الوہیت کو پیش کرتا ہے جو چار خداؤں (اہورمزد، آذر، مہر، دین) اور ان کے قوائے خلاقہ پر مشتمل ہیں[1]" آگے چل کر موسیو نیبرگ اپنی بحث کو ختم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یہ فہرست بالکل اس فہرست کے مماثل ہے جو انٹیوکس کے کتبے میں ہے جس میں (جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں) چار نام ہیں یعنی (۱) اہورمزد (۲) مہر، (۳) وَرَثْرَغْن، (۴) ایک معبود جس کو ہم نے دین مزدیسن قرار دیا ہے، ان دو فہرستوں میں صرف ایک نام کا فرق ہے اور وہ وَرَثْرَغْن ہے جس کی بجائے تقویم میں آذر کا نام ہے، لیکن یہ فرق صرف ظاہری ہے اور حقیقت میں یہ دونو نام ایک ہی ہیں، وَرَثْرَغْن کو آگ کے ساتھ خاص نسبت ہے"۔ موسیو نیبرگ نے جو دلائل دیے ہیں ان پر ایک دلیل کا اور اضافہ کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ آتشکدوں کی آگ کو آتشِ ورثرغن (یا بشکلِ پہلویِ متأخر آتشِ وہرام) کہتے تھے[2]، موسیو نیبرگ نے تقویم زرتشتی سے جو نتائج نکالے ہیں وہ ہمارے سریانی اور ارمنی مآخذ کے بیانات کی بطریق احسن تائید کرتے ہیں، ان بیانات کی رو سے ساسانی خداؤں کے مجمع میں برترین خدا زروان، اہورمزد، خورشید (مہر، متھرا)، آتش (آذر) اور بیدخت (= دین مَزْدَیَسْن یعنی مزدائیتِ مجسّم) تھے،

---

[1] مضمون نمبر ۲، ص ۱۳۰، [2] دیکھو آگے، نیز بین ونشت "وَرَثْرَ اور ورثرغنا"۔ ص ۷۲،

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اردشیر اوّل کا دادا اصطخر میں اناہتا کے معبد کا رئیس تھا اور یہ کہ ساسانی خاندان کو اس معبد کے ساتھ خاص لگاؤ تھا، پس معلوم ہُوا کہ خاص خاص دیوتاؤں کے خاص خاص معبد تھے۔ لیکن پھر بھی یہ قرینِ قیاس ہے کہ تمام معبد بطورِ عمومی تمام زرتشتی خداؤں کی پرستش کے لئے وقف تھے اور یہ کہ تمام معبد ایک ہی نقشے پر بنے ہوئے ہوتے تھے، عبادت کی مرکزی جگہ آتشگاہ تھی جس پر مقدس آگ جلتی رہتی تھی، عام طور پر ہر آتشکدے کے آٹھ دروازے اور چند ہشت پہلو کمرے ہوتے تھے، اس نمونے کی عمارت شہر یزد کا قدیم آتشکدہ ہے جو آج بھی موجود ہے، مسعودی نے اصطخر کے قدیم آتشکدے کے کھنڈرات کا حال بیان کیا ہے[1] جس کو اس کے زمانے میں لوگ مسجدِ سلیمان سمجھتے تھے، وہ لکھتا ہے کہ "میں نے اس عمارت کو دیکھا ہے، اصطخر سے تقریباً ایک فرسخ کے فاصلے پر ہے، وہ ایک قابلِ تعریف عمارت اور ایک شاندار معبد ہے، اس کے ستون پتھر کے ایک ایک ٹکڑے سے تراش کر بنائے گئے ہیں جن کا طول و عرض حیرت انگیز ہے، ان ستونوں کے اوپر کے سرے پر گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کے عجیب و غریب بت نصب کئے گئے ہیں جن کی جسامت اور جن کی شکلیں حیرت میں ڈالنے والی ہیں، عمارت کے گرداگرد ایک وسیع خندق اور فصیل ہے جو پتھر کی بھاری بھاری سلوں سے بنائی گئی ہے، اس پر برجستہ تصاویر نہایت کاریگری سے بنائی گئی ہیں، آس پاس کے رہنے والے لوگ ان کو پیغمبروں کی تصویریں سمجھتے ہیں"

نقشِ رستم میں شاہانِ ہخامنشی کے مقبروں کی منبت کاری میں چند آتشگاہوں

---

[1] مروج الذہب، ج ۴، ص ۷۶ - ۷۷،

کی برجستہ تصویریں بنی ہوئی ہیں جن پر آگ جلتی ہوئی دکھائی گئی ہے، آتشگاہ کی شکل اُن قربانگاہوں کی نقل ہے جو اقوامِ مغربی ایشیا کے معبدوں میں پائی جاتی تھیں، وہ اصل میں میزیں ہوتی تھیں جن پر قربانیاں رکھ دی جاتی تھیں، نقشِ رستم میں دو بہت بڑی بڑی آتشگاہیں ایک صیقل شدہ چبوترے پر ایک چٹان میں سے تراش کر بنائی گئی ہیں؛ ان کا بالائی حصہ جو دندانہ دار ہے چار ستونوں پر دھرا ہوا معلوم ہوتا ہے جو پتھر میں سے تراش کر برجستہ بنائے گئے ہیں، لیکن آتشِ سرمدی کی حفاظت کے لئے ضروری تھا کہ اس پر کوئی ایسی تعمیر کر دی جائے جو اُسے مرورِ زمانہ کی آفات سے محفوظ رکھے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پتھر کی وہ عمارت جو نقشِ رستم میں شاہی مقبروں کے بالمقابل بنی ہوئی ہے اور جس میں مرورِ زمانہ سے گڑھے پڑ گئے ہیں آتشگاہ ہی کا نمونہ ہے[1]، وہ ہخامنشی زمانے کی بنی ہوئی ہے اور ایرانی اس کو "کعبۂ زرتشت" کہتے ہیں،

شریعت زرتشتی میں چونکہ یہ قاعدہ مسلّم ہو چکا تھا کہ سورج کی روشنی آتشِ مقدس پر نہیں پڑنی چاہیئے لہذا نئی ساخت کے آتشکدے بننے لگے جن کے عین وسط میں ایک بالکل تاریک کمرہ بنایا جاتا تھا اور اس کے اندر آتشدان رکھا جاتا تھا، صوبۂ فارس کے فرترک (گورنر) جو شاہانِ سلوکی کے باجگذار تھے[2] ان کے سکوں کے پشت کی جانب آتشکدے کی تصویر بنی ہوئی ہے (دیکھو تصویر)، تین آتشدان جو معمولاً آتشکدے کے اندر رکھے جاتے تھے وہ اس تصویر میں (دروازے کے) اوپر دکھائے گئے ہیں، بائیں طرف ایک پجاری کھڑا ہے اور دائیں طرف ایک جھنڈے کی شکل بنی ہے، اردشیر اوّل کے سکوں میں آتشگاہ کی جزئیات نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہیں، نیچے تین پائے ہیں،

---

[1] موسیو زارہ (Sarre) کی بھی یہی رائے ہے ("صنعت ایرانیان قدیم" بزبان جرمن ص ۱۵) لیکن بعض لوگوں کی رائے میں وہ مقبرہ ہے، [2] دیکھو اوپر، ص ۱۰۷

جو یقیناً دھات کے بنے ہوئے ہیں اور ان پر ایک چبوترے کے اوپر آتش مقدس کے شعلے بھڑکتے ہوئے نظر آرہے ہیں (دیکھو تصویر) لیکن اس کے جانشین شاپور اوّل کے سکّوں میں تین پائے تو غائب ہو گئے ہیں اور ان کی بجائے ایک بڑا مربع ستون ہے، آتشگاہ کے دونو طرف دو آدمی ہاتھ میں ایک لمبا عصا یا نیزہ لیے کھڑے ہیں، بعد کے تمام ساسانی بادشاہوں کے سکّوں پر آتش گاہ کا یہی نمونہ دیکھنے میں آتا ہے، بعض وقت آگ کے شعلوں میں ایک سر بنا ہُوا نظر آتا ہے جو غالباً آذر (خدائے آتش) کی تصویر ہے[1]، (دیکھو تصویر) شروع کے بادشاہوں کے سکّوں پر (یزدگرد دوم کے زمانے تک) اکثر اوقات حاشیے پر لفظ "آتشِ ...." اور اس کے بعد مضاف الیہ کے طور پر صاحبِ سکّہ کا نام ضرب کیا ہُوا ہوتا ہے،

قدیم ایرانیوں میں جو حکومتِ خانوادگی کا نظام تھا اس کے مطابق آگ کے مختلف درجے تھے، یعنی آتشِ خانہ پھر آتشِ قبیلہ یا آتشِ دیہ (آذران) پھر آتشِ ضلع یا ولایت جس کو آتشِ وَرَہران (= وہرام یا بہرام) کہتے تھے، آتشِ خانہ کی محافظت مان بذ (رئیسِ خانہ) کا کام تھا، آذران کی نگہداشت کے لئے کم از کم دو ہیربد ضروری تھے لیکن آتشِ ورہران کی خدمت کے لئے ایک موبذ کے ماتحت ہیربدوں کی ایک جماعت مامور رہتی تھی[2]، آگ کی پرستش کے قواعد کی تفصیل جس کے ساتھ چند افسانے تمثیل کے طور پر بیان ہوئے ہیں ساسانی اوستا کے ایک نسک میں دی گئی ہے جس کا نام سُوذ گر ہے[3]، آتشکدے میں جہاں کی فضا لوبان کی

---

[1] دیکھو زارہ — ہرتسفلٹ، "ایران کی منبّت کاری" (جرمن)، ص ۸۹ – ۹۱،
[2] شپیگل (Spiegel): "ایران قدیم" ج ۳ ص ۵۷۵، بین ونشت. "ورترا و ورثرغنا" ص ۳۹ و ۷۲، [3] دین کرد، ج ۹، ۱۲،

سلوکیوں کے عہد میں شاہان فارس کے
ایک سکے پر آتشکدہ کی تصویر

اردشیر اوّل کے سکے کی پشت پر
زرتشتی آتشدان کی تصویر

ا

ب

ج

د

ساسانی سکوں کی پشت پر آتشدانوں کے مختلف نمونے

(ا) و (ب)- سکه های بهرام پنجم
(ج)- سکۂ شاپور دوم
(د) سکۂ شاپور اوّل

دھونی سے مہکتی رہتی تھی ہیربد اپنے منہ پر کپڑے کی ایک پٹی (پائتی دان بزبان اوستائی) باندھے ہوئے تاکہ اس کا سانس لگ کر آگ ناپاک نہ ہو جائے لکڑی کی چھپٹیاں جن کو خاص مذہبی رسوم سے پاک کیا جاتا تھا برابر آگ پر ڈالتا رہتا تھا تاکہ وہ جلتی رہے، منجملہ اور درختوں کے ایک خاص درخت (ہذانیپتا) کی لکڑی جلائی جاتی تھی، ٹہنیوں کے ایک مٹھے کے ساتھ جو ایک خاص رسم مذہبی کے ساتھ کاٹا اور باندھا جاتا تھا اور جس کو برسم کہتے تھے وہ آگ کو الٹ پلٹ کرتا رہتا تھا اور مقدس دعائیں برابر پڑھتا جاتا تھا، اس کے بعد ہیربدان آتشکدہ ہوم (ہوم) کا چڑھاوا چڑھاتے تھے وہ اس طرح کہ درخت ہوم کی شاخیں لے کر ان کو پہلے پاک کیا جاتا تھا پھر ہاون میں ان کو کوٹا جاتا تھا اور کوٹنے کے ساتھ ساتھ ہیربد برابر دعائیں یا اوستا کی آیتیں پڑھتے رہتے تھے، یہ ایک بہت لمبا اور پیچیدہ عمل ہوتا تھا جو مذہبی ہدایات کے عین مطابق پورا کیا جاتا تھا، اس کے بعد ہوم کا چڑھاوا چڑھایا جاتا تھا جس کے ساتھ ساتھ زوتر (رئیس مراسم آتشکدہ) خاص خاص دعائیں مقررہ ترتیب کے ساتھ پڑھتا جاتا تھا اور مختلف مراسم (جن میں برسم کا استعمال ہوتا تھا) ادا کرتا جاتا تھا، زوتر کے سات مددگار ہوتے تھے جن کو رتو کہتے تھے، ہر ایک رتو کے اپنے اپنے مقررہ فرائض تھے، ان میں سے ایک کا نام ہاونان تھا جس کا کام ہاون میں ہوم کو کوٹنا تھا، دوسرا آترؤخش تھا جو آگ کی خبرگیری کرتا تھا اور زوتر کے ساتھ مل کر بھجن گاتا تھا، تیسرا فرابرتر تھا جو لکڑیاں لا کر آگ پر ڈالتا تھا، چوتھا آبرت تھا جس کا کام پانی لانا تھا، پانچواں آسنتر تھا جو ہوم کو چھانتا تھا،

چھٹا رَتَیشْ وِشْکَرَ تھا جو ہَوْمَ کو دودھ میں ملاتا تھا[1] اور ساتواں سْرَوْشاوَرِزْ (سروشاوَرِز) تھا جس کا فرض سب کے کام کی نگرانی کرتا تھا اور آتشکدے کے فرائض کے علاوہ اس کے اور فرائض بھی تھے کیونکہ روحانی تربیت کا انتظام بھی اُسی کی زیرنگرانی تھا،

آتشکدوں میں ہیربد دن میں پانچ وقت کی مقرّرہ دعائیں پڑھتے تھے اور تمام مذہبی فرائض کو عمل میں لاتے تھے، یہ فرائض اُن چھ سالانہ تہواروں کے موقعوں پر خاص متانت کی صورت اختیار کر لیتے تھے جنھیں گاہان بار کہا جاتا تھا، یہ تہوار سال کے مختلف موسموں کے ساتھ وابستہ ہوتے تھے، یہ یاد رہے کہ دنیادار لوگوں کو آتشکدوں میں آکر ان فرائض میں شریک ہونے کی کوئی ممانعت نہ تھی، بلکہ ہر شخص کا یہ فرض سمجھا جاتا تھا کہ وہاں آکر دعائے آتش نیائشْن (یعنی دعائے تمجیدِ آتش)[2] پڑھے اور لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص دن میں تین بار آتشکدہ میں جاکر دعائے آتش نیائشْن پڑھے وہ دولتمند اور نیک ہو جاتا ہے[3]، دیندار لوگوں کے لئے آتشکدے کے تاریک کمروں کا سماں ایک پُراسرار حیرت و رعب کا باعث ہوتا تھا جہاں آتشدان میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوتے تھے اور اس کی روشنی سے دھات کے آلات، پردوں کی کھونٹیاں، ہاون، چمچے، بَرَسْم دان (یعنی ہلال کی شکل کے پائے

---

[1] ہَوْمَ کو دودھ اور ایک پودے کے رس میں (جس کا نام ہَذَنَیْپَتا تھا) ملا کر ایک شربت تیار کیا جاتا تھا جسے دیوتاؤں کو چڑھاوے کے طور پر پیش کیا جاتا تھا، لیکن وہ نیاز جو میزْد کہلاتی تھی غالباً گوشت اور چربی یا گوشت اور مکھن سے تیار کی جاتی تھی، [2] موجودہ اوستا میں وہ پانچویں نیائش ہے، [3] پند نامگِ زرتشت (ویانا کا رسالۂ علوم مشرقی، آرٹیکل نمبر ۳۶)،

جن پر بَرَسْم رکھا جاتا تھا) چمکتے تھے اور جہاں ہیربد کبھی بلند اور کبھی دھیمی آواز کے ساتھ اپنی نامتناہی دعائیں اور کتاب مقدس کی آیات مقررہ تعداد اور مقررانداز کے ساتھ زمزمے کے لہجے میں پڑھتے تھے،

سلطنت ساسانی میں آتشکدے ہر جگہ موجود تھے لیکن ان میں سے تین ایسے تھے جن کی خاص حرمت و تعظیم ہوتی تھی، یہ وہ آتشکدے تھے جن میں تین آتش ہائے بزرگ محفوظ تھیں جن کا نام آذر فرنبگ[1]، آذر گشنسپ اور آذر برزین مہر تھا،

ایک قدیم افسانے کی رو سے جو بُندہشن میں بیان ہوا ہے[2] "چند آدمی افسانوی بادشاہ تخمورب کے زمانے میں ایک عجیب الخلقت گائے سرسوگ کی پیٹھ پر سوار ہو کر کشورِ خونیرس[3] سے چلے اور باقی چھ کشوروں کو طے کیا جہاں کوئی شخص کسی اور ذریعے سے نہیں جا سکتا تھا، ایک رات جب وہ عین سمندر کے بیچ میں جا رہے تھے تو ہوا نے اُن تین آگوں کو جو گائے کی پیٹھ پر جل رہی تھیں سمندر میں گرا دیا لیکن" وہ آگیں تین جانداروں کی مانند نئے سرے سے پھر اُسی جگہ گائے کی پیٹھ پر نکل آئیں جہاں وہ پہلے جل رہی تھیں اور اُن سے تمام روشنی ہو گئی" ان تین آگوں میں سے ایک کا نام آتشِ فرنبگ تھا، کچھ عرصے کے بعد شاہ یِم نے جو تخمورب کا جانشین اور ویسا ہی افسانوی بادشاہ تھا اس آگ کے لئے خوارزم میں کوہِ خورّہ مند پر ایک آتشکدہ تعمیر کرایا، ہمیں یہ معلوم نہیں کہ دراصل کس زمانے

---

[1] پہلوی میں اس کو آترفرن بگ لکھا ہے، فرن بگ یا تو فرنگ بگ کی قدیم شکل ہے یا اس کی بگڑی ہوئی شکل ہے لیکن سریانی میں جو اس کو آذر فرنوا لکھا ہے (ہوفمن ص ۲۸۳) تو وہ یقیناً ایرانی شکل آذر فرنبگ سے ماخوذ ہے، [2] باب ۱۷، ۴، ۵، ولیسٹ: "متون پہلوی" ج ۱ ص ۶۲، ص ۱۲۴ (طبع انکلساریا)،

[3] افسانوی علم کائنات کی رو سے دنیا سات کشوروں میں منقسم ہے جن میں سے صرف ایک یعنی کشور مرکزی (خونیرس) ایسی ہے جس میں انسان رہتے ہیں،

میں یہ تین آتش ہائے بزرگ وجود میں آئیں ، ہوفمن نے یہ خیال ظاہر کیا ہے[1] کہ صوبہ استئوئین میں شہر اساک کی آتش جاودانی جس کے سامنے ارشک (اشک) بانی خاندانِ اشکانیان نے اپنی تاجپوشی کی تھی[2] آتشِ برزین مہر کے ساتھ ضرور کوئی نہ کوئی تعلق رکھتی ہے کیونکہ ساسانیوں کے زمانے میں آتشِ بُرزین مہر کا آتشکدہ اسی جگہ کے نزدیک تھا ، علمائے زرتشتی کے نظریے کی رو سے یہ تین آگیں اُن تین معاشرتی طبقوں سے تعلق رکھتی تھیں جن کی بنا از روئے افسانہ زرتشت کے تین بیٹوں نے ڈالی تھی ، آذر فرنبگ علمائے مذہب کی آگ تھی ، آذر گشنسپ سپاہیوں کی آگ یا آتشِ شاہی تھی اور آذر بُرزین مہر زراعت پیشہ لوگوں کی آگ تھی ، عہد ساسانی میں ان تین آگوں کے آتشکدے جس جس مقام پر بنے ہوئے تھے اُن کے متعلق روایت ہے کہ ان مقامات کو عہد ہخامنشی سے پہلے افسانوی بادشاہوں نے معین کیا تھا ،

"ہندوستانی" بُندہشن کی روایت کے مطابق آذر فرنبگ یعنی آتشِ علمائے مذہب کابلستان (صوبۂ کابل) میں کوہ روشن پر تھی ، لیکن بظاہر یہاں کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے ، "ایرانی" بندہشن میں عبارت مختلف ہے لیکن وہ بدقسمتی سے غیر واضح ہے ، جیکسن نے اس کو جس طرح پڑھا ہے اس کا ترجمہ "علاقۂ کارکا درخشاں پہاڑ کوارزوند"[3] ہوگا ، جیکسن نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مقصود صوبۂ فارس کا شہر کاریان ہے جو خلیج فارس کے کنارے بندر سیراف اور دارابجرد کے درمیان واقع ہے جہاں اب بھی ایک قدیم آتشکدے کے کھنڈرات موجود ہیں ، معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ آتشِ مقدس کو ایک منبع نفت کے ذریعے

---

[1] "اقتباسات....." ص ۲۹۱ ، [2] بقول مؤرخ اسیڈور (Isidore) ص ۱۱ ،

[3] مضمون بعنوان "تعیین مقام آتش فرن باغ" (رسالہ انجمن مشرقی امریکائی سنہ ۱۹۲۱ء ص ۸۱ ببعد) ،

سے روشن رکھا جاتا تھا[1]، مسعودی کے قول کے مطابق[2] اس آتشکدے کا نام آذرجُوی (آگ کی ندی) تھا اور بظاہر یہ وہی آتشکدہ ہے جو بیرونی کی تاریخ میں آذرخُورّہ کے نام سے مذکور ہے[3]، دوسری طرف ہرتسفلٹ نے ایرانی بُندہشن کی عبارتِ زیربحث کو ایک اور طرح سے پڑھنا تجویز کیا ہے[4]، اس کے نزدیک آتشِ فرنبگ کا مقام "علاقۂ کنارنگ" ہے جس کو اُس نے نیشاپور معین کیا ہے[5]، میری اپنی رائے میں جیکسن نے جو شہادتیں اپنے نظریے کی تائید میں عرب مصنّفین کی کتابوں سے پیش کی ہیں ان کو مدِّنظر رکھتے ہوئے آتشِ فرنبگ کا مقام کاریان قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے، دسویں صدی عیسوی تک آتشکدۂ کاریان کی آگ دوسرے آتشکدوں میں لیجائی جاتی تھی[6] اور یہ بہت پرانے زمانے سے رسم رہی ہے، کہ کم درجے کے آتشکدوں کی آگ کی تجدید ان تین بڑے آتشکدوں کی آگ سے کرتے رہتے تھے[7]،

آذرگُشنسپ یا "آتشِ شاہی" کا آتشکدہ شمال میں مقام گنجک (شیز) میں تھا جو صوبۂ آذربائجان میں واقع تھا، جیکسن نے اس کی جائے وقوع تختِ سلیمان

---

[1] سٹیک (Stack) "ایران میں چھ مہینے" (انگریزی) نیویارک ۱۸۸۲ء ص ۱۱۸ ببعد،

[2] مروج الذہب، ج ۴، ص ۷۵، [3] طبع سخاؤ (الآثار الباقیہ) ص ۲۲۸ ببعد، خُورّ اور فرّ ایک ہی لفظ کی دو شکلیں ہیں جو مقامی زبانوں میں پائی جاتی ہیں، اوستائی زبان میں خُورَنہ ہے (دیکھو اوپر ص ۱۹۰) [4] یادگارنامہ مودی (Modi Memorial Volume) ص ۲۰۱، [5] دیکھو اوپر ص ۱۳۷، ح ۱، اور ص ۱۸۱

[6] مقدسی، ص ۴۲۷، [7] از روئے روایتِ افسانوی (بُندہشن) وشتاسپ جو زرتشت کا مربی تھا آتشِ فرنبگ کو خوارزم سے منتقل کر کے اس جگہ لایا جہاں وہ بندہشن کی تصنیف کے وقت موجود تھی، اس آتشِ مقدس کے کاریان میں منتقل کئے جانے کے بارے میں عربی کتابوں میں دو مختلف روایتیں ہیں، بعض اس کو وشتاسپ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بعض خسرو اوّل کی طرف، بہرحال یہ فرض کر لینا چاہئے کہ آتشِ فرنبگ عہد ساسانی کے شروع میں اپنی مخصوص جگہ پر جاگزین ہو چکی تھی،

کے کھنڈرات میں معیّن کی ہے جو ارومیہ اور ہمدان کے درمیان واقع ہیں[۱]، شاہانِ ساسانی تکلیف و مصیبت کے وقت میں اس آتشکدے کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے اور وہاں نہایت فیاضی کے ساتھ زر و مال کے چڑھاوے چڑھاتے تھے اور زمین اور غلام اس کے لئے وقف کرتے تھے، بہرام پنجم نے جو تاج خاقان اور اس کی ملکہ سے چھینا تھا اس کے قیمتی پتھر اس نے آتشکدۂ آذر گُشنسپ میں بھجوا دیے تھے[۲]، خسرو اوّل نے بھی اس آتشکدے کے ساتھ اسی طرح کی فیاضیاں کیں، خسرو دوم نے منّت مانی تھی کہ اگر اس کو بہرام چوبین پر فتح حاصل ہوگی تو وہ آتشکدۂ آذر گشنسپ میں سونے کے زیور اور چاندی کے تحائف نذر کے طور پر پیش کریگا، چنانچہ بعد میں اُس نے اپنی منّت پوری کی، دسویں صدی میں مسعودی نے آتشکدۂ آذر گُشنسپ کے کھنڈرات کا حال ذیل کے الفاظ میں بیان کیا ہے[۳]: "آج اس شہر (شیز) میں عمارتوں اور تصویروں کے عجیب و غریب آثار موجود ہیں، یہ تصویریں مختلف رنگوں کی ہیں اور نہایت حیرت انگیز ہیں، ان میں کراتِ سماوی، ستارے، کرۂ ارض اور اس کے بحر و بر، اس کے آباد حصّے، اس کے درخت اور جانور اور دیگر عجائبات دکھائے گئے ہیں، شاہانِ ایران کا وہاں ایک آتشکدہ تھا جس کی تمام شاہی خاندان تعظیم کرتے تھے، اس کا نام آذر خُوش[۴] تھا، آذر فارسی میں

---

[۱] "ایران ماضی وحال" (بزبان انگریزی)، ص ۱۲۴ - ۱۴۳، رسالہ انجمن مشرقی امریکائی، سنہ ۱۹۲۱ء ص ۸۲ ۔ [۲] طبری ص ۸۶۵، اس سے پہلے اردشیر اوّل نے دشمنوں کے سر جو لڑائی میں مارے گئے تھے معبد اناہیتا میں بھجوائے تھے جو اصطخر میں تھا اور سنہ ۳۴۰ء میں مقتول عیسائیوں کے سر بھی اسی جگہ لٹکائے گئے تھے، [۳] کتاب التنبیہ، ص ۹۵، [۴] یہ آذر گُشنسپ کا دوسرا نام ہے،

آگ کو کہتے ہیں اور خوش کے معنی "عمدہ" کے ہیں، ایران کا ہر بادشاہ اپنی تخت نشینی کے وقت نہایت احترام کے ساتھ اس آتشکدے کی زیارت کے لئے پیادہ پا آتا تھا اور چڑھاوے چڑھاتا تھا اور نقد و مال اور تحفے تحائف پیش کرتا تھا[۱]" خلاصہ یہ کہ یہ آتشکدہ سلطنت اور مذہب کے اتحاد کی نشانی تھی اور ساسانیوں کے زمانے میں یہ اتحاد ان کی قوت کا باعث تھا برخلاف اشکانیوں کے جن کے عہد میں "ہر صوبے اور ولایت کے بادشاہ کا اپنا اپنا آتشکدہ تھا"، نامۂ تنسر[۲] کا یہ بیان غالباً ایک تاریخی روایت پر مبنی ہے لیکن اس کا یہ کہنا کہ "شاہان ولایات" کے آتشکدے ایک بدعت تھی اور یہ کہ ساسانیوں کی آتش متحدہ اُن حالات کی طرف رجعت کی دلیل تھی جو داریوش کے زمانے میں تھے مبنی بر افسانہ ہے[۳]،

آذر بُرزین مہر یعنی اصحاب زراعت کا آتشکدہ سلطنت کے مشرق میں کوہستان ریوند میں واقع تھا جو نیشاپور کے شمال مغرب میں تھا، مؤرخ لازار فرپی نے موضع ریوند کو مغوں کا گاؤں لکھا ہے[۴] جیکسن نے اس آتشکدے کی جائے وقوع اس گاؤں کے قریب معیّن کی ہے جس کو آج کل مہر کہتے ہیں اور جو میان دشت اور سبزوار کے بیچوں بیچ اُس سڑک پر واقع ہے جو نیشاپور کو جاتی ہے[۵]،

یہ تین بڑے آتشکدے بیشک خاص تعظیم و احترام کا محل تھے اور دوسرے

---

[۱] شاہانِ ساسانی کا یہ دستور کہ وہ اپنی تخت نشینی کے بعد طیسفون سے آتشکدۂ آذرگشنسپ تک پیدل جاتے تھے ابن خرداذبہ نے بھی بیان کیا ہے، (ص ۱۲۰)، [۲] طبع ڈارمسٹیٹر ص ۲۲۵، طبع مینوی ص ۲۱

[۳] پیرس کے کتابخانۂ ملی میں ایک مہر ہے جس پر ایک شخص مسمّی باذرگ کا کتبہ اور تصویر کندہ ہے جو آذرگشنسپ کا مغان مغ تھا (دیکھو اوپر، ص ۱۵۱)، [۴] طبع لانگلوا، ص ۳۱۵، ہوفمن، ص ۲۹۰،

[۵] "قسطنطنیہ سے عمر خیام کے گھر تک" (ص ۲۱۱ - ۲۱۷)، نیز رسالۂ انجمن مشرقی امریکائی ۱۹۲۱ء ص ۸۲،

پانچ گاتھاؤں کے ناموں پر رکھے گئے ہیں ،

موسمی تہوار جن کو گاہان بار کہتے تھے تعداد میں چھ تھے ، ہر ایک تہوار پانچ دن تک منایا جاتا تھا ، ان دنوں میں مقررہ رسوم کے ساتھ بھیڑوں کی قربانی دی جاتی تھی اور خاص مراسم ادا کیے جاتے تھے[1] ، گاہان باروں کے اوستائی نام یہ ہیں:[2]

۱- مَیذیوئے زَرَمیا (اردوبہشت کے مہینے میں)

۲- مَیذیوئے شام (تیر کے مہینے میں)

۳- پائتِش ہہیا (شہریور کے مہینے میں)

۴- ایاث رِما (مہر کے مہینے میں)

۵- مَیذیائریا (دذو کے مہینے میں)

۶- ہَمَسپت مئیدیا

چھٹا گاہان بار یعنی ہمسپت مئیدیا جو ایّام کبیسہ (خمسۂ مسترقہ) میں منایا جاتا تھا دراصل مُردوں کا تہوار تھا ، قدیم زمانے میں یہ تہوار دس دن تک منایا جاتا تھا ، موجودہ اوستا کے تیرھویں یَشت (فَرَوَرْدِین یَشت ، آیت ۴۹ - ۵۲) میں لکھا ہے کہ ہمسپت مئیدیا کے دنوں میں فَرَوَشی یعنی باایمان لوگوں کی روحیں برابر دس راتیں مؤمنوں کے گھروں پر آتی ہیں اور صدقہ و قربانی کا تقاضا کرتی ہیں ، یہی وجہ ہے کہ اس "یوم اموات" کو فَرَوَرْدِیگان یعنی فَرَوَشیوں کا تہوار بھی کہتے تھے (فَرَوَشی بزبان پہلوی = فَرَوَہر یا فَرَوَرْدِیگ) ، بیرونی لکھتا ہے[3] کہ ان

---

[1] دین کرد (باب ہشتم ص ۷ ، س ۱-۳) ، [2] تاریخ بیرونی (الآثار الباقیہ) میں گاہان باروں کے نام خوارزمی زبان میں دئے ہیں لیکن ان کی ترتیب اوستا کی ترتیب سے مختلف ہے (ص ۲۲۷-۲۳۸)

[3] الآثار الباقیہ ، ص ۲۲۴ ،

ایّام میں لوگ بروحِ اموات یعنی دخموں[1] پر کھانا رکھواتے تھے اور اپنے گھروں کی چھتوں پر پینے کی چیزیں رکھتے تھے تاکہ مُردوں کی رُوحیں (فَرَوَشی) کھائیں پئیں، اعتقاد یہ تھا کہ ان دنوں میں یہ روحیں غیر مرئی طور پر آکر اپنے خاندان کے لوگوں میں رہتی ہیں، لوگ اس موقع پر ثمرِ سروِ کوہی (حبّ العرعر) کی دھونی بھی دیتے تھے کیونکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کی خوشبو مُردوں کو مرغوب ہے،

زرتشتی سال کو نجومی سال کے ساتھ مطابق کرنے کے لئے ہر ایک سو بیس برس کے بعد ایک مہینہ بڑھایا جاتا تھا اور پھر کبیسہ کے پانچ دن اس مہینے کے آخر میں اور اضافہ کیے جاتے تھے، بعض خاص وجوہات کی بنا پر دوسو چالیس برس کے بعد اکٹھے دو مہینے بڑھا دیے جاتے تھے چنانچہ یزدگرد اوّل کے زمانے میں (۳۹۹ء - ۴۲۰ء) آبہان کے مہینے کے بعد دو ماہ کا اضافہ کیا گیا تھا، اس کے بعد ہر سال آبہان اور آذر کے مہینوں کے درمیان پانچ دن بڑھائے جاتے رہے لیکن جب ایک سو بیس برس گذرے اور ایک ماہ کے اضافے کا وقت آیا تو اس سے غفلت کی گئی اور سال ناقص رہ گیا[2]،

معلوم ہوتا ہے کہ ساسانیوں کے زمانے سے پہلے سال کا آغاز مہر کے مہینے سے ہوتا تھا اور عیدِ مہرگان جو موسم خزاں کا تہوار تھا سال کا پہلا دن تھا[3]، لیکن تقویم میں بعض علامتیں ایسی موجود ہیں جن سے ایسا شبہ ہوتا ہے کہ بعد میں جب سال کا آغاز موسم بہار میں اعتدالِ روز و شب کے وقت پر مقرر کیا گیا تو ایک سال دو دو

---

[1] دخموں کے متعلق دیکھو اوپر، ص ۳۸ - ۳۹، [2] بیرونی ص ۴۳ و ۴۵،

[3] مقابلہ کرو آنڈریاس - ہیننگ: "آثار مانویۃ در پہلوی" (جرمن) ص ۱۸۹، ح ۱،

آتشکدوں کی نسبت ان کے اوقاف بہت زیادہ تھے، لیکن بہت سے اور آتشکدے بھی تھے جو اگرچہ درجے میں ان سے کمتر تھے لیکن خاصی اہمیت رکھتے تھے خصوصاً وہ جن کی بنا کسی داستانی ہیرو کی طرف یا خود زرتشت کی طرف منسوب تھی مثلاً آتشکدۂ طوس، آتشکدۂ نیشاپور، آتشکدۂ ارجان (فارس میں)، آتشکدۂ کرکرا (سیستان میں) اور آتشکدۂ کوبیسہ (فارس اور اصفہان کے درمیان)[1]، صوبۂ جبال کے بہت سے شہروں میں (جو قدیم میڈیا کا علاقہ ہے) کئی آتشکدوں کا ذکر ہے جن میں قزوین، شیروان (نزدیک رے)، کومش (جو غالباً اشکانیوں کا شہر ہیکاٹوم پیلوس ہے) وغیرہ کے آتشکدے ہیں[2]، اصفہان کے قریب ایک ٹیلے پر ایک آتشکدے کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں[3]، کارنامگ کے بیان کے مطابق[4] اردشیر اوّل نے ایک آتش ورہران سمندر کے کنارے تخت اردشیر میں قائم کی اور کئی آتشکدے اردشیر خورّہ میں بنوائے،

ساسانیوں کے زمانے کے سالانہ تہوار جن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے بیرونی کی تاریخ بہترین ماخذ ہیں سب سے عموماً دیہاتی نوعیت کے تھے جو امورِ کاشتکاری سے متعلق تھے، چونکہ مذہبِ مروّج نے اُن کو اختیار کرلیا تھا لہٰذا

---

[1] شہرستانی: "کتاب الملل" ص ۱۹۷، [2] پوری فہرست شوارٹس (Schwarz) کی کتاب "ایران در ازمنۂ متوسطہ" (جرمن) میں ص ۸۳۷ پر دی ہے، آتشکدۂ کومش (کومیسین، قومش بزبان عربی) کا ذکر ایرانی بندہشن میں بھی ہے (طبع انکلساریا، ص ۱۲۸)، نیز دیکھو مارکوارٹ۔ ہیبینا: "فہرست پایہ تخت ہا....." ص ۵۶، [3] کھنڈرات کا حال جیکسن کی کتاب "ایرانِ ماضی و حال" میں دیکھو ص ۲۵۲ بعد، [4] ص ۸ و ۱۹،

وہ عباداتِ مذہبی کے ساتھ منائے جاتے تھے لیکن ساتھ ہی اور رسمیں بھی ادا کی جاتی تھیں جن کی ابتدا تو سحر و جادو کے اعتقاد سے ہوئی لیکن رفتہ رفتہ وہ معمولی رسمیں بن گئیں، ان رسموں کے ساتھ عامیانہ تفریحات اور کھیل تماشے بھی ہوتے تھے، جیساکہ عموماً ہُوا کرتا ہے (اور علمائے عقاید عامّہ کو یہ بات بخوبی معلوم ہے) ان تہواروں کو افسانوی تاریخ کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے کہ فلاں تہوار فلاں واقعہ کی یادگار ہے جو یِمَ (جمشید) یا فریدوں یا فلاں داستانی ہیرو کے زمانے میں ہُوا،

زرتشتی سال بارہ مہینے کا ہے جن کے نام بڑے بڑے خداؤں کے نام پر رکھے گئے ہیں، وہ بہ ترتیبِ ذیل ہیں:-

۱- فَرَوَرْدِین (فَرَوَشی ہا)	۷- مہر (مِتْرا یا متھرا)
۲- اُرْدِوَہِشت (اشاوہشتَ)	۸- آبہان (= آبہا، اناہتا)
۳- خُورْداذ (ہوَرْوَتات)	۹- آذُر (آتَر، آتش)
۴- تیر (تِشْتْرِیا)	۱۰- دَذْو (خالق، اہورمزد)
۵- اَمُرْداذ (اَمَرْتات)	۱۱- وہمن (وہُومَنَہ)
۶ شہریور (خْشَثْرَ وَیْریا)	۱۲- سپندارمذ (سْپِنْتَ آرْمَیْتی)

ہر مہینہ تیس دن کا ہے جن کے نام اسی طرح زرتشتی دیوتاؤں کے ناموں پر رکھے گئے ہیں، شروع کے سات دن اہورمزد اور چھ اَمْہرسپندان کے ناموں پر ہوتے ہیں[۵]، بارہ مہینوں کے تین سو ساٹھ دنوں کے ساتھ پانچ دن بطور تکملہ (خمسۂ مسترقہ) آخری مہینے کے بعد بڑھائے جاتے ہیں، ان پانچ دنوں کے نام

[۵] دیکھو اوپر، ص ۲۰۸، محققین کی عام رائے میں مہینے کی تقسیم ہفتوں میں قدیم ایران میں مروّج نہ تھی، (دیکھو گائیگر: "تہذیب ایران مشرقی در عہد قدیم" بزبان جرمن ص ۳۱۶) لیکن بعض علامتوں سے پایا جاتا ہے کہ تقویم ساسانی میں ہفتے کا وجود تھا،

پانچ گاتھاؤں کے ناموں پر رکھے گئے ہیں،

موسمی تہوار جن کو گاہان بار کہتے تھے تعداد میں چھ تھے، ہر ایک تہوار پانچ دن تک منایا جاتا تھا، ان دنوں میں مقررہ رسوم کے ساتھ بھیڑوں کی قربانی دی جاتی تھی اور خاص مراسم ادا کیے جاتے تھے[1]، گاہان باروں کے اوستائی نام یہ ہیں[2]:

۱- مَیدْیوئے زَرِمیا (اردوبہشت کے مہینے میں)

۲- مَیدیوئے شام (تیر کے مہینے میں)

۳- پائتِنش ہَہیا (شہریور کے مہینے میں)

۴- ایاث رِما (مہر کے مہینے میں)

۵- مَیذیایُریا (دذو کے مہینے میں)

۶- ہَمَسْپَث مَئیدیا

چھٹا گاہان بار یعنی ہمسپث مئیدیا جو ایام کبیسہ (خمسۂ مسترقہ) میں منایا جاتا تھا دراصل مُردوں کا تہوار تھا، قدیم زمانے میں یہ تہوار دس دن تک منایا جاتا تھا، موجودہ اوستا کے تیرھویں یَشت (فَرَوَرْدِین یَشت، آیت ۴۹ - ۵۲) میں لکھا ہے کہ ہمسپث مئیدیا کے دنوں میں فَرَوَشی یعنی باایمان لوگوں کی روحیں برابر دس راتیں مؤمنوں کے گھروں پر آتی ہیں اور صدقہ و قربانی کا تقاضا کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس "یوم اموات" کو فَرَوَرْدِیگان یعنی فُرَوَشیوں کا تہوار بھی کہتے تھے (فُرَوَشی بزبان پہلوی = فُرَوَہَر یا فُرَوَرْدِیگ)، بیرونی لکھتا ہے[3] کہ ان

---

[1] دین کرد (باب ہشتم ص ۷، س ۱-۳)، [2] تاریخ بیرونی (الآثار الباقیہ) میں گاہان باروں کے نام خوارزمی زبان میں دئے ہیں لیکن ان کی ترتیب اوستا کی ترتیب سے مختلف ہے (ص ۲۳۷-۲۳۸)

[3] الآثار الباقیہ، ص ۲۲۴،

ایام میں لوگ بروحِ اموات یعنی دخموں[1] پر کھانا رکھواتے تھے اور اپنے گھروں کی چھتوں پر پینے کی چیزیں رکھتے تھے تاکہ مُردوں کی رُوحیں (فَرَوَشی) کھائیں پئیں، اعتقاد یہ تھا کہ ان دنوں میں یہ روحیں غیر مرئی طور پر آکر اپنے خاندان کے لوگوں میں رہتی ہیں، لوگ اس موقع پر ثمرِ سروِ کوہی (حبّ العرعر) کی دھونی بھی دیتے تھے کیونکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کی خوشبو مُردوں کو مرغوب ہے،

زرتشتی سال کو نجومی سال کے ساتھ مطابق کرنے کے لئے ہر ایک سو بیس برس کے بعد ایک مہینہ بڑھایا جاتا تھا اور پھر کبیسہ کے پانچ دن اس مہینے کے آخر میں اور اضافہ کیے جاتے تھے، بعض خاص وجوہات کی بنا پر دوسو چالیس برس کے بعد اکٹھے دو مہینے بڑھا دیے جاتے تھے چنانچہ یزدگرد اوّل کے زمانے میں (سنہ ۳۹۹ء - سنہ ۴۲۰ء) آبہان کے مہینے کے بعد دو ماہ کا اضافہ کیا گیا تھا، اس کے بعد ہر سال آبہان اور آذر کے مہینوں کے درمیان پانچ دن بڑھائے جاتے رہے لیکن جب ایک سو بیس برس گذرے اور ایک ماہ کے اضافے کا وقت آیا تو اس سے غفلت کی گئی اور سال ناقص رہ گیا،[2]

معلوم ہوتا ہے کہ ساسانیوں کے زمانے سے پہلے سال کا آغاز مہر کے مہینے سے ہوتا تھا اور عیدِ مہرگان جو موسم خزاں کا تہوار تھا سال کا پہلا دن تھا،[3] لیکن تقویم میں بعض علامتیں ایسی موجود ہیں جن سے ایسا شبہ ہوتا ہے کہ بعد میں جب سال کا آغاز موسم بہار میں اعتدالِ روز و شب کے وقت پر مقرر کیا گیا تو ایک سال دذو

---

[1] دخموں کے متعلق دیکھو اوپر، ص ۳۸ - ۳۹، [2] بیرونی ص ۳۳ و ۴۵،

[3] مقابلہ کرو آنڈریاس - ہیننگ: "آثار مانویہ در پہلوی" (جرمن) ص ۱۸۹، ح ۱۔

(ماہ اہورمزد) کے مہینے سے شروع ہوا تھا[1]، گوٹ شمٹ[2] اور نولڈکہ[3] کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ ساسانیوں کے زمانے میں سال شماری کے دو طریقے تھے، ایک تو مذہبی تھا جس کی رُو سے سال کا آغاز موسم بہار میں اعتدالِ روز و شب کے موقع پر ہوتا تھا، دوسرا دیوانی جس کی رو سے سال کے ایام میں کوئی اضافہ نہیں کیا جاتا تھا جب تک کہ ایّام کبیسہ کی تعداد ایک ماہ کی مقدار تک نہ پہنچ جائے[4]، سوائے اس کے اور کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوتا تھا، پس نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ سال کا آغاز دو مرتبہ ایک ہی دن سے نہیں ہوتا تھا جب تک کہ ۱۲ × ۱۲۰ یعنی ۱۴۴۰ سال نہ گزر جائیں، شاہانِ ساسانی کی تخت نشینی کا دن اسی دوسری قسم کی تقویم کے مطابق مقرر کیا جاتا تھا،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سال شماری کے کئی طریقے رائج تھے اور ایّام کبیسہ کے اضافہ کرنے میں بہت سی بے قاعدگیاں ہوتی تھیں، ہمارے اس خیال کی تصدیق اس امر سے ہوتی ہے کہ بعض تہواروں کی تاریخیں جو بیرونی نے بتلائی ہیں وہ اُن مظاہر قدرت یا سال کے موسموں سے مختلف ہیں جن کے ساتھ وہ تہوار وابستہ ہیں، مثلاً بیرونی نے اُن دو تہواروں کو جو آذر جشن کہلاتے تھے موسم سرما کے تہوار بتلایا ہے حالانکہ معمولی تقویم کے مطابق جس میں فروردین کی پہلی تاریخ اعتدالِ ربیعی کے دن ہوتی ہے پہلا آذر جشن ۲۱ اگست اور دوسرا ۲۴ نومبر کو ہونا چاہیئے[5]،

---

[1] دیکھو کرسٹن سین: "انسان اوّلین ...." ص ۱۷۵ ببعد، [2] سیکسنی کی انجمن علمی کی رپورٹ سنہ ۱۸۶۲ء (جرمن)، [3] ترجمہ طبری ص ۴۰۶ ببعد، [4] مطلب یہ کہ چھ سال کے بعد ایک مہینہ بڑھایا جاتا تھا (مترجم)، [5] کرسٹن سین: "انسان اوّلین ...." ص ۱۷۹ ببعد، نیز دیکھو مارکوارٹ کا مضمون سودی میموریل میں ص ۱۱ ببعد

سال کے تہواروں میں سب سے زیادہ مقبول نوروز (نوگ روز) تھا، آج بھی ایران میں وہ مقبول عام ہے، وہ سال کا پہلا دن ہے اور باقاعدہ سالوں میں وہ بلا فاصلہ جشن فروردیگان کے بعد آتا تھا[1]، دین کرد کے بیان کے مطابق[2] اس روز تمام بادشاہ اپنی اپنی رعیّت کو خوش کرتے تھے اور کام کرنے والے لوگ یہ دن خوشی اور آرام میں بسر کرتے تھے، پہلوی کی ایک کتاب میں[3] جو نسبتہً متأخر زمانے کی لکھی ہوئی ہے وہ تمام گذشتہ اور آیندہ واقعات شمار کیے گئے ہیں جو نوروز کے دن واقع ہوئے یا ہونگے یعنی اُس وقت سے لے کر جب اہورمزد نے دنیا کو پیدا کیا اور افسانوی تاریخ کے شاندار واقعات ظہور میں آئے تا اختتامِ دنیا، بیرونی اور دوسرے عربی اور فارسی مصنّفین نے جشن نوروز کی توصیف کی ہے[4] اور فارسی شعرا مثلاً فردوسی اور منوچہری نے اس کے گیت گائے ہیں، وہ موسم بہار کا تہوار ہے جس میں قدیم اہل بابل کے تہوار زگمک کے بعض آثار پائے جاتے ہیں، نوروز کے دن وصول شدہ مالیات کو بادشاہ کے حضور میں پیش کیا جاتا تھا صوبوں کے نئے

[1] عہد اسلامی میں بھی جشن نوروز اعتدال ربیعی کے دن منایا جاتا رہا لیکن تقویم عربی میں جو چاند کے حساب سے چلتی ہے اس کی تاریخ ہر سال بدلتی رہتی تھی، اب آج کل ایران میں دوبارہ تقویم شمسی کا رواج ہو گیا ہے اور سال نوروز سے شروع ہوتا ہے، قدیم زرتشتی مہینوں کے نام بھی اختیار کر لئے گئے ہیں،
[2] ج ۳، ص ۴۱۹، طبع پشوتن سنجانا (ج ۹، ص ۴۸۷)، [3] متون پہلوی طبع جاماسپ اسانا، ج ۲، ص ۱۰۲ بعد، طبع دوم از مارکوارٹ (مودی میموریل ص ۷۴۲ بعد)، [4] الآثار الباقیہ، ص ۲۱۵،
[5] ایرلش (Ehrlich) نے مودی میموریل کے مجموعۂ مضامین میں (ص ۹۵ بعد) دو اقتباس کتاب المحاسن میں سے دئے ہیں جن میں سے ایک کا روسی ترجمہ موسیو انوس ترانت زیف (Inostrantzev) نوذور پر اپنی تحقیقات کے سلسلے میں شائع کر چکے ہیں ("مطالعات ساسانی" بزبان روسی، سنہ ۱۹۰۹ء، ص ۸۲ بعد)، اسی کا فارسی اور انگریزی ترجمہ مازندی نے کیا ہے جس کو اس نے نوروز کی مختصر تاریخ بقلم نریمان کے ساتھ ارمغان نوروز کے نام سے ایک چھوٹی سی کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے، (تتمۂ مجلۂ ایران لیگ، بمبئی)، میری کتاب "انسان اوّلین" کی دوسری جلد کا ایک ضمیمہ نوروز کے متعلق ہے (کتاب مذکور ص ۱۳۸ بعد)،

گورنر مقرر کئے جاتے تھے نئے سکے مضروب ہوتے تھے اور آتشکدوں کو پاک کیا جاتا تھا[1]، جشن نوروز چھ دن تک رہتا تھا، ان ایام میں شاہانِ ساسانی باضابطہ دربار کرتے تھے جس میں امرا اور خاندان شاہی کے ممبر ایک مقررہ ترتیب کے ساتھ باریاب ہوتے تھے اور انہیں انعام ملتے تھے، چھٹے دن بادشاہ کا ذاتی جشن ہوتا تھا جس میں صرف اس کے مقربین شریک ہوتے تھے، دراصل جشن نوروز کی جس قدر مقبول عام رسمیں تھیں وہ خاص طور پر پہلے اور چھٹے یعنی آخری دن ادا کی جاتی تھیں[2]، پہلے دن لوگ بہت سویرے اٹھ کر نہروں اور ندیوں پر جاتے تھے، نہاتے تھے اور ایک دوسرے پر پانی چھڑکتے تھے، آپس میں ایک دوسرے کو مٹھائیوں کے تحفے دیتے تھے، ہر شخص صبح اٹھتے ہی کلام کرنے سے پہلے شکر کھاتا تھا یا تین مرتبہ شہد چاٹتا تھا، بیماریوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہنے کے لئے بدن پر تیل کی مالش کی جاتی تھی اور موم کے تین ٹکڑوں کی دھونی لی جاتی تھی،

سال کے باقی تہواروں میں سے ہم صرف ان کا ذکر کرینگے جو زیادہ اہم ہیں، ہر مہینے کا وہ دن جس کا نام مہینے کے نام کے مطابق ہو روزِ عید ہوتا تھا، مثلاً روزِ تیر جو ماہِ تیر کی تیرھویں تاریخ کو ہوتا تھا جشن تیرگان کا دن تھا، اس دن لوگ غسل کرتے تھے اور گندم اور میوہ پکاتے تھے[3]،

پہلا آذر جشن (جشنِ آتش) شہریور کی ساتویں تاریخ کو منایا جاتا تھا جو ماہِ شہریور کا روزِ شہریور تھا، یہ آتشِ خانگی کا تہوار تھا، اس روز لوگ گھروں کے اندر

[1] جاحظ: کتاب التاج ص ۱۴۶، [2] آج کل نوروز کا تہوار تیرہ دن تک رہتا ہے اور پہلے اور تیرھویں دن زیادہ خوشی منائی جاتی ہے، تیرھواں دن اختتامِ جشن کا دن ہے،
[3] بیرونی، ص ۲۲۰،

بڑی بڑی آگیں جلاتے تھے اور گرمجوشی کے ساتھ خدا کی حمد و ثنا کرتے تھے، آپس میں مل کر کھاتے پیتے اور تفریح کرتے تھے، لیکن یہ جشن ایران کے صرف خاص خاص حصوں میں منایا جاتا تھا[۱]،

ایک بہت بڑا تہوار جشن مہرگان یعنی جشن متھرا تھا جو ماہِ مہر کے روز مہر یعنی سولھویں تاریخ کو منایا جاتا تھا، قدیم زمانے میں یہ دن جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں سال کے آغاز کا دن تھا چنانچہ اب بھی بعض علامتیں ایسی موجود ہیں جن سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے، نوروز کی طرح مہرگان کے متعلق بھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ مبدأ و معاد اور افسانوی تاریخ کے خاص خاص واقعات کی یادگار ہے، مہرگان کے دن شاہانِ ایران ایک تاج پہنتے تھے جس پر ایک گھومتے ہوئے پہیئے کے اندر آفتاب کی شکل بنی ہوتی تھی، طلوعِ آفتاب کے وقت ایک سپاہی شاہی محل کے صحن میں کھڑے ہو کر بلند آواز کے ساتھ کہتا تھا: "اے فرشتو[۲]! دنیا میں اتر آؤ اور دیووں اور بدکاروں کو مارو اور انہیں دنیا سے نکال دو"۔ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ جو شخص مہرگان کے دن تھوڑا سا انار کھالے اور عرق گلاب کی خوشبو سونگھ لے وہ مصیبتوں سے بچا رہیگا[۳]،

ماہ آذر کی پہلی کو وَہار جشن (جشنِ بہار) منایا جاتا تھا کیونکہ آذر کی پہلی تاریخ عہدِ خسروان[۴] میں (یعنی اُس زمانے میں جب تقویم میں اختلال پیدا ہؤا) آغاز بہار کا دن تھا، عہدِ اسلامی میں یہ تہوار "خروج الکوسج" کہلاتا تھا، کسی بے ریش شخص (کوسہ) کو گھوڑے پر سوار کراتے تھے، وہ اپنے آپ کو پنکھا جھلتا تھا جو دراصل اس

۱؎ بیرونی ص ۲۲۱ - ۲۲۲، ۲؎ اس کے لئے پہلوی لفظ یزدان (یَزَت) یا شاید اَمِہ سپندان (امیشہ سپَنتَ) ہوگا، ۳؎ بیرونی ص ۲۲۲ - ۲۲۳، ۴؎ یعنی خسرو اول و دوم (مترجم)

بات پر خوشی کا اظہار ہوتا تھا کہ سردی کا موسم ختم ہوگیا اور گرمی کا موسم آپہنچا[1]،

وہار جشن کے چند روز بعد ماہ آذر کے روزِ آذر (نویں تاریخ) کو دوسرا آذر جشن ہوتا تھا، اس موقع پر لوگ دوبارہ اپنے آپ کو آگ سے گرم کرتے تھے "کیونکہ ماہ آذر موسم سرما کا آخری مہینہ ہے اور موسم کے آخر میں سردی کی شدت سب سے زیادہ ہوتی ہے[2]"

پرانی سال شماری کے حساب سے[3] ماہ دَذْو کی پہلی کو جشنِ خرّم روز ہوتا تھا، اس دن بادشاہ تخت سے اُتر آتا تھا اور سفید لباس پہن کر ایک چمن میں سفید قالین پر بیٹھتا تھا، اس وقت ہر شخص کو اجازت ہوتی تھی کہ اس سے بات کر سکے۔ تب بادشاہ بالخصوص دہقانوں اور کسانوں کے ساتھ باتیں کرتا تھا اور اُن کے ساتھ مل کر کھاتا اور پیتا تھا اور اثنائے گفتگو میں ان سے کہتا تھا کہ آج کے دن میں تمہارے برابر اور تمہارا بھائی ہوں کیونکہ دنیا کا قیام اور وجود زراعت سے ہے اور زراعت حکومت پر موقوف ہے پس زراعت اور حکومت ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتیں[4]،

جشن سیر سُور (لہسن کا تہوار) ماہ دذو کی چودھویں کو ہوتا تھا، اُس دن لوگ لہسن کھاتے اور شراب پیتے تھے اور گوشت کے ساتھ ترکاریاں پکاتے تھے جس سے غرض یہ ہوتی تھی کہ آفاتِ شیطانی سے محفوظ رہیں اور جنّات کے اثر سے جو بیماریاں ہوتی ہیں ان کی مدافعت کر سکیں[5]،

دذو کی پندرھویں کو رسم تھی کہ آٹے یا مٹّی کے چھوٹے چھوٹے انسانی بت بنا کر

[1] بیرونی ص ۲۲۵، دیکھو مسعودی: مروج الذہب ج ۳، ص ۴۱۳، جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ مصنّف کے زمانے میں اس جشن کو کیونکر منایا جاتا تھا اور کون کونسی عامیانہ تفریحات ہوتی تھیں (مصنّف) مولانا آزاد نے سخندان فارس میں (ص ۱۳۴-۱۳۵) اس جشن کی کیفیت لکھی ہے (مترجم)، [2] بیرونی ص ۲۲۵، [3] دیکھو اوپر ص ۲۲۳

[4] بیرونی ص ۲۲۵، [5] ایضاً ص ۲۲۶،

کلیمووا کا پیالہ

گھر کے دروازوں کے اوپر رکھتے تھے[5]،

دڈو کی سولھویں کو ایک تہوار منایا جاتا تھا جس کے دو مختلف نام تھے لیکن ان ناموں کے صحیح تلفّظ معلوم نہیں ہیں، ان میں سے ایک نام غالباً ایسا ہے جو لفظ "گاؤ" کے ساتھ مرکّب ہے، اس تہوار کا مبدأ فریدون کی داستان کے ساتھ وابستہ ہے، روایت یہ ہے کہ دڈو کی سولھویں کو فریدون ایک بیل پر سوار ہؤا، اس رات کو اُس بیل کا ظہور ہوتا تھا جو چاند کی گاڑی کو کھینچتا تھا، "یہ ایک نورانی بیل ہے جس کے سینگ سونے کے اور کھُر چاندی کے ہیں، وہ صرف ایک ساعت نمودار ہوتا ہے اور پھر غائب ہوجاتا ہے، جو شخص اس بیل کو اس کے نمودار ہونے کے وقت دیکھ لے اس کی دعائیں فوراً قبول ہوتی ہیں، کہتے ہیں کہ اسی رات کو ایک بڑے اونچے پہاڑ پر ایک سفید بیل کی صورت دکھائی دیتی ہے، اگر اس سال خوب سماں ہونا ہو تو وہ دو دفعہ ڈکراتا ہے اور اگر خشک سالی ہونی ہو تو ایک دفعہ ڈکراتا ہے[1]"۔ اس قصّے میں ایک بیل کا چاند کی گاڑی کو کھینچنا بہت دلچسپ ہے، لینن گراڈ کے عجائب خانۂ ہرمیتاژ[3] میں ساسانیوں کے زمانے کا ایک چاندی کا پیالہ ہے جس کا نام "کلیموو‌ا[4] کا پیالہ" ہے، اس کے اندر خدائے ماہتاب (ماہ) کی تصویر بنی ہے جو تخت پر بیٹھا ہؤا ہے اور اس کے گرد ہلال کا حلقہ ہے، اس کے نیچے گاڑی ہے جس کو چار بیل کھینچ رہے ہیں[5]

(دیکھو تصویر)

---

[1] بیرونی، [2] اس بیان میں اُس قدیم سال شماری کا نشان باقی ہے جس کی رو سے سال کا آغاز ماہ دڈو میں ہوتا تھا (دیکھو اوپر، ص ۲۲۳)، [3] Hermitage [4] Klimowa.

[5] ہرتسفلڈ: "تختِ خسرو" (مضمون در سالنامۂ صنائع پرشیا، ج ۱۴، ص ۱۰ و ۱۴۲ ببعد)،

ماہ سپندارمذ کا روز سپندارمذ اس مہینے کی پانچویں کو ہوتا تھا ، اس دن عورتوں کا ایک تہوار ہوتا تھا جس کو جشنِ مژدگیران کہتے تھے ، مرد اس موقع پر عورتوں کو تحفے دیتے تھے ، منجملہ اور رسوم کے ایک رسم یہ تھی کہ اس دن لوگ انار کے دانے سکھا کر اور پیس کر کھاتے تھے اور یہ بچھّو کے کاٹے کا علاج سمجھا جاتا تھا ، بچھّوؤں سے محفوظ رہنے کا ایک اور عمل بھی تھا وہ یہ کہ فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان کاغذ کے تین مربع ٹکڑوں پر کوئی منتر لکھا جاتا تھا اور ان تعویذوں کو گھر کی تین دیواروں پر لگا دیا جاتا تھا اور چوتھی دیوار خالی چھوڑ دی جاتی تھی تاکہ اس طرف سے بچھّو بھاگ جائیں[1] ،

سپندارمذ کی انیسویں کو ایک تہوار ہوتا تھا جس کا نام "نوروزِ آبہائے جاری" تھا ، لوگ اس دن بہتے پانی میں خوشبوئیں ، عرق گلاب اور اسی قسم کی اور چیزیں ڈالتے تھے[2] ،

مؤرّخ اگاتھیاس نے ایک مذہبی تہوار کا ذکر کیا ہے اور لکھتا ہے کہ ایرانیوں کے ہاں وہ سب سے بڑا تہوار ہے ، بقول اس کے اس کا نام "جشنِ ہلاکتِ حیواناتِ موذیہ" تھا ، اس دن ہر شخص کیڑے مکوڑے ، سانپ ، بچھّو اور دوسرے موذی جانوروں کو جو جنگلوں بیابانوں میں رہتے تھے کثیر تعداد میں ہلاک کرتا تھا اور اس کارِ خیر کے ثبوت کے لئے ان کے مُردے موبدوں کو لا کر دکھاتا تھا ، کسی اور مأخذ میں اس قسم کے تہوار کا ذکر دیکھنے میں نہیں آیا لیکن یہ ہمیں معلوم ہے کہ مزدائیت میں اس بات کا حکم ہے کہ موذی جانوروں کو ہلاک کیا جائے کیونکہ وہ اہرمن کی مخلوقات ہیں ، اور خاص خاص گناہوں کے کفّارے کے لئے ایک خاص تعداد میں موذی جانوروں کا مارنا ضروری تھا[3] ،

---

[1] بیرونی ، ص ۲۲۹ [2] ایضاً ، ص ۲۳۰ ، [3] مثلاً دیکھو وندیداد ، ۱۴ ، ۵ ، ۶ ،

وہمن کی دسویں کو وہ مشہور تہوار ہوتا تھا جس کو سَدَگ (فارسی: سدہ) کہتے تھے اور یہ خاص جشن آتش تھا جس کا ذکر اکثر عربی اور فارسی مصنفوں نے کیا ہے[1]، یہ جشن کبھی تو ہوشنگ کی داستان کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے جو پیشدادی خاندان کا پہلا بادشاہ تھا اور کبھی ظالم بیوراسب یا دہاگ کے افسانے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جس کو فردوسی نے ضحاک لکھا ہے، بقول بیرونی[2] "ایرانی لوگ سدگ کی رات کو دھونیاں دیتے ہیں تاکہ وہ بلاؤں سے محفوظ رہیں، بادشاہوں کی یہ رسم ہوگئی ہے کہ اس جشن کی رات کو آگ جلاتے ہیں اور اس کو مشتعل کرتے ہیں اور جنگلی جانوروں کو ہانک کر اس کے اندر لاتے ہیں اور پرندوں کو شعلوں کے آر پار اڑاتے ہیں اور آگ کے گرد بیٹھ کر شراب پیتے ہیں اور دل لگی کرتے ہیں"۔

وہمن کی تیسویں کو جشن آب ریزگان (جشن آب پاشی) ہوتا تھا، اُس دن لوگ پانی چھڑکتے تھے، یہ ایک ٹوٹکا تھا جس کے کرنے سے لوگ سمجھتے تھے کہ بارش ہوگی، بیرونی نے اس تہوار کا مبدأ عہد ہخامنشی سے پہلے کی افسانوی تاریخ کے ساتھ مربوط نہیں کیا بلکہ عہد ساسانی کے ایک تاریخی واقعہ کے ساتھ وابستہ کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ شاہ پیروز کے عہد میں بہت عرصے تک خشک سالی رہی، تب بادشاہ آتشکدۂ آذرخُورّہ (آذر فرّبگ) کی زیارت کو گیا اور وہاں جاکر دعا کی تو بارش ہوگئی، یہ تہوار اسی بارش کی یادگار میں منایا جاتا ہے[3]۔

---

[1] کرسٹن سین، "اولین انسان ..." ج ۱، ص ۱۶۴ ببعد، [2] بیرونی، ص ۲۲۶ - ۲۲۷

[3] بیرونی، ص ۲۲۸ - ۲۲۹، بقول دمشقی (ترجمۂ مہرن، ص ۴۰۵) عہد پیروز کی یادگار وہ آب پاشی ہے جو ایام نوروز میں ہوتی ہے، یہاں پیروز کا نام بجائے یِم کے رکھ دیا گیا ہے جو ایک قدیم افسانوی ہیرو ہے، (قدیم تر روایت بیرونی کے ہاں مذکور ہے)،

فال گیری کا کام مُغ کرتے تھے، آتش مقدّس کو دیکھ کر وہ آیندہ کا حال بتاتے تھے[1]، اور چونکہ وہ علم نجوم سے بہرہ مند ہوتے تھے لہذا وہ زائچے بھی تیار کرتے تھے، لیکن اس کے علاوہ ایک عامیانہ علم نجوم بھی تھا، بیرونی نے سال کے منحوس اور مبارک دنوں کی ایک فہرست دی ہے[2] اور مہینے کی کسی تاریخ کو سانپ کے دیکھنے سے جو جو پیشینگوئیاں کی جا سکتی ہیں وہ بھی بتلائی ہیں مثلاً یہ کہ فلاں دن اور فلاں تاریخ کو سانپ دیکھنے سے بیماری آئیگی یا کسی عزیز کی موت کا صدمہ ہوگا یا شہرت و عزّت حاصل ہوگی یا روپیہ ملیگا یا سفر پیش آئیگا یا بدنامی اور سزا ملیگی وغیرہ[3]، ستاروں کا قران یا تقابل خاص طور سے منحوس سمجھا جاتا تھا،

بلعمی نے ایک فارسی کتاب کا ذکر کیا ہے[4] جس کا نام اس نے "کتاب تفاءل" بتایا ہے، اس میں وہ تمام فالیں درج تھیں جو ایرانیوں نے ایّام جنگ میں فتح و شکست کا حال معلوم کرنے کے لئے نکالیں اور وہ سچّی ثابت ہوئیں، بلعمی نے اس کتاب کی ایک عبارت بھی نقل کی ہے[5]،

---

[1] اگاتھیاس، ۲، ۲۵، [2] ص ۲۳۱-۲۳۲،

[3] مقابلہ کرو روزن برگ (Rosenberg) : "پارسی ادبیات پر اطّلاعات" (فرانسیسی)، پطرزبورغ ۱۹۰۹ء، ص ۴۹، نمبر ۱۸ "مارنامہ" (منظوم)،

[4] ترجمہ زوٹن برگ، ج ۲، ص ۳۲۲،

[5] موسیو اینوس ترانت زیف (Inostrantzev) نے روسی زبان میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں ایرانیوں کے تفاءل اور توہّمات پر (جو عربی کتابوں میں مذکور ہیں) بحث کی ہے، (مطبوعہ پطرزبورغ ۱۹۰۷ء)،

باب چہارم

مانی پیغمبر اور اُس کا مذہب

شاپور اوّل کی تخت نشینی - تاج پوشی کا برجستہ کتبہ - مانی اور اس کی تعلیم - مانویوں کی معاشرت اور نظام کلیسائی - تبلیغ مانویت بعد از وفات پیغمبر - صنائع مانویہ ،

بانیٔ خاندانِ ساسانی (اردشیر اوّل) ۲۴۱ء میں فوت ہوا[1]، نقش رجب کا برجستہ کتبہ اس کے بیٹے شاپور اوّل کے جلوس کی یادگار ہے جس کے اندر (ایک برجستہ تصویر میں) اس کو اہورمزد کے ہاتھ سے حلقۂ سلطنت لیتے ہوئے دکھایا گیا ہے ، یہ تصویر اردشیر اوّل کی اسی قسم کی تصویر کی نقل ہے جو نقش رستم میں ہے اس میں بھی اُسی طرح بادشاہ اور اہورمزد گھوڑوں پر سوار ہیں اور دونو کی ہیئت اور لباس بالکل وہی ہے ، صرف اتنا فرق ہے کہ اس میں خدا بائیں طرف اور بادشاہ دائیں طرف ہے اور جو اشخاص اردشیر کی تصویر میں زمین پر افتادہ دکھائے گئے ہیں وہ اس میں نہیں ہیں ، بادشاہ کی تصویر اچھی حالت میں محفوظ نہیں ہے اور اس کی جزئیات زیادہ واضح نہیں ہیں ، اہورمزد کے سر پر وہی دیوار دار روایتی تاج ہے جس کے اوپر سے اس کے گھونگر والے بال دکھائی دے رہے ہیں ، تاج کے ساتھ جو

[1] اس تاریخ پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے ، اردشیر اوّل کا عہدِ سلطنت ۲۲۶ء سے ۲۴۱ء تک تھا ،

بڑے بڑے پھندنے آویزاں ہیں وہ اس کے پیچھے ہوا میں لہرا رہے ہیں، گلے میں موتیوں کا ہار ہے اور اس کے نیچے سینے پر ایک بکسوا ہے جس کے ذریعے اس کا جبہ بندھا ہوا ہے، پنڈلی کے اوپر اس کی شلوار کے شکن نہایت خوبصورت ہیں، گھوڑے کی گردن اور سینے کی آرائش گول پتروں کی ایک زنجیر سے کی گئی ہے اور لمبوتری گیند (جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے) اس کی پچھلی ٹانگوں کے آگے دکھائی دے رہی ہے،[۱]

شاپور کی باضابطہ تاجپوشی ۲۴۲ء میں ہوئی،[۲] ابن الندیم کے بیان کے مطابق مانی پیغمبر کا سب سے پہلا وعظ[۳] شاپور کی تاجپوشی کے دن بتاریخ یکم نیسان

---

[۱] زارہ - ہرتسفلٹ: "کتبہ ہائے برجستۂ ایران" ص ۹۷، تصویر نمبر ۱۳،

[۲] قدیم دستور کے مطابق تاجپوشی کی رسم جلوس کے بعد سب سے پہلے نوروز کے موقع پر ادا کی جاتی تھی، دیکھو شیڈر کا مضمون در نومون (Gnomon) ج ۹، ص ۳۵۰،

[۳] مانویت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے قدیم مآخذ میں سے اہم ترین وہ رسالے ہیں جن میں عیسائی مصنفین نے مذہبی مباحثے لکھے ہیں، ان میں خاص طور پر قابل ذکر حسب ذیل ہیں:- رسالہ ٹیٹس بسترائی (Titus of Bostra)، رسالہ سینٹ آگسٹائن St. Augustine، ایکٹا آرکیلائی (Acta Archelai) اور یونانی اور لاطینی زبان میں توبہ و استغفار کی وہ دعائیں جو مانویوں سے عیسائی مذہب اختیار کرنے پر پڑھوائی جاتی تھیں، ان کے علاوہ فلسفۂ نو افلاطونی پر سکندر لیکوپولسی (Alexander of Lycopolis) کی کتاب اور سیوروس انطاکی (Severus of Antioch) کے خطبات سریانی میں سے خطبہ نمبر ۱۲۳ اور سریانی بشپ تھیوڈور بارکونائی کی "کتاب الحواشی" (Book of Scholia)، یہ آخری کتاب اور ابن الندیم کی کتاب الفہرست آفرینش کائنات کے متعلق مانویت کے عقاید پر بہترین مآخذ میں سے ہیں، بعض اور عربی کتابیں خصوصاً بیرونی کی الآثار الباقیہ بھی اس بارے میں مفید معلومات پر شامل ہیں۔ زمانۂ حال میں مانویت کا مطالعہ سب سے پہلے ان محققین نے کیا ہے جو عیسائی مذہب کی تاریخ کے ماہر ہیں، ان کے نام اور ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:-

۱- دو بوسوبر (de Beausobre): "مانی اور مانویت کی تنقیدی تاریخ" (فرانسیسی)، امسٹرڈم ۱۷۳۴ء - ۱۷۳۹ء

۲- باؤر (Baur): "نظام مذہب مانوی" (جرمن)، ۱۸۳۸ء، طبع دوم گوٹنگن ۱۹۲۸ء

۳- فلوگل (Flügel): "مانی، اس کی تعلیم اور اس کی تصانیف" (جرمن)، ۱۸۶۲ء،

(گذشتہ سے پیوستہ) :-

یہ کتاب ابن الندیم کی الفہرست کے اقتباسات، ان کے جرمن ترجمے اور حواشی پر مشتمل ہے،

۴- کیسلر (Kessler) : "مانی اور مذہب مانویت پر تحقیقات" (جرمن) ۱۸۸۹ء (ناتمام)

۵- کیومون (Cumont) : "مانویت پر تحقیقات" (فرانسیسی)، ۱۹۰۸ء۔ اس کتاب میں آفرینش کائنات کے متعلق مانوی عقاید پر بحث ہے اور اس کا مأخذ تھیوڈور بارکونائی کی کتاب کے وہ اقتباسات ہیں جو دس سال پیشتر موسیو پونیوں (Pognon) نے شائع کئے تھے،

بیسویں صدی میں جرمنی، فرانس اور انگلستان کے بڑے بڑے علمی وفد چینی ترکستان میں گئے (دیکھو اوپر ص ۵۰ بعد) اور وہاں انھوں نے مانوی کتابوں کے بہت سے اجزا ڈھونڈ کر نکالے جو بزبان پہلوی (بہ لہجۂ شمالی وجنوب مغربی) اور اس کے علاوہ سغدی، اویغوری اور چینی زبانوں میں لکھے ہوئے ہیں، ان میں سے بہت سے شائع کیے جاچکے ہیں، اس سلسلے میں اہم ترین اشاعات حسب ذیل ہیں :-

۱- میولر (F. W. K. Müller) : "آثار مخطوطات ترفان بخط اسٹرانگلو" (جرمن) ۱۹۰۴ء

۲- " (F. W. K. Müller) : "مانوی مناجات کی ایک کتاب کے دو ورق" (جرمن) ۱۹۱۳ء

۳- سالمن (Salemann) : "مطالعات مانوی" (جرمن، در رسالۂ اکیڈمی پطرزبورغ)، ۱۹۰۸ء

۴- " (Salemann) : "مانیکائیکا" (Manichaica) ، ج ۱ تا ۵، (رسالۂ اکیڈمی پطرزبورغ، ۱۹۰۷ء - ۱۹۱۲ء)،

۵- ایضاً : "مانیکائیکا در زبان پہلوی"۔ ج ۱ تا ۳، طبع آنڈریاس وہیننگ (Andreas & Henning) (روئداد پرشین اکیڈمی، ۱۹۳۲ء، ۱۹۳۳ء، ۱۹۳۴ء)،

۶- ہیننگ : "آفرینش کائنات کے متعلق ایک مانوی بھجن" (گوٹنگن کی انجمن علمی کی روئداد، ۱۹۳۲ء)

۷- " : "عقیدۂ مانویت میں انسان اوّلین کی پیدائش اور بعثت" (گوٹنگن کی انجمن علمی کی روئداد ۱۹۳۳ء)

۸- فون لوکوک (Von le Coq) : "خوچو کے مانوی آثار بزبان ترکی" (روئداد پرشین اکیڈمی، ۱۹۱۱ء، ۱۹۱۹ء، ۱۹۲۲ء)،

۹- شٹائن (Stein) : "خواست توانست کا ترکی ترجمہ جو مقام تون ہوانگ میں دریافت ہوا" (جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۱۱ء)،

۱۰- شاوان و پیلیو : "ایک مانوی رسالہ جو چین میں ملا" ، ۱۹۱۱ء،

(گذشتہ سے پیوستہ)

ان کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے قطعات میولر، لوکوک، بانگ اور پیلیو نے شائع کئے ہیں، پرشین اکیڈمی کی روئداد بابت ۱۹۲۶ء میں والڈشمٹ اور لنتس (Waldschmidt & Lentz) نے ایک چینی دستاویز شائع کی تھی جس میں مانوی بھجن اور کچھ پہلوی اور سغدی قطعات دئے ہیں جن میں اس بات پر بحث ہے کہ مانویت میں حضرت عیسیٰؑ کا کیا رتبہ ہے، ۱۹۳۳ء میں انہیں دونوں مصنفوں نے ایک رسالہ شائع کیا جس کا نام "عقائدِ مانویہ ماخوذ از کتب چینی و ایرانی" (بزبان جرمن) ہے، رائیٹسن شٹائن (Reitzenstein) نے جرمن میں چند کتابیں لکھی ہیں جن میں مانویت کے متفرق مسائل پر بحث ہے اور ان میں شمالی پہلوی کے چند اقتباسات دئے ہیں جو اب تک شائع نہیں ہوئے تھے۔ ان کا جرمن ترجمہ ان کے ساتھ شامل ہے جو آنڈریاس نے کیا ہے، ان آخری سالوں میں مانویت پر جو تحقیقات ہوئی ہے اور اس کے جو نتائج شائع ہوئے ہیں ان میں اشاعاتِ ذیل قابل ذکر ہیں:-

۱- الفرک (Alfaric): "خطوط مانوی" (بزبان فرانسیسی)، ۱۹۱۸ء - ۱۹۱۹ء

۲- جیکسن کے مضامین جو انگلستان اور امریکہ کے رسالہ ہائے انجمن آسیائی میں مانویت کے بعض مبہم مسائل پر شائع ہوتے رہے ہیں، نیز اس کی کتاب "مانویت پر تحقیقات" (نیویارک ۱۹۳۲ء) جس میں اہم ترین متون کا مطالعہ اور شرح کی گئی ہے،

۳- رائیٹسن شٹائن و شیڈر: "قدیم اتحادِ مذاہب کا مطالعہ" ۱۹۲۶ء،

۴- شیڈر: "نظام مذہب مانوی کی ابتداء و ترقی" (وار برگ، ۱۹۲۷ء)،

۵- ویزن ڈونک (Wesendonk): "مانویت میں بعض ایرانی خداؤں کے ناموں کا استعمال" (جرمن) (Acta Orientalia)، ج ۷ ص ۱۱۴ ببعد،

گذشتہ چند سال کے عرصے میں مصر میں بہت سے حصیری کاغذات (papyrus) ملے ہیں جن میں مانوی تصانیف کے قطعات ہیں، ان میں سب سے اہم کتاب کفلائیہ کے ایک بڑے حصّے کا قبطی ترجمہ ہے جس کے بعض حصوں نے شمٹ (Schmidt) اور پولوٹسکی (Polotsky) نے مع جرمن ترجمہ شائع کئے ہیں (روئداد پرشین اکیڈمی ۱۹۳۳ء)، ان میں مانی کی زندگی اور اس کی تعلیم کے متعلق بعض ایسی اطلاعات دی گئی ہیں جن کا اب تک کسی کو علم نہ تھا، ان قطعات کا ایک حصّہ جو موسیو شمٹ کو قاہرہ میں ملا تھا اب برلن میں ہے اور ایک حصّہ جو مسٹر چیسٹر بیٹی (Chester Beatty) نے فیوم میں خریدا تھا لنڈن میں ہے، یہ قبطی زبان میں متونِ مانوی کا ایک نامرتّب اور ناقص مواد ہے لیکن موسیو اِبشر (Ibscher) نے قابلِ تعریف ذہانت کے ساتھ اس میں سے ۹۶ ورق ترتیب کے ساتھ لگانے میں کامیابی حاصل کی ہے لیکن ان کی عبارت کم و بیش ناقص ہے، ان اوراق میں وعظوں کا ایک سلسلہ ہے جو مانی کے مریدوں نے لکھے ہیں

بروز اتوار ہوا جبکہ آفتاب برج حمل میں تھا، اگر اس روایت پر اعتبار کیا جائے تو پھر ان دونوں واقعات کی تاریخ ۲۰ مارچ ۲۴۲ء ہونی چاہیئے، لیکن کفلائیہ میں ایک مقام ہے[1] جس میں خود مانی ہمیں اطلاع دیتا ہے کہ اردشیر اوّل کے عہد میں اس نے ہندوستان کا سفر کیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو اپنے مذہب کی دعوت دے اور یہ کہ اردشیر کی وفات اور شاپور کی تخت نشینی کی خبر سن کر وہ ایران واپس آیا اور خوزستان میں شاپور سے ملا[2]،

مانی ایرانی النسل اور عالی خاندان تھا، روایت یہ ہے کہ اس کی ماں اشکانی خاندان سے تھی اور مانی کی پیدائش کے وقت یہ خاندان ابھی سلطنت ایران پر حکومت کر رہا تھا، ممکن ہے کہ اس کا باپ فاتک بھی اسی گھرانے سے تعلق رکھتا ہو[3]، فاتک ہمدان کا رہنے والا تھا جس کا پرانا نام اکبٹانا تھا، وہاں سے وہ ہجرت کر کے بیبی لونیا (بابل) آیا اور ولایت میسین کے ایک گاؤں میں اس نے

(گذشتہ سے پیوستہ) اور ان کا بیشتر حصہ تیسری صدی عیسوی کی تصنیف ہے، ان متون کو مع جرمن ترجمہ موسیو پولوٹسکی نے "مواعظ مانویہ" کے نام سے شائع کیا ہے جس کے ساتھ موسیو ابشیر کا ایک مضمون بھی شامل ہے (سٹٹ گرٹ ۱۹۳۴ء)، ان مواعظ کی تاریخی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ ان میں مانی کے لیئے سزائے موت کا فیصلہ سنائے جانے اور اس کے قتل کے متعلق بہت قیمتی اطلاعات ہیں (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاپور اوّل اور اس کے جانشین ہرمزد اوّل نے مانی کو برابر اپنی حفاظت میں رکھا)، اس کے علاوہ بہرام دوم کے عہد میں مانویوں پر تعدی، مانی کے جانشین سیس کے قتل کئے جانے اور انائیوس کے جانشین ہونے کی کیفیت بھی ان میں درج ہے، ان میں جو چیزیں سب سے آخر میں شائع ہوئیں ان سے میں نے آخری وقت میں جبکہ کتاب مطبع میں جا رہی تھی بہت عجلت کی حالت میں تھوڑا بہت استفادہ کیا،

[1] شمٹ۔ پولوٹسکی (Schmidt—Polotsky)، ص ۴۷ ببعد، [2] دیکھو شیڈر کا مضمون در رسالۂ (Gnomon) ج ۹، ص ۳۴۹ ببعد، بقول شیڈر ہندوستان سے مراد دریائے سندھ اور گندھار کا علاقہ ہے جو اس زمانے میں ساسانیوں کی سلطنت میں تھا، [3] شیڈر: "نظام مانویت کی ابتدا..." ص ۶۸ - ۶۹، ح ۴،

سکونت اختیار کی[1]، یہاں اس کا میل جول فرقۂ مغتسلہ کے عیسائیوں کے ساتھ رہتا تھا جو عرفانی تھے اور دجلہ و فرات کے درمیان سکونت رکھتے تھے[2]، مانی ۲۱۵ء یا ۲۱۶ء میں یہیں پیدا ہوا، بچپن میں اس کی پرورش مذہب مغتسلہ میں ہوئی لیکن بڑے ہو کر جب اس نے اپنے زمانے کے بڑے بڑے مذاہب سے گہری واقفیت پیدا کی مثلاً زرتشتیت، عیسائیت[3]، عرفانیت، اور خصوصاً مذاہب باردیسان[4] و مارسیون[5] وغیرہ تو اس نے عقاید مغتسلہ کو ترک کر دیا، مانی کو متعدد دفعہ کشف و الہام ہوا جس میں ایک فرشتے "توم" نامی نے اس کو حقایق ربّانی سے آگاہ کیا، بالآخر اس نے اپنے مذہب کی تعلیم دینی شروع کی اور فارقلیط ہونے کا دعوی کیا جس کے آنے کی خبر حضرت عیسیٰؑ نے دی تھی[6]، اس نے کہا کہ "خدا کے پیغمبروں نے وقتاً فوقتاً لوگوں کو حکمت و حقیقت سے آگاہ کیا ہے، مثلاً ایک زمانے میں بدھا پیغمبر اہل ہندوستان کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا پھر ایران میں زرتشت نے حق کی اشاعت کی اور پھر دیار مغرب میں حضرت عیسیٰؑ نے ہدایت خلق کا کام کیا، اب آخر میں میں جو کہ مانی خدائے برحق کا پیغمبر ہوں صاحب کشف و الہام ہو کر سرزمین بابل میں تعلیم حکمت و حقیقت کے لیے آیا

---

[1] شیڈر: مضمون بعنوان "حسن البصری" (Der Islam)، ج ۱۴، ص ۲۳، [2] دیکھو اوپر ص ۷۴
[3] انجیل کا ترجمہ سنہ ۲۰۰ء کے قریب سریانی زبان میں ہو چکا تھا، [4] باردیسان کا جو اثر عقاید مانویہ پر ہوا اس کے متعلق دیکھو ویزن ڈونک کا مضمون در رسالۂ (Acta Orientalia)، ج ۱۰، ص ۳۳۷ بعد، اور شیڈر کا مضمون در "مجلۂ تاریخ کلیسائی" (جرمن) سنہ ۱۹۳۲ء، ص ۲۱ بعد، (مصنّف) — باردیسان (Bardesanes) الرُّہا کا رہنے والا تھا، دوسری صدی عیسوی میں گذرا ہے، عرفانیت کے ایک فرقے کا بانی تھا (مترجم)، [5] (Marcion)، یہ بھی دوسری صدی عیسوی میں گذرا ہے اور باردیسان کی طرح ایک فرقے کا بانی تھا جو اس کے نام پر (Marcionite) کہلاتا ہے، دیکھو اوپر، ص ۴۴، (مترجم)، [6] فلوگل: "مانی" (بحوالۂ الفہرست)، ص ۵۱ و ۸۵، کفلائیہ (ص ۵۳) میں فرشتۂ مذکور کا نام "زندہ فارقلیط" دیا ہے، (دیکھو شیڈر در رسالہ نومون Gnomon، ج ۹، ص ۳۵۱ — ۳۵۲)،

ہوں[1]"۔ ایک ترانۂ حمد میں جو شمالی پہلوی میں ہے مانی کہتا ہے: "میں سرزمین بابل سے آیا ہوں تاکہ حق کی آواز ساری دنیا کو سنا دوں[2]"، مانی کا یہ دعویٰ تھا کہ میں سابقہ مذاہب کے اکمال کے لیے آیا ہوں اور خاتم النبیین ہوں، یہی دعویٰ انیسویں صدی میں بہاء اللہ نے بھی کیا تھا،

آفرینش کائنات کے متعلق مانی کا قول یہ ہے[3] کہ ابتدا میں دو جوہر اصلی موجود تھے ایک نیک اور ایک بد، پہلے کا نام جو کہ "پدرِ عظمت" ہے خدائے شرو شاؤ ہے جو کبھی زُروان کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے[4]، اس خدائے اوّلین کے پانچ مسکن یا مظہر ہیں[5] یعنی ادراک، عقل، فکر، تامّل، ارادہ اور پانچ ظلمانی عنصروں کے پانچ جہان ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر قائم ہیں اور "خدائے ظلمت" کے زیرفرمان ہیں، وہ یہ ہیں: (۱) دُھواں (یا کُہر)، (۲) برباد کرنے والی آگ، (۳) تباہ کرنے والی ہوا، (۴) گدلا پانی، (۵) اندھیرا، یہ دوسرا عقیدہ میسوپوٹیمیا میں بہت قدیم زمانے سے رائج رہا ہے[6]، زرتشتیت کے اس خیال کے ساتھ مانی کو بھی اتفاق

---

[1] بیرونی (الآثار الباقیہ ص ۲۰۷) بحوالۂ دیباچۂ شاپورگان از تصانیف مانی، دیکھو شمٹ پولوٹسکی ص ۴۱ بعد و ص ۴۵ بعد، شیڈر: "نومون" ج ۹، ص ۳۵۴ بعد، [2] قطعۂ (M. 4. a)،

[3] رجوع بہ مآخذ ذیل:- کیومون: "مذہب مانی پر تحقیقات"
فلوگل: "مانی"
آنڈریاس ہیننگ: "آثار مانویہ در زبان پہلوی" یا "پہلوی مانیکائیکا" ج ۱ و ۳،
شیڈر: "نظام مذہب مانوی کی ابتدا ....." ص ۸۸ بعد،
جیکسن: "مانویت پر تحقیقات"
ہیننگ: "آفرینش کائنات پر ایک مانوی بھجن"
شمٹ-پولوٹسکی: "ایک مانوی نو دریافت شدہ چیز"- ص ۶۲ بعد،

[4] دیکھو اوپر، ص ۱۹۵، [5] کیومون، ص ۱۰، والڈشمٹ-لینٹس: "مذہب مانوی میں حضرت عیسیٰ کا رتبہ" ص ۴۲، [6] کیومون، ص ۱۲،

ہے کہ یہ دو سلطنتیں (یعنی کشورِ نور و کشورِ ظلمت) تین طرف سے نامتناہی ہیں اور چوتھی سمت پر ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں،

شاہِ ظلمات نے جب نور کو دیکھا تو اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا، "پدرِ عظمت" نے اپنے قلمرو کی حفاظت کے لیے مخلوقِ اوّلین کو پیدا کیا، وہ اس طرح کہ سب سے پہلے اس نے "مادرِ حیات" یا "مادرِ زندگان" کو موجود کیا (جس کا نام بعض وقت رام راتخ بتایا جاتا ہے) اور اُس نے "انسانِ اوّلین" کو موجود کیا (جس کو بعض وقت اہورمزد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے[1])، پدرِ عظمت، مادرِ زندگان اور انسانِ اوّلین مذہب مانوی کی پہلی تثلیث ہے (باپ، ماں اور بیٹا[2])، تب انسانِ اوّلین نے پانچ بیٹے پیدا کیے جو عالمِ نور کے پانچ عنصر ہیں اور عالمِ ظلمت کے پانچ عنصروں کے مقابلے پر ہیں یعنی: (۱) اثیرِ صافی، (۲) ہوائے خوشگوار، (۳) روشنی، (۴) پانی، (۵) پاک کرنے والی آگ، ان کو مجسّم قرار دے کر "پانچ مہرسپند" کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے[3]، انسانِ اوّلین نے ان پانچ عنصروں کو زرہ بکتر کے طور پر پہن لیا اور شاہِ ظلمات کے ساتھ لڑنے کے لیے میدان میں اتر آیا، اُس نے بھی اپنے پانچ ظلمانی عنصروں سے اپنے آپ کو مسلّح کر لیا، حریف کو زیادہ قوی پا کر انسانِ اوّلین نے اپنے عنصروں کو شاہِ ظلمات کے آگے ڈال دیا اور وہ ان کو نگل گیا "جس طرح کہ ایک شخص اپنے دشمن کو روٹی میں زہرِ قاتل ملا کر کھلا

---

[1] انسانِ اوّلین کے بارے میں عرفانی عقاید کے متعلق دیکھو اوپر، ص ۴۶، یہ بات کہ "پدرِ عظمت" کا نام زروان اور انسانِ اوّلین کا نام اہورمزد تھا ثابت کرتی ہے کہ جو مزدائیت مانی کے علم میں تھی وہ زروانیت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی، (شیڈر: "نظامِ مذہبِ مانوی کی ابتدا ....." ص ۱۴۴)، [2] آنڈریاس - ہیننگ، ج ۲، ص ۳۲۴، ح ۷، [3] امہرسپندان، دیکھو اوپر، ص ۳۲ و ۱۸۸ ح ۳، آنڈریاس - ہیننگ، ج ۲، ص ۳۲۲، وغیرہ،

دیتا ہے[1]"۔ اس طرح پانچ نورانی عنصر پانچ ظلمانی عنصروں کے ساتھ مل گئے اور اس آمیزش سے ہمارے موجودہ پانچ عنصر وجود میں آئے جن میں مفید اور مضر خاصیتیں ساتھ ساتھ پائی جاتی ہیں، اس کے بعد انسان اوّلین نے جو مصیبت و عذاب میں مبتلا تھا باپ کو سات مرتبہ مدد کے لئے پکارا، باپ نے اس کو بچانے کے لیے مخلوق دوم کو پیدا کیا، سب سے پہلے عالم نور کا یاور نریسف[2] وجود میں آیا، اس نے بانِ اعظم کو موجود کیا اور بانِ اعظم نے روحِ زندہ کو موجود کیا جو مانویانِ مغرب کے نزدیک "خالق" ہے اور ایران کی جنوب مغربی زبان میں اس کو مہریزد (خدائے متھرا) کہا گیا ہے یہ دوسری تثلیث ہے[3] (نریسف، بانِ اعظم، روحِ زندہ)، روحِ زندہ نے پانچ بیٹے پیدا کیے: (۱) زینتِ شوکت، (۲) بادشاہِ عزّت، (۳) آدم نورانی؛ (۴) بادشاہِ جلال، (۵) حامل (اوموفوروس)[4]، ان پانچ بیٹوں کو ساتھ لے کر وہ کشورِ ظلمات میں اُتر آیا اور تیز تلوار کی مانند ایک گرجتی ہوئی آواز نکالی اور انسانِ اوّلین کو بچا لیا[5]، تب روحِ زندہ نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ کشورِ ظلمات کے ارکان کو قتل کر کے ان کی کھالیں اتاریں، ان کھالوں سے مادرِ حیات نے آسمان بنایا لیکن ان کے جسم ارضِ ظلمات پر پھینک دیے گئے اور ان کے گوشت سے

---

[1] تھیوڈور بارکونائی (کیومون، ص ۱۸)، یہ عقیدہ افسانۂ مردوک و تیامت کی یادگار ہے، دیکھو اوپر، ص ۱۲۳،

[2] شمالی پہلوی میں اس طرح ہے، سغدی زبان میں نریشنخ ہے، یہ وہی نام ہے جو اوستا میں نائریوسنگھا ہے، دیکھو اوپر، ص ۲۰۴، ح ۱ ، [3] دیکھو جیکسن کا مضمون بہ عنوان "خلق ثانی در عقیدۂ آفرینش مانوی" (جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا صد سالہ تتمہ، ۱۹۲۴ء ص ۱۳۷ بعد)، نیز "مانویت پر تحقیقات" ص ۲۷۱ بعد،

[4] Omophoros. ، [5] روحِ زندہ کی آواز اور انسانِ اوّلین کے جواب کو مجسّم قرار دے کر وہ خدا بنائے گئے ہیں جن کے نام خروشتنگ اور پذواختنگ ہیں (شیڈر: قدیم اتحادِ مذاہب پر مطالعات" — ص ۲۶۳ بعد، شمٹ - پولوتسکی، ص ۷۶ بعد)،

زمین بنائی اور ہڈیوں سے پہاڑ بنائے، یہ ایک قدیم افسانۂ آفرینشِ کائنات کی نئی شکل ہے جس کے بعض آثار زرتشتی روایت میں بھی موجود ہیں[۱]، جہان جو کہ دیووں کے ناپاک جسموں سے بنایا گیا ہے دس آسمانوں اور آٹھ زمینوں پر مشتمل ہے[۲]، ہر آسمان کے بارہ دروازے ہیں، زینتِ شوکت آسمانوں کو بلند کیے ہوئے ہے اور حاملِ زمین کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے جس طرح کہ اساطیرِ یونان میں اطلس نے کندھوں پر زمین اٹھا رکھی ہے، بادشاہِ عزت جہان کے وسط میں بیٹھا ہوا ہے اور دوسرے محافظ خداؤں کو حکم احکام دیتا ہے،

تب روحِ زندہ نے فرزندانِ ظلمت کو . . . . شکلیں دکھائیں اور ان کے . . . جذبات کو برانگیختہ کیا[۳] جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ حصہ اُس نُور کا جس کو وہ نگل گئے تھے انھوں نے نکال پھینکا، اس نور کے ذرّات سے اس نے سورج، چاند اور ستارے پیدا کئے جس کے بعد اس نے ہوا، آگ اور پانی کے تین کُرے ("تین چکّر") بنائے جن کو بادشاہِ جلال زمینوں کے اوپر بلند کئے ہوئے ہے تاکہ ارکانِ ظلمت کا زہر خدائی مخلوقات کے گھروں پر گرنے نہ پائے،

حفاظت کے انتظام کو مکمل کرنے کے لیے پدرِ عظمت نے پیامبر یا "رسولِ ثالث" کو پیدا کیا جس کے القاب روشن شہر یزد (خدائے عالمِ نور) اور نریسہ[۴] ہیں، شمالی پہلوی اور سُغدی میں اس کے نام مہر یزد اور مشیہاگے یعنی خدائے متھرا[۵] (مہر)

---

[۱] کرسٹن سین: "انسان اوّلین . . ." ج ۱، ص ۴۳ ببعد، [۲] ایک اور روایت میں چار زمینیں ہیں، (آنڈریاس۔ ہیننگ، ج ۱، ص ۱۷۷)، [۳] اس کے ساتھ مزدائی افسانے کا مقابلہ کرو جو اوپر (ص ۲۰۳ پر) بیان ہوا ہے، [۴] اوستائی زبان میں ناٹریوسنہا ہے، نریسہ اس کی وہ شکل ہے جو جنوب مغربی ایران میں رائج تھی، دیکھو اوپر، ص ۲۰۴، [۵] ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ جنوب مغربی زبان میں خدائے متھرا روحِ زندہ کا نام ہے،

ہیں، اس کی پیدائش سے سات خداؤں کا ہفتگانہ مکمل ہوگیا جو دین مزدائیت کے
سات امہرسپندوں کی جماعت کے مطابق ہے، اس کے علاوہ خدایانِ ہفتگانہ کا
عقیدہ مانی کے زمانے میں کلدانیوں کے ہاں بھی تھا جس میں دو تثلیثیں تھیں اور
ایک اکیلا خدا تھا[1]، پیامبر کے ہاں بارہ نورانی بیٹیاں پیدا ہوئیں[2] یعنی: ۱۔سلطنت
۲۔حکمت، ۳۔نصرت، ۴۔یقین، ۵۔طہارت، ۶۔صداقت، ۷۔ایمان،
۸۔صبر، ۹۔دیانت، ۱۰۔احسان، ۱۱۔عدل، ۱۲۔نور، خود پیامبر کو ایک
طرح کی دوشیزۂ نور خیال کیا جاتا ہے[3]، اس نے سورج میں رہائش اختیار کی[4] اور چاند
اور سورج کی کشتیوں کو چلانا شروع کیا، ستارے، سورج، چاند، اور بروج ایک طرح
کی مشین ہیں جس کا عمل ذرّاتِ نور کو ظلمت کی آمیزش سے علیحدہ کرنا اور ان کو فلکِ
نور تک پہنچانا ہے، پیامبر کے حکم سے "تین چکر" چلنے لگے اور بانِ اعظم نے
ایک نئی زمین بنائی اور دیووں کے لیے ایک جیل خانہ تعمیر کیا، اس طریقے سے
تمام کائنات کی باقاعدہ حرکت شروع ہوئی، تب پیامبر نے وہی تجربہ دہرایا جو
پہلے روحِ زندہ نے کیا تھا یعنی ارکانِ ظلمت کو جو آسمان پر پابزنجیر تھے . . . .
شکلیں دکھلائیں، ان میں جو مرد تھے ان کے سامنے وہ ایک حسین عورت کی شکل
میں جلوہ گر ہوا اور جو عورتیں تھیں ان کے سامنے ایک خوبصورت جوان بن کر

[1] کیومون ص ۳۴، [2] بارہ بروج کے ساتھ مقابلہ کرو، کیومون ص ۳۶، [3] شمالی پہلوی
اور سغدی میں بعض قطعات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں اس تیسری پیدائش میں
بھی پہلی اور دوسری پیدائش کی طرح تثلیث کو مکمل کر دیا گیا: یعنی عیسٰی، دوشیزۂ نورانی اور
منوہ میذ بزرگ (شیڈر: "مطالعات" ص ۲۴۳ بعد)، جنوب مغربی زبان میں اس تثلیث کے تیسرے
شخص کا نام وہمن ہے (آنڈریاس۔ہیننگ، ج ۲، ص ۳۲۸، ح ۱ و ۲) اوستا کے گاتھاؤں میں وہ وُہومنا
ہے، [4] متھرا، خدائے آفتاب

آیا[1]، ارکانِ ظلمت نے . . . . نور کے بعض ذرّات جو اُنھوں نے نگلے تھے نکال پھینکے لیکن ساتھ ہی "گناہ" بھی خارج ہوُا جو زمین پر آن گرا، اس ظلمانی مادّے کا آدھا حصّہ تری (سمندر) پر گرا اور اس سے ایک دیو پیدا ہوُا جس کے ساتھ آدمِ نورانی نے جنگ کی اور اس کو مغلوب کیا، دوسرا آدھا حصّہ جو خشکی پر گرا اس سے پانچ درخت پیدا ہوئے جو تمام نباتات کا مبدأ تھے، ارکانِ ظلمت میں سے جو عورتیں تھیں . . . . ان کے نر اور مادہ بچے (مَزَن[2] اور آسریشتار[3]) زمین پر آن گرے جن سے تمام خشکی، تری، اور ہوا کے جانور پیدا ہوئے، اس طرح حیوانات اور نباتات ناپاک دیووں سے وجود میں آئے[4]،

بالآخر آز (حرص) نے آسریشتاروں اور مَزَنوں کو باہم سرشت کیا اور ان سے جو بچے پیدا ہوئے ان کو نگل گیا، اس کے بعد دو عفریتوں کے ہاں (جن میں سے ایک نر تھا اور ایک مادہ[5] اور جن کے نام سریانی روایت میں اَشقَلون اور نمرَئیل بتائے گئے ہیں) پہلے ایک لڑکا گیہمرد[6] اور پھر ایک لڑکی مُرد یانگ[7] پیدا ہوئی جن کو آدم و حوّا بھی کہا جاتا ہے اور جو نسلِ انسان کے باپ اور ماں ہیں، ان دونو کی اصل عفریتی تھی لیکن ان میں اور خصوصاً گیہمرد۔ آدم میں نور کے وہ باقی ماندہ ذرّات مجتمع ہو گئے جن کو دیووں نے محفوظ کر رکھا تھا، اس کی تعبیر یہ ہے کہ روحِ ربّانی کو

---

[1] کیومون ص ۴۵ ببعد، [2] اوستا میں دیُو مازنی مذکور ہیں جو بعد کی داستانوں میں "دیوانِ مازندرانی" ہو گئے جن کا ذکر فردوسی اور دوسروں کے ہاں ملتا ہے، [3] آنڈریاس۔ ہیننگ، ج ۱، ص ۱۹۵،
[4] مانوی قطعات میں سے ایک قطعہ (T. III. 260) کی رُو سے جس کو آنڈریاس۔ ہیننگ نے شائع کیا ہے نباتات اور حیوانات کی پیدائش نئی دنیا سے پہلے ہوئی، [5] آنڈریاس۔ ہیننگ، ج ۱، ص ۱۹۵،
[6] مزدائی عقیدۂ آفرینش میں اس کا نام گیومرد (کیومرث) ہے، دیکھو اوپر، ص ۱۹۲،
[7] زرتشتیوں کے ہاں اس کا نام مَشیانگ ہے (دیکھو اوپر، ص ۱۹۲)

پیکرِ ناپاک میں قید کیا گیا ہے[1]، اس کے بعد یسوعِ نورانی یا "جہانِ عقل" (خرذیشہر) کو پدرِ عظمت نے نہیں بلکہ دوسرے درجے کے خداؤں (پیامبر، مادرِ حیات، انسانِ اوّلین، اور روحِ زندہ) نے پیدا کیا اور گیہمرد - آدم کی طرف جو سو رہا تھا بھیجا تاکہ اس کو نیند سے جگائے اور اس کی فطرت و کیفیت سے اس کو آگاہ کرے اور نظامِ کائنات اُس کو سمجھا دے[2]، موسیو کیوموں لکھتے ہیں[3] کہ "مانویوں کے عقیدے میں مصائبِ مسیح کی ایک بڑی جرأت آمیز تمثیل ہے، وہ ان مصائب کو اُس جوہرِ ربّانی کی مصائب تصور کرتے ہیں جو قدرت کی تمام پیداوار میں موجود ہے اور ہر روز پیدا ہوتا ہے تکلیفیں اُٹھاتا ہے اور مرجاتا ہے، درختوں میں آکر وہ شاخوں کی صورت میں لٹکتا ہے یعنی "مصلوب" ہوتا ہے، پھلوں اور سبزیوں میں آکر وہ بطورِ غذا کے کھایا جاتا ہے، اسی لیے اُنھوں نے جوہرِ ربّانی کا نام یسوع بردبار رکھا ہے"۔ جب آدم کی روح اُس کے جسم میں بند کی گئی تو اس نے اس مصیبت سے تنگ آکر فریاد کی اور کہا کہ "نفرین ہے میرے جسم کے پیدا کرنے والے پر جس کے اندر میری روح مقید کر دی گئی ہے اور لعنت ہے اُن باغیوں پر جنھوں نے مجھے غلامی میں ڈلوایا[4]"، تب آدم کو نجات مل گئی اور وہ بہشت میں جا داخل ہوا[5]،

مانویوں کے نظامِ آفرینش کا خاکہ جو اب ہم پیش کرتے ہیں وہ سریانی اور عربی کتابوں سے ماخوذ ہے لیکن اس کی تکمیل اُن پہلوی قطعات سے کی گئی ہے جو تُرفان میں دستیاب ہوئے ہیں، کفلائیہ میں[6] اس کا پورا نقشہ دیا ہے جس کی رُو

---

[1] کیوموں ص ۴۶، [2] مانوی قطعات میں سے ایک (S. 9) میں یسوع کی بجائے اہورمزد کا نام ذکر کیا گیا ہے، [3] ص ۴۸، [4] کیوموں، ص ۴۹، [5] ہیننگ: "عقیدۂ آفرینشِ مانوی پر ایک بھجن" ص ۲۲۴-۲۲۵، [6] شمٹ - پولوٹسکی، ص ۶۲ ببعد،

سے پانچ باپ ہیں جن میں سے ہر ایک کی ایک ایک پشت ہے اور ہر ایک پشت میں تین تین شخص ہیں، کفلائیہ میں جو شجرۂ نسب دیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے[۱] :-

(۱) پدرِ عظمت

مادرِ زندگان	عاشقِ انوار	(۲) رسولِ ثالث
ستونِ شوکت	(۳) یسوعِ نورانی	دوشیزۂ نورانی
(۴) نفسِ نورانی[۲]	قاضیِ اعظم	[۰۰۰۰۰۰]
پیغمبرِ نور	ثانیِ اثنین	(۵) شخصِ نورانی
۱- فرشتہ	۲- فرشتہ	۳- فرشتہ

دنیا کے خاتمے پر ربّانی ہستیاں چاروں سمتوں سے آئینگی اور نئے بہشت کا معائنہ کرینگی اور قعرِ جہنّم پر بھی ایک نظر ڈالینگی، اس کے بعد نیکبخت لوگ اپنے عارضی بہشت سے نکل کر وہاں آپہونچینگے[۳]، دو فرشتے جو آسمان اور زمین کو اُٹھائے ہوئے ہیں اپنا اپنا بوجھ گرا دینگے، ہر چیز تباہ ہوجائیگی اور اس ابتری میں سے جو شعلے نکلینگے ان سے سارے جہان کو آگ لگ جائیگی، یہ آگ ۸۶۴۱ سال تک[۴]

---

[۱] شمٹ - پولوٹسکی، ص ۷۳، [۲] = منوہ میذ (شیڈر در رسالۂ نومون Gnomon ج ۹، ص ۳۵۶)

[۳] مرنے کے بعد "برگزیدہ" لوگ بہشت میں داخل ہونگے لیکن کمتر درجے کے مومن جو علائقِ مادی سے رہا نہیں ہوئے اپنے اپنے اعمال کے مطابق مختلف حالتوں میں دوبارہ اس دنیا میں پیدا ہونگے اور گنہگار جہنم میں جائینگے، [۴] سالوں کی اس تعداد کو مختلف طریقوں سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، کوئی شک نہیں کہ وہ ضرور نجوم یا جوتش کے کسی خاص حساب کا نتیجہ ہے، (اوگڈن: "مضامین مودی میموریل"، ص ۱۰۲ ببعد،)

جلتی رہیگی اور اس عرصے میں جس قدر ذرّاتِ نور کا ظلمت کی آمیزش سے نکالا جانا ممکن ہوگا نکالے جائینگے، نور کا تھوڑا سا حصّہ ہمیشہ کے لیئے ظلمت میں گرفتار رہ جائیگا لیکن خداؤں کو اس سے کچھ رنج نہیں ہوگا کیونکہ رنج کو ان کی طبیعت کے ساتھ مناسبت نہیں ہے اور سوائے خوشی اور زندہ دلی کے ان کو اور کسی چیز کا احساس نہیں ہوتا[1] دونو جہانوں کے درمیان ایک ناقابلِ گذر محکم دیوار کھینچ دی جائیگی اور عالمِ نور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امن میں رہیگا،[2]

مبدأ و معاد کے مانوی عقاید کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ وہ عرفانی عقاید سے مأخوذ ہیں، سکندر لیکو پولسی[3] نے جو غالباً سنہ ۳۰۰ء کے قریب گذرا ہے مانوی عقاید کا خلاصہ فلسفے کے رنگ میں بیان کیا ہے، اس کو دیکھ کر شیڈر نے یہ بات پہچانی[4] ہے کہ مانی نے (جو باردیسان کا پیرو تھا[5]) اپنے مذہب کی تعمیر فلسفۂ یونان کی بنیاد پر کی ہے، افسانہ و اساطیر کے پردے میں جو مجرّد خیال پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ دو اصل قدیم ہیں ایک خدا اور ایک مادّہ (حرکتِ نامنظّم)، خدا اصلِ خیر ہے اور مادّہ اصلِ شر، خدا نے حرکتِ نامنظّم کو منظّم بنانے کے لئے ایک طاقت پیدا کی یعنی روح، وہ مادّے کے ساتھ مل گئی، تب ایک اور طاقت پیدا کی یعنی خلّاقہ جس نے (روح کی) نجات کا کام شروع کیا، روح کا منبع خدا ہے لیکن جسم کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے وہ اپنی جگہ سے گر کر مادّے کے بس میں آگئی ہے اور

---

[1] قطعہ (از قطعات مانوی) در زبان پہلوی شمالی مترجمہ آنڈریاس، [2] فلوگل: "مانی" ص ۱۰۰ و ۱۰۱، شہرستانی ص ۱۹۱، (از روی روایت شاپورگان جس کے بعض قطعات اب دستیاب ہوئے ہیں، دیکھو میولر: "مخطوطات مانوی" - ج ۲، ص ۱۹ ببعد)، [3] (Alexander of Lycopolis)، [4] "نظام مذہب مانوی کی ابتدا ...." ص ۱۰۶ ببعد، [5] مقابلہ کرو شیڈر کا مضمون (رسالہ "تاریخ کلیسائی" ۱۹۳۲ء ص ۲۱-۴۷، بزبان جرمن)

اپنی اصل کو اور منزلِ مقصود کو بھول چکی ہے پس نورِ خدا اس کو بیدار اور آزاد کرتا ہے،
آدمی روح اور جسم کا مرکّب ہے، روح کلّیتہً عالمِ بالا کے ساتھ مربوط ہے اور جسم کا تعلق
کُلی طور پر عالمِ زیریں کے ساتھ ہے، ان دونو کا باہمی ربط نفس کے ذریعے سے ہے
کہ وہ بھی بلاشبہ عالمِ بالا کے ساتھ تعلّق رکھتا ہے لیکن چونکہ جسم کے ساتھ اس کا بھی
اتحاد ہے لہذا عالمِ زیریں کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے، عالمِ اصغر (یا عالمِ انسانی)
کے اس نظام کا جواب عالمِ اکبر میں موجود ہے کہ وہاں بھی اسی طرح سے حیاتِ ربّانی
و نورانی کی آمیزش مادّۂ ظلمانی کے ساتھ ہوئی ہے اور جس طرح افرادِ انسانی کو نجات کی
حاجت ہے اس کو بھی رہائی کی ضرورت ہے۔[1] ترکیبِ عالم کے اس مانوی تصوّر نے
اخلاق کو ایک عقلی اور مابعد الطبیعی بنیاد پر قائم کر دیا ہے یعنی اخلاقی عمل "گویا ایک
نہایت چھوٹے پیمانے پر عملِ ارتقائے کائنات کی تصویر ہے اور اس کے برعکس"۔[2]
سکندر لیکو پولسی کے بیان میں آفرینشِ کائنات کے متعلق مانوی عقاید کی جو صورت
پیش کی گئی ہے وہ خاص ان لوگوں کے لیے ہے جن کی طبیعتوں پر فلسفۂ یونان کا
اثر چھایا ہوا ہے'۔ ان ایّام میں جو قبطی کتابیں دریافت ہوئی ہیں ان سے ہمیں ایک
نیا مأخذ ہاتھ آیا ہے جس سے ہم بلا واسطہ مغربی مانویت کے متعلق معلومات حاصل
کر سکتے ہیں،

لیکن ان مآخذ میں مذہب مانوی کے متعلّق جو کچھ دیا ہے اس کی تشریح اس وجہ
سے مشکل ہو گئی ہے کہ ہر مأخذ میں عقایدِ مانویہ کے ایک مختلف پہلو پر بحث ہے اور

[1] شیڈر: "نظام مذہب مانوی۔۔۔"۔ ص ۱۱۰،
[2] ایضاً، ص ۱۱۴، شمٹ ۔ پولوتسکی، ص ۱۳ ببعد، شیڈر: رسالۂ نومون، ج ۹،
ص ۳۵۹،

ہر ایک میں ایک مختلف ماحول دکھایا ہے، مانوی تعلیم نے ہر نئے مذہبی ماحول میں ایک نیا رنگ اختیار کیا کیونکہ مانی کی یہ خواہش تھی کہ اس کا مذہب عالمگیر ہو، اسی لیے اس نے دانستہ اپنی تعلیم کو مختلف اقوام کے مذہبی خیالات کے ساتھ موافق کرنے کی کوشش کی اور ان کی دینی اصطلاحات کو اختیار کیا[۱]، سریانی یقیناً اس کی مادری زبان تھی لیکن اُس نے بعض کتابیں ایران کی زبانوں میں بھی لکھیں مثلاً شاپورگان (جس کے متعلق ہم آگے چل کر بحث کرینگے) اور بعض اور کتابیں اس نے جنوب مغربی یعنی ساسانی پہلوی میں تصنیف کیں اور بعض مناجاتیں شمالی یعنی اشکانی پہلوی میں لکھیں جو آج بھی موجود ہیں، مانی اور اس کے جانشینوں نے (جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں) مزدائی خداؤں کے نام مستعار لیے ہیں[۲] اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ایرانی مستمعین کے لیے اس کی باتیں زیادہ قریب الفہم ہوں، لیکن ان خداؤں کے علاوہ ایران کے قدیم داستانی ہیرو بھی (مثلاً فریدون) مانوی اساطیر میں داخل ہیں، بعض مانوی عقاید کو زرتشت کی زبان سے ادا کیا گیا ہے[۳]، برعکس اس کے بعض فرشتوں کے نام مثلاً گبرئیل، رفائیل، میکائیل، سرائیل، بارسیموس وغیرہ سریانی ماحول سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے ساتھ بعض قطعات میں جو یعقوب کا نام دیکھنے میں آتا ہے تو وہ غالباً وہی توراۃ والے پیغمبر ہیں[۴]، ان کو نریمان[۵] بتایا گیا ہے

---

[۱] شمٹ - پولوتسکی، ص ۵۹ ببعد، [۲] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود مانی نے زرتشتیت کی قدرشناسی میں مغربی روایات کی پیروی کی ہے، (شیڈر: گومون، ج ۹، ص ۳۵۴)، [۳] مثلاً دیکھو "سرودِ زرتشت" جو شمالی پہلوی میں ہے اور جس کو آنڈریاس نے ترجمہ کیا ہے، (رائٹسن تشٹائن: "یونان کے پُراسرار مذاہب"- ص ۱۲۶)، نیز آنڈریاس - ہیننگ، ج ۳، ص ۸۷۲، [۴] دیکھو پیٹرسن کا مضمون (مجلّۂ علوم دینیات - جرمن - بابت مئی ۱۹۲۸ء ص ۲۴۲)، [۵] بزبان اوستائی: نیریمنا،

جو ایران کے قدیم داستانی ہیرو کرَساشپ (گرشاسپ) کا لقب ہے[1]، مانوی قطعات جو جنوب مغربی، شمالی اور سغدی زبانوں میں لکھے ہوئے موجود ہیں اُن میں بعض اساطیری نام ایک دوسرے سے مختلف پائے جاتے ہیں[2]،

علیٰ ہذاالقیاس مانی کے مذہب پر عیسائی عقاید کا بھی بہت گہرا اثر پڑا ہے، مانوی مذہب کی تثلیثِ اوّل کے جو تین افراد ہیں یعنی پدرِ عظمت، مادرِ زندگان اور انسانِ اوّلین، ان کی ویسی ہی تعظیم ملحوظ ہے جیسی کہ عیسائی مذہب میں باپ، بیٹے اور روح القدس کی، کتبِ مانوی کے قطعات جو آج موجود ہیں ان میں انجیل کی بعض عبارتیں لکھی ہوئی ہیں، مانی کے مذہب میں عیسیٰ کو صدر میں جگہ دی گئی ہے لیکن چونکہ اس بارے میں مانوی عقاید کے متعلّق ہماری معلومات ناکافی ہیں لہذا ہم اس جگہ کو صحیح طور پر معیّن نہیں کر سکتے، البتّہ ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ مانویوں کا عیسیٰؑ وہ عیسیٰؑ نہیں ہے جس کو یہودیوں نے سولی پر چڑھایا، مسیحؑ کی ظاہری مصائب کو مانی نے مجاز کے طور پر روحِ نورانی کی اُن تکلیفوں کی علامت قرار دیا جو وہ عالمِ اسفل میں قید ہو کر بھگت رہی ہے[3]، مانی کے نزدیک حقیقی عیسیٰؑ ایک ربّانی ہستی تھی جس کو عالمِ نور سے آدم کی تعلیم کے لیے اور اس کو سیدھا راستہ دکھلانے کے لیے بھیجا گیا تھا، وہ مملکتِ نور کی طرف روحوں کا رہنما ہے[4]، مانی نے نجات کے بارے میں قدما کے خیالات کو عیسیٰؑ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہی بات (جیسا کہ موسیو بُوسے[5] نے نے ثابت کیا ہے) عرفانیوں نے بھی کی ہے، لیکن مانوی عقاید میں یہ ایک سطحی

[1] کرسٹن سین: "کیانیان"۔ ص ۹۹ بعد و ص ۱۲۹ بعد، [2] ہیننگ (O L Z) ۱۹۳۴ء، ص ۵ بعد،
[3] والڈشمٹ۔لینٹس (Waldschmidt—Lentz): "مذہب مانوی میں عیسیٰؑ کا رتبہ" ص ۲۴،
[4] والڈشمٹ۔لینٹس: "مذہب مانوی میں عیسیٰؑ کا رتبہ"۔ ص ۶۱ بعد، [5] (Bousset)،

اور مصنوعی اضافہ نہ تھا بلکہ مانی نے ایسا کرنے میں عیسائیوں کے "نجات دہندہ"[1] کی تاویل اپنے عقیدے کے مطابق کی ہے[2]،

تناسخ کا عقیدہ مانی نے ہندوستان کے مذہبی عقاید (غالباً بدھ مذہب) سے لیا ہے[3]، مذہب مانوی میں اس عقیدے کا مقام غیر معیّن ہے اور محققین اس بارے میں اختلاف رائے رکھتے ہیں، جیکسن نے اس مسئلہ پر مفصّل بحث کی ہے اور آخر میں اپنے مشاہدات کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے: "ہم یہ خیال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ خود مانی نے اس عقیدے کو اپنی مذہبی تعلیم کا ایک اصول قرار دیا اور یہ بتایا کہ دنیا میں کسی نہ کسی شکل میں دوبارہ پیدا ہونے کی سزا گناہگاروں کے لیے اور اُن لوگوں کے لیے ہے جو راسخ الاعتقاد نہیں ہیں، لیکن برگزیدہ لوگ اس سے بری ہونگے"۔ ویزن ڈونک کی رائے ہے کہ یہ کسی کی شخصیت نہیں جو دوبارہ پیدا ہوتی ہے بلکہ وہ اس کا باطنی نور ہے جو بار بار جنم لیتا ہے حتّٰی کہ وہ عالم نور میں فنا ہو جاتا ہے، علاوہ اس کے جب آگے چل کر مانویت کی ترویج وسط ایشیا میں ہوئی جہاں بدھ مذہب پہلے سے رائج تھا تو اس ماحول کے ساتھ بھی اس نے موافقت اختیار کی، ایک مانوی رسالے کا چینی ترجمہ[4] جو آج موجود ہے سر تا پا بدھ مذہب کے رنگ میں ہے،

مانویوں کی مذہبی معاشرت کے پانچ طبقے تھے جو پدر عظمت کے پانچ مظاہر

---

[1] Saviour. [2] والڈشمٹ - لینٹس: کتاب مذکور، ص ۷۷، شیڈر: "نظام مذہب مانوی کی ابتدا ..." ص ۱۵۰ بعد، آنڈریاس - ہیننگ، ج ۲، ص ۳۱۲ بعد، [3] والڈشمٹ لینٹس: کتاب مذکور، ص ۱۰، جیکسن: JAOS، ج ۴۵، ص ۲۴۶ بعد، ویزن ڈونک: AO ج ۷، ص ۱۷۸، آنڈریاس - ہیننگ، ج ۲، ص ۳۱۰، [4] شاوان و پیلیو (Chavannes & Pelliot) مجلۂ آسیائی (J. A.) سنہ ۱۹۱۱ع ص ۴۹۹ - ۶۱۷،

کے مطابق تھے، پہلا طبقہ فریستگان (بمعنی ایلچی) کا تھا جو تعداد میں بارہ تھے، دوسرا طبقہ اِسپَسگان (فستیبسُون) کا تھا جو تعداد میں ۷۲ تھے، تیسرا طبقہ مہشتگان (بزرگان) کا تھا جن کی تعداد ۳۶۰ تھی، چوتھا طبقہ وِزیدگان (برگزیدگان) کا اور پانچواں نیوشگان (سمّاعون) کا تھا جن کے ممبروں کی تعداد نامحدود تھی[1]، مانوی کتابوں میں آخری دو طبقوں کا ذکر اوروں کی نسبت بہت زیادہ آتا ہے، اُمّتِ مانویہ کی زیادہ تعداد نیوشگان پر مشتمل تھی جو مومنانِ باصفا تھے لیکن وزیدگان کی سی سخت ریاضت کا بار نہیں اُٹھا سکتے تھے،

مانویوں کا اخلاقی دستور العمل ایک سلسلۂ مواعظ پر مبنی تھا جس کو ہفت مُہر کہتے تھے جن میں سے چار تو روحانی اور اعتقادی تھیں اور تین عملی اخلاق کی ضامن تھیں، ان تین میں سے ایک "مُہرِ دہان" تھی یعنی کفر آمیز اور ناپاک کلام سے بچنا، دوسری "مُہرِ دست" یعنی ہاتھوں کو اُن تمام کاموں سے روکنا جن سے نور کو ضرر پہنچے، اور تیسری "مُہرِ دل" یعنی ناپاک اور شہوانی خواہشوں سے پرہیز کرنا[2]، ان تین عملی "مہروں" کے احکام وزیدگان اور نیوشگان کے لیے مختلف تھے، وزیدگان کو اجازت نہ تھی کہ ایسا پیشہ اختیار کریں جس سے عناصر کو ضرر پہنچے یا دولت کی تلاش کریں یا دنیاوی

[1] سوسائٹی کے یہ پانچ مدارج مصنوعی طور پر بنائے گئے ہیں اور اس طبقہ بندی کی تشریح میں بعض اختلافات ہیں، دیکھو شیدر: "ایرانیکا" (گوٹنگن کی علمی انجمن کی روئداد، سنہ ۱۹۳۴ء، ص ۱۲ بعد) والڈشمٹ لینتس (Dogmatik)، ص ۵۱۹ بعد، ۵۹۲ بعد)، آندریاس - ہیننگ، ج ۲، ص ۳۲۳ بعد، بزرگانِ کلیسائے مانوی کے القاب کے متعلق دیکھو گوتیو (Gauthiot)، مجلۂ آسیائی (JA)، سنہ ۱۹۱۱ء، حصۂ دوم ص ۵۹ بعد، ہین ڈیشت: "مطالعات مشرقی" شائع کردہ موزۂ گیمے (Musée Guimet) بیادگار ریموند لینوسیر (Raymonde Linossier)، ج ۵ (سنہ ۱۹۳۲ء)، ص ۱۵۵ بعد،

[2] ہفت مہر کے متعلق دیکھو جیکسن کا مضمون (JAOS) ج ۴۱، ص ۶۸ بعد = "تحقیقات مذہب مانوی" ص ۳۳۱ بعد، فضائل پنجگانۂ مانوی (والڈشمٹ - لینتس (Dogmatik) ص ۴۷۵)، مواعظ اخلاقی پنجگانہ (ایضاً، ص ۵۷۹، ۵۸۸)

آسائشوں کے درپے ہوں، گوشت کھانا ان کے لیے ممنوع تھا اور نباتات کا اُکھاڑنا بھی ان کے لیے گناہ تھا کیونکہ ایسا کرنا نُور کے اُن ذرّات کو نقصان پہنچانا ہے جو نباتات میں موجود ہیں، شراب بھی ان کے لیے حرام تھی، انہیں تاکید تھی کہ ایک دن کی خوراک اور ایک سال کے کپڑوں سے زیادہ اپنے پاس کچھ نہ رکھیں، اُنہیں حکم تھا کہ تجرّد کی زندگی بسر کریں[۱] اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے کے لیے اور ان کو پاک زندگی گزارنے کی ہدایت کرنے کے لیے دنیا میں سفر کریں، لیکن نیوشگان کے لیے قواعد ایسے سخت نہ تھے، وہ اپنا دنیاوی کاروبار کرتے تھے اور اپنے اپنے پیشوں میں مشغول رہتے تھے، وہ گوشت بھی کھا سکتے تھے صرف اتنی بات تھی کہ اپنے ہاتھ سے جانور کو مارنا ان کے لیے ممنوع تھا، اور ان کو شادی کرنے کی بھی اجازت تھی، انھیں اس بات کی تاکید تھی کہ اخلاقی زندگی بسر کریں اور دنیا کے ساتھ بہت زیادہ دلبستگی پیدا نہ کریں، نیوشگان کا یہ بھی فرض تھا کہ وزیدگان کی خوراک کا خرچ اپنی گرہ سے دیں اور اُنھیں کھلانے کے لیے ساگ پات توڑ کر لائیں (کیونکہ اپنے ہاتھ سے نباتات کا اُکھاڑنا ان کے لیے ممنوع تھا) اور کھانا تیار کر کے لائیں اور گھٹنے ٹیک کر اُن کے آگے رکھیں، اس خدمت کے عوض میں وزیدگان اُن کے لیے دُعا کرتے تھے کہ نباتات کو توڑنے میں جو گناہ ان سے سرزد ہوا ہے خدا اس کو معاف کرے[۲]،

[۱] قطعات مانوی میں ایک خط ہے جس کا مصنّف (ہیننگ کے قیاس کی رو سے) مانی کا خلیفہ سیسینوس (سیس) ہے، اس میں مانی کے دو فرزندوں کا ذکر ہے جن میں سے ایک کو "فرزندِ راجح" کہا گیا ہے اور دوسرے کو "فرزندِ مقصود" جو غالباً وزیدگان میں سے تھا، (آنڈریاس - ہیننگ، ج ۳، ص ۸۵۷ ببعد)، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آیا لفظ "فرزند" کو اس میں مجازاً استعمال کیا گیا ہے یا نہیں، [۲] آنڈریاس ہیننگ، ج ۲، ص ۲۹۶،

زکوٰۃ دینا، روزہ رکھنا، اور نماز پڑھنا سب کے لیے فرض تھا، مہینے میں سات دن روزہ رکھا جاتا تھا اور دن رات میں چار نمازیں ہوتی تھیں، نماز سے پہلے پانی کے ساتھ مسح کیا جاتا تھا اور اگر پانی نہ ہو تو ریت یا اسی قسم کی اور چیزیں مسح کے لیے استعمال کی جاتی تھیں، ہر نماز میں بارہ دفعہ سجدہ کیا جاتا تھا، نیوشگان انوار کو اور روزیدگان پیر کو مقدس مانتے تھے، خیرات کا دینا بھی واجب تھا لیکن مانوی لوگ کفار کو خیرات کے طور پر روٹی اور پانی نہیں دیتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ایسا کرنے سے نور کے ذرات جو ان دونوں چیزوں میں موجود ہیں ناپاک ہو جائینگے، ہاں کپڑا یا نقد یا اور چیزیں جو ان کے نزدیک نور سے خالی تھیں دینے میں مضایقہ نہیں کرتے تھے،

مانی کی تعلیم کو شروع ہی سے بڑی کامیابی ہوئی، نہ صرف بابل میں بلکہ ایران میں بھی وہ بہت مقبول ہوئی، کفلائیہ میں ایک مقام کو پڑھنے سے[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مانی اردشیر کے عہد ہی میں اس کے بیٹے شاپور کا مورد عنایت بن گیا تھا، دوسرے مآخذ سے ہمیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اول اول شاپور کے دو بھائی یعنی مہرشاہ والی میشن اور پیروز اس کے مرید ہوئے، مانویوں کے ہاں مہرشاہ کے ساتھ مانی کی پہلی ملاقات کی ایک بڑی روایت ہے[2] جس میں لکھا ہے کہ مہرشاہ پیغمبر کا بڑا دشمن تھا، اس کا ایک بڑا وسیع اور شاندار باغ تھا جس کی دنیا میں کہیں نظیر نہیں ملتی تھی، ایک دن جبکہ مہرشاہ نے اس باغ میں ایک بڑی ضیافت کی اور وہ بہت خوشی کے عالم میں تھا مانی اس کے پاس آیا، شہزادے نے اس سے پوچھا

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۲۳۷، شمٹ - پولوتسکی، ص ۴۷ بعد، [2] میولر: مخطوطات مانوی ج ۲، ص ۸۲ بعد،

کہ جس بہشت کا تو ذکر کرتا ہے اس میں میرے باغ جیسا کوئی باغ ہے؟ پیغمبر کو معلوم ہوا کہ شہزادہ بد اعتقاد ہے، تب اس نے اپنی قدرت سے اس کو نورانی بہشت میں لیجا کھڑا کیا اور اس نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھا جہاں تمام خدا اور ربانی ہستیاں اور روحانی مسرتیں موجود تھیں، اس مدت میں شہزادہ بیہوش پڑا رہا اور تین گھنٹے تک اس پر بیہوشی کا عالم طاری رہا، پھر پیغمبر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور وہ ہوش میں آگیا، بہشت کا سارا سماں اس کی آنکھوں کے سامنے تھا، تب وہ اٹھا اور اٹھ کر پیغمبر کے پاؤں پر گر پڑا اور اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیا[1]،

الفہرست کی روایت کے مطابق شہزادہ پیروز تھا جس نے شاپور سے مانی کی ملاقات کرائی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مانی کو علم طب میں بھی دخل تھا اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ شاپور نے اپنے بیمار بچے کے علاج کے لیے اس کی طرف رجوع کیا لیکن وہ اچھا نہ ہوسکا اور اس کی گود ہی میں جاں بحق ہوا[2]، یہ حکایت (جس کو کیسلر[3] نے شبہ کی نظر سے دیکھا ہے) ایکٹا آرکیلائی[4] میں بیان ہوئی ہے، قطعات مانوی میں قطعہ نمبر (M 3)[5] میں غالباً اسی حکایت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ایک افسانے کی رو سے جس کو الفہرست کے مصنف نے بیان کیا ہے مانی جب پہلی مرتبہ

---

[1] باقی حصہ مفقود ہے، [2] مانوی ماخذمیں اور ان کتابوں میں جو مانویوں کی مخالفت میں لکھی گئی ہیں بعض وقت مانی کی طبی قابلیت کا ذکر آتا ہے (الفرک Alfaric، ج ۱، ص ۴۳) مانویوں کی طب زرتشتیوں کی طب سے مختلف نہیں تھی، دونو کے نزدیک علاج کے تین طریقے تھے (۱) نشتر کے ذریعے سے (عمل جراحی)، (۲) جڑی بوٹیوں کے ذریعے سے، (۳) کلام پاک کے ذریعے سے، (دیکھو آگے باب ہشتم)، مانی کے نزدیک بھی اور زرتشتیوں کے نزدیک بھی علاج کا مؤثر ترین طریقہ کلام پاک یعنی علاج بذریعۂ ادعیہ و اوراد تھا کیونکہ ان کے ذریعے سے وہ تمام جن جو بیماریوں کا باعث ہوتے ہیں بھاگ جاتے ہیں، [3] (Kessler) "مانی" ص ۱۵۸، [4] (Acta Archelai)

[5] میولر: "مخطوطات مانوی" ۲، ص ۸۰ ببعد، (بزبان جنوب مغربی)،

شاپور کے حضور میں حاضر ہوُا تو اس کے دونو کندھوں پر دو مشعلیں سی روشن تھیں، شاپور کا ارادہ تھا کہ اس کو گرفتار کروا کے قتل کرا دے لیکن جونہی اس نے اس کو دیکھا فوراً اس کے دل میں ایک گہرا احترام پیدا ہوگیا اور اس کے آنے کا سبب دریافت کیا اور اس سے وعدہ کیا کہ میں تمہارا مذہب قبول کرلوں گا، تب مانی نے بادشاہ سے بعض عنایتوں کا مطالبہ کیا از انجملہ یہ اس کے پیرووں کے ساتھ ہر شخص پایہ تخت میں اور سلطنت کے دوسرے حصّوں میں عزّت کا سلوک کرے اور جہاں کہیں وہ چاہیں آزادی کے ساتھ آجا سکیں، بادشاہ نے اس کی تمام درخواستوں کو منظور کیا،

ان سب باتوں سے قطع نظر کرکے ہم کو اس بات کا ثبوت کہ شاپور مانویوں پر مہربان تھا اس امر سے بھی ملتا ہے کہ مانی نے اپنی بہترین تصانیف میں سے ایک کو اس کے نام پر معنون کیا اور اس کا نام شاپورگان رکھا، کفلائیہ میں ایک جگہ جہاں مانی نے اپنے حالات خود بیان کیے ہیں شہنشاہ شاپور کے ساتھ اس کے تعلّقات کے بارے میں قیمتی اطلاعات موجود ہیں، ہندوستان کے سفر اور ایران کی طرف واپسی کا ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتا ہے: "میں شاپور بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوُا اور اس نے بڑی عزّت سے میرا استقبال کیا اور مجھے سفر کی اجازت (اپنی سلطنت میں ؟) دی تاکہ میں اپنے مذہب کی تبلیغ کروں، میں نے کئی سال گزارے .... اور برسوں اس کے ہمرکاب ایران، پارتھیا، اَدِیَب (ایڈیابین؟) اور سلطنت روم کے متّصل بہت سے ممالک کا سفر کیا[1]"

---

[1] شمٹ۔ پولوتسکی، ص ۷۔۴۴، مانی نے تبلیغی کام کی جس طرح تنظیم کی اس کی تفصیل اور خصوصاً اس کے مبلغین میں سے پاتّک، ادّا، امّو اور ادوان نے جو جو کچھ کیا اس کے متعلق دیکھو آنڈریاس۔ ہیننگ، ۲، ص ۳۰۶ ببعد، نیز شیڈر: "ایرانیکا" ص ۶۹ ببعد،

شاپور کی تخت نشینی کے بعد شاہزادہ پیروز صوبۂ شمال مشرقی (ابہر شہر، خراسان) کا گورنر مقرر ہوا[1]، اس کے بعض سکے موجود ہیں جن پر اس کا نام "پرستندۂ مزدا، پیروز ربّانی شاہِ بزرگِ کوشان" لکھا ہے، ان سکوں پر ایک دیوتا کی تصویر بھی بنی ہے جس پر "بدھ دیوتا" لکھا ہے[2]، چونکہ پیروز مانوی تھا لہٰذا وہ مزدا اور بدّھا دونو کا پجاری ہوسکتا تھا، مانی کا ایک اور برگزیدہ پیرو جو اس کے مذہب کا ایک بہت بڑا مبلغ بھی تھا اردوان کے نام سے موسوم تھا، چونکہ یہ ایک اشکانی نام ہے لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ وہ سابقہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا[3]،

مانوی روایت جو عربی کتابوں کے ذریعے سے ہم تک پہنچی ہے اس کی رو سے شاپور بعد میں مانی کا مخالف ہوگیا، بقول یعقوبی وہ صرف دس سال مانی کا پیرو رہا، اس کے بعد مانی ایران سے جلاوطن ہوکر سالہا سال وسط ایشیا میں سرگرداں رہا، اسی اثنا میں وہ ہندوستان اور چین میں بھی گیا اور ہر جگہ اپنے مذہب کی تعلیم دیتا رہا اور کتابیں لکھتا رہا اور بابل، ایران اور ممالک مشرقی میں مانوی جماعتوں کے امیروں کے نام خطوط بھیجتا رہا، بالآخر شاپور سنہ ۲۷۲ء میں مرگیا اور اس کے بیٹے اور جانشین ہرمزد اوّل نے سنہ ۲۷۳ء میں وفات پائی، تب مانی کو ہمت ہوئی کہ موبدوں کی دشمنی کی تاب مقاومت لاسکے اور ایران واپس آجائے، شمٹ نے اس روایت کی جزئیات پر اپنے شکوک کا اظہار کیا ہے[4] بلکہ اس نے یہ رائے قائم کی ہے کہ مانی

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۱۸۰، [2] ہرتسفلٹ: "پای کلی" ص ۴۵ و ۴۹ - ۵۰،
[3] آنڈریاس - ہیننگ، ج ۲، ص ۳۰۳، شیڈر: ایرانیکا، ص ۷۲،
[4] شمٹ - پولوتسکی، ص ۵۱،

کی شاپور کے ساتھ کبھی مخالفت نہیں ہوئی، وہ لکھتا ہے کہ "بہر صورت مانی کا ہندوستان بھاگ جانا یا جلاوطن کیے جانا محض افسانہ ہے، ہندوستان کا سفر شاپور کے عہد سے پہلے کی بات ہے"۔ مانی کے حال پر نہ صرف شاپور بلکہ ہرمزد اوّل کی بھی عنایات تھیں،

جو بات یقینی طور پر معلوم ہے وہ یہ ہے کہ ہرمزد اوّل کے بھائی بہرام اوّل نے جو ایک عیاش اور پست ہمت بادشاہ تھا مانی کو بالآخر موبدوں کے رحم پر چھوڑ دیا، بقول یعقوبی[1] مجمع عام میں مانی اور موبدان موبد کے درمیان ایک مباحثہ ہوا اور چونکہ نتیجے کا فیصلہ موبدان موبد کی رائے پر تھا لہذا ظاہر ہے کہ مانی کو شکست ہوئی جس[2] کے بعد اس کو الحاد کے جرم میں سزا دی گئی اور قید خانے میں اس کو وہ وہ عذاب دیے گئے کہ وہ بچارا جاں بحق ہوا[3]، یہ واقعہ سنہ ۲۷۶ء کا ہے[4]، ایک مشرقی روایت کی رو سے اس کو سولی پر چڑھایا گیا یا زندہ کھال کھینچی گئی، اس کے بعد اس کا سر کاٹا گیا اور اس کی کھال میں بھوسہ بھر کر خوزستان میں شہر گندیشاپور کے ایک دروازے کے اوپر لٹکا دیا گیا جس کی وجہ سے اس کا نام "دروازۂ مانی" پڑ گیا،

مانویوں نے اپنے پیغمبر کی شہادت کی یادگار میں ایک تہوار منانا شروع کیا جس کا نام انھوں نے "بیما کا تہوار" رکھا، اُس دن وہ ایک منبر ("بیما" بزبان یونانی) لاکر رکھتے تھے جو ان کے آقائے نامدار کی روحانی موجودگی کی علامت تھی، قطعات مانوی میں سے ایک قطعے میں جو شمالی پہلوی میں ہے[5] لکھا ہے: "اے ... آج بیما

---

[1] ص ۱۸۱، فارسنامہ ص ۶۴، [2] اس بیان کی صحت مشکوک ہے، [3] پولوٹسکی: "مواعظ مانویہ" ص ۴۲ بعد، آنڈریاس ۔ ہیننگ، ج ۳ ص ۸۶۲، ح ۳، قطعات در نثر و ترانۂ مناجات بر مرگِ مانی، (آنڈریاس ہیننگ، ج ۳، ص ۸۶۰ بعد، ۸۹۱، [4] شیڈر: "نومون" ج ۹، ص ۳۵۱، ایرانیکا، ص ۷۹ - ۸۰، ح ۴،

[5] والڈشمٹ ۔ لینٹس: "مذہب مانوی میں عیسیٰ کا رتبہ" ص ۱۰، نیز پولوٹسکی: "مواعظ مانویہ" ص ۴۲، ص ۷۱ بعد

کے دن یہاں آؤ تاکہ تم کو بہت سے سنساروں سے نجات ہو"۔ معلوم ہوتا ہے کہ "سنسار" جو کہ سنسکرت کا لفظ (بمعنی تناسخ) ہے مانویوں نے مذہبی اصطلاح کے طور پر اختیار کر لیا تھا۔

مانی نے متعدد کتابیں اور رسالے چھوڑے جن میں اس کی مذہبی تعلیم کے اصول درج تھے، مغربی اور مشرقی مآخذ میں ان کتابوں کے نام مذکور ہیں اور ان میں جو زیادہ اہم تھیں ان کے موضوع بھی بتلائے گئے ہیں، ان میں سے اکثر سریانی زبان میں لکھی گئی تھیں[1]، کتاب الاسرار میں مانی نے منجملہ اور باتوں کے باردیسان کی مذہبی تعلیم پر بحث کی ہے، کتاب الاثنین اور رسالۃ الاجنۃ (کوان)[2] غالباً ایک ہی چیز ہے جس میں آسمان پر دیووں کے حملے کا حال لکھا ہے اور بعض اور رزمیہ داستانیں ہیں[3]، پرگماتائیہ یا رسالۃ الاصل کو کتاب الاثنین کا تتمہ سمجھنا چاہیئے، انجیل زندہ یا بطور اختصار فقط انجیل "حقیقی علم باطن کی تعلیم پر مشتمل تھی جو منجیِ ربّانی کی طرف سے مومنانِ باصفا کو دی گئی تھی[4]"۔ اس میں سریانی حروف تہجّی کی تعداد کے مطابق بائیس باب تھے، انجیل کے ساتھ ایک اور کتاب ملحق تھی جس میں فلسفۂ عرفان بیان ہوا تھا اور جس کا نام کنز الحیوٰۃ تھا، کتاب المواعظ میں مانی نے قواعد اخلاق وضع کیے تھے اور ورزیدگان و نیوشگان کے لیے مذہبی دستور العمل مقرر

---

[1] دیکھو الفرک (Alfaric): "نوشتہ ہائے مانوی"۔ ج ۲ [2] الفرک، ج ۲، ص ۳۱ بعد، [3] کیومون، ج ۱، ص ۳-۴، ج ۲، ص ۱۶۰، بین ونشت (رسالہ مشرقی دنیا ۱۹۳۲ء، ص ۲۱۴) اور ہیننگ ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ طور پر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وہ ایرانی لفظ جس کا ترجمہ "جنّ" یا "دیو" کیا گیا ہے کوَی ہے (کوِی، پہلوی: کَے، جو کہ زرتشتی کتابوں میں افسانوی بادشاہوں کا لقب ہے) اور درحقیقت ابھی حال ہی میں لفظ کوان ایک مانوی متن میں بمعنی "اجنۃ" مستعمل پایا گیا ہے، انھی معنوں میں وہ کتاب کا نام ہے، (آندریاس۔ ہیننگ، ج ۳، ص ۳، ص ۸۵۸) [4] الفرک، ج ۲، ص ۳۴

کیا تھا، اس کی تمام سریانی تصانیف ابتدائی زمانے ہی میں پہلوی میں ترجمہ ہو گئی تھیں، لیکن ایک کتاب اس نے خود ساسانی پہلوی میں تصنیف کی یعنی شاپورگان جس کا متعدد دفعہ ذکر ہو چکا ہے، وہ شاپور اوّل کے نام پر معنون کی گئی تھی اور اس کا موضوع مسئلۂ معاد تھا، شاپورگان اور انجیل کے پہلوی ترجمے کے بعض اجزا تُرفان کے قطعات میں دستیاب ہوئے ہیں، کتاب کفلائیہ کا بیشتر حصّہ جو آج موجود ہے قبطی زبان میں ہے اور غالباً یونانی سے ترجمہ ہوا ہے، وہ مانی کی نصائح پر مشتمل ہے جو اس کی وفات کے بعد جمع کی گئیں، ان کتابوں کے علاوہ مانی کے بہت سے خطوط اور مکتوبات اور چھوٹے چھوٹے رسائل تھے جن میں ضمنی باتیں لکھی گئی تھیں، یہ خطوط مانی نے اپنے برگزیدہ مریدوں کو یا مانوی جماعتوں کو لکھے تھے جو مختلف مقامات مثلاً طیسفون، بابل، میسین، رُہا، خوزستان، آرمینیہ اور ہندوستان وغیرہ میں موجود تھیں، اس سے ہمیں اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ کہ مانویّت کی اشاعت اس کے بانی کی زندگی ہی میں کہاں سے کہاں تک ہو چکی تھی، ان میں سے بہت سے خطوط قبطی ترجمے میں اوراقِ حصیری پر لکھے ہوئے موجود ہیں جو مصر میں دستیاب ہوئے تھے[۱]،

ایک ایرانی مصنّف کی حیثیت سے مانی نے اپنے ملک کی زبان میں ایک زبردست اصلاح کی، وہ یہ کہ پہلوی رسم الخط کی بجائے جس کے حروف کی باہمی بہت مشابہت کی وجہ سے الفاظ کے پڑھنے میں بہت غلطیاں واقع ہوتی تھیں سریانی رسم الخط کو استعمال کیا اور نہایت عمدہ طریقے سے اس کو شمالی اور جنوب مغربی پہلوی کے

[۱] شمٹ۔ پولوٹسکی، ص ۲۳ ببعد،

تلفظ کے ساتھ موافق کیا چنانچہ تمام اعراب اور حروف کی آوازیں اس میں نہایت صحت کے ساتھ ادا ہوسکتی تھیں، اس نئے رسم الخط میں نہ صرف یہ کہ اصول مفہوم نویسی (یعنی الفاظِ ہُزوارش) کو ترک کر دیا گیا بلکہ پُرانے تاریخی طریقِ ہجا کی بجائے (جس کو قدامت پسند زرتشتیوں نے اب تک نہیں چھوڑا) ایک ایسا طریقِ ہجا اختیار کیا گیا جو الفاظ کے تلفّظ کے لیے نہایت مناسب تھا، اس مانوی ابجد کو اُن مانویوں نے بھی اختیار کرلیا جن کی زبان سُغدی تھی جس سے رفتہ رفتہ وہ مختلف رسم الخط پیدا ہوئے جن کو وسط ایشیا کی قومیں استعمال کرتی تھیں،

مانی کے مرنے کے بعد اس کے مریدوں میں سے ایک جس کا نام سِیس یا سِیسِنِ (سیسینیوس) تھا اس کی اپنی وصیت کے مطابق اس کا جانشین اور کلیسائے مانوی کا سردار مقرر ہوا[۱] اس کی سکونت بابل میں تھی جو اب مانویوں کی مذہبی حکومت کا صدر مقام قرار پایا، جب سیس کو مصلوب کیا گیا تو پھر ایک شخص اِنائیوس مانویوں کا رئیس ہوا[۲] مانویت کی اشاعت ممالک مغرب یعنی سلطنت روم میں بھی ہونی شروع ہوئی[۳] آگستائن[۴] جو آبا، عیسوی میں سے تھا نو سال تک اس مذہب کا پیرو رہا لیکن بعد میں جب وہ دوبارہ عیسائی ہوگیا تو مانویت پر اس نے سخت حملے کیے، عیسائیوں کو مانی کے مذہب سے سخت نفرت تھی کیونکہ ان کے نزدیک وہ دین عیسوی کی بنیاد کو ہلا دینے والی چیز تھی لہذا وہ ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر اس کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے تھے، وقائع شہدائے کرخا

---

[۱] شمٹ ـ پولوٹسکی ص ۴۲ ببعد، والڈشمٹ ـ لینٹس (Dogmatik) ص ۶۰۷، شیڈر: رسالہ نومون ج ۹، ص ۳۴۳ ۳۴۴، [۲] شمٹ ـ پولوٹسکی، ص ۲۸، [۳] ایضاً ص ۱۱ ببعد، مانی نے اپنے ایک مرید پپیوس نامی کو اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے مصر بھیجا تھا، (ایضاً، ص ۱۴-۱۵)، [۴] Augustine سنہ ۳۵۴ء تا سنہ ۴۳۰ء، (مترجم)،

کا مصنّف لکھتا ہے[1]: "شاپور کے زمانے میں مانی جو کہ فتنہ و فساد کا مخزن تھا اپنا شیطانی زہر اُگل رہا تھا"۔ تھیوڈور بارکونائی نے "مانیِ بے دین" کے پیروؤں کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے:- "تمام وہ لوگ جو اس کے مذہب میں ہیں بداعمال ہیں، وہ لوگوں کو شیطانی تاریکیوں میں لے جا کر ان کے گلے کاٹتے ہیں اور بے حیائی کے ساتھ فواحش کے مرتکب ہوتے ہیں، ان میں رحم نہیں ہے اور امّید سے بے بہرہ ہیں[2]"

لیکن اگر ہم اُس پارسائی اور پاک اور کریمانہ اخلاق کا صحیح اندازہ کرنا چاہیں جس کی تعلیم مانویت نے دی ہے تو ہمیں کتاب خواست توانست کا مطالعہ کرنا چاہیئے جو مانویوں کا "اعتراف نامہ" ہے، اس کے متن کا قدیم ترکی (اویغوری) ترجمہ آج موجود ہے جو ترفان اور تیون ہیوآنگ کے مخطوطات میں دستیاب ہُوا ہے[3]،

باوجود اُن اذیتّوں کے جو مانویوں کو ایران میں موبدوں کے ہاتھ سے پہنچیں ان کا مذہب مٹ نہیں سکا اور کم و بیش مخفی طور پر زندہ رہا، جو ایذائیں اُنھوں نے ایران میں نرسی اور ہرمزد دوم کے عہد میں سہیں ان کا حال قبطی کتابوں میں لکھا ہے[4]، حیرہ کا عرب بادشاہ عمرو بن عدی مانویوں کی حمایت کرتا تھا[5] اور بابل میں (جو مانویت کا گھوارہ تھا) اور پایۂ تخت طیسفون میں مانویوں کی کافی تعداد تھی، لیکن ان ایذاؤں کی وجہ سے بہت سے مانوی

---

[1] طبع ہوفمن، ص ۶۸، [2] پونیوں (Pognon)،: "کتبہ ہائے مندائی"۔ ص ۱۸۴،
[3] لوکوک (A. V. le Coq)، (JRAS)، ۱۹۱۱ء۔ ص ۲۸۷ ببعد، [4] پولوتسکی: "مواعظ مانویہ" ص ۴۲-۸۵، [5] شیڈر: "نومون" ج ۹، ص ۳۴۴،

ایران کے شمال اور مشرق کی طرف (جہاں ایرانی نسل کے لوگ ایک بڑی تعداد میں بود و باش رکھتے تھے) ہجرت کر جانے پر مجبور ہوئے، چنانچہ سُغد میں مانویوں کی ایک بہت بڑی نئی بستی آباد ہوگئی، رفتہ رفتہ مشرقی مانوی علیحدہ ہو گئے اور مغربی بھائیوں سے اُن کے تعلقات منقطع ہوگئے یہاں تک کہ اُنھوں نے مرکزی حکومت یعنی خلیفۂ بابل کی اطاعت سے اپنے آپ کو آزاد کر کے ایک خودمختار جماعت قائم کی، چونکہ مشرق میں سریانی زبان کو کوئی نہیں جانتا تھا لہذا اُن اصلی مذہبی کتابوں کی بجائے جو اس زبان میں تالیف ہوئی تھیں ان کے ترجمے جو جنوب مغربی یعنی ساسانی پہلوی میں ہو چکے تھے استعمال ہونے لگے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ شمالی یعنی اشکانی پہلوی بھی مروّج تھی جس میں مذہبی کتابیں ایک بڑی تعداد میں تالیف ہوئیں اور خصوصاً مناجاتیں اور منظوم دعائیں بکثرت لکھی گئیں جن کے چند نمونے تُرفان کے اوراق میں ملے ہیں[1] ان کے ساتھ ایک فہرست ہے جس میں بہ ترتیب حروف ابجدی ہر نظم کا مطلع دیا ہے[2] کچھ عرصے کے بعد مذہبی کتابوں کا ترجمہ سُغدی زبان میں ہونا شروع ہوا اور پھر سُغدی سے قدیم تُرکی میں ہوا، یہ آٹھویں صدی کی بات ہے جب قوم اویغور نے (جو ترکی الاصل تھی) وسط ایشیا میں ایک بڑی سلطنت قائم کی اور خوانینِ اویغوری میں سے ایک نے جو آٹھویں صدی کے نصفِ آخر میں حکومت کر رہا تھا مانوی مذہب اختیار کیا اور اپنا لقب "مظہرِ مانی" رکھا[3]، اس خانِ اویغوری کے عہد سے وہ زمانہ شروع

---

[1] آندریاس ـ ہیننگ، ج ۲ و ۳، [2] میولر (Müller) : "ایک مانوی مناجاتوں کی کتاب (مہرنامگ) کے دو ورق"، [3] میولر : "آثارِ اویغوری" (اویغوریکا)، ج ۲، ص ۹۵، وغیرہ،

ہوتا ہے جس میں ترفان کے قطعات لکھے گئے جن میں سب مذکورہ بالا زبانیں یعنی جنوب مغربی اور شمالی پہلوی، سغدی، ترکی موجود ہیں، جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں وسط ایشیا کی مانویت نے اپنے آپ کو وہاں کے بدھائی ماحول کے ساتھ موافق بنایا اور مانوی مبلّغین نے بدھ مذہب کی اصطلاحات کو استعمال کرنا شروع کیا اور بدھائی افسانوں سے استفادہ کرنے لگے، اسی طرح مغربی مانویوں نے انجیل کی تمثیلات سے فائدہ اٹھایا[1]،

مسلمان مصنّفوں نے مانی کے متعلّق جو افسانہ آمیز باتیں لکھی ہیں اُن میں اس کی شخصیت کے حیرت انگیز اوصاف بیان کیے ہیں منجملہ ان کے فنّ خطّاطی اور مصوّری میں اس کی بےمثال قابلیّت ہے، مثلاً فارسی مصنّف ابو المعالی اپنی کتاب بیان الادیان میں (جو ۱۰۹۲ء میں تمام ہوئی) لکھتا ہے کہ مانی سفید ریشم کے کپڑے پر ایسا باریک خط لکھ سکتا تھا کہ اگر اس کپڑے کا ایک تار بھی کھینچ لیا جاتا تو ساری تحریر غائب ہو جاتی تھی، اور یہ کہ اس نے ایک کتاب بنائی جس میں ہر قسم کی تصویریں تھیں، اس کا نام ارژنگ مانی تھا اور وہ ابو المعالی کے زمانے میں غزنی کے کتب خانے میں موجود تھی، فردوسی کہتا ہے کہ مانی چین سے آیا تھا اور مصوّری میں کوئی اس کا ثانی نہ تھا ؎

بیامد یکی مرد گویا ز چین   کہ چون او مصوّر نبیند زمین

[1] مانویوں میں یہ مذہبی تفرقہ چھٹی صدی کے آخر میں رونما ہوا، مشرقی مانوی جو دین آور کہلاتے تھے مغربی مانویوں سے جو اپنے آپ کو دین دار کہتے تھے الگ ہو گئے، اس کے متعلق دیکھو شیدر: "ایرانیکا" ص ۸۷ ببعد، دین آوروں کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم کے لیے جو کتاب لکھی گئی تھی اس کے متعلق دیکھو آندریاس - ہیننگ، ج ۲، ص ۴۵۸ ببعد،

اردنگِ مانی (ارتنگ، ارژنگ) کے متعلق ہر قسم کی کہانیاں مشہور ہیں[1]
اور وہ شعرائے فارسی کی ایک مسلّمہ ادبی اصطلاح بن گیا ہے، ایک افسانے کی
رو سے جس کا راوی میرخوند (صاحب روضۃ الصّفا) ہے لیکن اس کا مأخذ اصلی
معلوم نہیں مانی نے ممالک مشرق میں ایک غار کو تصویروں سے سجایا تھا،

ترفان اور خوچو کی کھدائی سے ہم کو اس بات کا ثبوت ملا ہے کہ مانویوں
میں صنّاعی موجود تھی، خوچو میں ایک غار دریافت ہوا ہے جس کی دیواریں
تصویروں سے آراستہ ہیں جن میں سے بعض اتنی صاف ہیں کہ ان کی جزئیات
بھی خاصی واضح ہیں، ان میں سے ایک تصویر میں ایک مردِ مقدّس (خود مانی؟)
دکھایا گیا ہے جس کے خط و خال مغولی نمونے کے ہیں یعنی مونچھیں نیچے کو لٹکی
ہوئی اور ڈاڑھی کے بال صرف دو جگہ، اس کے سر کے پیچھے ہالے کے طور پر
قرصِ خورشید نمایاں ہے جس کا متن سرخ ہے اور حاشیہ سفید ہے اور اس کا
نچلا حصہ ایک ہلال سے گھرا ہوا ہے، اس کے سر پر ایک تاج سا ہے جو زربفت
کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے، نیچے سے وہ اتنا تنگ ہے کہ اس سے صرف سر
کی چوٹی ڈھکی ہوئی ہے اور ایک فیتے کے ذریعے سے اس کو ٹھوڑی کے نیچے باندھا
ہوا ہے لیکن اس کے اوپر کا حصہ فراخ ہے، اس کی قبا پر زربفت کی گور کا کچھ
حصّہ جو باقی رہ گیا ہے دکھائی دے رہا ہے، اس کے داہنے ہاتھ پر چند آدمی

---

[1] دیکھو الفرک، ج ۲، ص ۱۱۴ ببعد، اردنگ کا نام کوان کے ساتھ ایک خط کے اندر مذکور ہے جو شمالی پہلوی میں ہے اور آندریاس۔ ہیننگ نے اُسے شائع کیا ہے (ج ۳، ص ۸۵۸)، نیز دیکھو شیڈر: نومون، ج ۹، ص ۳۴۷، پولوتسکی: "مواعظ مانویہ" ص ۱۸، ح الف،

ہیں جن کی تصویریں چھوٹے سائز کی ہیں ، بظاہر وزیدگان کی جماعت معلوم ہوتی ہے اور ان میں سے اکثر صورت سے مغربی معلوم ہوتے ہیں ، وہ سب سفید قبائیں پہنے ہوئے ہیں اور ان کی ٹوپیاں جو مرد مقدس کے تاج کی شکل کی ہیں کسی سفید کپڑے کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہیں ، سرخ فیتوں کے سرے ٹھوڑیوں کے نیچے نظر آ رہے ہیں ، سب کے سب سینوں پر ہاتھ باندھے کھڑے ہیں اس طرح پر کہ داہنا ہاتھ بائیں آستین میں اور بایاں ہاتھ داہنی آستین میں چُھپا ہُوا ہے ، مشرقی لوگوں میں یہ انداز عجز و احترام کے لیے ہوتا ہے ، ہر شخص کا نام اس کی تصویر پر اویغوری خط میں لکھا ہُوا ہے اور بعض نام پڑھے بھی جاتے ہیں ، پیچھے چند عورتیں نظر آ رہی ہیں کہ وہ بھی طبقہ وزیدگان سے ہیں ، ان کا لباس وہی ہے جو مردوں کا ہے سوائے ٹوپیوں کے جو اسطوانی شکل کی معلوم ہوتی ہیں ، ان عورتوں کے پیچھے دُھندلی سی تصویریں نیوشگان کی دکھائی دے رہی ہیں جن میں مرد بھی معلوم ہوتے ہیں اور عورتیں بھی ، ان کے لباس رنگا رنگ کے ہیں اور جوتے سیاہ ہیں ، لیکن تصویر کا یہ حصّہ بہت زیادہ تلف ہو چکا ہے ۔ (دیکھو تصویر)

کسی معبد کے دو جھنڈے بھی دستیاب ہوئے ہیں جن پر تصویریں بنی ہیں ، ایک تصویر میں ایک عورت دکھائی گئی ہے جو وزیدگان میں سے ہے ، اس کے سامنے ایک اور عورت سرخ قبا پہنے اور گھٹنے ٹیکے ہوئے ہے ، پہلی عورت کی نسبت اس کا قد چھوٹا ہے ، اس کے ساتھ ایک تحریر بھی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑی عورت کوئی شہزادی ہے جس کا نام بوسشنک ہے ، دوسرے جھنڈے پر دو نیوشگان کی تصویریں ہیں جن میں سے ایک مرد ہے اور ایک عورت ، اُن کے
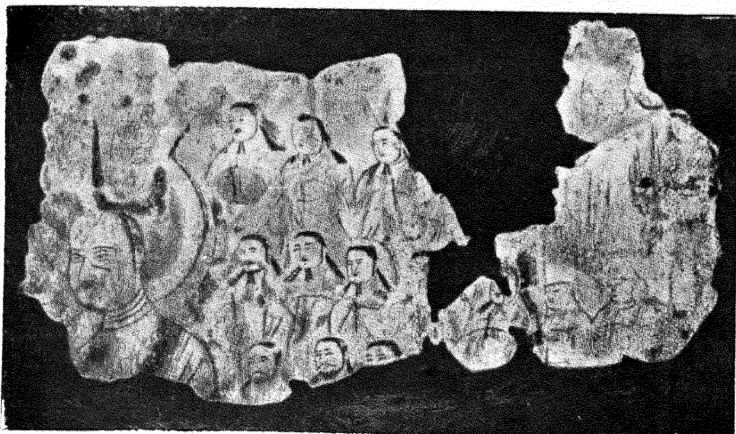
خوچو میں مانوی تصویر
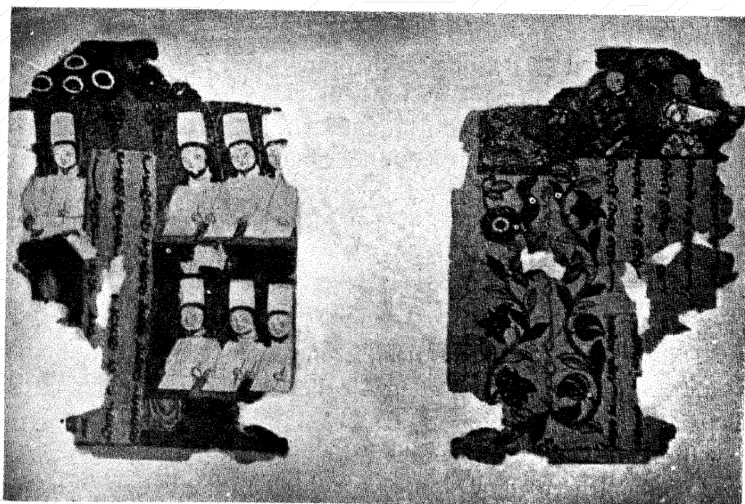
تصاویر مانوی

سامنے وزیدگان میں سے ایک شخص ہے جس کے آگے وہ گھٹنے ٹیکے ہوئے ہیں، مرد کی تصویر کا نچلا حصّہ غائب ہوچکا ہے، اس کے سر کا لباس تقریباً ویسا ہی ہے جیسا کہ اُس ملک کے لوگ آج بھی پہنتے ہیں، عورت عبادت کی سی حالت میں ہے، اس کے دونو ہاتھ جن کی ہتھیلیاں آپس میں جُڑی ہوئی ہیں سینے کے سامنے ہیں، شخص وزیدہ بظاہر ان دونیوشگان کے گناہ معاف کر رہا ہے، یہ بات پہلے سے ہمارے علم میں ہے کہ گناہوں کا معاف کرنا مرد وزیدگان کا امتیازی فرض تھا[1]،

خوچو کی حفریات میں مانوی نقّاشی کے نمونے بھی دستیاب ہوئے ہیں، ایک ورق ہے جس پر ترکی زبان میں عبارت لکھی ہے اس کے دونو طرف تصویریں ہیں، ان میں کچھ مانوی پیشوایانِ مذہب ہیں جو سفید لباس پہنے ہیں اور سروں پر اسطوانی شکل کی اونچی ٹوپیاں ہیں، وہ دو صفوں میں میزوں کے سامنے کھڑے ہیں جن پر مختلف رنگوں کے کپڑے پڑے ہیں، ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک قلم ہے اور سامنے کاغذ کا ایک ایک ورق ہے، تصویر کے صفحے کا حاشیہ پھل دار درختوں اور انگور کے خوشوں سے سجایا گیا ہے، ورق کے دوسری جانب تحریر کے دو کالم ہیں جن میں سے ایک کالی سیاہی سے اور دوسرا سرخ سیاہی سے لکھا ہوا ہے اور حاشیے پر بیل بنی ہوئی ہے، حاشیے میں ایک تصویر بھی ہے جس میں تین شخص دکھائے گئے ہیں کہ پالتی مار کر قالین پر بیٹھے ہیں اور بوقلموں لباس پہنے ہوئے ہیں، ان تینوں میں جو سب سے زیادہ ممتاز ہے وہ بائیں طرف بیٹھا ہے اس کی تصویر کا صرف نچلا حصّہ باقی رہا ہے، باقی دو شخص جن کے سروں پر نوکدا

[1] لوکوک (Le Coq) : "خوچو" ۔ تصویر نمبر ۳،

ٹوپیاں ہیں اس کی طرف منہ کیے بیٹھے ہیں، پہلا تو چپ چاپ بیٹھا ہوا ہے اور اپنے ہاتھ نہایت تعظیم کے ساتھ آستینوں میں چھپائے ہوئے ہے اور دوسرا عود بجا رہا ہے،[1] (دیکھو تصویر)

یہ تصاویر جن کی جزئیات نہایت باریکی اور نفاست سے بنائی گئی ہیں ہمیں عہدِ اسلامی کی یاد دلاتی ہیں اور اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ ایران میں یہ فن بہت قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے، بقول موسیو کیوموں[2] یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ فنِ نقاشی کو مانوی لوگ ایران سے ترکستان لے گئے جہاں وہ ترقی کرتا رہا اور اس فن کے بعض شاہکار وہیں وجود میں آئے، افریم الرّہاوی[3] مانی سے کچھ کم سو سال بعد گزرا ہے، موسیو کیوموں نے اس کے ایک سریانی خطبے میں سے کچھ عبارت نقل کی ہے[4] جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ مانی نے ایک بڑے لپٹے ہوئے کاغذ پر "فرزندانِ ظلمت" کی ڈراؤنی تصویریں رنگ بھر کر بنائیں تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر ڈریں اور نفرت کریں، اسی طرح بعض زیبا اور دلکش تصویریں بنا کر اُن کو "فرزندانِ نور" کے نام دیے تاکہ ان کی خوبصورتی دیکھنے والوں کے لیے کشش کا باعث ہو، یہ نورانی اور شیطانی تصویریں اَن پڑھوں کی تعلیم کے لیے بنائی گئی تھیں، لہذا ہوسکتا ہے کہ مانوی کتابوں میں تصویریں بنانے کا دستور خود مانی ہی کے زمانے سے شروع ہوگیا ہو اور بہت ممکن ہے کہ اُس افسانے میں جو مانی کو ایک بہت بڑا مصوّر بتاتا ہے کچھ نہ کچھ صداقت ہو، موسیو الفرک[5] کا قیاس ہے کہ مانی کا مشہور ارژنگ دراصل اس کی انجیل کا ایک با تصویر نسخہ تھا،

[1] لوکوک: "خوچو" تصویر نمبر ۵، [2] رسالہ "تبصرۂ آثار قدیمہ" (فرانسیسی) سنہ ۱۹۱۳ء ج ۲، ص ۸۵، [3] (Ephrem of Edessa [4] "تبصرۂ آثار قدیمہ" ص ۸۶، [5] (Alfaric) ج ۲، ص ۴۲،

باب پنجم

سلطنت شرق و سلطنت غرب

(یعنی شہنشاہی ساسانیان اور رومن امپائر)

سلطنت ساسانی کی فوجی تنظیم ۔ اردشیر اوّل اور شاپور اوّل کی روم کے ساتھ لڑائیاں ۔ قیصر ویلیرین پر شاپور کی فتح اور اس کی یادگاریں اس کا برجستہ کتبہ ۔ پلمیرا (تدمر) ۔ عہد سلطنت ہرمزد اوّل، بہرام اوّل و بہرام دوم ۔ ان کے برجستہ کتبے ۔ عہد سلطنت بہرام سوم و نرسی ۔ نرسی کا برجستہ کتبہ ۔ روم کے ساتھ از سر نو جنگ ۔ عہد سلطنت ہرمزد دوم، شاپور دوم و جنگ عظیم ۔ مؤرخ امّیان کے بیان کے اقتباسات ۔ شاپور دوم کی شخصیت ۔ عہد سلطنت اردشیر دوم، شاپور سوم و بہرام چہارم ۔ اردشیر دوم، شاپور دوم اور شاپور سوم کے برجستہ کتبے،

اردشیر اول کی سلطنت ایک زبردست فوجی تنظیم کے سائے میں وسعت پذیر ہوئی۔ اس کی سیاست پر ہخامنشیوں کے پُرشوکت زمانے کی دھندلی یادگاروں کا یقیناً اثر تھا، وہ اپنے آپ کو آخری داریوش کا وارث و جانشین خیال کرتا تھا اور اس حیثیت سے وہ اس بات کو اپنا فرض سمجھتا تھا کہ جس مشرقی سلطنت کا خاتمہ سکندر

نے کیا اور جس کو دوبارہ زندہ کرنے میں اشکانیوں کو پوری کامیابی نہ ہو سکی اس کے احیاء کے لیے از سر نو کوشش شروع کرے[1]، اس مطمح نظر کی وجہ سے اردشیر اور اس کے ابتدائی جانشینوں کی عملی کوششیں ملک گیری اور تشکیلِ شاہنشاہی پر مبذول تھیں، اس کے علاوہ چونکہ شمالی، مشرقی اور مغربی سرحدوں کی طرف سے ہمیشہ حملے کا خطرہ رہتا تھا اس لیے ان کی حفاظت کی خاطر ایک زبردست فوج رکھنے کی ضرورت تھی،

ساسانیوں کی فوجی تنظیم میں قدیم منصبداری کے طریقے کو داخل کیا گیا لیکن اس میں نئے حالات اور نئی ضرورتوں کے مطابق مناسب ترمیمیں کی گئیں، مثلاً یہ کہ منصبداروں کے سپاہیوں کو مستقل فوج میں داخل کر لیا گیا، ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ سب سے بڑا فوجی عہدہ ارگبذ کا تھا جو خاندان شاہی میں موروثی تھا، اسی طرح دو اور فوجی عہدے (یعنی نظارتِ امور سپاہ اور رسالہ فوج کی افسری) دو ممتاز خاندانوں میں موروثی تھے[2]، سپہبدوں کا خاص خاص علاقوں پر تعینات کیا جانا خسرو اوّل کے زمانے سے جاری ہوا اس سے پہلے یہ بات بہت شاذ و نادر تھی، حکّام صوبجاتِ سرحدّی کے اختیار میں ہمیشہ بھاڑے کی فوج رہتی تھی، سرحدّی قلعوں کی حفاظت کے لیے مستقل فوج کے دستے رکھے جاتے تھے[3]،

اشکانیوں کے زمانے کی طرح ساسانیوں کے وقت میں بھی فوج کا عمدہ ترین حصّہ زرہ پوش سواروں کا دستہ تھا جو عالی خاندانوں کے شہسواروں پر مشتمل تھا،

---

[1] دیکھو ہیروڈین (Herodian) ج ۶، ص ۲، [2] دیکھو اوپر، ص ۱۳۷ ببعد، فوجی نظم و نسق کے متعلق دیکھو ص ۱۶۹ ببعد، [3] نولڈکہ، ترجمۂ طبری، ص ۴۷۹، ح ۱،

میدان جنگ میں رسالہ فوج سب سے آگے رہتی تھی اور فتح و ظفر اسی کی قوت وشجاعت پر موقوف ہوتی تھی[1]، ایرانیوں کے زرہ پوش سواروں کی مرتب صفیں اس انبوہ کے ساتھ میدان جنگ میں رومیوں کے مقابلے پر آتی تھیں کہ ان کی زرہوں کی جھلملاہٹ آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی[2]، سواروں کے دستے سر تا پا لوہے کے بنے ہوئے معلوم ہوتے تھے، ہر شخص کا بدن سر سے پاؤں تک زرہ بکتر کے پتروں سے ڈھکا ہوا ہوتا تھا اور وہ جسم کے اوپر ایسے چسپاں ہوتے تھے کہ ان کے جوڑ اعضائے جسم کی حرکتوں کے ساتھ ساتھ مڑتے تھے، چہرے کی حفاظت کے لیے ایک نقاب ہوتا تھا، اس ہیئت کے ساتھ ممکن نہ تھا کہ کوئی تیر جسم پر کارگر ہو سکے سوائے اس کے کہ وہ اُن باریک سوراخوں میں آکر لگے جو آنکھوں کے سامنے بنے ہوئے ہوتے تھے یا اُن شگافوں میں جو نتھنوں کے نیچے رکھے جاتے تھے اور اس قدر تنگ ہوتے تھے کہ ان میں سے سانس لینا بھی مشکل ہوتا تھا، ان میں سے کچھ سوار نیزے ہاتھوں میں لیے ایک جگہ جم کر اس طرح کھڑے رہتے تھے کہ گویا ان کو لوہے کی زنجیروں کے ساتھ جکڑ دیا گیا ہے، ان کے پہلو میں تیر اندازوں کا دستہ ہوتا تھا جو اپنے ہاتھوں کو تان کر اپنی لچکدار کمانوں کو کھینچتے تھے اس طرح کہ چلّہ سینے کے دائیں کنارے سے آملتا تھا اور تیر کا پیکان بائیں ہاتھ کے ساتھ چھُو جاتا تھا اور پھر چٹکی کے دباؤ سے پھرتی کے ساتھ تیر چھوڑتے تھے جو زنّاٹے کے ساتھ ہوا میں اڑتا ہوا جاتا تھا اور دشمن کو کاری زخم لگاتا تھا[3]، لیکن

---

[1] ایرانیوں کو سب سے زیادہ اعتماد اپنی رسالہ فوج پر ہوتا تھا" کیونکہ اس میں تمام اشراف اور ممتاز لوگ بڑی بڑی دشوار خدمتیں انجام دیتے تھے"۔ یہ فوج اپنے نظم و انضباط اور مسلسل قواعد و مشق اور مکمل اسلحہ کی وجہ سے ممتاز تھی، (امیان مارسیلینوس، ۲۳، ۶، ۸۰) [2] امیان مارسیلینوس، ۲۴، ۶، ۸۰، [3] ایضاً ۲۵، ۱، ۱۲، ۱۳،

باایں ہمہ بقول امیان[1] ایرانی گھمسان کی لڑائی میں جم کر نہیں لڑ سکتے تھے اور صرف فاصلے سے لڑنے میں بہادری دکھا سکتے تھے اور جب اُنھیں یہ معلوم ہوتا کہ ان کی فوج پسپا ہونی شروع ہوئی تو پھر طوفانی بادل کی طرح پیچھے ہٹتے تھے اور چونکہ بھاگنے میں ان کو پیچھے کی طرف تیر چھوڑنے کی مہارت تھی اس لیے دشمن کو ان کا تعاقب کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی ،

جیساکہ ہخامنشیوں کے عہد میں تھا ساسانیوں کے زمانے میں بھی رسالہ فوج کے منتخب سواروں کا ایک دستہ ہوتا تھا جس کا نام "دستۂ جاوداناں"[2] تھا اور غالباً اس کی تعداد بھی ہخامنشیوں کے نمونے پر دس ہزار سواروں کی تھی ، اس دستے کا سردار غالباً وَرِ ہرانیگان خُوَذای کہلاتا تھا[3] ، اسی طرح شاید ایک اور دستہ بھی تھا جو اپنی جانبازی اور موت سے نڈر ہونے کی وجہ سے مشہور تھا اور جان اوسپار (جان سپار) کہلاتا تھا[4] ، برجستہ تصاویر میں بعض لوگ جو بادشاہ کے گرد کھڑے دکھلائے گئے ہیں ان کی اونچی اونچی ٹوپیوں پر چند علامتیں بنی ہوئی ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں :-

ہمارا قیاس ہے کہ یہ علامتیں مختلف فوجی افسروں کے لیے ان کی اپنی اپنی پلٹنوں

[1] ۲۵ ، ۱۸۰۱ ، [2] ایبیزسٹ ، طبع لانگلوا ، ج ۲ ص ۲۲۱ ، پروکوپیوس ۱۰ ، ۱۴ ،
[3] ہرتسفلٹ : پای کلی (فرہنگ ، نمبر ۲۱۵) ، [4] دیکھو گائیگر (Geiger) کا مضمون زویانا کا علوم مشرقی کا رسالہ بزبان جرمن ، ج ۲۷ ، ص ۱۹۷ - ۱۹۸ ،

کی نشانیاں تھیں ،

رسالہ فوج کے پیچھے ہاتھیوں کی صف ہوتی تھی ، ان کی چنگھاڑیں ، ان کے جسم کی بو اور ان کی ڈراؤنی صورتیں دشمنوں کے گھوڑوں کے لیے خوف کا باعث ہوتی تھیں ، ان پر مہاوت سوار ہوتے تھے جن کے داہنے ہاتھوں میں لمبے لمبے دستوں والے چھرے ہوتے تھے تاکہ اگر کوئی ہاتھی دشمن کے حملے سے ڈر کر اپنی ہی فوج کی صفوں پر جھپٹ پڑے اور لشکریوں کو گرانا اور پامال کرنا جائے (اور ایسا اکثر ہوتا تھا) تو مہاوت اس کی گردن کے مہروں میں چھرا بھونک کر اس کا کام تمام کر دے [1] ،

پیادہ فوج (پائگان) لشکر کے پیچھے بطور ساقہ (مؤخر الجیش) کے ہوتی تھی جس کا افسر پائگان سالار کہلاتا تھا ، پیادہ سپاہی جاگیرداروں کے خدام ہوتے تھے جو بغیر کسی تنخواہ یا معاوضے کے فوجی خدمت انجام دیتے تھے ، ان کے ہتھیار رومی زرہ پوشوں کے ہتھیاروں کی مانند ہوتے تھے [2] ، یہ فوج در اصل کسانوں کا انبوہ ہوتا تھا جن سے فوجی خدمت لی جاتی تھی ، ان میں سے کم از کم بعض کے پاس حفاظت کے لیے مستطیل شکل کی خمدار ڈھال ہوتی تھی جو بید کی ٹہنیوں کو بُن کر بنائی جاتی تھی اور اس پر چمڑا مڑھا جاتا تھا [3] ، لیکن پیادہ فوج کے سپاہی عموماً کسی کام کے نہیں ہوتے تھے ، قیصر جولین نے ایک مرتبہ اپنے رومی سپاہیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے ایرانی قیدیوں کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے کہا تھا کہ "یہ گھناؤنی بکریاں ہیں جن کی صورتیں غلاظت سے بگڑ گئی ہیں ، پیشتر اس کے کہ

---

[1] امیان ، ۲۵ ، ۱ ، ۱۴-۱۵ ، [2] ایضاً ، ۲۳ ، ۶ ، ۸۳ ، [3] ایضاً ، ۲۴ ، ۶ ، ۸ ،

ان پر ہاتھ اٹھایا جائے وہ اپنے ہتھیار پھینک کر اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائینگے"[1]۔

کسانوں کی پیادہ فوج سے بدرجہا زیادہ مفید وہ امدادی فوجیں ہوتی تھیں جو اطرافِ سلطنت کی جنگجو قوموں کی طرف سے لڑنے کے لیے آتی تھیں، یہ قومیں اگرچہ حدودِ سلطنت کے اندر بود و باش رکھتی تھیں تاہم چونکہ وہ مقامی فرمانرواؤں کے زیرِ حکومت تھیں اس لیے ان کو امتیازی درجہ حاصل تھا، اس قسم کی فوجیں ہخامنشیوں کے وقت میں بھی شاہی لشکر میں شامل ہؤا کرتی تھیں، داریوش اور کھشیارشا کی مہموں میں اقوام ساکا کی فوجیں بہت قدردانی کی نگاہ سے دیکھی گئیں، اسی طرح ساسانیوں کے زمانے میں ایسی امدادی فوجیں جن پر بہت اعتماد کیا جاتا تھا سگستانیوں کی تھیں[2] یعنی وہ قبائل ساکا جو ہجرت کر کے درنگیانا میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، مختلف پہاڑی اقوام کی فوجیں میدانِ جنگ میں فوجی خدمات پر اکثر مأمور کی جاتی تھیں مثلاً اہلِ قفقاز اور بحر خزر کے جنوبی ساحل کے باشندے جن میں گیلی، کادوسی[3]، ورت، البان، دیلم[4]، وغیرہم شامل تھے، اسی طرح باختر کے قبائل کوشان[5] اور چینوئیت (جنھوں نے غالباً چوتھی صدی کے نصف اوّل میں کوشان کا ملک فتح کر لیا تھا) فوجی خدمات سرانجام دیتے تھے[6]، ان میں سے بعض اقوام شاید کُلّی طور پر خود مختار تھیں اور بھاڑے کی فوجیں بہم پہنچاتی تھیں مثلاً قبائل ہون[7]

---

[1] امیان ۲۴؍۲، ۱۰۸، [2] ایضاً، ۱۹، ۳۰۲، [3] ایلیزے طبع لانگلوا، ج ۲، ص ۲۲۱، امیان، ۲۷، ۱۰۵، [4] اگاتھیاس، ۳، ۱۷، دیکھو نولڈکہ، ترجمۂ طبری، ص ۴۷۹، ح ۱، بقول اگاتھیاس دیلمی بہ نسبت تیر و کمان کے تلوار، خنجر اور نیزے کے ساتھ لڑنے میں زیادہ ماہر تھے اسی لیے وہ گھمسان کی لڑائی میں بہتر طور پر لڑ سکتے تھے، تاریخ اربیلا کے ایک بیان کی رو سے گیلیوں، دیلمیوں اور گرگانیوں کو شاپور اول نے مطیع کر لیا تھا، (دیکھو مارکوارٹ: "فہرست پایہ تخت ہائے ایرانشہر" ص ۵۲)،
[5] مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۳۶، [6] ایضاً، ص ۵۰، [7] (Huns)

جو کبھی کبھی ایرانی لشکر میں شریک نظر آتے ہیں[1]، ان تمام امدادی فوجوں کے سپاہی گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگ کرتے تھے بعینہٖ جس طرح کہ ایرانیوں کی رسالہ فوج لڑتی تھی[2]، آرمینیہ کی رسالہ فوج جو ایرانیوں کے جھنڈے تلے لڑائی میں شریک ہوتی تھی خاص طور پر توقیر کی نظر سے دیکھی جاتی تھی، جب وہ طیسفون میں داخل ہوتی تھی تو شاہِ ایران کسی بڑے ممتاز امیر کو اُن سے آرمینیہ کا حال دریافت کرنے کے لیے بھیجتا تھا اور دوسرے دن خود آکر ان کی سلامی لیتا تھا[3]،

فوج کے بڑے دستے کو گُند کہتے تھے جس کا افسر گُندسالار کہلاتا تھا، گُند چھوٹے چھوٹے حصّوں میں منقسم تھا جن کا نام درفش تھا اور درفش کے پھر چھوٹے حصّے کیے گئے تھے جو وَشت کہلاتے تھے[4]، ہر ایک درفش کا علیحدہ جھنڈا ہوتا تھا[5]، ساسانیوں کی برجستہ تصاویر میں ان جھنڈوں اور فوجی علامتوں کے بعض نمونے دیکھنے میں آتے ہیں، مثلاً ایک جھنڈا ایسا ہے کہ اس کا پھریرا لمبا لیکن چوڑائی میں بہت کم گویا کم و بیش فیتے کی مانند ہے جو ایک بانس کے سرے پر لہرا رہا ہے[6]، نقشِ رستم کے برجستہ کتبوں میں ایک ساسانی بادشاہ کی تصویر ہے[7] جو ہاتھ میں نیزہ لیے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا کر دشمن پر جھپٹ رہا ہے اور دشمن کا نیزہ اس کی ضربت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے، اسی کے ساتھ ایک علم بردار کی تصویر بھی ہے جس کے ہاتھ میں ایک بلّی ہے اور اس کے اوپر کے سرے پر لکڑی کا ایک ٹکڑا صلیبی طور پر نصب کیا ہوا ہے جس کے اوپر تین گیند یا

---

[1] ایلیزے، طبع لانگلوا، ج ۲، ص ۲۲۱، [2] اتیان، ۱۹، ۲، ۲-۳، [3] پانکابیان، مجلّۂ آسیائی (JA) ۱۸۶۶ء، حصّہ اوّل ص ۱۱۲، [4] ہیوبشمن، ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۳۰؛ ۱۴۶، [5] لفظ درفش کے معنے جھنڈے کے ہیں، [6] فلاندین و کوشت Flandin and Coste: "سفرنامۂ ایران" (فرانسیسی) تصویر نمبر ۵۰، [7] غالباً بہرام دوم،

لگی ہوئی ہیں دو دو نوسروں پر اور ایک بیچ میں بلّی کے سرے کے عین اوپر، دو پھندنے جو شاید اون یا ایسی ہی کسی اور چیز کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں لکڑی کے دو نوسروں کے نیچے لٹک رہے ہیں[۱]، (دیکھو تصویر) ، قیصر اوریلین[۲] نے ملکہ زینوبیا[۳] پر فتح پاکر جو مالِ غنیمت حاصل کیا تھا اس کی فہرست میں "ایرانی جھنڈے" بھی مذکور ہیں[۴] ، میدانِ جنگ میں جب فوج کا حملہ شروع ہوتا تھا تو آتشی رنگ کا جھنڈا بلند کیا جاتا تھا[۵] ، شاہنامۂ فردوسی کے اس حصّے میں جو کیانیوں کے افسانوی زمانے کے متعلق ہے شاعر نے اکثر قدیم بہادروں کے جھنڈوں کو بیان کیا ہے ، چونکہ یہ بیانات ساسانی مأخذوں سے لیے گئے ہیں لہذا یقینی بات ہے کہ ساسانی جھنڈوں کو نمونے کے طور پر پیشِ نظر رکھا گیا ہوگا ، شاہنامے میں ایک شاہی جھنڈے کا ذکر ہے جس میں بنفشی رنگ کے کپڑے پر نیچے سورج کی تصویر بنی تھی اور اس کے اوپر سنہری رنگ کا چاند تھا[۶] ، ایک اور جھنڈے کا ذکر ہے جس پر شیر ببر کی تصویر بتائی گئی ہے جو اپنے پنجوں میں گرز اور تلوار پکڑے ہوئے ہے[۷] ، ایک اور سیاہ جھنڈا مذکور ہے جس پر ایک بھیڑیے کی شکل ہے ، ایک اور جھنڈے پر شیر کی شکل بنی ہے، اسی طرح کئی جھنڈے اور ہیں جن میں کسی پر ہرن ، کسی پر سوٗر ، کسی پر عقابِ شاہی

---

[۱] زارہ۔ ہرتسفلت : "برجستہ حجّاری" تصویر نمبر ۶ اور ص ۸۷ ببعد ، زارہ : "قدیم ایران کی صنّاعی" (جرمن) ، تصویر نمبر ۸۳ ، نیز دیکھو زارہ دررسالۂ کلیو (Klio) ، ج ۳ ، جزو ۳ ، جہاں جھنڈے کی تصویر بھی دی ہے اور اس کی شرح بھی لکھی ہے ، [۲] (Aurelian) ، عہدِ سلطنت ۲۷۰ء تا ۲۷۵ء (مترجم)، [۳] (Zenobia) ، پیلمرا کی ملکہ ، واقعۂ مذکور ۲۷۱ء میں پیش آیا (مترجم) [۴] "حیات اوریلین" از فلیویوس ووپسکوس (Flavius Vopiscus) بزبان لاطینی ، باب ۲۸ ، [۵] امیان ۲۰ ، ۶ ، ۳۰ ، [۶] شاہنامہ طبع فولرس ، ج ۱ ، ص ۴۷۸ ، شعر ۴۳ ، ۷ ، [۷] ایران کے موجودہ جھنڈے پر بھی ایک شیر کی تصویر ہے جس کے پنجے میں تلوار ہے اور پیچھے سورج ہے ،

اور کسی پر اژدہائے ہفت سر کی تصویریں بنائی گئی ہیں[1]، پھر ایک اور جھنڈے پر سورج کی تصویر ہے، ایک پر گورخر کی شکل بنی ہے، ایک جھنڈے کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے کناروں پر جھالر لگی تھی اور کپڑے کی ارغوانی سطح پر چاند کی تصویر تھی، ایک اور جھنڈے پر بھینس کی شکل بنلائی گئی ہے[2] وغیرہ،

ساسانیوں کے زمانے میں ایران کا قومی جھنڈا درفش کاویان تھا جو بموجب روایت کاوہ آہنگر کے پیش بند کا بنا ہوا تھا جس نے قدیم افسانوی زمانے میں لوگوں کو ظالم دہاگ کے خلاف برانگیختہ کیا تھا لیکن اس بڑے شاہی جھنڈے کا ذکر عہد ساسانی کے صرف آخری زمانے میں ملتا ہے[3]،

بڑی بڑی لڑائیوں میں جب بادشاہ بذات خود فوج کی کمان کرتا تھا تو اُس کے لیے قلب لشکر میں ایک بہت بڑا تخت نصب کیا جاتا تھا جس کے گرد بادشاہ کے خدم و حشم کھڑے رہتے تھے اور فوج کا ایک دستۂ خاص اس کی نگہبانی کے لیے مأمور رہتا تھا جس کا فرض ہوتا تھا کہ تا دم زیست اس کی حفاظت کریں، تخت کے چاروں کونوں پر جھنڈے گاڑے جاتے تھے اور ان کے باہر کی طرف تیر اندازوں اور پیادہ سپاہیوں کا ایک حلقہ ہوتا تھا، جب بادشاہ موجود نہ ہوتا تھا اور فوج کی کمان سپہ سالارِ اعظم کے ہاتھ میں ہوتی تھی تو پھر اسی تخت پر وہ بیٹھتا تھا، قادسیہ کی لڑائی میں اسی قسم کا تخت تھا جس پر بیٹھ کر سپہ سالار رستم جنگ کے نشیب و فراز کو دیکھتا رہا تھا[4]، ایک خاص خیمے کے اندر سفری آتشدان رکھے

---

[1] شاہنامہ طبع فولرس ج ۲، ص ۷۸۵، شعر ۳۱۰ بعد، [2] ایضاً ج ۲ ص ۸۰۱، شعر ۵۲۷ بعد، [3] دیکھو آگے باب دہم، [4] ابن خلدون، طبع فرانس، ص ۶۹ وغیرہ، مؤرخ امّیان لکھتا ہے کہ آج تک یہ نہیں سنا گیا کہ کوئی شہنشاہِ ایران (شاپور دوم کی طرح) لڑائی کے گھمسان میں گھسا ہو،

جانتے تھے کیونکہ بادشاہ آتشدانوں اور موبدوں کے بغیر کبھی کسی مہم پر نہیں جاتا تھا[1]۔

محاصرے کے فن میں اشکانیوں کو زیادہ مہارت نہ تھی لیکن ساسانیوں کے زمانے میں اہل ایران نے قلعہ گیری کے طریقے رومیوں سے سیکھ لیے تھے چنانچہ وہ محاصروں میں قلعہ شکن گُرزوں، منجنیقوں، متحرّک برجوں اور دوسرے قدیم آلاتِ محاصرہ کا استعمال کرنے لگے تھے، اور جب وہ خود محصور ہوتے تھے تو دشمن کے آلاتِ محاصرہ کو بیکار کر سکتے تھے، ان کی قلعہ شکن مشینوں کو کمند سے پکڑ لیتے تھے اور ان پر پگھلا ہوا سیسہ اور دوسرے آتشگیر مادے پھینکتے تھے[2]۔ لینن گراڈ کے عجائب گھر میں چاندی کا ایک پیالہ ہے جو عہد ساسانی کی ابتدائی صدیوں میں بنایا گیا ہے، اس کے اندر ایک تصویر بنی ہے جس میں ایک مضبوط قلعہ دکھایا گیا ہے جس کا دشمن نے محاصرہ کر رکھا ہے، اس کی کنگرہ دار دیوار ستونوں کے اوپر قائم ہے، درمیان میں قلعہ کا دروازہ ہے جو بند ہے، دیوار کے اوپر ایک برج ہے جس کے اوپر تین مسلّح سپاہی دیدبانی کر رہے ہیں، برج کے بائیں طرف ایک کھمبے پر جھنڈے کا لمبا اور سکڑا پھریرا ہوا میں اڑ رہا ہے، دیوار کے اوپر برج کے آگے چند بوق بجانے والے ایک آتشگاہ یا شاید کسی اور عمارت کے گرد جمع ہیں اور محصورین کو دشمن کے حملے کی خبر دینے کے لیے بوق بجا رہے ہیں، دونو طرف حملہ آور گھوڑوں پر سوار تلواریں نیزے اور گول ڈھالیں ہاتھوں میں

---

[1] پاتکانیان: "مجلۂ آسیائی" (JA) ۱۸۶۶ء، حصۂ اوّل ص ۱۱۳، [2] اَمیان، ۱۹، ۵ببعد، ۲۰، ۶-۷ و ۱۱،

نقش رستم میں عہد ساسانی کی برجستہ تصویر - (بہرام دوم؟)

ایک مستحکم قلعے کا محاصرہ - چاندی کے ایک پیالے میں کندہ شدہ تصویر

سیلیے قلعہ پر حملہ کر رہے ہیں، ایک سوار کے ہاتھ میں جھنڈا ہے جس کے چاروں کونے ہوا میں لہرا رہے ہیں[1]، (دیکھو تصویر)

جب کبھی کوئی حملہ آور آتا تھا تو ایرانی لوگ اناج کے کھیتوں کو آگ لگا دیتے تھے تاکہ غنیم کو رسد نہ مل سکے[2] یا جہاں آبپاشی کا انتظام ہوتا تھا وہاں پانی کے بند کھول دیتے تھے تاکہ سیلاب کی وجہ سے راستہ رک جائے[3]،

جنگ کے قیدیوں کو ان کے ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھ کر لے جاتے تھے اور یا تو انھیں غلاموں کے طور پر بیچ دیتے تھے[4] یا ملک کے غیر آباد علاقوں کو آباد کرنے اور زمین کے جوتنے بونے کے لیے بھیج دیتے تھے[5]، عہد ساسانی کے ایک برجستہ کتبے کی تصویر میں جو شہر شاپور (فارس) میں ہے بادشاہ کے حضور میں جنگ کے قیدیوں یا باغیوں کے کٹے ہوئے سر پیش کیے جا رہے ہیں[6]،

لڑائی میں جانوں کے نقصان کا اندازہ کرنے کے لیے ایرانیوں کے ہاں ایک انوکھا دستور تھا، جنگ سے پہلے بادشاہ ایک جگہ تخت پر بیٹھ جاتا تھا اور اس کے ساتھ وہ سپہ سالار ہوتا تھا جس کو وہ مہم سپرد کی گئی ہوتی تھی، پھر سپاہی ایک ایک کر کے بادشاہ کے سامنے سے گزرتے تھے اور ہر سپاہی ایک ایک تیر بڑے بڑے ٹوکروں میں (جو اسی مطلب کے لیے وہاں رکھے ہوتے تھے) پھینکتا جاتا تھا، اس کے بعد ٹوکروں کو بند کر کے اُن پر شاہی مُہر

---

[1] زارہ: "ایران قدیم کی صناعی"۔ تصویر نمبر ۱۰۵، [2] اتیان، ۲۸، ۲۰۷، [3] ایضاً ۲۸، ۳، ۱۰، [4] ایضاً، ۱۹، ۲۰۶، [5] دیکھو اوپر ص ۱۶۳، ۱۶،۲۰، اتیان، ۲۰۰، ۲۰۶، نیز دیکھو لابور (Labourt): "عیسائیت در ایران بعہد ساسانی" ص ۱۲۲، ح ۳،

[6] فلاندین و کوست، ج ۱، تصویر نمبر ۵۰،

لگا دی جاتی تھی، جب لڑائی ختم ہو چکتی تھی تو ٹوکرے کھولے جاتے تھے اور اُسی طرح ایک ایک سپاہی ایک ایک تیر اٹھاتا جاتا تھا، جتنے تیر بچ رہتے تھے اُن کی تعداد سے پتہ چل جاتا تھا کہ کتنے سپاہی مارے گئے یا قید ہوئے، بادشاہ کو اس بات کا بھی اندازہ ہو جاتا تھا کہ سپہ سالار نے اُس کے لیے لڑائی میں فتح کو کس حد تک مہنگی قیمت پر خریدا[1]، ایرانیوں میں یہ دستور بہت پرانا معلوم ہوتا ہے، مؤرّخ ہیروڈوٹس نے جو مملکت اگزامپیئوس[2] کی عظیم الجثّہ مقدّس دیگ کا ذکر کیا ہے[3] وہ اگرچہ افسانہ ہے تاہم اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے زمانے میں نواحِ بحرِ اسود کے قبائل سکیتھین[4] میں مردم شماری کا کچھ اسی طرح کا دستور تھا،

ساسانی اوستا کے گم شدہ حصّوں میں اور ان کی پہلوی شرحوں میں کہ وہ بھی تلف ہو چکی ہیں[5] فوجی امور کے متعلّق بہت سی باتیں بیان کی گئی تھیں، مثلاً ملک پر غیر اقوام کے حملہ آور ہونے کی صورت میں سرحدوں کی حفاظت[6] اور کوچ کی حالت میں سپاہیوں کی ضروریات یا بیگار کی بہم رسانی وغیرہ پر اُن میں بحث کی گئی تھی[7]، ایک نسک موسوم بہ دُژد سر نزَدْ میں ایک پورا باب بہ عنوان "ارتیشتارشتان"[8] تھا جس میں جنگ اور سپاہ اور اسی قسم کے اور اہم امور پر بحث تھی کیونکہ کہا گیا ہے کہ "دو پاؤں والے بھیڑیوں (یعنی دشمنوں) کی بیخ کنی چار پاؤں والے بھیڑیوں کی نسبت زیادہ ضروری ہے"۔ باب مذکور

---

[1] پروکوپیوس، ج ۱، ۱۸، ۵۲-۵۳، [2] (Exampaios)، [3] ج ۴، ص ۸۱، [4] (Scythian) [5] دیکھو اوپر، ص ۶۳-۶۴ اور ۱۸۴، [6] دین کرد، ج ۸، ص ۳۷ و ۵۰، [7] ایضاً ص ۲۲، [8] ایضاً ص ۲۶،

میں زرہ پوش اور غیر زرہ پوش فوجوں ، فوج کے افسروں اور دوسرے افسروں کے مراتب ، ہر ایک درجے کے افسر کے ماتحت سپاہیوں کی تعداد، افسروں اور سپاہیوں کی تنخواہ اور راشن ، ان کے ساز و سامان ، گھوڑوں کے راتب اور اسی قسم کی اور باتوں کے متعلق تفصیلات دی گئی تھیں ، امن کے زمانے میں ہتھیاروں اور جنگ کے سامان کو میگزینوں (انبارگ) اور سلاح خانوں (گنز) میں رکھ دیا جاتا تھا جن کا محافظ ایران انبارگ بذ تھا[1] ، اس کا یہ فرض تھا کہ ہر چیز کو مناسب حالت میں محفوظ رکھے اور جب ضرورت پڑے فوراً ہر چیز تیار ملے ۔ جب لڑائی ختم ہو جاتی تھی تو تمام چیزیں پھر وہیں رکھ دی جاتی تھیں[2] ، گھوڑوں کی خاص نگہداشت ہوتی تھی اور ستور بز ہشنک (بیطار) بڑے رتبے کا آدمی سمجھا جاتا تھا ، گھوڑوں کا علاج جڑی بوٹیوں سے ہوتا تھا اور ان کا ذخیرہ جمع کر کے رکھا جاتا تھا[3] ، اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ غیر فوجی لوگوں کے گھوڑے ضرورت کے وقت جبراً پکڑے جائیں سوائے اس حالت کے کہ فوری لڑائی پیش آجائے اور عین وقت پر گھوڑے مناسب تعداد میں بہم نہ پہنچ سکیں[4] ، سپاہیوں کی خوراک کے لیے گوشت ، دودھ اور روٹی کا سب کو برابر حصہ وزن کر کے روزانہ تقسیم کیا جاتا تھا[5] ، معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے ایام میں آدمیوں اور گھوڑوں کو معمولی راتب سے زیادہ دیا جاتا تھا[6] ،

ارتیشتارستان میں ان سب باتوں کے علاوہ میدان جنگ میں لڑائی کی

---

[1] دیکھو اوپر ص ۱۳۸ ، [2] دین کرد ، ج ۸ ، ص ۲۶ ،
[3] ایضاً ، ۲۶ ، ۱۱ ، [4] ایضاً ، ۲۶ ، ۱۸ ،
[5] ایضاً ، ۲۶ ، ۱۰ ، [6] ایضاً ، ۲۶ ، ۱۲ ،

چالوں کے متعلق بھی اشارات تھے، مثلاً یہ کہ کن حالات میں لڑنا اور کن حالات میں نہ لڑنا مناسب ہے، سپہ سالار سے یہ توقّع کی جاتی تھی کہ وہ فن جنگ کی لیاقت بخوبی رکھتا ہو، ایک نظر میں سارے نشیب و فراز کو سمجھ سکتا ہو، اپنے لشکر کے پورے حال سے باخبر ہو، ہر بات میں محتاط ہو، فوج کے مختلف دستوں کو پہچانتا ہو اور ہر ایک کی قوّت کا اس کو خوب اندازہ ہو، لڑائی کے دن کسی قسم کی گھبراہٹ اس سے ظاہر نہیں ہونی چاہیے اور نہ اس کو ایسی گفتگو کرنی چاہیے جس سے لشکر میں خوف و ہراس پیدا ہو، سپاہیوں کو چاہیے کہ ایک دوسرے سے رشتۂ محبّت کے ساتھ پیوستہ رہیں اور سپہ سالار کی کورانہ اطاعت کریں، لڑائی کے دن سپہ سالار کے لیے لازمی تھا کہ اپنے لشکریوں کو موت کے خطرے میں پڑنے کا حوصلہ دلائے اور اُنہیں یہ بتائے کہ کفّار کے ساتھ جنگ کرنا ہر شخص کا مذہبی فرض ہے، اگر زندہ رہے تو اس دُنیا میں انعام اور ترقی ہے اور اگر مر گئے تو عقبیٰ میں روحانی اجر ہے[1]، بگل بجا کر فوج کو لڑائی کے لیے برانگیختہ کیا جاتا تھا[2]، لڑائی شروع کرنے سے پہلے سب سے قریب کی ندّی میں کچھ مقدّس پانی گرایا جاتا تھا اور کسی مقدّس درخت کی ٹہنی پہلے تیر کے طور پر دشمن کی طرف پھینکی جاتی تھی[3]، یہ بھی دستور تھا کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے سپہ سالار دشمن کی فوج کو شہنشاہ کی اطاعت اور دین زرتشتی کو قبول کرنے کی نصیحت کرتا تھا[4] یا "مرد و مرد" (یعنی "مرد کے مقابلے پر مرد"!) کی صدا لگا کر دلیروں

---

[1] دین کرد، ۲۶، ۱۴-۱۶، ۲۲-۲۳، [2] ایبان، ۱۹، ۲، ۵، ایلیز، ج ۲، ص ۲۲،
[3] دین کرد، ج ۸، ۲۶، ۲۴،
[4] دین کرد، ج ۸، ۲۶، ۲۱،

کو مبارزت کے لیے آمادہ کرتا تھا[1]۔

ارتیشتارستان میں آخری بحث یہ تھی کہ فتح کے بعد فوج کو کیا انعام دینا چاہیئے اور مغلوب دشمن اور اسیرانِ جنگ اور وہ لوگ جو بطور یرغمال دیے گئے ہوں ان سب کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے، پھر یہ کہ اگر ایک قوم مغلوب ہو جائے تو اس کو کن حالتوں میں اس بات کے انتخاب کا حق دینا چاہیے کہ وہ یا تو موت کو قبول کرے اور یا تو میّت ایرانی کو اختیار کرے[2] یعنی ایرانی فوج میں شامل ہو کر تلوار کے ذریعے سے سلطنتِ ایران کی خدمت کرے، اوستا کے ایک نسک میں جس کا نام سکاذُم نسک ہے[3] ایک جگہ پر "باخوف اور بے خوف لشکروں" کا ذکر آیا ہے، شارح نے نہایت سادگی کے ساتھ اپنے قومی غرور کو یہ کہہ کر ظاہر کیا ہے کہ اجنبی لشکروں کے مقابلے میں "بے خوف" ہونے کا امتیاز ایرانی سپاہ کو حاصل ہے[4]۔

ساسانیوں کے آئینِ جنگ کا ایک دلچسپ نمونہ ابن قتیبہ[5] نے کسی آئین نامگ[6] سے اخذ کیا ہے اور اس کو موسیو اینوس ترانت زیف نے شائع کیا ہے[7]، جیسا کہ اس روسی فاضل نے توضیح کی ہے اس بیان کے دو حصّے ہیں ایک میدانی لڑائی کے متعلق اور دوسرا قلعہ گیری کے متعلق، پہلے حصّے میں میدانِ جنگ کے اندر صفوں کی ترتیب پر بحث ہے، لکھا ہے کہ قلبِ لشکر کو کسی بلند مقام پر جاگزیں کرنا چاہیے اور رسالہ فوج کو آگے رکھنا چاہیے، جو تیر انداز بائیں ہاتھ سے تیر

---

[1] نہایہ (براؤن)، ص ۲۵۰، پروکوپیوس، ج ۱، ص ۱۳، بلعمی (ترجمہ زوٹن برگ)، ج ۲، ص ۲۸۹-۲۹۰، نیز دیکھو زارہ - ہرتسفلٹ: "برجستہ حجّاری" ص ۷۴، ج ۱، یمن وِلست: "مجلۂ آسیائی" (J A) سنہ ۱۹۳۲ء، ص ۱۳۵ ببعد، [2] دین کرد، ج ۸، ۲۶، ۲۲، [3] ایضاً، ۳۸، ۳۰، [4] عیون الاخبار، طبع مصر، ج ۱، ص ۱۱۲، ببعد، [5] دیکھو اوپر، ص ۴۷، [6] "مطالعاتِ ساسانی" (بزبان روسی)، ص ۴۶ ببعد، ترجمہ انگریزی از بوگدانوف طبع کاما انسٹیٹیوٹ (بمبئی سنہ ۱۹۲۶ء) ص ۷۵-۷۶

چلا سکتے ہوں ان کو بائیں پہلو پر کھڑا کرنا چاہیے، اس کے بعد اعمال حرب کے متعلق کچھ تفصیلات بیان کی گئی ہیں، سپہ سالار کو چاہیے کہ لشکر کی ترتیب میں اس بات کا خیال رکھے کہ سورج اور ہوا کا رُخ پیچھے کی طرف سے ہو، اگر دونو لشکر کسی ندی کے قریب ہوں اور گھاٹ پر ہر ایک قبضہ کرنا چاہتا ہو تو مناسب یہ ہے کہ دشمن کے سپاہیوں اور جانوروں کو اطمینان کے ساتھ پانی پینے دیا جائے کیونکہ سیراب ہونے کے بعد آدمی بآسانی مغلوب ہوتے ہیں، اس کے بعد دشمن کے لیے جال بچھانے اور کمین گاہ کے لیے آدمیوں اور گھوڑوں کا انتخاب کرنے اور شبخون مارنے کے طریقے بتائے گئے ہیں، لکھا ہے کہ شبخون مارتے وقت خوب شور مچانا چاہیے اور ہر قسم کی آوازیں بلند کرنا چاہئیں تاکہ دشمن ان سے خوف زدہ ہو، دوسرے حصے میں قلعہ گیری کے مختلف حیلے بیان کیے گئے ہیں کہ جاسوسوں کے ذریعے سے محصورین کا حال معلوم کرنے کی کس طرح کوشش کرنی چاہیے اور کس ہوشیاری کے ساتھ نامہ و پیغام بھیج کر یا تیروں کے ذریعے سے قلعے کے اندر خط پھینک کر ایسی وحشتناک خبریں دشمن کو پہنچانی چاہئیں جن سے وہ خوف زدہ ہو اور اس کی ہمت ٹوٹ جائے،

موسیو اینوس ترانت زیف نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ ایرانیوں اور بازنتینی رومیوں کے فنونِ جنگ میں جو فرق شروع میں تھا وہ رفتہ رفتہ مٹتا گیا یہاں تک کہ بالآخر دونو قوموں کے قوانین جنگ بالکل ایک ہو گئے، لہذا آئین نامگ کے اس اقتباس کی تفصیلات کو واضح کرنے کے لیے لڑائیوں کے اُن حالات سے یا آدابِ حرب کے متعلق اُن رسالوں سے جو بازنتینی

مصنّفوں نے لکھے ہیں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے ، فاضل مصنّف نے اقتباس مذکور کے روسی ترجمے کے ساتھ جو مفصّل تشریحات دی ہیں ان میں اس نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے ، اس نے لکھا ہے کہ دونو قوموں کے قوانینِ جنگ کے درمیان ایسے روابط پائے جاتے ہیں جن کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں نے ایک دوسرے کی کتابوں سے فائدہ اُٹھایا ہے ، ارتیشتارستان کے ساسانی مفسّرین نے جو مطالب بیان کیے ہیں ان کی توضیح کے لیے موسیو اینوس ترانت زیف کے اشارات کار آمد ہو سکتے ہیں ؛

وہ پہاڑی علاقہ جو بحرِ اسود کے مشرقی کنارے سے لے کر دریائے دجلہ کے وسط تک چلا گیا ہے سلطنت ایران اور سلطنت روم کے درمیان حدِّ طبعی نہ بن سکا اور اس جغرافیائی حالت کی وجہ سے دونوں سلطنتوں کے درمیان تقریباً دائمی جنگ جاری رہی ، اگر آرمینیہ اتنا طاقتور ہوتا کہ دونو کے مقابلے پر اپنی آزادی کو برقرار رکھ سکتا تو شاید وہ دونو کے درمیان ایک مملکتِ فاصل کا کام دے سکتا لیکن وہ بہت کمزور تھا ، خاندان اشکانی کی ایک شاخ آرمینیہ میں حکمران تھی لیکن وہاں کی سیاسی حالت مستحکم نہ تھی ، وہاں کے ماتحت فرمانروا ہمیشہ بغاوت کے لیے آمادہ رہتے تھے اور ایرانی اثر اور رومی اثر میں باہمی جنگ جاری رہتی تھی ،

اردشیر اول نے رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے سے کچھ زیادہ فائدہ حاصل نہ کیا اور ہٹرا (الحضر) کی چھوٹی سی عربی مملکت نے بھی (جو قدیم نینوا

کے جنوبی صحرا میں واقع تھی) نہایت شدّت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا اور مسخّر نہ ہو سکی، بالآخر شاید شاپور اوّل نے اس کو فتح کیا[1]،

روم کے ساتھ جنگ کا خاتمہ ایک صلحنامے کے ذریعے سے ہوا جو ۲۴۴ء میں شاپور اوّل اور قیصر روم فیلیپ (ملقّب بہ "عرب") کے درمیان طے پایا، اس صلحنامے کی رو سے فیلیپ نے آرمینیہ ایرانیوں کے حوالے کر دیا، شاپور کو ابتدا میں نواح بحر خزر کے باشندوں اور اندرون سلطنت کی سرکش قوموں اور شمال و مشرق کی سرحدی مملکتوں کے ساتھ جنگ کرنی پڑی، "تاریخ اربیلا کی روایت کے مطابق[2] "شاپور نے اپنے عہد سلطنت کے پہلے سال میں خوارزمیوں کے ساتھ جنگ کی اور پھر کوہستانی علاقے کے مادیوں (اہل میڈیا) کے ساتھ[3] نبرد آزما ہوا اور ایک خونریز لڑائی کے بعد ان کو مغلوب کیا، وہاں سے وہ گیلیوں، دیلمیوں اور گرگانیوں کو (جو دور دراز کے پہاڑی علاقوں میں بحر خزر کے نواح میں رہتے

---

[1] ہیٹرا (Hatra) کی فتح از روی افسانہ ایک غدّاری کی وجہ سے ہوئی، وہاں کے بادشاہ کی ایک بیٹی تھی جو شاہ ایران پر عاشق تھی، اس نے شہر کے دروازے کھلوا دیے تاکہ وہ داخل ہو سکے، شاپور نے اس غدّاری کے صلے میں اس سے شادی کر لی، بیاہ کی رات اس نے رو رو کر کاٹی اور اس قدر بیقرار رہی کہ سو نہ سکی، اگلے دن صبح جب بستر کو دیکھا گیا تو نہالی کے نیچے ایک آس کا پتّا ملا جو رات بھر اس کی تکلیف کا باعث رہا تھا، بادشاہ اس کی انتہائی نزاکت سے سخت متعجّب ہوا اور اس سے پوچھا کہ تیرا باپ تجھے کیا کھلایا کرتا تھا؟ اس نے کہا گودا، انڈے کی زردی، بالائی، شہد اور عمدہ شراب، شاپور نے کہا کہ "پھر تو نے باپ کے احسانوں کا خوب بدلہ دیا! مجھے اندیشہ ہے کہ میرے ساتھ بھی تو ایسا ہی سلوک کریگی"، تب اس نے حکم دیا کہ اس کے سر کے بالوں کو ایک سرکش گھوڑے کی دم کے ساتھ باندھا جائے اور گھوڑے کو ایک ایسے میدان میں دوڑایا جائے جہاں کانٹے دار جھاڑیاں ہوں یہاں تک کہ اس کا کام تمام ہو جائے، (ثعالبی، ص ۴۹۲، مروج الذہب مسعودی، ج ۴ ص ۸۴)، دوسرے عرب مؤرّخین نے اس قصّے کا ہیرو اردشیر اوّل یا شاپور دوم کو بنایا ہے، (دیکھو گبریلی: رسالہ "مطالعات مشرقی" بزبان اطالوی ج ۱۳، ص ۲۰۹)، [2] طبع مِنگانا (لیپزگ ۱۹۰۸ء)، مارکوارٹ: "فہرست پایہ تخت ہائے ایرانشہر" (ص ۵۲)، [3] آذربائجان میں، (مارکوارٹ)

تھے) زیر کرنے کے لیے گیا۔ ایک پہلوی کتاب موسوم بہ " شہرستانیہائے ایرانشہر"[1] میں لکھا ہے کہ شاپور نے خراسان میں ایک تورانی بادشاہ پہلیزگ کو شکست دے کر قتل کیا اور جس جگہ لڑائی ہوئی تھی وہاں ایک مستحکم شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام اس نے نیو شاپور (بمعنی "پسندیدہ شاپور") رکھا جو آج نیشاپور کہلاتا ہے[2]، وہ ولایت ابہرشہر کا صدر مقام تھا اور یہ علاقہ قبیلہ اَپرن[3] کا وطن تھا، اردشیر نے "شاہانشاہِ ایران" کے لقب پر قناعت کی لیکن شاپور نے اپنی فتوحات کے بعد اپنے کتبوں میں ایک زیادہ شاندار لقب اختیار کیا یعنی "شاہانشاہِ ایران واَن ایران" (بمعنی شہنشاہِ ایران و غیر ایران)[4]،

چند سال بعد روم کے ساتھ پھر جنگ چھڑ گئی، ۲۶۰ء میں قیصر روم ویلیرین[5] جو بذات خود ایران کے خلاف لشکر لے کر آیا تھا شکست کھا کر گرفتار ہوا، شہنشاہ اب اپنے آپ کو مشرق و مغرب کا مالک تصور کر رہا تھا چنانچہ اس نے ایک رومی مفرور سائریاڈیس[6] کو جس نے ایران میں پناہ لی تھی "قیصر روم" کا لقب عطا کیا لیکن با ایں ہمہ اس شخص کا نام تاریخ میں باقی نہیں رہا[7]، ویلیرین کے انجام کا حال معلوم نہیں صرف اس قدر یقینی ہے کہ وہ قیدی ہی کی حالت میں (غالباً شہر گندیشاپور میں) مرا، لیکٹینٹیوس[8] اور دوسرے رومی مؤرخوں نے جو

---

[1] آرٹیکل ۱۵ ، [2] حمزہ اصفہانی (ص ۴۸) نے بھی یہی لکھا ہے کہ نیشاپور کو شاپور اوّل نے آباد کیا لیکن طبری (ص ۸۴۰) اور ثعالبی (ص ۵۲۹) راوی ہیں کہ اس کا بانی شاپور دوم تھا،
[3] اَپرن قومِ داہہ کا ایک قبیلہ تھا جو ایک خانہ بدوش ایرانی قوم تھی، خاندانِ اشکانی کا بانی ابتدا میں قبیلۂ اَپرن ہی کا سردار تھا، [4] ہرتسفلٹ : پای کُلی ، ص ۴۱ ،
[5] (Valerian) [6] (Cyriades) [7] زارہ - ہرتسفلٹ : "برجستہ حجّاری" ص ۷۹ ، [8] (Lactantius)

اس قسم کی روایتیں لکھی ہیں کہ شاہ ایران ویلیرین کے ساتھ بدسلوکی کرتا رہا ان کو قبول کرنے میں تامّل چاہیے، مشرقی روایت کے مطابق شاپور نے اس کو ایک بند کی تعمیر میں کام کرنے پر مجبور کیا جو شوشتر کے قریب بنوایا گیا تھا اور پندرہ سو قدم لمبا تھا، آج بھی دریائے کارون کے پانی کو اُن کھیتوں میں پہنچانے کے لیے جو بلندی پر واقع ہیں اس بند سے کام لیا جاتا ہے اور اس کا نام بندِ قیصر ہے[۱] اصل حقیقت جو کچھ بھی ہو قیاس غالب یہ ہے کہ شاپور نے رومی قیدیوں کو گندیشاپور اور شوشتر کے نواح میں آباد کیا، ایران میں رومیوں کی صنعتی قابلیت کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شوشتر کا بند اور بڑا پُل دونوں رومی مہندسوں کے بنوائے ہوئے ہیں[۲]،

شاپور نے ویلیرین پر اپنی فتح کو بہت سی پتّھر کی یادگاروں سے زندۂ جاوید بنا دیا ہے، نقش رستم میں ایک بہت بڑی برجستہ تصویر ہے جس میں شاپور کو دکھایا گیا ہے کہ ایک شاہانہ اشارے کے ساتھ قیصر کی جاں بخشی کر رہا ہے، شہنشاہ گھوڑے پر سوار آرہا ہے اور گھوڑے نے اپنا دایاں پاؤں اُٹھا رکھا ہے، دیوار دار تاج کے اوپر وہی کپڑے کی بنی ہوئی مخصوص گیند ہے جو اتنی بلند چلی گئی ہے کہ چٹان کی دیوار میں اس کو جگہ دینے کے لیے اوپر سے نصف دائرہ اور تراش کر دیوار کے ساتھ شامل کرنا پڑا ہے، اس کی گھنی اور گھونگریالی

---

[۱] نولدکہ: ترجمہ طبری، ص ۳۳، ح ۲، [۲] دیولافوا (Dieulafoy): "ایران کی قدیم صناعی" (فرانسیسی)، ج ۵، تصویر نمبر ۱۲ و ۱۳، بند شوشتر کی تعمیر کے متعلق جو مقبول عام روایت ہے اس پر دیکھو موسیو ہیو آر کا مضمون (جمعیت مستشرقین بین الاقوامی کے تیرھویں اجلاس کی روئداد سنہ ۱۹۰۲ء، ص ۱۱۵ ببعد)

ڈاڑھی کا نچلا سرا ایک حلقے میں پرویا ہوا ہے اور سر کے بال جن کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ چھلّے دار بنایا گیا ہے سر کے پیچھے پڑے ہیں، فیتے جو لباس شاہی کا جزء ہیں پیچھے کی طرف دکھائی دے رہے ہیں اور ان میں متوازی شکن پڑے ہوئے ہیں، بدن میں ایک چست صدری پہن رکھی ہے اور شلوار پنڈلیوں پر شکن در شکن ہو رہی ہے، گلے میں کنٹھا اور کانوں میں بالیاں ہیں اور مرصّع زین کے اوپر سیدھا بیٹھا ہوا ہے، بایاں ہاتھ تلوار کے قبضے پر ہے جو کمر بند کے ساتھ بندھی ہے اور دایاں ہاتھ علامتِ عفو کے طور پر ویلیرین کی طرف بڑھا رکھا ہے جو اس کے آگے گھٹنے ٹیک رہا ہے، قیصر کے سر پر ابھی تک برگِ غار کا تاج ہے[1]، اس کی رومی عبا اس کے پیچھے ہوا میں اُڑ رہی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت تیزی کے ساتھ شہنشاہ کے پاؤں پر گرنے کے لیے آگے بڑھ رہا ہے، اظہارِ عجز کے لیے دایاں گھٹنا جھکا رکھا ہے اور بایاں گھٹنا زمین پر ٹیکا ہوا ہے، دونوں ہاتھ بادشاہ کی طرف بڑھا رکھے ہیں گویا رحم کی درخواست کر رہا ہے، اس کے پہلو میں ایک شخص کھڑا ہے کہ وہ بھی رومی لباس میں ہے، موسیو زارہ کا قیاس ہے کہ وہ دشمنِ قیصر سائریاڈیس ہے، یہ برجستہ حجّاری ساسانی صنعتگری کے بہترین نمونوں میں سے ہے، تصویر کے سارے سین میں ایک زندگی پائی جاتی ہے اور احساسات کا اظہار جاذبِ توجّہ ہے، بادشاہ کے گھوڑے کے پیچھے ایک ایرانی شخص ہے جس کا سر اور ایک ہاتھ (جو اُس نے تعظیم کے لیے اُٹھا رکھا ہے) نظر آ رہا ہے، اس کے نیچے پہلوی کا ایک کتبہ ہے

---

[1] درختِ غار (laurel) کے پتوں کا تاج یونانیوں اور رومیوں کے ہاں عزت و افتخار کی علامت تھی، بادشاہوں، نامور شاعروں اور پہلوانوں کو وہ تاج طرّۂ امتیاز کے طور پر پہنایا جاتا تھا، (مترجم)،

جو بمرورِ زمان ضائع ہو چکا ہے لیکن وہ بعد کے زمانے کا کندہ کیا ہوُا معلوم ہوتا ہے[1]، (دیکھو تصویر)

یہی تصویر بعض تغیرات کے ساتھ اصطخر کے مغرب میں شہر شاپور کے قریب (جس کا بانی شاپور اوّل تھا) بنی ہوئی ہے[2]،

شاپور کی اس فتح کی یادگار میں دو اور بڑی بڑی تصویریں برجستۂ حجّاری میں بنائی گئی ہیں اور وہ دونو شہر شاپور کی چٹان پر کندہ ہیں، ان میں سے ایک میں شاپور کو گھوڑے پر سوار دکھایا گیا ہے اور سائریاڈیس پاس کھڑا ہوُا ہے، گھوڑے کے نیچے ایک شخص لیٹا ہوُا ہے اور سامنے قیصر گھٹنوں کے بل ہے، اوپر ایک فرشتہ ہوا میں تَیر رہا ہے اور دونو ہاتھ فاتح کی طرف بڑھا کر اس کو پتّوں کا تاج دے رہا ہے جس کے ساتھ فیتے لہرا رہے ہیں، دائیں اور بائیں طرف دو صفوں میں جو اوپر نیچے ہیں ایرانی سوار اور پیادے نظر آ رہے ہیں جو مختلف اقوام کی امدادی فوجوں اور اُن کے ہتھیاروں کے نمونے پیش کرتے ہیں[3]،

دوسری تصویر بہت زیادہ بڑی ہے اور اس میں اشخاص کی تعداد بہت زیادہ ہے جو اوپر نیچے چار قطاروں میں دکھائے گئے ہیں، بدقسمتی سے یہ تصویر اب بہت خراب حالت میں ہے، تیسری قطار کے وسط میں شہنشاہ اور قیصر اُسی طرح دکھائے گئے ہیں جس طرح کہ مذکورہ بالا تصویر میں یعنی شہنشاہ گھوڑے پر سوار ہے

---

[1] دیولافوا، ج ۵، تصویر نمبر ۱۵، زارہ ۔ ہرتسفلٹ: "برجستہ حجّاری" تصویر نمبر ۷ وص ۷۷ ۔ ۸۰، زارہ: "ایران قدیم کی صنّاعی" (جرمن)، تصویر نمبر ۴۷، [2] دیولافوا، تصویر نمبر ۱۸، زارہ ۔ ہرتسفلٹ، تصویر نمبر ۴ وص ۲۲۲، [3] دیولافوا، تصویر نمبر ۲۰، آنڈریاس اور شٹولٹس (Stolze): "پرسی پولس" تصویر نمبر ۴۳ اور ص ۲۲۰، تصویر کا دایاں حصّہ دیولافوا کی کتاب میں دیا ہوُا ہے، (ج ۵، تصویر نمبر ۱۹)،

سکۂ بہرام اول

سکۂ شاپور اول

نقش رستم میں شاپور اول اور قیصر ویلیرین کی برجستہ تصویر
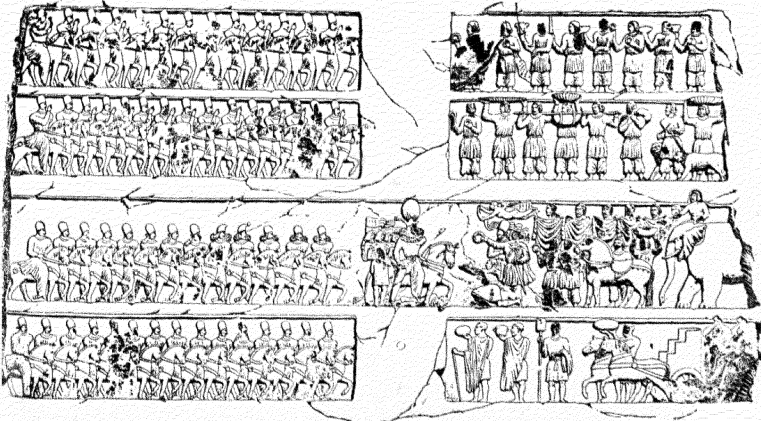
شاپور اول کی فتحیابی کی برجستہ تصویر (شہر شاپور میں)

اور پاؤں کے نیچے ایک شخص کو روند رہا ہے، سائریا ڈیس پاس کھڑا ہوا ہے اور قیصر گھٹنوں کے بل ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے، قیصر کے پہلو میں دو آدمی کھڑے ہیں جن میں سے ایک نے اونچی ایرانی ٹوپی پہن رکھی ہے اور دوسرا ہاتھ بڑھا کر بادشاہ کو ایک حلقہ یا تاج دے رہا ہے، ایک فرشتہ اُسی طرح اوپر ہوا میں تیر رہا ہے، اس جماعت کے پیچھے چند اہل روم اپنے رومی چغے پہنے ہوئے ہیں اور کچھ لوگ ہیں جو ایک گھوڑا اور ایک ہاتھی ساتھ لا رہے ہیں، ایک شخص سر پر طشت اُٹھائے ہوئے ہے، یہ سب لوگ تیسری قطار میں دائیں طرف ہیں، اسی طرف اوپر کی دو قطاروں میں چند آدمی ہیں جو گھٹنوں تک لمبے لمبے کرتے پہنے ہوئے ہیں اور ان کے پاجامے ٹخنوں تک ہیں، ان میں سے بعض سروں پر طشت اور بعض ہاتھوں میں تاج اُٹھائے لا رہے ہیں، ایک شخص نے ایک تھیلا اُٹھا رکھا ہے جو شاید روپوں سے بھرا ہے، دو شیر زنجیروں میں بندھے ہوئے ساتھ ہیں، سب سے نچلی قطار میں چند اور چیزیں لائی جا رہی ہیں جو شاید غنیمت کا مال ہے، ان میں ایک رومی جھنڈا بھی ہے، سب سے پیچھے قیصر کی جنگی رتھ ہے جس کو دو گھوڑے کھینچ رہے ہیں، بائیں طرف کی چار قطاروں میں ایران کی رسالہ فوج دکھائی گئی ہے، اس میں اکثر آدمی اونچی اسطوانی ٹوپیاں پہنے ہوئے ہیں جو اوپر سے گول ہیں، تیسری قطار میں پانچ سوار جو بادشاہ کے متصل پیچھے کھڑے ہوئے ہیں اُن کے بال بالکل بادشاہ کی طرح چھلے دار ہیں، غالباً وہ شاہی خاندان کے شہزادے ہیں، اُن میں سے دو نے ایسی ٹوپیاں پہن رکھی ہیں جن کی نوکیں آگے کو نکلی ہوئی ہیں، اُوپر کی دو قطاروں کے سب

سواروں نے اظہار تعظیم کے لیے ہاتھوں کو اُٹھا کر انگشت شہادت کو آگے کی طرف بڑھا رکھا ہے ، (دیکھو تصویر)

ویلیرین کو گرفتار کرنے کے کچھ عرصہ بعد شاپور نے ایک حقیر دشمن کے ہاتھ سے شکست کھائی ، اُذینہ[1] ایک عرب سردار تھا جو صحرائے شام میں شہر پیلمرا[2] (تدمر) پر حکومت کرتا تھا ، یہ شہر مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت کا ایک بڑا مرکز تھا ، اذینہ کسی بات پر شاہ ایران سے بگڑ گیا اور جب وہ شام اور کاپاڈوکیہ میں لوٹ مار کرکے واپس آرہا تھا تو اس نے سپاہ روم کو ساتھ ملا کر ایرانی لشکر پر حملہ کر دیا ، ایرانی بہت کچھ نقصان اُٹھا کر فرات کے پار اُتر جانے پر مجبور ہوئے ، اس کے بعد اذینہ نے حرّان اور نصیبین پر قبضہ کر لیا اور شام اور مغربی ایشیا کے رومی مقبوضات کو دبا بیٹھا ، وہ برائے نام روم کا ماتحت تھا لیکن حقیقت میں خود مختار تھا ، قیصر روم گیلی اینس[3] نے اس کو امپراطور کا لقب دیا ، ایرانیوں نے ۲۶۵ء تک پیلمرا کے ساتھ جنگ جاری رکھی لیکن کچھ حاصل نہ ہوا ، بالآخر جب اذینہ مارا گیا تو اس کی ملکہ بث زبینہ یا زینب نے جس کو رومی مؤرّخ زینوبیا لکھتے ہیں اپنے بیٹے وہب اللات کے ساتھ مل کر عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی ، وہب اللات نے روم سے کلی طور پر آزاد ہو جانا چاہا اور ۲۷۱ء میں آگسٹس کا لقب اختیار کیا ، اس پر قیصر اورلین ایک زبردست لشکر لے کر پیلمرا پر چڑھ آیا ، زینوبیا نے بڑی دلیری کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن قیصر نے شہر کو فتح کرکے برباد کر دیا ، ملکہ

---

[1] (Odenathus) [2] (Palmyra) [3] (Gallienus)

سے نے ایرانیوں کے ہاں پناہ لینے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی اور ۲۷۲ء میں قید ہو کر روم پہنچی، شہر پلمیرا کے مرعوب کرنے والے کھنڈرات اب بھی باقی ہیں جو اس چند روزہ سلطنت کی شان و شوکت پر گواہ ہیں[1]،

شاپور نے ۲۷۲ء میں وفات پائی، ایک نہایت عمدہ قیمتی پتھر "یونانی رومی" طرز کا بنا ہوا ہے جس پر پہلوی میں شاپور (اوّل) کا نام کھدا ہے لیکن اس پر جو تصویر ہے وہ بہت پرانا یونانی کام ہے، شاپور نے اس پر اپنا نام کندہ کرایا ہے[2]،

شاپور اوّل کے بعد اس کے دو بیٹے یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے یعنی ہرمزد اوّل (۲۷۲ء - ۲۷۳ء) اور بہرام اوّل (۲۷۳ء - ۲۷۶ء) لیکن ان دونو کے عہد کے واقعات کا ہمیں بالکل کوئی علم نہیں ہے،

شہر شاپور کی چٹان پر ایک اور برجستہ تصویر ہے جس میں شاہ بہرام اوّل کو اہورمزد (خدا) کی طرف سے منصب شاہی کے عطا ہونے کا سین دکھایا گیا ہے[3]، بادشاہ نے ایک تاج پہن رکھا ہے جس پر نوکدار دندانے بنے ہوئے ہیں اور ان کے اوپر کپڑے کی گیند رکھی ہوئی ہے، اہورمزد کا وہی دیوار دار تاج ہے اور وہ اور بادشاہ دونو گھوڑوں پر سوار ہیں، بادشاہ

---

[1] دیکھو اِنگ ہولٹ (Ingnoit) : "پلمرا کی حجّاری پر مطالعات" (بزبان ڈنمارکی، کوپن ہیگن ۱۹۲۸ء)، [2] زارہ: "ایران قدیم کی صنّاعی"۔ ص ۸۵، پاہی کُلی، ص ۸۷، [3] اسی جگہ شاہ نرسی کا ایک کتبہ ہے، زارہ نے پہلے اس برجستہ حجّاری کو نرسی ہی طرف منسوب کیا تھا لیکن اپنی تازہ تصنیف موسومہ بہ "ایران قدیم کی صنّاعی" (ص ۸۰) میں اس کو بہرام اوّل کا کام تصوّر کیا ہے، ہرتسفلٹ نے تصویر کے انداز اور بادشاہ کے القاب سے یہ ثابت کیا ہے کہ نرسی نے اپنے بڑے بھائی (بہرام) کی تصویر پر جعلی طور پر اپنا نام لکھوا دیا ہے، اس رائے کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ تصویر میں بادشاہ کا تاج بالکل وہی ہے جو بہرام اوّل کے سکوں پر دیکھنے میں آتا ہے اور نرسی کے تاج سے مختلف ہے،

حلقۂ سلطنت کو جو اہورمزد نے اس کی طرف کو بڑھا رکھا ہے ہاتھ سے پکڑ رہا ہے، صنّاعی کے لحاظ سے برجستہ حجّاری کا یہ نمونہ زمانۂ سابق کے تمام نمونوں سے بہتر ہے، بقول زارہ گھوڑے اور سوار کے درمیان جو عدم تناسب دوسری تصویروں میں پایا جاتا ہے وہ اس میں بالکل نہیں ہے اور "تصویر میں ایک لطیف کیفیت ہے جو پہلی مرتبہ دیکھنے میں آرہی ہے، گھوڑوں کو اپنی صحیح ہیئت اور حرکت میں دکھایا گیا ہے اور ان کی ٹانگوں کی نسوں کو اور پٹھوں کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا ہے"۔ بادشاہ کی تصویر بنانے میں اگرچہ صنّاع کو سابقہ روایات کی پابندی کرنی پڑی ہے تاہم وہ بہرام کے چہرے پر احساسات کو ظاہر کرنے میں خاصا کامیاب ہوا ہے، مثلاً "بادشاہ کے دل میں خدا کے ہاتھ سے حلقۂ سلطنت کو لینے کی جو خواہش ہے وہ اس کے چہرے سے نمایاں ہے[1]" (دیکھو تصویر)

بہرام اوّل کے بعد اس کا بیٹا بہرام دوم تخت پر بیٹھا، اس کے عہد میں (۲۷۶ء ۔ ۲۹۳ء) روم کے ساتھ پھر جنگ چھڑ گئی، قیصر کیروس[2] فوج لے کر طیسفون تک آپہنچا لیکن اس کی ناگہانی موت کی وجہ سے رومیوں کو واپس ہونا پڑا، ۲۸۳ء میں ایران و روم کے درمیان معاہدہ ہوا جس کی رو سے آرمینیہ اور میسوپوٹیمیا روم کے قبضے میں آگئے، شہنشاہ ایران کا ان دو صوبوں کو ایسے وقت میں روم کے حوالے کر دینا جبکہ دشمن کمزور ہوچکا تھا علّت سے خالی نہ تھا، وجہ یہ تھی کہ سلطنت کے مشرق میں ایک خطرناک بغاوت ہوگئی تھی،

[1] زارہ ۔ ہرتسفلت: "برجستہ حجّاری" تصویر نمبر ۱۴ اور ص ۲۴۱، زارہ: "ایران قدیم کی صنّاعی" تصویر نمبر ۷۸،
[2] (Carus)

سلطنت ایران کے مشرقی صوبے (خراسان) کے وائسرایوں نے جو سکے جاری کیے وہ "سکیتھو ساسانی" سکے کہلاتے ہیں[1]۔ ان کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے ہے کہ بہرام دوم کے زمانے تک اس بڑے صوبے کا وائسرائے ہمیشہ شاہی خاندان کا کوئی شہزادہ ہوتا تھا اور وہ "کوشان شاہ" کہلاتا تھا، مثلاً شاپور اوّل کے بھائی پیروز نے اپنے سکوں[2] پر اپنا لقب "کوشان شاہِ بزرگ" لکھا ہے۔ ۲۵۲ء کے بعد جب شاپور اوّل نے اپنے بیٹے ہرمزد کو (جو بعد میں شاہ ہرمزد اوّل ہوا) خراسان کا وائسرائے مقرر کیا تو اس کو اس سے بھی زیادہ شاندار خطاب دیا یعنی "شہنشاہِ کوشانِ بزرگ"۔ بہرام اوّل اور بہرام دوم بھی بادشاہ ہونے سے پہلے اس اعلیٰ عہدے پر سرفراز رہے، بہرام دوم کے زمانے میں اس کا بھائی ہرمزد خراسان کا وائسرائے تھا، روم کے ساتھ جنگ کے زمانے میں اسی ہرمزد نے بغاوت کی اور اقوام ساکا اور کوشان اور گیل کی مدد سے مشرق میں اپنے لیے ایک آزاد سلطنت قائم کرنے کی کوشش کی، یہی وجہ تھی کہ بہرام دوم نے عجلت کے ساتھ جنگ کو ختم کیا تاکہ اپنی تمام طاقتوں کو اپنے باغی بھائی کے خلاف کام میں لا سکے، جب بغاوت فرو ہو گئی اور ساکستان فتح ہو گیا تو شہزادہ بہرام کو (جو بعد میں شاہ بہرام سوم ہوا) "سگانشاہ" (یعنی شاہِ اقوامِ ساکا) کا لقب دیا گیا کیونکہ (بقول ہرٹسفلٹ) شہزادوں میں سے جو ولیعہد ہوتا تھا وہ یا تو سب سے اہم صوبے کا گورنر بنایا جاتا تھا یا اُس صوبے

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۱۷۹ - ۱۸۰،   [2] مقابلہ کرو ص ۲۵۵ - ۲۵۷،

کا جو سب سے آخر میں فتح ہوا ہو[1]،

بہرام دوم نے بعض برجستہ تصاویر یادگار چھوڑی ہیں جو مطالعۂ آثار قدیمہ کے نقطۂ نظر سے بہت دلچسپ ہیں، نقش رستم میں اردشیر کی تاجپوشی کی تصویر کے برابر بہرام نے اس سے ذرا چھوٹے پیمانے پر اپنی برجستہ تصویر بنوائی ہے جس میں وہ اپنے اہل و عیال کے درمیان استادہ دکھایا گیا ہے کیونکہ وہ اس بات کا بہت شائق تھا کہ وہ ہمیشہ ایک خاندان کے باپ کی حیثیت سے سامنے آئے، اس کے سکّوں پر بھی اُس کی اور اس کی ملکہ کی یک رُخی تصویر بنی ہوئی ہے اور سامنے ایک چھوٹا شہزادہ ہے جس کا چہرہ ان دونو کی طرف ہے، بادشاہ کے سر پر تاج ہے جس پر وہی روایتی گیند لگی ہوئی ہے اور پہلوؤں پر عقاب کے دو پر بنے ہوئے ہیں، ملکہ اور شہزادے کی ٹوپیاں جانوروں کے سروں کی شکل کی ہیں (دیکھو تصویر)، نقش رستم کی تصویر میں[2] بادشاہ وسط میں ہے، اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال ساسانی فیشن میں آراستہ کیے ہوئے ہیں، سر پر تاج ہے جس میں پر لگے ہوئے ہیں اور دونو ہاتھ ایک لمبی اور پتلی تلوار کے قبضے پر ہیں، اس کے سامنے بائیں جانب تین آدمی جن کے خط و خال صاف طور پر نمایاں ہیں اپنے چہرے بادشاہ کی طرف کیے ہوئے ہیں، موسیو زارہ کا قیاس ہے کہ ان میں سے پہلا شخص شاہزادہ بہرام سگانشاہ ہے اور باقی دو جن کے سروں پر جانوروں کے سروں کی شکل کی ٹوپیاں ہیں وہی ملکہ اور چھوٹا شہزادہ ہیں جن

---

[1] ہرتسفلٹ: "پای کُلی" ص ۴۲ بعد، مضمون بہ عنوان "پہلوی کتبوں سے تاریخ ایران پر نئی روشنی" (جرنل کاما انسٹیٹیوٹ بمبئی، نمبر ۷، ص ۱۱۰-۱۱۱)، "کشانی ساسانی سکّے" (آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا" نمبر ۳۸)، [2] دیکھو اوپر تصویر نمبر ۲ کی دائیں جانب

بہرام اوّل اھورا مزد سے عہدۂ شاہی کا نشان حاصل کر رہا ہے
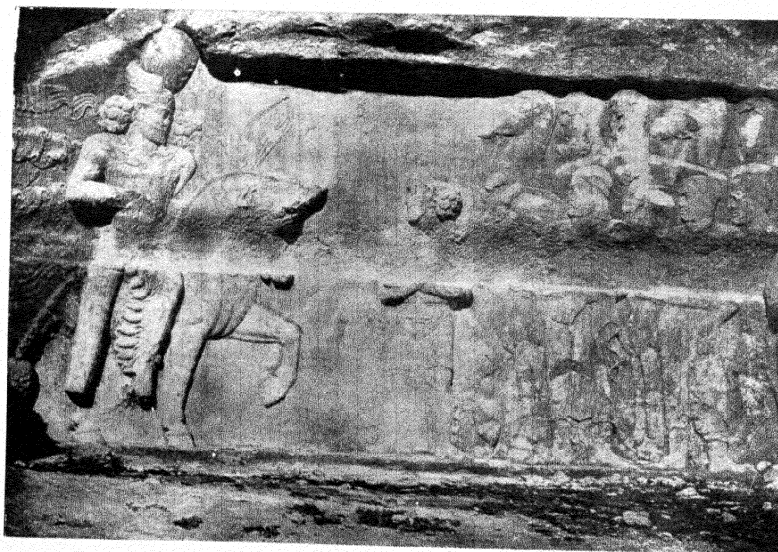
بہرام دوم کی فتحیابی کی برجستہ تصویر (شاپور دوبۂ فارس)

کی تصویر سکّوں پر ہے ، ان تینوں کے پیچھے ایک شخص ہے جو شکل سے بے ریش معلوم ہوتا ہے ، اس کے سر پر امراء کی سی اونچی ٹوپی ہے اور اپنا ہاتھ تعظیماً اٹھائے ہوئے ہے ، آخری شخص ایک آدمی ہے جس کے بالوں کی بناوٹ اور کھڑے ہونے کا انداز اور یہ بات کہ وہ اپنا ہاتھ اُٹھائے ہوئے نہیں ہے اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ شاہی خاندان کا آدمی ہے ، موسیو زارہ کا خیال ہے کہ اونچی ٹوپی والا موبدان موبد اور دوسرا بادشاہ کا چچا نرسی ہے ، بادشاہ کے پیچھے تصویر کے دائیں جانب تین امراء اونچی اونچی ٹوپیاں پہنے کھڑے ہیں اور دہنے ہاتھ اُٹھائے ہوئے ہیں[1]۔

شہر شاپور کی چٹان پر بہرام دوم نے اپنی فتح کی یادگار میں ایک تصویر کندہ کرائی ہے ، رالنسن اور دیولافوا کا خیال ہے کہ یہ تصویر اقوام ساکا پر فتح کی یادگار ہے ، برخلاف اس کے موسیو زارہ نے اُن آدمیوں کو دیکھ کر جو بادشاہ کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں اور جو لمبے لمبے جُبّے پہنے اور سروں پر رسّی (؟) کے ساتھ کپڑا باندھے ہوئے ہیں یہ رائے قائم کی ہے کہ وہ کسی عربی قبیلے کے نمائندے ہیں جس کو مطیع کیا گیا ہے ، بہرام جو اپنے پردار تاج کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے گھوڑے پر سوار ہے ، اس کے سر کے بالوں اور ڈاڑھی کی وہی روایتی وضع ہے ، تاج کے ساتھ جو شکن دار فیتے لگے ہوئے ہیں وہ سر کے پیچھے ہوا میں لہرا رہے ہیں ، ایک لمبا ترکش کمر بند میں لٹک رہا ہے اور حسب معمول ایک لمبوتری گیند

---

[1] دیولافوا ، ج ۵ ، تصویر نمبر ۱۴ ، زارہ - ہرسفلت : "برجستہ حجاری" - تصویر نمبر ۵ اور ص ۷۱ بعد ، ویسمر (Vasmer) : "رسالہ تاریخ مسکوکات" - ج ۸ ، ص ۲۸۶ - ۲۸۸ ،

گھوڑے کی پچھلی ٹانگوں کے آگے نظر آرہی ہے، بادشاہ کے سامنے ایک ایرانی سپہ سالار دونوں ہاتھ تلوار پر ٹیکے کھڑا ہے، اس کے سر کے بالوں کی وضع کہے دیتی ہے کہ وہ شاہی خاندان کا آدمی ہے، اس کے پیچھے مغلوب دشمنوں کے سردار ہیں، تصویر میں ایک گھوڑا اور دو اونٹوں کے سر بھی نظر آرہے ہیں[1]، (دیکھو تصویر)

نقش رستم کی وہ برجستہ تصویر جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں[2] (دیکھو تصویر) اور جس میں دو سواروں کی لڑائی دکھائی گئی ہے بعقیدۂ موسیو ہرتسفلٹ[3] بہرام دوم سے متعلق ہے، اسی طرح کا سین دو اور تصویروں میں کہ وہ بھی نقش رستم میں ہیں اور بہت خراب حالت میں ہیں دکھایا گیا ہے، غالباً وہ بھی بہرام دوم کے عہد کی بنی ہوئی ہیں[4]، ایک ساسانی بادشاہ اور ایک رومی کے درمیان گھوڑوں کے اوپر لڑائی کا سین عقیق سلیمانی کے ایک ٹکڑے پر منقوش ہے جو پیرس کے قومی کتب خانہ میں محفوظ ہے (دیکھو تصویر)، قرین قیاس ہے کہ وہ بادشاہ بہرام دوم ہے[5]،

---

[1] دیولافوا، ج ۵، تصویر نمبر ۲۱، زارہ - ہرتسفلٹ: "برجستہ حجاری" تصویر ۴۲ اور ص ۲۲۷ بعد، زارہ: "ایران قدیم کی صناعی" - تصویر ۷۹، شہر قدیم پسرگڈی کے قریب برم دِلک میں ایک چٹان پر دو برجستہ تصویریں کندہ ہیں جو بمرور زمان بہت ضائع ہو چکی ہیں، موسیو زارہ (برجستہ حجّاری، تصویر ۳۲ و ص ۱۸۷) کا خیال ہے کہ وہ بہرام اوّل یا بہرام دوم اور اس کی ملکہ کی رسم تاجپوشی کی تصویریں ہیں، [2] ص $\frac{۲۷۵}{۲۷۶}$، [3] "ایشیا کے دروازے پر" (جرمن) ص ۴۳ - ۴۴،

[4] زارہ - ہرتسفلٹ، تصویر ۸ و ۵۱، نیز دیکھو زارہ: "ایران قدیم کی صناعی" - ص ۱۱۱،

[5] بابلون (Babelon): "فہرست اشیائے کندہ کاری در کتب خانۂ قومی پیرس" - نمبر ۳۶۰، زارہ: "ایران قدیم کی صناعی" - تصویر ۱۴۵،

سکۂ بہرام دوم

سکۂ نرسی
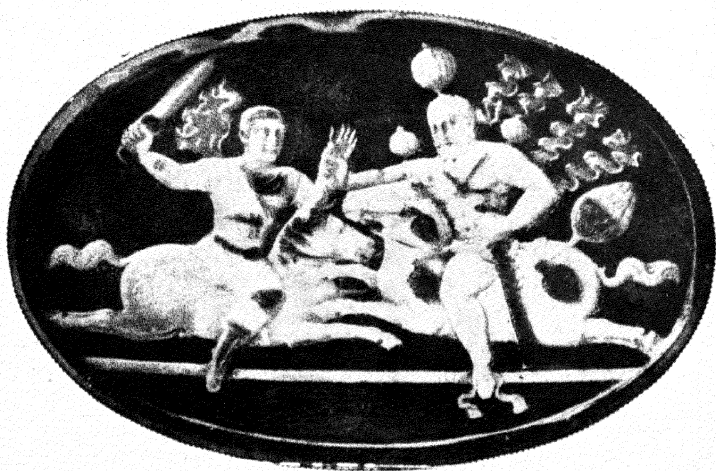
دو سواروں کی لڑائی

(عقیق سلیمانی کی ایک مہر)

سنہ ۲۹۳ء میں بہرام دوم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا بہرام سوم تخت پر بیٹھا لیکن اس نے صرف چار مہینے سلطنت کی، اس نوجوان بادشاہ کے عہد میں نرسی نے جو اس کے باپ کا چچا اور شاپور اوّل کا بیٹا تھا بغاوت کی اور فتحمند ہُوا، پای کُلی کے مشہور کتبے کا موضوع نرسی کی یہ فتحمندی ہے[1]، ممکن ہے کہ سنہ ۲۹۳ء کے بعد بہرام سوم نے مشرقی ایران میں کسی جگہ اپنی حکومت کو برقرار رکھا ہو[2]۔

نرسی نے نقش رستم کی چٹان پر ایک تصویر کندہ کرائی ہے جس میں اس کو خدا کی طرف سے منصب شاہی کا عطا ہونا دکھایا گیا ہے، تصویر کا یہ موضوع بہت معروف ہے: بادشاہ علامتِ سلطنت کو (جس سے مراد ایک حلقہ ہے جس میں فیتے لگے ہوئے ہیں) دیوتا کے ہاتھ سے لے رہا ہے لیکن اس تصویر میں بجائے دیوتا کے دیوی ہے اور موسیو زارہ کا خیال ہے کہ وہ اناہیتا ہے، بادشاہ نے وہی معمولی چست لباس پہن رکھا ہے، اس کا تاج جو اس کے بعض سکّوں پر بھی دیکھنے میں آتا ہے ایک کوتاہ سی ٹوپی کی شکل کا ہے جس پر عمودی خطوط ہیں اور اس کے اوپر وہی کپڑے کی بڑی سی گیند ہے، سر کے گھونگر والے بال (جو بڑی بڑی لہریں مارتے ہوئے کندھوں پر پڑے ہیں)، نوکدار ڈاڑھی کا سرا ایک حلقے میں پرویا ہُوا، گردن کے پیچھے فیتے ہوا میں اڑتے ہوئے، موتیوں کا ہار وغیرہ یہ تمام چیزیں اسی روایتی انداز میں بنائی گئی ہیں، دیوی نے ایک دیوار دار تاج پہن رکھا ہے جو اوپر

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۵۹-۶۰، [2] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۴۱۶،

سے کھلا ہے اور اس کے سر کی چوٹی کے چھلّے دار بال نظر آ رہے ہیں، اس قسم کا تاج ساسانیوں کی برجستہ تصاویر میں دیوی دیوتاؤں کے ساتھ مخصوص ہے، بالوں کی لٹیں گردن اور کندھوں پر لٹک رہی ہیں، اس کی قبا ایک تکمے کے ذریعے سے بندھی ہے جو فیتوں سے سجایا گیا ہے اور موتیوں کے ہار کے نیچے ہے، قبا کے اوپر ایک کمربند بھی بندھا ہوا ہے، بادشاہ اور دیوی کے درمیان ایک بچّے کی تصویر نظر آ رہی ہے جو بہت خراب ہو چکی ہے، غالباً وہ نرسی کا بیٹا ہے جو بعد میں ہرمزد دوم کے نام سے بادشاہ بنا، بادشاہ کے پیچھے کوئی بڑا رئیس کھڑا ہے جس کے سر پر گھوڑے کے سر کی شکل کی اونچی سی ٹوپی ہے اور اس پر ایک امتیازی علامت لگی ہے، اس نے حسب معمول اپنا ہاتھ تعظیم کے لیے اُٹھا رکھا ہے[1]،
(دیکھو تصویر)

روم کے ساتھ جنگ میں نرسی کو کامیابی نصیب نہ ہوئی، اس نے تیرداد شاہِ آرمینیہ کو جو قیصر روم کے سایۂ عاطفت میں حکومت کر رہا تھا ملک سے نکال دیا، اس پر قیصر گیلیریوس[2] بذات خود فوج لے کر آیا اور نرسی کو شکست دی، اس کی ملکہ ارسان رومیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئی اور اس کو ارمنستانِ کوچک کے پانچ ضلعے روم کے حوالے کرنے پڑے، تیرداد کو دوبارہ آرمینیہ کا بادشاہ بنایا گیا اور آئبیریا[3] (گرجستان) نے قیصر کے اقتدار کو تسلیم کیا[4]،

۲۹۸ء میں ایران و روم کے درمیان جو صلح ہوئی وہ چالیس سال تک قائم

---

[1] دیولافوا، ج ۵، تصویر ۱۶، زارہ۔ ہرتسفلٹ، تصویر ۹ اور ص ۸۴ ببعد، زارہ: تصویر ۸۱،
[2] (Galerius) [3] (Iberia) [4] دیکھو یوسٹی در گرنڈرس (Grundriss)، ج ۲، ص ۵۲۰،
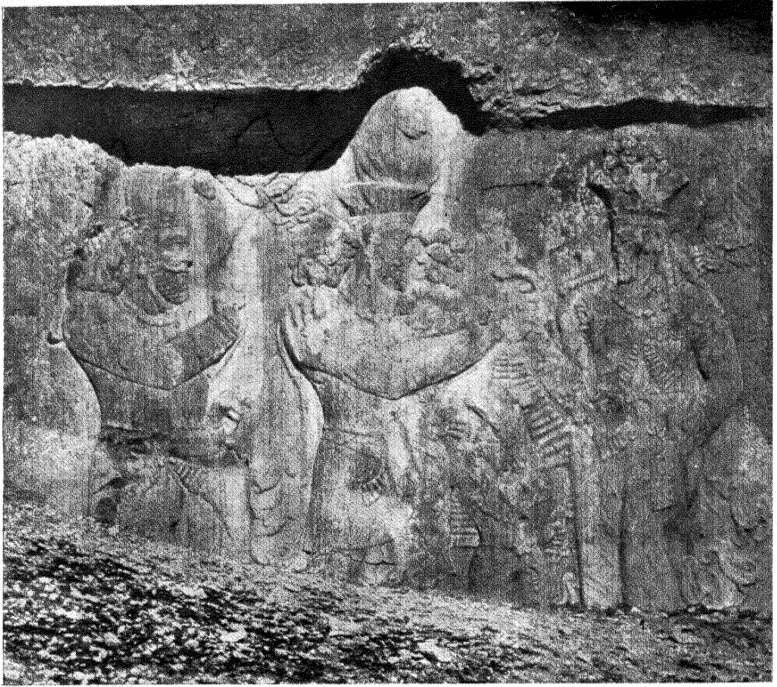
نرسی عہدۂ شاہی کا نشان حاصل کر رہا ہے

(نقش رستم کی برجستہ تصویر)

سکۂ ہرمزد دوم

سکۂ شاپور دوم

رہی، نرسی کے بیٹے ہرمزد دوم نے ۳۰۲ء سے ۳۰۹ء تک سلطنت کی، وہ ایک عادل اور رحمدل بادشاہ تھا، اس کے مرنے کے بعد ملک میں اندرونی فساد برپا ہوئے، ہرمزد کا ایک بیٹا آذر نرسی جو اس کی پہلی بیوی سے تھا بادشاہ بنایا گیا، لیکن چونکہ اُس نے امراء کو ناراض کر دیا اس لیے اُنھوں نے چند مہینوں کے بعد اُسے تخت سے اُتار دیا، اس کے ایک بھائی کو اندھا کر دیا گیا اور دوسرا بھائی ہرمزد قید ہوگیا، لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ قید سے بھاگ نکلا اور رومیوں کے پاس جاکر پناہ گزین ہوا، اس اثناء میں امراء نے ہرمزد دوم کے ایک اور بیٹے شہزادہ شاپور کو جو دوسری بیوی سے تھا اور ابھی بالکل بچہ ہی تھا بادشاہ بنایا[1]،

شاپور دوم ستر سال حکمران رہا (۳۰۹ء - ۳۷۹ء)، اس کی نابالغی کے زمانے میں اس کی ماں امراء دولت کے ساتھ مل کر حکومت کرتی رہی، مشرقی مآخذ میں بہت سی حکایات اس کے متعلق لکھی گئی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ بچپن ہی میں وہ کس حیرت انگیز طور پر عملی تدابیر اور اصلاحات سوچا کرتا تھا، ایک دفعہ وہ طیسفون کے شاہی محل میں سو رہا تھا کہ دفعتہً باہر سے شور سنائی دیا جس سے اس کی آنکھ کھُل گئی، سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ دجلہ کے پُل پر آنے والے اور جانے والے لوگوں کی بھیڑ ہے اور راستہ بہت تنگ ہے، نوجوان بادشاہ نے اُسی وقت حکم دیا کہ اسی پل کے ساتھ ایک دوسرا پُل تعمیر کیا جائے کہ ایک آنے

---

[1] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۵۱، ح ۳، ہرتسفلٹ نے پرسی پولس کے ایک کتبے کی رو سے (جس کا پڑھنا بہت دشوار ہے) یہ فرض کیا ہے کہ اس شاپور کا ایک اور بڑا بھائی شاپور تھا جس کا لقب سکانشاہ تھا (پای کُلی، ص ۱۲۱ و ۵۰، "آثار قدیمۂ ایران"، ج ۴، ص ۲)،

والوں کے لئے ہو اور دوسرا جانے والوں کے لیے[1]،

شاپور دوم کے عہد سلطنت کے ابتدائی تیس سال کے واقعات ہم کو صحیح طور پر معلوم نہیں ہیں لیکن یہ بات کہ وہ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد کئی سال تک روم کے ساتھ جنگِ انتقام کو شروع نہ کر سکا ہمیں یقین دلاتی ہے کہ وہ سلطنت کی اندرونی مشکلات کو زیر کرنے میں مصروف رہا ہوگا، ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ اس کی ابتدائی کوششیں شہرداروں اور واسپہروں کے اقتدار کو توڑنے میں صرف ہوتی رہی ہونگی جو اس کی نابالغی کے زمانے میں بہت طاقتور ہو گئے تھے، عہد اشکانی کی روایات امرائے سلطنت کے رگ و پے میں ابھی تک زندہ تھیں یعنی یہ کہ جب کبھی کوئی کم ہمّت بادشاہ حبّ جاہ کے راستے پر ان کی باگ کو ڈھیلا چھوڑ دیتا تھا تو ان کے غلبے کا اندیشہ اور ملوک الطوائفی کا خطرہ ہمیشہ درپیش ہوتا تھا، اندرونی مشکلات کے علاوہ اس نوعمر بادشاہ کو غالباً اسی زمانے میں عربوں کے خلاف اپنی سرحد کی حفاظت بھی کرنی پڑی، طبری اور دوسرے مشرقی مؤرّخ عربی قبائل پر اس کی فتوحات کا ذکر کرتے ہیں اور خلیج فارس کے عربی ساحل پر علاقۂ بحرین کی فتح شاپور دوم ہی کے عہد کا واقعہ ہے[2]،

شاپور بڑے جاہ و جلال کا بادشاہ تھا اور اردشیر اوّل، شاپور اوّل اور بہرام دوم کی جانشینی کا اہل تھا، اہل ایران اس کو "ذوالاکتاف" کے لقب سے یاد کرتے ہیں کیونکہ از روئے روایت عربوں کے خلاف اپنی سخت لڑائیوں میں وہ جتنے بدوی قیدی گرفتار کرتا تھا ان کے کندھوں میں سوراخ کروا دیتا

---

[1] طبری، ص ۸۳۷، [2] روٹ شٹائن: "خاندانِ لخمی" (بزبان جرمن)، ص ۱۳۱،

تھا،[1]

بالآخر اپنی طاقت کو استوار کرنے کے بعد شاپور نے روم کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، سلطنت روم میں اُس وقت بہت اہم واقعات پیش آ رہے تھے، قسطنطین اعظم[2] نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا، آرمینیہ میں عیسائی مذہب کا داخلہ شاہ تیرداد اور اس کے جانشینوں کے ہاتھوں اسی زمانے میں عمل میں آیا جس کی وجہ سے روم اور آرمینیہ کے درمیان ایک گہرا ارتباط پیدا ہو گیا اور اگرچہ قیصر جولین "مرتد"[3] کی مخالفت کے باعث عیسائیت کے خلاف ایک عارضی ردِ عمل ظہور پذیر ہوا تاہم اس سے صورت حالات میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی، با ایں ہمہ آرمینیہ کے اعیان و امرا کی ایک جماعت تھی جو اپنی ذاتی اغراض کی خاطر ایرانیوں کی امداد کی خواہاں تھی، امراء کی باہمی مخالفتوں اور خانہ جنگیوں کی وجہ سے آرمینیہ کی حالت نہایت خستہ ہو رہی تھی، بادشاہوں کو قتل کیا جا رہا تھا اور

---

[1] عربی مؤرخ جن کے بیانات ساسانی مآخذ پر مبنی ہیں عموماً شاپور کا لقب "ذوالاکتاف" (کندھوں والا) لکھتے ہیں، نولڈکہ کی رائے ہے کہ اصل میں وہ ایک اعزازی لقب تھا جس کے معنی "فراخ شانوں والا" یعنی وہ شخص جو سلطنت کے بھاری بوجھ کو اٹھا سکے، لیکن حمزہ اصفہانی اور دوسرے مصنف جو اس کے پیرو ہیں اسی لقب کو فارسی شکل میں ہوبہ سُنبا لکھتے ہیں جس کے معنے "کندھوں میں سوراخ کرنے والا" ہو نگے، نولڈکہ کا عقیدہ ہے (ترجمہ طبری، ص ۵۲، ح ۱) کہ عربی لقب "ذوالاکتاف" کے جو معنی فرضی طور پر تصور کیے گئے تھے اُنھی کے مطابق فارسی میں اس کا ترجمہ کر دیا گیا، لیکن یہ بات کہ کندھے کا ترجمہ قدیم ایرانی لفظ ہوبہ سے کیا گیا ہے ہمیں یہ فرض کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ حمزہ اصفہانی نے اس لقب کی جو شکل دی ہے وہ قدیم پہلوی الفاظ کی نقل ہے اور یہ کہ اس کی روایتی تعبیر (یعنی کندھوں میں سوراخ کرنے والا) صحیح ہے، علاوہ اس کے ساسانیوں کی تاریخ میں تنہا یہی موقع نہیں ہے جبکہ یہ وحشیانہ سزا دی گئی، خسرو دوم ایک موقع پر جب نجومیوں پر خفا ہوا تو ان کو اس نے یہ دھمکی دی کہ میں تمہارے شانوں کی ہڈیاں نکلوا دونگا (دیکھو طبری، ص ۱۰۱۲)، [2] (Constantine the Great) اس کا عہد سلطنت ۳۲۳ء تا ۳۳۷ء تھا (مترجم)، [3] (Julian the Apostate)، عہد سلطنت ۳۶۱ء - ۳۶۳ء (مترجم)۔

سازشوں اور غداریوں کا بازار گرم تھا، ان حالات کی وجہ سے وہاں کے معاملات میں کبھی ایران اور کبھی روم کی مداخلت ہوتی رہتی تھی اور سرزمین آرمینیہ ایران و روم کی باہمی لڑائیوں کا میدان کارزار بنی ہوئی تھی،

اس مرتبہ بھی آرمینیہ کی خانہ جنگیوں سے شاپور کو لڑائی شروع کرنے کا بہانہ ملا، اُسے امید تھی کہ نرسی کی شکستوں کی وجہ سے جو علاقے ایران کے ہاتھ سے جاتے رہے تھے ان کو وہ دوبارہ حاصل کرلیگا، اس نے چھوٹتے ہی آرمینیہ پر قبضہ کیا اور پھر میسوپوٹیمیا میں رومیوں سے جا بھڑا، قسطنطین ابھی حال ہی میں مرا تھا اور اس کے جانشین کانسٹنس دوم[1] نے رومی فوج کی سپہ سالاری خود اپنے ذمے لی تھی[2]، نصیبین کے قلعے نے ایرانیوں کے پے در پے حملوں کی مدافعت کی اور رومیوں نے سنجار کے قریب ایک لڑائی میں فتح پائی لیکن اس فتح کے بعد اُن کو کئی شکستیں ہوئیں، اس کے بعد سرحد روم پر چند سال کے لیے جنگ کی چھیڑ چھاڑ رک گئی، شاپور نے اس وقفے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قبائل چینوئیت اور دوسری وحشی اقوام کے خلاف جو ملک کے شمال مشرقی علاقوں پر حملہ آور ہو رہے تھے فوج کشی کرکے ان کو پسپا کیا، بالآخر اُس نے قبائل چینوئیت اور سکستان کے قبائل ساکا کے ساتھ رشتۂ اتحاد قائم کرلیا[3]،

سنہ ۳۵۶ع میں رومی سردار موسونیانوس[4] نے ایرانی مرزبان تہم شاپور

---

[1] (Constance II) [2] دیکھو پیٹرز (Peeters)، مضمون بہ عنوان "کانسٹنس دوم کی آرمینیہ میں سیاسی مداخلت درسال سنہ ۳۳۸ع" (رسالہ رائل اکیڈمی بلجیم، سلسلۂ پنجم، ج ۱۷، سنہ ۱۹۳۱ع)
[3] مارکوارٹ: ایرانشہر ص ۳۶ و ۵۰، مؤرخ امیان کے ہاں بجائے سکستان کے گیلان ہے، اس کی تصحیح مارکوارٹ نے کی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سکستان شاپور کی نابالغی کے زمانے میں آزاد ہوگیا تھا، [4] (Musonianus)

سے صلح کی تحریک کی اور اس نے اس تحریک کی اطلاع بادشاہ کو دی جو اُس
وقت مشرقی سرحد پر امن و امان قائم کرکے فارغ ہو چکا تھا، شاپور نے قیصر
کانسٹنس کے پاس ایک قاصد بہت سے تحائف دے کر روانہ کیا اور ایک
خط سفید کپڑے میں لپیٹ کر ساتھ دیا[۱] جس میں لکھا تھا کہ شاپور شاہِ شاہان
قرینِ ستارگان، برادر مہر و ماہ اپنے بھائی قیصر کانسٹنس کو سلام بھیجتا ہے
اور اس بات پر خوشی کا اظہار کرتا ہے کہ قیصر بالآخر تجربے کے بعد راہ راست پر
آگیا ہے، اس کے (یعنی شاپور کے) آباو اجداد نے اپنی سلطنت کی وسعت
کو دریائے سٹریمون[۲] اور مقدونیہ کی سرحد تک پہنچا دیا تھا اور وہ خود جو (ایدون
خود ستائی) جاہ و جلال اور بے نظیر خوبیوں کے اعتبار سے تمام گذشتہ بادشاہوں
پر فائق ہے اپنا فرض سمجھتا ہے کہ آرمینیہ اور میسوپوٹیمیا کے صوبوں کو جو اس
کے دادا کے ہاتھ سے دھوکا دے کر چھین لیے گئے تھے واپس لے، "اگر
تم گستاخانہ طور پر یہ رائے ظاہر کرو کہ جنگ میں کامیابی ہر حال میں قابلِ تعریف
ہے خواہ وہ کامیابی شجاعت کا نتیجہ ہو یا مکر و فریب کا تو ہم تمہاری یہ رائے
ہرگز قبول نہیں کرینگے"۔ جس طرح کہ طبیب بعض وقت جسم کے خاص اعضاء
کو کاٹ ڈالنا یا جلا دینا مناسب سمجھتا ہے تاکہ کم از کم باقی اعضاء کام دے
سکیں اسی طرح قیصر کو چاہیئے کہ ایک چھوٹا سا علاقہ جو اس قدر تکلیف و خونریزی
کا موجب ہے دے ڈالے تاکہ باقی سلطنت پر امن و آرام کے ساتھ حکومت

---

[۱] دیکھو تاریخ امیان مارسیلینوس (طبع ویلیسیوس (Valesius)) حواشی ص ۱۳۸،

[۲] (Strymon)، مشہور دریا ہے جو یونان میں صوبۂ مقدونیہ اور تھریس کے درمیان حد فاصل ہے، ترکوں کے زمانے میں اس کا نام قراصو تھا (مترجم)۔

کر سکے، اگر ایرانی سفیر بغیر کسی نتیجے کے واپس آ گئے تو شہنشاہ موسم سرما میں آرام کرنے کے بعد قیصر پر اپنی تمام فوجی طاقتوں کے ساتھ حملہ آور ہوگا،

اس خط کے جواب میں جو "کانسٹنس فاتح بحر و بر، صاحب شکوہ جاودانی" نے "اپنے بھائی شاہ شاپور" کے نام لکھا اس تقاضے کو قبول کرنے سے صاف انکار کیا اور ساتھ ہی شہنشاہ کو اس کی بے انداز اور روز افزوں حرص پر سخت ملامت کی، جواب میں لکھا تھا کہ اگر اہل روم کسی وقت مدافعت کرنے کو حملہ کرنے پر ترجیح دیں تو اس کو ان کی بزدلی پر محمول نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ وہ اُن کی میانہ روی کی دلیل ہے اور اگرچہ کبھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ اُنھوں نے لڑائی میں نیچا دیکھا ہے تاہم جنگ کا قطعی اور آخری فیصلہ کبھی ان کے نقصان پر نہیں ہوا،

یہ دونوں خط مؤرخ امیان نے اپنی تاریخ میں دیے ہیں[1] لیکن اُن کی عبارت میں اس کا اپنا انداز تحریر پایا جاتا ہے، قدیم مصنّفین کی عادت کے مطابق امیان نے ان کے متن کو آزاد طور پر نقل کر دیا ہے، بایں ہمہ اُس نے خطوط کی اصلی عبارت کو دیکھا ضرور ہے اور اس بات کا پتہ ہم کو شاپور کے القاب سے چلتا ہے یعنی "شاپور، شاہِ شاہان، قرینِ ستارگان، برادرِ مہر و ماہ" اگرچہ یہ القاب شاید اس نے پوری صحت و امانت کے ساتھ درج نہیں کیے ہیں تاہم وہ شاپور کے اُن رسمی القاب کے ساتھ جو حاجی آباد کے کتبے میں پائے جاتے ہیں خاصی مطابقت رکھتے ہیں، وہ یہ ہیں: "پرستندۂ مزدا، خداوند، شاپور، شاہانشاہِ ایران و اَن ایران از نژادِ خدایان"۔ اور وہ اُن القاب کے ساتھ

---

[1] کتاب ۱۷، فصل ۵، ص ۳-۱۴،

بھی مطابق ہیں جو اُس نے آرمینیہ کے حکّام کے نام سرکاری مکاتبات میں لکھوائے یعنی: "باشکوہ ترین (یا شجاع ترینِ) پرستندگانِ مزدا، خورشیدِ مرتبت شاہ شاہان" یا: "باشکوہ ترینِ دلیران، شاہانشاہِ ایران وانِ ایران"[1]

شاپور نے جنگ میں سب سے پہلے قلعۂ آمدہ (آمد) پر حملہ کیا جس کو اب دیار بکر کہتے ہیں اور محصورین کی دلیرانہ مقاومت کے بعد اس کو فتح کیا، یہ واقعہ ۳۵۹ء کا ہے، دو برس بعد کانسٹنس کے مرنے پر جولین قیصر روم ہؤا اور رومی فوجوں کو لے کر بذات خود ایرانیوں پر حملہ آور ہؤا، اس کے سپہ سالاروں میں سے ایک ایرانی شاہزادہ ہرمزد تھا جو شاہِ ایران کا بھائی تھا اور جلاوطن کر دیا گیا تھا، اس کو اب امّید تھی کہ رومیوں کی مدد سے وہ تختِ ایران پر جاگزین ہوسکے گا، اس کے علاوہ قیصر کا ایک اور حلیف بھی تھا اور وہ شاہ آرمینیہ ارشک سوم تھا جس نے اپنے رشتہ دار شاہ گنیل کو مروا کر اس کی بیوہ فرنذزم سے شادی کر لی تھی جو بڑی لگائی بجھائی کرنے والی عورت تھی، رومی فوجیں اور ان کے اتحادی طیسفون کی جانب بڑھے لیکن ایک طاقتور ایرانی لشکر نے جس کا سپہ سالار خاندان مہران سے تھا ان کا راستہ روک لیا، دونوں لشکروں میں کئی ایک لڑائیاں ہوئیں جن میں جولین مارا گیا، یہ واقعہ ۳۶۳ء کا ہے، اس کا جانشین جووین[2] رومی فوجوں کو سرحد پار لے گیا اور ایران کے ساتھ تیس سال کے عرصے کے لیے بلا عذر صلح کر لی جس کی رو سے ایرانیوں کو نصیبین اور سنجار اور ارمنستان کو چک

---

[1] پاتکانیان، مجلۂ آسیائی (J. A.) ۱۸۶۶ء، حصۂ اوّل ص ۱۱۶، [2] (Jovian)

کے وہ اضلاع جو متنازعہ فیہ تھے مل گئے، اس کے علاوہ قیصر نے عہد کیا کہ وہ ارشک کی حمایت نہیں کریگا، امرائے آرمینیہ کی ایک جماعت نے ارشک کے خلاف بغاوت کی جس کی وجہ سے وہ تخت سے اتارا گیا اور قید کرکے ایران بھیج دیا گیا، وہاں جاکر اس نے خودکشی کرلی، اس کی بیوی فرندزم ایک مدت تک قلعۂ ارتگرس میں محصور ہوکر مقابلہ کرتی رہی لیکن آخر وہ بھی گرفتار ہوکر ایران بھیج دی گئی اور وہاں اس کو قتل کیا گیا، ممالک قفقاز مثل آئی بیریا[۱] و البانیا ازروی معاہدہ روم کے تصرف سے نکال لیے گئے اور ایران کی سرپرستی میں دے دیے گئے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رومیوں نے باضابطہ طور پر اس شرط کو قبول کیا کہ پہلے کی طرح وہ "دروازہائے خزر[۲]" کی درستی و محافظت کے اخراجات میں شریک رہینگے، یہ دروازے درۂ داریال میں واقع تھے اور وحشی قبائل کے حملوں سے قفقاز کے جنوبی علاقوں کی حفاظت کرتے تھے[۳]،

قیصر والنس[۴] نے دو مرتبہ اس بات کی کوشش کی کہ ارشک کے بیٹے شاہزادہ پپ کو روم کے زیر حمایت آرمینیہ کا بادشاہ بنائے، پہلی مرتبہ شاپور نے جو اس وقت کوشانیوں[۵] کے ساتھ جنگ میں مشغول تھا پپ کو آرمینیہ سے نکال دیا لیکن دوسری مرتبہ ارمنی سپہ سالار موشل نے ایرانیوں کو شکست دی، اس

---

[۱] (Iberia) [۲] (Caspian Gates) [۳] مارکوارٹ: ایرانشہر ص ۹۵-۱۰۳، داریال "درِ الان" کا مخفف ہے یعنی وہ دروازہ جو قبائل الان کو روکنے کے لیئے بنایا گیا تھا، [۴] (Valens) [۵] غالباً باختر کے قبائل چینویت سے مراد ہے جن کو مؤرخ فاؤسٹوس اس جگہ پر کوشان کے نام سے موسوم کررہا، (دیکھو مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۵

نے صوبۂ ارزنین[1] اور دوسرے صوبوں کو جو باغی ہو گئے تھے مطیع کیا[2]، رومی فوجوں کو اپنے ساتھ ملایا اور ارمنی جاثلیق نرسی کے ساتھ دوستی کا رشتہ قائم کیا، بقول مؤرخ فاؤسٹوس بازنیتنی اُس نے ایرانی قیدیوں کی کھالیں اُتروائیں اور اُن میں بھوسہ بھروا کر ان کو پپ کے پاس بھجوایا، کچھ عرصہ بعد پپ نے نرسی کو جو اپنی جا و بیجا نصیحتوں سے اس کو دق کرتا رہتا تھا زہر دلوا دیا لیکن خود اس کے خلاف بھی بعض ارمنیوں نے سازش کر کے قیصر والنس کو اس سے بدظن کر دیا اور بالآخر وہ قیصر کی تحریک سے مارا گیا، اس کے بعد روم و ایران کے درمیان گفت و شنید کا سلسلہ شروع ہوا، ایران کا نمایندہ خاندان سورین کا ایک امیر تھا، والنس نے آرمینیہ کے تخت و تاج کے معاملے میں مداخلت کا حق دوبارہ شاہِ ایران کو دے دیا، باوجود اس کے رومیوں نے ارمنی شاہزادہ وَرَزدات کو بادشاہ بنایا لیکن چونکہ اس کا بھی روم کے ساتھ جھگڑا ہو گیا لہذا اس کو تخت سے اُتارا گیا، اس کے بعد

---

[1] آرمینیہ میں جھیل وان کے جنوب مغرب میں (مترجم) [2] شہر فرکین کی فصیل میں (جس کو میا فارقین یا مارٹیروپولس بھی کہتے ہیں اور وہ شہر ٹیگرانوکرٹا کا جدید نام ہے جو صوبۂ ارزنین کا صدر مقام تھا) پتھر کی چند سلیں پائی گئی ہیں جن پر ایک یونانی کتبہ ہے، یہ سلیں اپنی جگہ سے اکھڑ چکی ہیں اور ان میں سے بعض ناپید بھی ہو چکی ہیں، موسیو لیمن ہاؤپٹ نے اس کتبے کو مرتب کرنے کی کوشش کی ہے (دیکھو مقام مذکور، ص ۱۰۱ بعد)، وہ کسی ارمنی بادشاہ کے حکم سے کندہ کیا گیا ہے اور اس میں ایک بغاوت کے بعد شہر ٹیگرانوکرٹا کے دوبارہ فتح کیے جانے کا حال درج ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں یہی واقعات لکھے گئے ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور یہ کہ وہ کتبہ پپ کا لکھوایا ہوا ہے۔ فرکین سے کوئی ڈھائی گھنٹے کے راستے پر ایک چٹان ہے جس کے اوپر کردی قلعہ نوشات تعمیر کیا گیا ہے، اس چٹان پر موسیو لیمن ہاؤپٹ نے ایک برجستہ تصویر دریافت کی ہے جس میں ایک ساسانی بادشاہ کو گھوڑے پر سوار دکھایا گیا ہے، اس کا چہرہ دہنی جانب کو مڑا ہوا ہے اور ایک شخص اس کے گھوڑے کی دُم کے پیچھے کھڑا ہے، مصنف کے قیاس کے مطابق جس کی تائید مقامی روایت سے بھی ہوتی ہے یہ سوار شاپور دوم ہے اور یہ برجستہ تصویر اُس فتح کی یادگار ہے جو اس نے چند سال پہلے پپ کے باپ ارشک پر پائی تھی۔ (مقام مذکور، ص ۱۹۱ تا ۱۹۲)۔

پپ کے دو نابالغ بیٹوں کو تخت پر بٹھایا گیا اور مانوئیل مامیکونی برادر موشل (جس کو وَرَزدات نے قتل کرا دیا تھا) اُن کا نائب السلطنت مقرر کیا گیا، مانوئیل نے جو کہ ایرانیوں کا دوست تھا رومیوں کی ایک عنقریب آنے والی مداخلت کے خلاف شاہِ ایران سے مدد مانگی، شاپور نے موقع کو غنیمت جان کر سورین کے ماتحت آرمینیہ کی طرف فوج روانہ کی اور اس کو وہاں کا مرزبان مقرر کیا[۱] شاپور اس واقعہ کے فوراً بعد مرگیا،

اب ہم اُن نمایاں واقعات کو بیان کرتے ہیں جو شاپور دوم کی روم کے ساتھ چہل سالہ جنگ کے دوران میں رونما ہوئے، دنیائے قدیم کی ان دو بڑی طاقتوں کے درمیان اس کشمکش کے مناظر کو کسی صنّاع کے ہاتھوں نے ایران کی کسی چٹان پر کندہ نہیں کیا[۲] لیکن رومی تاریخ میں اس جنگ کی ایک زندہ تصویر ہم تک پہنچی ہے جو ایک ایسے شخص کے قلم کا نتیجہ ہے جو بذاتِ خود اُس میں شریک تھا اور جس نے اس کے بعض اہم واقعات کو بچشمِ خود دیکھا، اس سے ہماری مراد مؤرخ امیان مارسیلینوس[۳] ہے جو رومی سپاہ میں ایک فوجی افسر تھا اور یونانی الاصل تھا، وہ ایک دلیر اور

---

[۱] روم و ایران کے ساتھ آرمینیہ کے سیاسی تعلقات کی تاریخ بالکل بے ترتیب ہے، ہم نے اس کو بیان کرنے میں بیشتر یوستی (Justi) کی پیروی کی ہے (گرنڈرس (Grundriss) ج ۲، ص ۵۲۴ بعد) کیونکہ اس نے اس کو لکھنے میں تمام ارمنی، لاطینی اور بازنتینی ماخذ سے استفادہ کیا ہے، مقابلہ کرو مارکوارٹ کی کتاب موسوم بہ "تاریخ ایران پر تحقیقات" ج ۱، ص ۴۴ بعد)، [۲] بوشات کی برجستہ تصویر جس کا اوپر حاشیے میں ذکر ہوا سرزمین آرمینیہ میں بنائی گئی تھی نہ کہ ایران میں، [۳] دیکھو اوپر، ص ۳،

تربیت یافتہ سپاہی تھا، اگرچہ اس کے اندازِ بیان میں تصنّع پایا جاتا ہے تاہم وہ برترین پائے کا واقعہ نگار ہے، اُس نے جو کیفیت اُن لڑائیوں کی بیان کی ہے جن کا خاتمہ ۳۵۹ء میں ایرانیوں کی فتح اور آمدہ کی تسخیر پر ہُوا اس کی وضاحت ایسی ہے کہ جس کی نظیر نہیں مل سکتی،

آرمینیہ کے صوبۂ کورڈیے نے[1] میں ایک ایرانی حاکم تھا جس کا رومی نام جووینین[2] تھا، چونکہ وہ جوانی کے زمانے میں یرغمال کے طور پر شام میں رہا اس لیے اس کو رومی تہذیب سے دلبستگی ہوگئی اور یقیناً اسی زمانے میں اُس نے اپنا اصلی نام بدل کر رومی نام رکھا، بہرحال اس کو خفیہ طور پر روم کے ساتھ ہمدردی تھی، امیان کو اس کے پاس ایک معتبر فوجی سردار کی معیّت میں بدیں غرض بھیجا گیا کہ ایرانی لشکر کی نقل و حرکت کی اطلاع بہم پہونچائے، جووینین نے ایک رہبر کو جو تمام اطراف و جوانب سے واقف تھا اس کے ہمراہ کر دیا، تیسرے دن وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھے اور جونہی کہ سورج نکلا دیدبانوں نے دیکھا کہ تمام گرد و نواح میں لاتعداد ایرانی لشکر پٹا پڑا ہے اور خود شاہِ ایران (شاپور) زرق برق لباس پہنے فوج کے آگے آگے ہے، اس کے بائیں جانب گرُمباٹیس شاہِ چینوئیٹ ہے جو ایک ادھیڑ عمر کا، پتلا، دبلا، لیکن عالی ہمت شخص ہے اور اپنی بہت سی فتوحات کے باعث ممتاز ہے، شاپور کے دہنی طرف شاہِ البان ہے جو رتبے اور شہرت میں گرُمباٹیس کا ہم پلہ ہے، ان کے پیچھے بہت سے سربرآوردہ سردار ہیں اور آخر میں لشکر

---

[1] (Cordyene) (= کردستان، - مترجم) [2] (Jovinian)

کا انبوہ ہے جو آس پاس کی قوموں کے بہترین فوجی دستوں پر مشتمل ہے، سپاہِ ایران نے کشتیوں کے پُل پر سے دریائے زاب کو عبور کیا، یہ دیکھ کر امّیان، جووینین کے پاس واپس آیا اور کچھ عرصہ آرام کرنے کے بعد دوبارہ اُسی پہاڑی راستے کو طے کرتا ہوا رومی لشکر سے جا ملا، تب رومیوں نے جنگ کی تیاری شروع کی اور کھیتوں میں سب غلّہ جلا دیا، ایرانی تیزی کے ساتھ نصیبین کے سامنے سے گزر گئے اور جلے ہوئے کھیتوں کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے دامنِ کوہ کی سرسبز وادیوں میں بڑھتے چلے گئے، دوسری طرف رومی لشکر بھی بسرعتِ تمام کُماژین کے پایہ تخت سیموسیٹا[1] کی طرف بڑھا تاکہ وہاں سے دریا (یعنی فرات) کو عبور کرے، رومی فوجوں کے دو دستوں کی بُزدلی اور غفلت کی بدولت دو ایرانی سپہ سالار یعنی تہم شاپور اور نخوذار[2] ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر آمِدہ کے نزدیک پہنچنے میں کامیاب ہوئے اور شہر کے اردگرد ٹیلوں کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھے، اسی جگہ رومیوں اور ایرانیوں میں وہ لڑائی ہوئی جس کی کیفیت امّیان نے بالفاظِ ذیل بیان کی ہے :-

"ہم صبح سویرے طلوعِ فجر کی دھندلی روشنی میں سیموسیٹا کی طرف کوچ کر رہے تھے کہ دفعتہً (جیسا کہ میں نے بیان کیا)، ہم کو ایک ٹیلے کی بلندی پر سے ہتھیاروں کی چمک دکھائی دی، اچانک شور مچ گیا کہ دشمن آن پہنچا اور مقررہ اشاروں کے ذریعے سے ہمیں خبردار کیا گیا کہ لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ، ہم فوراً رُک گئے اور صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے لیکن مشکل یہ آپڑی

[1] (Samosata)

[2] دیکھو صفحہ ۱۶ ح ۲ ،

کہ لڑ نہیں سکتے اس لیے کہ دشمن کی فوج کیا پیادے اور کیا سوار ہم سے کہیں بہتر و برتر تھے اور لڑنے کی صورت میں ہمارے لیے موت یقینی تھی ، اور بھاگ نہیں سکتے اس لیے کہ دشمن نے ہمیں دیکھ لیا تھا اور بھاگنے کی صورت میں وہ یقیناً ہمارا تعاقب کرتا ، بالآخر ہم نے اتنا تو سمجھ لیا کہ لڑے بغیر چارہ نہیں لیکن یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ لڑائی کی کیا صورت اختیار کی جائے ، ہم میں سے چند آدمی بے احتیاطی کے ساتھ آگے بڑھے اور مارے گئے ، اس کے بعد دونوں لشکر آمنے سامنے آئے"۔

"..... اسی طرح آدھ گھنٹہ گزر گیا ، تب ہماری فوجِ ساقہ کے آدمی جو ٹیلے کی چوٹی پر کھڑے تھے چلّائے کہ زرہ پوش سواروں کا ایک اور دستہ پیچھے سے نہایت تیزی کے ساتھ بڑھا چلا آرہا ہے ، جیسا کہ ہمیشہ ایسے خطرے کے موقعوں پر ہؤا کرتا ہے کسی کو ہوش نہ تھا کہ کدھر جائے ۔ اتنے میں وہ لاتعداد لشکر ہم پر چڑھ آیا اور ہم میں جو بھگدڑ پڑی تو ہر شخص نے جدھر بچاؤ کا رستہ دیکھا ادھر کو بھاگ کھڑا ہؤا ، ہر چند کہ ہر شخص نے اپنے آپ کو اس فوری خطرے سے بچانے کی کوشش کی تاہم دشمن کے ہراول کے ساتھ مٹھ بھیڑ سے بچنا نہ ہو سکا ، اب چونکہ ہم میں سے کسی کو جانبر ہونے کی توقع نہ تھی ہم جان توڑ کر لڑے اور دشمن ہمیں دھکیلتا ہوا دجلہ کے ڈھلوان کنارے تک لے گیا ، وہاں کچھ لوگ دریا میں گر گئے ، بعض جن کے پاؤں ہتھیاروں میں الجھ گئے پایاب پانی ہی میں ڈوب کر رہ گئے اور بعض جن کو دریا کی رو بہا لے گئی زیادہ گہرے پانی میں جا کر غرق ہوئے ، بعض ایسے بھی

تھے جو دشمن کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور جتنا جس سے ہو سکا مقابلہ کیا، بعضوں نے لشکر کے انبوہ سے خوفزدہ ہو کر راہِ فرار اختیار کی اور کوہ توروس[1] کی قریب ترین گھاٹیوں میں پناہ لینے کی کوشش کی"

".... میں خود اپنے ساتھیوں سے جُدا ہو گیا اور اس سوچ ہی میں تھا کہ کیا کروں کہ اتنے میں تراولوں کا سردار ورینین[2] میرے پاس آیا، اس کی ران میں ایک تیر گڑا ہوا تھا، اس نے میری منت کی کہ میں اُسے اپنے ساتھ لے چلوں لیکن میں نے دیکھا کہ ایرانی مجھے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، پھر میں نے کوشش کی کہ جلدی سے شہر (یعنی آمدہ) کی طرف بچ کر نکل جاؤں جو کہ بلندی پر اُسی سمت میں واقع تھا جس طرف سے کہ دشمن ہم پر حملہ آور ہوا تھا وہاں پہنچنے کے لیے صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ بھی نہایت تنگ اور پھر مزید یہ کہ اس کے عین وسط میں چڑھائی کے اوپر ایک چکّی بنی ہوئی تھی جس سے وہ اور بھی تنگ ہو گیا تھا، نتیجہ یہ کہ بچ کر گزرنے کے سب راستے مسدود تھے، جس وقت ہم بلندی پر پہنچے تو عین اُسی وقت ایرانی بھی وہاں آن پہنچے اور اس قدر ہجوم ہوا کہ بھیڑ کی وجہ سے مُردوں کی لاشیں تک کھڑی رہیں اور اُن کو زمین پر گرنے کی جگہ نہیں ملی، سورج کے نکلنے تک ہم کو اسی حالت میں رُکے رہنا پڑا، میرے عین سامنے ایک سپاہی جس کا سر ایک بہت بڑی تلوار کی ضرب سے دو نیم ہو چکا تھا چاروں طرف کی دھکا پیل سے کھمبے کی طرح سیدھا بے حرکت کھڑا ہوا تھا، ہر قسم کے منجنیق جو دیواروں کے اوپر نصب کیے ہوئے تھے تیروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے لیکن ہم دیواروں کے اس قدر

[1] (Taurus)   [2] (Verennian)

قریب تھے کہ ہمیں ان سے کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا، بالآخر میں نے ایک چور دروازے سے نکل کر اپنی جان بچائی اور دیکھا کہ عورتوں اور مردوں کا ایک جم غفیر ہے جو گرد و نواح سے سمٹ کر وہاں آگیا ہے، بات یہ تھی کہ یہاں ہر سال انھی دنوں میں ایک میلا لگا کرتا تھا اور دیہات کے لوگ بکثرت اس میں جمع ہوتے تھے، یہ سب لوگ اسی میلے کی خاطر سے آئے تھے لیکن یہاں پہنچ کر جب اُنھوں نے کُشت و خون کا منظر دیکھا تو چیخنے اور فریاد کرنے لگے کچھ ان میں سے زخمی ہوئے کچھ مارے گئے، بعض اپنے مُردوں پر روتے تھے اور بعض اپنے گم شدہ ساتھیوں کو پُکارتے تھے لیکن اُس افراتفری میں کسی کا پتا نہیں لگتا تھا[1]"

اس اثنا میں خود شاپور ایرانی فوج کا بیشتر حصّہ ساتھ لیے آمدہ کے سامنے آپہنچا، اُس کے بعد امیّان لکھتا ہے :-

"صبح ہوتے ہی ہم نے دیکھا کہ چاروں طرف جہاں تک نظر کام کرتی تھی میدانوں اور ٹیلوں پر لشکر ہی لشکر دکھائی دے رہا تھا اور سواروں کی جگمگاتی ہوئی زرہیں آنکھوں کو خیرہ کیے دیتی تھیں، خود بادشاہ قد و قامت میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھا اور گھوڑے پر سوار لشکر کے آگے آگے آرہا تھا، اس کے سر پہ تاج کی بجائے ایک مطلّا ٹوپی تھی جس کی شکل مینڈھے کے سر کی سی تھی اور اس پر جواہرات جڑے ہوئے تھے، امرا جو کثیر تعداد میں اس کے ہمرکاب تھے اور خدم و حشم جو مختلف اقوام کے لوگوں پر مشتمل تھے اس کے رعب و جلال کو دوبالا کر رہے تھے، قیاس غالب یہ تھا کہ وہ مدافعینِ شہر کو اس بات کی

[1] کتاب ۱۸، ص ۸ ،

ترغیب دینے کی کوشش کریگا کہ برضا و رغبت اطاعت قبول کرلیں کیونکہ انٹونیوس[1] کے مشورے سے اس کو کسی دوسری طرف دھاوا کرنے کی جلدی تھی، لیکن چونکہ خدا کو یہ منظور تھا کہ سلطنتِ روم کے حصّے کی ساری مصیبتیں ایک ذرا سی جگہ پر نازل ہوں شاہِ ایران کو اس بات کا پورا وثوق ہوگیا کہ بس جونہی کہ وہ سامنے آئیگا محصورین اس کے فرطِ رعب سے حواس باختہ ہوکر اُس سے رحم کی درخواست کرینگے، چنانچہ اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوکر وہ شہر کے دروازوں کی طرف بڑھا اور نہایت اطمینان کے ساتھ اس قدر قریب پہنچ گیا کہ اس کے چہرے کے خط و خال تک پہچانے جاسکتے تھے، لیکن اس کا قریب آنا تھا کہ اس کے زیور و جواہرات کو دیکھ کر تیراندازوں نے اس کو اپنے تیروں کا نشانہ بنانا شروع کیا، حسنِ اتفاق سے گرد و غبار کے ایک بادل نے اس کو تیراندازوں کی نظر سے اوجھل کردیا ورنہ اس کا کام تمام ہوجاتا، وہ بالکل صحیح سلامت بچ گیا صرف اس کا چغہ ایک تیر کے لگنے سے چاک ہوا، خدا کی قدرت اس کی جان اس لیے بچی تاکہ وہ ہزاروں بندگانِ خدا کی ہلاکت کا موجب ہو! وہ اس طرح غضبناک ہوا کہ گویا ہم سے کوئی بہت بڑی بے حرمتی کا گناہ سرزد ہوا ہو، کہنے لگا کہ ان لوگوں نے میری توہین کرنے سے حقیقت میں ایک ایسے شخص کی توہین کی ہے جو بیشمار فرمانرواؤں اور قوموں کا آقا ہے، پھر اُس نے کمال سرگرمی کے ساتھ شہر کو برباد کرنے کی تیاریاں شروع کیں، لیکن فوج کے برگزیدہ سرداروں نے بہ منّت اس سے التجا کی کہ اپنی اصلی

[1] (Antonius) ایک رومی تھا جس نے دربارِ ایران میں پناہ لے رکھی تھی،

اور مہتم بالشّان مہم کو نظر انداز مت کرو ، باقی امیروں نے بھی اپنے خیر خواہانہ خیالات کا اظہار کر کے اس کو ٹھنڈا کیا ، تب اس نے ارادہ کیا کہ اگلے دن محصورین کو حکم دے کہ اطاعت قبول کریں "

" لہذا اگلے دن صبح گرمباٹیس شاہِ چینوئیت جس نے کمال وثوق کے ساتھ محصورین کو بادشاہ کا پیغام پہنچانے کا ذمّہ لیا تھا تومند سواروں کا ایک دستہ ساتھ لے کر شہر پناہ کی طرف بڑھا ، لیکن جونہی کہ وہ تیر کی زد میں آیا ایک بڑے ماہر تیر انداز نے منجنیق میں تیر جوڑ کر ایسا تاک کر نشانہ لگایا کہ اس کا بیٹا جو اس کے برابر گھوڑے پر سوار چلا جا رہا تھا اس سے زخمی ہوا ، تیر اس کی زرہ اور سینے کے پار ہو گیا ، وہ ایک نہایت حسین جوان تھا اور قامت و رعنائی میں اپنے ہم عمروں پر فائق تھا ، اس کے مرنے پر اس کے تمام ہموطن پراگندہ ہو گئے لیکن پھر یہ محسوس کر کے کہ اس کی لاش کا رومیوں کے ہاتھ لگنا ٹھیک نہیں وہ تھوڑے عرصے کے بعد پھر پلٹ آئے اور باآوازِ بلند لوگوں کی ایک جماعت کو ہتھیار اٹھانے پر اکسانے لگے ، اس جماعت کی کمک سے ایک نہایت شدید لڑائی ہوئی اور ہر طرف سے تیر اولوں کی طرح برسنے لگے ، قتل و خون کا سلسلہ شام تک جاری رہا ، جب رات ہوئی تو بڑی زحمت و تکلیف کے بعد ظلمتِ شب کی حفاظت میں کشتوں کے ڈھیر اور خون کے سیلاب میں سے دشمن کو لاش نکال لینے میں کامیابی ہوئی ..."

" اس موت نے سارے شاہی خاندان کو سوگوار بنا دیا اور تمام امرا اس ناگہانی صدمے میں باپ کے ساتھ شریکِ غم ہوئے ، تمام جنگی

کارروائیاں یک قلم موقوف کر دی گئیں اور اس جوانمرگ کی قوم کے دستور کے مطابق عزاداری کی رسمیں ادا کی گئیں، مرنے والا نہ صرف اپنی عالی نسبی کی وجہ سے قابلِ احترام تھا بلکہ خود بھی بہت ہر دلعزیز تھا، معمولی ہتھیاروں سمیت اس کو اُٹھا کر ایک بہت بڑے تخت پوش پر لٹایا گیا اور اس کے گرد دس چارپائیاں بچھائی گئیں جن پر مصنوعی مُردے رکھے گئے، ان مُردوں کے بُت ایسی کاریگری کے ساتھ بنائے گئے تھے کہ ہوبہو اصلی معلوم ہوتے تھے، مَردوں نے اپنے نوجوان شاہزادے کے ماتم کی رسمیں سات دن تک ادا کیں اور ٹولیاں بنا کر رقص کے ساتھ نوحہ خوانی کرتے رہے، عورتیں نہایت دردناک طریقے پر سینہ زنی کرتی رہیں اور جیسا کہ ان کا دستور ہے اس جوانمرگ پر بین کر کر کے روتی رہیں، قوم کی امیدیں اس سے وابستہ تھیں، افسوس کہ آغازِ شباب ہی میں اس کا رشتۂ زیست منقطع ہو گیا ....."

"جب لاش کو جلایا جا چکا اور اس کی ہڈیاں ایک چاندی کے کوزے میں رکھ دی گئیں تاکہ باپ کی خواہش کے مطابق اُن کو خاکِ وطن میں دفن کیا جائے[1] تو جنگ کی تجاویز سوچنے کے لیے ایک بڑی کونسل منعقد کی گئی جس میں طے پایا کہ جوان شہزادے کی روح کی تسکین کے لیے ایک بڑی بھاری قربانی دی جائے یعنی یہ کہ شہر کو جلا کر خاکستر کر دیا جائے کیونکہ گرُمباٹیس یہ چاہتا تھا کہ جب تک اس کے اکلوتے بیٹے کا بدلہ نہ لیا

---

[1] اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ چینوئیٹ زرتشتی نہ تھے کیونکہ لاش کا جلانا یا دفن کرنا زرتشتی تعلیم کے منافی ہے۔ (دیکھو اوپر صفحہ ۳۸-۳۹)۔

جائے اُس جگہ سے ہلا نہ جائے، سپاہیوں کو اجازت دی گئی کہ دو دن آرام کرلیں اور اس مدّت میں صرف وہی فوجیں روانہ کی گئیں جن کو زرخیز کھیتوں اور فصلوں کو برباد کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا کیونکہ امن کے زمانے کی سی کیفیت تھی اور ان کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہ تھا، اس کے بعد سپرداروں کی پانچ صفوں نے آگے پیچھے کھڑے ہو کر شہر کو گھیر لیا، تیسرے دن صبح رسالے کے سوار جگمگاتی زرہیں پہنے جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی میدان میں پھیلے ہوئے نظر آتے تھے، صفیں آہستہ آہستہ اُس جگہ کی طرف بڑھنی شروع ہوئیں جو قرعہ اندازی کے ذریعے سے معیّن کی گئی تھی، ایرانیوں نے شہر پناہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا، مشرق کی سمت جہاں ہماری بدبختی سے جوان شہزادہ مارا گیا تھا چینو عجت کو سپرد کی گئی، جنوب کی جانب قبائل وژت[1] جاگزین تھے، شمال کی طرف آلبان کا لشکر تھا اور مغرب کی طرف سگستانی[2] صف آرا تھے جو جنگی حمیّت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، ان کے ساتھ مہیب اور ننا ور ہاتھی تھے جن کی کھالوں پر جھرّیاں پڑی ہوئی تھیں، مسلّح سپاہی اُن پر سوار تھے اور وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے چلے آرہے تھے، میں نے بارہا یہ بات کہی ہے کہ اس سے زیادہ ہیبت ناک منظر تصوّر میں نہیں آسکتا ...“

جب یہ قواعد ختم ہو چکی تو شاہی لشکر شام تک بے حرکت پڑا رہا، اس

---

[1] قبائل وژت کے متعلق مؤرّخ لکھتے ہیں کہ ان کی اصلیت غیر معلوم ہے، (مترجم)

[2] یعنی اہلِ سگستان یا سیستان، (مترجم)

کے بعد جس ترتیب سے آگے بڑھے تھے اُسی ترتیب سے پیچھے ہٹ گئے، اگلے دن صبح ہونے سے ذرا پہلے بگل کی آواز کے ساتھ ازسرِنو شہر کا محاصرہ کیا گیا اور لڑائی شروع ہوگئی، محصورین نے نہایت سختی کے ساتھ مقابلہ کیا،

"بھاری بھاری پتّھروں نے جو ہم منجنیقوں کے ذریعے سے پھینک رہے تھے بیشمار دشمنوں کے سر کچل ڈالے، بہت سے تیروں کا نشانہ بنے اور بہت سے بھالوں کے ذریعے سے مارے گئے، حالت یہ ہو رہی تھی کہ لاشوں کے ڈھیروں کی وجہ سے دشمن کو آگے بڑھنا دشوار ہو رہا تھا، جو زخمی ہوئے ان کی کوشش تھی کہ بھاگ کر اپنے ساتھیوں سے جا ملیں، شہر کے اندر بھی تباہی اور خونریزی کچھ کم نہ تھی، تیروں کے ایک بادل نے آسمان کو تاریک کر دیا، آلاتِ جنگ جو ایرانیوں کو سنگارا (سنجار) کی لوٹ میں ہاتھ لگے تھے یہاں کے محاصرے میں اُنھوں نے استعمال کیے اور اُن کے ذریعے سے بہت لوگوں کو مجروح کیا، جب لڑائی میں ذرا سا وقفہ ہوتا تو محصورین اپنی پراگندہ طاقتوں کو پھر جمع کرتے اور مقابلہ شروع کرتے لیکن اگر وہ اُس جوش کی حالت میں جس کا اظہار وہ اپنے شہر کو بچانے کے لیے کر رہے تھے زخمی ہوتے تو ان کا گرنا دوسروں کے لیے مہلک ہوتا اس لیے کہ اپنے خون میں غلطاں ہونے کے باعث وہ پاس والوں کو بھی نیچے گرا دیتے، اور اگر وہ تیر کھا کر زندہ رہتے تو چیختے اور چابک دست تیر اندازوں کو پکارتے کہ ہمارے جسم میں سے تیر نکالو، خونریزی کی یہ کیفیتیں دن بھر دیکھنے میں آتی رہیں، دونو طرف کے جانباز اس طرح جم کر لڑے کہ رات کی تاریکی بھی اُن کے جوش کو کم نہ کر سکی، گاردو کے

سپاہی رات بھر مسلّح رہے، دونوطرف کے لشکریوں کے نعرے ٹیلوں اور پہاڑیوں میں گونجتے تھے، ہماری طرف کے سپاہی قیصر کانسٹنس[1] فرمانروائے عالم کی بڑائی کے گیت گاتے تھے اور ایرانی اپنے شہنشاہ شاپور پیروز کے نام کا نعرہ لگاتے تھے۔"

دوسرے روز پھر دن بھر لڑائی ہوتی رہی، طرفین کے شدید نقصانات نے ان کو مجبور کیا کہ کچھ عرصہ جنگ میں توقف کریں، شہر کے اندر لوگوں کی تعداد کثیر تھی کیونکہ علاوہ بیس ہزار باشندوں کے سات دستے رومی فوج کے تھے اور ایک بڑی تعداد مہاجرین کی تھی، مردوں کو دفن کرنا بھی ناممکن ہورہا تھا اس پر مزید آفت یہ آئی کہ وبا پھیل گئی، اس اثنا میں ایرانیوں نے شہر کے گرداگرد اپنی حفاظت کے لیے مٹی سے بھرے ہوئے ٹوکروں کی دیوار بنائی اور حملہ کرنے کے لیے چبوترے تعمیر کیے اور ان پر اونچے اونچے برج بنائے جن کے سامنے کی طرف لوہا چڑھایا گیا، ہر ایک برج کی چوٹی پر ایک ایک منجنیق رکھا گیا جس سے مقصد یہ تھا کہ شہر پناہ کے محافظوں کا کام تمام کیا جائے، محصورین نے نہایت تہوّر کے ساتھ چندبار باہر نکل کر حملہ کیا، ایرانی گارد کے ستر تیر اندازوں نے ایک رومی مفرور کی رہنمائی سے شہر پناہ کے جنوب کی جانب ایک برج پر قبضہ کرلیا اور وہاں سے صبح کے وقت ایک ارغوانی رنگ کا چغہ ہلاکر ایرانی فوج کو اشارہ کیا کہ حملہ شروع کردو، ایرانی سپاہی سیڑھیاں لگاکر اوپر چڑھ گئے، رومیوں نے اس اثنا میں اپنے منجنیقوں کا رُخ اس برج کی طرف کرکے لکڑی کے بہت بڑے بڑے تیر برسانے شروع کیے جن میں سے

[1] (Constance)

بعض وقت ایک ایک تیر بیک وقت دو دو دو دشمنوں کو چھیدتا ہوا چلا جاتا تھا،
جب برج دشمنوں سے خالی ہوگیا تو محصورین نے اپنی تمام طاقتوں کو دیوار پر مجتمع کیا
اور ایسی جانبازی کے ساتھ لڑے کہ قبائل وژت جو جنوبی سمت پر صف آرا تھے
منتشر ہوگئے، اس عرصے میں اسی نواح کے چند مستحکم مقامات دشمن کے قبضے میں
آگئے جن کو اُس نے لوٹا اور جلایا اور ہزاروں آدمیوں کو پکڑ کر باہر نکالا جن میں
عورتیں اور بوڑھے بھی شامل تھے، کمزوری کی وجہ سے جب وہ چل نہیں سکتے
تھے تو ان کے پاؤں اور پنڈلیوں کی ہڈیاں توڑ کر ان کو راستے میں پڑا چھوڑ
جاتے تھے، ان قیدیوں کی قطاریں دیکھ کر گال[1] کے سپاہیوں
کو سخت طیش آیا، وہ نہایت برہم ہوکر حملہ کرنے کے لیے نکلے اور ایرانی
لشکر میں موت اور دہشت کا طوفان برپا کردیا، بالآخر ایرانیوں نے محاصرے
کا سامان مکمل کرکے نہایت تندی کے ساتھ شہر پر اپنا آخری حملہ کیا، پہلے دن کی
لڑائی کا کوئی نتیجہ نہ ہوا، دوسرے دن از سر نو ایرانی اپنے ہاتھیوں کو لے کر آگے
بڑھے، رومیوں نے محاصرے کے برجوں کو تباہ کردیا اور پتھر پھینک پھینک کر
ایرانیوں کے منجنیق توڑ ڈالے اور ہاتھیوں کو مشعلوں کے ذریعے سے ڈرا کر بھگا دیا
یہاں سے ہم پھر اپنے مؤرخ کے بیان کو اُسی کے الفاظ میں لکھتے ہیں:-
"آخر کار آلاتِ محاصرہ کو جلا دیا گیا لیکن لڑائی میں پھر بھی وقفہ نہ ہوا،
وجہ یہ ہوئی کہ شاہِ ایران جو اگرچہ بذاتِ خود لڑائی میں شرکت کرنے پر مجبور نہ
تھا ان پے در پے آفتوں سے اس قدر غضبناک ہوا کہ اس نے وہ کام کیا
جو آج تک کبھی نہ ہوا تھا یعنی یہ کہ وہ ایک معمولی سپاہی کی طرح لڑائی کے گھمسان

[1] (Gaul)

میں گھس گیا، لیکن چونکہ جدھر وہ جاتا تھا لوگوں کا ایک ہجوم اس کی حفاظت کے لیے اس کے گرد رہتا تھا اس لیے سب اُسے بآسانی پہچان سکتے تھے حتّٰی کہ جو لوگ زیادہ فاصلے پر تھے وہ بھی اُسے شناخت کر رہے تھے، لہٰذا تیر اور بھالے بکثرت اس کی طرف پھینکے گئے، اس کے محافظین میں سے بہت سے مارے گئے لیکن وہ خود وہاں سے نکل کر پیچھے ہٹ آیا اور ایک صف سے دوسری صف تک دوڑتا پھرا، شام تک یہی ہوتا رہا، زخمیوں اور مُردوں کے ہیبت ناک منظر سے اُسے مطلق وحشت نہ تھی، تب اس نے سپاہیوں کو اجازت دی کہ تھوڑا سا آرام کر لیں"

"بارے رات نے آ کر سلسلۂ جنگ کو منقطع کیا، لیکن صبح ابھی سورج بھی نکلنے نہ پایا تھا کہ شاہِ ایران نے جو غیظ و غضب سے بے قابو ہو رہا تھا انسانی ضروریات کا بھی خیال نہ کرتے ہوئے اپنی فوج کو ہمارے خلاف بھڑکانا شروع کیا تاکہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو، آلاتِ محاصرہ جیساکہ ہم نے ابھی کہا جل کر تباہ ہو چکے تھے، اور چونکہ ہم پر حملہ اُن چبوتروں پر سے کیا جا رہا تھا جو شہر پناہ سے قریب ترین تھے اس لیے ہمارے آدمیوں نے بھی دیوار کے اندر کی جانب جس قدر عمدگی اور مستعدی کے ساتھ ہو سکا چبوترے تعمیر کیے اور اس مشکل موقع پر ایسی سختی کے ساتھ مقابلہ کیا کہ دونو طرف کا پلّہ برابر رہا"

"یہ خونریز لڑائی بہت عرصے تک بے نتیجہ رہی، کوئی شخص نہ تھا جس کے دل میں مدافعت کا جوش موت کے خوف سے ٹھنڈا پڑ گیا ہو، لڑائی اپنے

پورے زور پر تھی کہ ایک ناگزیر حادثے نے طرفین کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، ہمارا چبوترہ جس کو بنانے میں ہم نے بہت وقت صرف کیا تھا ایک دم سے اس طرح گرا کہ گویا زلزلہ آیا، اس کے گرنے سے وہ خالی جگہ جو دیوار اور باہر کی جانب دشمن کے چبوترے کے درمیان تھی بھر گئی اس طرح کہ جیسے گویا ایک راستہ بنا دیا گیا یا ایک پُل تعمیر کر دیا گیا، دشمن کو وہ راستہ ایسا ملا جس پر سے گزرنے میں اُسے کوئی چیز نہیں روک سکتی تھی، ہمارے سپاہیوں میں سے اکثر کچلے گئے اور جو باقی تھے وہ اس انہدام کی وجہ سے اس قدر شکستہ خاطر ہوئے کہ قوّتِ عمل ان سے سلب ہو گئی، با ایں ہمہ سب کے سب اس ناگہانی خطرے کو روکنے کے لیے دوڑے، لیکن اس شتاب زدگی نے کام بگاڑ دیا، ہر شخص دوسرے کو آگے بڑھنے سے مانع تھا، برخلاف اس کے دشمن کا حوصلہ اس کامیابی سے بڑھ گیا، بادشاہ کے حکم سے تمام فوجی طاقتیں آگے بڑھائی گئیں اور تلوار کی لڑائی ہونے لگی، قتلِ عام میں دونو طرف سے خون کا سیلاب بہ رہا تھا اور خندقیں لاشوں سے اٹ گئی تھیں، اس سے دشمن کی فوج کو اور بھی کشادہ راستہ مل گیا اور ان کے آدمی سارے شہر میں بھر گئے، مدافعت یا فرار کی تمام امّیدوں کا خاتمہ ہو گیا، مسلّح، نہتّے، عورتیں، مرد، بلا امتیاز جانوروں کی طرح سے قتل کیے گئے"۔

اس کے بعد مؤرّخ نے خاتمے میں اپنے جانبازانہ فرار کی تفصیلات بیان کی ہیں، اپنے دو ہموطنوں کے ساتھ وہ رات کی تاریکی میں چھپ کر بھاگا، راستے میں اُنھیں ایرانی سپاہی ملے جو رومی سواروں کے ایک دستے کا تعاقب

کرنے کے لیے نکلے تھے لیکن خوش قسمتی سے وہ ان سے بچ نکلے اور پہاڑوں کو طے کرتے ہوئے بالآخر شہر میلیٹین[1] میں پہنچے جو آرمینیہ کوچک میں واقع ہے، وہاں سے چل کر وہ ایک رومی افسر کے ہمراہ انطاکیہ واپس آئے۔[2]

: ———————

ساسانی خاندان کے ابتدائی بادشاہوں میں سے صرف شاپور دوم ہی ایسا بادشاہ ہے جس کے ذاتی خصائص ہم کو اپنے ماخذ میں واضح طور سے نظر آرہے ہیں، سلطنت روم کے خطرناک دشمن کی حیثیت سے امیان کو طبعاً اس سے نفرت تھی لیکن باوجود اس کے وہ اپنی تاریخ میں شاپور کی بارعب شخصیت اور ذاتی دلیری کی تعریف سے باز نہیں رہ سکا۔ قد و قامت میں وہ ہمیشہ اپنے گردوپیش کے آدمیوں سے بقدر سر و گردن بلند نظر آتا تھا، بیزابدے (بیث زبدے)[3] اور آمدہ کے محاصروں میں وہ بالکل بیدھڑک ہو کر خندق کے قریب پہنچ گیا اور تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کی پروانہ کرتے ہوئے قلعے کے چاروں طرف کا معائنہ کرتا رہا۔[4]

ایرانیوں کے عیسائیوں کو اگر شاپور نے موردِ آزار بنایا تو وہ سیاسی مصلحتوں کی بنا پر تھا نہ کہ مذہبی تعصّب کی وجہ سے، سریانی زبان میں سینٹ اوژین[5] کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ شاپور نے اس عیسائی راہب سے خود ملنا چاہا اور اس کا بڑا احترام کیا، بادشاہ کے دو بیٹوں میں سے ایک کو آسیب ہو گیا تو اوژین نے اسکا علاج کیا، یہ صحیح ہے

[1] (Melitene)، آمدہ سے تقریباً سو میل شمال مغرب کی طرف (مترجم)

[2] کتاب ۱۹، ص ۱-۸، [3] (Bezabde)، آرمینیہ کے جنوبی حصّے میں دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر (مترجم)، [4] امیان کتاب ۲۲، ۷، ۲،

[5] (St. Eugene)

کہ اوثین کی سوانح عمری پایۂ اعتبار سے ساقط ہے لیکن سریانی زبان میں عیسائی اولیا کے تذکرے ہیں جن میں قدیم روایات کے آثار موجود ہیں اور جن سے صاف پایا جاتا ہے کہ شاپور کے دل میں عیسائیوں کے بارے میں کوئی معاندانہ احساسات نہ تھے[1]، بات یہ تھی کہ ایران کے عیسائی جن کے دلوں میں حکومت کے خلاف خفیہ عداوت تھی سلطنت کے لیے ایک مستقل خطرے کا باعث تھے خصوصاً جب سے کہ قیاصرۂ روم نے صلیب کو جہاد کی علامت قرار دیا، اس اندرونی دشمن کے خلاف شاپور نے بلا کسی لحاظ کے کارروائی کی، عیسائیوں پر تعدّی اس کے طویل عہد حکومت کے آخر تک جاری رہی[2]،

شاپور کو اپنی قدرت اور عظمت کا بیحد احساس تھا، وہ نہایت زود رنج اور تند خُو تھا، اگر اس کی شان میں کوئی گستاخی کر بیٹھتا یا اس کے منصوبوں میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جاتی تو وہ غصّے سے بے قابو ہو جاتا تھا[3]، ایک مرتبہ ایک عیسائی کو جس کا نام پُوسگ (یا پوسیگ) تھا اس کے حضور میں حاضر کیا گیا، اس نے کہا کہ میں اپنے ہم مذہبوں کے شہید ہونے پر رشک کرتا ہوں اور بادشاہ کی عظمت میری نظروں میں ہیچ ہے، شاپور نے غصّے سے للکار کر کہا کہ اس شخص کو دوسرے آدمیوں کی طرح مت قتل کرو، چونکہ اس نے میری جلالت شاہانہ کی تحقیر کی ہے اور میرے ساتھ برابری کے دعوے سے ہمکلام ہوا ہے اس کی زبان کو گدّی سے کھینچ کر نکال دو تاکہ دوسرے لوگ جو ابھی زندہ ہیں اس کو دیکھ کر میرے غضب سے ڈریں[4]،

---

[1] لابور، ص ۳۰۵، [2] اتیان، کتاب ۱۹، ۱، ۶، کتاب ۲۷، ۱۲، ۱۱ اور ۱۸،
[3] اتیان، کتاب ۱۹، ۱، ۶، کتاب ۲۷، ۱۲، ۱۱ اور ۱۸، [4] لابور، ص ۶۸،

لیکن مؤرخ امیان کے بیان میں بعض آثار اس بات کے بھی موجود ہیں کہ شاپور مروّت اور رحمدلی سے بے بہرہ نہ تھا، ایک موقع پر جب اس نے دو چھوٹے چھوٹے رومی قلعے فتح کیے تو قیدیوں میں چند عورتیں بھی گرفتار ہو کر اس کے سامنے آئیں۔ انھی عورتوں میں ایک رومی کونسلر مسمّی کروگاسیوس کی بیوی تھی جو نہایت حسین تھی، وہ خوف کے مارے کانپ رہی تھی کہ مبادا فاتحین کی طرف سے اس پر کسی طرح کی زیادتی ہو، بادشاہ نے اس کو حضور میں طلب کیا اور اس سے وعدہ کیا کہ تمہارا شوہر تم سے جلد آن ملیگا اور کوئی شخص تمہاری توہین نہیں کریگا، امیان لکھتا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ شاپور نے سُن رکھا تھا کہ کروگاسیوس کو اپنی بیوی سے بہت محبّت ہے اور اُسے امید تھی کہ نصیبین کو فتح کرنے میں اس سے کام لیگا، مؤرخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاپور ہمیشہ اُن عیسائی لڑکیوں کو جو کلیسا کی خدمت کے لیے وقف ہوتی تھیں اپنی حمایت میں لے لیا کرتا تھا اور حکم دیتا تھا کہ اُنھیں اپنے فرائضِ مذہبی کے ادا کرنے کی پوری آزادی دی جائے اور کوئی ان سے متعرض نہ ہو، امیان کا خیال ہے کہ اس کا یہ رحم و انصاف محض مکر و حیلہ تھا لیکن بظاہر ایسا نہیں ہے، بعد میں جب رومیوں کو کروگاسیوس کے متعلق سوءِ ظن ہؤا اور اسے اس بات کا خوف پیدا ہؤا کہ مبادا مجھ پر غدّاری کا الزام لگایا جائے اور ساتھ ہی بیوی کی محبّت نے بھی اپنی کشش دکھائی تو وہ بھاگ کر ایرانیوں سے جا ملا، شاپور نے اس کی بیوی، اس کے تمام رشتہ دار اور اس کی ضبط شدہ جائداد سب کچھ واپس دلایا اور اس کو بہت بڑا عہدہ دیا[1]،

---

[1] امیان، کتاب ۱۸، ۱۰، کتاب ۱۹، ۹،

روم کے ساتھ طویل لڑائیوں نے شاپور کو اس بات کا موقع دیا کہ اپنی سپہ سالاری کے جوہر دکھا سکے، اس کی فوج میں انضباط کامل تھا، دشمن کے شہروں کو فتح کرکے وہ معمولاً بے فائدہ قتل عام نہیں کراتا تھا، سنہ ۳۶۰ء میں جب سنگارا (سنجار) کے قلعہ پر ایرانیوں کا قبضہ ہوا اور ایرانی فوج وہاں داخل ہوئی تو بہت کم لوگ مارے گئے، شہر کے باشندے اور رومی فوج کے پسماندوں کو شاپور کے حکم سے گرفتار کیا گیا اور سلطنت کے دور دراز علاقوں میں بھیج دیا گیا[1]، ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ ساسانی بادشاہ رومی قیدیوں کے ساتھ ہمیشہ یہی سلوک کیا کرتے تھے، ان کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ صنعت و حرفت میں رومیوں کی مہارت سے فائدہ اٹھایا جائے،

شاپور نہایت ہوشیار تھا اور موقع و محل کے مطابق تواضع یا غرور کے ساتھ پیش آتا تھا[2]، ایک مرتبہ اس نے خوشامد اور چاپلوسی سے ارشک شاہ آرمینیہ کو ایک دعوت میں بلایا اور وہاں اسے گرفتار کرا کے جیل بھجوا دیا، بعد میں جب دو رومی مفرور یعنی سیلاسیس[3] اور ارتبان جن کے ہاتھوں میں شاپور نے آرمینیہ کی حکومت دے رکھی تھی دوبارہ رومیوں کے ساتھ مل گئے اور ان کی مدد سے انہوں نے ایسے اسباب پیدا کر دیے کہ ارشک کا بیٹا پپ[4] آرمینیہ کا بادشاہ بن گیا تو شاپور نے مصلحتِ وقت سے یہی مناسب سمجھا کہ زور دکھانے کا موقع نہیں ہے چنانچہ اس نے پپ کو دوستی کے عہد نامے کا لالچ دلا کر فریفتہ کیا اور دوستانہ لہجے میں

---

[1] امیان، کتاب ۲۰، ۶، ۷، [2] ایضاً، کتاب ۲۷، ۱۲، ۱۴،

[3] (Cylaces)

[4] امیان کے ہاں اس کا نام پارا ہے جس کو پاپا پڑھنا چاہیئے،

شاپور دوم شیروں کا شکار کر رہا ہے
(چاندی کا پیالہ)

سکۂ بہرام چہارم

اس کو ملامت کی کہ تم نے اپنے رتبے کی عظمت کا لحاظ نہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو سیلاسیس اور ارتبان کا غلام بنا رکھا ہے اور تمہارے حصّے میں سوائے ظاہری شان و شوکت کے اور کچھ بھی نہیں رہا، غرض ان باتوں سے اس نے پپ کو ایسی پٹّی پڑھائی کہ اس سست رائے بادشاہ نے اپنے ان دونو مشیروں کو قتل کرا دیا[1]،

آخر میں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ شاپور نے دنیا کے بڑے بڑے شہر بسانے والوں میں اپنا نام چھوڑا ہے، جب اس نے قدیم شہر شوش[2] کو ایک بغاوت کی وجہ سے برباد کیا اور اس کے باشندوں کو قتل کیا[3] تو اس نے اُس کو دوبارہ آباد کرایا اور اس کا نام ایرانشہر شاپور رکھا، اس سے تھوڑی دور شمال کی طرف اس نے ایک اور شہر بسایا جس کا نام اس نے ایران خورّہ کرد شاپور رکھا، سریانی میں اس کو کرخائے لیدان لکھا ہے، شاپور کے زمانے کے ایک محل کے آثار وہاں اب بھی موجود ہیں جس کو ایوانِ کرخ کہتے ہیں[4]،

شاپور دوم کے جانشین کمزور بادشاہ تھے، ان میں پہلا تو اس کا بھائی (؟) اردشیر دوم (سنہ ۳۷۹ع - سنہ ۳۸۳ع) تھا اور دو اس کے بیٹے تھے یعنی شاپور سوم (سنہ ۳۸۳ع - سنہ ۳۸۸ع) اور بہرام چہارم (سنہ ۳۸۸ع - سنہ ۳۹۹ع)[5]، ان تینوں کے

---

[1] امیان کتاب ۲۷، ۱۲، ۱۲، [2] (Susa)، [3] لابور، ص ۷۰، [4] نولڈکہ: ترجمہ طبری، ص ۵۸، ح ۱، مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۱۴۵، زارہ - ہرسفلٹ، "حجّاری برجستہ" ص ۱۳۰،
[5] بقول شمٹ سنہ ۳۸۶ع - سنہ ۳۹۷ع، (سیریا" سنہ ۱۹۳۴ع، ص ۲۲)، بہرام چہارم کا لقب کرمانشاہ تھا کیونکہ وہ اپنے باپ کے عہد میں کرمان کا گورنر رہا تھا، نولڈکہ کے قیاس کے مطابق (طبری، ص ۷۱، ح ۳) ایران کے مغرب میں شہر کرمانشاہ اب بھی اس بادشاہ کے لقب کو یاد دلاتا ہے،

عہد میں امرائے سلطنت نے اپنی طاقت جو وہ شاپور بزرگ کے زمانے میں کھو بیٹھے تھے دوبارہ حاصل کی، اردشیر دوم کو تو امراء نے تخت سے اُتار دیا اور باقی دونو غیر طبعی موت مرے، بہرام چہارم کے عہد میں ایران اور روم نے آرمینیہ کو آپس میں تقسیم کرلیا، اس کا مشرقی حصّہ جو بہت وسیع تھا ایران کے تسلط میں آیا اور مغربی حصّے کو روم نے اپنی حمایت میں لے لیا، مشرقی حصّے کی بادشاہت خسرو پسر وَرَزْدات کو دی گئی لیکن بہرام چہارم نے اس کو ۳۹۲ء میں معزول کرکے اس کے بھائی وِرَم شاپوہ[1] کو اس کی جگہ پر تخت نشین کیا، کچھ عرصہ بعد خسرو دوبارہ بادشاہ بن گیا اور ۴۱۴ء سے ۴۱۶ء تک حکومت کرتا رہا۔

ساسانی خاندان کے ابتدائی بادشاہوں نے جو نرسی کے زمانے تک گزرے ہیں اپنی برجستہ تصاویر کو پرسی پولس کے آس پاس کی چٹانوں پر کندہ کرایا لیکن اردشیر دوم اور اس کے جانشینوں نے اپنے عہد کی یادگاروں کو منقوش کرانے کے لیے قدیم میڈیا میں ایک جگہ کو انتخاب کیا جو اُن کے پایہ تخت سے قریب تر تھی، اس سے ہماری مراد طاقِ بستان سے ہے جو کرمانشاہ کے شمال مشرق کی طرف بہت تھوڑے سے فاصلے پر واقع ہے، یہ جگہ عین اُس سڑک پر ہے جو بغداد سے ہمدان کو جاتی ہے، پرانے زمانے میں کاروانوں کا راستہ یہی تھا، نہایت قدیم زمانے سے بادشاہ اپنی یادگاریں اسی جگہ پر بنواتے رہے، موسیو ہرتسفلٹ نے اس کا نام "ایشیا کا دروازہ" رکھا ہے[2]، طاقِ بستان میں اُس

---

[1] یہ بہرام شاپور کی ارمنی شکل ہے۔ [2] دیولافوا، ج ۵، ص ۹۵ ببعد، مورگن: "ایران میں علمی مشن" ج ۴ ص ۳۰۳ ببعد، ہرتسفلٹ: "ایشیا کے دروازے پر" ص ۵۷ ببعد،
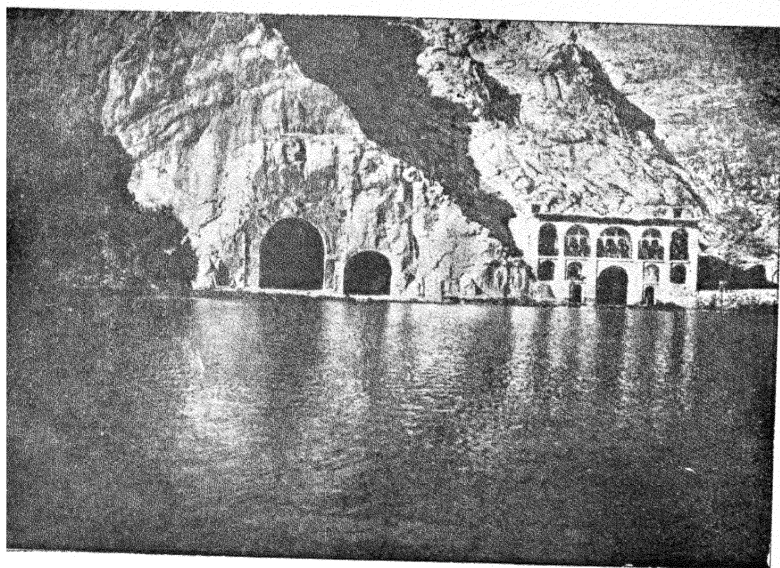
طاق بوستان

طاق بوستان - اردشیر دوم عہدۂ شاہی کا نشان حاصل کر رہا ہے

جگہ پر جہاں چٹان کی دیوار میں سے بڑے بڑے چشمے ابلتے ہیں قدیم زمانے میں یقیناً کوئی زیارتگاہ تھی جو مزدا پرستی کے عہد میں غالباً اناہتا کی پرستش کے لیے مخصوص تھی[1]۔ یہ چٹان جو سطح زمین کے ساتھ بالکل عمودی طور پر تراشی گئی ہے ایک تالاب کے عقب میں استادہ ہے (دیکھو تصویر) اور اس کے دامن میں جدید زمانے کا ایک محل بنا ہوا ہے جو تفریح گاہ کے طور پر بنایا گیا ہے۔ اس عمارت کے بالکل پاس بائیں طرف ایک تصویر چٹان میں سے تراش کر بنائی گئی ہے جس میں شاپور دوم کے عہدۂ شاہی قبول کرنے کا منظر دکھایا گیا ہے۔ بادشاہ کے دائیں طرف اہورمزد ہے جو اپنا چہرہ بادشاہ کی طرف موڑے ہوئے سر پر دیوار دار تاج پہنے ہوئے حلقۂ سلطنت کو جس میں فیتے آویزاں ہیں بادشاہ کی طرف بڑھا کر اُسے دے رہا ہے۔ خدا اور بادشاہ دونو نے کرتے پہن رکھے ہیں جو ان کے گھٹنوں تک ہیں، بادشاہ کے کرتے کا کنارہ نیچے سے گول ہے، دونوں کی شلواروں میں ٹانگوں کے اندر کی طرف شکن پڑے ہوئے ہیں اور ان کی موہریاں تکسوؤں کے ذریعے سے ٹخنوں کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں، دونو نے پیٹیاں باندھ رکھی ہیں اور گلوبند اور کنگن پہنے ہوئے ہیں، بادشاہ کے پیچھے ایک اور مقدس ہستی ہے جس کا لباس تقریباً وہی ہے جو اہورمزد کا ہے لیکن اس کی امتیازی علامت یہ ہے کہ اس کے سر کے گرد شعاعوں کا ہالہ ہے اور ہاتھوں میں ٹہنیوں کا ایک مٹھا اٹھائے ہوئے ہے جو مراسم مذہبی میں استعمال ہوتا ہے اور جس کو بَرسَم (اوستا = بَرَشمَن) کہتے ہیں، آج کل کے پارسیوں

---

[1] ہرتسفلٹ، مقام مذکور، ص ۵۸،

کا یہ خیال ہے کہ یہ زرتشت کی "صحیح" تصویر ہے لیکن حقیقت میں وہ متھرا دیوتا ہے کیونکہ اسی تصویر کو ہم ایک تو انٹیوکس شاہِ کماژین کے مقبرے میں دیکھتے ہیں اور دوسرے وہ شاہانِ "تزوشک"[1] کے زرتشتی سکّوں پر موجود ہے اور دونو جگہ کے کتبوں میں اس کا نام ونشان واضح طور پر بتلایا گیا ہے لہٰذا کوئی شک نہیں کہ وہ متھرا ہے، بادشاہ اور اہورمزد کے پاؤں کے نیچے ایک مغلوب دشمن زمین پر پڑا ہے، برخلاف اس کے متھرا ایک کنول کے پھول پر استادہ دکھایا گیا ہے[2]

اس برجستہ تصویر کے بائیں طرف دو محرابیں ہیں جن میں سے پہلی جو چھوٹی ہے غالباً شاپور سوم کے زمانے میں تراشی گئی ہے کیونکہ اس میں اس کی اور اس کے باپ شاپور دوم کی برجستہ تصویریں موجود ہیں، وہ دو شخص جن کی تصویریں پیچھے کی دیوار میں محراب کے بالائی حصّے میں اس کی گولائی کے اندر کندہ کی ہوئی ہیں شاپور دوم اور شاپور سوم ہیں، ان کا نام ونشان اسی جگہ چند پہلوی کتبوں میں لکھا ہؤا موجود ہے جو اب بھی پڑھے جاتے ہیں، یہ تصویریں بظاہر شاپور سوم کے عہد میں کندہ کی گئی ہیں، دونو بادشاہوں کو سامنے سے دکھایا گیا ہے[3] لیکن ان کے چہرے مُڑے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، شاپور دوم دائیں طرف کو دیکھ رہا ہے اور شاپور سوم بائیں طرف کو، دونوں کا لباس روایتی ہے یعنی وہی شکن دار شلوار وہی گلوبند وہی لہراتے ہوئے فیتے وہی چھلّے دار بال

---

[1] شاہانِ تزشک ترکی الاصل تھے اور شاہانِ کوشان کے وارث وجانشین تھے، تیسری صدی عیسوی سے وادی کابل پر ان کا تسلط قائم ہؤا (مترجم)، [2] ہرتسفلت: "ایشیا کے دروازے پر" تصویر ۲۹، ص ۵۹ بیعد، [3] ایضاً، تصویر ۳۱ و ۳۲، ص ۶۶ بعد،
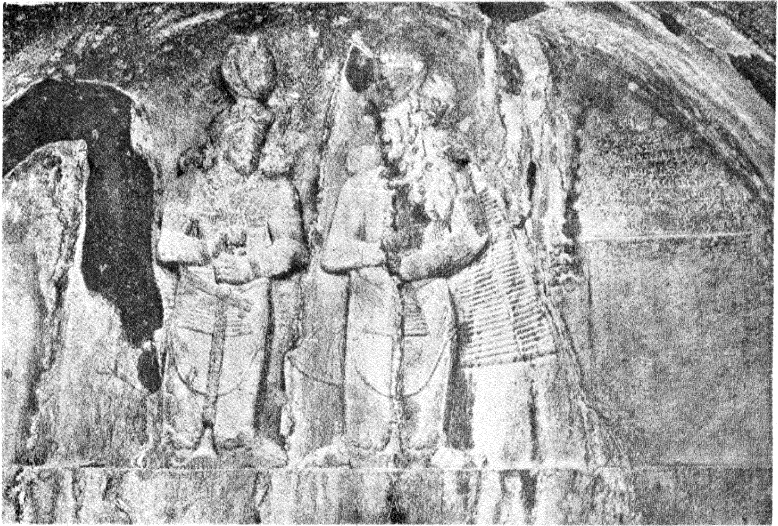
طاق بوستان - شاپور دوم اور شاپور سوم کی برجستہ تصاویر

اور وہی نوکدار ڈاڑھی جس کا نچلا سرا ایک حلقے میں پرویا ہوا ہے، دونو نے اپنے ہاتھ اپنی لمبی اور باریک تلواروں پر رکھے ہوئے ہیں دایاں ہاتھ قبضے پر اور بایاں میان کے بالائی حصّے پر، شاپور دوم کے سر پر دیوار دار تاج ہے جس کے کنارے دندانہ دار ہیں اور اس کے اوپر کپڑے کی گیند لگی ہوئی ہے اور نیچے فیتے لٹک رہے ہیں، یہ تاج شاپور اوّل کے تاج کی نقل ہے صرف اتنا فرق ہے کہ اس میں نچلے کنارے کے اوپر چھوٹی چھوٹی متّصل قوسوں کا ایک سلسلہ چلا گیا ہے، شاپور سوم کے تاج کی جزئیّات پتھر کی شکست وریخت کی وجہ سے واضح طور پر نمایاں نہیں ہیں، ان دونو کی ہیئت سے ہمیں اُن "شمشیر برداروں" کی تصویریں یاد آتی ہیں جو چینی ترکستان کے غاروں میں بنی ہوئی ہیں، ساتھ ہی ہمیں اس سے صلیبی مجاہدین اور یورپ میں قرونِ وسطیٰ کے شہسوار اور بشپ بھی یاد آتے ہیں جن کی تصویریں ہم آج دیکھتے ہیں۔[1]

——— : ———

[1] ہرتسفلٹ: "ایشیا کے دروازے پر" ص ۷۸،

باب ششم

ایران کے عیسائی

علماء دین زرتشتی اور امراء کی روز افزوں طاقت ۔ کلیسائے زرتشتی کا اوج۔ ایران میں یہودیوں اور عیسائیوں کی حالت ۔ شاپور دوم کے عہد میں عیسائیوں پر جور و تعدّی ۔ یزدگرد اوّل اور بہرام پنجم کا عہد سلطنت ۔ وزرگ فرمادار مہرنرسی اور اس کا خاندان ۔ عیسائیوں پر نئے مظالم ۔ یزدگرد دوم ۔ آرمینیہ کے معاملات ۔ شہدائے سریانی و ایرانی ۔ یعقوبیوں[1] اور نسطوریوں کے مناقشات شاہ پیروز و شاہ بلاش ۔ ہپتالیوں کا حملہ ۔ نسطوری مذہب کا غلبہ ۔ سلطنتِ ایران کا نظامِ عدالت ۔ وقائعِ شہداء کا خلاصہ ،

دولتِ ساسانی کا محکمانہ طمطراق کوئی نئی چیز نہ تھی، حکومت کے محکمے اور عہدہ داروں کے القاب سب وہی تھے جو پارتھیوں کے وقت سے چلے آتے تھے ، اشکانیوں کے زمانے ہی میں امرائے جاگیردار نے امرائے دربار کی حیثیت بھی حاصل کر لی تھی لیکن خاندانِ ساسانی کے ابتدائی بادشاہوں نے اس محکمانہ

[1] (Monophysites) جن کو ان کے بانی جیکب (Jacob) کے نام پر یعقوبی بھی کہا جاتا ہے ، (مترجم)

اقتدار کو جیسا مضبوط اور پائدار بنا یا ویسا وہ آج تک نہیں ہوا تھا، علاوہ اس کے اُنھوں نے صوبجاتی حکومتوں اور مرکزی حکومت کے درمیان ایک محکم رشتہ قائم کیا، اشکانیوں کے عہد میں ابتری یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ سلطنتِ پارتھیا چھوٹی چھوٹی باجگزار اور نیم آزاد ریاستوں کا ایک مجموعہ بن کر رہ گئی تھی جو ایک مرکزی حکومت کے گرد جمع تھیں، لیکن اس مرکزی حکومت میں بھی بڑے بڑے پارتھی خاندان شہنشاہ کے اقتدار کو سلب کرنا چاہتے تھے، اردشیر اوّل نے شروع ہی سے نظامِ حکومت میں ایسی مضبوط مرکزیت قائم کی جو ساسانی سلطنت کی عظمت کا باعث ہوئی، اس وقت سے صوبوں کے گورنر کاملاً شہنشاہ کے وابستۂ فرمان بنا دیے گئے، اس کے علاوہ انتظامی معاملات میں اضلاع کی تقسیم صوبوں کی گورنمنٹ کے ساتھ (جو بیشتر فوجی نوعیت کی ہوتی تھی) مربوط نہ تھی، اس سے اس بات کا انسداد مدّنظر تھا کہ جاگیرداری کی روایات حکومت کی طرف منتقل نہ ہو جائیں یعنی یہ کہ گورنریاں بھی جاگیروں کی طرح موروثی ریاستیں نہ بن جائیں، صوبوں کی سِوِل حکومت کمتر درجے کے امرا یعنی دہقانوں کے ہاتھ میں تھی جو ہمیشہ بادشاہ کے وفادار رہتے، جاسوسی کا قدیم انتظام بھی نہایت مؤثر طریقے پر جاری تھا، ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کی قدرت میں نیا زور پیدا ہوا جس کا اظہار ہم اس بات میں دیکھتے ہیں کہ خاندانِ ساسانی کے پہلے دو بادشاہوں نے اپنے جانشین خود نامزد کیے،[1]

[1] طبری، ص ۸۲۵، ۸۳۱، یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ طبری نے صرف اردشیر اوّل، شاپور اوّل، شاپور دوم، کواذ اور خسرو اوّل کے متعلق محض اتفاقی طور پر لکھ دیا ہے کہ اُنھوں نے اپنے جانشین خود نامزد کیے،

لیکن منصبداری کا نظام بدستور جاری رہا ، بڑے بڑے واسپھر اپنی اپنی رعایا میں سے فوج بھرتی کرکے اپنے ماتحت میدانِ جنگ کو لیجاتے تھے لیکن کسانوں کے ان لشکروں میں کوئی نظم ونسق نہیں ہوتا تھا اور نہ وہ اچّھے سپاہی ہوتے تھے ، ان کے مقابلے پر بھاڑے کی فوج بہتر خدمات انجام دیتی تھی ، ایرانی فوج کا عمدہ ترین حصّہ زرہ پوش سواروں کا دستہ تھا جس میں صرف نجیب خاندانوں کے افراد بھرتی کیے جاتے تھے ، بظاہر ان سواروں میں سے اکثر واسپھروں کے ماتحت نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ خود چھوٹی چھوٹی جاگیروں اور گڑھیوں کے مالک ہوتے تھے اور مستقیماً بادشاہ کے ماتحت تھے ، غالباً پارتھیوں کے زمانے میں واسپھروں کی جاگیریں جغرافیائی لحاظ سے یکجا واقع تھیں لیکن اب حالت مختلف تھی یعنی یہ کہ ان کی جاگیریں سلطنت کے ہر کونے میں بکھری ہوئی تھیں ، اس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ منصبداروں کو اب وہ غلبہ حاصل نہیں ہوسکتا تھا جو اُنھیں پہلے نصیب تھا ،

لیکن امرائے جاگیردار (جیسا کہ اشکانیوں کے عہد میں تھا) ساتھ ہی ساتھ امرائے دربار بھی تھے ، بعض بڑے بڑے عہدے سات برترین خاندانوں میں موروثی تھے لیکن جوں جوں محکمانہ اقتدار جاگیرداری پر غالب آتا گیا توں توں امرائے جاگیردار مرکزی حکومت کے اونچے عہدے غیر موروثی طور پر حاصل کرنے کا دستور جاری کرانے گئے ، اس طریقے سے انھوں نے اپنی طاقت کو محفوظ رکھا ورنہ وہ حکومت کے انقلاب کی وجہ سے ان کے ہاتھوں سے بالکل سلب ہوجاتی ،

شاپور دوم کے جانشین اپنی شخصیت میں کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے لہٰذا اس کی وفات کے وقت سے ایک دور شروع ہوتا ہے جس کی مدت تقریباً ایک سو پچیس برس تھی جس میں امرائے سلطنت اور بادشاہ کے درمیان غلبے کے لیے کشمکش جاری رہی، اونچے درجے کے امراء نے علماء مذہب کے ساتھ اتحاد کرلیا اور اس طریقے سے وہ از سر نو بادشاہ کی طاقت کے لیے خطرے کا باعث بن گئے،

تاریخی مآخذ جو ہمارے پیش نظر ہیں ہمیں بالتفصیل اُس شدید جد و جہد کا حال نہیں بتلاتے جو مُغوں کی طاقت اور بادشاہ کے اقتدار کے درمیان جاری تھی، ہر ممکن ذریعے سے اطلاعات جمع کرنے کے بعد ہمیں اُن حالات کا اندازہ ہوتا ہے جن کے ماتحت مغوں نے امرائے جاگیردار کے ساتھ تعاون کر کے اپنی طاقت کو اوجِ کمال پر پہنچایا، ان اطلاعات کی ناکافی روشنی میں ہم غیر واضح طور پر ایک کشمکش کو دیکھ رہے ہیں جو بادشاہی اور ریاستِ کلیسا کے باہمی رابطے کے بارے میں دو مختلف عقیدوں میں جاری ہے، اپنے کتبوں میں شاہانِ ساسانی ہمیشہ اپنے آپ کو "پرستندگانِ مزداہ" (مَزْدَیَسْن) کہتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ اپنے نام کے ساتھ خدا کے القاب بھی لگاتے ہیں اور اپنے آپ کو شخصِ ربّانی (بغ) اور خداؤں (یزدان) کی نسل سے بتلاتے ہیں[1]،

شاپور دوم نے اپنے خط میں جو اس نے قیصر کانسٹنس کے نام لکھا تھا اور جس

[1] لفظ بغ قدیم فارسی میں اسم ہے جس کا اطلاق ربّانی ہستیوں پر ہوتا ہے، یزدان مخصوص طور سے زرتشتی لقب ہے، شہنشاہ کے القاب میں ان دو اصطلاحوں کے درمیان تمیز کی گئی ہے اور یہ بات خاص معنی رکھتی ہے،

کا اوپر ذکر آچکا ہے[1] اپنے نام کے ساتھ "شہنشاہ، قرینِ ستارگان، برادرِ مہر و ماہ" کے شاندار القاب لگائے ہیں۔ اس کے مقابلے پر خسرو اوّل (انوشیروان) نے قیصر جسٹینین کے نام خط لکھنے میں اپنے نام کی تعظیم مفصلہ ذیل القاب کے ساتھ کی ہے:۔

"وجودِ ربّانی، نیکوکار، ملک کو امن دینے والا، واجب الاحترام، خسرو شہنشاہ، ارجمند، پارسا، فیض رساں، جس کو خداؤں نے بہت بڑی سعادت اور سلطنت سے بہرہ مند کیا ہے، زبردستوں کا زبردست، خداؤں کا ہمشکل"

خسرو دوم (پرویز) نے اپنے القاب کو یہاں تک بلند کیا کہ صفاتِ ذیل کے ساتھ اپنے آپ کو متّصف کر رہا ہے:۔

"خداؤں میں انسانِ غیر فانی اور انسانوں میں خدائے لاثانی، اس کے نام کا بول بالا، آفتاب کے ساتھ طلوع کرنے والا، شب کی آنکھوں کا اجالا[2]"

ایسے شاندار القاب کے ہوتے ہوئے یہ بات بیشک لازمی تھی کہ بادشاہ تمام جسمانی عیوب سے معرّا ہو، یہی وجہ ہے کہ بادشاہ اکثر اوقات اپنے خاندان کے ایسے افراد کو جن سے ان کو اندیشہ ہوتا تھا اندھا یا اپاہج کر دیتے تھے تاکہ وہ تخت پر بیٹھنے کے قابل نہ رہیں، بادشاہ کے لیے یہ بات شائستہ نہ تھی کہ وہ زراعت یا تجارت کے ذریعے سے روپیہ کمائے، اپنی تخت نشینی

---

[1] دیکھو ص ۳۰۵-۳۰۶، [2] نھیوفی لیکٹس، ج ۴، ص ۸،

کے وقت اسے عہد کرنا پڑتا تھا کہ وہ عدل کے ساتھ حکومت کریگا کوئی زمین زراعت کے لیے اپنے پاس نہیں رکھیگا کسی قسم کی تجارت نہیں کریگا[1] اور کسی غلام کو خدمت کے لیے نہیں رکھیگا کیونکہ "غلام کبھی اس کو مفید اور کار آمد نصیحت نہیں کرسکیگا"۔ صرف سلطنت کی آمدنی تھی جس سے بادشاہ اپنے لیے دولت و ثروت حاصل کرسکتا تھا[2]،

بادشاہ چونکہ آسمانی خداؤں کی نسل سے تسلیم کیا جاتا تھا لہذا اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مذہبی جماعت کی پیشوائی بھی اس کی ذات کے ساتھ وابستہ رہے، افسانۂ اردشیر میں لکھا ہے کہ پابک نے خواب میں دیکھا کہ تین مقدس آگیں (یعنی اہلِ جنگ کی آگ، علمائے دین کی آگ اور اہلِ زراعت کی آگ[3]) ساسان کے گھر میں جمع ہوئیں جو اس افسانے کی رو سے آگے چل کر پابک کا داماد اور اردشیر کا باپ بنا، شاہنامۂ فردوسی میں جو لوگ بادشاہ سے خطاب کرتے ہیں اکثر اس کو "موبد" کہہ کر پکارتے ہیں، یہ اطلاع فردوسی کے ہاں غالباً کسی پہلوی مأخذ سے آئی ہے، اس میں بلاشبہ وہی ابتدائی نظریہ ہے جس کی تائید خسرو اوّل کے زمانے سے دوبارہ بڑے زور شور سے ہونے لگی (یعنی یہ کہ بادشاہ دین اور ملک کی پیشوائی کا جامع ہے)،

دوسری طرف کتاب دین کرد میں جو عہد ساسانی کے بعد کی پہلوی تصنیف ہے

---

[1] ابن خلدون جس نے ہمیں یہ اطلاع دی ہے اس کی توجیہہ یوں کرتا ہے کہ اگر بادشاہ زراعت کو اختیار کریگا تو پاس کے زمینداروں کو اس سے ضرر پہنچیگا اور اگر وہ تجارت کریگا تو اشیا کا نرخ بہت بڑھیگا، لیکن اس توجیہہ میں بیشتر ایک مصلحت کا سوال ہے۔ [2] ابن خلدون، مقدمہ طبع فرانس (Notices et Extraits) ج ۱۷ ص ۸۶، ج ۲۰ ص ۹۸، [3] دیکھو اوپر، ص ۲۱۶،

ہمیں بادشاہ کے فرائض اور حقوق بتلائے گئے ہیں، یہ بیان ایک طرح سے اُس نظریے کا خلاصہ ہے جو بادشاہ کے اختیارات کے متعلق ساسانی زمانے کے علمائے دین نے قائم کیا تھا اور اگرچہ خسرو اوّل و دوم کے عہد کے سیاسی انقلاب کی وجہ سے اُس میں کسی قدر ترمیم ہو چکی تھی تاہم وہ اپنی نوعیت میں علمائے مذہب کا نظریہ ہے، کتاب دین کرد کے بیان کے مطابق[۱] ایک بادشاہ کے اوصاف اور فرائض حسب ذیل ہیں :-

(۱) وہ فرائض جو دینِ بہ (مذہب زرتشت) سے متعلق ہیں، (۲) عقلِ سلیم، (۳) اخلاق حمیدہ، (۴) قدرتِ عفو، (۵) رعایا کی محبّت، (۶) رعایا کو آسایش بہم پہنچانے کے وسائل کا جاننا، (۷) خوشی، (۸) ہمیشہ اس بات کو یاد رکھنا کہ سلطنت ناپائدار ہے، (۹) نیک منش لوگوں کی تعظیم، (۱۰) بدمنش لوگوں کا استیصال، (۱۱) رؤسائے سلطنت کے ساتھ حسنِ سلوک، (۱۲) انصاف کے ساتھ احکام جاری کرنا، (۱۳) دربار عام کی رسم پر کاربند ہونا، (۱۴) سخاوت، (۱۵) حرص کو مغلوب کرنا، (۱۶) لوگوں کو خوف سے بچانا، (۱۷) نیکوں کو دربار اور سرکار کے عہدے دے کر ماجور کرنا، (۱۸) عمّالِ سلطنت کے مقرّر کرنے میں احتیاط سے کام لینا، (۱۹) ہوشمندی کے ساتھ خدا کی عبادت کرنا،

---

[۱] طبع پشوتن سنجانا، ص ۱۵۳ بعد، ترجمہ ص ۱۸۰ بعد،

مجوّزہ اوصاف و فرائض کا یہ مجموعہ علمائے پارسی کے دوسرے اخلاقی بیانات کی طرح ضابطہ سے عاری ہے لیکن اس پر ایک نظر ڈالنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ علمائے مذہب کے نزدیک عہدۂ شاہی کا کیا تصوّر تھا اور یہ کہ انھوں نے اپنے نظریہ میں سلطنت کی مذہبی خاصیت پر کس قدر زور دیا ہے، یہ مذہبی خاصیت کتاب دینکرد میں ہر جگہ واضح کی گئی ہے، ذیل کی عبارت اس کی ایک مثال ہے[1]:

"اس دنیا میں بہترین بادشاہ وہ ہے جو علمائے دین بہ (دستوران) کا معتقد ہو جو اہورمزد کے علم و دانش کے جامع ہیں"

جب ایک بدکردار بادشاہ کی بدنیتی یا بے لیاقتی واضح ہو جائے تو جلالِ ربانی اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے لہذا اس کو معزول ہونا چاہیے، "اگر رعایا پر کوئی مصیبت پڑے اور بادشاہ کو اتنی قدرت نہ ہو کہ اس کا خاتمہ کر سکے یا یہ کہ اسے اس کی پروا نہ ہو یا اس کا چارۂ کار اس کی سمجھ سے باہر ہو تو ظاہر ہے کہ ایسا بادشاہ حکومت اور عدل کرنے کے ناقابل ہے لہذا دوسروں کو چاہیے کہ انصاف کی خاطر اس سے جنگ کریں[2]"۔ سلطنت ساسانی کا آئینِ حکومت اصولاً اور عملاً استبداد پر مبنی تھا لیکن اس استبداد کو بادشاہ کی معزولی اور قتل کی گنجائش سے معتدل بنایا گیا تھا، بادشاہ کے اختیارات کی ایک حدبندی ضرور تھی لیکن وہ تحریری قانون کے ذریعے سے معین نہیں کی گئی تھی بلکہ عہدۂ شاہی کے اخلاقی اور مذہبی تصوّر پر مبنی تھی، بادشاہ کی نالائقی کا اظہار

---

[1] طبع پشوتن سنجانا، ص ۳۱۹ ترجمہ ص ۴۲۲ - ۴۲۳، [2] ایضاً ص ۱۰۱، ترجمہ ص ۱۱۵،

مختلف طریقوں سے ہوتا تھا مثلاً ایک یہ کہ وہ موبد موبدان کے ارشاد و نصیحت پر کاربند نہ ہو، بادشاہ کی معزولی کا نظریہ موبدوں کے ہاتھ میں ایک زبردست حربہ تھا، جب تختِ سلطنت کے کئی ایک دعویدار پیدا ہو جاتے تھے جن میں سے ہر ایک کی حمایت میں امراء کی ایک ایک جماعت ہوتی تھی تو موبدِ موبدان کی رائے فیصلہ کُن ہوتی تھی کیونکہ وہ روحانی طاقت کا نمایندہ تھا اور قوم کے مذہبی اعتقادات اور احساسات اُسی کی ذات سے وابستہ ہوتے تھے،

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا خاندان ساسانی کے ابتدائی بادشاہ اپنا جانشین خود نامزد کرتے تھے، جانشینی کے لیے کوئی خاص قواعد مقرر نہ تھے، بادشاہ عموماً اپنے بیٹوں میں سے کسی کو اپنا جانشین مقرر کرتا تھا لیکن اگر وہ مناسب سمجھتا تو اپنے خاندان کے ممبروں میں سے کسی اور کو منتخب کر سکتا تھا،

جس زمانے میں کہ بادشاہ کی طاقت انحطاط پذیر ہوئی تو بہرام پنجم اور یزدگرد دوم[1] جیسے بادشاہوں نے جو مذہب کے معاملے میں ہر لحاظ سے راسخ الاعتقادی کا اظہار کرتے تھے امورِ سلطنت کو امراء کے ہاتھ میں دے دیا اور حکومت کی مشکلات سے اپنا پیچھا چھڑایا، بہرام پنجم ایک ایسا بادشاہ تھا جو امراء کے مذاق کے بالکل مطابق تھا، وہ اپنا وقت شہسواری اور عیش و عشرت میں بسر کرتا تھا، شاہ پیروز[2] اپنے تدیّن کی وجہ سے ممدوحِ خاص و عام تھا

---

[1] بہرام پنجم (بہرام گور) کا عہد سلطنت سنہ ۴۲۰ء - سنہ ۴۳۸ء ہے اور یزدگرد دوم جو اس کا بیٹا اور جانشین ہے سنہ ۴۳۸ء - سنہ ۴۵۷ء تک حکمران رہا (مترجم)، [2] شاہ پیروز (انوشیروان کا دادا) سنہ ۴۵۹ء سے سنہ ۴۸۳ء تک حکمران رہا (مترجم)،

حالانکہ اُس نے بادشاہِ ہیاطلہ کے ساتھ سخت بدعہدی کی تھی[1]، وہ بہادر اور جنگجو تھا لیکن اس کی لڑائیاں سلطنت کے لیے بدبختی کا موجب ہوئیں، اس زمانے میں بادشاہ اپنا جانشین خود نامزد نہیں کرتا تھا بلکہ رسم یہ جاری ہوگئی تھی کہ بادشاہ خاندانِ ساسانی میں سے انتخاب کیا جاتا تھا اور انتخاب کا حق علمائے مذہب، اہلِ سیف اور دبیروں کے عالی ترین نمایندوں کو حاصل تھا، اگر ان میں اختلاف رائے ہو تو پھر صرف موبدانِ موبد کا فیصلہ قطعی سمجھا جاتا تھا، نامۂ تنسر کی رو سے[2] بادشاہ (کے جانشین) کا انتخاب ذیل کے طریقے پر ہوتا تھا: بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے تین خط لکھتا تھا اور ان میں سے ہر ایک کو ایک نہایت دیانتدار اور معتبر آدمی کے سپرد کرتا تھا، ایک خط موبدان موبد کے نام ایک دبیران مہشت کے نام اور ایک ایران سپاہ بذ کے نام، جیساکہ ڈارمیسٹیٹر نے کہا ہے[3] یہ خطوط "محض عمومی ملاحظات پر مشتمل ہوتے تھے اور ان میں مختلف امیدواروں کے خصائل اور ہر ایک کی صلاحیت اور سلطنت کی ضروریات پر چند مشاہدات درج ہوتے تھے، صریح طور پر کوئی سفارش نہیں ہوتی تھی کیونکہ پھر ایسی صورت میں تو ان تین عالی مقام عہدہ داروں کے لیے غور و انتخاب کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ سکتی تھی" اس سے آگے نامۂ تنسر میں لکھا ہے کہ "جس وقت ملک سے شہنشاہ

---

[1] جس بدعہدی کی طرف یہاں اشارہ ہے وہ یہ تھی کہ شاہ پیروز اور بادشاہِ ہیاطلہ (خشنواز) کے درمیان جنگ کے بعد اس شرط پر صلح ہوئی کہ پیروز اپنی بیٹی کی شادی خشنواز کے ساتھ کردے۔ پیروز رضامند ہوگیا لیکن بیٹی کی بجائے اپنی کوئی کنیز اس کو دے دی، بھید کھل جانے کے بعد دوبارہ جنگ شروع ہوگئی، (مترجم)، [2] طبع ڈارمیسٹیٹر ص ۲۳۹ - ۲۴۱، طبع مینوی ص ۳۸-۳۴، [3] دیکھو حاشیہ بر مقام مذکور،

کا سایہ اُٹھ جائے تو موبدان موبد اور دوسرے دونو شخص (یعنی ایران سپاہ بد اور دبیران مہشت) بلائے جائیں ، وہ مِل کر معاملے پر غور کریں اور سربمہر خطوں کو کھولیں اور آپس میں اس بات کا مشورہ کریں کہ بادشاہ کے بیٹوں میں سے کس کو انتخاب کیا جائے ، اگر موبدان موبد کی رائے باقی دونو کی رائے کے ساتھ موافق ہو تو عوام الناس کو فیصلے سے آگاہ کر دیا جائے اور اگر اتفاق رائے نہ ہو تو کسی بات کو آشکار نہ کیا جائے نہ خطوں کے مضمون سے کسی کو آگاہ کیا جائے اور نہ موبدان موبد کی رائے اور قول کا کسی کو پتا لگنے دیا جائے ، تب موبدان موبد خفیہ طور پر ہیربدوں ، دستوروں اور دینداروں کی ایک مجلس شوریٰ منعقد کرے اور یہ سب لوگ مل کر زمزمہ خوانی کے ساتھ نماز ادا کریں اور دعا پڑھیں اور اہل صلاح و تقویٰ اُن کے پیچھے آمین کہیں اور تضرع و زاری کے ساتھ سجدہ کریں اور دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائیں ، نماز شام کے ساتھ اس عمل کو ختم کیا جائے اور اس اثنا میں جو رائے خدا کی جانب سے موبدان موبد کے دل پر منکشف ہو اس کو سب لوگ اعتقاد کے ساتھ قبول کریں ، اسی رات کو دربار کے کمرے میں تاج اور تخت لا کر رکھا جائے اور بڑے بڑے اہلکار اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہوں ، تب موبدان موبد ہیربدوں ، امیروں اور وزیروں کو ہمراہ لے کر شاہزادوں کی مجلس کے سامنے آئے اور سب کے سب ان کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہوں اور یہ الفاظ کہیں :— "ہم نے خدائے برتر کے حضور میں مشورت کی ہے اُس نے از راہ کرم ہماری رہبری کی ہے اور ہمیں

بذریعۂ کشف وہ بات بتا دی ہے جو ہمارے حق میں بہتر ہے"۔ تب موبدان موبد باآواز بلند کہے کہ " فرشتوں نے فلان بن فلان کو بادشاہ بنانے پر اتفاق کیا ہے تم بھی اے لوگو اس پر اتفاق کرو اور تمہیں مبارک ہو!" تب اس شاہزادے کو اُٹھا کر تخت پر بٹھایا جائے اور اس کے سر پر تاج رکھ دیا جائے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے یوں کہا جائے : "کیا تو نے خدا کی طرف سے دینِ زرتشت کو قبول کیا جس کی تقویت وشتاسپ پسر لہراسپ نے کی اور جس کو اردشیر پسر پابگ نے دوبارہ زندہ کیا ؟" شاہزادہ اس کا جواب اثبات میں دے اور کہے کہ : "خدا نے چاہا تو میں اپنی رعایا کے ساتھ بھلائی کرونگا "۔ اس کے بعد محل کے خدمتگار اور محافظ وہیں ٹھیریں اور باقی سب لوگ اپنے اپنے کام پر چلے جائیں۔

غرض یہ کہ بادشاہ کے انتخاب کا آخری فیصلہ موبدان موبد کی رائے پر ہوتا تھا اور اس کو تاج پہنانے کا شاندار فرض بھی اُسی کے لیے مخصوص تھا[۱]، اس سے کافی طور پر اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ عہد ساسانی میں علمائے زرتشتی اور موبدان موبد کا کیا رتبہ تھا، سلطنت ایران کے برترین عہدہ داروں کی جو فہرست یعقوبی نے اور مسعودی نے (کتاب التنبیہ میں) دی ہے اس سے ہمیں اُن تغیرات کا پتا چلتا ہے جو پانچویں صدی کے نصف اوّل میں ظہور پذیر ہوئے، یعقوبی کے ہاں جو فہرست ہے وہ بظاہر اس صدی کے شروع یعنی تقریباً یزدگرد اوّل کے عہد سے تعلق رکھتی ہے[۲]، وہ شہنشاہ کے بعد بلا فاصلہ

---

[۱] طبری، ص ۸۶۱ ، [۲] دیکھو ضمیمہ ۲،

وُزُرگ فرماذار کا نام لیتا ہے[1]، اس کے بعد موبدان موبد، پھر ہیربذان ہیربذ، پھر دبہیربذ اور پھر سپاہ بذ جس کے ماتحت ایک پاذگوسپان ہے[2]، اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ صوبے کا حاکم مرزبان کہلاتا ہے اور ضلع کا شہریگ، افسران سپاہ کو سوار[3] کہتے ہیں حکّام عدالت کو شاہ ریشت (؟) اور رئیس مجلس انتظامی کو ایران آمارکار[4]، مسعودی کی کتاب التنبیہ کے بیان کی رو سے جس کا ماخذ گاہ نامگ[5] ہے اور جس میں تقریباً یزدگرد دوم کے عہد کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جو پانچویں صدی کے وسط کا زمانہ ہے عہدوں کی ترتیب یہ تھی[6]:-

(۱) موبدان موبد جس کا معاون ہیربذان ہیربذ تھا، (۲) وزرگ فرماذار، (۳) سپاہ بذ[7] (۴) دبہیربذ، (۵) ہُتُخش بذ جس کو واستریوش بذ بھی کہا جاتا تھا (یعنی اُن سب لوگوں کا محافظ اور رئیس جن کا پیشہ دستکاری تھا مثلاً صنعتگر، مزدور اور تاجر وغیرہ)، یہ پانچ اشخاص سلطنت کے رہبر اور پیشوا تھے اور بادشاہ اور رعایا کے درمیان واسطہ تھے، آجکل کی اصطلاح میں اُن کو کابینۂ وزارت کہا جائیگا، ان میں سے چار تو گویا رعایا کے چار طبقوں کے نمایندہ تھے اور پانچواں یعنی وزرگ فرماذار بادشاہ کا نمایندہ تھا، منجملہ دوسرے بڑے عہدہ داروں کے مسعودی نے مرزبانوں کا نام لیا ہے جو حُکّامِ صوبجات سرحدّی تھے جو جہاتِ اربعہ کی مناسبت سے تعداد میں چار

---

[1] یعقوبی، طبع یورپ ص ۲۰۲، [2] دیکھو اوپر باب دوم کا وہ حصّہ جس میں سلطنت کے نظم و نسق کا بیان ہے، [3] اساویرات، یعنی اسوار کی جمع جو پہلوی میں اسواران یا اسوارگان ہے [4] دیکھو ضمیمہ ۲ کا آخری حصّہ، [5] دیکھو اوپر، ص ۷۵، [6] کتاب التنبیہ طبع یورپ ص ۱۰۳، [7] یعنی ایران سپاہ بذ،

تھے[۱]، مسعودی کی فہرست میں وزرگ فرماذار کی جگہ موبدان موبد کو دی گئی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ عمائد سلطنت میں اس کا رتبہ سب سے اونچا تھا،

علمائے مذہب زرتشتی بہت متعصّب تھے لیکن ان کا تعصب سیاسی وجوہات پر مبنی تھا، دین زرتشتی تبلیغی مذہب نہیں تھا اور اس کے پیشوا بنی نوع انسان کی روحانی نجات کے لیے سرگرم کار نہ تھے، لیکن حدود سلطنت کے اندر وہ ایک کامل تسلّط کا دعوی رکھتے تھے، غیر مذہب کے لوگوں کے متعلّق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ حکومت کے ساتھ ان کی وفاداری مشکوک ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ اُن کے ہم مذہب کسی دوسری سلطنت میں با اقتدار ہوتے تھے، مانویوں نے جو خطرہ ملک کے اندر پیدا کر دیا تھا اُس کا دفعیہ کامیابی کے ساتھ کیا گیا لیکن بابل کے یہودی کلیسائے زرتشتی کی قوّت اور سلطنتِ ایران کے وجود کے لیے خطرے کا باعث نہ تھے، یہ صحیح ہے کہ اردشیر اوّل یہودیوں پر کچھ ایسی مہربانی کی نظر نہیں رکھتا تھا اور وہ اشکانیوں کی رواداری کے سلوک کو حسرت کے ساتھ یاد کرتے تھے کیونکہ ساسانیوں کے ابتدائی دَور میں ان پر حکومت کی طرف سے بعض وقت سختی کی جاتی تھی خصوصاً جبکہ وہ ٹیکس کے بوجھ کو اتار پھینکنے کی کوشش کرتے تھے لیکن پھر بھی فی الجملہ وہ شہنشاہِ ایران کی حمایت میں امن کی زندگی بسر کرتے تھے[۲] لیکن عیسائیوں کی حالت اس سے بہت مختلف تھی،

جس زمانے میں کہ خاندان ساسانی نے اشکانیوں کی جگہ لی عیسائیوں

---

[۱] دیکھو اوپر، ص ۱۳۰ و ۱۰۷ ابعد و ضمیمہ نمبر ۲، [۲] نولدکہ، ترجمہ طبری ص ۶۸ ح ۱، لابور ص ۷، ۹۰،

کا ایک بہت بڑا تبلیغی مرکز شہر اڈیسہ (الرُّہا) میں تھا، روم کے ساتھ لڑائیوں
کے دوران میں جو قیدی گرفتار کیے گئے ان کو (جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے
ہیں) سلطنت ایران کے دور دراز علاقوں میں آباد کیا گیا، شاہان ایران نے
شام کی مہموں میں اکثر اوقات ایسا کیا ہے کہ ایک شہر کی ساری کی ساری
آبادی کو منتقل کر کے سلطنت کے کسی اندرونی حصّے میں مقیم کر دیا ہے، چونکہ
ان لوگوں میں سے بیشتر عیسائی ہوتے تھے اس لیے مسیحیت ایران میں تقریباً
ہر جگہ رائج ہو گئی۔[1]

چوتھی صدی کے شروع میں پاپا بارعکّائی نے جو سلوکیہ طیسفون کا بشپ
تھا اس بات کی کوشش کی کہ ایرانی عیسائیوں کے تمام فرقوں کو طیسفون کے
کلیسائی مرکز کے ماتحت متّحد کرے، اس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ ایک وجہ مخاصمت
پیدا ہو گئی جس سے صورتِ حالات بدتر ہو گئی، انجام یہ ہؤا کہ مجلس کلیسا نے
پاپا کو معزول کر دیا لیکن مخاصمت پھر بھی جاری رہی، سلطنتِ ایران میں دجلہ
کے مشرق کی طرف آرمینیہ اور کردستان سے لے کر کرکوک اور حلوان تک
اور جنوب کی طرف گندیشاپور تک اور خوزستان میں شوش اور ہرمزد اردشیر
تک بہت سے شہر تھے جو کلیسائی حلقوں کے صدر مقام تھے اور جہاں
بشپ رہتے تھے، چوتھی صدی میں عیسائیوں کے مختلف فرقوں کی جو حالت
تھی اس کی تاریک تصویر ایک شخص مسمّی افرات نے کھینچی ہے جو شام کے
عیسائیوں میں اُس زمانے میں ایک سر برآوردہ شخص تھا، اپنی کتاب کے

---

[1] لابور، ص ۱۸ - ۱۹،

چودھویں خطبے میں وہ لکھتا ہے کہ پیشوایانِ دینِ مسیحی کو قوم کی بہبودی کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں اور نہ وہ احکامِ دین کی پروا کرتے ہیں بلکہ اپنی ذاتی اغراض کے پورا کرنے میں منہمک ہیں اور جاہ طلبی میں مصروف ہیں ، مشرقی عیسائیت کے یہ ہیرو غرور ، حسد اور حرص میں مبتلا ہیں اور اشیائے مقدّسہ کی خرید و فروخت کے مرتکب ہوتے ہیں یہانتک کہ جور و تعدّی کے زمانے میں بھی وہ ان باتوں سے باز نہیں آتے[1] اور ان کے مذہبی جنون میں کمی نہیں ہوتی ، ان کا یہ جنون نہ صرف مانویوں کے خلاف ہے بلکہ فرقۂ والنٹینی ، مارسیونی اور باردیسانی[2] اور دوسرے عرفانی فرقے بھی ان کے تعصّب سے نالاں ہیں ،

جب تک کہ دولتِ روم لامذہب رہی ایران کے عیسائی امن میں رہے لیکن جونھی کہ قیصر قسطنطین[3] نے عیسائی مذہب اختیار کیا صورتِ حالات بدل گئی ، اُسی وقت سے ایران کے عیسائی جن کی تعداد اُن سرحدی صوبوں میں زیادہ تھی جو روم کے متّصل تھے ایک طاقتور سلطنت کے گرویدہ ہوگئے جہاں ان کا مذہب سرکاری مذہب قرار پا گیا تھا ، افرات نے پیشینگوئی کی کہ بالآخر "قوم خدا" یعنی اہلِ روم کو فتح ہوگی اور اگر ایرانی فتحیاب ہوئے بھی تو یہ خدا کی طرف سے رومیوں کے لیے سزا اور تنبیہ ہوگی لیکن آخر کار دجّال کا خاتمہ ہو کر رہیگا[4] وقائع شہدائے ایران میں لکھا ہے کہ شاپور دوم نے ممالک آرامی کے حکّام کو بالفاظِ ذیل فرمان بھیجا : "جونھی کہ یہ فرمان جو

---

[1] لاہور ، ص ۲۴ بعد ، [2] دیکھو اوپر ، ص ۴۴ ، [3] (Constantine) ، [4] لاہور ص ۴۸-۴۹ ،

ہماری درگاہِ خداوندی سے صادر ہوا ہے تمہیں پہنچے تو فوراً سائمن رئیسِ نصاریٰ[1] کو گرفتار کرو اور جب تک وہ اس تحریر پر دستخط نہ کرے اور اس بات کا اقرار نہ کرے کہ مقررہ ٹیکس اور خراج کی دُگنی رقم جو اُن عیسائیوں سے واجب الادا ہے جو ما بدولت کی سلطنت میں سکونت رکھتے ہیں ادا کرد یگا اس کو رہا مت کرو کیونکہ ہماری ذاتِ خداوندی تو جنگ کی زحمت کو گوارا کر رہی ہے اور وہ ہیں کہ امن و عیش کی زندگی بسر کر رہے ہیں! وہ سکونت تو ما بدولت کی مملکت میں رکھتے ہیں لیکن ان کی ہمدردی قیصر کے ساتھ ہے جو ہمارا دشمن ہے[2]!" سائمن کو جب گرفتار کیا گیا تو اس نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل سے انکار کیا، شاپور کو جب یہ خبر پہنچی تو مارے غصّے کے پکار اُٹھا کہ سائمن اپنے پیرووں کو حکومت کے خلاف بغاوت پر اکسانا چاہتا ہے اور اس کی یہ خواہش ہے کہ سلطنتِ ایران کو اپنے ہم مذہب قیصر کے ہاتھ میں دیدے، لابور جو شہدائے ایران کی تاریخ کا ایک بے تعصب مؤرّخ ہے اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ شاپور کا یہ شبہ بے بنیاد نہ تھا اگرچہ سائمن نے دورانِ جرح میں غداری کے اس الزام کے خلاف احتجاج کیا، بالآخر سائمن قتل کیا گیا[3]۔

یہ واقعات ایران کے عیسائیوں پر جور و تعدّی کی تمہید تھے اور اس تعدّی کا زمانہ ۳۳۹ء سے شروع ہو کر شاپور کی وفات پر ختم ہوتا ہے، عیسائیوں پر عقوبت بیشتر شمال مغربی صوبوں میں اور اُن علاقوں میں تھی

---

[1] یعنی سائمن بارصبّعی جو پاپا کا جانشین تھا، [2] لابور، ص ۵۴-۶۴،
[3] لابور ص ۵۴ ببعد،

جو سلطنت روم کے متصل تھے، اس دوران میں خونریزیاں اور قتل عام بھی ہوئے اور بہت لوگ جلا وطن بھی کیے گئے، سنہ ۳۶۲ء میں جب عیسائیوں نے بغاوت کی تو قلعۂ فنک[1] (واقع بیزابدہ[2]) کے نو ہزار عیسائیوں کو مع اُن کے بشپ ہیلیوڈور کے جلا وطن کر کے خوزستان بھیج دیا گیا[3]، مؤرخ سوزومین نے اُن عیسائیوں کی تعداد جو شاپور کی تعدّی کا شکار ہوئے سولہ ہزار بتلائی ہے اور بقول اس کے ان سب کے نام بھی معلوم ہیں لیکن لابور کے نزدیک اس تعداد میں کسی قدر مبالغہ ہے،

شہدائے ایران کے حالات میں سریانی زبان میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں اُن مظالم کا حال بیان کیا گیا ہے جو دو سو برس کے عرصے میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد عیسائیوں پر ہوتے رہے، اگرچہ اس میں شک نہیں کہ یہ بیانات حد سے زیادہ تعصّب آمیز ہیں اور ان کو افسانوں کے ساتھ مزیّن بھی کیا گیا ہے تاہم چونکہ وہ عمدہ روایات پر مبنی ہیں خصوصاً وہ جو قدیم ترین دور سے متعلّق ہیں[4] لہذا وہ اُس زمانے کی ایرانی زندگی کے بارے میں بہت سی اطلاعات پیش کرتے ہیں،

شاپور کا جانشین اردشیر دوم بھی عیسائیوں کا ہمدرد نہ تھا، لیکن شاپور سوم[5] اور بہرام چہارم[6] نے قیصر روم کے ساتھ دوستانہ تعلّقات قائم کیے، اور یزدگرد اوّل کے عہد میں (سنہ ۳۹۹ء۔ سنہ ۴۲۱ء)[7] زرتشتیوں اور

---

[1] (Phenek)، [2] (Bezabde)، [3] لابور، ص ۷۸، [4] ایضاً ص ۵۳ بیعد، [5] سنہ ۳۸۳ء۔ سنہ ۳۸۸ء، (مترجم)، [6] سنہ ۳۸۸ء۔ سنہ ۳۹۹ء (مترجم)، [7] بقول موسیو شمٹ اس کا عہد سلطنت سنہ ۳۹۷ء۔ سنہ ۴۱۷ء تھا، (سیریا، سنہ ۱۹۳۴ء ص ۲۲)،

عیسائیوں کے درمیان تعلقات نے ایک بالکل نئی صورت اختیار کی ،

یزدگرد اوّل کی سیرت کے بارے میں عیسائی اور ایرانی مصنّفوں کی رائے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے ، ایک معاصر تصنیف میں جو سریانی زبان میں ہے اس کو "رحمدل ، نیکوکار ، شاہ یزدگردِ مسیحی ، مقدّس ترین بادشاہاں" کہا گیا ہے اور لکھا ہے کہ "ہر روز وہ غریبوں اور بینواؤں پر بخششیں کیا کرتا تھا"[1] بازنطینی مؤرّخ پروکوپیوس بھی اس بادشاہ کی کریم النفسی کو بلند آہنگی کے ساتھ بیان کرتا ہے ، برخلاف اس کے عربی اور فارسی مؤرّخوں نے جن کے بیانات کا مأخذ عہد ساسانی کی وہ تاریخ ہے جس پر علمائے زرتشتی اور امراء کے عقاید کا رنگ چڑھا ہُوا ہے اس کو "بزہ کار" (بمعنی گناہ گار) اور "دبہر" (بمعنی دھوکے باز) کے القاب دیے ہیں ، بقول اُن کے وہ احسان ناشناس اور بدگمان تھا ، اگر کوئی شخص اس کے سامنے کسی کے حق میں کلمۂ خیر کہتا تو فوراً اس سے پوچھتا کہ اُس نے تجھے کیا دینے کا وعدہ کیا ہے جو تو اس کی حمایت کر رہا ہے اور اب تک تو اُس سے کیا کچھ لے چکا ہے ؟ وہ نہایت تندمزاج اور بدکار تھا اور ہمیشہ ایسے موقع کی تاک میں رہتا تھا کہ لوگوں کو وحشیانہ سزائیں دے سکے ، طبری نہایت سادگی کے ساتھ لکھتا ہے کہ لوگوں کے لیے اس کے ظلم وستم سے بچنے کا کوئی چارہ نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ اگلے بادشاہوں کے عمدہ قوانین اور حکیمانہ اقوال پر کاربند ہوں ، اس کی سخت گیری کے

---

[1] نولدکہ ، ترجمہ طبری ص ۷۵ ح ،

خوف سے رعایا[1] نے اس کے خلاف اتحاد کیا[2]، طبری کے ہاں ایک اور مقام ہے جو اس غرض آمیز بیان کی تصحیح کے لیے مفید ہے، وہ لکھتا ہے کہ یزدگرد کے بیٹے اور جانشین بہرام نے اپنی تخت نشینی کے وقت لوگوں کو جو خطبہ دیا اس میں کہا کہ میرے باپ نے اپنے عہد سلطنت کے شروع میں انصاف اور مہربانی کا رویہ اختیار کیا لیکن چونکہ اس کی رعایا نے یا کم از کم بعض لوگوں نے اس کی قدر نہ پہچانی اور نافرمانی کرنے لگے اس لیے ناچار اس نے سختی اختیار کی اور لوگوں کا خون بہایا[3]، یزدگرد کی ان غلط اور مجعول تصاویر کے عقب میں ہم کو اس کے اصلی خط و خال نظر آرہے ہیں، وہ ایک مستعد اور زبردست شخصیت کا بادشاہ تھا اور بالطبع رحمدلی کی طرف مائل تھا، لیکن اُس جد و جہد کی وجہ سے جو اس کو اپنے متکبر اور نافرمان امراء کے خلاف اپنے شاہی اقتدار کی حفاظت کی خاطر کرنی پڑی وہ مجبور ہو گیا کہ جور و ظلم کا رویہ اختیار کرے،

چونکہ اب روم اور ایران کے درمیان صلح ہو چکی تھی اور یزدگرد نے یہاں تک بھی کیا کہ قیصر کے نابالغ بیٹے تھیوڈوسیوس دوم[4] کو تربیت کے لیے اپنی نگرانی میں لے لیا[5] (اگرچہ یہ محض اخلاقاً تھا اور اس کی کوئی سیاسی اہمیت نہ تھی) لہٰذا شہنشاہِ ایران نے بہ ضرورتِ وقت اس امر کو تسلیم کیا کہ حکومتِ ایران اور اس کی عیسائی رعایا کے درمیان کوئی سمجھوتا ہونا چاہیئے، مشرقی سلطنتِ

[1] رعایا سے مراد امراء ہیں، [2] طبری، ص ۸۴۸، [3] ایضاً، ص ۸۶۵،
[4] Theodosius II
[5] پروکوپیوس، ۱، ۲،

روم[1] کی طرف سے ایک وفد میتا فارقین کے بشپ مارُوثا کی سرکردگی میں یزدگرد کے دربار میں بھیجا گیا، مارُوثا نے اپنی وجاہت اور وقار سے یزدگرد کو بہت متاثر کیا اور اس کا پورا اعتماد حاصل کرلیا، بادشاہ نے حکم دے دیا کہ جو گرجے گرادیے گئے تھے ان کو دوبارہ تعمیر کیا جائے اور جو عیسائی اپنے مذہب کی وجہ سے قید کیے گئے تھے ان کو رہا کر دیا جائے، پادریوں کو اجازت دی گئی کہ وہ سلطنت ایران میں جس جگہ ان کا جی چاہے جائیں، مارُوثا نے بادشاہ کو اس بات پر بھی راضی کرلیا کہ سلوکیہ میں ایک عیسائی کانفرنس منعقد کی جائے جس میں ایران کے عیسائیوں کے متعلق تمام امور طے کیے جائیں اور کلیسائے عیسوی کا اتحاد قائم کیا جائے، یہ کانفرنس ۴۱۰ء میں سلوکیہ طیسفون کے بشپ اسحاق اور مارُوثا کی صدارت میں منعقد ہوئی اور بادشاہِ ایران کی سلامتی کی دعا کے ساتھ اس کا افتتاح ہُوا۔ اس جلسے میں بہت سے نئے قانون وضع کیے گئے جن کی رُو سے کلیسائے شرقی کے نظام اور عقاید کو اُن قوانین کے مطابق کیا گیا جو مغرب میں رائج تھے، نیکیا کے طے شدہ عقاید کو[2] باضابطہ اختیار کیا گیا اور کلیسائی مراتب کی ترتیب ازسرنو کی گئی، سلوکیہ طیسفون کا بشپ ایران کے تمام عیسائیوں کا جاثلیق قرار پایا اور کشکر کا بشپ اس کا نائب

---

[1] چوتھی صدی میں رومن امپائر کے دو حصّے ہوگئے تھے، ایک حصہ مشرقی سلطنت روم (Eastern Roman Empire) کہلاتا تھا جس کا پایہ تخت قسطنطنیہ تھا، (مترجم)،

[2] قسطنطینِ اعظم نے ۳۲۵ء میں نیکیا (Nicæa) کے مقام پر جو ایشیائے کوچک کے شمال مغرب میں واقع ہے ایک عیسائی کانفرنس منعقد کرائی جس میں بہت سے متنازعہ فیہ مسائل کا تصفیہ کیا گیا، منجملہ اور باتوں کے حضرت عیسیٰ کی الوہیت کو تسلیم کیا گیا، اس کانفرنس میں تین سو بشپ جمع ہوئے تھے، (مترجم)،

ہوا۔ جاثلیق کے ماتحت پانچ اُسقف مقرر ہوئے ایک بیث لاپط (= گندیشاپور) میں جو خوزستان میں تھا دوسرا نصیبین میں تیسرا پرات میشان میں جو صوبہ میسین میں تھا چوتھا اربل میں اور پانچواں کرخائے بیث سلوخ (= کرکوک) میں، تقریباً تیس پادری ان کے ماتحت کیے گئے، بعض عیسائی فرقے جو دُور کے علاقوں میں رہتے تھے اس تنظیم سے خارج رکھے گئے، البتہ خوزستان میں چار کلیسائی رئیس اپنے اپنے فرقوں کے پیشوا مانے گئے لیکن اس شرط پر کہ جب ان میں سے کوئی مرے تو اس کے جانشین کا انتخاب جاثلیق کرے۔ یزدگرد نے ان تمام فیصلوں کو منظور کر لیا، اُس کے حکم سے سلطنت کے دو سب سے بڑے عہدہ داروں نے (یعنی وزرگ فرمادار خسرو یزدگرد اور مہرشاپور جس کے لقب "ارگبد" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہی خاندان سے تھا[1]) ان تمام اساقفہ کو دربار شاہی میں بلایا اور ان کے سامنے بادشاہ کی طرف سے تقریر کی اور اُنہیں اطمینان دلایا کہ عیسائیوں کو اب از سر نو مذہبی آزادی حاصل ہے اور اُنھیں گرجاؤں کی تعمیر کا حق دیا جاتا ہے، جو کوئی جاثلیق اسحاق اور ماروثا کے احکام کی نافرمانی کریگا اس کو سخت سزا دی جائیگی[2]۔

چند سال بعد جاثلیق یہبلاہا کو جو اسحاق کا دوسرا جانشین تھا قسطنطنیہ بھیجا گیا تاکہ وہ دونو سلطنتوں کے درمیان تعلقات کو خوشگوار بنائے، وہاں سے وہ بہت سے تحفے لے کر واپس آیا جن کو اس نے سلوکیہ طیسفون کے گرجا کی مرمت میں اور اسی شہر میں ایک نیا گرجا تعمیر کرانے میں صرف کیا،

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۱۳۷، [2] لابور، ص ۸۷ - ۹۹،

یزدگرد کے زیرِ حمایت عیسائیت کے حق میں بڑے بڑے نتائج حاصل ہوئے لیکن باوجود اس کے ایران کے عیسائی فرقوں میں جو باہمی تنازعات تھے اُن کا خاتمہ نہ ہوا چنانچہ ۴۲۰ء میں جو کانفرنس منعقد ہوئی اُس میں ان کا شدت کے ساتھ اظہار ہوا[1]،

یزدگرد نے جو عیسائیوں کے ساتھ دوستی کے تعلقات پیدا کیے تو یہ سیاسی وجوہات کی بنا پر تھا، وہ چاہتا تھا کہ مشرقی سلطنتِ روم کے ساتھ صلح رکھ کر اپنی تمام کوششوں کو یکسوئی کے ساتھ اپنی طاقت کو بڑھانے میں صرف کرے، لیکن ساتھ ہی اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مذہبی رواداری اس کی طبیعت میں داخل تھی چنانچہ اس نے یہودیوں کے ساتھ بھی مہربانی کا سلوک رکھا حالانکہ ان کی کوئی سیاسی اہمیت نہ تھی[2] اس کی ایک بیوی یہودی تھی جس کا نام شوشیندخت (؟) تھا اور وہ یہودیوں کے رئیس (ریش گالوتا)[3] کی بیٹی تھی،

لیکن یزدگرد نے اپنے عہد کے آخر میں عیسائیوں کے ساتھ اپنا رویہ بدل دیا اور اس میں قصور خود اُنھی کا تھا، وہ اس قدر دلیر اور بیباک ہو گئے کہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اس لیے سخت گیری کے سوا چارہ نہ رہا، شہر ہرمزد اردشیر میں جو صوبہ خوزستان میں تھا ایک عیسائی پادری نے جس کا نام ہشُو تھا یہاں تک جرأت کی کہ بشپ عبدا کی باضابطہ یا خاموش رضامندی کے ساتھ ایک آتشکدہ کو جو گرجا کے نزدیک تھا مسمار کرا دیا، پادری

---

[1] لابور، ص ۱۰۰ - ۱۰۳، [2] نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۷۵، ح، [3] دیکھو اوپر، ص ۴۰
مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۵۳ ح ۱، نیز گرے کا مضمون بہ عنوان "پہلوی ادبیات میں یہودی" (روئداد اجلاس چہاردہم انجمن مستشرقین، پیرس ۱۹۰۶ء ص ۱۹۰ بعد)

اور بشپ اور بہت سے اور لوگ جو اس کام میں شریک تھے گرفتار کر کے طیسفون بھیج دیے گئے، بادشاہ نے بذات خود ان سے اس معاملے کے متعلق دریافت کیا، عبدا نے تو اپنی برارت کا اظہار کیا لیکن ہشو نے کھلم کھلا اقرار کیا کہ میں نے خود آتشکدہ کو مسمار کیا ہے اور ساتھ ہی دینِ زرتشتی کو بُرا بھلا کہا، بادشاہ نے عبدا کو حکم دیا کہ آتشکدہ کو دوبارہ تعمیر کروا کے دو لیکن وہ انکار پر اڑا رہا، آخر بادشاہ نے اُسے مروا دیا، تاریخِ کلیسا کے مصنّف تھیوڈورٹ نے اگرچہ آتشکدہ کے مسمار کرانے کو ناعاقبت اندیشی پر محمول کیا ہے تاہم وہ عبدا کے استقلال کی تحسین کرتا ہے[1]،

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے اور وہ خاص طور پر اس لیے دلچسپ ہے کہ جتنے عیسائی اس میں شریک ہیں ان سب کے ایرانی نام ہیں، ایک پادری نے جس کا نام شاپور تھا ایک ایرانی رئیس آذر فرنبگ کو جو ایک مرض میں مبتلا تھا ترغیب دی کہ وہ عیسائی ہو جائے تاکہ اُسے اس مرض سے شفا ہو، رئیس نے پادری کو دعوت دی کہ میرے گاؤں میں آکر ایک گرجا تعمیر کرو، شاپور نے چھوٹتے ہی زمین کا قبضہ حاصل کیا اور گرجا بنا ڈالا، موبد آذربوز[2] نے اس معاملے کی اطّلاع بادشاہ کو پہنچائی اور کہلا بھیجا کہ ایک ایرانی رئیس کا اس طرح مرتد ہو جانا کس قدر افسوسناک ہے، یزدگرد نے موبد کو فرمائش کی کہ جس طرح ہو سکے اس کو دینِ زرتشت کی طرف واپس لاؤ صرف اتنی بات کی تاکید جانو کہ اس کو جان سے مت مرواؤ، آذر فرنبگ نے دوبارہ دینِ زرتشتی

---

[1] ہوفمن، ص ۳۴، لابور ص ۱۰۵، [2] شاید وہ موبدان موبد تھا،

کو قبول کر لیا اور اپنی زمین (جس پر گرجا تعمیر کیا گیا تھا) واپس مانگی لیکن پادری شاپور نے ایک اور بشپ نرسی کے بھڑکانے سے زمین واپس کرنے سے انکار کیا اور قبالہ ساتھ لے کر بھاگ گیا، تب اس گرجے کو آتشکدہ بنا دیا گیا لیکن نرسی نے آگ کو بجھوا دیا اور وہاں عیسائی طریقے پر نماز ادا کرائی، وہاں کے موبد کو جب اس دست درازی کا علم ہوا تو اس نے گاؤں میں دہائی دی اور لوگوں کو برانگیختہ کیا، نرسی کو کوڑے لگائے گئے اور اس کو پابہ زنجیر طیسفون بھیج دیا گیا، وہاں پہنچ کر آذر بوزے نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر تم آتشکدہ کی مرمت کروا دو اور نقصان کی تلافی کر دو تو تمہیں معاف کر دیا جائیگا، نرسی نے انکار کیا جس پر اس کو قید خانے بھجوا دیا گیا، بعد میں چونکہ وہ اپنے انکار پر اڑا رہا لہذا اس کو قتل کروا دیا گیا[1]،

اس قسم کی دست درازیاں جو عیسائی کرتے رہے ان سے لازمی طور پر ان کے خلاف تعصب پیدا ہوتا گیا، بالآخر یزدگرد نے جو عیسائیوں کے کھلم کھلا دشمن مہر نرسی کو وزرگ فرماذار کے عہدے پر مأمور کیا تو یہ بدیہی ثبوت اس بات کا تھا کہ عیسائیوں کے ساتھ اس کا رویّہ بالکل بدل گیا تھا[2]،

یزدگرد کی موت جو ۴۲۱ء میں واقع ہوئی آج تک ایک معمّا ہے، ایرانی روایت یہ ہے کہ وہ گرگان میں کسی جگہ ٹھہرا ہوا تھا کہ ایک گھوڑا جو خوبصورتی میں بے نظیر تھا اور کسی نے اس کو پہلے نہیں دیکھا تھا آیا اور

---

[1] ہوفمن، ص ۳۶ - ۳۸، لابور ص ۱۰۷ - ۱۰۸، [2] اسی سے نولڈکہ نے (ترجمہ طبری ص ۷۶، ح ۱) استدلال کرتے طبری کے اس بیان کو غلط ثابت کیا ہے کہ یزدگرد نے تخت پر بیٹھتے ہی مہر نرسی کو وزیر بنا لیا تھا،

یزدگرد کے دل پر ایک دولتی لگائی ، بادشاہ وہیں مرکر رہ گیا اور گھوڑا اس کے بعد نگاہوں سے غائب ہوگیا ، ایک اور روایت یہ ہے کہ وہ تیزی کے ساتھ بھاگ گیا ، ہمارے نزدیک نولڈکہ کا یہ قیاس بالکل صحیح ہے کہ یہ قصہ بعد میں اس غرض سے گھڑا گیا تاکہ بادشاہ کے مرنے کی اصلی وجہ کسی کو معلوم نہ ہوسکے ، بات دراصل یہ تھی کہ امرا اس سے نفرت رکھتے تھے اور کسی دور دراز مقام میں اس کی اقامت کو غنیمت سمجھ کر انھوں نے اُس سے نجات حاصل کی[1]،

یزدگرد نے تین بیٹے چھوڑے ، شاپور ، بہرام اور نرسی ، شاپور کو باپ نے آرمینیہ کے اُس حصّے کا بادشاہ مقرر کیا جو ایران سے تعلق رکھتا تھا ، بہرام حیرہ کے عرب بادشاہ کے ہاں جو شہنشاہ کا باجگزار تھا مقیم تھا ، طبری کے بیان کی رو سے اس کو بچپن ہی سے وہاں بھیج دیا گیا تھا تاکہ وہ حیرہ کی صحت بخش آب و ہوا میں پرورش پائے[2] لہذا وہ اپنی چال ڈھال اور حرکات و سکنات میں بجائے ایرانی کے عرب معلوم ہوتا تھا[3]، لیکن اس ہمسایہ سلطنت میں اس کی طویل اقامت حقیقت میں ایک جلاوطنی تھی جس کا باعث یزدگرد اور اس کے نوجوان بیٹے کے درمیان اختلافِ رائے تھا[4]،

جو بات یقینی طور پر معلوم ہے وہ یہ ہے کہ بہرام حیرہ میں قصر خورنق میں رہتا تھا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کو نعمان لخمی نے بنوایا تھا لیکن حقیقت

---

[1] نولڈکہ (ترجمہ طبری، ص ۷۷ ح ۱)، [2] طبری ص ۸۵۵،
[3] ایضاً، ص ۸۵۸،
[4] نولڈکہ ترجمہ طبری، ص ۹۰، ح ۲،

ہیں وہ زیادہ پرانے زمانے کا بنا ہوا تھا[1]، وہاں اس کی تربیت منذر کی نگرانی میں ہوئی جو نعمان کا بیٹا اور جانشین تھا اور جس کو یزدگرد نے "رام افزود یزدگرد" (بمعنی یزدگرد کی خوشی کا بڑھانے والا) اور "مہشت" (بمعنی اعظم) کے پُر افتخار خطابات دے رکھے تھے[2]، یزدگرد کا تیسرا بیٹا نرسی جو اس کی یہودی بیوی[3] کے بطن سے تھا غالباً اپنے باپ کی وفات کے وقت ابھی نابالغ تھا کیونکہ بہرام کی عمر بھی اس وقت بیس سال سے زائد نہ تھی[4]،

اب جبکہ امراء اور موبدوں کو ایک ناموافق بادشاہ سے نجات ملی تو موقع سے فائدہ اُٹھا کر انھوں نے چاہا کہ اپنی برتری کو قائم کریں، امراء میں سے بعض نے اس بات پر ایکا کیا کہ یزدگرد کے تینوں بیٹوں کو تخت سے محروم کریں، دینوری نے[5] ان امراء میں سے جن کے نام لیے ہیں ان میں سے ایک تو وستہم ہے جو میسوپوٹمیا (سواد) کا سپاہبد تھا اور ہزار فت کے لقب سے ملقب تھا، ایک یزدگشنسپ ہے جو ضلع الزّوابی[6] کا پاذگوسپان تھا، ایک پیرگ مہران[7] ہے جو محاسبِ فوج تھا، ایک گشنسپ آذرویش ہے جو صاحب الخراج تھا اور ایک پناہ خسرو ہے جو ناظرِ امورِ خیریہ تھا[8]، ایک بات جو قابلِ توجّہ ہے وہ یہ ہے کہ اس فہرست میں مہرنرسی کا نام نہیں ہے جو یزدگرد اوّل اور بہرام پنجم کا مقتدر وزیر تھا، شاپور شاہِ آرمینیہ تخت حاصل کرنے کے

---

[1] روٹ شٹائن، ص ۱۶، ۱۴۴، [2] طبری، ص ۸۵۵، [3] دیکھو اوپر، ص ۳۵۶،
[4] طبری، ص ۸۶۳، [5] ص ۵۷، [6] بیبی لونیا کا جنوبی علاقہ جس میں سے وہ نہریں گذرتی تھیں جن کو زاب کہا جاتا تھا، (نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۵۰۱، مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۱۶۴)،
[7] دینوری یہ سمجھا ہے کہ مہران کسی عہدے کا نام ہے، [8] رُوانگان دبہیر، دیکھو اوپر، ص ۱۲۶،

لیے فوراً طیسفون آیا لیکن اُمراء نے اس کو مروا دیا[1] اور ایک اور شہزادے خسرو کو جو ساسانی خاندان کی کسی شاخ سے تعلق رکھتا تھا بادشاہ بنا دیا،

لیکن شاہزادہ بہرام نہیں چاہتا تھا کہ بے لڑے اپنے حق سے دست بردار ہوجائے، اس کے سرپرست (منذر) نے اُسے کافی امداد دی، عرب مؤرخ لکھتے ہیں کہ شاہ حیرہ کی کمان میں سواروں کے دو دستے تھے جن میں سے ایک کا نام "دوسر" تھا اور وہ اُن عربی قبائل پر مشتمل تھا جو نواح حیرہ کے رہنے والے تھے اور تنوخ کے نام سے معروف تھے، دوسرے کا نام "شہباء" تھا اور وہ ایرانیوں پر مشتمل تھا،[2] بہرحال منذر کے زیر فرمان کافی فوج تھی جو ساز و سامان سے خوب آراستہ تھی، اس فوج کو اس نے اپنے بیٹے نعمان کے ماتحت روانہ کیا، نعمان طیسفون کی جانب بڑھا، امرائے ایران نے خوف زدہ ہوکر منذر اور بہرام کو صلح کا پیغام بھیجا، خسرو کو معزول کیا گیا اور بہرام پنجم تخت پر بیٹھا، ایرانی روایت نے اس واقعہ کو ایک افسانے کے ساتھ آراستہ کیا ہے، لکھا ہے کہ بہرام نے پہلے یہ وعدہ کیا کہ اس کے باپ (یزدگرد) نے سلطنت کو جو ضعف پہنچایا تھا وہ اس کی تلافی کریگا اور ایک سال آزمائش کے طور پر حکومت کرنے کا مجاز ہوگا، اس کے بعد بادشاہ کا انتخاب مشیت ایزدی سے ہوگا یعنی اس طرح کہ تاج اور شاہی لباس کو ایک اکھاڑے میں رکھا جائیگا جس کے دو طرف دو بھوکے شیر چھوڑے جائینگے پھر سلطنت کے دو دعویداروں میں سے جو کوئی اس تاج اور لباس کو اٹھا لانے

---

[1] نولڈکہ، ترجمۂ طبری، ص ۹۱ ح ۴، [2] روٹ شٹائن، ص ۱۸ ببعد،

کی جرأت دکھائیگا وہی بادشاہ ہوگا، خسرو نے اس اکھاڑے میں پہلے اُترنے
سے انکار کیا، تب بہرام آیا اور دونو شیروں کو مار کر تاج اور لباسِ شاہی کو اُٹھا
لے گیا، اس پر خسرو اور اس کے پیچھے تمام حاضرین نے اس کے ہاتھ پر
بیعت کی اور اس کو بادشاہ تسلیم کیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قصہ اس
شرمناک حقیقت کو چھپانے کے لیے گھڑا گیا ہے کہ ایک مُٹھی بھر عرب سپاہیوں
نے ایران کے امرائے کبار کے فیصلے کو الٹ کر رکھ دیا اور انہیں اس بات
پر مجبور کر دیا کہ وہ ایک ایسے شخص کو بادشاہ تسلیم کریں جسے وہ رد کر چکے تھے،
ساسانی خاندان میں کوئی بادشاہ باستثنائے اردشیر اوّل اور خسرو انوشیروان
اور خسرو پرویز اس قدر ہر دلعزیز نہیں ہُوا جتنا کہ بہرام پنجم، وہ ہر شخص کے ساتھ
مہربانی سے پیش آتا تھا اور خراج کا ایک حصہ ہمیشہ ادا کنندگان کو بخش دیتا
تھا، اقوام شمالی اور دولتِ بازنتینی کے خلاف لڑائیوں میں بہادری کے جو
معرکے اس نے دکھائے اس کے بہت سے قصے مشہور ہیں، اسی طرح اس کے
شکار کے کارنامے اور عشق کی داستانیں بھی زبان زد عام ہیں، ان کارناموں
اور داستانوں کو نہ صرف ادبیاتِ فارسی میں زندۂ جاوید بنایا گیا ہے بلکہ صدیوں
تک مصوّروں نے ان کے مضامین کو اپنی تصویروں میں دکھایا ہے اور قالینوں
اور آرائشی پردوں میں یہ تصویریں ہمیشہ سرمایۂ زینت رہی ہیں، ان کے علاوہ
ساسانی زمانے کے بعض چاندی کے پیالے اب تک موجود ہیں جن میں اس
بادشاہ کے بعض شکار کے سین نقش کیے گئے ہیں، لینن گراڈ میں ہرمیتاژ کے
عجائب خانہ میں ایک پیالہ ہے جس میں بہرام پنجم کی تصویر (جو اپنے تاج کی

شکل سے پہچانا جاتا ہے) اس طرح بنائی گئی ہے کہ وہ ایک اونٹ پر سوار ہے اور اس کے پیچھے اس کی ایک نوجوان محبوبہ بیٹھی ہے، بادشاہ اور عورت کے درمیان رتبے کے تفاوت کو ان کے قد کے اختلاف سے ظاہر کیا گیا ہے، تصویر کا مضمون یہ ہے کہ محبوبہ نے شرارت سے بادشاہ سے یہ کہا ہے کہ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ آیا حضور اس بات پر قادر ہیں کہ تیر لگا کر ہرن کو مادہ اور ہرنی کو نر بنا سکیں؟ یہ سن کر بادشاہ نے دو تیر ہرنی کو اس طرح لگائے کہ وہ جا کر اس کے سر میں گڑ گئے اور یوں معلوم ہونے لگا کہ گویا دو سینگ ہیں، پھر ایک دو شاخہ تیر اس طرح تان کر ہرن کو لگایا کہ اس کے دونو سینگ صاف اڑ گئے[1]، پیالہ بنانے والے نے تیر کی ایک خاص شکل بنائی ہے اور پیکان کو ہلال کی صورت میں دکھایا ہے[2]۔

بہرام ایک تنومند اور شہ زور آدمی تھا اور ہر شخص کو زندگی کا لطف اٹھانے کی ترغیب دیتا تھا، وہ عربی میں شعر کہتا تھا اور بہت سی زبانوں میں گفتگو کر سکتا تھا[3]، وہ موسیقی کا بڑا شوقین تھا اور دربار میں اس نے موسیقی دانوں اور گویوں کو حتیٰ کہ مسخروں کو سلطنت کے بڑے سے بڑے عہدہ داروں کے برابر اور اگر برابر نہیں تو ان سے اتر کر جگہیں دے رکھی تھیں[4]، ایک مشہور

---

[1] عیون الاخبار لابن قتیبہ، ج ۱، ص ۱۲۸، نیز شاہنامہ (طبع مول) ج ۵، ص ۵۰۶-۵۰۸،
[2] ابن الفقیہ نے "ناووس الظبیہ" (ہرن کی قبر) اور "قصر بہرام جور" کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس پر دیکھو شوارٹس کی کتاب "ایران در ازمنۂ وسطیٰ" (بزبان جرمن)، حصۂ پنجم، ص ۵۴۷، واضح ہو کہ یہ ہرن کی قبر بہرام کے کسی اور واقعۂ شکار کی یادگار ہے، اس کی تیر اندازی کے کمال کے متعلق دیکھو کتاب التاج للجاحظ، ص ۱۷۷ ببعد، [3] مروج الذہب للمسعودی، ج ۲ ص ۱۹۱ ثعالبی ص ۵۵۵،
[4] کتاب التاج للجاحظ ص ۲۸، مروج الذہب ج ۲ ص ۱۵۷،

افسانے کی رُو سے اُس نے ہندوستان سے لُوریوں کو ایران بلوایا تاکہ عام لوگ بھی موسیقی کی لذّت سے بے بہرہ نہ رہیں [1] اپنی سرکش اور تیز طبیعت کی بدولت "وہ گور" کے لقب سے ملقّب تھا، بعد میں لوگوں نے اس لقب کی وجہ اس کے شکار کے ایک واقعہ سے گھڑ لی، وہ یہ کہ ایک دفعہ جنگل میں ایک شیر نے ایک گورخر کی پیٹھ پر جست کی، بہرام نے ایک ہی تیر سے دونو کو چھید ڈالا،

یہ صحیح ہے کہ عہد ساسانی کے مؤرّخوں نے بہرام گور کو ملامت اور نکتہ چینی سے معاف نہیں کیا، مثلاً وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ عیّاش اور فضول خرچ تھا اور سلطنت کے معاملات کی طرف چنداں توجّہ نہیں کرتا تھا [2] لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ امور سلطنت کو امراء کے ہاتھوں میں دے دینے کی وجہ سے وہ امراء اور موبدوں کی نظروں میں ایک محبوب بادشاہ بن گیا تھا اور اس کی شہرت زیادہ تر اسی محبوبیّت کی بدولت ہوئی،

بہرام کے زمانے میں حکومت کے برترین عہدہ داروں میں سب سے زیادہ با اقتدار اور ذی قدرت مہرنرسی پسرِ ورازگ [3] تھا جو وزرگ فرمادار کے عہدے پر سرفراز تھا اور "ہزار بندگ" (ہزار غلاموں والا) کے لقب سے ملقّب تھا [4]، وہ خاندان سپندیاد سے تھا جو عہد اشکانی کے سات ممتاز گھرانوں میں سے ایک تھا، عربی اور فارسی مؤرّخ جن کی اطّلاعات اس بارے میں عہد

---

[1] شاہنامہ طبع مول، ج ۶، ص ۷۶-۷۸، ثعالبی ص ۵۶۶، [2] کتاب التاج للجاحظ ص ۳۰ و ۱۵۹، طبری ص ۸۶۳، مروج الذہب ج ۲، ص ۱۶۸ ببعد، ثعالبی ص ۵۵۷،
[3] طبری، ص ۸۷۲، [4] مہرنرسی کے متعلق تمام اطّلاعات جو ہم یہاں دے رہے ہیں طبری سے ماخوذ ہیں (ص ۸۶۹ ببعد)،

ساسانی کی تاریخِ کبیر سے مأخوذ ہیں اس کو ایک نہایت زیرک اور مہذّب شخص بتلاتے ہیں، دینِ زرتشتی کے لیے اس کی گرمجوشی کو دیکھتے ہوئے ہمیں کوئی تعجب نہیں معلوم ہوتا کہ عیسائی مصنّف اس سے نفرت رکھتے ہیں اور لازارفرپی نے اس کو بدعہد اور بے رحم بتلایا ہے، اس کی مذہبی گرمجوشی نہ صرف اِس امر سے واضح ہے کہ وہ غیر مذہب والوں سے عداوت رکھتا تھا بلکہ اس بات سے بھی کہ زراعت اور کشتکاری کی ترقی کے لیے (جو دینِ زرتشتی کے مذہبی فرائض ہیں) وہ دل و جان سے کوشاں تھا، فارس میں ضلع اردشیر خورہ اور ضلع شاپور میں جہاں اُس کی بڑی بڑی جاگیریں تھیں اس نے بہت سے محل بنوائے اور ایک آتشکدہ تعمیر کرایا جس کا نام اس نے مہرنرسیان رکھا، موضع آبرُوان کے نزدیک جو ضلع اردشیر خورہ میں تھا اور جہاں وہ پیدا ہوُا تھا اُس نے چار گاؤں آباد کرائے اور ان میں آتشکدے بنوائے، ان میں سے ایک گاؤں خود اس کے اپنے لیے تھا اور باقی تین بیٹوں کے لیے جن کے نام زُروان داد، ماہ گشنسپ اور کاردار تھے، اپنے گاؤں کا نام اس نے فراز مرا آور خوذایا(؟) رکھا جس کے معنی ہیں " اے خدا میرے پاس آ "[1] باقی تینوں گاؤں اپنے اپنے مالک کے نام پر زُروان دادان، ماہ گشنسپان اور کارداران کہلائے" ان کے علاوہ بقول طبری اُس نے تین باغ لگوائے ایک کھجور کا ایک زیتون کا اور ایک سرو کا جن میں سے ہر ایک میں بارہ بارہ ہزار درخت تھے، طبری

---

[1] طبری نے اس کا ترجمہ " اقبلی الیّ سیّدتی " کیا ہے اس لیے کہ خدا سے مراد اس نے " آگ " لی ہے اور آگ عربی میں مؤنّث ہے،

نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تمام گاؤں اور آتشکدے اور باغ "آج بھی اُس کے وارثوں کے پاس موجود ہیں اور کہا جاتا ہے کہ بہترین حالت میں ہیں۔"
ہم یہ نہیں کہ سکتے کہ اس سے مراد طبری کا اپنا زمانہ ہے یا کسی زیادہ قدیم مصنف کا زمانہ جس سے طبری نے یہ اطلاع حاصل کی ہے،

موسیو ہرتسفلٹ کا خیال ہے[۱] کہ قصرِ سروِشتان جو شیراز سے داراب جرد اور بندرعبّاس جاتے ہوئے سڑک کے کنارے پر ملتا ہے عہد بہرام پنجم کی یادگار ہے اور ممکن ہے کہ مہر نرسی کے بنوائے ہوئے محلوں میں سے ہو اس لیے کہ لفظ "سروِشتان" کے معنی "سرو کا باغ" ہیں، قصر سروشتان ایک چھوٹا سا گنبد دار محل ہے اور ہرتسفلٹ کی رائے میں اتنا چھوٹا محل شہنشاہ کی رہائش کے لیے موزون نہیں سمجھا جا سکتا خصوصاً اس لیے کہ دربار کا کمرہ بہت مختصر ہے، دیواروں میں دروازے بہت ہیں اور محرابدار چھتوں کی ساخت سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ عہد ساسانی میں فنّ معماری خاصی ترقّی کر چکا تھا[۲]،

مہر نرسی کے تینوں بیٹے حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز تھے،
زُروان داد ہیربدان ہیربد تھا جو کلیسائی حکومت میں موبدان موبد کے بعد سب سے بڑا عہدہ تھا، ماہ گُشنسپ واستریوشان سالار تھا یعنی وزیر مالیات اور کاردار ارتیشتاران سالار تھا یعنی سلطنت ایران کا کمانڈر انچیف،
بہرام کو اپنے عہد میں سب سے پہلے شمال کے وحشی قبیلوں کے ساتھ

[۱] زارہ۔ ہرتسفلٹ: برجستۂ حجّاری، ص ۱۳۱، [۲] ایضاً، دیولافوا نے قصر سروشتان کو ہخامنشی عمارتوں میں شمار کیا ہے،

سکۂ یزدگرد اول

سکۂ بہرام پنجم
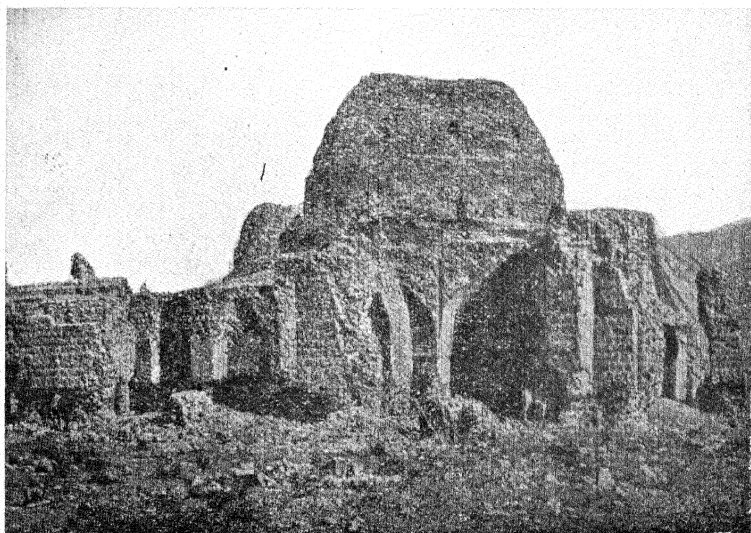
قصر سروستان

جنگ آزمائی کرنی پڑی جن کو عربی اور فارسی تاریخوں میں بلا امتیاز ترک کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، یہ قبیلے غالباً قبائل چینوبت[1] ہیں جو قوم ھیون کی نسل سے تھے، ہم ان کو اس سے پہلے شاپور دوم کی امدادی فوجوں میں دیکھ چکے ہیں، ایران کے ساتھ ان کی وفاداری مشکوک سی تھی، یہ لوگ مرو کے شمال میں میدانی علاقوں میں آباد تھے، شاپور کی وفات کے بعد اُنھوں نے بار بار خراسان کو تاراج کیا اور اس نواح میں وہ ایران کے سب سے بڑے دشمن سمجھے جاتے تھے، بہرام نے بذاتِ خود ان وحشیوں پر فوجکشی کی اور فتحیاب ہوا، اس کی غیر حاضری میں اس کے بھائی نرسی نے نائبِ سلطنت کے فرائض انجام دیئے، مشرقی صوبوں میں امن قائم ہونے کے بعد نرسی کو خراسان کا گورنر بنایا گیا،[2] اس اثناء میں ایران اور دولتِ بازنطینی کے درمیان ازسرِنو مخاصمت کی بنا پڑی،

ایران کے عیسائی جب اپنی گستاخیوں کی بدولت یزدگرد کی عنایات سے محروم ہوگئے تو اس کی وفات سے پہلے ان پر جور و تعدّی کا ایک نیا دور شروع ہوا جس کا بانی مبانی مہرشاپور موبدان موبد تھا، بہرام پنجم کے تخت نشین ہوتے ہی اس کا آغاز ہوا اور مغربی سرحدی صوبوں کے عیسائی جوق در جوق بازنطینی علاقوں میں بھاگنے لگے، مہرشاپور نے عربی قبائل کو ان کے خلاف بھڑکایا چنانچہ بیشمار عیسائی مارے گئے، ایک ایرانی افسر جس کا نام اسپبد تھا اور جو عیسائیوں کی ایذارسانی پر مامور تھا اپنے ان فرائض سے اس قدر متنفر ہوا کہ اس نے اُن ہدایات پر عمل کرنے سے انکار کیا جو اُسے دی جاتی تھیں اور عیسائیوں کو نکل

---

[1] یہ قیاس مارکوارٹ کا ہے (ایرانشہر، ص ۵۲)، [2] طبری، ص ۸۶۵،

بھاگنے میں مدد دینے لگا، آخر کار اُسے خود بھی بھاگنا پڑا اور رومی سپہ سالار اناٹول[1] کے پاس جاکر پناہ گزین ہُوا، اناٹول نے اُسے اُن عربی قبائل کی سپہ سالاری پر مأمور کر دیا جو دولتِ بازنطینی کے زیرِ فرمان تھے، شاہِ ایران نے حکومتِ بازنطینی سے مطالبہ کیا کہ مفرورین کو واپس کیا جائے لیکن اُس نے منظور کرنے سے انکار کیا،

یہ وہ واقعات تھے جو ۴۲۱ء میں ایران اور روم کے درمیان از سرِ نو جنگ چھڑ جانے کا باعث ہوئے، لیکن یہ جنگ کچھ زیادہ عرصہ نہ رہی، ایرانیوں کی طرف لڑائی کا سارا انتظام مہر نرسی کے ہاتھ میں تھا، رومی فی الجملہ غالب رہے، ۴۲۲ء میں جو صلحنامہ قرار پایا اس کی رو سے ایرانیوں نے اپنے ملک میں عیسائیوں کو مذہبی آزادی دے دی، یہ بات کہ یہی آزادی اُن زرتشتیوں کو بھی دی گئی جو سلطنتِ بازنطینی میں سکونت رکھتے تھے ایران کے سیاسی اقتدار پر دلالت کرتی ہے لیکن عملی طور پر اس کی اہمیّت کچھ نہ تھی، اس کے علاوہ رومیوں نے اس شرط کو منظور کیا کہ قبائل ہون کی روک تھام کی خاطر قفقاز کے پہاڑی دروں کی محافظت کے لیے جو مالی امداد وہ پہلے دیا کرتے تھے اب دوبارہ دینی شروع کرینگے،

اسی زمانے میں ایران کے عیسائی شدّت کے ساتھ آپس میں لڑ رہے تھے، ۴۲۱ء کے قریب دادیشوع جاثلیق مقرر ہُوا، اس نے شمال کے وحشی قبائل کے خلاف خراسان کی حفاظت کرنے میں شاہِ ایران کی عمدہ خدمات انجام دیں، اُس کے مخالفوں کی ایک جماعت تھی جس کا لیڈر بطائی تھا جو ہرمزد اردشیر

[1] (Anatole)

کا بشپ تھا، اس نے دادیشوع پر یہ الزام لگایا کہ وہ اشیائے مقدسہ کو فروخت کرتا ہے اور سود لیتا ہے اور مغوں کو عیسائیوں کی ایذا رسانی کی شہ دیتا ہے، یہ الزام نہایت ہوشیاری کے ساتھ لگایا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دادیشوع بہرام کے حکم سے قید کر دیا گیا، بعد میں جب وہ قیصر تھیوڈوسیس دوم کی کوشش سے رہا ہوا تو اس کو اپنے عہدے سے اس قدر نفرت ہوئی کہ اُس نے استعفا دینا چاہا لیکن اس کے طرفداروں نے مزاحمت کی اور چھتیس پادریوں کی تحریک سے جو اس کے حامی تھے ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں اس کو مجبور کیا گیا کہ اپنا استعفا واپس لے، یہ جلسہ جو عربی علاقے کے کسی شہر میں منعقد ہوا تھا اس لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں اس بات کا اعلان کیا گیا کہ کلیسائے ایران آیندہ آزاد ہوگا اور مغربی کلیسا کے ماتحت نہیں سمجھا جائیگا، اس جلسے میں ایسی تجویز منظور کرانے سے دادیشوع کا یقیناً یہ مقصد تھا کہ ایران کے عیسائی خوب سمجھ لیں کہ اب ان کی حالت مذبذب نہیں ہے، اس کے علاوہ ایک فائدہ اس نے یہ بھی سوچا کہ آیندہ ایران کے عیسائیوں پر یہ شبہ کرنے کی گنجائش نہیں رہیگی کہ وہ سلطنت روم کے ساتھ سازباز رکھتے ہیں۔[1]

بہرام پنجم کے بھائی شاپور کی وفات کے بعد جو آرمینیہ کا باجگزار بادشاہ تھا ایک شخص مسمّیٰ ارتشیس (اردشیر) پسرِ ورم شاپوہ کو جو خاندان اشکانی سے تعلق رکھتا تھا وہاں کا بادشاہ بنایا گیا، اس نے دس سال حکومت کی، اس کے بعد بہرام نے اُسے معزول کر دیا اور آرمینیہ کو سلطنتِ ایران کا ایک صوبہ بنا دیا گیا، امرائے ایران میں سے ایک شخص مسمّیٰ وِیہ مہر شاپور وہاں کا مرزبان مقرر ہوا،

[1] لابور، ص ۱۱۹-۱۲۵۔

بہرام پنجم ۴۳۸ء یا ۴۳۹ء میں فوت ہوا، بقول فردوسی اس کی موت طبعی تھی، لیکن اکثر عربی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس کے شکار کا شوق اس کی موت کا باعث ہوا یعنی ایک دن ایک گورخر کے پیچھے اُس نے گھوڑا ڈالا راستے میں وہ کسی خندق یا گہرے کوئیں میں گر کر غائب ہو گیا اور باوجود تمام کوششوں کے اس کی لاش نہ مل سکی[1]۔ ممکن ہے کہ شاہ پیروز کی موت جو ایک گڑھے میں گرنے سے واقع ہوئی تھی اس افسانے کی ایجاد کا باعث ہوئی ہو یا شاید یہ قصہ لفظ "گور" کی تجنیس سے پیدا ہوا ہو کہ بہرام کا لقب بھی "گور" تھا اور "گور" کے معنی قبر یا گڑھے کے بھی ہیں، چنانچہ عمر خیام نے اسی تجنیس کو ایک رباعی میں استعمال کیا ہے ؎

آن قصر کہ جمشید درو جام گرفت　　آہو برہ کرد و شیر آرام گرفت
بہرام کہ گور می گرفتی دائم　　دیدی کہ چگونہ گور بہرام گرفت

یزدگرد دوم جو بہرام کا بیٹا اور جانشین تھا اپنے باپ کی سی عمدہ صفات نہیں رکھتا تھا، بقول طبری اپنی تخت نشینی پر جو خطبہ اس نے دیا اس میں اُس نے صاف صاف کہ دیا کہ میں اپنے باپ کی طرح دیر دیر تک بیٹھ کر دربار نہیں کیا کرونگا بلکہ گوشے میں بیٹھ کر سلطنت کی بہبودی کی تدبیریں سوچا کرونگا۔ ایک سریانی کتاب میں بھی اس تغییر حالات کا بیان ملتا ہے جس میں لکھا ہے کہ قدیم زمانے سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ ہر مہینے کے پہلے ہفتے میں حکومت کے ہر عہدہ دار کو اس بات کی اجازت تھی کہ بادشاہ کے حضور میں خود حاضر ہو کر تمام

---

[1] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۱۰۳ ح ۳، ثعالبی ص ۵۶۸،

بے قاعدگیوں اور بے اعتدالیوں کو جو واقع ہوئی ہوں عرض کرے اور اُن کا مداوا طلب کرے لیکن یزدگرد دوم نے اس دستور کو موقوف کر دیا[۱]،

یزدگرد کے آغازِ عہد میں دولتِ بازنتینی کے ساتھ ایک مختصر سی جنگ سنہ ۴۴۲ء میں واقع ہوئی لیکن اس میں کوئی بڑا واقعہ پیش نہیں آیا، آخر میں جو صلح ہوئی اُس کی رُو سے صورتِ حالات وہی رہی جو پہلے تھی[۲]،

اگر وقائع شہداء کے بیانات پر اعتماد کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یزدگرد شروع میں عیسائیوں پر مہربان تھا لیکن اپنے عہد کے آٹھویں سال میں اُس نے اپنا رویّہ بدل دیا، اس سال اُس نے چند اُمراء کو قتل کرایا[۳] وقائع میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ امراء کون تھے لیکن یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ یہ وہ ہونگے جنھوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا یا کرنے کا میلان رکھتے تھے، یہ ہرگز خیال نہیں کیا جا سکتا کہ اُمراء کا قتل کیا جانا اس وجہ سے تھا کہ بادشاہ عمومی طور پر اُن کی طاقت کو توڑنے کی فکر میں تھا اس لیے کہ عربی اور فارسی کتابیں جن میں ساسانی زمانے کے موبدوں کی رائے کا پرتو پایا جاتا ہے اس کو ایک رحمدل اور مہربان بادشاہ بتلارہی ہیں[۴]، یہودیوں کے ساتھ بھی اُس نے مذہبی تعصّب کا اظہار کیا یعنی سنہ ۴۵۴ء میں اُن کو یوم سبت منانے سے روک دیا[۵]، جلوس کے بارھویں سال سے اس نے آرمینیہ کے عیسائیوں پر بھی سختی کرنی شروع کر دی[۶]، مؤرّخ ایلیزے نے ایک دلچسپ بات لکھی ہے[۷] کہ یزدگرد نے اپنی

---

[۱] ہوفمن ص ۵۰، [۲] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۱۱۶ ح ۲، [۳] ہوفمن ص ۵۰، لابور ص ۱۲۶
[۴] طبری، ص ۸۷۱، [۵] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۱۱۴، ح ۱، [۶] ایلیزے طبع لانگلوا، ج ۲، ص ۱۸۴، [۷] ایضاً ص ۱۸۷،

کرتے تھے ، آج بھی اگر آپ ہمیں مجبور کریں کہ ہم آپ کی ان تحریروں کو پڑھیں جن
کے ساتھ ہمیں کوئی دلچسپی نہیں اور جو ہرگز ہماری توجّہ کے قابل نہیں تو ہم وہی
کرینگے جو پہلے کیا کرتے تھے ، ہم نے آپ کے احترام کی خاطر آپ کی تحریر کو کھولا اور
دیکھا تک بھی نہیں کہ مبادا وہ موردِ استہزاء ہو ، کیونکہ ایک ایسا مذہب جس کے
متعلّق ہمیں معلوم ہے کہ وہ بے سروپا ہے اور چند بے عقل آدمیوں کے اوہامِ باطلہ کا
نتیجہ ہے اور جس کی تفاصیل آپ کے بعض جھوٹے اور مکّار عالموں نے ہمیں پہنچائی
ہیں اور جس سے آپ بھی اور ہم بھی واقف ہیں ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کے اُصول
کو سُنایا پڑھا جائے ، آپ کے ان قوانین کو پڑھنے سے ہم ان کا مضحکہ اُڑانے پر مجبور
ہونگے اور یہ قوانین اور مقنّن اور وہ لوگ جو ان بیہودگیوں پر عمل کرتے ہیں سب کے
سب ہماری نظروں میں استہزاء کے قابل ہونگے ، یہی وجہ ہے کہ ہم نے باوجود آپ کے
فرمان کے اپنے مذہب کے اُصول آپ کو لکھوا کر نہیں بھجوائے ، کیونکہ جب ہم آپ کے
باطل اور ناپاک مذہب کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ اس کے اصول کو پڑھا اور سوچا جائے
تو آپ کو چاہیے تھا کہ اپنی دانائی سے کام لے کر تحریر بھجواتے وقت اس معاملے پر غور
کرتے اور اپنے مذہب کو موردِ استہزاء ہوا کہ دل آزاری نہ کراتے ، ہم یہ کیونکر کر سکتے
ہیں کہ اپنے پاک اور مقدّس مذہب کو آپ لوگوں کی جہالت کے سامنے پیش کر کے
اس کی تحقیر کرائیں ؟ لیکن ہم اپنے عقاید کے متعلق آپ کو صرف اتنا بتا دیتے ہیں کہ ہم
ہرگز آپ لوگوں کی طرح عناصر اور سورج اور چاند اور ہوا اور آگ کی پرستش نہیں کرتے
اور زمین اور آسمان پر آپ کے جتنے معبود ہیں ہم ان میں سے کسی کو نہیں مانتے
بلکہ مضبوطی کے ساتھ خدائے واحد و برحق کی عبادت کرتے ہیں جو زمین اور آسمان اور

ان تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے جو اُن کے اندر ہیں ۔۔۔۔ "[1]

[1] ایک اور ارمنی مؤرخ ایلیزے نے مہرنرسی کے فرمان کو بالتفصیل لیکن مختلف شکل میں نقل کیا ہے جس میں مذہبِ زرتشتی کے اصول بالکل سیدھے سادے طور پر بیان کیے ہیں اور عیسائیت کے عقاید پر نکتہ چینی کی ہے، آخر میں شہنشاہ کا یہ حکم تحریر کیا ہے کہ یا تو تم ان اصولوں کی تردید کر دو یا پھر عدالتِ عالیہ کے سامنے پیش ہو، اس کے بعد ایلیزے نے مفصّل طور پر اُس تردید کو نقل کیا ہے جو آرمینیہ کے پادریوں نے اس کے جواب میں لکھی تھی، ہمارے نزدیک لازار فرپی کا بیان فی الجملہ صحیح ہے یعنی یہ کہ آرمینیہ کے پادریوں نے اُس خط سے بالکل تغافل کیا جس میں زرتشتیت کے اصول بیان کیے گئے تھے بلکہ اُسے کھولا بھی نہیں، جب ایسی صورت ہوئی تو پھر ظاہر ہے کہ چونکہ مہرنرسی کا وہ خط ضائع ہو گیا لہٰذا ایلیزے نے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے خط کا مضمون (جس میں زرتشتی عقاید کی شرح ہے) اور اس کی تردید جعلی طور پر خود لکھی، اس کا پہلا حصّہ (یعنی خط کا مضمون) تو اس نے کسی پہلوی کتاب کے یونانی یا ارمنی ترجمے سے لیا اور دوسرا حصّہ (یعنی اس کی تردید) ایسی کتابوں سے اخذ کیا جو عیسائیت کی حمایت میں لکھی گئی تھیں، لیکن با ایں ہمہ مہرنرسی کا وہ جعلی خط جو ایلیزے نے نقل کیا ہے بڑی اہمیت رکھتا ہے نہ صرف اس لیے کہ اس کے ذریعے سے ہمیں اُن زرتشتی عقاید کا پتہ چلتا ہے جو ساسانیوں کے وقت میں رائج تھے بلکہ اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ عیسائی مذہب کے وہ کون سے اصول تھے جو زرتشتیوں کے نزدیک قابلِ نفرت تھے، یہی وہ اختلافِ عقاید ہے جو ہمیں ان مذہبی مناظروں میں نظر آتا ہے جو وقائعِ شہدا کی سریانی کتابوں میں کہیں کہیں تحریر ہوئے ہیں، مثلاً یہ کہ عیسائی لوگ اس عقیدے میں غلطی پر ہیں کہ دنیا میں خیر و شر کا ایک ہی خالق ہے، اور یہ کہ خدا غیور و حسود ہے اور اُس نے درخت سے ایک دانۂ انجیر کے توڑے جانے کی وجہ سے موت کو پیدا کیا اور بنی نوعِ انسان کو اس کے پنجے میں گرفتار کیا، "اس قسم کا حسد انسان اور خدا کے درمیان تو درکنار آدمیوں میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں پایا جاتا"۔ عیسائیوں کا ایک اور غلط عقیدہ یہ ہے کہ خدا جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا اس دنیا میں آیا اور مریم کے بطن سے پیدا ہوا، پھر یہ کہ ان کے روحانی پیشوا لوگوں سے تو یہ کہتے ہیں کہ گوشت کھانا گناہ نہیں ہے لیکن خود کھانے سے انکار کرتے ہیں، شادی کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن خود نہیں کرتے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ روپیہ جمع کرنا گناہ ہے اور فقر و افلاس کو بدرجۂ غایت اچھا سمجھتے ہیں، مصائب کو پسند کرتے ہیں اور خوشحالی سے نفرت رکھتے ہیں، مال و دولت کو حقیر اور دنیاوی جاہ و جلال کو ناچیز سمجھتے ہیں، لباسِ فقیری ان کو مرغوب ہے اور معمولی چیزوں کو قیمتی چیزوں پر فوقیت دیتے ہیں، موت کی تعریف اور زندگی کی مذمت کرتے ہیں، بچوں کا پیدا ہونا معیوب سمجھتے ہیں لیکن ساتھ ہی بانجھ پن پر بھی تأسف کرتے ہیں، وغیرہ، (لانگلوا ج ۲، ص ۱۹۱)

یزدگرد کو جب پادریوں کا یہ جواب پہنچا تو اس نے بڑے بڑے ارمنی خاندانوں کے رؤسا کو بلوا کر قید کر دیا، بقول ایلیزے اُنھوں نے دل میں تو خدا سے یہ عہد کیا کہ اپنے مذہب پر قائم رہینگے لیکن ظاہر یہ کیا کہ ہم نے "بادشاہ کے کفر کو قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے"۔ یزدگرد اُس وقت قبائل کوشان کے خلاف جنگ میں مصروف تھا یعنی وہ قبائل جو قدیم مملکت کوشان کے علاقے پر قابض تھے، اس نے ارمنیوں کی "اس چالاکی پر مطلق کوئی شبہ نہ کیا" اور ان کے منصب اور جاگیریں ان کو واپس کر دیں، صرف چند شاہزادوں کو یرغمال کے طور پر اپنے پاس رکھا، اس کے بعد اس نے سات سو مُغوں کو موبدان موبد کی سرکردگی میں آرمینیہ بھیجا تاکہ وہاں کے لوگوں میں زرتشتیت کی تبلیغ کریں،

اسی زمانے میں یزدگرد نے قبائل چول کے بادشاہ کو جو اقوام ہون سے تعلق رکھتے تھے شکست دی، یہ قبائل گرگان کے شمال میں بودوباش رکھتے تھے، وقائع شہداء میں ان کا ذکر آتا ہے[1] جو علاقہ اس نے فتح کیا اس میں اس نے ایک نیا شہر آباد کیا جس کا نام شہرستانِ یزدگرد رکھا گیا، یہاں وہ چند سال مقیم رہا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس سرحد کے قریب رہے جہاں وحشی قبائل کی غارتگری کا ہمیشہ خطرہ رہتا تھا[2]، اس کے بعد قبائل ہون یا چینوئیت میں سے وہ قبیلے جو کِداری کہلاتے تھے[3] ایران کے مشرق میں علاقۂ طالقان پر حملہ آور ہوئے، یزدگرد کو ان کے ساتھ نبرد آزمائی کرنی پڑی،

---

[1] ہوفمن، ص ۵۰ و ۲۷۷، مارکوارٹ: ایرانشہر ص ۵۶، قبائل چول کا بادشاہ "خاقان چول" کہلاتا تھا اور بلخان میں سکونت رکھتا تھا، [2] ہوفمن ص ۵۰،

[3] اس لیے کہ ان کے بادشاہ کا نام کِدارا تھا،

اس اثناء میں آرمینیہ کے رؤسا نے بغاوت کی اور وہاں کے عیسائی پادریوں نے جہاد کا وعظ کہنا شروع کر دیا، لیکن حسب معمول عالی خاندانوں کی باہمی رقابت کی وجہ سے اُن میں اتحادِ عمل نہ ہوسکا، آرمینیہ کا مرزبان وزگ سیونیکی[1] جو وہاں کے ممتاز ترین شاہزادوں میں سے تھا ایران کا وفادار رہا اور زرتشتی ہوگیا، اس کے بعد کئی سال وہاں خانہ جنگی ہوتی رہی جس کی وجہ سے ملک برباد ہوگیا، باغیوں نے قیصر روم سے مدد مانگی لیکن چونکہ دولتِ بازنطینی اُن دنوں قبائل ہون کے خلاف اپنی سرحد کی حفاظت میں مصروف تھی اس لیے کوئی شنوائی نہ ہوئی لیکن ارمنیوں کی اس حرکت نے حکومتِ ایران کے ساتھ مصالحت کا دروازہ بند کر دیا، ایرانی فوجوں کو شکست ہوئی، وزگ گرفتار ہوگیا اور جبراً دوبارہ عیسائی بنایا گیا، اس کے بعد یزدگرد جس کو کِداریوں کے ساتھ لڑائی میں کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی فوج لے کر آرمینیہ پر چڑھ آیا اور ۴۵۱ء میں ایک زبردست لڑائی میں باغیوں کو شکست دی اور اُن سرغنوں کو جو لڑائی میں مارے نہیں گئے تھے اور ان کے ساتھ تمام سربرآوردہ پادریوں کو گرفتار کر کے ایران لے آیا، وزگ جس کو بجا طور پر ایرانیوں نے بھی اور ارمنیوں نے بھی غدّار سمجھا اور علاوہ غدّاری کے اس نے بہت کچھ لوٹ مار بھی کی تھی مرزبانی سے معزول کیا گیا اور اس کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا گیا، بادشاہ نے ایران انبارگ بد و بہ دین شاپور کو حکم دیا کہ تمام گرفتار شدہ پادریوں کو قتل کرے، اس کے بعد ایرانی مرزبان جو یکے بعد دیگرے آرمینیہ کی حکومت پر مامور ہوتے رہے ملک کی حالت کو

[1] (Vasag of Siunik)

بہتر بنانے کی سرگرم کوشش کرتے رہے، بالآخر یزدگرد کے مرنے کے بعد ارمنیوں کو دوبارہ مذہبی آزادی مل گئی،

شام کے عیسائیوں کو بھی اختلافِ مذہب کی بنا پر کافی مصیبتیں اٹھانی پڑیں، لیکن فی الجملہ عیسائیوں پر جور و عقوبت میں وہ ہمہ گیری نہیں تھی جو ہم شاپور دوم کے عہد میں دیکھتے ہیں، بادشاہِ چول کے خلاف جنگ میں یزدگرد کو عیسائی سپاہیوں کے بارے میں بہت برا تجربہ ہوا چنانچہ اس نے ان سب کو لشکر سے نکال دیا اور طیسفون واپس آکر اس نے حکومت کے چند اعلیٰ افسروں کو حکم دیا کہ مغربی صوبوں میں جتنے سربرآوردہ عیسائی ہیں ان کو قید کر کے اس بات پر مجبور کرو کہ اپنا مذہب چھوڑ دیں، ان اعلیٰ افسروں میں ایک تو تہم یزدگرد تھا جو مغان اندرزبد[1] تھا ایک آذر افروزگرد تھا جو صوبہ ارزنین[2] کا سرو شاوَرز داریگ[3] تھا اور ایک سورین تھا جو صوبہ زابِ صغیر[4] میں بیث گرمائی کا دشتوربہداذ[5] تھا، جو عیسائی قید کیے گئے ان میں سے اکثروں نے اپنا مذہب چھوڑنے سے انکار کیا چنانچہ یہ سب لوگ ۴۴۶ء میں سخت عذاب دے کر مارے گئے، ان مقتولین میں یوحنّان اسقف اعظم بھی تھا، اس سے اگلے سال ایک شخص مسمّی پیثیون جو عیسائی شہداء میں بہت مشہور و معروف تھا عذاب دے کر مارا گیا اور اس کا سر کاٹ کر ایک چٹان پر رکھا گیا جو طیسفون سے مشرق کو جانے والی شاہی سڑک پر واقع تھی، اس شخص نے

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۱۷۶، [2] آرمینیہ کے جنوب میں جھیل وان اور دریائے دجلہ کے درمیانی علاقے کا نام تھا، (مترجم)، [3] عدالتِ عالیہ کا جج (جسٹس)، دیکھو آگے، [4] موصل کے مشرق میں (مترجم)، [5] محکمۂ عدالت کا اعلیٰ افسر، دیکھو آگے،

سکۂ شاہ پیروز

سکۂ یزدگرد دوم

ایران انبارگ بذ ویہ دین شاپور کی مہر کا نگینہ

میڈیا اور وادیِ دجلہ کے درمیان پہاڑی علاقوں میں بحیثیت عیسائی مبلغ بہت بڑی کامیابی حاصل کی تھی[1]

یزدگرد اپنے عہدِ سلطنت کے آخری سالوں میں کِداریوں کے ساتھ جنگ میں مشغول رہا اور ۴۵۷ء میں طبعی موت مرا، اس کے بعد اس کا بڑا بیٹا ہرمزد سوم جو اس سے پہلے سکستان (سیستان) میں شاہی القاب کے ساتھ حکمران رہا تھا تخت پر بیٹھا، لیکن اس کا چھوٹا بھائی پیروز سلطنت کا دعویدار ہوا اور مشرقی صوبوں میں فوج جمع کرکے ہرمزد پر حملہ آور ہوا جو اس وقت رے میں مقیم تھا[2]، دونو بھائیوں کے درمیان جنگ کے دوران میں ان کی ماں جس کا نام دینگ تھا طیسفون میں قائم مقام کی حیثیت سے حکومت کرتی رہی، ایک مُہر اس وقت موجود ہے جس میں اس کی تصویر اور اس کا نام اور لقب "بامبشنان بامبشن" (رانیوں کی رانی[3]) پہلوی حروف میں کھُدے ہُوئے ہیں تصویر میں ملکہ کے سر پر تاج ہے جس کے اوپر گیند کی شکل کی ایک ٹوپی ہے جو ایک چھوٹے سے فیتے کے ساتھ بندھی ہوئی ہے، کان میں ایک بالی ہے جس میں تین موتی پروئے ہوئے ہیں اور گلے میں موتیوں کا ہار ہے، اس کے بالوں کو بہت سی چھوٹی چھوٹی چوٹیوں میں گوندھا گیا ہے جو اس کی گردن

---

[1] ہوفمن، ص ۴۳-۶۸، لابور ص ۱۲۶ ببعد، [2] بعض عربی کتابوں میں جو لکھا ہے (مثلاً طبری ص ۸۷۲) کہ پیروز نے ہیتالیوں کی مدد حاصل کی وہ محض افسانہ ہے جو غالباً پیروز کے بیٹے کواذ کے حالات کی تقلید سے وجود میں آیا، کواذ نے شاہِ ہیتالیان (ہیاطلہ) کے ساتھ اتحاد کیا تھا جس کا ذکر آگے آئیگا، یزدگرد دوم کی وفات کے وقت تک ہیتالی ایران کی سرحد تک نہیں پہنچے تھے، (مارکوارٹ، ایرانشہر، ص ۵۷)، [3] یہ لقب "شاہانشاہ" کی ترکیب کے نمونے پر بنایا گیا ہے اور (بقول ہرتسفلد) اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ دینگ اس عرصے میں شاہی اختیارات رکھتی تھی،

کے گرد لٹک رہی ہیں[1]،

ایرانی روایات میں پیروز کے مذہبی عقاید اور مزدائیت کے متعلق اس کی معلومات کو خوب نمایاں کیا گیا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ علمائے زرتشتی کا وہ چہیتا بادشاہ تھا[2]، اس کے علاوہ ارکانِ سلطنت میں سے ایک نہایت با اقتدار شخص رہام جو خاندان مہران سے تھا اور پہلے اس کا اتالیق بھی رہا تھا اس کی حمایت پر تھا، رہام نے ہرمزد پر لشکرکشی کر کے اس کو شکست دی، ہرمزد گرفتار ہوا اور (بقول ایلیزے) رہام نے اس کو مروا کر پیروز کو تخت نشین کیا[3]،

شاہ پیروز کا عہد سلطنت (۴۵۹ء - ۴۸۴ء) کچھ زیادہ خوشحالی کا زمانہ نہ تھا، شمالی اور مشرقی سرحدوں کی حفاظت کی خاطر جنگ مسلسل جاری رکھنی پڑی اور خشک سالی وجہ سے ایک شدید اور طویل قحط پڑا جس نے جنگ کی مصیبتوں پر اور اضافہ کیا[4]، ایرانی روایات میں اُن تدابیر کی یاد محفوظ ہے جو پیروز نے اس قحط کی روک تھام کے لیے اختیار کیں، ایک تو اُس نے خراج کا بہت سا حصّہ معاف کر دیا اور دوسرے قحط زدوں کو غلّہ تقسیم کرنے کا انتظام کیا[5]، ۴۸۵ء میں ایک عیسائی اسقف بارصَوما نے جاثلیق اکاس کو ایک خط لکھا جس میں اس قحط کا ذکر موجود ہے اور لکھا ہے کہ دو سال تک شمالی صوبوں کے لوگ اس میں مبتلا رہے[6]،

---

[1] مورٹمن (Z. D. M. G.) ج ۲۸، ص ۲۰۱ ببعد، پای گلی، ص ۵۷ و فرہنگ نمبر ۲۶۲ و ۶۲۴، [2] طبری ص ۸۷۲، [3] ایلیزے طبع لانگلوا، ص ۲۴۸، [4] بقول عربی مؤرّخوں کے یہ قحط سات سال تک رہا، [5] طبری ص ۸۷۳، [6] لابور، ص ۱۴۴،

پیروز کے عہد میں یہودیوں پر بہت تعدی کی گئی، اس کا باعث یہ ہوا کہ ملک میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ اُنھوں نے دو زرتشتی موبدوں کو زندہ کھال کھینچ کر مار ڈالا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ سختی شہر اصفہان کے یہودیوں پر ہوئی جہاں اُس زمانے میں اُن کی کثرت تھی جیسا کہ آج بھی ہے[1]،

عیسائی دنیا اُس زمانے میں ایک اُصولی مسئلے پر سخت جھگڑے میں مبتلا تھی، نسطوری فرقہ اس بات کا قائل تھا کہ مسیحؑ کی دو جُدا جُدا فطرتیں ہیں ایک بشری اور ایک ربّانی، برخلاف اس کے دوسرا فرقہ جو یک فطری[2] (یعقوبی) کہلاتا تھا اس بات کو مانتا تھا کہ یہ دونو فطرتیں اُس کی شخصیت میں باہم ممزوج ہیں، یہ دونو فرقے آریوسیوں[3] کے خلاف ایک دوسرے کے حامی تھے لیکن باوجود اس کے آپس میں ایک دوسرے سے سخت کینہ رکھتے تھے، یہ مذہبی جھگڑا بالخصوص الرُّہا[4] کے مکتب میں جہاں ایران کے عیسائی مذہبی تعلیم پاتے تھے نہایت شدید تھا، اس مکتب کا ایک نامور استاد ایبس تھا جو ایک پُرجوش نسطوری تھا، جب وہ ۴۵۷ء میں مرگیا تو یک فطریوں کو غلبہ ہوگیا اور نسطوری علماء الرُّہا سے نکالے گئے، ان میں بعض نوجوان مدرّس تھے جن کے مخالفوں نے ان کے توہین آمیز نام رکھ چھوڑے تھے مثلاً کسی کا نام "دمڑی دبانے والا" (یعنی کنجوس)، کسی کا نام "نالی کا پانی پینے والا"، کسی کا "چھوٹا سؤر" وغیرہ، ایک کا نام "اس قدر فحش تھا کہ اس کو ہم

---

[1] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۱۱۸، ح ۴، حمزہ اصفہانی ص ۵۶، [2] (Monophysites)
[3] یعنی آریوس (Arius) کے پیرو جو چوتھی صدی میں اسکندریہ کا بشپ تھا اور اس فرقے کا بانی، (مترجم)، [4] (Edessa)

لحاظ کے مارے لکھ بھی نہیں سکتے"۔ سب سے زیادہ پُرجوش بارصوما تھا جس کا نام "گھونسلوں میں تیرنے والا" مشہور تھا، ۴۴۹ء میں اُس نے ایک جلسے میں جو تاریخ میں "رہزنیٔ افیس[1]" کے نام سے مشہور ہے نسطوری عقاید کی اس جوش کے ساتھ حمایت کی کہ پادریوں نے اس کے اخراج کا مطالبہ کیا، ان میں سے کئی مدرّس ایران میں اسقف کے عہدے پر مامور ہوئے، اُن کے یک فطری مخالفوں نے اُن پر ہر قسم کی خیانت اور فسق و فجور کے الزام لگائے، بارصوما بظاہر ایک جاہ طلب اور سازشی آدمی تھا لیکن بہرحال وہ ایک ممتاز شخصیت رکھتا تھا اور اس کو ایک حد تک شاہ پیروز کی حمایت حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی۔ یقیناً پیروز کو ان جھگڑالو پادریوں کے ساتھ کوئی اُنس نہ تھا اور نہ اس کے دل میں ان کے مذہب کی کوئی توقیر تھی لیکن وہ دیکھ رہا تھا کہ نسطوری فرقے سے ایک سیاسی فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے کیونکہ ان کی وجہ سے ایران کے عیسائیوں کو اپنے اُن ہم مذہبوں کے ساتھ جو مغربی سرحد کے پار رہتے تھے تنافر پیدا ہو سکتا تھا، جب قیصر زینو[2] نے ایک منافقانہ مذہبی پالیسی اختیار کی یعنی بظاہر غیر جانبدار بنا رہا اور دل میں یک فطری عقاید رکھتا تھا تو بارصوما نے جس کو نصیبین کا بشپ اور سرحدی فوجوں کا انسپکٹر بنا دیا گیا تھا چند اور پادریوں کی تائید سے نصیبین میں ایک کونسل منعقد کرائی جس میں یہ قرار پایا کہ جاثلیق بابووائی کو جس کی نالائقی مسلّم ہو چکی تھی معزول کیا جائے، بابووائی نے اس

[1] اس لیے کہ یہ جلسہ شہر افیس (Ephesus) میں منعقد ہوا۔ (مترجم)

[2] (Zeno) (عہدِ سلطنت ۴۷۴ء - ۴۹۱ء - مترجم)

کا بدلہ یوں لیا کہ بارصوما اور اس کے ساتھیوں کی تکفیر کی، یہ جھگڑا بڑھتا گیا یہاں تک کہ بابوِ وائی کو قید کیا گیا اور پھر ایک انگلی سے لٹکا کر اُس کو اتنے کوڑے مارے گئے کہ وہ مرگیا، اس کے بعد بارصوما کا پُرانا رفیق اکاس ("ومڑی دبانے والا") جاثلیق مقرر ہُوا لیکن ان دونو کے درمیان بھی پُوری موافقت نہ تھی چنانچہ جب اکاس نے سلوکیہ میں ایک کونسل منعقد کرانی چاہی تو بارصوما نے کئی ایک حیلے بہانے کرکے اس میں مدد دینے سے انکار کیا[1]۔

پانچویں صدی میں دولتِ بازنطینی وحشی قبائل کے حملوں کی روک تھام میں مشغول رہی اور اِس لیے اس کی طرف سے ایران کو چنداں خطرہ نہ تھا، لیکن ساتھ ہی (جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں) سلطنتِ ساسانی پر بھی بہی حملے ہو رہے تھے[2]۔

پیروز نے اپنے عہد کے آغاز میں اس بات کی کوشش کی کہ کِداریوں کو خراج ادا کرنے پر مجبور کرے لیکن ان کے بادشاہ کِدارا نے انکار کیا لہذا جنگ دوبارہ شروع ہو گئی، لکھا ہے کہ اس کے بعد شاہ ایران نے کِدارا کے بیٹے اور جانشین گُنگخاس کے ساتھ صلح کرنی چاہی اور یہ تجویز کی کہ اپنی بہن کی شادی اس کے ساتھ کر دے[3]، بہرکیف جنگ جاری رہی، پیروز نے قیصر روم سے مطالبہ کیا کہ روپے سے اس کی مدد کرے "تاکہ وہ

---

[1] لابور، ص ۱۳۱-۱۴۴، [2] دیکھو مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۵۵ ببعد، [3] یہ روایت غالباً ایک افسانہ ہے، کہا جاتا ہے کہ پیروز نے اپنی بہن کی بجائے کوئی اور عورت بھجوا کر اس کو دھوکا دیا، ایران میں یہ ایک مقبول قسم کی روایت ہے، چنانچہ یہی قصہ خسرو اوّل اور خاقانِ ترک کے درمیان بھی بیان کیا جاتا ہے، (مارکوارٹ، ایرانشہر، ص ۵۷، ح ۴)،

کداریوں کے ساتھ جنگ کو کامیابی کے ساتھ ختم کرسکے اور ساتھ ہی اُن وحشی قبائل کے حملوں کو روک سکے جو قفقاز کے دروں میں سے آئبیریا اور آرمینیہ میں گھس آئے تھے، لیکن باوجود بار بار مطالبہ کرنے کے کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوا، پھر بھی پیروز نے کداریوں کو شکست دی اور وہ کنگخاس کی رہنمائی میں ہجرت کرکے گندھارا میں جاکر مقیم ہوگئے، لیکن اُن کی بجائے ایک اور وحشی قوم یعنی ہپتالیان[1] چین کے صوبہ کانسو سے نکل کر طخارستان کے علاقے میں جس کو کداریوں نے خالی کیا تھا آن گھسی، ہپتالی جن کو "سفید ہون" بھی کہا جاتا ہے غالباً قبائل ہون میں سے نہ تھے،[2] بقول پروکوپیوس وہ قبائل ہون سے مختلف تھے بلحاظ اس امر کے کہ ایک تو ان کی رنگت سفید تھی اور دوسرے وہ زیادہ متمدّن تھے، پیروز ان نئے حملہ آوروں کے ساتھ جنگ آزما ہوا لیکن شکست کھا کر گرفتار ہوگیا، مجبوراً اس کو شہر طالقان جو کداریوں کے ساتھ جنگ سے پہلے سرحدی شہر تھا اُن کے حوالے کر دینا پڑا اور یہ شرط بھی منظور کرنی پڑی کہ وہ آیندہ کبھی اس حد سے آگے نہیں بڑھیگا، اس کے علاوہ اُس نے بطور فدیہ ایک بھاری رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا اور دو سال کی مدّت تک یعنی جب تک کہ یہ رقم ادا نہ ہوئی اس

[1] ایرانی بندہشن میں ہیفتالاں ہے (طبع انکلساریا ص ۲۱۵)، ارمنی زبان میں "ہپتتل" فارسی میں "ہیتال" اور عربی میں "ہیطل"، ہپتالیوں کے بعض سکّے موجود ہیں جن پر کوشانی ہپتالی حروف لکھے ہیں جو یونانی ابجد سے مأخوذ ہیں یا پھر ہندوستان کی ایک زبان جو براہمی کہلاتی ہے ان پر لکھی پائی جاتی ہے (دیکھو روئداد پرشین اکیڈمی سنہ ۱۹۳۰ع ص ۱۴۱ ببعد)

[2] بقول مارکوارٹ (ایرانشہر، ص ۵۵، ح ۸) پہلے قبائل چینوئیت "سفید ہون" کے نام سے موسوم ہوئے بعد میں یہ نام ہپتالیوں کی طرف منتقل کر دیا گیا،

کا بیٹا کواذ شاہِ ہپتالی کے دربار میں یرغمال کے طور پر رہا[1]۔ کچھ عرصہ بعد پیروز نے سپاہ بد بہرام کے سمجھانے بجھانے کے باوجود ہپتالیوں کے بادشاہ کے ساتھ لڑائی شروع کی[2] جس کا نتیجہ اس کے حق میں بہت مضر ہوا۔ ۴۸۴ء میں ایرانی فوج جو صحرائی علاقے میں بڑھتی چلی گئی دشمن کے ہاتھوں بالکل تباہ ہوگئی، پیروز خود بھی مارا گیا اور اس کی لاش کا پتا نہ چلا، عربی اور فارسی مؤرخوں کی روایت کے مطابق اس کی موت اس طرح ہوئی کہ وہ اپنے بہت سے ہمراہیوں سمیت ایک گڑھے میں جا گرا جو ہپتالیوں کے بادشاہ نے کھدوایا تھا۔ یہ روایت خواہ وہ صحیح ہو یا غلط بہت پرانی ہے اس لیے کہ لازار فرپی نے بھی جو ایک معاصر مصنف تھا اس کو بیان کیا ہے[3]، پیروز کی ایک بیٹی شاہ ہپتالی کے ہاتھ لگی جس کو اس نے اپنے حرم میں داخل کرلیا، اس کے بعد ہپتالی سلطنتِ ایران

[1] جوشوا اسٹائی لائٹ کے قول کے مطابق پیروز دو دفعہ شکست کھا کر ہپتالیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوا لیکن یہ بیان غالباً غلط ہے۔ [2] عربی اور فارسی تواریخ میں جن کا منبع خوذای نامگ ہے اس بادشاہ کا نام اَخشنوار، اخشوان یا خُشنُواز ہے اور یہ مختلف شکلیں عربی حروف میں اصل نام کے بگڑ جانے سے پیدا ہوئی ہیں، ایرانی بُندہشن میں (طبع انکلساریا، ص ۲۱۵) بحروف پہلوی اس نام کی شکل خشنُواز ہے لیکن چونکہ بندہشن میں یہ نام ایک ایسے باب میں آیا ہے جس کے مطالب بیشتر عربی اور فارسی تصانیف پر مبنی ہیں لہذا وہ بھی قابل اعتماد نہیں (دیکھو کرسٹن سین کیانیان، ص ۶۱ - ۶۵)، اغلب یہ ہے کہ ان تمام بگڑی ہوئی شکلوں کے پردے میں سغدی لفظ خشیوَن چھپا ہوا ہے جس کے معنے "بادشاہ" کے ہیں (دیکھو میولر: متون سغدی ج ۱ ص ۱۰۸، حاشیہ)، پیروز اور ہپتالیوں کے درمیان جنگ کے متعلق بعض مقبول عام افسانے مشہور ہیں مثلاً ایک یہ کہ پیروز نے جب اس بات کا حلف اٹھایا کہ وہ کبھی اُس حد کو عبور نہیں کریگا جو دونو سلطنتوں کے درمیان مقرر کی گئی ہے تو اس کو فسخ کرنے کے لیے اس نے یہ حیلہ کیا کہ پتھر کے مینار کو جو حدبندی کے لیے گاڑا گیا تھا اکھڑوا دیا اور حکم دیا کہ پچاس ہاتھی اور تین سو آدمی اس کو گھسیٹتے ہوئے آگے آگے لے چلیں، اس کے علاوہ اور اور افسانے بھی ہیں جن کے لیے دیکھو عیون الاخبار لابن قتیبہ ج ۱، ص ۱۱۷ بعد اور طبری ص ۸۷۴ و ۸۷۵، [3] طبع لانگلوا، ج ۲ ص ۳۵۱،

کے اندر گھس آئے اور بہت سے صوبوں اور شہروں پر جن میں مرو الروذ اور ہرات بھی شامل تھے قابض ہوگئے اور ایرانیوں پر اُنھوں نے سالانہ خراج عائد کیا[۱]۔

اس زمانے میں ایران کے اُمرا میں سب سے زیادہ طاقتور اور بارسوخ دو تھے، ایک تو زرمِہر یا سوخرا جو قارِن کے اعلیٰ خاندان سے تھا[۲]۔ یہ شخص اصلاً شیرازی تھا اور صوبہ سکستان کی گورنری پر مامور تھا اور ہزارُفت کے پُر افتخار لقب سے ملقّب تھا[۳]، دوسرے شاپور جو رَے کا رہنے والا تھا اور خاندان مہران سے تعلّق رکھتا تھا[۴] جو کہ رتبے میں قارِن سے ہرگز کمتر نہیں تھا، لازار فرپی لکھتا ہے کہ یہ دونو سردار بڑی بڑی فوجوں کے ساتھ آئبیریا اور آرمینیہ میں جنگ میں مشغول تھے جبکہ اُنہیں پیروز کے مرنے کی اطلاع پہنچی، خبر سنتے ہی وہ طیسفون کی طرف بھاگے تاکہ نئے بادشاہ کے انتخاب میں اپنا اثر ڈال سکیں، پیروز کا بھائی ولاش (یا بلاش) بادشاہ منتخب ہُوا جس کے عہد میں زرمہر ایران کا حقیقی فرمانروا تھا، اس نے وہاں ماہیکونی کے ساتھ جو آرمینیہ کے باغیوں کا سرغنہ تھا صلح کرلی، ارمنیوں نے اس موقع کا فائدہ اٹھایا اور وہاں نے جو شرائطِ صلح منظور کرائیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران کے زرتشتیوں کی نسبت عیسائی زیادہ متعصّب تھے، اس

[۱] دیکھو مارکوارٹ: ایرانشہر ص ۶۰ - ۶۳، [۲] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوخرا خاندانِ قارِن کی اُس شاخ کا نام تھا جس سے زرمہر تعلّق رکھتا تھا۔ (دیکھو نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۱۲۰ ح ۳ و ص ۱۳۰ ح ۲)، عربی اور فارسی کتابوں میں یہ نام مختلف شکلوں میں دیا ہے: سوخرا، سوخران، سؤاخر، سوفرای وغیرہ، اس کی پہلوی سوخرگ یا شاید سوخرای ہے (دیکھو نولڈکہ کا مضمون بعنوان "مطالعات ایرانی" در روئداد ویانہ اکیڈیمی ۱۸۸۸ء ص ۱۳ ۱۴ بعد) [۳] طبری، ص ۸۷۸، [۴] لانگلوا، ج ۲، ص ۳۲۶، لانگلوا، ص ۳۵۲، طبری ص ۸۸۵،

نے نہ صرف یہ بات منوائی کہ عیسائی مذہب کو کامل آزادی ہو بلکہ یہ بھی کہ آرمینیہ سے زرتشتیت کو بالکل خارج کیا جائے اور تمام آتشکدے مسمار کر دیے جائیں[1]، یہ رعایات حاصل کر کے وہاں زرمہر کا حامی و مددگار بنا اور دونو نے مل کر زریر کو جو پیروز اور ولاش کا بھائی تھا اور سلطنت کا دعویدار بن بیٹھا تھا مغلوب کیا، زریر پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا جہاں وہ گرفتار ہو کر مارا گیا[2]۔ وہان کو آرمینیہ کا مرزبان بنایا گیا،

موقع نہایت مشکل آن پڑا تھا، بادشاہِ ہیاطلہ (ہپتالیان) کے مقابلے میں سلطنت ایران مغلوب و خوار ہو چکی تھی، اسی مناسبت سے ایرانی سپہ سالار گشنسپ داذ ملقّب بہ نخوارگ[3] نے جس کو زرمہر نے ارمنیوں کے ساتھ صلح کی بات چیت کرنے کے لیے بھیجا تھا دوران گفتگو میں وہان سے کہا کہ "اس نے (یعنی پیروز نے) اپنی ایسی وسیع اور آزاد سلطنت کو ہپتالیوں کے پنجے میں اس طرح دے دیا ہے کہ جب تک ان کا تسلّط قائم رہیگا ایران کو کبھی ان کی زبردست گرفت سے نکلنے کی امید نہیں ہو سکتی[4]"۔ سپاہ کا منتخب ترین حصّہ تباہ ہو چکا تھا اور بادشاہ کے پاس فوج کی تنخواہ کے لیے روپیہ نہ تھا، اپنی خفّت کو مٹانے کے لیے ایرانیوں نے ایک خیالی جنگِ انتقام کی روایت تیار کی ہے اور بتلایا ہے کہ زرمہر نے شاہِ ہپتالیان سے بدلہ لیا اور آخر میں جو صلحنامہ قرار پایا وہ ایرانیوں کے لیے باعث عزّت تھا یعنی شاہِ ہپتالیان نے تمام

---

[1] لانگلوا، ج، ص ۱۳۶۔ [2] ایضاً ص ۳۴۳ بعد، مؤرخ پروکوپیوس نے ولاش اور جاماسپ (پسر پیروز) میں التباس کر دیا ہے اور غلطی سے کواذ کو پیروز کا جانشین بتلایا ہے،
[3] دیکھو اوپر، ص ۱۶۔ [4] لازار طبع لانگلوا، ج ۲، ص ۳۵۷،

مالِ غنیمت جو پیروز پر فتح پا کر حاصل کیا تھا واپس کر دیا اور اس کی بیٹی کو بھی واپس بھجوا دیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بیٹی واپس نہیں گئی بلکہ شاہ مذکور کی اس سے ایک لڑکی ہوئی جو بعد میں کواذ اوّل بادشاہ ساسانی کے ساتھ بیاہی گئی۔[1]

ولاش بظاہر ایک باہمت آدمی تھا اور دل سے اپنی رعایا کی بہبودی چاہتا تھا، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب کسی کسان کی کھیتی ویران ہو جاتی تھی تو وہ گاؤں کے دہقان (نمبردار) کو سزا دیتا تھا کہ کیوں اس نے کسان کی مدد نہیں کی اور وہ بچارا ذریعۂ معاش نہ ہونے کی وجہ سے ہجرت کر جانے پر مجبور ہوا۔[2] عیسائی مصنّف[3] اس کے حلم اور اس کی شرافت نفس کی بھی تعریف کرتے ہیں، لیکن باوجود ان خوبیوں کے وہ ایسا بادشاہ نہ تھا کہ جس کا وجود سلطنت کے وقار کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے مفید ہوتا، امراء میں بے اطمینانی بڑھتی گئی[4] یہانتک کہ چار سال کی حکومت کے بعد ولاش تخت سے اتارا گیا

---

[1] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۱۳۰، ح ۳، معاصر مصنّفین کے ہاں اس جنگ انتقام کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔ [2] طبری، ص ۸۸۳، [3] مثلاً میکائیل سریانی، ترجمہ فرانسیسی از شابو، ج ۲، ص ۱۵۱،
[4] سریانی تاریخ منسوب بہ جوشو‌آ اسٹائی لائٹ میں لکھا ہے کہ ولاش کے خزانے میں فوج کی تنخواہ کے لیے روپیہ نہ تھا اس کے علاوہ اس نے علمائے مذہب کو بھی ناراض کر رکھا تھا کیونکہ وہ "زرتشتی قوانین کو منسوخ کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا اور شہروں میں حمّام بنوانا چاہتا تھا" ہم نے اپنی کتاب "عہد شاہ کواذ" (ص ۹۳، ح ۲) میں حمّام بنوانے کی روایت کو مشکوک قرار دیا ہے اگرچہ یہ مسئلہ اس زمانے میں واقعیت سے مبرّا نہ تھا، سٹائی لائٹ کی کتاب میں لکھا ہے کہ کواذ نے جب شہر آمدہ کو فتح کیا تو وہاں رومی حمّاموں کو دیکھ کر حکم دیا کہ اسی نمونے کے حمّام ایران کے شہروں میں بنوائے جائیں، زرتشتیوں کے لیے گرم پانی سے نہانا گناہ ہے (ارداگ ویراز نامگ، ص ۱۸)، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساسانی اوستا میں گرم پانی سے غسل کرنے کی اجازت دی گئی تھی بشرطیکہ آگ کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لیے خاص خاص احتیاطیں کی جائیں (دین کرد، کتاب ہشتم، ۲۷، ۱)۔

اور اندھا کر دیا گیا، اس کے بعد امراء نے پیروز کے بیٹے کواذ کو بادشاہ بنایا،[1] یہ واقعہ ۴۸۸ء کا ہے، اس انقلاب کا سب سے بڑا محرک یقیناً زرمہر تھا[2] جس کے پیش نظر غالباً بعض سیاسی مصلحتیں تھیں، کواذ چونکہ اپنے باپ پیروز کی شکست کے بعد شاہ ہپتالیان کے پاس کئی سال بطور یرغمال رہا تھا لہذا اس کے تعلقات ہپتالیوں کے ساتھ خوشگوار تھے اور اس بات کی امید تھی کہ ان لوگوں کی طرف سے جو دباؤ ایرانیوں پر ڈالا جا رہا تھا اس سے نجات ہو جائیگی، بظاہر کواذ کی تخت نشینی کے بعد ایرانیوں اور ہپتالیوں کے درمیان کشمکش میں تخفیف ہوگئی اگرچہ ایران بدستور خراج ادا کرتا رہا[3]

ولاش کے عہد حکومت میں بارصوما کو دربار شاہی میں تقرب حاصل رہا، اس کو بحیثیت سفیر قسطنطنیہ بھیجا گیا تاکہ ولاش کی تخت نشینی کا اعلان کرے، واپسی کے وقت چونکہ قیصر نے سرحد کے بعض معاملات کو سلجھانے کا

---

[1] خوزای نامگ کے حوالے سے ایک روایت ہے جس سے ایسا پایا جاتا ہے کہ کواذ اپنی تخت نشینی کے وقت بچہ تھا لیکن یہ صحیح نہیں ہے، ملالاس اور فردوسی کا قول ہے کہ وہ تقریباً چالیس سال حکومت کرنے کے بعد اسّی یا بیاسی برس کی عمر میں فوت ہوا، (نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۱۴۳ ح ۱)، [2] دینوری فردوسی، [3] بقول پروکوپیوس ایران پر ہپتالیوں کا تسلط دو برس رہا اور اس مدت کے بعد کواذ کو اس قدر قوت حاصل ہوگئی کہ اس نے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا، پروکوپیوس نے (جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں) ولاش کے چار سالہ عہد حکومت کو نظر انداز کیا ہے، لیکن درحقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایران خسرو اول کے زمانے تک ہپتالیوں کو خراج ادا کرتا رہا اس لیے کہ ولاش، کواذ اور خسرو اول کے بعض چاندی کے سکے برآمد ہوئے ہیں جن پر کوشانی ہپتالی زبان کے حروف کندہ ہیں، مارکوارٹ کا خیال ہے کہ یہ سکے خاص طور پر ہپتالیوں کو خراج ادا کرنے کے لیے بنوائے گئے تھے، (ایرانشہر ص ۶۲ - ۶۳)، نیز مقابلہ کرو ینکر (Junker) کا مضمون بہ عنوان "ہپتالی سکوں کے نقوش" (بزبان جرمن در روئداد پرشین اکیڈیمی، ۱۹۳۰ء ص ۶۵۷ ببعد)،

کام اس کے سپرد کر دیا تھا لہذا اس کو ایک نیا عذر ہاتھ آیا کہ وہ اُس جلسے میں شریک نہ ہو سکے جس کو اکاس نے منعقد کرایا تھا ، با ایں ہمہ جلسہ سلوکیہ میں منعقد ہوا لیکن صرف بارہ پادری اس میں شریک ہوئے جن میں سے بعض بہت دُور سے چل کر آئے تھے مثلاً گبرئیل جو ہرات کا بشپ تھا ۔ اس جلسے میں تین بڑے اہم قانون پاس ہوئے ، ایک تو یہ کہ نسطوری مذہب ایران کے عیسائیوں کا واحد مذہب قرار پایا ، دوسرے یہ کہ مراسم مذہبی کے ادا کرانے میں راہبوں کو پادریوں کی ہمسری کرنے سے منع کر دیا گیا ، تیسرے یہ کہ اساقفہ کے لیے اس بات کو ممنوع قرار دیا گیا کہ وہ مجرّد رہنے کا عہد کریں کیونکہ تجرّد صرف ان لوگوں کے لیے جائز ہے جو خانقاہوں میں مقیم ہوں ، یہ آخری قانون مزدائی طریق زندگی کی طرف اقدام کا مترادف تھا اس لیے کہ مزدائیوں کے نزدیک تجرّد ایک نہایت نفرت انگیز چیز ہے ، بارصوما نے شاہ پیروز کی خواہش کے مطابق پہلے ہی سے " ایرانیوں کی طرح " شادی کر رکھی تھی ، سلوکیہ کے جلسے میں تحریم تجرّد کی تائید میں یہ بھی کہا گیا کہ یہ تہذیب و شائستگی کا تقاضا ہے کیونکہ " تجرّد کی اس دیرینہ رسم کی وجہ سے بدچلنی اور بے حیائی کو جو فروغ ہوا ہے اُس پر اغیار ہمارا مضحکہ اڑاتے ہیں "۔ اغیار سے یہاں ایرانی مراد ہیں ،

ایک اور چیز جس نے مشرقی اور مغربی عیسائیت کے درمیان افتراق پیدا کیا وہ یہ تھی کہ نصیبین میں پادریوں کی تعلیم کے لیے ایک نیا مکتب قائم کیا گیا ، چونکہ الرّہا کے مکتب میں نسطوری بدعت کا عمل دخل ہو گیا تھا

اس لیے قیصر زینو نے اس کو بند کر دینے کا حکم دے دیا ، نصیبین کا مکتب اس کے بعد بار صوما نے قائم کیا ، علّامہ نارسس[1] ملقب بہ "ابرص" کو اس مکتب کا رئیس بنایا گیا اور اس وقت سے وہ نسطوری مذہب کا مرکز بن گیا ، بار صوما اور جاثلیق اکاس دونو ۴۹۵ء میں فوت ہوئے ، اُن کی وفات سے ایران کی عیسائیت کا ایک نہایت اہم دور ختم ہُوا[2] ،

چوتھی اور پانچویں صدی میں ایران کے سرکاری مذہب یعنی زرتشتیت اور عیسائیت کے درمیان روابط کو معیّن کرنے کے لیے ہم سخاؤ کے بعض افادات کو یہاں نقل کرتے ہیں[3] : "سلطنت ساسانی میں عیسائیت کے ساتھ ہمیشہ رواداری کا سلوک ہوتا رہا یہاں تک کہ جور و تعدّی کے شدید ترین زمانے میں بھی یہ رواداری ملحوظ رہی اگرچہ شہروں اور دیہاتوں میں بعض وقت عیسائی جماعتوں پر حکومت کے بدنیّت افسروں کی طرف سے دست درازی ہوتی رہتی تھی ، پایۂ تختِ سلطنت میں حکومت کی آنکھوں کے سامنے مشرقی عیسائیوں نے ۴۱۰ء اور ۴۲۰ء کی کانفرنسوں میں اپنے مذہب کا دستور اساسی معیّن کیا اور یہ بات قابلِ توجّہ ہے کہ ان کانفرنسوں میں قیصر روم کے دو نمایندے بھی شریک کار تھے یعنی میّا فارقین کا بشپ مارُوثا اور آمدہ کا بشپ اکاس[4] ، افرات نے حالانکہ اپنے مواعظ کو شاپور دوم کے عہد میں لکھا جو کہ عیسائیوں پر جور و تعدّی کا بدترین زمانہ

---

[1] (Narses) [2] لابور ، ص ۱۴۳ - ۱۵۲ ،

[3] افادات دارالعلوم السنۂ شرقیہ (بزبان جرمن) ، ج ۱۰ حصۂ دوم ص ۷۲ ،

[4] اس اکاس کے متعلق دیکھو لابور ص ۸۹ ، ۹۳ ، ۱۰۱ ببعد ،

تھا لیکن ان کے مطالعہ سے ہرگز یہ پتہ نہیں چلتا کہ اُس زمانے میں عیسائی مذہب کے مراسم حسب معمول ادا نہیں ہو رہے تھے یا یہ کہ ان کے ادا کرنے میں کوئی چیز مانع تھی"۔ تعدّی جس قدر بھی تھی اس کا ہدف علمائے مذہب تھے ورنہ یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ عام عیسائیوں کو ترکِ مذہب پر مجبور کیا جاتا تھا، بڑے پیمانے پر جور و عقوبت کا اجراء بہت شاذ و نادر ہوُا اور عیسائی لوگ تقریباً ہمیشہ اپنے پادریوں اور اپنے جاثلیق کی روحانی ہدایت میں امن و اطمینان کی زندگی بسر کرتے رہے،

وقائع شہداء جو سریانی زبان میں لکھے گئے ہیں ہمارے لیے خاص دلچسپی کا باعث ہیں اس لیے کہ ان میں اُس زمانے کے قانونِ فوجداری اور محکمۂ عدالت کی کارروائی کے متعلق معلومات درج ہیں، ڈاکٹر لابور کی عالمانہ تصنیف کی مدد سے چوتھی اور پانچویں صدی کے بڑے بڑے مذہبی مناقشات کو بیان کر چکنے کے بعد ہم اس بات کو طبعی خیال کرتے ہیں کہ مضمون ہذا (یعنی قانون فوجداری اور محکمۂ عدالت) کو واضح کرنے کے لیے جو اطلّاعات میسّر ہیں ان کو ہم یکجا کر کے یہاں لکھیں،

صیغۂ عدالت کا رتبہ ایران میں بالعموم بہت بلند رہا ہے، ہخامنشیوں کے زمانے سے برابر اس بات کا ثبوت ملتا چلا آرہا ہے کہ بادشاہوں نے ہمیشہ حکّام عدالت کی دیانتداری اور ان کے اختیارات کے حسنِ استعمال کی نگرانی بڑے اہتمام کے ساتھ کی ہے، ساسانیوں کے زمانے میں بھی جج

کا عہدہ بڑی عزت کا عہدہ تھا اور صرف وہ لوگ جج مقرر ہوتے تھے جو تجربہ کار اور ایماندار ہوں اور جنھیں کسی مشورے کی حاجت نہ ہو، رومیوں کے اس دستور کی ہنسی اڑائی جاتی تھی کہ عدالت میں جاہل قاضیوں کے پیچھے قانون دان اور خوش بیان لوگ بٹھائے جاتے تھے تاکہ قانونی امور میں اپنا مشورہ دیں[1]،

ہم اوپر دیکھ آئے ہیں کہ ملکی عہدوں میں سے حاکم عدالت کا عہدہ (جس کے فرائض میں امراء کے درمیان ثالث کا کام انجام دینا تھا) منجملہ اُن عہدوں کے تھا جو سات ممتاز خاندانوں میں متوارث تھے[2]، لیکن چونکہ دین پارسی کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ مذہب، اخلاق اور قانون ایک دوسرے کے ساتھ لاینحل طریقے پر وابستہ ہیں لہذا عدالتی اختیارات لازمی طور پر علمائے مذہب کے ہاتھ میں ہونے چاہئیں اور بالخصوص اس لیے بھی کہ تمام دنیاوی اور دینی علوم پر ان لوگوں کا قبضہ تھا، یہی وجہ ہے کہ ججوں کا ذکر (جن کو داذوَر کہا جاتا تھا) ہمیشہ دستوروں، موبدوں اور ہیربدوں کے ساتھ ساتھ آتا ہے، تمام داذوروں کا رئیس یا چیف جج جس کو "قاضی الممالک" کہنا چاہیے شہر داذور یا داذورِ داذوران کہلاتا تھا[3]،

---

[1] امیان مارسیلینوس، جزء ۲۳، باب ۶، ص ۸۲، کتاب دین کرد (ج ۸، باب ۲۰، ص ۴۷ بحوالۂ نکاذم نسک) میں بھی لکھا ہے کہ جج کا عہدہ اُس شخص کے لیے ہونا چاہیے جو قانون سے واقف ہو، ہُسپارم نسک میں زیادہ مفصل طور پر جج کے فرائضِ عدالت اور ان کے متعلق احکامِ مذہبی پر بحث ہے،
[2] دیکھو اوپر ص ۱۳۸، [3] دیکھو نواڈیا کا مضمون بہ عنوان "عہد ساسانی کی ایک دوستانہ گپ شپ" (روئداد انجمن مستشرقین منعقدہ روم)،

ایک اور عہدہ دار آئین بذ تھا یعنی گویا "رئیس محافظین آئین و آداب" جس کے متعلق ایسا پایا جاتا ہے کہ جج کے بعض فرائض اس کو انجام دینے پڑتے تھے[۱]، ہر ضلع کی کچہریاں ایک قاضیِ شرع کے ماتحت ہوتی تھیں جس کا فرض اس بات کی نگرانی کرنا تھا کہ عدل و انصاف کا کام تسلّی بخش طور پر ہوتا رہے، اس کی نگرانی صوبے کے اعلیٰ افسروں کی عدالت پر بھی حاوی تھی، اس کے علاوہ ہر ضلع میں بعض اور بھی اونچے درجے کے حکّامِ عدالت تھے جن میں سے ایک سروشوَرز داریگ یعنی ناظرِ شرعی اور دوسرے دَسْتْوَر ہمداذ تھا[۲]، گاؤں کی عدالت کا دائرۂ اختیارات کمتر تھا کبھی دہقان حاکم عدالت کے فرائض انجام دیتا تھا اور کبھی کسی گاؤں کے لیے خاص جج مقرّر کیا جاتا تھا، مفصّلات کے مجسٹریٹوں (شاہ رِیشت ؟) کا ذکر بھی کہیں کہیں دیکھنے میں آتا ہے[۳] لیکن ان کے فرائض اور اختیارات کے بارے میں ہمارے پاس کوئی اطّلاع نہیں ہے، اوستا کے باب موسوم بہ سکاذُم نسک[۴] میں ججوں کے درمیان امتیاز کیا گیا ہے جنھوں نے دس، گیارہ، بارہ، تیرہ، چودہ اور پندرہ سال علم فقہ کو تحصیل کیا ہو لہذا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے فیصلوں اور فتووں کی اہمیّت مختلف ہوتی تھی، فوجی عدالت کا جج خاص ہوتا تھا جس کو سپاہ داذور

---

[۱] براؤن (Braun)، "منتخبات وقائع شہدائے ایران" (بزبان جرمن)، ص ۲۱۳،

[۲] ہوفمن کے نزدیک لفظ دستور ہمداذ کے معنی "وہ شخص جس کے عدالتی اختیارات دستور کے برابر ہوں" یعنی گویا "نائب دستور"۔ اگر یہ معنی صحیح ہیں تو پھر ظاہر ہے کہ دستور کو بھی عدالتی فرائض انجام دینے پڑتے تھے، نولڈکہ نے (ترجمہ طبری، ص ۴۳۸) اس کو "دست برہم" پڑھا ہے جس کے معنی "ہاتھ جوڑنے والا" ہونگے، ہمارے نزدیک ہوفمن کی تعبیر قابل ترجیح ہے، [۳] یعقوبی، نیز دیکھو اوپر ص ۳۴۶

[۴] دِین کرد، جزء ۸، ۴۳، ۹،

کہا جاتا تھا[1]، ان کے علاوہ ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ محکمۂ عدالت کے بہت سے عہدہ دار جن کے خاص خاص نام تھے موبد اور ہیربد ہوتے تھے، ہمیں معلوم ہے کہ ہیربد ججوں کی حیثیت سے قانونی فیصلے صادر کیا کرتے تھے[2]۔

صیغۂ عدالت کے انتہائی اختیارات بادشاہ کے ہاتھ میں تھے اور یہ اختیارات محض فرضی نہ تھے بلکہ متعدد روایات ساسانی بادشاہوں کی عدل گستری پر شاہد ہیں، بادشاہ کے منہ سے نکلی ہوئی بات ناقابلِ فسخ ہوتی تھی اور اس کے ناقابلِ فسخ ہونے کی علامت یہ قرار دی گئی تھی کہ جب کبھی بادشاہ کسی کے ساتھ کوئی عہد کرتا یا کسی کو بحفاظت گزر جانے کی اجازت دیتا تو اس کو نمک کی ایک تھیلی دے دی جاتی تھی جس پر اس کی اپنی انگوٹھی سے مُہر لگائی جاتی تھی[3]، اگر مقامی عدالتوں میں کسی شخص کی دادرسی نہ ہوتی تو اس کے لیے ہمیشہ ممکن تھا کہ بادشاہ کی طرف رجوع کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو، اگر کوئی دقت تھی تو صرف یہ تھی کہ بادشاہ دُور تھا اور اس کے حضور تک پہنچنا مشکل تھا، لیکن کتابوں میں لکھا ہے کہ ایران کے اکثر بادشاہوں کا یہ دستور تھا کہ خاص خاص موقعوں پر گھوڑے پر سوار ہو کر ایک بلند مقام پر کھڑے ہو جاتے تھے اور ارد گرد میدان میں جس قدر لوگ جمع ہوتے تھے ان کو دیکھتے تھے اور ان کی فریادیں سن سن کر ان کی دادرسی کرتے تھے، اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے تھے کہ "اگر ایک بادشاہ اپنے محل میں بند رہے جہاں دروازے اور ڈیوڑھیاں اور دربان

---

[1] ہیوبشمین، ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۱۳۶، [2] مسعودی: مروج الذہب، ج ۲، ص ۱۵۶،
[3] فاؤسٹوس بازنطینی، ج ۱، ص ۲۶۸ - ۲۶۹، وغیرہ،

اور حاجب ہوں تو یہ حریص اور ستمگار لوگ اہلِ حاجت کو اس کے حضور تک پہنچنے نہیں دینگے[1]"

اس کے علاوہ ہمیں اس بات کی بھی اطلاع دی گئی ہے کہ ساسانی خاندان کے ابتدائی بادشاہوں میں یہ رسم تھی کہ سال میں دو دفعہ یعنی نوروز اور مہرگان[2] کے موقع پر دربار عام کرتے تھے جس میں ہر خورد و کلاں کو حاضر ہونے کی اجازت تھی، چند روز پہلے بادشاہ کی طرف سے منادی کردی جاتی تھی کہ فلاں دن دربار ہوگا جو لوگ بادشاہ کے حضور میں شکایتیں پیش کرنا چاہتے ہوں اور جن کے خلاف شکایتیں ہوں سب تیار رہیں، تب بادشاہ موبدان موبد کو حکم دیتا تھا کہ چند قابلِ اعتماد آدمیوں کو دروازے پر کھڑا رکھے تاکہ کسی شخص کو اندر آنے سے روکا نہ جائے اور اس بات کا اعلان کیا جاتا تھا کہ جو کوئی کسی کو اس موقع پر شکایت پیش کرنے سے روکیگا وہ خدا اور بادشاہ کا گنہگار ہوگا اور اس کو قانون کی حمایت سے محروم کیا جائیگا، اس کے بعد لوگوں کو اندر داخل کیا جاتا تھا اور ان کی عرضداشتوں پر غور کیا جاتا تھا، سب سے پہلے وہ شکایتیں پیش کی جاتی تھیں جو خود بادشاہ کے خلاف ہوتی تھیں، بادشاہ موبدان موبد، ایران دبیربد اور ہیربدان ہیربد کو بلواتا اور مدعی کے ساتھ ان کے سامنے پیش ہوتا اور موبدان موبد کے سامنے دو زانو ہو کر کہتا کہ بادشاہ کا گناہ خدا کی نگاہوں میں سب گناہوں سے بڑا ہے کیونکہ خدا نے اُس کو لوگوں کی نگہبانی سپرد کی ہے تاکہ وہ ان کو ظلم سے بچائے اور اگر وہ خود

---

[1] سیاست نامۂ نظام الملک، طبع شیفر، ص ۱۰، [2] دیکھو اوپر، ص ۲۲۵-۲۲۷،

رعایا پر ظلم کرنے لگے تو اس کے ملازمین آتشکدوں کو برباد کرنے اور قبریں کھود ڈالنے میں بھی اپنے آپ کو حق بجانب سمجھینگے[1]۔ "اے موبدان موبد! میں ایک ادنیٰ غلام کی حیثیت سے تیرے سامنے بیٹھا ہوں جس طرح کہ تو کل خدا کے سامنے بیٹھیگا، اگر آج تو خدا کی خاطر سے انصاف کریگا تو خدا کل تیرے ساتھ انصاف کریگا لیکن اگر تو بادشاہ کی طرفداری کریگا تو خدا تجھے سزا دیگا"۔ موبدان موبد جواب میں کہتا: "جب خدا اپنے بندوں کی بہتری چاہتا ہے تو ان کے لیے ایسا بادشاہ انتخاب کرتا ہے جو بہترین انسان ہو اور جب اس کی مرضی ہوتی ہے کہ بادشاہ کی منزلت کو ان کی نظروں میں واضح کرے تو وہ اس کے منہ سے ایسے کلمے کہلواتا ہے جو اس وقت تیرے منہ سے نکل رہے ہیں"۔ اس کے بعد شکایت کو سنا جاتا اور اگر بادشاہ کا قصور ثابت ہو جاتا تو اس کی تلافی اس کو کرنی پڑتی ورنہ مدّعی کو قید کر دیا جاتا اور اس کو عبرت انگیز سزا دی جاتی اور یہ اعلان کیا جاتا کہ "یہ اُس شخص کی سزا ہے جس نے بادشاہ کو بے عزّت کرنا چاہا اور سلطنت کو نقصان پہنچانا چاہا"۔ جب یہ فیصلہ ہو چکتا تو بادشاہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر خدا کی حمد و ثنا بجالاتا اور پھر تاج پہن کر تخت پر بیٹھ جاتا اور دوسرے لوگوں کو اپنی اپنی شکایتیں پیش کرنے کے لیے بلاتا[2]۔

یہ بیان جس میں موبدوں کے اس دعوے کا پرتو پایا جاتا ہے کہ وہ ایسے مقدموں کے فیصلے کیا کرتے تھے جس میں دنیاوی حکومت کا سب سے

---

[1] اصل متن میں "کفن چرانے" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور یہ اسلامی خیالات کا پرتو ہے۔

[2] جاحظ: "کتاب التاج" ص ۱۵۹-۱۶۲، سیاست نامہ، ص ۳۸-۳۹۔

بڑا حاکم فریقین میں سے ایک ہوتا تھا ضرور کچھ نہ کچھ تاریخی صداقت رکھتا ہے، ہمارے تاریخی مآخذ اس پر اضافہ کرتے ہیں کہ اس رسم کو یزدگرد اوّل نے منسوخ کر دیا اور یہ وہ بادشاہ ہے جس سے علمائے مذہب کو سب سے زیادہ نفرت تھی، وقائع شہداء میں لکھا ہے[1] کہ ساسانیوں کے ہاں شرع سے یہ رسم تھی کہ ہر مہینے کے پہلے ہفتے میں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہوتا تھا کہ حکّام سلطنت کے پاس جا کر اُن ظلموں کا حال بیان کر سکے جو اس پر ہوئے ہوں اور اگر اس کی فریاد نہ سُنی جائے تو پھر بادشاہ کی طرف رجوع کر سکے، لیکن اس رسم کو یزدگرد دوم (نہ کہ یزدگرد اوّل) نے منسوخ کر دیا۔ اس بیان کی تصدیق طبری کے ایک مقام سے ہوتی ہے[2]۔

اوستا اور اس کی تفسیر[3] اور اجماعِ "نیکاں" یعنی فقہاء کے فتوے قانون کے مآخذ تھے[4]۔ مجموعۂ قوانین کی کوئی خاص کتاب تو موجود نہ تھی[5] لیکن ساسانی اوستا کے نسکوں کے اُس خلاصے سے جو دینکرد میں ہے ایسا پایا جاتا ہے کہ کئی نسکوں میں قانونی مسائل پر بحث تھی، یہ خلاصہ ساسانی اوستا اور اس کی تفسیر کو سامنے رکھ کر بنایا گیا ہے اور وہ غالباً خسروِ اوّل و دوم کے زمانے کی یادگار ہے، اس میں قدیم ترین تفسیروں کے مطالب کو داخل کر لیا گیا ہے اور ان پر نئے حاشیے چڑھائے گئے ہیں، غرض یہ کہ علم فقہ کی تمام تفصیلات جن کی طرف دینکرد میں اشارات پائے جاتے ہیں بیشتر

---

[1] طبع ہوفمن، ص ۵۰، [2] دیکھو اوپر، ص ۳۷۱، [3] یعنی زند، دیکھو اوپر ص ۹۴
[4] دینکرد، جزء ۸، ۲۰، ۶۹، [5] بارتھولمی: "زن در قانون ساسانی" (جرمن) ص ۶،

مفسّرین کے اقوال پر مبنی ہیں اور عہدِ ساسانی کے ضابطۂ عدالت کا پتا دیتی ہیں،

قانون کی کتاب مادیگانِ ہزار دادستان[1] کے جو اجزا باقی بچ گئے ہیں ان میں سے بعض کو بارتھولمی نے مع ترجمہ اور شرح شائع کیا ہے، اُن میں جائداد ازدواج اور عمومی طور پر حقوقِ خانوادگی کے مسائل پر بحث ہے، ان امور کو ہم اگلے باب میں بیان کرینگے، اس کتاب کے مصنّف نے بیان کیا ہے کہ قانونی امور میں موبدان موبد کی رائے کو فوقیّت دی جاتی تھی[2] اس سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ قانونِ فوجداری میں بھی جو اس وقت معرضِ بحث میں ہے یہ فوقیّت ملحوظ تھی، موبدان موبد کا فیصلہ سوگند سے بھی زیادہ مؤثّر ہوتا اور اس کو بے خطا سمجھا جاتا تھا،

زکاذم نسک[3] اور وُزد سرزد نسک[4] میں مخلوط عدالتوں کا ذکر آیا ہے یعنی ایسی عدالتیں جن میں مختلف درجوں کے جج مل کر بیٹھتے تھے، قانون کی طرف سے ججوں کو گواہوں کے بلوانے کے لیے مہلت ملتی تھی لیکن مقدّمے کی ساری کارروائی کے لیے ایک خاص مدّت معیّن تھی،[5] ضابطے میں ایسے احکام بھی موجود تھے جن کی رو سے جھگڑالو دعویداروں کی لاطائل تقریروں کو روک دیا جاتا تھا کیونکہ ایسی تقریروں سے معاملہ خواہ مخواہ لمبا اور پیچیدہ ہوتا تھا[6] ایسے ججوں پر مقدمہ چلانا ممکن ہوتا تھا جو کسی غرض کے ماتحت ایک مشکوک

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۶۶، [2] بارتھولمی: "قانون ساسانی" (جرمن)، ج ۴، ص ۲۹ بعد،
[3] دین کرد، جزء ۸، ۱۶-۲۰، [4] ایضاً، جزء ۸، ۲۱-۲۷،
[5] ایضاً، ۲۲، [6] ایضاً ۲۰، ۲۷،

امر کو یقینی اور یقینی کو مشکوک بنا دیں[1]۔

شک کی صورت میں ملزم کے گناہ یا بے گناہی کو بطریقِ امتحان ثابت کیا جاتا تھا[2] جو کبھی کم اور کبھی زیادہ شدید ہوتا تھا[3]، دو طرح کا امتحان مذکور ہے جن میں سے ایک "امتحانِ گرم" اور دوسرا "امتحانِ سرد" ہے[4]، امتحانِ گرم (وَرِ گرم یا گرموگ وریہہ) کی ایک مثال یہ ہے کہ ملزم کو آگ میں سے گزرنے کے لیے کہا جاتا تھا، اس مثال کا شاعرانہ بیان سیاوش پسر کیکاؤس کی داستان میں[5] اور ویس و رامین کے عشقیہ افسانے میں[6] موجود ہے، اس طریقِ امتحان میں جو لکڑی جلائی جاتی تھی اس کے انتخاب کے لیے خاص قواعد مقرر تھے اور دورانِ امتحان میں بعض مذہبی رسمیں ادا کی جاتی تھیں[7]، امتحانِ گرم کی ایک اور مثال حسبِ روایت یہ ہے کہ شاپور دوم کے زمانے میں آذر بذ پسر مہرسپند نے اپنے مذہبی عقیدے کی سچائی کو ثابت کرنے کے لیے اپنے آپ کو اس بات کے لیے پیش کیا کہ پگھلی ہوئی دھات اس کے سینے پر انڈیل دی جائے[8]، امتحانِ سرد (وَرِ سرد) مقدّس شاخوں کے ذریعے سے عمل میں آتا تھا اور اس صورت میں اس کو بَرَشموگ وریہہ کہتے تھے[9]، ایک اور قسم کا امتحان جو بہت قدیم زمانے سے چلا آتا تھا یہ تھا کہ جب ایک شخص حلف اٹھاتا

[1] دین کرد ۲۲، ۱۰، [2] ایضاً جزء ۸، ۲۴۲۳ بعد (بحوالۂ سکاذم نسک)، [3] ایضاً جزء ۸، ۳۸، ۴۴، [4] ایضاً، ۴۲، ۶، [5] شاہنامہ طبع فولرس ص ۵۰ بعد، [6] ویس و رامین طبع لیس ص ۱۳۶ بعد، [7] دین کرد، جزء ۸، ۲۰، ۴۱، [8] قطعات پہلوی از پروفیسر ویسٹ (باب ۱۵ از کتاب شایست نہ شایست)، متون پہلوی ج ۱، ص ۳۷۶، سکند گمانیک وزار، ۱۰، ۷۰، (متون پہلوی ج ۳، ص ۱۷۱) وغیرہ دیکھو ایم ص ۱۸۴، [9] دین کرد، جزء ۸، ۱۹، ۳۸،

تھا تو اُسے گندھک ملا پانی پینے کو دیا جاتا تھا، یہ رسم وندیداد میں بھی مذکور ہے[1]
اور آج بھی فارسی زبان میں ایک محاورہ "سوگند خوردن" قسم کھانے کے معنوں
میں موجود ہے جس کا لفظی ترجمہ "گندھک کا پانی پینا" ہے، لیکن ساسانیوں
کے زمانے میں حلف اُٹھانے وقت گندھک کے پانی کا استعمال غالباً محض
ایک ظاہری رسم تھی یعنی وہ پانی صرف حاضر کیا جاتا تھا اور پیا
نہیں جاتا تھا،[2] محکمۂ عدالت کا ایک خاص عہدہ دار تھا جس کو وَرسردار
کہتے تھے، اس کا کام اس بات کو دیکھنا تھا کہ امتحان صحیح طریقے پر کیا جائے[3]
نامۂ تنسر میں ہمیں بعض اطلاعات نظریۂ تعزیر کے متعلق ملتی ہیں، قانون
نے تین قسم کے جرم تسلیم کیے تھے، پہلی قسم میں وہ جرم جو خدا کے خلاف
ہوں یعنی جبکہ ایک شخص "مذہب سے برگشتہ ہو جائے یا عقاید میں بدعت
پیدا کرے"۔ دوسری قسم میں وہ جُرم جو بادشاہ کے خلاف ہوں "جبکہ ایک
شخص بغاوت یا غدّاری کرے یا لڑائی میں میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے تیسری
قسم میں وہ جرم جو آپس میں ایک دوسرے کے خلاف ہوں "جب کہ ایک
شخص دوسرے پر ظلم کرے"۔ عہد ساسانی کی ابتدائی صدیوں میں پہلی اور
دوسری قسم کے جرموں یعنی الحاد، بغاوت، غدّاری اور فرار کی سزا فوری موت
تھی، ایک دوسرے کے خلاف جرم مثلاً چوری، راہزنی اور ہتک ناموس
کی سزا کبھی جسمانی عقوبت اور کبھی موت ہوتی تھی،[4] اس بات کی تصدیق کہ

---

[1] ۴، ۵۴، [2] بارتھولمی، "قانون ساسانی" ج ۲، ص ۷ ببعد،
[3] عہد و پیمان جس کے ساتھ حلف نہ اُٹھایا گیا ہو نیز عہد شکنی کی سزا کے بارے میں
دیکھو بارتھولمی "مصطلحات زبان پہلوی" ج ۲، ص ۱۴-۱۵، [4] ڈارمیسٹیٹر، مجلۂ آسیائی
۱۸۹۴ء، حصۂ اوّل، ص ۲۱۹ ببعد و ص ۵۲۳ ببعد،

تادیبی سزائیں اس زمانے میں بہت سخت ہوتی تھیں امیان مارسیلینوس کے قول سے ہوتی ہے[1]، وہ لکھتا ہے کہ "ایرانی لوگ قانون سے بہت ڈرتے ہیں، بالخصوص وہ سزائیں جو خیانت کرنے والوں یا میدان جنگ سے بھاگ جانے والوں کے لیے ہیں بہت ظالمانہ ہیں، بعض اور سزائیں ہیں جو نہایت قابلِ نفرت ہیں مثلاً یہ کہ ایک شخص کے جرم کے بدلے میں اس کے تمام رشتہ داروں کو قتل کر دیا جاتا ہے"۔

سکادم نسک میں[2] اس قسم کے جرائم جیسا کہ چوری، رہزنی، ضرر رسانی، قتل، ....، حبسِ بیجا، کسی کو سامانِ خور و نوش سے محروم کرنا، بیجا طور پر مزدوروں کی اجرت کم کرنا، جادوگروں کا کسی شخص کو نقصان پہنچانا وغیرہ کے متعلق دعویٰ دائر کرنے اور مقدمہ چلانے کے قواعد بیان کیے گئے تھے اور ان کے علاوہ بعض اور قانونی مسائل پر بھی اس میں بحث تھی مثلاً یہ کہ ایک بچے کو کس حد تک ملزم قرار دیا جا سکتا ہے یا یہ کہ اجنبی کے خلاف کسی قاتل کو بھڑکانے کی کیا سزا ہے وغیرہ، لیکن دین کرد میں جو خلاصہ ہے اس میں ان باتوں کی تفصیل نہیں دی گئی بلکہ مختصر سے اشارے کیے گئے ہیں، اس خلاصے سے پتا چلتا ہے کہ جب کوئی چور چوری کرتا پکڑا جاتا تھا تو جو مال اس نے چرایا ہوتا تھا اس کی گردن میں باندھ دیا جاتا تھا[3] اور اس کو گرفتار کر کے جج کے سامنے لے جاتے تھے پھر پابہ زنجیر اس کو جیلخانے میں بھیج دیا جاتا تھا، زنجیروں کی تعداد جرم کی سنگینی کے مطابق ہوتی تھی اور جسم کے جو اعضا اس جرم

---

[1] کتاب ۲۳، ۶، ۵۱، [2] دین کرد، جزو ۸، ص ۱۶ ببعد، [3] ایضاً، ص ۲۰،

کے مرتکب ہوتے تھے ان کو اسی کی مناسبت سے کم یا زیادہ شدّت کے ساتھ جکڑا جاتا تھا[1]، یہ زنجیریں محض مجرم کو فرار سے روکنے کے لیے نہیں ہوتی تھیں بلکہ وہ عدل کی علامت بھی سمجھی جاتی تھیں، سکاذم نسک کے خلاصے سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ اجانب یعنی غیر زرتشتی لوگوں کو مذہبی جرائم کے ارتکاب پر ہتکڑی نہیں لگائی جاتی تھی[2] لیکن یہ غالباً بعض مفسّرین کا ذاتی فتویٰ تھا اور قانون میں اس کی عملی پابندی نہیں ہوتی تھی کیونکہ وقائع شہداء میں عیسائی قیدیوں کو ہتکڑیوں اور زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھے جانے کا ذکر جابجا آیا ہے[3]، مجرم سے سوالات کرتے وقت جج ضروری سمجھتا تو اس سے ظاہرداری کے طور پر مہربانی اور لگاوٹ سے گفتگو کرتا تاکہ وہ اپنے جرم کا اقرار کرلے[4]، اگر مجرم اُن لوگوں کے نام بتا دے جو جرم میں اس کے ساتھ شریک تھے تو اُس کو اس بات کا معاوضہ دیا جاتا تھا[5] اور جو شخص چوری کے مال کو لے کر چھپالے تو اُس کی وہی سزا ہوتی تھی جو چور کی سزا تھی، جاڑے کے کپڑوں یا بیماری کی حالت میں علاج و دوا کے معاملے میں ملکی اور غیر ملکی چوروں کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کیا جاتا تھا[6]، سکاذم نسک میں عدالتی کارروائی پر جو بذریعۂ "امتحان" کی جاتی تھی اور جادوگروں کو سزائے موت دینے پر بھی بحث تھی،

یہ بات صحیح طور پر معلوم نہیں کہ آیا ایرانی قانون میں سزا کے طور پر

---

[1] دین کرد، ص ۲۱، [2] ایضاً، ۱۹، [3] مثلاً ص ۶۱ از طبع ہوفمن،
[4] دین کرد جزء ۸، ص ۲۱، [5] ایضاً،
[6] دین کرد، جزء ۸، ۱۹، ۵۵،

میعادی قید کا بھی دستور تھا یا نہیں، لیکن حوالات میں بعض وقت قیدیوں کو غیر معیّن میعاد تک رکھا جاتا تھا، نکاذم نسک کی رُو سے مجرموں کو خاص طور پر ناخوشگوار جگہوں میں بند کیا جاتا تھا اور حسب جرم اس جگہ میں موذی جانور چھوڑ دیے جاتے تھے، اس اطلاع کی تصدیق تھیوڈورٹ کے بیان سے ہوتی ہے جو شہر صور کا بشپ تھا، وہ لکھتا ہے کہ عیسائی قیدیوں کو بعض وقت تاریک کنوؤں میں بند کر دیا جاتا تھا اور ان میں چوہے چھوڑ دیے جاتے تھے، قیدیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے جاتے تھے تاکہ وہ ان سے اپنے آپ کو بچا نہ سکیں اور یہ موذی جانور بھوک کے مارے ایک طویل اور ظالمانہ عذاب کے ساتھ ان کو کاٹ کاٹ کر کھاتے رہتے تھے[1] اس کے علاوہ جیل کو بطور ایک ایسی جگہ کے بھی استعمال کیا جاتا تھا جہاں ذی رتبہ اشخاص کو جن کا وجود سلطنت اور بادشاہ کے لیے خطرے کا باعث ہوتا تھا چپکے سے غائب کر دیا جاتا تھا، خوزستان میں ایک مضبوط قلعہ تھا جس کا نام گیل گرد یا آندمِشن[2] تھا جہاں اس قسم کے سیاسی قیدیوں کو محبوس رکھا جاتا تھا، اس کو انُوشْ بَرْد بھی کہتے تھے جس کے معنے "قلعۂ فراموشی" کے ہیں اس لیے کہ جو لوگ وہاں قید ہوتے تھے اُن کا نام لینا بلکہ خود قلعے کا نام لینا بھی ممنوع تھا[3]

---

[1] لابور، ص ۱۱۰، [2] دوسرا نام یعنی اندمشن صرف ارمنی مآخذ کے ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے، ہیوبشمن نے خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ آندمِشک ہے جو شہر دِزفول کا پرانا نام تھا، (ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۱۹) [3] ہیوبشمن، مقام مذکور، نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۱۴۴، ج ۱، خاندان شاہی کے کئی ممبر اس قلعے میں قید رہے تھے منجملہ ان کے ارشک سوم شاہ آرمینیہ تھا، بقول پروکوپیوس (ج ۱، ص ۵-۶) کواذ کو معزول کر کے یہیں قید کیا گیا تھا جہاں سے وہ بعد میں نکل بھاگا تھا، شیرویہ نے اس قلعے

فاؤسٹوس بازنطینی نے "قلعۂ فراموشی" میں ارشک سوم[1] شاہ آرمینیہ کی موت کا دردناک واقعہ بیان کیا ہے[2]، ایک خواجہ سرا دَرَستمَتؔ[3] نامی تھا جو آرمینیہ کے کسی ضلع کا امیر (اِشکن) تھا، کوشان کے ساتھ ایک لڑائی میں اُس نے شاپور دوم کی جان بچائی تھی، اظہار شکر گزاری کے طور پر شاپور نے اس سے کہا کہ جو تمہارا جی چاہے مانگو اور جو کچھ مانگو گے تمہیں دیا جائیگا، درستمت نے کہا کہ مجھے صرف ایک دن کے لیے "قلعۂ فراموشی" میں جا کر ارشک سے ملاقات کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ میں اس کی تعظیم بجالاؤں اور موسیقی سے اس کا جی بہلاؤں، شاپور نے جواب دیا کہ اس درخواست کا منظور ہونا دشوار ہے اور تو نے انوش برد کا نام زبان پر لاکر اپنی جان کو خطرے میں ڈالا ہے تاہم تیری خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے میں تجھے اس کی اجازت دیتا ہوں، تب بادشاہ نے اپنی گارد کے افسر کو درستمت کے ساتھ کیا اور ایک خط اپنی خاص مُہر لگا کر دیا تاکہ اُس کو قلعے میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے، وہاں پہنچ کر درستمت گارد کے افسر کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا اور ارشک کے ہاتھ پاؤں اور گردن کی زنجیریں کھول ڈالیں، پھر اس کو نہلا دھلا کر عمدہ کپڑے پہنائے اور اس کے بیٹھنے کے لیے جگہ تیار کی، اس کے بعد دربارِ آرمینیہ کے آداب کے مطابق اس کے سامنے کھانا

(گذشتہ سے پیوستہ) کے بہت سے قیدیوں کو رہا کر دیا تھا جنھوں نے اس کو اپنے باپ خسرو دوم (پرویز) کو تخت سے اتارنے میں مدد دی (پاتکانیان، "مجلۂ آسیائی" سنہ ۱۸۶۶ء حصۂ اوّل ص ۲۰۸ - ۲۰۹)، [1] دیکھو اوپر، ص ۳۰۸، [2] طبع لانگلوا، ج ۱، ص ۲۸۶، [3] اس نام کے متعلق دیکھو ہیوبشمن، ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۳۸،

لاکر رکھا اور شراب پیش کی اور اس طریقے سے اس کو افسردگی کے پنجے سے نکالا، تب گویوں نے موسیقی سے اس کا جی بہلایا، فاؤسٹوس لکھتا ہے کہ "کھانے کے بعد ارشک کے سامنے پھل اور سیب اور کھیرے اور نفیس مٹھائیاں لاکر رکھی گئیں اور ساتھ ہی پھل کاٹنے کے لیے ایک چھری اس کو دی گئی، درستمت نے جو کچھ ہوسکا ارشک کی تفریح کے لیے مہیا کیا اور اس کی خدمت کے لیے برابر اس کے سامنے کھڑا رہا اور اس کو تشفی دیتا رہا، ارشک شراب کے نشے میں چور ہوچکا تھا اور دنیا کا منظر اس کی آنکھوں میں تاریک ہو رہا تھا، اپنے عہد گذشتہ کو یاد کر کے کہنے لگا: 'وائے بر حالِ ارشک! دنیا کے یہ رنگ ہیں! میری حالت کیا سے کیا ہوگئی!' یہ کہہ کر چھری جس سے وہ پھل کاٹ رہا تھا اپنے دل میں بھونک لی اور جہاں بیٹھا تھا وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا، درستمت یہ دیکھ کر فوراً اس کے اوپر آگرا اور چھری اس کے سینے سے نکال کر اپنے پہلو میں ماری اور چشم زدن میں سرد ہوگیا"

ایک نہایت عام سزا جو خصوصاً باغی شہزادوں کو دی جاتی تھی یہ تھی کہ آنکھوں میں گرم سلائی پھروا کر یا کھولتا ہؤا تیل ڈلوا کر اندھا کر دیتے تھے[1]، سزائے موت کا اجراء عام طور سے بذریعۂ شمشیر کیا جاتا تھا، خاص خاص جرموں مثلاً سلطنت یا مذہب کے ساتھ غدّاری کی سزا میں مجرم کو سولی پر چڑھایا جاتا تھا، امّیان کا بیان[2] ہے کہ ایرانیوں کے ہاں "زندہ آدمیوں کی ساری یا آدھی کھال کھچوا دینے کا دستور ہے" اور بقول

[1] پروکوپیوس، ج ۱، ص ۶، فاؤسٹوس طبع لانگلوا، ج ۱، ص ۲۳۱، [2] کتاب ۲۳، ۶، ۸۰،

پروکوپیوس[1] ایک ارمنی سپہ سالار کی کھال کھچوا کر اس میں بھوسا بھرا گیا اور ایک بہت اونچے درخت پر اُسے لٹکایا گیا، عیسائیوں پر جور و تعدّی کے زمانے میں شہداء کو کبھی کبھی سنگسار بھی کیا گیا ہے[2]، یزدگرد دوم کے زمانے میں دو عیسائی راہبہ عورتوں یعنی ننوں کو سولی پر چڑھا کر سنگسار کیا گیا[3] اور چند شہداء کو زندہ دیوار میں چنوایا گیا[4]، ہاتھیوں کے پاؤں تلے روندوانے کی قدیم سزا جس کی مثالیں اسلامی زمانے میں بھی دیکھنے میں آ رہی ہیں ساسانیوں کے عہد میں عام طور سے رائج تھی[5]، نکاذُم نسک کی رو سے ایسے آدمیوں کو جو سزائے موت کے مستوجب ہوتے تھے بعض وقت طبّی مقاصد کے لیے زندہ بھی رہنے دیا جاتا تھا[6]،

وقائع شہداء میں انواع و اقسام کے دہشتناک عذابوں کی ایک فہرست دی ہوئی ہے جو اہلِ عدالت کام میں لاتے تھے، ملزموں کو ڈرانے کے لیے مختلف آلاتِ تعذیب ان کی آنکھوں کے سامنے رکھے جاتے تھے[7]، قیدیوں کو بعض وقت انگشتِ شہادت کے سہارے اور کبھی ایک پاؤں کے سہارے اُلٹا لٹکایا جاتا تھا اور گائے کی نسوں سے بٹے ہوئے چابک مار مار کر ان کو لنگڑا کیا جاتا تھا[8]، زخموں پر ہینگ اور سرکہ اور نمک چھڑکے جاتے تھے[9] ان بدنصیبوں کے جسم کے اعضا ایک ایک کر کے کاٹے اور مروڑے جاتے تھے، بعض وقت پیشانی سے ٹھوڑی تک چہرے کی کھال اُتار

---

[1] ج ۱، ص ۵، [2] لابور، ص ۶۱، [3] ایضاً، ص ۱۲۷، [4] ایضاً، ص ۱۱۲،
[5] ہوفمن، ص ۵۳، طبری ص ۱۰۱۲، [6] دین کرد، جزء ۸، ص ۲۰، ۴،
[7] ہوفمن، ص ۵۳، [8] ایضاً، ص ۲۵، [9] ایضاً ص ۲۹،

لی جاتی تھی اور کبھی ہاتھوں کی یا پیٹھ کی کھال کھینچ لی جاتی تھی[1]، کبھی کانوں اور آنکھوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا تھا اور کبھی زبان کھینچ کر نکال لی جاتی تھی، ایک شہید کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی گدی میں سوراخ کر کے اس میں سے اس کی زبان نکال لی گئی[2]، ان کی آنکھوں اور باقی تمام جسم میں سلاخیں چبھوئی جاتی تھیں اور جب تک وہ مر نہ جائیں ان کے منہ، آنکھوں اور نتھنوں میں سرکہ اور رائی برابر ڈالتے رہتے تھے[3]، ایک آلۂ تعذیب جو اکثر استعمال کیا جاتا تھا وہ لوہے کی ایک کنگھی تھی جس سے مجرم کی کھال اُکھاڑی جاتی تھی اور درد کی شدت میں اضافہ کرنے کے لیے ہڈیوں پر جو نظر آنے لگتی تھیں نفت ڈال کر آگ لگا دی جاتی تھی، شکنجۂ چرخ کا عذاب یا چتا میں جس پر نفت ڈالا جاتا تھا جلا کر مار ڈالنا بھی ان مظالم کی فہرست میں مذکور ہے جن میں سے اکثر ہندوستان کے قدیم فوجداری قانون میں بھی دیکھنے میں آ رہے ہیں[4]،

سب سے زیادہ دہشتناک عذاب وہ تھا جس کا نام "نُو موتیں" تھا، اس کی صورت یہ تھی کہ جلاد سب سے پہلے ہاتھوں کی انگلیاں کاٹتا تھا اس کے بعد پاؤں کی، پھر کلائیوں تک ہاتھ کاٹ ڈالتا تھا اور ٹخنوں تک پاؤں، اس کے بعد پھر کہنیوں تک بانہیں کاٹتا تھا اور گھٹنوں تک پنڈلیاں، پھر کان اور ناک کاٹتا تھا اور سب سے آخر میں سر[5]،

---

[1] لابور، ص ۱۱۰، [2] ایضاً، ص ۶۱، [3] ہوفمن، ص ۵۶، [4] وسا کمار چرتم، ترجمۂ جرمن از مائر، ص ۳۶، [5] لابور، ص ۶۱،

مقتولوں کی لاشیں وحشی جانوروں کے آگے ڈال دی جاتی تھیں[1]، بعض وقت عیسائی قیدیوں کو آزادی یا ضبط شدہ مال کی واپسی کا وعدہ دے کر اپنے ہم مذہبوں کو قتل کرنے کے کام پر لگایا جاتا تھا[2]، بعض اور سزائیں یہ تھیں کہ مجرموں کا مال و اسباب ضبط کر لیا جاتا تھا[3] یا ان سے بیگار کا کام لیا جاتا تھا جس میں سڑکوں کا کوٹنا، پتھروں کا توڑنا، درختوں کا کاٹنا اور آتش مقدس کے لیے لکڑیاں کاٹ کر لانا وغیرہ شامل تھے[4]۔

اگر ہم اس بات پر یقین کر لیں کہ یہ بے رحمیاں جو وقائع شہداء میں مذکور ہیں ایرانیوں کے ہاں روزمرہ کی عدالت میں کی جاتی تھیں تو یہ ان کے حق میں ہماری ناانصافی ہوگی، قطع نظر اُن مبالغوں سے جو اس قسم کے بیانات میں فرض کیے جا سکتے ہیں ہمیں اس بات کا خیال کرنا چاہیے کہ یہ سب کچھ مذہبی تعدّی کے سلسلے میں ہوا جس میں تعصّب کے ساتھ شہوانی مفاسد بھی شریک تھے چنانچہ یہی باتیں گذشتہ صدیوں میں احتساب مذہبی کے زمانے میں یورپ میں بھی ہوتی رہیں،

علاوہ ازیں سزاؤں کا اجراء ہمیشہ پوری سختی کے ساتھ نہیں ہوتا تھا مثلاً بہرام پنجم کے زمانے میں عیسائیوں پر جو تعدّی ہو رہی تھی اُس کی کیفیت ذیل کی مثال سے واضح ہوتی ہے: مہرشاپور رئیس مغان نے جو "عیسائیوں کا بہت بڑا دشمن تھا" سولہ عیسائیوں کو جنھوں نے اپنا

---

[1] لابور، ص ۶۲، [2] ایضاً، ص ۶۱، [3] لابور، ص ۱۱۱ جہاں اس سزا کی شدّت میں اس طرح اضافہ دکھایا گیا ہے کہ مجرم جو ایک امیر ہے اس بات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ اپنے ذلیل ترین غلام کا محکوم ہو کر رہے اور منجملہ اور چیزوں کے اپنی بیوی اس کے حوالے کر دے، [4] لابور، ص ۱۱۴ و ۱۳۰،

مذہب ترک کرنے سے انکار کیا تھا برہنہ کر کے حکم دیا کہ ہر روز رات کو مشکیں باندھ کر ان کو پہاڑوں میں لیجایا جائے اور روٹی اور پانی بقدارِ قوت لایموت دے کر رات بھر کے لیے ان کو وہیں چھوڑ دیا جائے، جب ایک ہفتہ اس عذاب کا ان پر گزر چکا تو مہرشاپور نے ان کے محافظ کو بلا کر پوچھا کہ ان بدبخت عیسائیوں کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ قریب المرگ ہیں، مہرشاپور نے کہا کہ "جا کر ان سے کہو کہ بادشاہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ میرا کہا مانو اور آفتاب کی پرستش کرو ورنہ تمہارے پاؤں میں رسّی باندھ کر تمہیں پہاڑوں میں گھسیٹا جائیگا یہاں تک کہ تمہاری کھال ہڈّیوں سے علیحدہ ہو جائیگی اور تمہارا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پتھروں میں رہ جائیگا اور رسّی میں صرف تمہارے پاؤں کی رگیں باقی رہ جائینگی"۔ محافظ نے یہ پیغام اُنھیں پہنچا دیا، بعض تو ان میں سے بیہوش پڑے تھے اور وہ بات کو سُن ہی نہیں سکے، باقی جو شدّتِ الم سے مغلوب ہو رہے تھے مان گئے، لیکن مہرشاپور نے بغیر اس کے کہ ان کو آفتاب کی پرستش پر مجبور کرے اُنھیں سلوکیہ بھجوا دیا، وہاں پہنچ کر جب اُن کے زخم اچھّے ہو گئے تو اُنھوں نے روزے رکھے اور دعائیں مانگیں اور اپنے ظاہری ارتداد پر نادم ہوئے اور گریہ وزاری کی، بعد میں ان میں سے پندرہ کو رہا کر کے اپنے اپنے گھروں کو بھیج دیا گیا حالانکہ وہ دوبارہ عیسائی ہو گئے تھے اور ارتداد پر قائم رہنے سے منکر تھے، صرف ایک شخص جیمس تھا جس کو بادشاہ کے حکم سے "نو موتوں" کے عذاب

سے شہید کیا گیا اور وہ اس لیے کہ اُس نے بادشاہ کی عدالت میں یزدگرد اوّل کے بارے میں یہ کہ دیا کہ چونکہ اس نے عیسائیوں کے ساتھ اپنے اچھے رویّے کو بدل دیا تھا اس لیے وہ ایسی حالت میں مرا کہ کوئی اس کے پاس نہ تھا اور اُس کی لاش کو قبر بھی نصیب نہ ہوئی[1]

اہلِ الحاد پر تشدّد کے کام میں معمولی عدالتیں کوئی حصّہ نہیں لیتی تھیں، تفتیش اور تحقیق اور صدورِ احکام کا کام یا تو مرزبانوں کو سپرد کیا جاتا تھا یا دوسرے حکّامِ صوبجات کو اور یا اکثر اوقات اس کے لیے خاص شاہی کمیشن مقرّر کیے جاتے تھے جن میں موبدوں کا حصّہ سب سے نمایاں ہوتا تھا[2]، بعض اوقات خود موبدان موبد عیسائیوں پر جرح کر کے فیصلہ صادر کرتا تھا، موسیو لابور لکھتے ہیں کہ "بادشاہ اور سپہ سالاروں اور موبدوں کے ساتھ ساتھ عیسائی قیدیوں کے گروہ کے گروہ چلا کرتے تھے اور وہ جس وقت مناسب سمجھتے ان پر جرح کرتے[3]" شاپور دوم کے زمانے میں عبدیشوع ایک بشپ تھا جس کے بدکار بھتیجے نے (جو اس کے ماتحت پادری تھا اور عبدیشوع نے اسے فرائضِ مذہبی کے ادا کرانے سے روک دیا تھا) اس پر یہ الزام لگایا کہ وہ قیصر کے ساتھ ملا ہؤا ہے اور خط و کتابت کے ذریعے بادشاہ کے متعلق خفیہ باتوں کی اُسے اطلاع دے رہا ہے، معاملے کی تحقیقات سب سے پہلے شہزادہ اردشیر کے سپرد ہوئی جو اس وقت صوبۂ اڈیابین پر

---

[1] لابور، ص ۱۱۴-۱۱۶، [2] مثلاً دیکھو ہوفمن، ص ۳۸ و ۶۱ ببعد، [3] ص ۵۹،

"شاہ" کے لقب سے حکومت کر رہا تھا اور بعد میں اردشیر سوم کے نام سے بادشاہ ہوا، اس کے بعد موبدان موبد نے دو مغوں کی مدد سے تفتیش کی اور سب سے آخر میں یہ کام خواجہ سراؤں کے رئیس کے سپرد کیا گیا جو "تمام سلطنت کے ہاتھیوں کا مالک و مختار" تھا[۱]، اس کے بعد ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا گیا جس میں مغان اندرزبد، شروشوَرَز داریگ اور دستوَرِ ہمداذ[۲] شریک تھے اور ایک اور کمیشن جس میں شاہی میگزینوں کا انسپکٹر اور موبدان موبد تھے اور ان دونو کے ساتھ رئیس خواجہ سرایاں اور رئیس خلوت مشاوروں کی حیثیت سے شریک تھے[۳]، عیسائی شہید مسمّی پیثیون کے معاملے کی تحقیق میں جب ایک ناظر امور مذہبی نے جس کو پہلوی میں "رذ" کہتے تھے مسلسل بے رحمیوں سے متنفّر ہو کر اس پر "نو موتوں" کی سزا کے نافذ کرنے سے انکار کیا تو موبدان موبد نے اس سے اُس کی مُہر چھین لی جو اس کے منصبی اعزاز کی علامت تھی اور اُسے معزول کر دیا اور اس کی جگہ پر دربار کی طرف سے چیف جج یعنی شہرداذوَرْ کو جو تھوڑا ہی عرصہ پہلے منتخب ہوا تھا موبدان موبد کی امداد کے لیے بھیجا گیا[۴]، معمول یہ تھا کہ جب کبھی کوئی شخص غیر مذہب والوں کے خلاف جور و تعدّی کی تدابیر اختیار کرنا چاہتا تو اس کو لازم تھا کہ اس کے لیے بادشاہ کی خاص اجازت حاصل کرے[۵]، غرض یہ کہ اس قسم کے معاملات میں جو کہ غیر معمولی نوعیت کے ہوتے

---

[۱] لابور، ص ۶۰ ، [۲] ہوفمن، ص ۵۰-۵۱ ، [۳] لازار فرپی طبع لانگلوا، ج ۲، ص ۳۰، [۴] ہوفمن، ص ۶۵ ، [۵] لابور، ص ۱۱۴ ،

تھے عدل و انصاف کی کارروائی روزمرّہ کے معمولی قوانین پر مبنی نہیں ہوتی تھی، اور چونکہ تحقیقاتی کمیشنوں کے جج بیشتر حکومت کے عہدہ دار ہوتے تھے جنھیں فقہی مسائل پر زیادہ عبور نہیں ہوتا تھا لہذا انھیں فرامین شاہی کی ہدایت پر چلنا پڑتا تھا جو ایسی صورتوں میں غیر معمولی طور پر صادر کیے جاتے تھے[1] اور ایسی تحقیقاتوں میں بلا لحاظ سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا تھا خواہ سریانی ہوں یا ایرانی، اوسط درجے کے لوگ ہوں یا امراء عذاب اور موت کی سزا سب کے لیے تھی، سب سے زیادہ سختی اُس صورت میں کی جاتی تھی جبکہ ایرانیوں میں سے کوئی اپنے آبا و اجداد کے مذہب سے منحرف ہو جائے، عیسائی شہیدوں کی فہرست میں ہم کو بہت سے ایرانیوں کے نام ملتے ہیں، اعلیٰ خاندانوں کے امراء حتیٰ کہ خاندان شاہی کے افراد بھی شکنجے اور موت کی سزا بھگتتے تھے جس کی ایک مثال پیرگشنسپ ہے جو شاپور دوم کا بھتیجا تھا[2] جس نے عیسائی ہو کر سریانی نام مارساہا اختیار کر لیا تھا، ایلیزے ایک "رئیسِ مغاں" کا حال بیان کرتا ہے جس کو عیسائی ہو کر اپنی جان دے دینی پڑی، اس کا قصّہ یہ ہے کہ یزدگرد دوم کے زمانے میں ایک موبد تھا جس کو علوم دین میں تبحّر کی وجہ سے "ہمگ دین" (علّامہ)[3] کا پُر افتخار لقب دیا گیا تھا اور جس نے آرمینیہ کے عیسائیوں پر بارہا دستِ تعدّی دراز کیا تھا، ان کی ثابت قدمی سے وہ ایسا متاثر ہُوا کہ خود عیسائی ہو گیا،

---

[1] مقابلہ کرو لابور، ص ۵۷، [2] پیرگشنسپ زاماسپ کا بیٹا تھا، زاماسپ اور آذرافروزگرد شاپور دوم کے سوتیلے بھائی تھے اور صوبہ اژوشتان (بیت عربایے) کے بعض حصّوں پر حکمران تھے جو کہ نصیبین اور دجلہ کے درمیان تھا، (ہوفمن، ص ۲۴) [3] دیکھو اوپر، ص ۱۵۷

بقول ایلیزے دار وغۂ سامان جو تحقیقاتی کمیشن کا صدر تھا موبد کے ارتداد پر اس بات کی جرأت نہ کر سکا کہ اپنی ذمہ داری پر ایک ایسے نامور زرتشتی عالم کو سزائے موت دے۔ لہذا اس نے معاملے کی رُوداد بادشاہ کو لکھی، وہاں سے یہ حکم آیا کہ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ لوگ اس پر بادشاہ کے خلاف خفیہ سازش کا الزام لگائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کو گرفتار کر کے صحرا میں کسی دور دراز مقام پر بھیج دیا گیا جہاں وہ بھوک اور پیاس کے مارے مرگیا[1]

سریانی زبان میں وقائع شہداء کی جو کتابیں ہیں ان کی نوعیت وہی ہے جو اس قسم کی کتابوں کی ہوا کرتی ہے، ہر جگہ اور ہر زمانے میں مذہبی ذہنیت یکساں ہوتی ہے، ان میں سے جو زیادہ قدیم ہیں ان میں تو خاصی معقولیت پائی جاتی ہے لیکن جو بعد کی لکھی ہوئی ہیں ان کا انداز اس قدر ہیجان انگیز ہے کہ ناقابل برداشت ہے، اگر کوئی شخص ان کتابوں کے ذریعے سے ایران کے سرکاری مذہب اور عیسائیوں کے درمیان تعلّقات کو صحیح طور پر سمجھنا چاہے تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اُس تعصّب اور نفرت سے قطع نظر کرے جن کا رنگ ان کے انداز تحریر پر غالب ہے، عیسائیوں کو نہ صرف زرتشتیوں سے عناد تھا جن کے علماء ان کی نظروں میں جادوگر تھے بلکہ باقی تمام کافروں اور بیدینوں کو بھی وہ قابلِ نفرت جانتے تھے، اپنے دشمنوں پر وہ ہر قسم کی تہمتیں لگاتے تھے اور بالخصوص اُن کے شہوانی اخلاق کے متعلق بہت بدگمانیاں ظاہر کرتے تھے، عرفانیوں سے وہ سخت متنفر تھے، ان میں سے ایک فرقے کے متعلق جو سدوسی کہلاتا تھا ان کا قول تھا کہ اس فرقے کے لوگ "ویسے ہی

[1] لانگلوا، ج ۲، ص ۲۳۰ ببعد،

گنہگار ہیں جیسے کہ اہلِ سدوم اور وہ سؤر کے سر کی پرستش کرتے ہیں[1]" اسی طرح فرقہ بوربوری کے متعلق جن کے عقاید سدوسیوں کے ساتھ بہت ملتے جلتے تھے وہ لکھتے ہیں کہ" اس فرقے کے ناپاک عقاید کو پاک لوگوں کے کانوں تک پہنچانا سخت گناہ کا موجب ہے[2]"۔ سینٹ سابہا اور سینٹ وبھشاریگ آتشکدوں کو گرانے اور ان کی جگہ پر گرجے اور خانقاہیں تعمیر کرانے کے لیے ملک بھر میں دورہ کرتے رہتے تھے[3]" الرُّہا کے بشپ ربّولا کی تعریف اس بنا پر کی گئی ہے کہ اس نے اپنے کلیسائی علاقے سے تمام باردیسانیوں[4]، یہودیوں، آریُوسیوں[5]، مارسیونیوں[6]، مانویوں، بوربوریوں اور سدوسیوں کو خارج کر دیا تھا" جو اپنی ضلالت میں افسانوں اور موہوم باتوں پر اندھا دھند اس طرح ایمان رکھتے تھے کہ گویا وہ حقایق ہیں"۔ ربّولا کے متعلق لکھا ہے کہ" وہ ان کی جماعتوں کو پراگندہ کرتا تھا اور اُنھیں اُن کے عبادت خانوں سے جو نہایت خوبصورتی کے ساتھ تعمیر کیے گئے تھے خارج کرتا تھا اور ان کی جگہ پر ہمارے اپنے دینی بھائیوں کو داخل کرتا تھا، لیکن اُن لوگوں میں سے جو ایمان لے آتے تھے اُنھیں اپنی جماعت میں شامل کر لیتا تھا[7]"۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ عیسائی اپنے اولیاء کے کشف و کرامات کو افسانہ نہیں سمجھتے تھے، وقائع شہداء پر جو کتابیں سب سے آخر میں لکھی گئیں ان میں سینٹ سابہا "ہادی کفّار" کے معجزے بکثرت بیان ہوئے ہیں، مثلاً ایک یہ کہ ایک مرتبہ اُس نے ایک پتّھر کی طرف اشارہ کر کے کہا: "اپنی جگہ سے اُٹھ"۔ اسی وقت ایک زبردست گرج سنائی دی اور پتّھر اپنی جگہ سے ہٹ گیا[8]، جب بیتھیون

---

[1] ہوفمن، ص ۷۶، [2] ایضاً، ۱۲۵، [3] ایضاً، ۷۶، [4] یعنی باردیسان کے پیرو، دیکھو اوپر ص ۲۳۸، (مترجم)، [5] آریوس کے پیرو، دیکھو ص ۳۸۱، (مترجم)، [6] ان کا بانی مارسیون تھا، دیکھو ص ۴۴ (مترجم)

[7] ہوفمن، ص ۱۲۲، [8] ایضاً، ۷۶،

شہید کو لوگوں نے گرفتار کرنا چاہا تو زنجیریں خود بخود ٹوٹ گئیں، پھر جب اُسے سؤر کی نسوں سے بٹے ہوئے مضبوط رسوں سے باندھا گیا تو بجلی کی ایک کڑک نے اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، اس کے بعد رذ یعنی انسپکٹر نے جسے پیثیون کو گرفتار کرنے کا کام سپرد کیا گیا تھا خود اسی سے درخواست کی کہ اپنی رضامندی سے زنجیریں پہن لے، اس کو اُس نے قبول کیا اور پا بزنجیر ہوکر موبدان موبد کے سامنے آیا، اس کے دلیرانہ جوابوں سے موبدان موبد نے برہم ہوکر حکم دیا کہ اس کی زنجیریں خوب کس دی جائیں لیکن وہ سب ٹوٹ گئیں اور ان کا ایک سرا جو اس کے ہاتھ میں تھا مشعل کی طرح جلنے لگا، پھر پیثیون کو قید خانے میں ڈال دیا گیا لیکن آدھی رات کے وقت وہ دوسرے قیدیوں کے ساتھ اپنی جگہ سے اُٹھا، ان کی زنجیریں خود بخود گر گئیں اور دروازے خود بخود کھُل گئے، اس کے بعد اس کو دریا میں پھینکا گیا لیکن پانی دیوار بن کر کھڑا ہوگیا اور وہ ذرا بھی نہ بھیگا، پھر موبدان موبد نے آتشگاہ میں آگ جلوا کر اُسے اس میں ڈلوا دیا[1] لیکن آگ بلند ہوکر اس کے سر پر ایک گنبد کی شکل میں کھڑی ہوگئی اور چار گھنٹے اسی طرح کھڑی رہی، اس کے بعد چند کافروں کو جو حاضر تھے جلا کر غائب ہوگئی، پیثیون کو پھر واپس قید خانے میں لیجا کر کُتّے کی طرح باندھ دیا گیا اور حکم ہُوا کہ اُسے کھانے پینے کے لیے کچھ نہ دیا جائے، دو مہینے کے بعد دیکھا تو وہ زندہ تھا اور اس کا رنگ روغن نرسائی دیوتا[2] کی طرح تر و تازہ تھا، بالآخر اس کو "نُو موتوں" کی سزا کا حکم ہوا جس پر عمل درآمد کرنے میں چھ دن لگے، اس عرصے میں وہ برابر دُعا کرتا رہا اور حاضرین "آمین" کہتے رہے[3]۔

---

[1] لیکن اس طرح سے آتشِ مقدس کو ناپاک کرنا زرتشتیوں کے ہاں ناممکن تھا، [2] دیکھو اوپر، ص ۲۰۴
[3] ہوفمن، ص ۶۱ ببعد،

باب ہفتم

تحریکِ مزدکی

عہد ساسانی میں ایرانیوں کی معاشرتی حالت - سوسائٹی کے مختلف طبقے - خاندان - قانونِ دیوانی - کواذ اوّل کے عہد کا پہلا دور - مزدکیوں کے انقلاب انگیز عقاید - مزدکیوں کے ساتھ کواذ کا اتحاد - کواذ کی معزولی اور فرار - عہد زاماسپ - کواذ کی بحالی - اس کے عہد کا دوسرا دور - بادشاہ کی جانشینی کا مسئلہ - مزدکیوں کا استیصال - کواذ کی وفات -

ایرانی سوسائٹی کی عمارت دو ستونوں پر قائم تھی ایک نسب اور دوسرے جائداد[1] طبقۂ نجبا اور عوام النّاس کے درمیان نہایت محکم حدود قائم تھیں اور دونو کی ہر چیز میں امتیاز تھا "سواری میں، لباس میں، مکان میں، باغ میں، عورتوں میں اور خدمتگاروں میں[2]"۔ نامۂ تنسر میں ایک اور مقام پر اسی امتیاز کی توضیح یوں کی گئی ہے کہ "نجبا کو عام پیشہ ور اور ملازمین سے جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ ان کی سواری کی شان و شوکت اور ان کے لباس اور

[1] سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے متعلق دیکھو اوپر، ص ۶ - ۷ و ۱۲۵ - ۱۲۶ [2] نامۂ تنسر، ص ۲۲۲ ، [3] ایضاً، ص ۲۲۶ ،

ساز و سامان کی چمک دمک ہے، ان کی عورتیں اپنے ریشمی لباس سے پہچانی جاتی ہیں، ان کے سربفلک محل، ان کی پوشاک، ان کے جوتے، ان کے پاجامے، ان کی ٹوپیاں، ان کا شکار[1] اور ان کے دوسرے امیرانہ شوق، غرض ہر چیز ان کی عالی نسبی کا پتا دیتی ہے۔" اہلِ سپاہ (سوار) بڑے اعزاز کا درجہ رکھتے تھے اور ہر قسم کی رعایتیں ان کو حاصل تھیں، شاہنامۂ فردوسی میں جابجا "کلاہِ خسروانی" اور "زرّینہ کفش" کا ذکر آتا ہے اور یہ دونو چیزیں امرائے عالی تبار کا امتیازی لباس تھیں،

اس کے علاوہ سوسائٹی کے ہر طبقے میں مختلف مدارج تھے، ہر شخص کا ایک خاص رتبہ تھا اور سوسائٹی میں اس کی جگہ معیّن تھی، سیاستِ ساسانی کا یہ ایک نہایت محکم اصول تھا کہ ہرگز کوئی شخص اپنے اُس رتبے سے بلند تر رتبے کا خواہاں نہ ہو جو اس کو پیدائشی طور پر یعنی از روے نسب حاصل ہے،' سعدالدین وراوینی نے مرزبان نامے میں[2] ایک حکایت بیان کی ہے جو اگرچہ اپنی جگہ پر ایک افسانوی شکل میں ہے تاہم اس مسئلہ میں مفید مطلب ہے، وہ لکھتا ہے کہ ساسانی بادشاہوں میں سے کسی نے ایک مرتبہ حکم دیا کہ ایک جشن کیا جائے جس میں ادنیٰ سے اعلیٰ تک سب لوگ جمع ہوں، ہر ایک کو اپنے اپنے رتبے کے مطابق بٹھایا جائے اور عمدہ کھانے کھلائے جائیں، اس دعوت میں بہت سے حکومت کے عہدہ دار اور اہلِ دیوان بھی شریک تھے

---

[1] اس بات کا ثبوت کہ خواتین بھی شکار میں شریک ہوتی تھیں بہرام پنجم کے شکار کے نقشوں سے ملتا ہے،

[2] طبع میرزا محمد قزوینی، ص ۲۷۷،

جو کہ عرضِ مظالم کے لیے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے تھے، مجرموں کو حسبِ قانون سزا دینے کے بعد بادشاہ تخت پر بیٹھا اور شاہی نقیب نے بالفاظِ ذیل لوگوں کو مخاطب کیا: "اے حاضرینِ دربار! اپنی چشمِ بصیرت کو کھولو! تم میں سے ہر شخص پر (خواہ وہ مہمانوں میں ہے یا اہلِ دیوان میں) یہ بات واجب ہے کہ اپنے سے کمتر رتبے کے لوگوں پر نظر رکھے اور اپنے سے بلند تر رتبے والوں کو نہ دیکھے تاکہ جب ایک شخص دوسرے کو اپنے سے فروتر پائے تو اپنی حالت پر خدا کا شکر بجا لائے"۔ غرض جب ہر شخص نے اپنے سے کمتر درجے کے لوگوں کی حالت پر غور کیا تو اپنے رتبے کو غنیمت پایا، جو لوگ سوسائٹی کے سب سے نچلے درجے میں تھے وہ اُن لوگوں کو دیکھ کر شاکر ہوئے جو اپنے کردارِ بد کی وجہ سے موردِ ملامت ہوئے تھے اور جو موردِ ملامت ہوئے تھے اُنھوں نے اپنے آپ کو اُن لوگوں سے بہتر پایا جن کو سزائیں ملی تھیں اور جن کو سزائیں ملی تھیں وہ ان لوگوں کو دیکھ کر خدا کا شکر بجالائے جن کو عبرت انگیز طور پر عذاب دئے گئے تھے اور جن کو عذاب دیے گئے تھے اُنھوں نے اپنی حالت کو یوں غنیمت جانا کہ ان کو دوسروں کی طرح سولی پر نہیں چڑھایا گیا یا ان کی گردنیں نہیں ماری گئیں یا کسی اور طریقے سے قتل نہیں کیے گئے، اس کے بعد مصنّف لکھتا ہے کہ اس دن سے شاہانِ ایران کے ہاں اس قسم کے جشن کا دستور جاری ہوگیا،

امراء و نجباء کے خاندانوں کی پاکیِ نسب اور ان کی غیر منقولہ جائدادوں کی محافظت قانون کے ذمّے تھی، اس بارے میں شاہی خاندان کے متعلق

فارس نامے میں[51] ایک دلچسپ مقام ہے جو غالباً آئین نامگ سے لیا گیا ہے، لکھا ہے کہ شاہان ایران کے ہاں رسم تھی کہ وہ تمام غیر ممالک مثلاً چین، ترکستان، روم، ہندوستان کے بادشاہوں کی بیٹیوں سے شادیاں کر لیتے تھے لیکن اپنی کوئی بیٹی کسی بادشاہ کو نہیں دیتے تھے، وہ اپنی بیٹیوں کی شادیاں صرف اپنے خاندان کے لوگوں سے کرتے تھے[52]"۔

ممتاز خاندانوں کے نام "سرکاری رجسٹروں میں درج رہتے تھے[53]" جن کی حفاظت سلطنت کا فرض تھا، حکومت کی طرف سے عوام النّاس کو ممانعت تھی کہ وہ طبقۂ امراء میں سے کسی کی جائداد کو خرید سکیں لیکن باوجود اس کے امراء کے بعض خاندان بمرور زمانہ مٹتے گئے، نامۂ تنسر میں لکھا ہے[54] کہ "خاندان اور مراتب کی تباہی دو طرح سے ہوتی ہے، ایک تو یہ کہ قہراً ایک گھر کو برباد کیا جائے اور اس کے حقوق کو منتقل کر دیا جائے دوسرے یہ کہ زمانہ خود اس کو بلا سعی غیرے برباد کر دے اور اس کی عزّت و منزلت کو مٹا دے یعنی اس کے ورثاء ناخلف ہوں جو اجلاف کے سے طور طریقے اختیار کر لیں اپنی بزرگی کو بھول جائیں اور لوگوں کی نظروں میں اپنا وقار کھو دیں، جب ایسی حالت ہو جاتی ہے تو پھر وہ عام پیشہ وروں کی طرح مال جمع کرنے کے درپے رہتے ہیں اور شہرت و نیکنامی حاصل کرنے کی پروا نہیں کرتے، فرومایہ لوگوں کے ساتھ جو ان کے کفو نہیں ہوتے رشتے ناتے

---

[51] ص ۹۷-۹۸، [52] دیکھو اوپر، ص ۱۴۰ ح ۱ اور ص ۳۸۳ ح ۴، [53] نامۂ تنسر طبع ڈارمسٹیٹر، ص ۲۲۳، طبع مینوی، ص ۲۰، [54] ایضاً، ص ۲۲۲، یہ یاد رہے کہ نامۂ تنسر کی تالیف اس وقت ہوئی جب کہ ایران میں مزدکیت کی بدولت سوشل انقلابات واقع ہو چکے تھے جن پر ہم اس باب میں بحث کرینگے،

کرنے لگتے ہیں پھر اُن کی اولاد بھی کمینہ خصلت پیدا ہوتی ہے جو اپنے خاندان کی عزّت کو خاک میں ملاتی ہے"۔

وقائع شہداء میں امراء و نجباء کے بارے میں بعض اطلاعات بکھری ہوئی پائی جاتی ہیں، شہرین کی وفات کے بعد جو خاندان مہران سے تھا اس کے بھائی نے آدمیوں کو بھیجا کہ متوفّی کے بیٹے گشن یزداد (سینٹ ساتھا) کو ڈھونڈ کر لائیں تاکہ وہ آکر قربانی اور فاتحہ کی رسوم کو ادا کرے جو ازرُوئے دستور خاندان کے رئیس کو اپنی جاگیر میں ادا کرنی پڑتی تھیں اگرچہ وہ نابالغ ہی کیوں نہ ہو جیساکہ موجودہ حالت میں تھا، جب گشن یزداد کے متعلق اُس کے چچا کو جو اس کا اتالیق بھی تھا یہ معلوم ہُوا کہ وہ عیسائی ہوگیا ہے تو اس نے اپنے آپ کو خاندان کی جائداد کا جائز وارث تصوّر کیا، اس واقعہ سے یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ کم ازکم عہد ساسانی کے خاص خاص زمانوں میں یہ قانون تھا کہ ایک شخص مرتد ہونے کی صورت میں محروم الارث قرار دیا جاتا تھا اور اس کی جائداد اس کے نزدیکترین رشتہ دار کو مل جاتی تھی، چند روز کے بعد گشن یزداد کا چچا بھی فوت ہوگیا چنانچہ اس نے اپنی جائداد کا قبضہ حاصل کرلیا اور سب مال و اسباب غریبوں کو بانٹ دیا[1]، ہمیں یہ معلوم نہیں کہ اس کے اس فعل کو قانوناً جائز تسلیم کیا گیا تھا یا نہیں،

عوام الناس کی مختلف جماعتوں میں بھی نہایت صریح امتیاز تھا، سوسائٹی میں ہر شخص کی ایک معیّن جگہ تھی اور کوئی شخص مجاز نہ تھا کہ

---

[1] ہوفمن، ص ۶۸ بیعد،

سوائے اُس پیشے کے جس کے لیے خدا نے اس کو پیدا کیا ہو کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر سکے[1]"۔ پہلوی کتاب مینوگِ خرَدْ[2] کا گمنام مصنّف لکھتا ہے کہ "دستکاروں کو چاہیے کہ جن چیزوں کو وہ نہیں سمجھتے ان میں دخل نہ دیں بلکہ جو کام ان کا اپنا ہے اس کو اچھّی طرح انجام دیں اور اپنی جائز اجرت طلب کریں کیونکہ اگر کوئی شخص ایسے کام میں مشغول ہو جس کی اس کو خبر نہیں ہے تو وہ اس کے لیے اکارت اور بے فائدہ ہوگا"۔

بقول ابوالفداء[3] شاہانِ ایران حکومت کا کوئی کام کسی نیچ ذات کے آدمی کو سپرد نہیں کرتے تھے، فردوسی نے اس بارے میں ایک حکایت لکھی ہے[4] جو مثال کے طور پر بیان کی جا سکتی ہے، وہ لکھتا ہے کہ خسرو اوّل (انوشیروان) کو ایک دفعہ رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے روپے کی ضرورت ہوئی، ایک مالدار موچی بادشاہ کو ایک بڑی رقم قرض دینے کے لیے آمادہ ہُوا، ساسانی عہد کی روایات کی رو سے موچی کی ذات بہت پست ہے، تاہم معاملہ طے ہوگیا اور موچی نے روپوں کے توڑے اونٹوں پر لدوا کر بھجوا دیے، بادشاہ اس کی خدمتگزاری پر بہت خوش ہُوا اور وعدہ کیا کہ روپیہ واپس ادا کرتے وقت ایک معقول رقم اس کو اصل زر کے علاوہ دی جائیگی، لیکن موچی کو حرص دامنگیر تھی اس نے خواہش ظاہر کی کہ اس کا بیٹا بادشاہ کے دبیروں (دبیروں) میں داخل کر لیا جائے، بادشاہ نے سنتے کے ساتھ اونٹ واپس بھجوا دیے اور روپے کو ہاتھ تک بھی

---

[1] نامۂ تنسر، طبع ڈارمیسٹٹیر، ص ۲۱۵، طبع مینوی، ص ۱۴، [2] باب ۳۲، [3] طبع فلائشر، ص ۱۵۰
[4] شاہنامہ طبع مول، ج ۶، ص ۵۱۲ ببعد،

نہ لگانا چاہا اور کہا کہ ؎

چو فرزند ما بر نشیند بتخت ۔۔۔ دبیری بباید ش پیروز بخت

ہنر یابد از مرد موزہ فروش ۔۔۔ سپارد بدو چشم بینا و گوش

بدست خردمند مرد نژاد ۔۔۔ نماند جز از حسرت و سرد باد

بما بر پس مرگ نفرین بود ۔۔۔ چو آئین این روزگار این بود[1]

اس حکایت سے پتہ چلتا ہے کہ سوسائٹی کے طبقات کی حد بندی کس اہتمام سے ہوئی تھی، بالعموم نیچے کے طبقے سے اوپر کے طبقے میں منتقل ہونا ممنوع تھا لیکن بطور استثناء ایسی حالتوں میں ممکن تھا جہاں کہ عوام الناس میں سے کوئی شخص خاص لیاقت رکھتا ہو، "ایسی صورت میں معاملہ بادشاہ کے حضور میں پیش کیا جاتا اور ایک طولانی تفتیش اور امتحان کے لیے موبدوں اور ہیربدوں کو سپرد کیا جاتا، اگر وہ امیدوار کی لیاقت کو تسلیم کر لیتے تو اس کو اوپر کے طبقے میں داخل کر لیا جاتا[2]۔" اگر وہ طاعت و تقویٰ میں ممتاز ہوتا تو اس کو موبدوں کے زمرے میں داخل کیا جاتا تھا، اگر وہ قوت و شجاعت میں نامی ہوتا تو اہل سپاہ میں بھرتی کیا جاتا اور اگر ذہانت و حافظہ میں فائق ہوتا تو دبیروں کی جماعت میں شامل کر لیا جاتا تھا، ہر صورت میں ترقی سے پہلے اس کو نہایت مکمل تعلیم سے بہرہ مند کیا جاتا تھا[3]، بنا بریں عوام الناس میں سے کسی کا ترقی پا کر طبقۂ نجباء میں پہنچ جانا ناممکن نہ تھا اور بادشاہ کو اختیار تھا کہ اس طریقے سے نجباء کی رگوں میں نیا خون داخل

---

[1] شاہنامہ طبع مول، ج ۶، ص ۵۱۲ بعد، [2] نامۂ تنسر طبع ڈارمسٹیٹر، ص ۲۱۴، طبع مینوی، ص ۱۳،
[3] ایضاً، ص ۲۱۵۔

کر سکے لیکن عملاً بہت شاذ و نادر ایسا ہوتا تھا ،

بہر حال شہریوں کی حالت نسبتہً بہتر تھی اگرچہ ان کو بھی کسانوں کی طرح جزیہ دینا پڑتا تھا[1] لیکن غالباً ان کو فوجی خدمت معاف تھی اور تجارت و حرفت کی بدولت وہ مالدار ہوتے تھے اور لوگوں کی نظروں میں ان کی وقعت بھی تھی ، لیکن کسانوں کی حالت بہت بدتر تھی ، وہ اپنی زمین کے ساتھ بندھے رہتے تھے اور ان سے ہر طرح کی بیگار اور خدمت لی جاتی تھی ، مؤرخ امیان مارسلینوس لکھتا ہے کہ " ان بیچارے کسانوں کے بڑے بڑے گروہ فوج کے پیچھے پیچھے پیادہ کوچ کرتے تھے گویا کہ ابدی غلامی ان کی تقدیر میں لکھی ہے ، اور کسی قسم کی تنخواہ یا اجرت سے ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی تھی[2] " غرض یہ کہ کسانوں کو قانون کی کچھ زیادہ حمایت میسر نہ تھی اور اگر ہرمزد چہارم کی طرح کسی رعیت نواز بادشاہ نے اپنے لشکریوں کو ایسا حکم دیا بھی کہ دیہات کے پُر امن لوگوں پر کسی قسم کی زیادتی نہ کریں تو اس سے زیادہ تر دہقان مقصود تھے نہ کہ کسان ، ہمیں اس امر کے متعلق صحیح اطلاعات میسر نہیں ہیں کہ کسانوں کی حالت امراء کے زیر اطاعت جو " اپنے آپ کو اپنے غلاموں اور رعایا کی زندگی اور موت کے مالک و مختار سمجھتے تھے[4] " کیسی تھی ؟ کسانوں کا تعلق زمینداروں کے ساتھ تقریباً ویسا ہی تھا جیسا کہ غلاموں کا

---

[1] جزیہ کی معافی صرف اُمراء ، اشراف ، سپاہیوں ، موبدوں ، دبیروں اور دوسرے سرکاری ملازموں کو حاصل تھی ، (طبری ، ص ۹۶۲) ، ٹیکس اور جزیہ وغیرہ خسرو اوّل (انوشیروان) کے احکام کے مطابق عائد کیے گئے لیکن ہم فرض کر سکتے ہیں کہ اس سے پہلے بھی اس بارے میں قواعد و ضوابط تقریباً وہی تھے جو انوشیروان نے جاری کیے ، [2] کتاب ۲۳ ، ۶ ، ۸۳ ، [3] طبری ، ص ۹۸۹ ، [4] امیان ، کتاب ۲۳ ، ۶ ، ۸۰ ،

تعلّق آقا کے ساتھ ، اس بات کا ہمیں علم نہیں ہے کہ شاہی گورنر کو اُن جاگیروں پر جو اُس کے صوبے میں واقع ہوتی تھیں کسی قسم کا اختیار تھا یا نہیں یا آیا اُن جاگیروں کو کُلّی یا جزئی آزادی حاصل تھی یا نہیں ، جو بات یقینی طور پر معلوم ہے وہ یہ ہے کہ کسانوں کو یہ اختیار تھا کہ اپنی زمین کا لگان خواہ مالک کو ادا کریں خواہ گورنمنٹ کو خواہ دونوں کو اور یہ کہ وہ اس بات پر مجبور تھے کہ اپنے مالک کے ماتحت بوقت ضرورت فوجی خدمت انجام دیں ؛

شریعت زرتشتی میں زراعت کو جو اہمیت حاصل ہے اور کتب مقدسہ میں اس کی جو بڑائی بیان کی گئی ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہم بخوبی اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ کاشتکاروں کے قانونی حقوق کو نہایت احتیاط کے ساتھ معیّن کیا گیا ہوگا ، اوستا کے بہت سے نسکوں میں خصوصاً ہسپارم نسک اور سکاذُم نسک میں اس کے متعلق قواعد و ضوابط کا ایک پورا سلسلہ موجود تھا[1]، آبپاشی کے متعلق جس پر زراعت کا دار و مدار تھا (جیسا کہ اب بھی ہے) نہایت مفصّل طور پر اصول و قواعد مقرّر کیے گئے تھے ، مثلاً یہ بتایا گیا تھا کہ نہروں کی مختلف قسموں میں سے کس حالت میں کونسی نہر کھدوانی چاہیے ؟ پانی کو روکنے کے لیے کس قسم کے بند بنوانے چاہئیں ؟ نہروں کی دیکھ بھال اور حفاظت کا کیا انتظام کرنا چاہیے ؟ ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے کیا کیا شرائط ہیں ؟ وغیرہ[2] ، اسی طرح بھیڑوں کی تعداد اور گڈریوں کی حالت اور ریوڑ کے کتّوں کی پرورش کے بارے میں بھی قواعد مقرّر تھے ، جیسا کہ معلوم

---

[1] دین کرد ، کتاب ۸ ، ۳۱ ، ۳۱-۳۲ ، ۳۴-۳۶ ، کتاب ۸ ، ۳۸ ، ۳۵ ، [2] ایضاً ، ۳۸ ، ۴۴-۵۱ ،

ہے زرتشتی مذہب میں کتّے کی بڑی عظمت ہے چنانچہ اسی لیے وزد سرنزدنسک کا ایک پورا باب ریوڑ کے کتّے کی قانونی حفاظت کے متعلق تھا[1]
یہ جو کچھ بیان ہؤا سوسائٹی کے مختلف طبقوں میں امتیاز کے متعلق تھا، ایرانیوں اور غیر ایرانیوں کے درمیان بھی امتیاز ملحوظ تھا جس کی کیفیت ہم کو اُن نسکوں کے خلاصے سے معلوم ہوتی ہے جو ضائع ہو چکے ہیں مثلاً جب کبھی ایرانیوں کو "کفّار"[2] کے ساتھ کھانے میں شریک ہونے کا موقع ہو تو اس کے لیے خاص شرعی احکام و قواعد تھے جن کی بجا آوری ضروری تھی، خاص خاص حالتوں میں غیر ایرانی ملازم کی تنخواہ اُس ملازم کی تنخواہ سے مختلف ہوتی تھی جو زرتشتی مذہب سے تعلّق رکھتا ہو[3]، اسی طرح خاص حالات میں[4] ایرانیوں کو غیر ایرانیوں میں شادی کرنے کی اجازت تھی لیکن اس بارے ہمیں مفصّل اطّلاعات حاصل نہیں ہیں،

ساسانی سوسائٹی کے اوضاع و اطوار کو ایک ایسے قانونِ دیوانی کے ذریعے سے منضبط کیا گیا تھا جس کی بنیاد اوستا و زند پر تھی اور جو بہت مفصّل تھا، دین کرد میں جو خلاصہ دیا گیا ہے اس میں قانونِ دیوانی کے بہت سے آثار پائے جاتے ہیں لیکن کسی جگہ پر تفصیل نظر نہیں آتی، بعض مفصّل اطّلاعات جن کے ساتھ اکثر حالتوں میں فقہا کی مختلف تفسیریں بھی شامل ہوتی ہیں کتاب مادیگانِ ہزار دادستان کے اجزاء میں پائی جاتی ہیں، یہ عہد ساسانی کے

---

[1] دین کرد، کتاب ۸، ۲۳، [2] ایضاً ۳۸، ۶۱-۶۲، [3] ایضاً ۴۲، ۱، [4] ایضاً ۳۰، ۱۱،

قانون کی کتاب ہے جس کے بعض حصّوں کا مطالعہ بارتھولمی نے کیا ہے[1]، اس کا موازنہ ہم مجموعۂ قوانین ساسانی کی سریانی اشاعت کے ساتھ کرسکتے ہیں جس کا مصنّف ایشوع بخت ہے[2]،

خاندان کی بنا تعدّدِ ازدواج پر تھی، عملی طور پر ایک شخص کی بیویوں کی تعداد اس کی آمدنی پر موقوف تھی اور بالعموم کم حیثیت لوگ ایک بیوی سے زیادہ نہیں رکھتے تھے، گھر کا مالک (کذک خُوذای) خاندان کی ریاست (سرداریہِ دوذگ) کا حق رکھتا تھا[3]، بیویوں میں سے ایک کو دوسری سے ممتاز کیا جاتا تھا چنانچہ ایک "بڑی بیوی" ہوتی تھی جس کو زنِ پاذشایہ ہا کہتے تھے، وہ دوسریوں سے افضل سمجھی جاتی تھی اور اس کے خاص حقوق تھے، اس سے اتر کر "خدمتگار بیوی" تھی جس کو زنِ چکاریہا کہتے تھے[4]، ان دو قسموں کی بیویوں کے قانونی حقوق مختلف تھے[5]، غالباً لونڈیاں جو زرخرید ہوتی تھیں یا عورتیں جو جنگ میں گرفتار ہو کر آتی تھیں دوسری قسم سے تعلق رکھتی تھیں[6]، ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ پہلی قسم کی بیویوں کی تعداد محدود تھی یا نہیں لیکن قانونی مسائل کی بحث میں اکثر ایسے شخصوں کا ذکر آیا ہے جن کی دو بیاہتا بیویاں (زنِ پاذِشایہ ہا) تھیں، ان میں سے ہر ایک کذک بانوگ[7] کہلاتی تھی اور غالباً ہر ایک کا گھر علیحدہ ہوتا تھا[8]، شوہر کا یہ

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۶۶، [2] دیکھو اوپر، ص ۶۷، [3] بارتھولمی، "قانونِ ساسانی" (بزبان جرمن)، ج ۱، ص ۳۱، ج ۲، ص ۲۱، [4] ایضاً ج ۱، ص ۳۱، [5] بارتھولمی، "زن در قانون ساسانی" (بزبان جرمن)، ص ۱۳، [6] امیان مارسیلینوس، کتاب ۲۳، ۶، ۷۶، [7] فارسی جدید: کدبانو، [8] "قانونِ ساسانی" - ج ۱، ص ۳۶،

فرض تھا کہ اپنی بیاہتا بیوی کو عمر بھر نان و نفقہ دیتا رہے، اسی طرح بلوغ ہونے کی عمر تک بیٹے کی نگہداشت اور شادی کے وقت تک بیٹی کی پرورش باپ کے ذمّے تھی، "خدمتگار بیوی" کی صرف اولادِ نرینہ کو خاندان میں داخلے کا حق مل سکتا تھا[1]۔ بعد کی لکھی ہوئی پارسی کتابوں میں پانچ قسم کی شادیاں مذکور ہیں[2] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساسانی قانون میں شادی کی صرف یہی دو قسمیں تھیں جن کا ابھی ذکر ہوا[3]۔ عیسائی لوگ زرتشتیوں کی مذمّت کیا کرتے تھے کہ وہ شادی بھی بآسانی کر لیتے ہیں اور طلاق بھی بآسانی دے دیتے ہیں لیکن یہ الزام ناحق ہے[4]،

خاندان کی پاکیِ نسب کی حفاظت ایرانی سوسائٹی کی ایک نمایاں صفت تھی یہاں تک کہ محرّمات کے ساتھ شادی کو مذہبی جواز کی صورت دی گئی تھی . . . . اور اس قسم کی شادی خُوَیذوگدس (اوستا: خُوَیْتْوَدَثا) کہلاتی تھی، ایرانیوں کے ہاں اس قسم کی شادی کی رسم بہت دیرینہ ہے چنانچہ ہخامنشیوں کی تاریخ میں ہمیں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں[5] . . . . . بگ نسک[6] اور وَرْشتمانسر نسک[7] میں خُوَیذوگدس کی بڑی عظمت بیان کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ایسی مزاوجت پر خدا کی رحمت کا سایہ پڑتا ہے اور شیطان اس سے دُور رہتا ہے، نرسی بُرْزمہر مفسّر کا یہاں تک دعویٰ ہے کہ

---

[1] بارتھولمی، ص ۷، [2] ویسٹ: متونِ پہلوی، ج ۱، ص ۱۴۲ - ۱۴۳، کرسٹن سین: "شاہنشاہی ساسانیان" ص ۹۴، [3] "قانون ساسانی" ج ۱، ص ۳۱، [4] ہوفمن ص ۹۶ پر جو مثال مذکور ہے وہ غیر معمولی ہے یعنی یہ کہ مہران گشنسپ عیسائی ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی بیوی کو جو اس کی اپنی بہن ہے جبری طلاق ہو جاتی ہے، [5] مثلاً شاہ کمبوجیہ، داریوش دوم، ارتخشتر دوم اور داریوش سوم اس قسم کی شادیوں کے مرتکب ہوئے

[6] دین کرد، کتاب ۹، ۶۰، ۲ - ۳، [7] ایضاً ۴۱، ۷، ۴،

خُویذ وگدس سے کبائر کا کفّارہ ہو جاتا ہے[1]، ایرانیوں کے ہاں عہد ساسانی میں محرّمات کے ساتھ شادی کی رسم کی تصدیق نہ صرف معاصر مؤرّخین مثلاً اگاتھیاس[2] وغیرہ کے بیان سے ہوتی ہے بلکہ اس عہد کی تاریخ میں ایسی شادی کی کئی مثالیں بھی موجود ہیں، .... مثلاً بہرام چوبین نے اور مہران گشنسپ نے (عیسائی ہونے سے پہلے) اس قسم کی شادیاں کیں، .....[3]

باوجود اُن معتبر شہادتوں کے جو زرتشتی کتابوں میں اور غیر مُلکی معاصر مصنّفین کے ہاں پائی جاتی ہیں آج کل کے بعض پارسیوں کا اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہ زرتشتی ایران میں محرّمات کے ساتھ شادی کی رسم نہیں تھی محض ہرزہ سرائی ہے، مثلاً بلسارا نے خُویذ وگدس کی جو تاویل کی ہے[4] اس کی رو سے اس کے معنی ہونگے "خدا اور بندے کے درمیان وہ تعلّق جو بذریعۂ زہد و تقدّس قائم کیا جائے" بقول اس کے اگر پہلوی کتابوں میں یہ لفظ "تزویجِ محرّمات" کے معنوں میں استعمال ہوا ہے "تو وہ فقط مزدکی فلسفیوں کے بارے میں ہے نہ کہ زرتشتیوں کے بارے میں" لیکن واقعہ یہ ہے کہ محرّمات کے ساتھ شادی کرنا نہ صرف یہ کہ گناہ نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ مذہبی نقطۂ نظر سے وہ کارِ ثواب تھا،

[1] شایست نے شایست، کتاب ۸، ۱۸، [2] ج ۲، ۲۴

[3] خویذ وگدس کے متعلق دیکھو ویسٹ: "متون پہلوی" ج ۲، ص ۳۸۹ بعد، اینوس ترانت زیف: "مطالعات ساسانی" (بزبان روسی)، ص ۱۱۶ بعد،

[4] انیر پتستان و نیرنگستان، ص ۱۰، ح ۵،

چینی سیّاح ہیوئن سیانگ نے جو یہ لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں[1] ایرانیوں کے ہاں شادیاں بلا امتیاز ہوتی تھیں تو وہ غالباً اسی رسم کی طرف اشارہ کر رہا ہے[2]،

بچّہ پیدا ہونے پر باپ کے لیے لازمی تھا کہ شکرِ خدا کے اظہار کے لیے خاص مذہبی رسوم ادا کرے اور صدقہ دے لیکن لڑکی کے پیدا ہونے پر ان رسموں میں اس قدر دھوم دھام نہیں ہوتی تھی جتنی کہ لڑکے کے پیدا ہونے پر[3]، اس کے بعد بچّے کا نام رکھا جاتا تھا، ایسے ناموں کا رکھنا جو کفّار میں رائج ہوں گناہ سمجھا جاتا تھا[4]، عہد ساسانی کے زرتشتی نام جو ہم کو تاریخی کتابوں یا مُہروں کے نگینوں سے معلوم ہوئے ہیں تقریباً سب کے سب اونچے درجے کے لوگوں کے ہیں اور وہ اکثر مذہبی نوعیّت کے ہیں، کبھی تو وہ خداؤں کے نام ہوتے ہیں مثلاً ہرمزد (= اوہرمزد، اہورا مزداہ)، بہرام یا وہرام (وَرَثرغنا)، نرسی (نیر یو سنگھا) اور کبھی دو خداؤں کا نام مل کر ایک نام بنتا ہے مثلاً مہر نرسی (متھرا + نیر یو سنگھا) یا کبھی ایک نام کے دو حصّوں میں سے ایک خدا کا نام ہوتا ہے مثلاً مہر وراز (متھرا + وراز بمعنی گراز)، مہر بوزید (بمعنی "متھرا نجات دیتا ہے")، زُروان داذ (زُروان کا دیا ہوا)، یزد بُخت (بمعنی "خدا نے نجات

---

[1] یعنی ساتویں صدی کے شروع میں، [2] ترجمہ انگریزی از بیل، ج ۲، ص ۲۷۸،
[3] دین کرد، کتاب ۸، ۳۱، ۱۳-۱۴، [4] ایضاً، ۳۱، ۱۵،

دی")، اناہیذ پناہ (اناہتا کے پاس پناہ لینے والا) وغیرہ، ایسے نام جن کی ترکیب لفظ آذر (آگ) کے ساتھ ہے بہت عام ہیں، مثلاً آذر بوزے (نجات بذریعۂ آتش)، یا وہ جو مشہور آتشکدوں کے نام کے ساتھ مرکّب ہیں مثلاً آذر گشنسپ، گشنسپ، مہران گشنسپ[1]، گشنسپ فرّ (یعنی گشنسپ کی سی شان وشوکت والا)، آذر فرّبگ، فرّبگ، برزین، پناہ برزین، ایسے نام بھی ملتے ہیں جن کے تین تین حصّے ہیں، مثلاً آذر خورشیذ آذر، بعض وقت نام سے بچّے کی عالی نسبی کا اظہار ہوتا تھا مثلاً شاہ پُہر (= شاپُور بمعنی شاہزادہ) یا اس میں فالِ نیک کا مفہوم ہوتا تھا مثلاً پیروز (فاتح)، نام ویہ (بمعنی اچھّے نام والا)، ایسے نام جن میں پیار کا اظہار ہوتا تھا مختلف طریقوں سے ترکیب دیے جاتے تھے، عموماً نام کے آخری حصّے کو کاٹ کر اس کی بجائے وئے (ویہ) لگاتے تھے مثلاً ماہوئے (ماہویہ یعنی ماہ اور اس کے ساتھ ایک اور جزء جو معلوم نہیں ہے)، یُوا نوئے (یُوا نویہ، یوان = جوان)، عورتوں کے نام کا آخری حصّہ بالعموم لفظ دُخت (بمعنی بیٹی) ہوتا تھا، مثلاً ہرمزد دخت، یزدان دخت (خدا کی بیٹی)، آزرمیدخت (= دختر باعفّت)، یا آخر میں حرف گ ہوتا تھا مثلاً دینگ (دین + گ)، وَرْدگ (ورد بمعنی گلاب + گ)، بعض وقت صفتِ مشبّہ کو عورتوں کے نام کے طور پر استعمال کرتے تھے

[1] اس کا عامیانہ تلفّظ "مہرام گشنسپ" تھا،

مثلاً شیرین (بمعنی میٹھی)،

پانچویں صدی کے وسط سے ایسے ناموں کا رواج عام ہوگیا جو قدیم افسانوی تاریخ میں سے لیے جاتے تھے، مثلاً شاہ کواذ کا نام قدیم بادشاہ کواتَ کے نام پر ہے جس کا ذکر اوستا میں ملتا ہے، اسی طرح خسرو، سیاوش، روستہم (رستم) اور بعض اور نام ہیں جو پانچویں، چھٹی اور ساتویں صدی کے لوگوں میں پائے جاتے ہیں، یہ نام اس بات کی دلیل ہیں کہ عہد ساسانی میں ایران کے قدیم پُرشوکت افسانوں کے ساتھ لوگوں کو دوبارہ دلچسپی پیدا ہوگئی تھی، انھی صدیوں میں ایران کی افسانوی تاریخ نے وہ شکل اختیار کی جس کو خوذای نامک میں محفوظ کیا گیا تھا[1]،

بچے کو نظرِبد سے بچانا نہایت ضروری سمجھا جاتا تھا بالخصوص اس بات کی احتیاط کی جاتی تھی کہ کوئی .... عورت اس کے پاس نہ آئے تاکہ اس کی شیطانی ناپاکی بچے کے لیے بدبختی کا باعث نہ ہو[2]۔ شیطان کو دور رکھنے کے لیے آگ اور روشنی کا استعمال کیا جاتا تھا بالخصوص پیدائش کے بعد پہلی تین راتوں میں یہ عمل ضروری تھا، بچے کو گھُٹی میں ہَوم کے مقدس پودے کا رس پلایا جاتا تھا اور موسم بہار کا گھی چٹایا جاتا تھا[3]، اس کی خدمت اور دودھ پلانے اور کپڑے پہنانے کے لیے مذہبی رسوم مقرر تھیں[4]، اسی طرح مونڈن کی رسمیں بھی خاص نہیں[5]،

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۷۰، کرسٹن سین: کیانیان"، ص ۴۰، [2] دین کرد، کتاب ۸، ۳۱، ۲۱-۲۲ (ہسپارم نسک)، [3] ایضاً، ۳۸، ۶-۷ (سکاذم نسک)، [4] ایضاً، ۳۵، ۹ (ہسپارم)، [5] ایضاً، ۳۸، ۱۹ (سکاذم)،

بچّے کی پرورش ماں کے ذمّے ہوتی تھی یا بصورتِ مجبوری پھوپھی یا بڑی بہن کو یہ ذمّہ لینا پڑتا تھا[۱]، اگر بیٹا نالائق ہو اور باپ کی واجب تعظیم نہ کرتا ہو تو باپ کے ترکے میں سے اس کا حصّہ ماں کی طرف منتقل ہو جاتا تھا بشرطیکہ ماں اس کی نسبت زیادہ اہلیت رکھتی ہو[۲]، لڑکی کی مذہبی تعلیم ماں کا فرض تھا لیکن اس کی شادی کرنا باپ کے فرائض میں سے تھا[۳]، اگر باپ زندہ نہ ہو تو پھر لڑکی کی شادی کسی اور شخص کو سپرد کی جاتی تھی، باپ کے بعد سب سے پہلے اس کام کی اہل ماں تھی لیکن اگر وہ بھی زندہ نہ ہو تو پھر چچا یا ماموں کو یہ ذمّہ لینا پڑتا تھا، لڑکی کو خود اپنے شوہر کے انتخاب کا حق حاصل نہ تھا[۴]، دوسری طرف باپ یا لڑکی کے ولی پر یہ بات لازم تھی کہ اس کے بالغ ہوتے ہی اس کی شادی کر دے کیونکہ اس کو اولاد کی جائز خواہش کے پورا کرنے سے باز رکھنا بہت بڑا گناہ تھا[۵]،

منگنی عموماً بچپن کی عمر میں ہوتی تھی اور شادی نوجوانی میں کر دی جاتی تھی، پندرہ سال کی عمر میں لڑکی کا بیاہا جانا ضروری تھا[۶]، رشتہ عموماً کسی درمیانی شخص کے ذریعے سے طے پاتا تھا[۷]، مہر معیّن کر دیا جاتا تھا اس کے بعد شوہر ایک خاص رقم لڑکی کے باپ کو ادا کرتا تھا لیکن بعد میں خاص حالتوں میں وہ اس رقم کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا تھا مثلاً ایسی صورت میں "جبکہ

---

[۱] ایضاً ، ۳۱ ، ۹-۱۰ (ہسپارم) [۲] ایضاً ۴۳ ، ۱۳ (سکاذم)
[۳] ایضاً ، ۴۳ ، ۱۰ (سکاذم) [۴] وین کرد ، کتاب ۸ ، ۴۳ ، ۱۱ (سکاذم) ،
[۵] ایضاً ۴۳ ، ۲۰ (سکاذم) ، [۶] ایضاً ۲۰ ، ۹۵ (نکاذم) ،
[۷] بارتھولمی ، لغات پہلوی ، ج ۲ ، ص ۶ ،

شادی کے بعد یہ معلوم ہو کہ دلہن اتنی قیمت کی نہیں ہے"[1] جس سے غالباً مراد یہ تھی کہ وہ بانجھ ہے، ان باتوں کے علاوہ ایک قاعدہ یہ تھا کہ باپ لڑکی کو اُس شوہر کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا جس کو اس نے خود تجویز کیا ہو اور ایسی صورت میں جبکہ لڑکی اس شوہر کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دے تو باپ اس کو اس بنا پر ورثے سے محروم نہیں کر سکتا تھا[2]۔ شادی ہو چکنے کے بعد عورت کے نیک اعمال کا اجر شوہر کا حق سمجھا جاتا تھا[3]۔

شوہر کو اس بات کا اختیار تھا کہ ایک قانونی وثیقے کے ذریعے سے بیوی کو اپنا شریک بنا لے، ایسی صورت میں وہ شوہر کی جائداد میں حصّہ دار بن جاتی تھی اور جس طرح وہ خود اپنی جائداد میں تصرّف کر سکتا تھا اسی طرح وہ بھی کر سکتی تھی[4]۔ صرف اسی صورت میں یہ ممکن تھا کہ عورت ایک تیسرے شخص کے ساتھ کوئی معاملہ طے کر سکے جس کو قانون جائز تسلیم کرے کیونکہ ایسی حالت میں اس کے طے کردہ معاملات اور ان کے قانونی نتائج میں عدالت اس کو ایک مستقل فریق کی حیثیت دیتی تھی گویا کہ وہ قیدِ زناشوئی سے آزاد ہے ورنہ ویسے تو قانونِ دیوانی میں صرف شوہر کو مستقل فریق تسلیم کیا جا سکتا تھا[5]۔ ایسی صورت میں یہ بھی ممکن تھا کہ ایک تیسرا شخص عورت پر دعویٰ دائر کر سکے بغیر اس کے کہ اس کے شوہر کی رضامندی حاصل کی جائے

---

[1] دین کرد، کتاب ۸، ۲۰۰، ۹۴، (نکاذم)، [2] "قانونِ ساسانی" ج ۵، ص ۱۰، ۲۷، ۳۸، "زن در قانون ساسانی"۔ ص ۱۰، [3] "قانونِ ساسانی"۔ ج ۵ ص ۷، "زن در قانون ساسانی"۔ ص ۱۱، [4] "قانونِ ساسانی" ص ۲۵، بعد

اور قرضخواہ اس بات کا مجاز تھا کہ اپنا لینا خواہ عورت سے طلب کرے خواہ شوہر سے[1]، شوہر کو اختیار تھا کہ اپنی دو بیاہتا بیویوں کو بیک وقت "اشتراکِ مال" کا وثیقہ لکھ دے جس کو قانونی اصطلاح میں "ہم وِنڈِشنیہ" کہا جاتا تھا، ایسی صورت میں شوہر کی آمدنی میں ہر ایک کا حصّہ شوہر کے ساتھ مشترک ہوتا تھا لیکن آپس میں اُن دونو کا حصّہ ایک دوسری سے الگ الگ ہوتا تھا، شوہر کو اختیار تھا کہ جب جی چاہے اس "اشتراکِ مال" کو منسوخ کر دے لیکن بیویوں میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہ تھا، برخلاف اس کے اگر دو شخص آپس میں آمدنی کی شرکت کا معاہدہ کریں تو ہر ایک کو اختیار تھا کہ جب جی چاہے معاہدے کو منسوخ کر دے[2]، بیاہتا بیوی کے حقوق میں ایسے احکام موجود تھے جن کی رو سے ایسی صورت میں جبکہ شوہر مجنون ہو جائے وہ خاندان کی جائداد میں ہر طرح کا تصرّف کرنے کی اہل ہوتی تھی[3]،

معمول یہ تھا کہ خاندان کا باپ جو گھر کا خود مختار مالک ہوتا تھا اپنی بیوی اور اپنے غلاموں کی ذاتی آمدنی پر متصرّف ہوتا تھا، صرف اتنا فرق تھا کہ اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو وہ اس بات پر مجبور ہوتا تھا کہ اس کی ذاتی آمدنی اس کے حوالے کر دے لیکن اگر وہ اپنے غلاموں میں سے کسی کو آزاد کر دے تو پھر غلام اپنے آقا سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کر سکتا تھا[4]، جس حالت

---

[1] "قانون ساسانی" ص ۲۵ ببعد، [2] "قانون ساسانی" ج ۱، ص ۴۹ ببعد،
[3] دین کرد، کتاب ۸، ۳۱، ۵ (چہارم)
[4] "قانون ساسانی"۔ ج ۱، ص ۴۶،

ہیں کہ طلاق بیوی کی رضامندی سے ہوتی تھی اس کو یہ حق نہ تھا کہ شادی میں شوہر نے جو کچھ اُسے دیا ہو اپنے پاس رکھ سکے[1] اس قاعدے سے بظاہر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر طلاق اس کی رضامندی کے بغیر ہوتی تھی تو وہ شوہر کے دیے ہوئے مال میں سے سب یا اس کا کچھ حصّہ اپنے پاس رکھ سکتی تھی،

جب ایک شخص اپنی بیوی سے یہ کہتا کہ "اِس وقت سے تجھے اپنی ذات پر پورا تصرّف ہے" تو اس سے اس کو طلاق نہیں ہوتی تھی لیکن اُسے ان الفاظ سے کسی دوسرے شخص کی "خدمتگار بیوی" بننے کی اجازت مل جاتی تھی، اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بغیر ایک باضابطہ طلاق نامے کے جس میں اُسے اپنی ذات پر پورے تصرّف کا حق دیا گیا ہو چھوڑ دیتا تھا تو نئے شوہر سے اس کی جو اولاد ہوتی تھی وہ پہلے شوہر ہی کی سمجھی جاتی تھی جب تک کہ وہ زندہ رہے جس کے یہ معنے ہوئے کہ بیوی ایسی صورت میں اپنے پہلے شوہر کی ملکیت میں تصوّر کی جاتی تھی[2]

شوہر مجاز تھا کہ اپنی بیوی یا بیویوں میں سے ایک کو خواہ وہ "بیاہتا بیوی" ہی کیوں نہ ہو کسی دوسرے شخص کو جو انقلابِ روزگار سے محتاج ہو گیا ہو اس غرض کے لیے دیدے کہ وہ اُس سے کسبِ معاش کے کام میں مدد لے، اس میں عورت کی رضامندی کا حاصل کرنا ضروری نہیں ہوتا تھا، ایسی صورت میں نئے شوہر کو عورت کے مال و اسباب پر تصرّف کا حق نہیں ہوتا تھا اور اس عارضی ازدواج میں جو اولاد ہوتی تھی وہ پہلے شوہر

---

[1] بارتھولمی، قانون کی کتاب، ص ۱۳، [2] ایضاً، ص ۸-۹،

کی سمجھی جاتی تھی[1]، یہ مفاہمت ایک باضابطہ قانونی اقرار نامے کے ذریعے سے ہوتی تھی اور اس سے ہمیں ایک اور ثبوت اس بات کا ملتا ہے کہ قانون میں بیوی اور غلام کی حالت ایک دوسرے سے مشابہ تھی، اقرار نامے میں عارضی شوہر اس بات کا ذمہ لیتا تھا کہ شادی کی میعاد تک وہ عورت کی ضروریات کا کفیل ہوگا، اس قسم کا معاہدہ انسانی ہمدردی کی ذیل میں شامل کیا جاتا تھا یعنی یہ کہ ایک شخص نے اپنے ایک محتاج ہم مذہب کی مدد کی، میاں اور بیوی کے لیے پہلوی میں علی الترتیب شوذ اور زن کے الفاظ استعمال ہوتے تھے لیکن عارضی شادی کی صورت میں شوہر اور بیوی کے لیے میرگ اور زیانگ (؟) کی قانونی اصطلاحات تھیں[2]۔

بارتھولمی کی تحقیقات کی مدد سے ہم نے عورت کی حالت کا جو خاکہ تیار کیا ہے اس میں بہت سے خط و خال متضاد نظر آرہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ساسانیوں کے زمانے میں عورت کے قانونی حقوق بدلتے رہے ہیں، بقول بارتھولمی[3] نظری طور پر قانون نے عورت کی مستقل شخصیت تسلیم نہیں کی تھی بلکہ اس کے حقوق بالواسطہ تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے حقوق مستقل طور پر معین تھے، بات یہ ہے کہ بعض پرانے قوانین باقی تھے جو نئے قوانین کے پہلو بہ پہلو نافذ رہے اور وہ ظاہری صورت میں ایک دوسرے کے متضاد معلوم ہوتے تھے، عربوں کی فتح سے پہلے ایران کی عورت یقیناً

[1] "قانون ساسانی"۔ ج ۱، ص ۲۹، "زن در قانون ساسانی"۔ ص ۱۴، [2] "قانون ساسانی" ج ۱، ص ۳۶۔ ۳۷، آخری اصطلاح کی قرأت مشکوک ہے، [3] "زن در قانون ساسانی"۔ ص ۷،

اپنی آزادی حاصل کرنے کے درپے ہو رہی تھی [۱]

عہد ساسانی میں خاندان کے متعلق قانونی مسائل میں سے ایک "ازدواجِ بدل" کا مسئلہ تھا جس کو نامۂ تنسر کے مصنّف نے بیان کیا ہے، اس کے فارسی ترجمے میں اس مسئلے کو اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے [۲] لیکن البیرونی کی کتاب الہند میں ایک جگہ وہ زیادہ مفصّل طور پر مذکور ہے [۳]۔ البیرونی کا بیان نامۂ تنسر کے اُس عربی ترجمے سے مأخوذ ہے جو ابن المقفّع نے کیا تھا اور جو ضائع ہو چکا ہے، وہ لکھتا ہے کہ: "جب ایک شخص مرجائے اور اس کی اولاد نرینہ نہ ہو تو اس کے معاملے پر غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اگر اس کی بیوی ہے تو اس کی شادی متوفّی کے قریب ترین رشتہ دار کے ساتھ کر دی جائے اور اگر بیوی نہیں ہے تو اس کی لڑکی یا کوئی اور قریب کے رشتے کی عورت کو اس کے قریب ترین رشتہ دار کے ساتھ بیاہ دیا جائے، اگر رشتے کی کوئی عورت نہ مل سکے تو پھر متوفّی کے مال میں سے مہر ادا کر کے کسی غیر عورت کو اس کے رشتہ دار کے ساتھ بیاہ دیا جائے، ایسی شادی سے جو لڑکا ہوگا وہ متوفّی کا سمجھا جائیگا، جو شخص اس فرض کو ادا کرنے سے غفلت کریگا وہ بیشمار جانوں کے قتل کرنے کا ذمّہ دار ہوگا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے متوفّی کی نسل اور نام کو مٹائیگا"۔

زرتشتی سوسائٹی میں تبنیت کی رسم بھی بہت عام تھی جس کو سُتَرِیہہ کہتے تھے، جب کوئی شخص مرجاتا تھا اور اس کا کوئی بالغ لڑکا نہیں ہوتا تھا جو اس

[۱] "زن در قانون ساسانی" ص ۱۸، [۲] طبع ڈارمسٹیٹر، ص ۲۲۴، طبع مینوی، ص ۲۱-۲۲،

[۳] طبع سخاؤ، ص ۵۳،

کی جگہ پر گھر کا مالک و مختار بن سکے تو اس کے نابالغ بچوں کو ایک ولی کی سرپرستی میں رکھا جاتا تھا اور اگر متوفّی صاحب جائداد ہوتا[1] تو اس کا انتظام ایک "متبنّیٰ" کے سپرد کیا جاتا تھا، اگر متوفّی کی "بیاہتا بیوی" ہوتی تو "متبنّیٰ" کا لقب اختیار کر کے گھر کے سارے معاملات وہ طے کرتی[2]، برخلاف اس کے "خدمتگار بیوی" کو اس قسم کا کوئی حق حاصل نہ تھا بلکہ اس کو نابالغ بچوں کے ساتھ ولی کی نگرانی میں رکھا جاتا تھا اور وہ اس کا باپ تصوّر کیا جاتا تھا، اگر ولی فوت ہو جائے تو "خدمتگار بیوی" کا بھائی یا بھائیوں میں جو سب سے بڑا ہو یا قریب ترین رشتہ داروں میں سے کوئی اور اس کا ولی قرار پاتا تھا[3]، اگر متوفّی کی "بیاہتا بیوی" یا اکلوتی بیٹی نہ ہو تو پھر "متبنّیٰ" کے فرائض اس کے بھائی کو ورنہ بہن کو اور بہن نہ ہو تو بھتیجی کو اور اگر وہ بھی نہ ہو تو بھتیجے کو[4] اور اگر بھتیجا بھی نہ ہو تو پھر کسی اور قریب کے رشتہ دار کو ادا کرنے پڑتے تھے[5]، از روئے قانون "متبنّیٰ" ہونے کے لیے ضروری شرائط یہ تھیں کہ وہ بالغ ہو، زرتشتی ہو، عقلمند ہو، کثیر العیال ہو، صاحبِ اولاد ہو یا کم از کم اولاد کی توقّع رکھتا ہو اور گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہُوا ہو، برخلاف اس کے عورت کے "متبنّیٰ" ہونے کے لیے ضروری تھا کہ وہ شوہر نہ رکھتی ہو اور رکھنے کی خواہشمند بھی نہ ہو، وہ کسی کی مدخولہ نہ ہو اور ارتکابِ فواحش سے کسبِ معاش نہ کرتی ہو نیز یہ کہ وہ کسی اور خاندان کی "متبنّیٰ" نہ ہو کیونکہ

---

[1] "دادستان دینیگ"، ص ۵۶ و ۵۹، [2] ایضاً، ص ۵۶، [3] ایضاً،
[4] متن میں اسی طرح پر ہے لیکن یقیناً اس میں غلطی ہے، بھتیجے کو بھتیجی پر فائق ہونا چاہیئے، [5] ایضاً، ص ۵۶،

عورت کو ایک سے زیادہ خاندانوں میں "متبنّیٰ" بننے کی اجازت نہ تھی لیکن مرد اس بات کا مجاز تھا کہ وہ بیک وقت جتنے خاندانوں میں چاہے "متبنّیٰ" بن سکے[1] "متبنّیٰ" کو تبنیت سے خاندان کی ریاست کا حق حاصل نہیں ہوتا تھا جس کی علامت گھر کی مقدّس آگ کو روشن رکھنے کا ذمّہ تھا[2]،

تبنیت کی تین قسمیں تھیں،-(۱) "متبنّیٰ موجود" بیاہتا بیوی یا اکلوتی کنّواری بیٹی کو کہتے تھے، ان دونوں کی "تبنیت" طبعی رشتے پر منحصر تھی اور اس کے لیے کسی خاص قانون کی ضرورت نہ تھی،-(۲) "متبنّیٰ معہود"- اس کو کہا جاتا تھا جس کو متوفّی نے خود نامزد کیا ہو، (۳) "متبنّیٰ مأمور" جس کو متوفّی کی وفات کے بعد اُن رشتہ داروں میں سے انتخاب کیا گیا ہو جو تبنیت کے اہل ہوں[3]۔ "بیاہتا بیوی" جب بیوہ ہو جاتی تھی تو اس کا فرض ہوتا تھا کہ گھر کی ہر بات کی دیکھ بھال کرے مذہبی رسوم کو ادا کرے اور صدقہ و خیرات اور نیک کاموں کی بجاآوری کی کفیل ہو جو ہر گھر پر واجب ہے، اُس پر لازم تھا کہ متوفّی کی بیٹیوں کی شادی کرے اور اس کی کنّواری بہنوں کی (اگر وہ اس کی سرپرستی میں ہوں) دستگیری کرے، اس کو یہ حق حاصل تھا کہ متوفّی کے مال کا بیشتر حصّہ اپنے ذاتی مصرف میں لائے، جب بیٹیوں میں سے کسی

---

[1] "دادستان دینیگ"- ۵۷، ۲-۴، [2] انتخاب از "مادیگانِ ہزار دادستان" (فرہنگِ پہلویک" طبع بنگلہ ۱۹۱۲ء- ص ۹۰)، [3] دادستان دینیگ، ۵۸،

کی شادی ہو جاتی تھی تو ماں کے اختیارات میں داماد شریک ہو جاتا تھا اور جب وہ بیٹے کا باپ بن جائے تو اس کے اختیارات میں اضافہ ہو جاتا تھا خصوصاً ایسا بیٹا جس کے متعلق یہ امکان ہو کہ وہ کسی دن خاندان کا سردار بنیگا[1]،

تبنیت کی وہ قسم بھی رائج تھی جو اس لفظ کے معمولی مفہوم سے سمجھ میں آتی ہے، اس صورت میں ماں باپ کو اپنے متبنّٰی سے ترکہ حاصل کرنے کا حق نہیں ملتا تھا، اگر ایک متبنّٰی جو "بیاہتا بیوی" کے بطن سے ہو سنِ بلوغ سے پہلے مر جائے تو اس کا ترکہ اس کے اصلی باپ کو ملتا تھا[2]،

ترکے کی تقسیم کے بارے میں قانون یہ تھا کہ بیاہتا بیوی اور اس کے بیٹوں کو برابر برابر حصّہ ملتا تھا اور کنواری بیٹیوں کا حصّہ ان کے حصّے کا نصف ہوتا تھا، خدمتگار بیویوں اور ان کی اولاد کو کچھ نہیں ملتا تھا لیکن ہاں یہ ممکن تھا کہ باپ اپنے جینِ حیات میں اپنے مال میں سے ان کے نام کچھ ہبہ کر دے یا وصیّت کر مرے کہ ان کو اتنا دیا جائے[3]،

قانونِ وراثت کے اجرا کی دیکھ بھال کے لیے ناظر مقرّر کیے جاتے تھے، جب کوئی شخص مرتا تھا تو وصیّت نامے کی رُو سے ترکے کو تقسیم کرنا موبدوں کا کام ہوتا تھا، اگر متوفّی کچھ بھی نہ چھوڑ مرے تو اس کی تجہیز و تکفین اور اس کے بچّوں کی پرورش بھی موبدوں کے ذمّے ہوتی تھی، قانون میں اس بات

---

[1] ایضاً، ۴، ۵، ۱۰-۱۲، تبنیت کے بعض قواعد ہُسپارم نسک اور سکاذم نسک میں بیان ہوئے تھے، دیکھو دین کرد، ۳۶، ۱۳ و ۴۳، ۱۴،

[2] "قانون ساسانی"- ج ۳، ص ۷، [3] ایضاً، ج ۵، ص ۱۴، ح ۴، ص ۳۵، ح ۳،

کی بڑی تاکید تھی کہ شاہزادوں کے بدل شاہزادے ہوں اور نجیبوں کے بدل نجیب[1]،

اگر ایک شخص مرتے وقت اپنی جائداد غیروں کو دے مرے جس سے اصلی وارث محروم ہو جائیں تو قانون ایسی وصیّت کو جائز تسلیم نہیں کرتا تھا سوائے ایسی صورت کے کہ متوفّی مقروض ہو اور اس کا قرض ادا کرنا ہو یا اس کی بیوی[2] اور بچوں کی پرورش یا اس کے باپ یا کسی اور بڑے بوڑھے کی مددِ معاش مقصود ہو جو اس کا دست نگر ہو، اگر کوئی شخص کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جو چنداں مہلک نہ ہو اور بحالتِ مرض وصیّت کرے لیکن بعد میں اُسے شفا ہو جائے تو وہ وصیّت قانون کی رو سے قابلِ عمل ہوتی تھی بشرطیکہ اس نے اُسے بدرستئ ہوش و حواس کیا ہو، وصیّت لکھواتے وقت ایک شخص پر یہ لازم تھا کہ اپنی کنوّاری بیٹیوں میں سے ہر ایک کو ایک حصّہ اور اپنی بیاہتا بیوی کو (بشرطیکہ وہ ایک ہی ہو) دو حصّے دے[3]،

ماد یگان ہزار دادستان میں سے ہم جائداد کے قانون کے بارے میں بہت سی تفاصیل اخذ کر سکتے ہیں، کتاب مذکور میں ہمیں جن مسائل کے متعلّق اطلاعات دی گئی ہیں ان میں زبانی اقرار نامے[4]، مختلف قسم کے ہبہ نامے[5]، زمین کا ہبہ کرنا جس کے ساتھ نہروں کے پانی کو استعمال کرنے کا حق ہو[6]، میعادی ہبہ[7]، رہن، کسی چیز کا وقف کرنا جس کے ساتھ یہ شرط ہو کہ دعا و صلوٰۃ سے

---

[1] نامۂ تنسر، ص ۲۲۴، طبع مینوی ص ۲۱، [2] یعنی "خدمتگار بیوی" کیونکہ بیاہتا بیوی تو متوفّی کے قریبی رشتہ داروں میں شمار ہوتی تھی، [3] دادستان دینیگ، ۵۸، ۱-۹، [4] "قانون ساسانی" ج ۱، ص ۷ ببعد، [5] ایضاً، ج ۲، ص ۵ ببعد، [6] ایضاً، ج ۲ ص ۲۹ ببعد، [7] ایضاً، ص ۵۰ ببعد،

کسی متوفّی کی روح کو ثواب پہنچایا جائے جس کو اصطلاح میں "پہ رُوان پرزش رای داشتن" کہتے تھے[1]، جائداد کے دعوے میں ایسا حلف اٹھانا جس سے معاملے کا فیصلہ ہو جائے[2]، چند آدمیوں کو مشترک طور پر قرض دینے کے متعلق قواعد[3]، ضمانت کے متعلق مختلف تدابیر کا عمل میں لانا[4]، وغیرہ وغیرہ ہیں، اگر کسی نابالغ لڑکے کا ولی خاندان کی جائداد کا کچھ حصّہ قرض ادا کرنے میں دے ڈالے تو لڑکا بالغ ہونے پر ولی کے اس فعل کے خلاف دعویٰ دائر کر سکتا تھا[5]، اگر ایک شخص اپنی کسی لونڈی کو بقدر دسویں حصّے کے آزاد کر دیتا تھا تو اس سے جو اولاد ہوتی تھی وہ بھی بقدر دسویں حصّے کے آزاد ہوتی تھی، یہ عجیب قانون تقریباً لفظ بہ لفظ ایشوع بخت کی سریانی کتاب میں منقول ہے[6]،

اس کے علاوہ سکاذُم نسک میں جائداد، قرضہ اور سود وغیرہ کے متعلق بعض مفصّل قواعد بیان کیے گئے تھے[7]، نیز مویشی، باربرداری کے جانور اور گھوڑوں وغیرہ کی قرقی اور قرقی کرانے والے کی ذمّہ داریوں پر بحث تھی، ان کے علاوہ مدیُون کی گرفتاری اور اُس کے کپڑوں کی ضبطی اور اسی قسم کی اور باتیں بیان کی گئی تھیں اور یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اگر کہیں سے چھپا ہوا خزانہ برآمد ہو تو اس کے متعلق قانونی احکام کیا ہیں[8]، وغیرہ،

ایرانی سوسائٹی کے متعلق یہ اطلاعات جو ہم اپنے مآخذ سے حاصل

[1] "قانون ساسانی" ج ۳، ص ۱۹، [2] ایضاً، ج ۲، ص ۵، [3] ایضاً، ج ۱، ص ۳۹ بعد، ج ۳، ص ۴، ۵، ج ، [4] ایضاً، ج ۴، ص ۵ بعد، [5] ایضاً، ج ۲، ص ۲۳ بعد، [6] ایضاً، ج ۳، ص ۷۴، [7] دین کرد، ۸، ۴۱، [8] ایضاً، ۸، ۳۹،

کر سکے ہیں اگرچہ منتشر اور نامکمل ہیں تاہم وہ ایک ایسے معاشرتی نظام کا خاکہ پیش کرتی ہیں جس کا باطنی استحکام اس قدیم اور گہرے احساس پر مبنی تھا کہ خاندانی رشتہ ناقابلِ انقطاع ہے، قوانین اس غرض کے لیے وضع کیے گئے تھے کہ خاندان اور جائداد کو محفوظ رکھا جائے اور سوسائٹی کی مختلف جماعتوں میں نہایت سختی کے ساتھ امتیاز قائم رکھا جائے اور معاشرتی نظام میں ہر شخص کو ایک معیّن جگہ دی جائے، لیکن پانچویں صدی کے آخر میں مزدکیّت نے اس معاشرتی نظام کی بنیادوں کو ہلا ڈالا، سیاسی حادثات نے اس انقلاب انگیز تحریک کے لیے حالات کو نہایت موافق بنا دیا تھا اور ایک ایسے نازک وقت میں جبکہ شاہ پیروز کی شکست سے سارا ایران زیر و زبر ہو رہا تھا یہ تحریک ملک کے حق میں نہایت نامبارک ثابت ہوئی [1]

[1] شاہ کواذ اور تحریکِ مزدکی کی جو تاریخ ہم نے یہاں لکھی ہے وہ بیشتر ہماری سابقہ تصنیف موسوم بہ "عہد شاہ کواذ اوّل و اشتمالیتِ مزدکی" سے مأخوذ ہے، ہم نے اس کتاب کے حصّۂ اوّل میں اس تاریخ کے تمام مآخذ کی فہرست دیدی ہے اور ان کے باہمی تعلق اور ہر ایک کی تاریخی اہمیت پر بحث کی ہے، ان میں سے زیادہ اہم حسب ذیل ہیں:-

(۱) سریانی تاریخ جو جوشوا اسٹائی لائٹ کی طرف منسوب ہے، وہ ایک معاصر مصنّف ہے اور اس کی کتاب میں ۴۹۴ء سے ۵۰۶ء تک کے واقعات درج ہیں،

(۲) بازنطینی مصنّفین پروکوپیوس (ج ۱، ص ۳-۲۱) اور اگاتھیاس (ج ۴، ص ۲۷-۳۰)

(۳) پہلوی زبان کے مذہبی لٹریچر میں مزدکیت کے متعلق کہیں کہیں اشارے پائے جاتے ہیں بالخصوص وندیداد، وہمن یشت اور دین کرد کی شرحوں میں، ایک پہلوی ماخذ جس کا ہم نے اپنی سابقہ تصنیف میں ذکر نہیں کیا وہ بندہشن (طبع انکلساریا، ص ۲۱۹) ہے جس میں خوذای نامک کے کسی عربی ترجمے سے استفادہ کیا گیا ہے،

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴۵ پر دیکھو)

سکۂ شاہ کواذ اوّل

عہدکواذ کے شروع میں چندسال زرمہر (سوخرا) امرائے سلطنت میں اوّلین مقام پر مسلّط رہا[1] لیکن کواذ نہیں چاہتا تھا کہ یہ جاہ طلب اور خطرناک شخص اس پر غالب ہوکر رہے، لہذا اُس نے اُس رقابت سے فائدہ اٹھایا جو زرمہر اور شاپور مہران کے درمیان تھی، مؤخرالذکر اس زمانے

(بقیہ نوٹ)

(۴) عربی اور فارسی تواریخ میں جن کا سب سے بڑا ماخذ خوذای نامگ ہے ہمیں روایت کے چار الگ الگ سلسلے نظر آرہے ہیں: (ا) یعقوبی، ج ۱، ص ۱۵۸، طبری، ص ۸۸۵، ۸۸۶ – ۸۸۸، ۸۹۳ – ۸۹۴، (ب) سعید بن بطریق، طبع پوکوک، ص ۱۲۶ – ۱۳۳، ۱۷۴ – ۱۸۱، طبع شیخو، ج ۲، ص ۱۹۱ بعد، ابن قتیبہ، طبع وستنفیلٹ، ص ۳۲۸، طبری، ص ۸۸۳ – ۸۸۵، ۸۹۶ – ۸۹۸، مطہر بن طاہر المقدسی طبع ہیوآر، ج ۳، ص ۱۶۷ بعد، مسعودی: مروج الذہب، ج ۲، ص ۱۹۵ بعد، حمزہ، ص ۱۰۶ – ۱۰۷، (ج) دینوری، ص ۶۲، ۶۶-۶۹ نہایہ، ص ۲۲۶ بعد، (د) کتاب الاغانی، ج ۸، ص ۶۳ – ۶۴، حمزہ، ص ۵۶، ثعالبی، ص ۵۸۳، فردوسی طبع مول، ج ۶، ص ۱۰۳ بعد، البیرونی، الآثار الباقیہ، ص ۲۰۹، مجمل التواریخ، طبع مول (مجلّہ آسیائی، سلسلۂ سوم، ج ۱۴، ص ۱۱۶ بعد، ص ۱۳۶ بعد)، ابن الاثیر، طبع یورپ، ج ۱، ص ۲۹۶ بعد، ابوالفداء، طبع فلائشر، ص ۸۸، سلسلۂ چہارم کے مصنّفین نے افسانۂ مزدک موسوم بہ مزدک نامگ سے استفادہ کیا ہے جس کو ہم سیاست نامۂ نظام الملک (ص ۱۶۶ بعد) اور ایک پارسی روایت موسوم بہ "روایتِ داراب ہرمزیار" کے بیان سے دوبارہ تالیف کر سکتے ہیں، (دیکھو میرا مضمون بعنوان "تاریخ مزدک کی دو روایتیں" جو مودی میموریل والیوم ص ۳۲۲ بعد میں شائع ہوا ہے)، تاریخ بلعمی اور فارسنامہ ابن البلخی میں خوذای نامگ کی روایت کے مختلف سلسلوں کو کام میں لایا گیا ہے، تاریخ ابن اسفندیار (ترجمۂ انگریزی از براؤن ص ۹۲ بعد) اور تاریخ ظہیرالدین المرعشی (طبع ڈورن ص ۲۰۱ بعد) میں طبرستان کی مقامی روایت پائی جاتی ہے، عقایدِ مزدکیت کی تفصیل کے لیے دیکھو شہرستانی (الملل و النحل، طبع لنڈن، ص ۱۹۲ بعد) اور کتاب الفہرست لابن الندیم ص ۳۴۲،

[1] دیکھو اوپر، ص ۴۳۶،

میں (بقول طبری) ایران سپاہ بذ یعنی سلطنت ایران کا کمانڈر انچیف تھا یا (بقول نہایہ) شاید سواد کا سپاہ بذ تھا، کواذ نے درپردہ اس کی امداد سے زرمہر کو مروا دیا[1]، اس واقعہ کا ملک بھر میں بڑا چرچا ہوا اور اس سے ایک مقبول ضرب المثل پیدا ہوئی کہ: "سوخرا کی ہوا اکھڑ گئی اور مہران کی ہوا بندھ گئی[2]" یا بالفاظ دیگر: "سوخرا کی آگ بجھ گئی اور شاپور کی ہوا چلی[3]"۔ باوجود اس کے شاپور مہران کا ذکر تاریخ میں زیادہ نہیں ملتا گمان یہ ہے کہ وہ اپنے رقیب کے بعد زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہا[4]، زرمہر کے قتل سے کواذ کے خطرناک دشمن پیدا ہو گئے لیکن جس چیز نے امراء کو زیادہ برانگیختہ کیا وہ اس کے وہ تعلقات تھے جو اس نے مزدکیوں کے ملحدانہ فرقے کے ساتھ پیدا کر رکھے تھے اور جو انقلاب انگیز بدعنوں کا باعث ہوئے، مؤرخ پروکوپیوس لکھتا ہے کہ کواذ اپنی طاقت کے استعمال

---

[1] عربی اور فارسی کتابوں میں جن کا مأخذ خوذای نامگ ہے زرمہر کے قتل کو ایک اور امیر سیاوش کے قتل کے ساتھ جو تیس سال بعد کا واقعہ ہے ملتبس کر دیا گیا ہے، دیکھو "عہد شاہ کواذ" ص ۹۴، ح ۱، [2] طبری، ص ۸۸۵، [3] نہایہ، ص ۲۲۶،

[4] بقول مارکوارٹ (Z. D. M. G.) ج ۴۹، ص ۶۳۷، ح ۲) یہ سپاہ بذ شاپور وہی ہے جس کو اسپبیڈس (Aspebeds) لکھا گیا ہے اور جس نے رومی سپہ سالار سیلر (Celer) کے ساتھ ۵۰۵ء یا ۵۰۶ء میں عارضی طور پر صلح کر لی تھی، وہ کواذ کا سالا تھا (پروکوپیوس)، لیکن بقول سٹائی لایٹ اس سپاہ بذ کا نام بوئے تھا، وہ یقیناً وہی بوئے ہے جس کا لقب وَہریز تھا (ہیوبشمن، ارمنی گرامر ج ۱، ص ۵۹ و ۷۸) اور جس نے (بقول پروکوپیوس) گرگین شاہ آئبیریا پر ایرانی فوج کے ساتھ چڑھائی کی تھی، لہذا ہمیں یہ فرض کرنا چاہیئے کہ بوئے ایران سپاہ بذ یا سپاہ بذ سواد کے عہدے میں شاپور کا جانشین یا جانشینوں میں سے ایک تھا،

میں بڑے تشدد سے کام لیتا تھا اور آئین حکومت میں بدعتیں جاری کرتا رہتا تھا، اگا تھیاس بھی اس بیان کی تصدیق کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ وہ قائم شدہ نظام کو متزلزل کرنے کی طرف مائل تھا اور شہری زندگی میں انقلاب پیدا کرنا چاہتا تھا اور پرانے طریقوں کی جڑ بنیاد اکھاڑنے کے درپے تھا، لیکن ان دو بازنطینی مؤرخوں نے نیز جوشوا اسٹائی لائٹ نے کواذ کی انقلاب انگیز تدابیر میں سے صرف ایک کا ذکر کیا ہے یعنی اشتمالیتِ نسوان، اور اس بارے میں بھی انھوں نے یہ نہیں بتلایا کہ آیا یہ بدعت کسی نظامِ مذہب کا جزء تھی یا نہیں، صرف سٹائی لائٹ نے زردشتگان کے "نفرت انگیز فرقے" کا ذکر کیا ہے، اس فرقے اور اس کے مذہبی عقاید کے متعلق اطلاعات حاصل کرنے کے لیے عربی اور فارسی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے لیکن سب سے پہلے اس نام کی طرف توجہ لازم ہے جو سٹائی لائٹ نے اس فرقے کو دیا ہے، عربی اور فارسی کتابوں میں صرف فرقۂ مزدکیان کے نام سے اس کا ذکر کیا گیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ خُوذای نامگ میں بھی ضرور اس کو یہی نام دیا گیا ہوگا، لیکن با ایں ہمہ بعض عربی اور فارسی کتابوں (مثلاً طبری، یعقوبی، نہایہ) میں ایک شخص زَرْدُشت پسر خُوَرّگان کو اس فرقے کا اصلی بانی بتلایا گیا ہے جو صوبۂ فارس میں شہر پسا کا رہنے والا تھا، بقول نہایہ وہ فارس کا کوئی امیرزادہ تھا جو مزدک کی تعلیم کا حامی تھا، عربی اور فارسی کی اکثر کتابوں میں جن میں زردشت کا نام مذکور نہیں ہے غلطی سے پسا کو (جو زردشت کا وطن تھا) مزدک کی

جائے پیدائش بتلایا گیا ہے[1]، لہٰذا گمان غالب یہ ہے کہ زردشت کا نام خوذای نامگ میں بھی مذکور تھا، ملالاس[2] یہ بیان کرتا ہے کہ قیصر ڈائیوکلیشین کے عہد میں[3] ایک مانوی روما میں آیا جس کا نام بُندوس[4] تھا اور نئے عقاید کی تبلیغ کرنے لگا جو مانویّت کے مروّجہ عقاید سے مختلف تھے، وہ یہ کہتا تھا کہ خدائے خیر نے خدائے شر کے ساتھ جنگ کی اور اس پر غالب آیا لہٰذا غالب آنے والے کی پرستش لازمی ہے، بُندوس پھر ایران چلا گیا اور وہاں اپنے مذہب کی تعلیم دینے لگا جس کو اہلِ ایران مذہب "نون دَرِس دینون" یعنی مذہبِ خدائے خیر کہتے تھے، پہلوی میں اس نام کی شکل "درِیست دینان" ہے جس کے معنی "سچے مذہب والے ہیں"[5]، ایک اور جگہ پر[6] ملالاس نے کواذ کو "کواذیس ہو دراس دینوس" کے نام سے ذکر کیا ہے، اس نام میں لقب کی شکل کسی قدر غلط ہے جو "ہو درِیس دینوس[7]" ہونی چاہیے، یہ لقب جو کواذ کو بلاشبہ مزدک کے پیرو ہونے کی

[1] دینوری نے بجائے پسا کے اصطخر لکھا ہے، دیکھو "عہدِ شاہ کواذ، ص ۱۴،
[2] طبع "سلسلۂ کتب یونانی" ج ۹۷، ص ۴۶۵، [3] سنہ ۲۸۴ء - سنہ ۳۰۵ء، (مترجم)،
[4] (Bundos) [5] فارسنامۂ ابن البلخی کی رو سے (ص ۸۴) مزدک نے اپنے مذہب کا نام "مذہبِ عدل" رکھا تھا، [6] ص ۴۳۳، [7] لفظ "درِیست" (بمعنی دُرُست) ترفان کے قطعات میں پایا گیا ہے، نولڈکہ نے ترجمۂ طبری میں "درست دین" اور "دَرَزْد دین" کی قرأتوں میں اظہارِ تذبذب کیا ہے لیکن دوسری شکل کو قابلِ ترجیح سمجھا ہے، لفظ "درزد" جس کی اوستائی شکل "دَرَزْدا" ہونی چاہیئے آج تک کسی پہلوی متن میں نہیں پایا گیا، قطعات ترفان میں لفظ "درِیست" کے پائے جانے سے "درِیست دین" کی صحت کا پلّہ بھاری ہو گیا ہے، اس نام کی جو شکل عربی اور فارسی کتابوں میں ملتی ہے اس سے بھی اس گمان کو تقویت ہوتی ہے کہ "درِیست" (بیاے معروف) صحیح ہے، "درِیست دین" (سچا مذہب) کا لقب "وِہ دین" (اچھا مذہب) کے لقب کا جواب ہے جس سے زرتشتی لوگ اپنا مذہب مراد لیتے تھے،

وجہ سے دیا گیا ہے مختلف بگڑی ہوئی شکلوں میں بہت سی ایسی عربی اور فارسی کتابوں میں پایا جاتا ہے جن کا مأخذ خواذای نامگ ہے[1]،

بنابریں دلائل، مزدکیت اور دریست دین جس کا بانی بُندوس ہے ایک ہی مذہب ہے، اگر یہ کہا گیا ہے کہ یہ مانوی بُندوس روما میں اپنے اختلافی فرقے کی دعوت کو شروع کرنے کے بعد تبلیغ کے لیے ایران چلا گیا تو اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ غالباً ایرانی الاصل تھا، بُندوس اگرچہ ایرانی اسمائے معرفہ کے ساتھ شباہت نہیں رکھتا لیکن وہ عزت کا لقب ہو سکتا ہے[2]، چونکہ نہ صرف اُن عربی کتابوں میں جن کا مأخذ خُوذای نامگ ہے بلکہ الفہرست میں بھی جس کے مآخذ مختلف ہیں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مزدکیت کا اصلی بانی مزدک کا ایک پیشرو تھا اور چونکہ خُوذای نامگ میں اس پیشرو کا نام زرُدشت بتلایا گیا ہے جس کے ساتھ فرقے کا نام "زردشتگان" مطابقت رکھتا ہے جو سٹائی لائٹ کی کتاب میں کہ مزدک کا معاصر ہے مذکور ہے لہذا یہ بات یقینی ہے کہ بندوس اور زردشت ایک ہی شخص ہے اور یہ کہ زردشت بانیٔ فرقہ کا اصلی نام تھا جو ایران کے قدیم پیغمبر بانیٔ مزدائیت کا بھی نام ہے[3]، خلاصہ یہ کہ جس فرقے پر ہم اس باب

---

[1] دیکھو "عہد شاہ کواذ" (ص ۹۷) جہاں میں نے ان مختلف شکلوں کی تحقیقات کی ہے جو لفظ "دِرِزُد دین" کو (جو "درِیست دین" کا عامیانہ تلفظ تھا) بگاڑ بگاڑ کر بنائی گئی ہیں، [2] مقابلہ کرو پہلوی لفظ "بُوندگ" (ارمنی: بُوندک) بمعنی کامل، (سالمان: گرُنڈرِس، ج ۱، ص ۲۸۰)

[3] غالباً یہی زردشت ہے جس کا نام ایک یونانی کتبے میں جو سائرین (Cyrene) میں پایا گیا ہے مذکور ہے، اس کتبے میں اموال و نسوان کی اشتمالیت کا ذکر ہے جس کی تعلیم "زردیس" اور پائیتھیگورس نے دی، (دیکھو سٹر وُڈ فاکس: "زرتشت اور زرتشتیت کا ذکر یونانی اور لاطینی ادبیات میں"۔ رسالہ کاما انسٹیٹیوٹ بمبئی ۱۴ء، ص ۱۱۸)

میں بحث کر رہے ہیں وہ ایک مانوی فرقہ ہے جس کی بنا رومآ میں مزدک سے تقریباً دو صدی پہلے ایک ایرانی شخص مسمّیٰ زردشت پسر خورّگان نے رکھی جو پسا کا رہنے والا تھا، بنا بریں اگر سریانی اور بازنتینی مصنّف[1] جنھوں نے عہدِ کواذ کی اس بدعت یعنی مزدکیت پر قلم فرسائی کی ہے مزدک کے پیرووں کو "مانوی" کہتے ہیں تو وہ بیجا نہیں ہے[2]۔

عربی مصنّفین کے بیانات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زردشت کی تعلیم محض نظری تھی، مزدک نے جو مردِ عمل تھا اور بقول طبری "عام لوگوں کی نظروں میں زردشت کا خلیفہ تھا" اپنے پیشرو کی شہرت کو ماند کر دیا اور فرقے کا نام اس کے زمانے سے "فرقۂ مزدکیہ" پڑ گیا، بعد میں لوگ یہ سمجھنے لگے کہ فرقے کے اصلی بانی کا نام بھی مزدک تھا اور اس سے یہ فرض کر لیا گیا کہ دو مزدک تھے ایک مزدکِ قدیم اور ایک مزدکِ جدید[3]۔ طبری، یعقوبی اور نہایہ کا یہ بیان کہ زردشت مزدک کا معاصر تھا غلط ہے،

مزدک کی شخصیت کے بارے میں ہمارے پاس اطلاعات بہت کم ہیں، ہم نے ابھی اوپر اس بات کو دیکھا ہے کہ بعض عربی مصنّفوں کا بیان کہ وہ پسا کا رہنے والا تھا غلط ہے اس لیے کہ پسا زردشت کا وطن تھا نہ کہ مزدک کا، بقول طبری مزدک کی جائے پیدائش مادریہ (؟) تھی، ممکن ہے کہ اس سے مراد شہر مادرایا ہو جو دریائے دجلہ پر اُس جگہ واقع تھا

---

[1] مثلاً ملالاس، تھیوفانیس، زوناردس، میکائیل سریانی وغیرہم،
[2] بقول طبری اور ابوالفداء خسرو اوّل (انوشیروان) نے مزدک کے بہت سے پیرووں کو اور بعض مانویوں کو قتل کروایا، ان مانویوں سے مراد غالباً مزدکی ہیں، [3] الفہرست،

جہاں اب قوت العمارہ ہے، یہ شہر نویں صدی عیسوی تک نجبائے ایران کا مسکن رہا ہے[۵۱]، مزدک کا نام ایرانی ہے اور اس کے باپ بامداذ کا نام بھی ایرانی ہے، بقول دینوری وہ اصطخر کا رہنے والا تھا اور تبصرۃ العوام میں لکھا ہے کہ وہ تبریز میں پیدا ہؤا[۵۲]، یہ بات کہ ایک غیر معروف شہر کی بجائے جس کے نام کی قراءت غیر یقینی تھی اصطخر اور تبریز کے نام لکھ دیے گئے بآسانی سمجھ میں آتی ہے،

اوپر جو کچھ بیان ہؤا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ "دریست دین" یعنی بندوس زردشت اور مزدک کی تعلیم مذہبِ مانی کی اصلاح تھی[۵۳]، مانویت کی طرح اس میں بھی سب سے پہلے دو جوہر ہائے قدیم یعنی نور و ظلمت کے درمیان رابطے پر بحث ہے، لیکن مانویت میں اور اس میں اختلاف یہ ہے کہ مزدکی عقیدے کی رو سے ظلمت کا فعل نور کے فعل کی طرح ارادے اور تدبیر پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ اندھا دھند اور اتفاقی ہوتا ہے لہذا نور و ظلمت کی آمیزش جس سے مادی دنیا وجود میں آئی (برخلاف مانی کی تعلیم کے) کسی باقاعدہ منصوبے کا نتیجہ نہ تھا بلکہ محض امرِ اتفاقی تھا، بنابریں مانویت کی نسبت مزدکیت میں ظلمت پر نور کی برتری کو زیادہ نمایاں کیا گیا ہے اور یہ بات ملالاس کے بیان کے ساتھ مطابق ہے جو کہتا ہے کہ بندوس کے عقیدے میں خدائے خیر (یعنی نور) نے خدائے شر (یعنی ظلمت) کو مغلوب

[۵۱] لسترینج: "ممالک خلافتِ شرقی" (بزبان انگریزی)، ص ۳۸، [۵۲] شیفر: منتخبات فارسی، ج ۱، ص ۱۵۸، [۵۳] عقاید مانوی کے جاننے کے لیے سب سے بڑا ماخذ "شہرستانی" ہے (طبع لنڈن، ص ۱۹۲ ببعد)،

کیا لہذا غالب آنے والے کی پرستش لازمی ہے، صرف اتنی بات ہے کہ یہ غلبہ ابھی کامل نہیں ہے کیونکہ مادی دنیا جو دو جوہرہائے اصلی کی آمیزش کا نتیجہ ہے ابھی تک قائم ہے اور اس دنیا کے ارتقا کا آخری مقصد ظلمت کی آمیزش سے ذرّاتِ نور کی رہائی ہے، مزدکیّت کی تعلیم کے اس حصّے میں مانویت کی تقلید کی گئی ہے، مانی کا قول تھا کہ نور کے پانچ عنصر ہیں: اثیر، ہوا، روشنی، پانی اور آگ، لیکن مزدک نے تین عنصر تسلیم کئے ہیں: پانی، آگ اور خاک، اگرچہ شہرستانی اس بارے میں خاموش ہے تاہم یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ جس طرح نور کے تین عنصر ہیں اسی طرح ظلمت کے بھی تین عنصر ہیں (جیساکہ مانی نے نور کے پانچ عنصروں کے مقابلے پر ظلمت کے پانچ عنصر تسلیم کیے ہیں) اور یہ کہ مدبّرِ شر ان تین عنصروں میں سے پیدا ہُوا جس طرح کہ مدبّرِ خیر نور کے عنصروں میں سے پیدا ہُوا، مدبّرِ خیر سے مراد خدائے نور ہے جس کو مانویت میں "بادشاہِ نور" کہا گیا ہے، مزدک کے نزدیک خدائے نور کا تصور یہ تھا کہ وہ عالمِ بالا میں تخت پر بیٹھا ہُوا ہے جیساکہ اس دنیا میں بادشاہِ ایران، اور اس کے حضور میں چار "قوتیں"[1] حاضر ہیں: تمیز، عقل، حافظہ اور خوشی جس طرح کہ بادشاہِ ایران کے حضور میں چار شخص حاضر رہتے ہیں یعنی موبدان موبد، ہیربذان ہیربذ، سپاہ بذ اور رامشگر (گویّا)[2]، یہ چار

---

[1] مانوی کتابوں میں ان کو "زوران" کہا گیا ہے (میولر، ج ۲، ص ۶۲)، [2] مقابلہ کرو ارکان سلطنت کی اُن فہرستوں کے ساتھ جو یعقوبی اور مسعودی نے دی ہیں (دیکھو اوپر ص ۱۴۵-۱۴۴)، مزدک نے آسمانی اور ایرانی دربار کے درمیان موازنہ کرنے کے لیے سب سے اوپر کے چار درباریوں کو لیا ہے لیکن تعجب اس بات میں ہے کہ چاروں میں رامشگر بھی شریک ہے،

قوتیں دنیا کا نظم و نسق سات وزیروں کے ذریعے سے کرتی ہیں یعنی: سالار (سردار)، پیشکار (صدر)، بازور (حمال ؟)، پروان (ناظر)، کاروان (ماہر)، دستور (مشیر) اور کودگ (غلام)، یہ ساتوں بارہ روحانی ہستیوں کے دائرے کے اندر گردش کرتے ہیں[۱]، وہ بارہ ہستیاں یہ ہیں: خوانندگ (پکارنے والا)، دہندگ (دینے والا)، ستانندگ (لینے والا)، برندگ (لیجانے والا)، خورندگ (کھانے والا)، دوندگ (دوڑنے والا)، خیزندگ (اٹھنے والا)، کشندگ (مارنے والا)، زنندگ (پیٹنے والا)، کنندگ (کرنے والا)، آیندگ (آنے والا)، شوندگ (جانے والا)، پایندگ (تھمنے والا)[۲]، ہر انسان میں چاروں قوتیں مجتمع ہیں اور وہ سات (وزیر) اور بارہ (روحانی ہستیاں) عالم سفلی پر مسلط ہیں، شہرستانی نے عقیدۂ مزدکیہ کی رو سے مبدأ آفرینش کا جو بیان لکھا ہے وہ خداتعالیٰ کے کے نام کے حروف کی بعض پُراسرار تاویلات پر ختم ہوتا ہے،

مزدکیت میں عقیدۂ معاد اور احوالِ قیامت کے متعلق شہرستانی نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی، اُس کا یہ بیان کہ آمیزش ظلمت سے نور کی رہائی بالکل اُسی طرح بلا ارادہ اور اتفاقی طور پر عمل میں آئیگی جس طرح کہ اس کی آمیزش عمل میں آئی تھی بہت مجمل اور مختصر ہے، بہرحال انسان پر واجب ہے

---

[۱] مذہب مانی میں اسی طرح الوہیت کے بارہ مظہر ہیں جن کو "شہرداریفت" (سلطنتیں) کہا گیا ہے، بارہ کے دائرے میں سات اس طرح گردش کرتے ہیں جس طرح بارہ برجوں میں سات سیارے، شہرستانی کی کتاب میں تیرہ نام دیے ہیں، [۲] کُنندگ کو کَنندگ (کھودنے والا یا برباد کرنے والا) بھی پڑھا جا سکتا ہے، دیکھو "عہد شاہ کواذ" ص ۸۱، ح ۲،

کہ اپنے نیک اعمال اور تقویٰ کے ساتھ اس رہائی کا آرزومند رہے،
ہمارے مآخذ میں بیشتر اعمالِ زہد و تقویٰ ہی پر بحث ہے جن کی تعلیم مزدکیت
میں دی گئی ہے، مانویوں کی طرح مزدکیوں کا بھی سب سے بڑا اصول یہ تھا
کہ انسان کو اُن تمام باتوں سے اجتناب کرنا چاہیئے جن کی وجہ سے مادّے کے
ساتھ روح کی وابستگی زیادہ مضبوط ہو، یہی وجہ ہے کہ مزدکیوں کو ترکِ حیوانات
کی تاکید تھی[1] اور وہ خوراک کے معاملے میں ریاضت کے خاص قاعدوں
کی پابندی کرتے تھے[2]، جانوروں کا گوشت کھانے کی ممانعت اس وجہ سے
بھی تھی کہ کھانے کے لیے ان کو مارنا ضروری ہے اور خون بہانا روحوں کو
نجات حاصل کرنے کی کوشش سے روکنا ہے[3]، شہرستانی نے ایک روایت
بیان کی ہے جس سے یہ پایا جاتا ہے کہ "مزدک نے جانوں کے مارنے
کا حکم دیا تھا تاکہ ان کو ظلمت کی آمیزش سے نجات دی جائے"۔ غالباً
اس سے مراد نفسانی شہوات کا مارنا ہے جو نجات کے راستے میں حائل
ہوتی ہیں، مزدک نے لوگوں کو ایک دوسرے کی مخالفت اور نفرت اور

[1] البیرونی، ابن الاثیر، مانویت میں گوشت کا کھانا "وزیدگان" کے لیے ممنوع تھا، دیکھو اوپر،
ص ۲۵۳، [2] اوستا کے باب وندیداد میں ایک جگہ (۴، ۴۹) اُن لوگوں کا ذکر ہے جو موت کے
جن یعنی اَشتو وِدوتو (پہلوی: اَشت وِدات) کے ساتھ جہاد کرتے ہیں، ایسے لوگوں میں "وہ
شخص بھی شامل ہے جو اُس ناپاک کافر کے ساتھ جہاد کرتا ہے جو کھانے پینے سے پرہیز کرے"
اس متن کی پہلوی شرح میں لکھا ہے کہ "اس سے مراد وہ شخص ہے جو اُس ناپاک کافر کے ساتھ
جہاد کرے جو لوگوں کو کھانے پینے سے باز رہنے کی ہدایت کرتا ہے مثلاً مزدک پسر بامداد جس نے
لوگوں کو بھوک اور موت کے حوالے کر دیا، بس اسی کا نام اَست وِدات کے ساتھ جہاد کرنا ہے"!
بقول ابن الاثیر مزدکیوں کو انڈے، دودھ، مکھن اور پنیر کھانے کی اجازت تھی، [3] دیکھو "عہد شاہ کواذ"
ص ۷۹۔

لڑائی جھگڑے سے بھی منع کیا تھا اور چونکہ لڑائی اور نفرت کی بنا لوگوں میں
مساوات کا نہ ہونا ہے لہذا اس عدم مساوات کو دُور کرنا ضروری ہے، ہم
اوپر دیکھ آئے ہیں کہ مانوی سوسائٹی میں "وزیدگان" (برگزیدگان) کی جماعت
کو تاکید تھی کہ ایک دن سے زیادہ کی خوراک اور ایک سال سے زیادہ کے
کپڑے اپنے پاس نہ رکھیں، اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ اسی قسم کے زہد
کی تاکید مزدکیت میں بھی تھی ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ اس سے ملتے جلتے قاعدے
مزدکیوں میں بھی اُوپر کے طبقوں کے لیے مقرر ہونگے، لیکن عوام النّاس کے
بارے میں ان کے مذہبی پیشوا خوب سمجھتے تھے کہ ان کے لیے دنیاوی لذات
سے باز رہنا ممکن نہیں ہے لہذا ان کو ہر طرح کی اجازت ہونی چاہیئے، اسی
قسم کے سوچ بچار سے مزدکیوں کا یہ معاشرتی نظریہ پیدا ہوا کہ خدا تعالیٰ نے
روئے زمین پر زندگی کے وسائل پیدا کیے تاکہ سب یکساں طور پر ان سے
متمتّع ہوں اور کسی کو دوسرے کی نسبت زیادہ حصّہ نہ ملے، لیکن لوگوں میں
نابرابری زبردستی کے ذریعے سے پیدا کی گئی اور ہر شخص نے یہ کوشش کی کہ
دوسرے کا حصّہ چھین کر اپنی خواہشات کو پورا کرے، لیکن حقیقت میں کسی
شخص کو دوسرے کے مقابلے پر مال اور اسباب اور عورتوں کا زیادہ حصّہ
لینے کا حق نہیں ہے، لہذا یہ ضروری ہے کہ امیروں سے دولت چھین کر
غریبوں کو دی جائے اور اُس مساوات کو دوبارہ قائم کیا جائے جو ابتدائے
بنی نوع انسان میں تھی[1]، مال و دولت . . . کو اس طرح مشترک بنانا چاہیے

---

[1] ابن بطریق، طبری، ثعالبی، فردوسی،

جس طرح کہ پانی اور آگ اور چراگاہیں ہیں[1] ایسا کرنا ثواب ہے جس کا خدا نے حکم دیا ہے اور اس کا وہ نہایت عمدہ اجر دیگا، اور جب کسی قسم کی قیود باقی نہ رہینگی تو لوگوں کی باہمی امداد خدا کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہوگی[2]

ہم بآسانی اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ اشتمال پسند مزدکیوں کے دشمنوں نے کیوں ان پر عیش پرستی اور فسق و فجور کے الزام لگائے حالانکہ حقیقت میں ایسی باتیں اُن کے اُصولِ زُہد کے بالکل خلاف تھیں جس پر ان کے مذہب کی بنیاد تھی، زردشت اور مزدک نے جو معاشرتی انقلاب کی تعلیم دی تو وہ محض اخلاق اور انسانی ہمدردی کے تخیلات پر مبنی تھی جن میں اس بات کی تاکید پائی جاتی تھی کہ نیک کام کرنا انسان کا فرض ہے، مزدکی مذہب میں نہ صرف جان کا مارنا ممنوع تھا بلکہ کسی کو ایذا پہنچانے کی بھی ممانعت تھی، مہمان نوازی کی یہاں تک تاکید تھی کہ کوئی چیز بھی ہو مہمان کو دینے میں دریغ نہیں کرنا چاہیے خواہ وہ کسی قوم کا ہو[3] حتیٰ کہ دشمنوں کے ساتھ بھی مہربانی کا سلوک کرنا چاہیے[4]،

مزدک کے ساتھ بادشاہ کے تعلقات کیونکہ پیدا ہوئے ہمیں اس بارے میں صحیح اطلاعات میسّر نہیں ہیں، ثعالبی اور فردوسی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ قحط کے زمانے میں مزدک نے بعض مکاری کی باتیں کرکے کواذ کو اس بات کا حکم دینے کی ترغیب دی کہ جو شخص اپنے پاس غلہ جمع کرکے رکھیگا اور محتاجوں کو نہیں دیگا وہ سزائے موت کا مستوجب

---

[1] شہرستانی، [2] طبری، [3] الفہرست، [4] طبری، از روئے روایت عربی،

ہوگا، اس کے بعد اس نے غربا کو جو وہاں جمع تھے اس بات پر اکسایا کہ انباروں میں جتنا غلّہ جمع ہے اس کو لوٹ لیں، اس بیان کی تفصیلات بظاہر افسانہ آمیز ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ اس کی تہ میں کوئی تاریخی صداقت ہو، قحط کا ذکر ابن بطریق نے بھی کیا ہے[1]، اس آفتِ سماوی سے جو مصیبت لوگوں پر نازل ہوئی اس سے یہ بات اُن پر واضح ہوگئی کہ ایران کے نظامِ معاشرت میں دولت کی تقسیم بالکل غیر مساوی ہے اور قوت تمامتر امراء کے ہاتھوں میں ہے، ممکن ہے کہ اسی بات نے مظلوموں کو دلیر کیا ہو اور بادشاہ کو انقلاب انگیز اصلاحات سُجھائی ہوں، بہر حال کواذ نے مزدک کا مذہب اختیار کرلیا اور اُس کے اصولوں پر عمل کرنے لگا، سوائے سٹائی لائٹ کے کے تمام معاصر اور متأخر تاریخی کتابیں اس بات پر متفق ہیں کہ اس نے عورتوں کی اشتمالیت کے بارے میں قوانین وضع کیے، سٹائی لائٹ کی کتاب میں صرف اتنا لکھا ہے کہ اس نے "زردشتگان" کے فرقے کو دوبارہ زندہ کیا جس کی تعلیم یہ تھی کہ تمام عورتوں کو مشترک رکھا جائے، یہ دونو باتیں بالکل ایک نہیں ہیں، تو پھر کواذ نے اس بارے میں کون سے قانون جاری کیے؟ کسی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ اس نے شادی کی رسم کو موقوف کردیا، ایسی تدبیر پر عمل کرانا ناممکن تھا، ممکن ہے کہ کواذ نے قانون کے ذریعے سے شادی کی ایک نئی قسم کو رواج دیا ہو جس میں زیادہ آزادی سے

---

[1] ابن بطریق نے لکھا ہے کہ قحط کواذ کے عہد کے دسویں سال کے بعد پڑا لیکن اُس نے اپنی معزولی کے زمانے تک صرف آٹھ سال حکومت کی تھی،

کام لیا جاتا ہو، تو پھر اس کے یہ معنی ہوئے کہ اس نے ساسانی قانون کی جو پہلے سے اپنی جگہ پر موجود تھا صرف توسیع کی ، اس قانون کی رو سے (جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں) ایک شخص اپنی بیوی کو ، یا بیویوں میں سے ایک کو۔ یہاں تک کہ اپنی "بیاہتا بیوی" کو — اپنے کسی محتاج بھائی کو بدیں غرض دے دیتا تھا کہ وہ اس سے کام کاج میں مدد لے سکے ،

دوسری طرف یہ نہایت عجیب بات ہے کہ کسی معاصر کتاب میں کسی ایسے قانون کا ذکر نہیں ہے جس کے ذریعے سے کواذ نے مال و دولت کے اشتراک کو رائج کیا ہو ، خوذای نامگ میں البتہ اس قسم کی تدابیر کا ذکر آیا ہے اور ممکن ہے کہ اس میں کچھ صداقت بھی ہو لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ تدابیر اتنی اہم نہیں تھیں کہ سریانی اور بازنتینی مؤرّخوں کی توجّہ کو اپنی طرف کھینچ سکتیں، شاید وہ بعض غیر معمولی ٹیکس ہونگے جو غریبوں کی امداد کے لیے امیروں پر لگائے گئے ہونگے یا اسی قسم کی بعض اور تدابیر ہونگی ،

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بادشاہِ ایران نے اپنے آپ کو اشتمالیوں کے ایک فرقے کا حامی کیوں قرار دیا ؟ مشرقی مؤرّخوں نے بار بار اس سوال پر غور کیا ہے ، بعض کی تو یہ رائے ہے کہ اس نے نئے مذہب کو اخلاص کے ساتھ اختیار کیا لیکن بعض یہ کہتے ہیں کہ اس نے دکھاوے کے طور پر یا خوف کے مارے مزدکی عقاید کو قبول کیا ، نولڈکہ اس بادشاہ کی قوّت اور مستعدی کی بڑی تعریف کرتا ہے[1] اور کہتا ہے کہ اُس نے دو مرتبہ نہایت مشکل حالات میں تاج و تخت کو حاصل کیا اور اپنی طاقت کو قائم رکھا اور کئی دفعہ سلطنت روم کو اپنی تلوار

[1] ترجمہ طبری ، ص ۱۴۲ ،

سے لرزہ براندام کیا ، ان باتوں سے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ مزدکیوں کے ساتھ اتحاد کرنے سے اس کا مقصد امراء کی طاقت کو توڑنا تھا ، لیکن با ایں ہمہ کوئی مصنّف جو اس کا معاصر یا تقریباً معاصر تھا ہمیں یہ نہیں بتلاتا کہ کواذ دو رُخی پالیسی کا آدمی تھا ، نہ یہ بات پروکوپیوس نے کہی ہے جو اس کا مدّاح تھا اور نہ اگاتھیاس نے جو اُسے پسند نہیں کرتا تھا اور نہ سٹائی لائٹ نے جو اس سے نفرت رکھتا تھا ، برخلاف اس کے ہمارے مآخذ میں بہت سے اشارے اس قسم کے ہیں جن سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس کا ایمان مخلصانہ تھا ، بقول حمزہ اس کی سلطنت اس لیے تباہ ہوئی کہ وہ "عقبیٰ کی فکر میں رہتا تھا"۔ طبری نے لکھا ہے کہ مزدک کے فتنے میں مبتلا ہونے سے پہلے کواذ ایران کے بہترین بادشاہوں میں شمار ہوتا تھا ، ثعالبی اور فردوسی نے قحط کے زمانے میں مزدک اور کواذ کے درمیان جس گفتگو کا حال بیان کیا ہے اگرچہ وہ کیسا ہی افسانہ آمیز کیوں نہ ہو تاہم اس سے پتہ چلتا ہے کہ مزدک کے مشورے سے بادشاہ نے جو تدابیر اختیار کیں وہ مظلوم رعایا کی مصیبت کو دور کرنے کی غرض سے تھیں ، کواذ نے خراج میں جو اصلاحات تجویز کی تھیں اور جن کو اس کے جانشین نے نافذ کیا ان میں بھی اُس کے جذبۂ رحم و انصاف کا اظہار پایا جاتا ہے ،

قدیم عربی روایات جن کا لہجہ مخاصمانہ ہے ہمیں یہ بتلاتی ہیں کہ زندیق[1]

[1] اس لفظ کی تحقیق کے لیے دیکھو شیڈر کا مضمون "در سلسلۂ مضامین ایرانی" ج ۱ (مجموعۂ مضامین انجمن علمی "کونگس برگ ، سنہ ۱۹۳۰ء ص ۲۷۴ ببعد) ،

ہونے کی وجہ سے یہ بادشاہ "ہمیشہ اظہارِ ملائمت کیا کرتا تھا اور خون بہانے سے خائف تھا اور اسی لیے وہ اپنے دشمنوں کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتا تھا"۔ یہ ظاہر ہے کہ خون بہانے کے خوف کو حرف بحرف صحیح نہیں سمجھا جا سکتا، ایک بادشاہ جس کے عہد کا بیشتر حصّہ لڑائیوں میں گزرا ہو اور جسے اپنے طاقتور امراء کی نافرمانی اور غرور کے خلاف جد و جہد کرنی پڑی ہو وہ اس معاملے میں زیادہ حسّاس نہیں ہو سکتا، اس کے علاوہ روم کے ساتھ لڑائیوں میں وہ ہمیشہ اس مجرّب اصول پر عمل کرتا رہا کہ پیش دستی کرنا بہترین مدافعت ہے، لیکن انصاف شرط ہے کہ باوجود اس زمانے کی وحشیانہ خونریزیوں کے کواذ کی طبیعت میں رحمدلی کے آثار نمایاں ہیں، آمدہ کی فتح کے بعد کواذ نے وہاں کے باشندوں کا جو قتل عام کرایا اس کی کیفیت کو سٹائی لائٹ نے دہشت ناک پیرائے میں بیان کیا ہے لیکن اس کو مطالعہ کرنے میں دو باتوں کو مدّ نظر رکھنا چاہیے ایک تو اُس زمانے کے آدابِ جنگ دوسرے عیسائی مؤرّخوں کا تعصّب جو ہمیشہ اپنے کافر دشمنوں کی مذمّت کے درپے رہتے ہیں، بقول پروکوپیوس ایرانیوں نے شہر میں داخل ہو کر لوگوں کا بڑا قتل عام کیا، ایک بڈّھا پادری کواذ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اسیروں کو قتل کرانا ایک بادشاہ کے شایانِ شان نہیں ہے، بادشاہ نے جو ابھی تک غصّے میں بھرا بیٹھا تھا جواب دیا کہ "کیوں تم نے خیرہ سری سے میرے ساتھ لڑائی مول لی"؟ پادری نے کہا کہ "خدا کی یہی مرضی تھی کہ وہ آمدہ کو تیرے ہاتھوں میں دیدے نہ اس لیے کہ

OSMANIA UNIVERSITY

ہم نے تیرے ساتھ لڑائی مول لی بلکہ اس لیے کہ تو نے اس کو اپنی بہادری سے فتح کیا ۔" بادشاہ نے اُسی وقت حکم دیدیا کہ قتل عام کو روک دیا جائے لیکن مال واسباب کو لوٹ لیا جائے اور اہل شہر میں سے جو زندہ بچ گئے ہیں ان کو غلام بنا لیا جائے تاکہ ان میں سے جو حسب نسب کے لوگ ہوں ان کو وہ اپنے لیے انتخاب کر لے ، لیکن جب وہ اپنے لشکر اور قیدیوں کو ساتھ لے کر ایران کی طرف واپس چلا تو اُس نے " ایسی رحمدلی کا ثبوت دیا جو ایک بادشاہ کے شایانِ شان تھی " یعنی سب قیدیوں کو اجازت دیدی کہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں[1] ، کواذ نے چلتے وقت ایرانی سپہ سالار گلونیس کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ آمدہ پر قبضہ رکھنے کے لیے چھوڑ دیا لیکن نہ تو اس سپہ سالار نے اور نہ خود کواذ نے شہر کے اندر یا باہر کسی عمارت کو گرایا یا خراب کیا[2] ، اپنے معزول بھائی زاماسپ کے ساتھ بھی اُس نے ایسی انسانیت کا سلوک کیا جو دربار ایران کے طور طریقے کے بالکل خلاف تھا[3] ۔ بطور خلاصہ ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ کواذ زیادہ پابندی کے ساتھ مزدکیوں کے اخلاق پر کاربند نہ تھا (جیسا کہ قسطنطین اعظم عیسائیت کے اخلاق کا زیادہ پابند نہ تھا) تاہم کسی حد تک مزدک کی انسان دوستی کا تصوّر اس کے اطوار کی رہنمائی کرتا تھا ،

ہمیں یہ فرض کر لینا چاہیے کہ معاشرتی قوانین جو کواذ نے اپنے عہد کے پہلے دور میں نافذ کیے اُن سے صورتِ حالات میں اور نجباء کے خاندانوں

---

[1] پروکوپیوس ، ۷ ، ۳۰-۳۴ ، [2] ایضاً ، ۹ ، ۱۹ ، کواذ کی فیاضی کی ایک اور مثال دیکھو اسی کتاب میں (۱۳ ، ۸-۱۵) [3] دیکھو آگے ،

کے اوضاع و اطوار میں چنداں تبدیلی رونما نہیں ہوئی، کیونکہ اگر ان قوانین کی بدولت اس زمانے میں کوئی بڑے معاشرتی ہنگامے برپا ہوئے ہوتے تو زاماسپ جیسے کمزور اور ملائم شخص کو جسے کواذ کی معزولی کے بعد بادشاہ بنایا گیا ایسی مشکلات پیش آتیں جن کے آثار ضرور ہمارے تاریخی مآخذ میں نظر آتے، لیکن نہ تو کوئی معاصر مصنّف اور نہ کوئی عربی یا فارسی مؤرّخ کسی معاشرتی جدّ و جہد کا ذکر کرتا ہے اور نہ کسی کتاب میں کوئی ایسی بات دیکھنے میں آتی ہے جس سے معلوم ہو کہ حکومت کو کسی انقلاب انگیز تحریک کے دبانے کی کوشش کرنی پڑی،

شاہ پیروز کی شکست اور ولاش کی کمزوری کے باعث ایران میں جو ابتری پھیلی وہ کواذ کے عہد حکومت کے پہلے دور میں جاری رہی، یہ بات کہ کواذ نے باوجود زندیق ہونے کے ارمنیوں پر اس لیے سختی کی کہ وہ آگ کی پرستش نہیں کرتے تھے (جیسا کہ سٹائی لائٹ کی کتاب میں لکھا ہے) قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا، لیکن باغی ارمنیوں کے ساتھ جو جنگ جاری تھی وہ سیاسی بھی تھی اور مذہبی بھی[1] اور چونکہ اُس صلحنامے سے جو گشنسپ داذ نے ان کے ساتھ طے کیا اس جنگ کا خاتمہ نہ ہو سکا لہٰذا لڑائی ازسرنو شروع ہوئی اور ارمنیوں نے کواذ کی فوج کو شکست دی، کدیشیوں[2] اور تموریوں نے جو ایران کے پہاڑی قبائل تھے بغاوت کا جھنڈا اکھڑا کیا اور عربوں نے بھی ایرانی علاقے میں لوٹ مار کی، عربوں سے یہاں مراد وہ قبائل ہیں

[1] دیکھو اوپر، ص ۳۸۶، [2] سنگارا اور نصیبین کے علاقے کے رہنے والے تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہپتالیوں کے ایک قبیلے کا نام تھا، (مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۷۷)،

جو شاہِ حیرہ کی سلطنت میں کہ بادشاہِ ایران کا باجگزار اور وفادار دوست تھا بود و باش رکھتے تھے لیکن شاہِ حیرہ ان کو اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتا تھا، شمالی وحشیوں کے خلاف درۂ قفقاز کی حفاظت کے بارے میں سلطنت روم و ایران کے درمیان ہمیشہ سے جھگڑا[2] چلا آرہا تھا چنانچہ کواذ نے اس حفاظت کے انتظام کے لیے قیصر اینسٹیسیوس[1] سے امدادی رقم کا مطالبہ کیا، قیصر نے اس کے عوض میں نصیبین کا مستحکم شہر مانگا لیکن کواذ کو یہ شرط منظور نہ ہوئی[2]۔

حالات کی صورت یہ تھی جبکہ کواذ کے خلاف محل میں ایک انقلاب برپا ہوگیا اور وہ معزول کردیا گیا، اس انقلاب کا باعث موبدوں کی وہ نفرت تھی جو ان کو ہر اُس چیز سے تھی جس سے مانوی عقاید کی بو آتی ہو، امراء میں سے جو زرمہر کی پارٹی کے تھے موبدوں کے ساتھ شریک ہوگئے، کواذ کا سب سے بڑا جانی دشمن گشنسپ داذ تھا جو "تخوبر"[3] کا منصب اور "کنارنگ" کا اعلیٰ عہدہ رکھتا تھا اور ارمنیوں کے ساتھ معاہدے کی گفتگو میں زرمہر کو اس پر خاص اعتماد تھا[4]، سٹائی لائٹ کا یہ بیان کہ کواذ کو امراء کی سازش کا حال معلوم ہوگیا اور وہ بھاگ کر ہپتالیوں کے ملک میں چلا گیا صحیح نہیں ہے کیونکہ باقی تمام ماخذ اس بات پر متفق ہیں کہ بادشاہ کو معزول کرکے قید کر دیا گیا[6]، بازنطینی مصنفوں کے اس قول کی تعبیر کہ کواذ کی معزولی

---

[1] (Anastasius) [2] سٹائی لائٹ، [3] دیکھو اوپر، ص ۱۶، ح ۲، [4] دیکھو اوپر، ص ۱۳۷ ح ۴، [5] دیکھو اوپر، ص ۳۸۷، [6] اگاتھیاس لکھتا ہے کہ یہ واقعہ اس کے عہد کے گیارھویں سال میں ہوا لیکن یہ صحیح نہیں، کواذ کی معزولی سنہ ۴۹۶ء کا واقعہ ہے، البتہ اس کی بحالی اس کی تخت نشینی کے گیارہ سال بعد ہوئی، دیکھو نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۴۲۷،

عام لوگوں کی بے اطمینانی کے باعث ہوئی جو اس کے انقلاب انگیز قوانین سے ناخوش تھے[1] اور یہ کہ "سب لوگوں نے بغاوت کی"[2] ایران کے حالات کے مطابق کرنی چاہیے یعنی یہ کہ سب سے پہلے امراء اور موبدوں نے بغاوت شروع کی ہوگی اور عام لوگوں کی دلچسپی اس میں صرف وہیں تک ہوئی ہوگی جہاں تک کہ وہ امراء کے دست نگر تھے یا موبدوں کے روحانی اثر میں تھے، لیکن اس بغاوت میں امراء سب کے سب شریک نہیں تھے اور کم از کم ان میں سے ایک جس کا نام سیاوش تھا کواذ کا نہایت سرگرم اور باوفا حامی تھا، اُس زمانے میں وہ غالباً ابھی نوجوان تھا، باغیوں نے کواذ کے بھائی زاماسپ[3] کو تخت پر بٹھایا اور بادشاہ کی کونسل کے ممبر یعنی امراء نے نئے بادشاہ کی صدارت میں جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ کواذ کا کیا حشر ہونا چاہیے، گشنسپ داذ کنارنگ نے جو ہپتالیوں کی سرحد کا فوجی گورنر تھا یہ رائے دی کہ عقلمندی کی بات یہ ہے کہ شاہ معزول کو قتل کر دیا جائے لیکن اکثروں نے اس تجویز کو رد کیا اور ذرا نرمی سے کام لینے کی سفارش کی[4] چنانچہ کواذ کو قید خانے میں ڈال دیا گیا، پروکوپیوس لکھتا ہے کہ اس کو قلعۂ انوش برد ("قلعۂ فراموشی") میں قید کیا گیا، اس اطلاع کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ سیاسی قیدی جن کا وجود ان کے نسب اور رتبے کے

---

[1] پروکوپیوس، [2] اگاتھیاس، [3] پروکوپیوس نے اس کو کواذ کے پیشرو کے ساتھ ملتبس کر کے اس کا نام ولاش لکھا ہے، ان دو بادشاہوں کی سیرت اور قسمت کی مشابہت نے یہ التباس پیدا کیا ہے، [4] پروکوپیوس،

باعث سلطنت کے لیے خطرناک ہوتا تھا وہ اسی قلعے میں قید کیے جاتے تھے[1]،

لیکن کواذ زیادہ عرصہ قید میں نہیں رہا ، سیاؤش نے اس کو کسی ترکیب سے وہاں سے نکالا ، قید خانے سے اس کے نکل بھاگنے کے متعلق جلد ہی بہت سے افسانے اور قصے پیدا ہو گئے[2]، سیاوش اس کے فرار میں برابر اس کا شریک رہا[3]، بالآخر کامیابی کے ساتھ وہ ہیتالیوں کے بادشاہ (خاقان) کے دربار میں پہنچ گیا ، خاقان نے اس کا خیر مقدم نہایت تپاک کے ساتھ کیا جس طرح کہ ایک پرانے دوست کا کیا جاتا ہے اور اس کی شادی اپنی بیٹی کے ساتھ جو شاہ پیروز کی بیٹی کے بطن سے تھی

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۴۰۴ ،

[2] کواذ کا ایک وفادار دوست (سیاؤش) کی مدد سے نجات پانا پروکوپیوس کے ہاں مذکور ہے اور عربی فارسی کی بھی اکثر کتابوں میں جن کا مأخذ خوذای نامگ ہے اس کا ذکر ہے لیکن وہاں سیاؤش کی بجائے زرمہر کا نام لکھا ہے ، ایک روایت یہ بھی ہے کہ کواذ نے ایک عورت کے حیلے سے نجات پائی جس کے حسن پر قلعے کا کوتوال فریفتہ ہو گیا تھا ، پروکوپیوس لکھتا ہے کہ وہ عورت کواذ کی بیوی تھی اور وہ بھیس بدل کر قلعے سے بھاگ گئے تھے ، کواذ نے اپنی بیوی کا لباس پہن لیا تھا ، ایک اور روایت جو تاریخ طبری اور فارس نامہ (ص ۸۵) میں بیان کی گئی ہے یہ ہے کہ وہ عورت کواذ کی بہن تھی اور اس نے بھائی کو ایک دری میں لپیٹ کر قلعے سے باہر نکالا ، بہانہ یہ کیا کہ دری ناپاک ہو گئی ہے اور اس کو دھونے کی ضرورت ہے ، دینوری اور نہایہ میں ان دو نو روایتوں کو ملا دیا گیا ہے اور کواذ کو باہر نکالنے میں عورت کی کامیابی کا ذکر کرنے کے بعد دوست کو بھی قصے میں داخل کر دیا گیا ہے ، اگاتھیاس نے صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ کواذ قلعے سے نکل بھاگا لیکن اس کا ذکر نہیں کیا کہ کیونکر؟ اس سے ہم یہی فرض کر سکتے ہیں کہ ایرانی مآخذ جو اگاتھیاس کے پیش نظر تھے ان میں عورت کے حیلے کا کوئی ذکر نہیں تھا ،

[3] پروکوپیوس ، خوذای نامگ ،

کر دی[1]، تب اُس نے کواذ کو مدد کے لیے فوج دی اور کواذ نے یہ عہد کیا کہ اگر میں اپنا تخت دوبارہ حاصل کر لینے میں کامیاب ہو جاؤں تو تمہیں خراج ادا کیا کرونگا، ۴۹۸ء یا ۴۹۹ء میں اس نے بغیر جنگ کیے اپنی سلطنت واپس لے لی[2]، زاماسپ کے عہد کے واقعات کے متعلق تمام تاریخیں خاموش ہیں، ارمنیوں کی بغاوت اور باقی جھگڑے جو اس کے عہد سے پہلے شروع ہوئے تھے اس کے زمانے میں چلتے رہے اور ان کا سدّباب اس کی معزولی کے بعد کیا گیا، زاماسپ نے رحم و انصاف میں شہرت حاصل کی تھی لیکن اس نے ہمّت اور مستعدی کا کوئی ثبوت نہ دیا اور چونکہ کوئی جماعت اس کے سرگرم حامیوں کی نہ تھی اس نے یہی بہتر جانا کہ رضامندی کے ساتھ بھائی کے حق میں سلطنت سے دست بردار ہو جائے،

---

[1] سٹائی لائٹ، پروکوپیوس، اگاتھیاس، اُن تمام کتابوں میں جن کا مأخذ خوذای نامگ ہے کواذ کے متعلق ایک افسانہ بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کواذ بھیس بدلے ہوئے جا رہا تھا تو ایران کے کسی گاؤں میں جس کی جائے وقوع مختلف کتابوں میں مختلف بتلائی گئی ہے اس نے ایک جوان لڑکی سے شادی کی اور اس کو اسی گاؤں میں چھوڑ کر آگے چلا گیا۔ واپسی پر اسے معلوم ہُوا کہ اس کے لڑکا ہُوا ہے، یہی لڑکا بڑا ہو کر خسرو انوشیروان بنا، جب اُسے معلوم ہُوا کہ وہ لڑکی ایک پرانے شاہی خاندان سے ہے تو وہ اُسے بچّے سمیت لے آیا، بعض عربی اور فارسی مصنّفوں کے ہاں جو سلسلہ روایت (ب) و (د) سے تعلق رکھتے ہیں (دیکھو اوپر، ص ۴۴۴، ح ۱") کواذ کا ہیتالیوں (یا ترکوں) کے ملک کی طرف فرار کرنا ولاش کے عہد میں مذکور ہُوا ہے، زاماسپ اور ولاش کے درمیان جو مشابہت پروکوپیوس کے ہاں التباس کا باعث ہوئی ہے وہی ان مشرقی مؤرّخوں کے ہاں ایک تاریخی حقیقت کے دگرگوں ہونے کا سبب ہوئی ہے، سلسلہ (ب) کے مآخذ کواذ کی شادی کے قصّے کو ولاش کے عہد میں لے گئے ہیں برخلاف اس کے سلسلۂ (د) کے مآخذ جن کی روایت یہ ہے کہ کواذ دو دفعہ بھاگا (ایک دفعہ ولاش کے عہد میں ترکوں کے ملک کی طرف اور دوسری دفعہ زاماسپ کے عہد میں ہیتالیوں کی طرف) شادی کے واقعہ کو اس کی اصلی جگہ پر لے آئے ہیں، [2] سٹائی لائٹ، پروکوپیوس، اگاتھیاس، خوذای نامگ،

اس واقعہ کی تاریخ کے متعلق دیکھو نولدکہ ترجمہ طبری ص ۴۲۸۔

کتابوں میں زاماسپ کے انجام کے متعلق روایات بہت مختلف ہیں، صرف ایک مصنف[1] نے یہ بیان کیا ہے کہ کواذ نے اس کو مروا دیا، پروکوپیوس یہ کہتا ہے کہ اس کو اندھا کر دیا گیا لیکن اس کا نام بجائے زاماسپ کے ولاش لکھتا ہے، جس بادشاہ کو اندھا کیا گیا وہ اصلی ولاش تھا جو کواذ کا پیشرو تھا، بقول طبری و ابن بطریق زاماسپ کو جلاوطن کیا گیا، دینوری، ثعالبی اور فردوسی کا بیان ہے کہ کواذ نے زاماسپ کو معاف کر کے اُس کی جاں بخشی کر دی، اگاتھیاس بھی جو اوّل درجے کا مأخذ ہے اسی بیان کے ساتھ متفق ہے، ہمارا خیال ہے کہ یہ اختلاف روایت اس بات کا ثبوت ہے کہ کواذ نے دربارِ ساسانی کے عام دستور کی پیروی نہیں کی جس کی رُو سے سلطنت کے دعویدار کو جو مغلوب ہو جاتا تھا مروا دیتے تھے یا کم از کم اندھا کر دیتے تھے، تمام علامتیں ہمیں یقین دلاتی ہیں کہ اگاتھیاس کا بیان ایک تاریخی حقیقت ہے یعنی یہ کہ کواذ نے اپنے بھائی کے ساتھ انسانیت کا ایسا سلوک کیا جس کی مثالیں اُس زمانے میں عام نہیں تھیں، یہ بات کہ کواذ نے باقاعدہ عہد کیا تھا کہ آیندہ مزدکیوں کی حمایت نہیں کریگا (جیسا کہ بعض عربی مؤرخوں نے لکھا ہے[2]) قرینِ قیاس نہیں معلوم ہوتی، ہاں یہ ممکن ہے کہ اُس نے دل میں یہ ارادہ کیا ہو کہ مزدکیوں کے معاملے میں آیندہ احتیاط سے کام لونگا،

جن امراء نے کواذ کو معزول کیا تھا ان کے بارے میں سٹائی لائٹ نے یہ غرض آمیز بیان دیا ہے کہ اس نے ان سب کو مروا دیا، لیکن یہ صاف ظاہر

---

[1] یعنی الیاس نصیبینی، دیکھو نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۱۴۵-۱۴۶، ح ۵، [2] دینوری، نہایہ،

ہے کہ ایسے مختصر اور فوری عمل سے وہ ایران کے امراء کی طاقتور جماعت کو نابود نہیں کر سکتا تھا، دینوری، ثعالبی اور فردوسی کی یہ روایت کہ اس نے ان کی معذرت قبول کر کے ان کو معاف کر دیا بلاشبہ تاریخی حقیقت سے زیادہ قریب ہے، اس نے اگر سزا دی ہوگی تو صرف ایسے لوگوں کو جن کی مخالفت زیادہ خطرناک تھی، کنارنگ گشنسپ داذ نے چونکہ امراء کی کونسل میں کواذ کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا لہٰذا اس کو سزائے موت دی گئی اور کنارنگ کا عہدہ آذر گنداذ کو دیا گیا جو گشنسپ داذ کے خاندان سے تھا[1]، سیاؤش کو اس کی خدمات کے صلے میں ارتیشتاران سالار بنایا گیا یعنی سلطنت ایران کا کمانڈر انچیف اور وزیر جنگ[2]۔

دوبارہ تخت نشین ہونے کے بعد کواذ نے اپنی شاہانہ طاقت کو استوار کیا، کدیشیوں اور تموریوں نے اطاعت قبول کی، عرب قبائل کے حملوں کو روکا گیا اور حیرہ کے عربوں نے اپنے بادشاہ نعمان ثانی[3] کے ماتحت روم کے خلاف لڑائی میں ایران کا ساتھ دیا، ارمنیوں کو بھی مطیع کیا گیا اور کواذ نے

---

[1] پروکوپیوس نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کو تاریخی حقیقت نہیں کہہ سکتے، وہ لکھتا ہے کہ کواذ نے یہ اعلان کیا تھا کہ ایران کی سرحد کو عبور کرنے کے بعد سب سے پہلا شخص جو میرے سامنے آکر اظہار اطاعت کریگا میں اس کو کنارنگ کا عہدہ دونگا، گویا وہ اس بات کو بھول گیا تھا (!) کہ یہ عہدہ ایک خاص خاندان میں موروثی ہے اور جو شخص اس خاندان سے نہ ہو اس کو یہ عہدہ نہیں دیا جا سکتا، لیکن حسن اتفاق سے سب سے پہلا شخص جس نے اظہار اطاعت کیا وہ آذر گنداذ تھا کہ گشنسپ داذ ہی کے خاندان سے تھا، کنارنگ کا عہدہ غالباً اُن سات بڑے بڑے عہدوں میں سے تھا جو سات ممتاز خاندانوں میں موروثی تھے، (دیکھو اوپر، ص ۱۳۷، ح ۴)، بعد میں خسرو اوّل (انوشروان) نے آذر گنداذ کو مروا کر یہ عہدہ اس کے بیٹے بہرام کو دیا (پروکوپیوس، ۲۳، ۲۲)،

[2] پروکوپیوس کا یہ کہنا کہ سیاؤش سب سے پہلا اور آخری شخص تھا جس کو یہ عہدہ ملا صحیح نہیں ہے، دیکھو اوپر ص ۱۷۱

[3] روٹشٹائن، ص ۴۷،

ان کو مذہبی آزادی اس شرط پر دیدی کہ وہ وفاداری کے ساتھ رومیوں کے خلاف اس کی مدد کرینگے، اس شرط کو انھوں نے بادل ناخواستہ قبول کیا[1]۔ کواذ نے امراء کی طاقت کو توڑنے کے لیے بعض تدابیر اختیار کیں، بقول موسیو شتائن اس نے وزرگ فرماذار کے ساتھ ایک اَستَنبذ[2] مقرر کیا جو بلحاظِ عہدہ رئیس دربار تھا اور چار پاذگوسپانوں[3] کی تعیناتی کا دستور جاری کیا جو بظاہر چار مرزبان شہرداروں[4] کی بجائے مقرر کیے گئے تھے،

ہپتالیوں کے بادشاہ کا موعودہ خراج ادا کرنے کے لیے کواذ نے قیصر اینسٹیسیوس سے قرض کا مطالبہ کیا لیکن قیصر نے اس امید میں کہ اگر خراج ادا نہ کیا گیا تو ایرانیوں اور ہپتالیوں کے درمیان دوستی کے تعلقات کشیدہ ہو جائینگے قرض دینے سے انکار کر دیا، اس بنا پر کواذ نے ۵۰۲ء میں قیصر کے ساتھ جنگ شروع کر دی، اہل روم کو یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ ہپتالیوں کی فوجیں بھی ایرانیوں کے لشکر میں شریک ہیں، اس جنگ کا سب سے بڑا واقعہ یہ تھا کہ کواذ نے آمدہ کو فتح کر لیا، لیکن قبائل ہون کے حملے سے جو "دروازہ ہائے خزر" (درۂ داریال) کی راہ سے گھس آئے تھے بادشاہ مجبور ہوا کہ سات سال کے لیے قیصر سے صلح کر لے (۵۰۵ء یا ۵۰۶ء)، اس حملے کو روکنے میں وہ کامیاب ہوا لیکن دس سال بعد اقوام ہون کے بعض

[1] شتائن، باب ۲۴، [2] دیکھو ضمیمہ نمبر ۲، [3] دیکھو اوپر، ص ۱۸۱، [4] دیکھو اوپر، ص ۱۳۰، قطعات تُرفان میں لفظ "پاذگوسپان" کی دو شکلیں پائی گئی ہیں: پاذگوس اور پاتگوس، چار پاذگوسپان حسب ذیل تھے: اَبَاختر (شمال)، خوراسان (= خراسان یعنی مشرق)، نیمروز (جنوب)، خُورْوَران (مغرب)، دیکھو طبری، ص ۸۹۲ - ۸۹۳۔

اور قبائل جو سابیر کہلاتے تھے آرمینیہ اور ایشیائے کوچک پر حملہ آور ہوئے[1]، بالآخر کواذ نے ان وحشیوں کے حملوں کو روکنے کے لیے صوبۂ قفقاز کے ایک شہر کو جس کا نام پَرتَوْ تھا ایک مضبوط سرحدی قلعے میں منتقل کر کے اس کا نام پیروز کواذ رکھا[2]، اس زمانے میں نسبتاً زیادہ امن رہا لہذا ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ رفاہ و تمدّن کے کام جن کا ذکر خوذای نامگ میں ہے اسی زمانے میں ہوئے ہونگے مثلاً نہروں اور پلوں کی تعمیر اور نئے شہروں کی بنا جن میں ایک شہر رام کواذ تھا جو فارس اور خوزستان کی سرحد پر آباد کیا گیا[3] اور ایک کواذ خوَرّہ تھا جو صوبۂ فارس میں بسایا گیا[4]،

۵۱۹ء کے قریب بادشاہ کی جانشینی کا مسئلہ درپیش ہوا، کواذ نے اپنی طاقت کو یہاں تک بڑھا لیا تھا کہ اُس نے قدیم دستور کو دوبارہ جاری کرنے کی کوشش کی جس کی رُو سے بادشاہ اپنا جانشین خود نامزد کرتا تھا[5] چنانچہ اس کوشش میں وہ کامیاب ہوا، اس کے تین بیٹے تھے جو جانشینی کے اہل ہو سکتے تھے، سب سے بڑا کاؤس تھا[6]، گشنسپ واذ کا خاندان اشکانیوں کی سلطنت کے خاتمے کے وقت سے صوبۂ پذشخوارگر (طبرستان) پر قابض تھا[7]، اب اس خاندان کے مٹنے کے بعد وہاں کی حکومت کواذ نے

---

[1] مارکوارٹ، ایرانشہر، ص ۶۳-۶۴، و ۱۰۷، [2] ایضاً، ص ۱۱۸، روم کے خلاف کواذ کی دوسری لڑائی میں قبائل سابیر ایرانی فوج میں شریک تھے، (پروکوپیوس، ۱۵،۱)،
[3] طبری، ص ۸۸۷-۸۸۸، [4] ثعالبی، ص ۵۹۴، فارسنامہ ص ۸۴،
[5] دیکھو اوپر، ص ۳۴۴،
[6] پروکوپیوس، (۱۱، ۳)، ابن اسفندیار، ظہیرالدین المرعشی، نیز دیکھو "عہد شاہ کواذ" ص ۷۵، [7] نولڈکہ: کارنامگ، ص ۴۷، ح ۲، مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۱۳۰،

اپنے بیٹے کاؤس کو دیدی ۔ اس سے ظاہر ہے (جیسا کہ مارکوارٹ نے اشارہ کیا ہے) کہ پذشخوار شاہ پسرِ کواذ جس کا نام مؤرّخ تھیوفانیس نے فثاسُوَرسن[1] لکھا ہے وہ بھی کاؤس ہے[2]، چونکہ عربی اور فارسی مؤرّخوں نے لکھا ہے کہ کواذ کا تیسرا بیٹا خسرو اس کے دورانِ فرار میں پیدا ہوا لہٰذا کاؤس کی پیدائش اس سے پہلے کی ہونی چاہیئے ، بنابریں مارکوارٹ نے استدلال کیا ہے کہ کاؤس کی ماں ہپتالیوں کے بادشاہ (خاقان) کی بیٹی نہیں ہوسکتی جس کے ساتھ کواذ کی شادی بعد میں ہوئی ، مارکوارٹ کا قیاس یہ ہے کہ اس کی ماں غالباً کواذ کی وہ بیوی تھی جس نے اس کو قید سے نکالا تھا ، علاوہ اس کے تھیوفانیس نے لکھا ہے کہ کاؤس کی پرورش مانوی (یعنی مزدکی) عقیدے میں ہوئی ، یہ قرینِ قیاس نہیں ہے کہ کواذ نے اپنی بحالی کے بعد دوبارہ اتنی جرأت کی ہو کہ اپنے بیٹے کی تربیت مزدکیوں کو سپرد کرکے موبدوں کی طاقتور جماعت کو مقابلے کی دعوت دی ہو ، لہٰذا ہمیں یہ فرض کرنا پڑیگا کہ کاؤس کی تربیت (اور پیدائش) کواذ کی معزولی سے بہت پہلے کی بات ہے ،

کواذ کا دوسرا بیٹا زم ایک آنکھ سے معذور تھا اور اس قسم کا جسمانی عیب بالعموم تخت سے محرومی کا باعث ہوتا تھا ، لیکن چونکہ اس اصول کی پابندی بہت زیادہ سختی کے ساتھ نہیں کی جاتی تھی لہٰذا کواذ کو (جس کی یہ خواہش تھی کہ خسرو اس کا جانشین ہو) یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ مبادا

---

[1] (Phthasuarsan)

[2] تھیوفانیس نے غلطی سے اس کو تیسرا بیٹا کہا ہے ،

زم جس نے اپنے مردانہ اطوار کی بدولت بہت لوگوں کو اپنا حامی بنا رکھا تھا سلطنت کا دعویٰ کرے[1]، کواذ کی رحمدلی کا یہ ایک اور ثبوت ہے کہ اُس نے سلطنت کے اس ممکن دعویدار کو راستے سے ہٹانے کے لیے رسمی طریقہ (یعنی قتل) اختیار نہیں کیا،

تیسرا بیٹا خسرو تھا، باپ کے نزدیک اُس میں ایک اچھے شہزادے کی سب خوبیاں جمع تھیں، صرف ایک عیب اس میں یہ تھا کہ بدگمانی اس کی طبیعت میں داخل تھی[2]، خوذای نامگ کی یہ روایت کہ اس کی ماں کسی دہقان کی لڑکی تھی اور قدیم شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی جس سے کواذ نے دوران فرار میں شادی کی تھی بظاہر افسانہ ہے، بقول پروکوپیوس اس کی ماں اسپبیدس (یعنی سپاہ بد یا ایران سپاہ بد) بوئے (بویہ) کی لڑکی تھی جس نے رومی سپہ سالار سیلر کے ساتھ ۵۰۵ء یا ۵۰۶ء میں عارضی طور پر صلح کر لی تھی[3]،

کواذ کا اپنے چھوٹے بیٹے خسرو کو اپنے بڑے بیٹے کاؤس پدشخوار شاہ پر (جو علانیہ طور پر مزدکی تھا) ترجیح دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اُس نے صریح طور پر فرقۂ مزدکی کے ساتھ (جس کا وہ پہلے گرویدہ تھا) اپنا رویّہ بدل دیا تھا،

خسرو کی جانشینی کو مستحکم کرنے کے لیے کواذ نے قیصر جسٹن[4] کے ساتھ حتمی طور پر صلح کرنے کی تجویز پیش کی اور اُس سے یہ خواہش کی کہ خسرو کو اپنا بیٹا بنا لے،

---

[1] پروکوپیوس، [2] دینوری، نہایہ، [3] دیکھو اوپر، ص ۳۳۱، ح ۵، [4] (Justin)

اس کا منشا یہ تھا کہ بیٹا بنا لینے سے قیصر اخلاقاً اس بات کا ذمہ دار ہو جائیگا کہ سلطنت کے دوسرے دعویداروں کے مقابلے پر خسرو کی مدد کرے، یہ تجویز ہمیں عجیب سی معلوم ہوتی ہے لیکن اس سے پہلے ایسی ہی ایک مثال موجود ہے کہ چوتھی صدی کے آخر میں قیصر آرکیڈیوس نے اپنے خرد سال بیٹے تھیوڈوسیوس کی جانشینی کی توثیق کے لیے یزدگرد اوّل کو اس کا سرپرست قرار دیا تھا اگرچہ یہ صحیح ہے کہ یزدگرد نے اس کو اپنا متبنّیٰ نہیں بنایا تھا[1]،

جسٹن[2] نے اپنے مشیر پروکلوس[3] کی اس رائے سے اتفاق کیا کہ کواذ کی تجویز کو منظور تو کر لیا جائے لیکن تبنیت کے بارے میں کوئی تحریری اقرار نامہ نہ دیا جائے بلکہ "جس طرح کہ وحشی قبائل میں دستور ہے" ہتھیاروں کے ذریعے سے قسما قسمی ہو جائے، یہاں غالباً یورپ کے وحشی جرمن قبیلوں کی رسم تبنیت کی طرف اشارہ ہے جس کی رُو سے زیادہ ذمہ داریاں عاید نہیں ہوتی تھیں، چونکہ کواذ کو یہ شرط منظور نہ ہوئی لہذا گفت و شنید کا سلسلہ جس میں ایرانیوں نے منجملہ اور شرائط کے لازیکا کا بھی مطالبہ کیا منقطع ہو گیا اور بات جہاں تھی وہیں رہی[4]،

گفت و شنید کی یہ ناکامی ارتیشتاران سالار سیاوُش کے زوال کی ابتدا تھی جو اس وقت تک امرائے ایران میں سب سے زیادہ طاقتور تھا، کواذ نے اس کو اور ایک اَور بڑے امیر ماہبُذ کو جو خاندان سورین سے تھا رومیوں کے ساتھ بات چیت کرنے کے لیے بھیجا تھا، سیاوُش

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۳۵۳، [2] (Justin) [3] (Proclos) [4] پروکوپیوس،

حد سے زیادہ متکبر شخص تھا لیکن پروکوپیوس اس کی دیانت اور ایمانداری کی تعریف کرتا ہے، ماہبُذ اس کے تسلّط و اقتدار پر سخت حسد کرتا تھا چنانچہ اس نے اس پر یہ الزام لگایا کہ گفت وشنید کی ناکامی کا وہی ذمہ دار ہے، معاملہ امراء کی کونسل میں پیش ہُوا جس کا صدر غالباً موبدان موبد تھا، غدّاری کے جتنے جرم تھے ان کا تصفیہ اسی کونسل کے ہاتھ میں تھا، چونکہ اس کے ممبر سیاؤش سے عناد رکھتے تھے اور اس بات پر تُلے ہوئے تھے کہ اس کو مروا دیں لہذا انھوں نے بعض اور گناہ بھی اس کے ذمّے لگائے مثلاً یہ کہ وہ ایران کی مقررہ رسوم کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتا اور ادب قاعدے کی پروا نہیں کرتا اور نئے نئے خداؤں کی پرستش کرتا ہے، اپنی بیوی کی لاش کو (جو حال ہی میں مری ہے) اُس نے دفن کرایا ہے اور زرتشتی قاعدے کی پابندی نہیں کی جس کی رو سے لاشوں کو دخموں پر رکھوانا چاہیے جہاں شکاری پرندے ان کو کھائیں، غرض سیاؤش کو سزائے موت کا حکم دے دیا گیا اور کواذ نے اُس کی گرفتاری کی منظوری دے دی تاکہ قانون شکنی نہ ہو اگرچہ اس کو اس کا بڑا افسوس ہُوا، پروکوپیوس کی یہ روایت بہت دلچسپ ہے کیونکہ اس سے ہمیں یہ احتمال ہوتا ہے کہ سیاؤش کے خلاف یہ کارروائی دراصل مزدکیت کے خلاف کارروائی تھی جس کی طاقت اس زمانے میں اپنے عروج پر تھی، پروکوپیوس اکیلا مؤرّخ ہے جس نے سیاؤش کے زوال کے بارے میں ہمیں مفصّل اطلاع دی ہے، وہ یہ نہیں کہتا کہ سیاؤش "مانوی" (یعنی مزدکی) تھا لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو ایران کے مذہبی فرقوں سے

دلچسپی نہیں ہے، ہم یہ بھی نہیں کہ سکتے کہ آیا مزدکیوں میں مُردوں کو دفن کرنے کی رسم تھی یا نہیں[1]، ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ سیاؤش نے کواذ کو جو مزدکیوں کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے معزول اور محبوس کیا گیا تھا قید سے نکالا اور یہ کہ اس کے عقاید زرتشتی رسوم و آداب کے خلاف تھے اور وہ نئے نئے خداؤں کی پرستش کرتا تھا، ان باتوں سے طبعاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مزدکی تھا، لیکن اگر یہ خیال صحیح ہے تو پھر سیاؤش کے ساتھ کواذ کا سلوک اگرچہ بظاہر بے وفائی اور ناشکری کا سلوک معلوم ہوتا ہے تاہم اس کی وجہ بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے وہ یہ کہ مزدکی تبلیغ کے برے نتائج سے بادشاہ کو خوف پیدا ہونا شروع ہوگیا تھا، ایک مدّت تک وہ اپنے پرانے ہم مذہبوں (یعنی مزدکیوں) کے ساتھ رواداری کا سلوک کرتا رہا لیکن اب اُسے ان کی سازشوں سے روز افزوں نفرت ہونے لگی اور اس نے علانیہ طور پر علمائے زرتشتی کا ساتھ دینے کا تہیّہ کرلیا، ماہبذ کو اس نے اپنا مشیرِ خاص بنایا اور اسے "سرنخویرگان[2]" کا خطاب دیا،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کواذ موقع کی تلاش میں تھا کہ وہ مذہبِ مروّج (یعنی زرتشتیت) کے لیے اپنی گرمجوشی کا اظہار کرسکے چنانچہ اُس نے آئبیریا کے عیسائیوں کو مجبور کرنا چاہا کہ وہ زرتشتی رسوم کو اختیار کریں خصوصاً یہ کہ

[1] مانویوں میں لاشوں کو کھلی جگہ پر چھوڑ آنے کی رسم بعض علاقوں میں یا ان کے خاص خاص فرقوں میں مروّج تھی لیکن مانوی کتاب موسوم بہ "کتاب الاصلین" میں لاشوں کو برہنہ دفن کرنے کی ہدایت کی گئی ہے (دیکھو "مجلّۂ آسیائی" سنہ ۱۹۱۳ء، حصّۂ اوّل، ص ۳۵۴-۳۵۱ و ص ۳۳۸")

[2] یعنی نخویروں کا سردار (= خانخاناں — مترجم)،

وہ اپنے مُردوں کو دفن نہ کریں بلکہ ایرانی طریقے پر اُن کو دخموں پر رکھیں، اس آخری مسئلے کو جو اہمیّت دی گئی ہے (جیسا کہ ہم سیاوُش کے خلاف عدالتی کارروائی میں بھی دیکھ چکے ہیں) وہ سرسری اور اتفاقی نہیں ہے، آئبیریا کے بادشاہ گرُگین نے جو شاہِ ایران کے زیرِ اقتدار تھا قیصر سے مدد مانگی، قیصر نے اس کی درخواست کو منظور کیا چنانچہ ایران اور روم کے درمیان ۵۲۷ء میں علانیہ طور پر از سرِ نو جنگ شروع ہوگئی[1]

مزدکیت کی تاریخ پر جو مواد ہمارے پیشِ نظر ہے اس کو بغور مطالعہ کرنے سے ہم کو کواذ کے طویل عہدِ سلطنت میں اس تحریک کی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے، مزدکیت شروع شروع میں ایک مذہبی تحریک تھی جس کا بانی ایک ایسا شخص تھا جو اصلاحاتِ کاملہ کو رواج دینے کا خواہشمند تھا، وہ انسان دوستی کے خیالات میں ڈوبا ہوُا تھا، اس کی نیّت میں خلوص تھا اور اس کی کوششیں بے غرض تھیں، اس کی تعلیم کے معاشرتی پہلو کی اہمیّت دوسرے درجے کی تھی اور کواذ نے اپنے عہد کے پہلے دور میں جو قوانین مزدکیّت کے دنیاوی نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے نافذ کیے وہ اس میں شک نہیں کہ انقلاب انگیز تھے لیکن نہ اس قدر جتنا کہ بیرونی مؤرّخوں نے ان کو سمجھا ہے، کواذ کی معزولی کے وقت اور زاماسپ کے عہد میں مزدکیّت کی تحریک کچھ دبی سی رہی تاہم اشتمالیّت کے عقاید عوام النّاس کے نچلے طبقوں میں جو صدیوں سے امراء اور ممتاز لوگوں کے ہاتھوں سختیاں سہ رہے تھے پھیلنے شروع ہوئے، شروع شروع میں ان کی ترقّی کی رفتار سست

---

[1] پروکوپیوس،

رہی لیکن آخر میں وہ نہایت سرعت کے ساتھ پھیلے ، رفتہ رفتہ بعض ایسے لیڈر پیدا ہونے شروع ہوئے جن میں نہ مذہبی پارسائی تھی اور نہ وہ مزدک کی طرح بے غرض تھے ، لہذا بے اطمینانی زیادہ ہوتی گئی اور مزدکی فرقے کے لوگ اپنی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر دلیر ہو گئے اور دست درازیاں کرنے لگے ، نامۂ تنسر میں ذیل کی عبارت کو پڑھ کر اگر ہم یہ نتیجہ نکالیں کہ وہ اس زمانے کی صورتِ حالات کی طرف اشارہ ہے تو ہمارا قیاس غلط نہ ہوگا :-

"ناموس و ادب کا پردہ اٹھ گیا ، ایسے لوگ پیدا ہو گئے جن میں نہ شرافت تھی نہ عمل ، نہ ان میں موروثی جاگیر تھی اور نہ انھیں خاندان اور قوم کا غم تھا ، نہ ان میں صنعت تھی نہ حرفت ، نہ انھیں کسی قسم کی فکر دامنگیر تھی اور نہ ان کا کوئی پیشہ تھا ، چغلی اور شرارت میں مستعد اور دروغ بافی اور تہمت میں مشاق تھے ، یہی ان کا ذریعۂ معاش تھا اور اسی کو وہ تحصیلِ مال و جاہ کا وسیلہ بناتے تھے[1]"

نتیجہ یہ ہوا کہ ہر جگہ کسانوں کی بغاوتیں برپا ہو گئیں ، لوٹ مار کرنے والے امراء کے محلوں میں گھس جاتے تھے مال و اسباب لوٹ لیتے تھے عورتوں کو پکڑ لے جاتے تھے اور جاگیروں پر قبضہ کر لیتے تھے ، زمینیں رفتہ رفتہ غیر آباد ہو گئیں اس لیے کہ یہ نئے جاگیردار زراعت سے بالکل ناواقف تھے ، اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ابتری کس حد تک پھیل چکی تھی ،

---

[1] نامۂ تنسر طبع ڈارمیسٹیٹر ، ص ۲۱۵ ، طبع مینوی ، ص ۱۳ ،

اس کا اندازہ ہمیں عرب مصنّفین کے اُس بیان سے بھی ہوتا ہے جو انھوں نے خسرو اوّل (انوشروان) کی اُن تدابیر کے بارے میں دیا ہے جو اُسے بعد میں ان خرابیوں کی اصلاح کے لیے اختیار کرنی پڑیں، اگلے باب میں ہم اس مسئلے کی طرف پھر رجوع کرینگے،

اگرچہ مزدکیت نے سوسائٹی کے نچلے طبقوں میں پھیل کر رفتہ رفتہ ایک انقلاب انگیز معاشرتی نظریے کی صورت اختیار کرلی تاہم اس کے عقاید کی مذہبی بنیاد اُسی طرح قائم رہی، علاوہ اس کے سوسائٹی کے اعلیٰ طبقوں میں بھی اس کے پیرو موجود تھے[1]، بالآخر مزدکی فتنہ اتنا طاقتور ہوگیا کہ اس نے کلیسائی حکومت کا ایک نظام قائم کرکے اپنا ایک رئیس اعلیٰ منتخب کیا جس کو وہ بقول ملالاس "اندرزَزَر"[2] کہتے تھے، نولڈکہ نے اس لفظ کو "اندرزگر" پڑھا ہے[3] جس کے معنی پہلوی زبان میں مشیر یا معلّم کے ہیں، یہ ظاہر ہے کہ یہ لقب ہے نہ کہ شخصی نام، مطلب یہ ہے کہ وہ فرقۂ مزدکی کے رئیس اعلیٰ کا لقب تھا[4]، ملالاس اور تھیوفانیس لکھتے ہیں کہ مزدکیوں کے قتل عام میں اندرزگر مارا گیا اور دوسری طرف تمام عربی اور فارسی مصنّف جن کا مأخذ خوذای نامگ ہے یہ کہتے ہیں کہ قتل عام کے دن مزدک اپنے پیرووں کے ایک بڑے انبوہ کے ساتھ مقتول ہوا، لہذا یہ اغلب ہے کہ اندرزگر یا رئیس اعلیٰ جس کو مزدکیوں نے منتخب کیا تھا وہ خود مزدک ہی تھا،

---

[1] بقول تھیوفانیس: "ایرانی وزراء جو ان کے مذہب کے پیرو تھے"؛ [2] تھیوفانیس نے اس کی زیادہ غلط شکل "اِندزروس" دی ہے، [3] ترجمہ طبری ص ۴۶۲، ح ۳، [4] مانویوں کے ہاں قیتیس کے لقب کے متعلّق دیکھو اوپر، ص ۲۵۲،

مزدکیوں کے ہنگامے کی وجہ سے سلطنتِ ایران میں جو کمزوری پیدا ہوئی وہ اگرچہ کواذ کو رومیوں کے ساتھ مردانہ وار جنگ کرنے سے مانع نہ ہوئی تاہم اس کی وجہ سے بنو کندہ کے سردار حارث بن عمرو کو یہ ہمت ہوئی کہ اُس نے منذر ثالث شاہِ حیرہ کو تخت سے اتارا اور خود بادشاہ بن بیٹھا[1]،

بالآخر ۵۲۸ء کے آخر یا ۵۲۹ء کے شروع میں تباہی آئی[2]، اس کا باعث مزدکیوں کی وہ دلیرانہ سازش تھی جس میں اُنھوں نے کواذ کی مرضی کے خلاف خسرو کو جانشینی سے محروم کرنے اور اپنے حامی کاؤس پذشخوارشاہ کو تختِ ایران کا وارث بنانے کی کوشش کی، یہ آخری قطرہ تھا جس نے پیالے کو لبریز کر دیا،

یہ ضروری نہیں کہ اس بارے میں جو اطلاعات تھیوفانیس نے دی ہیں ان کو حرف بحرف صحیح سمجھا جائے تاہم اُس نے اور ملالاس نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا لبِ لباب تاریخی صداقت کی حیثیت رکھتا ہے، ان دونوں مؤرخوں کا راوی "بسنگر[3] ایرانی" ہے جو بعد میں عیسائی ہو کر طموتھیوس[4] کے نام سے موسوم ہُوا،

کارروائی کے لیے وہی پرانا مجرّب طریقہ اختیار کیا گیا یعنی یہ کہ ایک مذہبی کانفرنس منعقد کی گئی[5]، فرقۂ مزدکیہ کا اندرزگر اور باقی پیشوا بھی اس میں

---

[1] روٹ شٹائن، ص ۸۷ بعد، [2] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۴۶۵، [3] بسنگر ایک عہدہ ہے جس کے متعلق ہمیں اور کچھ معلوم نہیں ہے، [4] (Timotheus)

[5] تھیوفانیس لکھتا ہے کہ کواذ نے ایک پبلک جلسہ منعقد کیا اور یہ ظاہر کیا کہ مزدکیوں کی خواہش کے مطابق وہ اس بات پر مائل ہے کہ جلسے میں کاؤس پذشخوارشاہ کی ولیعہدی کا اعلان کرے، یہ روایت صحیح نہیں مانی جا سکتی اس لیے کہ پھر اس صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ کواذ اس وقت تک عام لوگوں میں مزدکیوں کا طرفدار مشہور تھا، تمام وہ کتابیں جن کا مأخذ

باقی نوٹ بر صفحہ ۴۸۰

شریک ہوئے اور مزدکیوں کے ایک بڑے انبوہ کو اس میں حاضر ہو کر باضابطہ مباحثے کو سننے کی دعوت دی گئی اور رغبت دلائی گئی، کواذ نے سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا[۱] لیکن خسرو جو ولیعہد مقرر ہو چکا تھا اور اس وقت اپنے حقوق کو کاؤس اور مزدکیوں کے اتحاد سے معرضِ خطر میں دیکھ رہا تھا اپنی پوری طاقت اس کوشش میں صرف کر رہا تھا کہ معاملہ اس طرح انجام پائے کہ فرقۂ مزدکیہ کو ایک کاری ضرب لگے[۲]، موبدوں میں سے بڑے بڑے قابل مباحثہ کرنے والے بلائے گئے جن میں پسر ماہداذ، نیو شاپور، داذ ہرمزد، آذر فرّ بگ، آذر بذ، آذر مہر اور بخت آفرید تھے[۳]، موبدان موبد بھی

(بقیہ نوٹ) خوذای نامگ ہے اور وہ بھی جو افسانۂ مزدک یعنی مزدک نامگ کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں مذہبی مباحثے کا ذکر کرتی ہیں اور اس کی تصدیق وہمن یشت (پہلوی) سے بھی ہوتی ہے (دیکھو متون پہلوی، ج ۱، ص ۱۹۳) جس میں اس موقع پر اوستا کی ایک پہلوی تفسیر کی عبارت (جو ساسانیوں کے عہد کی تصنیف ہے) دہرائی گئی ہے، جب کسی بدعت کا استیصال منظور ہوتا تھا تو اس قسم کے مباحثے معمولاً کرائے جاتے تھے اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان کا نتیجہ پہلے سے معلوم ہوتا تھا، اگرچہ مانی اور موبدان موبد کے درمیان پبلک مباحثے کی روایت (دیکھو اوپر، ص ۲۵۸)، مشکوک ہے لیکن سریانی زبان میں وقائع شہداء کی روایات میں عیسائیوں اور زرتشتیوں کے درمیان مذہبی مباحثوں کا ذکر اکثر آیا ہے، عہدِ اسلامی میں خلیفہ مامون نے مذہبی مناظروں کی اس پرانی رسم کو دوبارہ زندہ کیا (دیکھو منتخبات فارسی از شیفر، ج ۱، ص ۱۴۵، نیز پہلوی کتاب گجستگ ابالش طبع بارتھیلمی)،

[۱] دیکھو ملالاس اور تھیوفانیس، تھیوفیوس کی شہادت اس بارے میں فیصلہ کن ہے برخلاف خوذای نامگ کے جس کی رُو سے مزدکیوں کا قتل عام خسرو کے عہد میں ہوا، دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ اس مسئلے میں نیم سرکاری تواریخ کی نسبت افسانہ تاریخی حقیقت سے زیادہ قریب ہے،
[۲] اس معاملے میں خسرو کی سرگرمی کا ذکر ملالاس اور تھیوفانیس نے نہیں کیا بلکہ وہمن یشت میں مذکور ہے (۱-۶-۸)، [۳] وہمن یشت، عہد شاہ کواذ، ص ۵۲،

موجود تھا اور چونکہ ایران کے عیسائی بھی مزدکیوں کے خلاف زرتشتیوں کا ساتھ
دے رہے تھے اس لیے ان کا بشپ بازانیس[1] بھی جلسے میں حاضر تھا، کواذ
کے دل میں بازانیس کی خاص عزت تھی کیونکہ وہ علم طب سے بھی واقفیت
رکھتا تھا، طبعاً مزدکیت کے حامیوں کو شکست ہوئی اور اُسی وقت تمام
وہ سپاہی جو مزدکیوں کو گھیرے کھڑے تھے خنجر بکف اُن پر ٹوٹ پڑے،
اندرزگر (جو غالباً خود مزدک تھا) مارا گیا[2] اس گھات میں کل کتنے مزدکی
مارے گئے ہیں اس کا اندازہ ہونا مشکل ہے، عربی اور فارسی مؤرخوں نے
جو اعداد بتلائے ہیں وہ محض فرضی ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیشوا
سب کے سب اس موقع پر مارے گئے اور پھر جب مزدکیوں کو قانون کی حمایت
سے محروم کیا گیا[3] اور ان کا قتل عام دوبارہ شروع ہو تو وہ تتر بتر ہو گئے
اور چونکہ ان کا کوئی سردار باقی نہ رہا تھا اس لیے وہ دشمنوں کے مقابلے
کی تاب نہ لا سکے، ان کو نیست و نابود کر کے ان کی جائداد یں ضبط کر لی گئیں
اور ان کی مذہبی کتابیں جلا دی گئیں[4]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مزدکیوں کے قتل عام اور تخت حیرہ پر منذر ثالث
کی بحالی کے درمیان ضرور تعلق تھا لیکن ہم اس کو صحیح طور پر معلوم نہیں کر سکتے،

---

[1] اس نام کی ایرانی شکل صحیح طور پر معلوم نہیں ہے، [2] ملالاس، تھیوفانیس، نیز سیاست نامۂ
نظام الملک بروایت خوذای نامگ و مزدک نامگ (باب ۴۴)،

[3] ملالاس، تھیوفانیس، ابو الفداء،

[4] ایضاً، تھیوفانیس کا یہ بیان کہ بادشاہ نے مزدکیوں کے عبادت خانے عیسائیوں کے حوالے
کر دیے تاکہ وہ ان کو گرجوں میں منتقل کر لیں ملالاس اور تھیوفانیس نے دہرایا ہے لیکن یہ یاد
رہے کہ تھیوفانیس ایک ایرانی تھا جو عیسائی ہو چکا تھا لہٰذا اس کی بات کو ماننے میں ذرا تامل سے کام لینا چاہیے،

۵۲۹ء میں منذر کو غاصب سلطنت حارث کے مغلوب کرنے اور اپنا ملک واپس لینے میں کامیابی ہوئی[1]، منذر ایک بہادر بادشاہ تھا اور فن جنگ کا ماہر تھا، روم کے ساتھ جنگ میں اس نے ایرانیوں کی گرانبہا خدمات انجام دیں، یہی ہے جس کو مؤرخ پروکوپیوس نے "الاموندروس ہوسیخیخس" (یعنی منذر بن الشقیقہ) لکھا ہے[2]،

یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ مزدکیوں کے خاتمے کے بعد کواذ نے اصلاح کی تدابیر کو اختیار کرنا شروع کیا جن کو بعد میں اس کے جانشین نے نہایت عمدگی کے ساتھ انجام کو پہنچایا، غالباً اسی سلسلے میں اس نے خراج میں بھی اصلاحات کی تجویز کی جن کے نافذ کرنے کا سہرا خسرو کے سر ہے[3]،

۵۳۱ء میں کواذ بیمار پڑا اور ماہبذ کی رائے سے اس نے خسرو کی جانشینی کے بارے میں اپنی آخری وصیت لکھوائی، ماہبذ نے اس کو تحریر کیا اور شاہی مُہر لگ کر وہ اُسی کے ہاتھوں میں دے دی گئی[4]، اس کے تھوڑا عرصہ بعد کواذ نے انتقال کیا، ساسانیوں کے خاندان میں وہ یقیناً ایک غیر معمولی بادشاہ تھا، مزدکی شاہزادہ کاؤس جس کے قدم اپنے صوبے پذشخوارگر میں مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے تھے تخت ایران کا دعویدار ہوا لیکن ماہبذ نے امراء کی کونسل میں جہاں حسب دستور جانشینی کا فیصلہ ہونا تھا کواذ کا وصیت نامہ پیش کر دیا چنانچہ کاؤس کا دعویٰ رد کر دیا گیا، کونسل میں جتنے لوگ موجود تھے سب نے ماہبذ کی رائے سے اتفاق کیا کہ شاہ متوفّی کی وصیت قانون

[1] روٹ شٹائن، ص ۸۹، [2] ایضاً، ص ۷۶، [3] یعقوبی، طبری، مسعودی، دینوری، نہایہ، ثعالبی، فردوسی، بلعمی، [4] پروکوپیوس، طبری،

کا حکم رکھتی ہے[1] کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ انقلابی شورشوں کے دبانے میں خسرو
کی پالسی ثابت قدمی اور مضبوط ارادے پر مبنی ہوگی، موبدان موبد کا فرضِ منصبی
اس موقع پر صرف اسی بات پر محدود رہا کہ اس نے شاہ متوفّی کا وصیّت نامہ
کھول کر خسرو کے سامنے پڑھ دیا[2]، معلوم ہوتا ہے کہ کاؤس نے بھائی کے
خلاف بغاوت کر کے تلوار کے ذریعے سے قسمت کا فیصلہ کرنا چاہا لیکن اُسے
کامیابی نہ ہوئی اور کچھ عرصہ بعد مارا گیا[3]، غرض اس طرح اُس آخری خطرے کا
بھی خاتمہ ہوگیا جو مزدکیوں کی طرف سے سلطنت کے لیے خوف کا باعث
ہو سکتا تھا، اس وقت سے مزدکیّت کا وجود ایک خفیہ مذہب کی حیثیت سے
باقی رہا اور اس حالت میں وہ ساسانیوں کے بعد تک بھی زندہ رہا اور عہدِ اسلام
میں دوبارہ ظہور پذیر ہوا،

---

[1] پروکوپیوس، نہایہ،
[2] نہایہ، ص ۲۲۷، اس بیان کا مقابلہ ابن مسکویہ کی تجارب الامم کی ایک عبارت کے ساتھ کرنا چاہیے جس کو مجتبیٰ مینوی نے نامۂ تنسر کی اڈیشن کے دیباچے میں نقل کیا ہے اور جو عہد ساسانی کے اُس دَور کے ساتھ مربوط معلوم ہوتی ہے جو کواذ کے زمانے سے شروع ہوتا ہے اگرچہ جو دستور اس عبارت میں بیان ہوا ہے وہ اردشیر اوّل کی طرف منسوب کیا گیا ہے، ابن مسکویہ لکھتا ہے کہ بادشاہ اپنے جانشین کا نام چار خطوں میں لکھ کر سلطنت کے چار برگزیدہ آدمیوں کو دے دیتا تھا، اس کی وفات کے بعد ان چاروں خطوں کو جن پر مُہر لگی ہوتی تھی اور ایک پانچواں خط جو خود شاہ متوفّی نے اپنے پاس رکھا ہوتا تھا کھولا جاتا تھا اور جس شخص کا نام ان پانچوں خطوں میں لکھا ہوتا تھا اس کو بادشاہ بنایا جاتا تھا (دیباچۂ مینوی، ص یج)، اس طرزِ عمل میں جو یہاں بیان ہوا اور اُس میں جو نامۂ تنسر کی رُو سے اس سے پیشتر رائج تھا (دیکھو اوپر، ص ۳۴۴/۳۴۵) جو فرق ہے وہ قابلِ ملاحظہ ہے،
[3] ابن اسفندیار، ظہیر الدین، ان دونو مصنّفوں نے لکھا ہے کہ کاؤس کے مرنے کے بعد صوبے کی حکومت زرمہر سوخرا کے ایک بیٹے کو دی گئی لیکن یہ غالباً محض ایک افسانہ ہے جو خاندان قارین کے نام کو چمکانے کے لیے گھڑا گیا ہے، دیکھو مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۱۳۴،

خسرو انوشروان

شاہی اقتدار کا استحکام۔ معاشرتی نظام کا ازسرنو قائم ہونا۔ اصلاح مالیات۔ فوجی اصلاحات۔ روم کے ساتھ جنگ۔ ہیتالی اور ترک۔ یمن کی فتح۔ خسرو کی شخصیت۔ انوشگ زاذ کی بغاوت۔ پایہ تخت اور محلات شاہی۔ نظام حکومت کی تفاصیل۔ شہنشاہ کی ہیئت۔ آدابِ دربار۔ امتیازات۔ خطابات۔ سیاست۔ ادبی اور فلسفی تمدن کا شاندار عہد۔ تعلیم و تربیت۔ علوم۔ طب۔ برزویہ طبیب و ادیب۔ مذہب اور فلسفہ۔ ہندوستان کا ادبی اثر۔ "کلیلگ و دمنگ"۔ ادبیاتِ اخلاقی۔ زرتشتیت کا انحطاط۔

خسرو کے عہد میں ایران کی مادی اور روحانی حالت

خسرو اوّل تاریخ میں انوشروان (انوشگ رُوان بمعنی صاحب روحِ جاوید[1]) کے نام سے مذکور ہے، اس کی آمد سے ساسانیوں کی تاریخ میں درخشاں ترین

[1] فردوسی اس کو نوشیروان لکھتا ہے،

عہد کا آغاز ہوتا ہے ، مزدکیوں کی خطرناک بدعت کا خاتمہ ہؤا اور ملک کے اندر امن و امان کا دور دورہ ہؤا ، لیکن یہ امن اُن لوگوں کا سا افسردگی آمیز امن تھا جو ملک میں طولانی شورشوں اور بدامنیوں سے نڈھال اور نادار ہو چکے ہوں ، سوسائٹی کے ہر طبقے پر ان بدامنیوں کا اثر پڑا تھا ،

طبری کی تاریخ میں[1] ایک خط کے شروع کا حصّہ محفوظ ہے جو نئے بادشاہ نے تخویرگ زادیہ (؟) کو لکھا تھا جو شمالی سرحد کا پاذگوسپان تھا[2]:
"سلام کے بعد واضح ہو کہ کوئی چیز لوگوں کے لیے اس قدر بجا طور پر خوف کا موجب نہیں ہو سکتی جتنا کہ ایک ایسے شخص کا دنیا سے اُٹھ جانا جس کی عدم موجودگی اُن کے لیے فقدانِ راحت کا باعث ہو اور اُس کی وجہ سے فتنے برپا ہوں اور نیک لوگوں کو اس بات کا ڈر پیدا ہو کہ مبادا اُن پر ، اُن کے خُدّام پر ، اُن کے مال پر اور ہر اُس چیز پر جو اُنھیں عزیز ہو آفتیں نازل ہوں ، ہم کسی چیز کو لوگوں کے لیے اس قدر وحشت و خوف اور نقصان کا باعث نہیں سمجھتے جتنا کہ ایک اچھے بادشاہ کا مرنا"
ان الفاظ کی تہ میں یقیناً سیاستِ کواذ کی تنقید پوشیدہ ہے جو عمداً کی گئی ہے ، اُس سیاست کا نتیجہ اگرچہ ضرور یہ ہؤا کہ بادشاہ کے اختیارات کو امراء کے ہاتھوں سے آزادی مل گئی لیکن وہ آزادی سلطنت کی تباہی کی قیمت پر خریدی گئی ، لیکن ساتھ ہی اس خط کی عبارت میں اطمینان کا ایسا لہجہ پایا جاتا ہے جو اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ نئے بادشاہ کا مصمّم ارادہ ہے کہ اس کے

---

[1] ص ۸۹۲-۸۹۳ ، [2] خط کی یہ عبارت بظاہر مستند ہے ،

پیشروؤں نے جو حالات پیدا کر دیے تھے اُن سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے دوبارہ حاصل کردہ شاہی اختیارات کو ہر شخص سے خواہ وہ کوئی ہو بچائے اور ملک نے جو جو نقصان اُٹھائے ان کی تلافی کے لیے اپنے تمام مادی اور اخلاقی ذرائع کو کام میں لائے،

بادشاہ اب نئے سرے سے سلطنت کے تمام اختیارات کا جامع ہو گیا، امراء اور عوام النّاس پر اس کی خود مختار حکومت قائم ہو گئی یہاں تک کہ علمائے مذہب بھی اس کے تابع فرمان ہو گئے، نامۂ تنسر میں جو اگرچہ تنسر کی طرف منسوب ہے لیکن حقیقت میں وہ خسرو اوّل کے عہد کا سیاسی نقشہ پیش کرتا ہے لکھا ہے کہ بادشاہ اپنی رعایا اور اپنے لشکر میں بمنزلہ "قانون" اور "نظام" کے ہے، جشن کے دن کی وہ زینت ہے، خوف کے دن وہ رعیّت کا ملجأ و ماویٰ اور دشمن کے خلاف اس کی پشت و پناہ ہے[1]، خسرو نے یہ ٹھان لی تھی کہ وہ بالکل اپنی مرضی کے مطابق حکومت کریگا اور امراء کی طرف سے کسی قسم کی مداخلت کو روا نہیں رکھیگا، وزرگ فرماذار کے اختیارات کو کم کرنے کے لیے اُس نے بعض فرائض جو اب تک اس کے ذمّے تھے کئی دوسرے عہدہ داروں میں تقسیم کر دیے[2]،

خسرو نے اصلاح کا کام شروع کیا اور سب سے پہلے اُن ابتریوں کا تدارک کیا جو مزدکی فتنہ پردازوں نے پھیلائی تھیں[3]، اس نے حکم دیا کہ

---

[1] ص ۲۲۳ - ۲۲۴ از طبع ڈارمیسٹیٹر، ص ۲۰ از طبع مینوی،
[2] دیکھو ضمیمہ نمبر ۲ کے آخر میں، [3] ابن بطریق و طبری، نیز دیکھو عہد شاہ کواذ ج ۱، ص ۳۲ - ۳۳، ۳۶ - ۳۷،

ہر قسم کی جائداد منقولہ و غیر منقولہ جس کو مزدکیوں نے غصب کر لیا ہو اصل مالکوں کو واپس کی جائے اور جس جائداد کا کوئی جائز وارث باقی نہ رہا ہو اس کو خرابیوں کی اصلاح میں صرف کیا جائے، عورتوں کے بارے میں جن کو مزدکی پکڑ لے گئے تھے یہ حکم ہوا کہ اگر ایک عورت گرفتار ہونے سے پہلے شادی شدہ نہیں تھی یا اگر ایک عورت کا شوہر اس اثنا میں مرگیا تو پھر گرفتار کرنے والے پر لازم تھا کہ اس سے باقاعدہ شادی کرے بشرطیکہ وہ اس کا کفو ہو ورنہ اس سے دست بردار ہو جائے[1]، ایک اور روایت میں یہ ہے[2] کہ عورت کو اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے اس کے ساتھ رہے چاہے اس کو چھوڑ دے، ہر صورت میں مرد مجبور تھا کہ عورت کے خاندان والوں کو مہر ادا کرے[3] یا بقول ابن بطریق مہر کی دگنی رقم ادا کرے، اگر عورت کا اصلی شوہر بقید حیات ہو تو لازم تھا کہ وہ اس کے پاس واپس جائے اور گرفتار کرنے والے پر واجب تھا کہ جتنا مہر اصلی شوہر نے عورت کو ادا کیا تھا اتنا ہی وہ بھی ادا کرے[4]..... اگر ایک شخص نے کسی کو ضرر رسانی کی ہو یا اس کی کوئی چیز چھین لی ہو تو اس پر لازم تھا کہ اس کے نقصان کی پوری تلافی کرے، ساتھ ہی اس کو اس کے جرم کے مطابق سزا بھی دی جاتی تھی، امراء و رؤسا کے اُن خاندانوں کو شمار کیا گیا جن کے باپ فتنۂ مزدکی کے دوران میں مارے گئے تھے اور بدیں وجہ وہ فلاکت اور تنگدستی میں مبتلا ہو گئے تھے، ایسے خاندانوں میں یتیموں اور بیواؤں کی تعداد کے مطابق ان کو مدد معاش دی گئی، ان یتیموں کو بادشاہ

---

[1] ابن بطریق، [2] طبری، [3] ایضاً، [4] ابن بطریق،

نے "اپنے بچّے" بنالیا، اُن میں سے جو لڑکیاں تھیں انھیں ان کے رتبے کے مطابق شریف گھرانوں میں بیاہا اور شاہی خزانے سے ان کو جہیز دیے، اور جو لڑکے تھے ان کی شادیاں نجیب خاندانوں کی لڑکیوں کے ساتھ کرکے خزانے سے مہر دلوائے، ان کو مالا مال کیا اور دربار میں ان کی تعلیم و تربیت کی تاکہ وہ سلطنت کے بڑے بڑے عہدے پُر کرنے کے قابل ہو جائیں، اس طرح سے خسرو نے امرائے دربار کی ایک نئی جماعت پیدا کی جو اس کے مطیع فرمان اور جاں نثار تھے، علاوہ اس کے اس نے یہ بھی حکم دیا کہ جو مکانات اور زمینیں مالکوں سے چھن جانے اور نہروں وغیرہ کے منہدم ہو جانے کے باعث قبضۂ مخالفانہ کے زمانے میں برباد ہو گئی ہوں ان کو دوبارہ آباد کیا جائے زمینداروں کو مویشی اور آلاتِ کشاورزی سے امداد دی گئی تاکہ وہ ازسرِ نو کاشتکاری کے کام میں مشغول ہوں، جو گاؤں تباہ ہو چکے تھے ان کو دوبارہ تعمیر کرایا گیا، لکڑی کے پُل جو بالکل گر چکے تھے اُن کو ازسرِ نو بنوایا گیا اور پتھر کے پُل جن کو نقصان پہنچا تھا ان کی مرمّت کرائی گئی، جو مقامات غیر محفوظ تھے وہاں مستحکم قلعے بنوائے گئے؛[1]

خراج اور شخصی ٹیکس کے وصول کرنے کا جو طریقہ اس وقت تک رائج تھا وہ نہ صرف یہ کہ حکومت کے لیے چنداں فائدہ مند نہ تھا بلکہ ادا کنندگان کے لیے بھی موجبِ زحمت تھا، مثلاً ہمیں یہ بتلایا گیا ہے کہ زمینداروں کو یہ اجازت نہ تھی کہ خراج ادا کرنے سے پہلے پکے ہوئے پھل کو ہاتھ لگاسکیں،[2]

---

[1] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۲۴۱، ح ۲،

کواذ کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے جی میں ارادہ کیا کہ خراج وصول کرنے کے اس طریقے کو بالکل بدل دینا چاہیے لیکن بالآخر یہ اصلاح خسرو اوّل کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئی، تمام اراضی مزروعہ کی پیمائش کر کے لگان کی نئی شرحیں مقرّر کی گئیں اور یہ کام "ایسے لوگوں کے ہاتھوں انجام پایا جو منصف اور ایماندار تھے" جن کو خود بادشاہ نے اس کام کے لیے منتخب کیا تھا۔ لگان کی نئی شرحیں حسب ذیل تھیں: گیہوں اور جَو پر فی جریب[1] سالانہ ایک درہم، انگور پر فی جریب سالانہ آٹھ درہم، چارے پر[2] فی جریب سالانہ سات درہم، چاول پر فی جریب سالانہ ۵/۶ درہم، چار ایرانی کھجور کے درختوں پر یا چھ آرامی کھجور کے درختوں پر یا چھ زیتون کے درختوں پر سالانہ ایک درہم، اس کے علاوہ باقی ہر قسم کی پیداوار پر لگان معاف تھا اور کھجور کے جو درخت بکھرے ہوئے ہوں اور کسی باقاعدہ نخلستان میں اُگے ہوئے نہ ہوں وہ بھی خراج سے معاف تھے[3]، لگان کی یہ شرحیں کچھ ایسی گراں نہ تھیں لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ ان نئے قوانین سے مالیات کا کیا فیصدی وصول ہوتا تھا اور یہ کہ آیا وہ وصولی حسبِ قانون ہوتی تھی یا اُس کے لیے غیر معمولی تدابیر اختیار کرنی پڑتی تھیں، تاہم فی الجملہ یہ نیا لگان لوگوں کے لیے آسودگی کا باعث ہوا اور ساتھ ہی شاہی خزانے کی آمدنی بھی مستقل اور چند در چند ہوگئی، یہی وجہ ہے کہ عہد خلافت میں بھی لگان کی یہی شرحیں اختیار کی گئیں،

---

[1] ایک جریب = ۲۴۰۰ مربع میٹر = ۲۵۸۰ مربع گز (تقریباً)، [2] طبری میں لفظ رِطاب ہے جو گھوڑوں کے لیے ایک قسم کا چارہ ہے (مترجم)، [3] طبری، ص ۹۶۰ - ۹۶۲،

خسرو اوّل نے اُن محاسبین کی تجویز کے مطابق جن کا اوپر ذکر ہوا شخصی ٹیکس (یعنی جزیہ) کی بھی اصلاح کی، یہ ٹیکس اُن سب آدمیوں پر جن کی عمر بیس اور پچاس سال کے درمیان ہوتی تھی لگایا جاتا تھا، "امراء، عظماء، سپاہی، موبد، دبیر اور دوسرے سرکاری ملازم اس سے مستثنیٰ تھے"، تموّل کے اعتبار سے اداکنندگان کو مختلف طبقوں میں تقسیم کیا گیا تھا، بعض بارہ درہم کی شرح سے جزیہ ادا کرتے تھے بعض آٹھ درہم بعض چھ درہم اور بہت زیادہ تعداد اُن لوگوں کی تھی جو چار درہم دیتے تھے، ٹیکس[1] سہ ماہی قسطوں میں ادا کیے جاتے تھے،

خسرو نے نئے لگان کا نرخنامہ لکھوا کر سندات کے دفتر میں رکھوا دیا اور اس کی ایک ایک نقل محکمۂ مال کے سب افسروں کو اور اضلاع کے ججوں کو بھجوائی، ان ججوں کا فرض اس بات کی نگرانی کرنا تھا کہ خراج کی وصولی انصاف کے ساتھ ہو اور یہ کہ اگر کسی شخص کی کھیتی یا درختوں کو لگان کی رقم کے متناسب نقصان پہنچا ہو تو اس کو لگان معاف کر دیا جائے، اضلاع کے ججوں کو معافیوں کی رپورٹ مرکزی حکومت کو بھیجنی پڑتی تھی اور وہاں سے تحصیلداروں کے نام مناسب احکام صادر کیے جاتے تھے، اس انتظام سے خسرو کا منشا یہ تھا کہ لگان کی وصولی میں اُس وقت تک جو بیجا زیادتیاں عام طور پر ہو رہی تھیں ان کا سدّ باب کیا جائے[2]،

اصلاح مالیات کی غرض و غایت کو خسرو نے خود بیان کیا ہے اور کہا

---

[1] یعنی خراج اور جزیہ، [2] طبری، ص ۹۶۲ - ۹۶۳،

ہے کہ شاہی خزانے میں روپے کا جمع رہنا ضروری ہے تاکہ جنگ کے لیے سب ذرائع مہیا رہیں اور عین وقت پر غیر معمولی ٹیکسوں کے لگانے کی ضرورت نہ ہو[1]۔ خسرو کے نزدیک خارجی اور داخلی دشمنوں کی مدافعت سب سے اہم مسئلہ تھا لہذا اس نے اصلاح مالیات کے بعد فوجی اصلاح کی طرف قدم اُٹھایا اِس وقت تک قاعدہ یہ تھا کہ کمتر درجے کے نجبا جو بمنزلۂ مغزِ سپاہ تھے بلا تنخواہ فوجی خدمت پر مجبور کیے جاتے تھے بلکہ لڑائی کا سارا ساز و سامان بھی انھیں اپنی گرہ سے فراہم کرنا پڑتا تھا، لیکن خسرو نے "عرضِ سپاہ کا قاعدہ جاری کیا یعنی اس طرح کہ سواروں کا جائزہ لیا جاتا تھا اور ان میں سے جو نادار ہوتے تھے اُن کو گھوڑے اور ہتھیار مہیا کیے جاتے تھے اور اُن کی تنخواہ مقرر کی جاتی تھی[2]"۔ پیادہ فوج جو کسانوں پر مشتمل ہوتی تھی جنگ میں ہمیشہ ایک حقیر آلۂ کار تھی، بازنطینی سپہ سالار بیلی ساریوس اور ہرموجینوس[3] نے اس کی توصیف بدیں الفاظ کی ہے: "وہ مفلوک الحال کسانوں کا ایک غول ہوتا ہے جو فوج کے پیچھے صرف اس لیے آتے ہیں کہ دیواروں کو گرائیں لاشوں کے کپڑے اتاریں اور سپاہیوں (یعنی سواروں) کی خدمت کریں[4]"۔

خسرو کے زمانے میں سواروں کے مکمّل اسلحہ یہ تھے: گھوڑے کی زرہ بکتر، جوشن، سینے کی زرہ، ران پوش، تلوار، نیزہ، ڈھال، گرز جو کمربند کے ساتھ بندھی رہتی تھی، طبرزین، ترکش جس میں دو کمانیں چند چلّے اور تیس تیر

---

[1] طبری، ص ۹۶۰ - ۹۶۱، [2] طبری، ص ۸۹۷ - ۸۹۸،

[3] (Belisarius, Hermogenus) [4] پروکوپیوس، ۱، ۱۴،

ہوتے تھے، اس کے علاوہ وہ بٹے ہوئے چلّے پیچھے کی طرف خود کے ساتھ بندھے رہتے تھے[1]، لوہے کی بھاری زرہ کی وجہ سے سواروں کو تنوریگ[2] کہتے تھے، سب سے بڑے ہتھیار کمان اور نیزہ تھے جو ایرانیوں کے رزمیہ ہتھیار ہیں اور جن کے استعمال میں اہلِ ایران نہایت قدیم زمانے سے ماہر چلے آئے ہیں، پروکوپیوس اس بات کی شہادت دیتا ہے[3] کہ تقریباً سب ایرانی تیراندازی کا فن جانتے ہیں اور اس فن میں وہ سب لوگوں سے زیادہ ماہر ہیں لیکن اُن کے تیر میں زور نہیں ہوتا کیونکہ ان کی کمانوں کی زہوں میں کافی کھچاوٹ نہیں ہوتی،

علاوہ اس کے خسرو کے زمانے میں لفظ "اسوار" کے نئے معنے پیدا ہوئے جاحظ اور مسعودی کے ہاں[4] ایک اطلاع جو ساسانی مآخذ سے حاصل کی گئی ہے محفوظ ہے، اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ خسرو کے دربار میں اسوار اور شہزادے[5] سب سے اوپر کی جماعت تھے، جاحظ کی کتاب التاج میں ایک اور مقام ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ بادشاہ اپنے ہمسفر امراء اور اسواروں میں سے انتخاب کیا کرتا تھا، پھر ایک اور اطلاع یہ ہے[6] کہ اسواروں کی ایک خاص تعداد خسرو دوم کے بیٹوں کی محافظت کے لیے مأمور تھی، مادیگانِ چترنگ میں "اسواران سردار" کا ذکر موجود ہے[7]، وہریز جو یمن کو فتح کرنے کے بعد وہاں کا حاکم مقرر کیا گیا "اسواروں" میں سے تھا اور اس کا جانشین زین بھی "اسوار" کا لقب

---

[1] طبری، ص ۹۶۴، [2] لفظ تنور سے ماخوذ ہے (مترجم) [3] ۱، ۱۸،
[4] دیکھو اسی باب میں ذرا اور آگے، [5] شہزادوں سے یہاں مراد صرف ساسانی خاندان کے شاہزادے نہیں بلکہ اُن شہرداروں کے بیٹے بھی جو شاہ کے لقب سے ملقب تھے، [6] طبری، ص ۱۰۴۳
[7] متون پہلوی، ج ۱، ص ۱۱۷،

رکھنا تھا[1]،

لیکن خسرو کی فوج کی ایک اور امتیازی خصوصیت ہے جس کو سب سے پہلے موسیو شٹاین نے واضح کیا ہے[2]، صوبۂ کرمان میں ایک پہاڑی قوم پاریز کو مطیع کرنے کے بعد اس نے ان کے پسماندگان کو سلطنت کے مختلف حصّوں میں منتقل کر دیا اور وہاں ان کو نئے گھروں میں آباد کر کے فوجی خدمت پر مجبور کیا، اسی طرح اس نے ایک اور قوم چول[3] کو جس نے یقیناً بغاوت کی تھی قتل کر کے صرف اسّی آدمیوں کو باقی رکھا جو ان کے بہترین لڑنے والے تھے، اُن کو اس نے شہر شاہ رام پیروز میں منتقل کر کے اُسی طرح فوجی خدمت پر مامور کیا، پھر جب اس نے اقوام ابخاز، خزر اور الان پر فتح پائی جو ایران پر چڑھ آئے تھے اور آرمینیہ سے دس ہزار قیدی پکڑے گئے تھے تو ان کو اُس نے آذربائجان اور اس کے گرد و نواح میں لا بسایا[4]، یہ مثالیں ہم نے تاریخ طبری میں سے نکالی ہیں لیکن بلاذری کے ہاں اس قسم کی اور مثالیں موجود ہیں جو ان پر اضافہ کی جا سکتی ہیں، مثلاً الشابران اور مسقط کے شہروں میں جن کو خسرو نے آباد کیا تھا اور دربند (الباب و الابواب) کے مشہور سرحدی قلعے میں جس کے استحکامات کو اس نے اور زیادہ مضبوط کیا اُس نے بہادر اور جنگجو سپاہی تعینات کیے جن کو عربی میں السیاسیجین (؟) لکھا ہے، انھی لوگوں کو اس نے آرمینیہ کے کئی شہروں میں جو اس نے رومیوں سے فتح کیے تھے بطور

[1] طبری، ص ۹۴۸ و ۹۸۸، مارکوارٹ نے اس نام کو وِین پڑھا ہے، عربی خط میں زٓ اور وٓ کا کا تبادلہ بہت عام ہے، اس سے ظاہر ہے کہ اسوار کے یہاں وہی معنے ہیں جو پرانے زمانے میں انگلستان میں نائٹ کے معنی تھے (مترجم)، [2] سالنامۂ بازنطینی و نو یونانی (بزبان جرمن)، سنہ ۱۹۲۰ء، ص ۶۸-۶۹،

[3] دیکھو اوپر، ص ۳۷۶، [4] طبری، ص ۸۹۵،

محافظ فوج کے متعین کیا، گرجستان سے مستحکم شہر سُغدبیل ہیں جس کی بنا خسرو نے رکھی تھی اس نے سُغدیوں اور پارسیوں (اہلِ پارس) کو آباد کیا[1]، اسی مصنف کے قول کے مطابق[2] خسرو نے علاقۂ قفقاز میں کئی چھوٹے چھوٹے بادشاہ نصب کیے، اگرچہ مغلوب قوموں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ایک پرانی رسم ہے جس پر شاہانِ آسوری بھی کاربند رہے ہیں اور ہخامنشیوں نے بھی وقتاً فوقتاً اس پر عمل کیا ہے[3] اور ساسانیوں میں بھی ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ شاپور اوّل اور شاپور دوم نے قیدیوں کی بستیاں ایران کے مختلف علاقوں میں بسائیں لیکن جیساکہ موسیو شٹاین نے مشاہدہ کیا ہے انتقالِ اقوام کے بارے میں خسرو کے اصول اور اس کے پیشرووں کے اصول میں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ خسرو ان کو ہمیشہ فوجی مقاصد کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتا تھا، وحشی اقوام کو جن کے جسمانی قوٰے ایران کے خستہ حال کسانوں سے بدرجہا بہتر تھے وہ ہمیشہ غیر محفوظ علاقوں کی حفاظت کے لیے مأمور کرتا تھا جہاں وہ دشمن کے حملوں کو روک سکیں اور سلطنت کی فوجی خدمت انجام دے سکیں، اس طریقے سے خسرو نے جو مستقل فوج تیار کی اس میں ایک تو ایرانی سوار تھے اور دوسرے یہ وحشی مہاجرین جو اپنی فوجی خصوصیات کو تلف کیے بغیر اپنے نئے ماحول سے جلد مانوس ہوجاتے تھے، خسرو نے دیلم اور اس کے گردونواح کی فوجوں کو یمن بھیجا تاکہ حبشیوں کے خلاف وہاں کے لوگوں

---

[1] بلاذری طبع یورپ، ص ۱۹۴-۱۹۵، [2] ایضاً ص ۱۹۶، [3] ہیروڈوٹس، ج ۴، ص ۲۰۴، ج ۵ ص ۲،

کی مدد کریں[1]۔

فوج کا یہ نیا انتظام سپہ سالاری کے عہدے میں بھی تغیر[3] کا باعث ہوا۔ خسرو نے ایران سپاہ بذ کا عہدہ منسوخ کر کے چار سپاہ بذ مقرر کیے جو فوج کے مستقل سردار قرار پائے، ہر ایک کو اُس نے سلطنت کے چوتھائی حصے پر مقرر کیا، مشرق کے سپاہ بذ کے ماتحت خراسان، سکستان اور کرمان کی فوجیں تھیں، جنوب کا سپاہ بذ فارس اور خوزستان کی فوجوں کا کمانڈر تھا، مغرب کا سپاہ بذ عراق سے لے کر سرحد روم تک کی فوجوں کا سالار تھا اور شمال کا سپاہ بذ بڑے میڈیا اور آذربائجان کی فوجیں اپنے ماتحت رکھتا تھا[2]۔

سرکاری عہدوں کی ترتیب میں سپاہ بذ کے رتبے کے متعلق مسعودی کے ہاں ایک دلچسپ اطلاع ملتی ہے[3]، وہ لکھتا ہے کہ اردشیر اوّل نے (جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے نظام حکومت کی تمام جزئیات کو معین کیا) سلطنت کے لوگوں کو سات گروہوں میں تقسیم کیا[4]، اوپر کی چار جماعتوں میں اس نے عمّالِ حکومت کو رکھا یعنی ان لوگوں کو جو امورِ سلطنت میں حصہ لیتے تھے اور وضع و نفاذِ قانون کے ذمہ دار تھے، اوّل وزراء، دوسرے موبدان موبد یعنی چیف جج اور ہیربدوں کا رئیس تیسرے چار سپاہ بذ جو

---

[1] طبری، ص ۸۹۹، دیلمیوں کے متعلق دیکھو منورسکی کا مضمون بہ عنوان "تسلّط دیلمیان" (سلسلۂ مطبوعات انجمن مطالعات ایرانی و فنون ایران۔ بزبان فرانسیسی، نمبر ۳، پیرس سنہ ۱۹۳۲ء) نیز ایوس ترانت زیف: مطالعات ایرانی (رسالہ کاما انسٹیٹوٹ نمبر ۷، ص ۵۸ بعد)

[2] طبری، ص ۸۹۴، دینوری، ص ۶۹، [3] مروج الذہب، ج ۲، ص ۱۵۶، نیز دیکھو ضمیمہ نمبر ۲،

[4] آگے چل کر مسعودی لکھتا ہے کہ بہرام پنجم نے مطربوں کی جماعت میں بعض تبدیلیاں کیں لیکن پھر خسرو اوّل نے دوبارہ اردشیر کے نظام مراتب کو برقرار کیا، لہٰذا مسعودی اسی نظام کا ذکر کر رہا ہے جو خسرو اوّل کے وقت میں تھا،

سلطنت کے چار بڑے رکن تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے حلقے میں صاحب اختیار تھا اور سلطنت کی ایک چوتھائی پر حکمران تھا اور چوتھے مرزبان، ہر سپاہ بذ کے ساتھ ایک مرزبان بطور نائب اور مددگار کام کرتا تھا، ان چار جماعتوں کے بعد اُس نے ایک خاص جماعت گانے بجانے والوں کی رکھی یعنی وہ تمام لوگ جن کا پیشہ موسیقی تھا[1]، یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ مرزبان سپاہ بذوں کے قائم مقام تھے، علاوہ اس کے مسعودی کی فہرست سے بعض اور دلچسپ باتیں بھی معلوم ہوتی ہیں، وزراء سے مراد یقیناً وزرگ فرماذار اور دوسرے اعلیٰ عہدہ دار ہیں جن کو خسرو نے بعض فرائض تفویض کیے تھے جو اس سے پیشتر وزرگ فرماذار کے ذمّے تھے، عمّال حکومت کی اعلیٰ جماعتوں میں موسیقی دانوں کے موجود ہونے کی تصدیق عجیب طور پر خدائی دربار کے مراتب سے ہوتی ہے جس کا نقشہ مزدک نے اپنے زمانے کے ایرانی دربار کے نمونے پر اپنے پیرووں کے سامنے کھینچا تھا[2]، لیکن جو بات سب سے زیادہ عجیب ہے وہ یہ ہے کہ پاذگوسپانوں کا ذکر مسعودی کی فہرست میں نہیں ہے، اس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ چار پاذگوسپان جو کواذ کے عہد میں موجود تھے ان کی جگہ چار سپاہبذوں نے لے لی (جن میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایک مرزبان نائب کے طور پر تھا) جس طرح کہ پاذگوسپانوں نے چار مرزبانوں کی جگہ لی تھی جو یزدگرد دوم کے عہد میں تھے، چنانچہ طبری کے

---

[1] آخری دو جماعتوں کے بارے میں مسعودی ہمیں کوئی اطلاع نہیں دیتا،

[2] دیکھو اوپر، ص ۵۲۴، دربار کے مطربوں اور گویّوں کے مرتبے کے متعلق ہم آگے چل کر بحث کریں گے،

بیان سے[1] ہمیں پتہ چلتا ہے کہ خسروِ اوّل کی تخت نشینی کے وقت چار پاذگوسپان سلطنت کے چار حصّوں پر حکمران تھے ، ان کی بجائے چار سپاہبذوں کو مقرّر کرنے سے خسرو کا یقیناً یہ منشأ تھا کہ سلطنت کے ہر حصّے میں حکومت کی فوجی نوعیّت کو تقویت ہو ، خسرو دوم کے عہد میں مغربی سرحد کے ایک پاذگوسپان[2] کا وجود پایا جاتا ہے جو سپاہبذ کے تمام اختیارات رکھتا تھا ، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس آخری زمانے میں پاذگوسپان اور سپاہبذ کے القاب بلا امتیاز استعمال کیے جاتے تھے ،

لیکن اس مسئلے کی بحث میں ایک اور اہم کتاب کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے ، نامۂ تنسر میں لکھا ہے کہ "کوئی شخص[3] جو ہمارے خاندان سے تعلّق نہ رکھتا ہو اس بات کا مجاز نہیں ہے کہ شاہ کا لقب اختیار کرے باستثنائے حکّامِ سرحدّات (اصحاب الثغور) یعنی سرحدّ الان و مغرب وخوارزم و کابل[4] " نامۂ تنسر کی اس عبارت میں چار سرحدی گورنروں کا ذکر ہے اور چونکہ اس کی تالیف خسرو اوّل کے عہد میں فوجی اصلاحات کے بعد ہوئی لہذا ظاہر ہے کہ اس سے چار سپاہبذ مقصود ہیں ، صرف اتنی بات ہے کہ چار سرحدّوں کی تعیین میں کسی قدر غلطی ہوئی ہے کیونکہ اگر کابل خسرو کی سلطنت میں شامل تھا تو اس کو سرحدّ مشرق میں شمار ہونا چاہیے دوسرے

---

[1] ص ۸۹۲ - ۸۹۳ ، [2] شاہین ، دیکھو طبری ، ص ۱۰۰۲ ،

[3] سوائے شاہانِ باجگزار کے ، ص ۹ ،

[4] نامۂ تنسر طبع ڈارمیسٹیٹر ، ص ۲۱۰ ، طبع مینوی ، ص ۹ ، ڈارمیسٹیٹر کی اڈیشن میں صرف پہلی تین جگہیں مذکور ہیں لیکن مینوی کی اڈیشن میں کابل کا نام بھی ہے ،

یہ کہ جنوبی سرحد کا ذکر اس عبارت میں مفقود ہے[1]،

طبری اور فردوسی کے ہاں[2] ایک عجیب حکایت منقول ہے، پابگ ایک دبیر تھا جس کو بادشاہ نے سپاہ کی موجودات لینے کا کام سپرد کر رکھا تھا، ایک دفعہ عرضِ سپاہ کے وقت اس نے خود بادشاہ کو پیش ہونے کے لیے بلایا اور اس کے سامان جنگ میں کسی نقص پر اُسے ملامت کی اور بالآخر دوسرے سپاہیوں کی نسبت اس کی تنخواہ بقدر ایک درہم زیادہ مقرر کی، یہ حکایت اس بات کی شہادت پیش کرتی ہے کہ خسرو کی فوجی اصلاحات نے لوگوں پر کس قدر گہرا اثر کیا تھا اور وہ قواعد کس قدر سخت تھے کہ ان سے کوئی بھی مستثنیٰ نہ تھا، اسی بات نے اس کے لشکر کو جنگ کا ایک مہیب آلہ بنا دیا تھا جس کی بدولت سلطنت میں نظم قائم رہا،

اگرچہ اندرونی خطرہ جو سلطنت کو مزدکیوں کی طرف سے پیش آ رہا تھا رفع ہو چکا تھا تاہم بیرونی دشمنوں کی طرف سے جو صورتِ حالات درپیش تھی وہ خسرو کو اپنی فوجی سرگرمیوں میں حق بجانب قرار دیتی تھی، ۵۳۲ء میں یعنی خسرو کی تخت نشینی کے دوسرے سال روم و ایران کے درمیان اگرچہ صلح ہوگئی تھی لیکن دوبارہ جنگ شروع ہو جانے کا ہر وقت امکان تھا، دوسری طرف ہپتالیوں کے مقابلے میں ایران ابھی تک ذلت کی حالت میں تھا کیونکہ ان کے بادشاہ کو اسے سالانہ خراج ادا کرنا پڑتا تھا[3]، سلطنت

---

[1] نہایہ (ص ۲۲۷) میں الان خزر کی سرحد کے ذکر میں مرزبان کے پرانے لقب کو محفوظ رکھا گیا ہے، [2] طبری ص ۹۶۳، فردوسی، طبع مول، ج ۶، ص ۱۷۴ ببعد، [3] دیکھو اوپر، ص ۳۸۹، ح ۲،

غسان اور شاہِ حیرہ کے درمیان کوئی جھگڑا پیدا ہوگیا، چونکہ غسان کا بادشاہ قیصر روم کا باجگزار تھا اور شاہ حیرہ شہنشاہ ایران کے ماتحت تھا لہذا ان دو بڑی سلطنتوں میں بھی جنگ چھڑ گئی[1]۔ ۵۴۰ء میں خسرو نے انطاکیہ کو فتح کرکے برباد کردیا اور مسلسل کئی لڑائیوں کے بعد جن میں کبھی ایران کا پلّہ بھاری رہا اور کبھی روم کو غلبہ حاصل ہوا بالآخر ۵۴۵ء میں عارضی طور پر صلح ہوگئی، کچھ عرصہ بعد قفقاز میں جنگ شروع ہوئی جہاں خسرو قبائلِ لاز کو مطیع کرنا چاہتا تھا جو مذہباً عیسائی تھے لیکن اس کی کوششوں کو رومیوں نے کامیاب نہ ہونے دیا، آخری صلح کی رُو سے جو ۵۶۲ء میں ہوئی یہ طے پایا کہ جانبین پچاس سال تک امن قائم رکھنے کا بیڑا اٹھائیں اور دونو سلطنتوں کی حدود وہی رہیں جو پہلے تھیں، نیز یہ کہ ایران وروم کے درمیان تجارت میں آزادی ہو، عیسائیوں کو مذہبی آزادی دی گئی لیکن دونو مذہب والوں پر یہ واجب کردیا گیا کہ کوئی دوسرے کو اپنے مذہب کی دعوت نہ دے،

جنگِ روم کے خاتمے کے بعد خسرو ۵۶۳ء اور ۵۶۷ء کے درمیان ہپتالیوں کی سلطنت کو نابود کرنے میں کامیاب ہوا جس کی طاقت کو ایک ترکی قبیلے نے اپنے سردار سِنجبُو (سِلزِبُول) کے ماتحت حملہ کرکے متزلزل کردیا تھا[2]، دریائے جیحون کو ایران اور خاقانِ اتراک کے درمیان

---

[1] طبری، ص ۹۵۸ بعد، روٹ شٹائن، ص ۸۱ - ۸۲،

[2] مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۶۴ و ۲۱۶، شیڈر: ایرانیکا، ص ۳۸ بعد،

حدِّ فاصل قرار دیا گیا جو ہپتالیوں کے بادشاہ سے بھی زیادہ خوفناک دشمن تھا، بعض ترکی قبائل قفقاز تک بھی آدھمکے چنانچہ ان کے حملوں سے اس طرف کی سرحد کو محفوظ رکھنے کے لیے خسرو نے قلعہ دربند کو از سرِ نو مستحکم کیا[1]۔

جنوب کی طرف خسرو نے یمن کو فتح کر کے اپنی سلطنت کو وسعت دی، یمن اُس وقت حبشیوں کے قبضے میں تھا، خسرو کے سپہ سالار وہرِز نے عربوں کے ساتھ مل کر سنہ ۵۷۰ء میں حبشیوں کو وہاں سے نکالا اور بادشاہ کی طرف سے وہاں کی حکومت پر مامور ہوا[2]۔

انھی ایّام میں سنجبو نے رومیوں کے بھڑکانے سے ایران پر حملہ کیا اور بعض مستحکم قلعوں کو جو خسرو نے تعمیر کیے تھے عارضی طور پر خراب کیا، اس واقعہ سے ایران و روم کے درمیان کشیدگی پیدا ہوئی اور ساتھ ہی آرمینیہ میں بھی بعض فساد برپا ہوئے جن کی وجہ سے سنہ ۵۷۲ء میں پھر جنگ چھڑ گئی اور میسوپوٹیمیا میں دوبارہ تباہی آئی، میلیٹین کے میدان

---

[1] بعض مشرقی مصنفین کے ہاں یہ روایت دیکھنے میں آتی ہے کہ خسرو ہندوستان کے بادشاہ پر حملہ آور ہوا جس نے بغیر جنگ کیے اطاعت قبول کر لی اور "عمان (!) کے گرد و نواح کا علاقہ اس کے حوالے کر دیا، عمان اس سے پہلے بہرام گور کے زمانے میں دیا جا چکا تھا۔" (بلعمی، ج ۲، ص ۲۲۱)، بقول مسعودی (مروج الذہب، ج ۲، ص ۲۰۰) "ہندوستان، سندھ اور شمال اور جنوب کے سب بادشاہوں نے ایران کے ساتھ مصالحت اختیار کی"۔ [2] وہرِز کے مرنے کے بعد خسرو نے یمن کی حکومت ایک "سوار" مسمّی زین یا وین (؟) کو دی جس کو ہرمز چہارم نے معزول کیا اور اس کی جگہ پر ایک شخص مسمّی مرزوزان کو مقرر کیا، مرزوزان کے بعد خسرو دوم کی اجازت سے اس کا بیٹا خورّہ خسرو اس کا جانشین ہوا جو یمن کے ایرانی گورنروں میں سب سے آخری تھا (طبری، ص ۹۸۷ و ۱۰۳۹ – ۱۰۴۰)۔

میں[1] رومی سپہ سالار جسٹینین نے بہت بڑی فتح حاصل کی لیکن پھر خسرو نے اُسے شکست دی، اس کی بجائے ماریس سپہ سالار مقرر ہوا جس نے ایرانی علاقے پر یورش کرکے سنگارا کو فتح کرلیا، اس کے بعد صلح کی بات چیت شروع ہوئی لیکن خسرو نے ۵۷۹ء میں انتقال کیا اور اس گفت وشنید کا نتیجہ نہ دیکھ سکا،

مشرقی روایات میں خسرو اوّل ایک ایسا بادشاہ مانا گیا ہے جو عدل و انصاف کا نمونہ ہے، عربی اور فارسی مصنّفوں نے بیشمار حکایتیں بیان کی ہیں جو اس بادشاہ کی دادگستری کی مثالیں پیش کرتی ہیں، نظام الملک نے اسی بارے میں نمونے کے طور پر ایک حکایت لکھی ہے جو بظاہر کسی عمدہ مأخذ سے لی گئی ہے،[2] وہ لکھتا ہے کہ اگرچہ خسرو نے اپنی تخت نشینی کے وقت عمّال حکومت کو تاکید کردی تھی کہ لوگوں کے ساتھ ایمانداری اور مہربانی کے ساتھ برتاؤ کریں لیکن اُنھوں نے کچھ پروا نہ کی، اور ہر طرح کی من مانی کارروائیاں کرتے رہے، تین چار سال کے بعد اس نے ان سب کو ایک جگہ بلوایا اور کہا کہ "خدا تعالیٰ نے جب مجھ کو سلطنت عطا کی تو میں نے تم کو حکومت کے کام میں شریک کیا اور ہر ایک کو ایک ایک صوبے کا حاکم بنایا اور جس کسی کا مجھ پر حق تھا میں نے اس کو محروم نہیں رکھا، تم میں سے جن کو میرے باپ نے عہدے دیے تھے میں نے ان سب کو برقرار رکھا اور کسی کے عہدے یا تنخواہ میں تخفیف نہیں کی"۔ یہ کہہ کر اس نے سب کو رخصت کیا اور پھر تاکید کی کہ لوگوں پر تعدّی نہ کریں،

[1] دیکھو اوپر، ص ۳۲۵، ج ۱، (مترجم)

[2] سیاست نامہ طبع پیرس، ص ۲۹ بعد،

جب سب اپنی اپنی جگہ پر واپس گئے تو پھر وہی جور و بیداد کا وتیرہ اختیار کیا اور بادشاہ کے کہے کی مطلق پروا نہ کی کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے غرور میں یہ سمجھتا تھا کہ بادشاہ کو میں نے تخت پر بٹھایا ہے میرا جی چاہے تو اس کو بادشاہ تسلیم کروں اور نہ چاہے تو نہ کروں، ان میں سب سے زیادہ ظالم ایک سپاہ سالار[1] تھا جس کا قوت و دولت میں کوئی ثانی نہ تھا اور خسرو نے اس کو آذربائجان کا حاکم مقرر کیا تھا، اس کا ارادہ ہوا کہ حوالیِ شہر میں ایک محل تعمیر کرے لیکن اس زمین میں کسی بڑھیا کی جھونپڑی تھی جو بیچ میں حائل ہو رہی تھی اور چونکہ وہ اس کو بیچنا نہیں چاہتی تھی لہذا اس نے اس سے زبردستی چھین لی، بڑھیا بہت روئی چلائی اور اپنی زمین کی قیمت مانگنے میں اس نے بہت سر مارا لیکن سپاہ سالار نے ایک نہ سنی، آخر تنگ آکر اُس نے بادشاہ کی طرف رجوع کیا. چونکہ حاجب و دربان اس کو دربار میں جانے نہیں دیتے تھے لہذا وہ خسرو سے جنگل میں شکار کرتے ہوئے ملی اور اپنی عرضی اس کو پیش کی، بادشاہ نے وعدہ کیا کہ وہ اس کے معاملے میں غور کریگا، کچھ عرصے کے لیے وہ اس کو پاس کے گاؤں میں چھوڑ گیا، شکار سے واپس آتے ہوئے وہ بڑھیا کو اپنے ساتھ محل میں لے آیا اور وہاں اس کو رکھا، پھر اُس نے ایک معتبر نوکر کو آذربائجان بھیجا اور لوگوں کے دکھانے کو اسے یہ کام سپرد کیا کہ تم وہاں جاکر زمینوں اور باغوں کا حال معلوم کرو کہ فصلوں کی حالت کیسی ہے اور کسی قسم کی آفاتِ سماوی نے اُن

[1] سپاہ سالار سے یہاں یقیناً سپاہ بد مراد ہے، دونو لفظوں کے بالکل ایک ہی معنی ہیں،

کو تباہ تو نہیں کیا، اس کے علاوہ چراگاہوں اور شکارگاہوں کا حال بھی معلوم کرو کہ وہ کس حالت میں ہیں، لیکن حقیقت میں وہ جس بات کو خفیہ طور پر معلوم کرنے کے لیے بھیجا جا رہا تھا وہ یہ تھی کہ آیا بڑھیا کا قصہ سچا ہے یا نہیں، وہاں جا کر اس نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ بالکل صحیح ہے، تب بادشاہ نے اپنے درباریوں اور موبدوں سے پوچھا کہ حاکم آذربائجان کے پاس زر و نقد کس قدر ہے ؟

انھوں نے کہا بیس لاکھ دینار جن کی اسے کچھ حاجت نہیں ،

اور مال و اسباب کس قدر ہے ؟

پانچ لاکھ دینار کا سامان سونے اور چاندی کا ہے ،

جواہرات کتنے ہیں ؟

چھ لاکھ دینار کی قیمت کے ،

زمین اور جاگیر کتنی ہے ؟

خراسان اور عراق اور فارس اور آذربائجان کا کوئی ضلع اور شہر ایسا نہیں ہے جہاں اس کے مکان اور سرائیں اور زمینیں نہ ہوں[1]

گھوڑے اور خچر کتنے ہیں ؟

تیس ہزار ،

بھیڑیں کتنی ہیں ؟

دو لاکھ ،

[1] یہ بیان اس بات کی شہادت ہے کہ امراء کی جائدادیں ہر جگہ بکھری ہوئی ہوتی تھیں،

کتنے غلام اور لونڈیاں ہیں جن کو اس نے قیمت دے کر خریدا ہے ؟

سترہ سو ترک ، یونانی اور حبشی غلام اور چودہ سو لونڈیاں[1]

تب بادشاہ نے حاضرینِ دربار سے سوال کیا کہ ایسے امیر کی کیا سزا ہونی چاہئے جو اتنے زر و مال کے ہوتے ہوئے ایک غریب بڑھیا سے اس کی جھونپڑی چھین لے ؟ سب نے کہا کہ اسے نہایت بے رحمی کی سزا ملنی چاہئے ، بادشاہ نے حکم دیا کہ مجرم کی کھال کھینچی جائے اور گوشت کتوں کو کھلایا جائے اور اس کی کھال میں بھوسہ بھر کر شاہی محل کے دروازے پر لٹکایا جائے اور سات دن تک منادی کی جائے کہ جو شخص کسی پر ظلم کریگا اس کی یہ سزا ہوگی ،

ایک اور حکایت جو فریڈرک دوم شاہ پرشیا اور پسنہارے کی حکایت سے بہت مشابہ ہے مسعودی نے بیان کی ہے[2] اور بعد کے مصنفوں نے اُسے اکثر دہرایا ہے ، وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ اختتام جنگ کے بعد جب خسرو عراق واپس آیا تو مختلف بادشاہوں کے سفیر اس کے دربار میں حاضر ہوئے ، ان میں قیصر روم کا سفیر بھی تھا ، اس نے شاہی محل کو دیکھا اور اُس کی شان و شوکت کی تعریف کی لیکن محل کے آگے جو صحن تھا اس میں ایک جگہ کجی تھی اس پر اس نے کہا کہ اس کو مربع شکل کا ہونا چاہیے تھا ، اُسے بتلایا گیا کہ اس جگہ ایک بڑھیا کا مکان تھا جو باوجود بادشاہ کی ترغیب

---

[1] یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ اعداد و شمار صحیح معنوں میں تاریخی نہیں ہیں تاہم ان سے امراء کی دولت و ثروت کا اندازہ ہوتا ہے ، [2] مروج الذہب ، ج ۲ ص ۹۷ ببعد ،

دلانے کے اس کو بیچنا نہیں چاہتی تھی ، بادشاہ نے نہیں چاہا کہ اس پر زبردستی کرکے اُسے مجبور کیا جائے ، اس کجی کا باعث یہ ہے ، سفیر نے کہا کہ ایسی کجی تناسب سے کہیں خوبصورت ہے ،

بعض اور روایات بھی ہیں جو اگرچہ افسانہ آمیز ہیں تاہم ان سے اس بات کی حقیقت کھلتی ہے کہ خسرو کی انصاف پسندی کی روایت بہت پرانی ہے[1]، مثلاً نظام الملک کے سیاست نامے میں ایک حکایت لکھی ہے[2] کہ خسرو نے اپنے محل میں ایک گھنٹی لٹکا رکھی تھی اور اس کے ساتھ ایک زنجیر بندھوا دی تھی تاکہ جس شخص پر کوئی ظلم ہو وہ بادشاہ سے شکایت کرنے کے لیے زنجیر کو کھینچے ، ساڑھے سات برس تک اُس زنجیر کو کسی نے ہاتھ نہ لگایا ، اس مدت کے بعد ایک دن گھنٹی بجی ، دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک خارشتی گدھا زنجیر کے ساتھ اپنا جسم رگڑ رہا تھا ، خسرو نے اسی وقت اس کے مالک کو بلوایا اور اُسے تاکید کی کہ اس کو اچھی طرح رکھے ، ابو الفدا نے بھی یہ حکایت بیان کی ہے[3] لیکن اس نے گھنٹی کی ایجاد کو ہرمزد چہارم کی طرف منسوب کیا ہے ، لیکن یہ ایک متداول افسانہ ہے جو غالباً ہندوستان اور چین کی کسی رسم پر مبنی ہے[4]،

اگرچہ خسرو اوّل کے زمانے میں قوانین کا اجراء عدل و انصاف کے ساتھ ہوتا تھا لیکن سزائیں کسی قدر ہلکی کردی گئی تھیں ، ہم نامۂ تنسر کی ایک عبارت

---

[1] دیکھو کتاب المحاسن و المساوی للبیہقی، ص ۵۳۸ ، نہایہ ، ص ۲۳۲ ،

[2] ص ۳۶ ، [3] طبع فلائشر ، ص ۹۰ ببعد ،

[4] باسے : "تبصرۂ روایات عامیانہ" (بزبان فرانسیسی) ، ج ۲۴ ، ص ۱۹۲ ببعد ،

اوپر نقل کر آئے ہیں[1] جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگلے وقتوں میں بغاوت، غدّاری اور میدان جنگ سے فرار کرنے کی سزا فوری موت ہوتی تھی اور جو جرائم اپنے ہمجنسوں کے خلاف کیے گئے ہوں مثلاً چوری، رہزنی، بدکاری، ظلم وغیرہ ان کے لیے یا تو سخت جسمانی سزائیں دی جاتی تھیں یا قتل کیا جاتا تھا، اس کے بعد مصنّف لکھتا ہے کہ شہنشاہ[2] نے ایسے جرائم کے لیے پہلے کی نسبت بہتر قوانین وضع کیے ہیں، زمانۂ سابق میں جو شخص مذہب سے پھر جاتا تھا اس کو بلا تاخیر قتل کر دیا جاتا تھا لیکن اب شہنشاہ نے حکم دیا ہے کہ "مجرم کو کامل ایک برس حوالات میں رکھا جائے اور اس عرصے میں علمائے مذہب اس کو ہر وقت نصیحت کرتے رہیں اور دلائل و براہین سے اس کے شکوک کو رفع کریں، اگر وہ اپنی غلطی کو مان جائے اور توبہ کرے تو اس کو آزاد کر دیا جائے لیکن اگر وہ ضد اور تکبّر سے اپنے کفر پر اڑا رہے تو اُس کو قتل کر دیا جائے"۔ یہ قانون اُن لوگوں پر عائد نہیں کیا جاتا تھا جو عیسائی یا یہودی مذہب اختیار کرلیں لیکن غالباً باقی ہر قسم کے مشرکین اور کفّار کے لیے اس پر عمل ہوتا تھا[3]، جو لوگ بادشاہ کے خلاف جرم کے مرتکب ہوتے تھے ان کو سزا دینے میں اس بات پر قناعت کی جاتی تھی کہ ان میں سے بعض کو قتل کیا جائے تاکہ باقیوں کو عبرت ہو، ہمجنسوں کے خلاف جرائم کی سزا جرمانہ یا

---

[1] ص ۴۰۱، [2] نامۂ تنسر میں تو یہ شہنشاہ اردشیر اوّل ہے لیکن ہمیں معلوم ہے کہ یہ کتاب خسرو اوّل کے عہد کی تصنیف ہے، [3] موسیو نو کی رائے میں نامۂ تنسر کی اس عبارت میں شاپور دوم کا ایک فرمان درج ہے جو سنہ ۳۴۰ء میں جاری ہوا تھا اور جس کا ذکر وقائع شہداء میں ملتا ہے۔ (رسالہ "تبصرہ تاریخ مذاہب" بزبان فرانسیسی، ج ۹۵، ص ۱۷۱)،

قطعِ اعضا تھی، ڈاکو کو چور کی نسبت چار گنا جرمانہ کیا جاتا تھا، زمانۂ سابق کے معمول کے خلاف اس زمانے میں عضو کاٹنے میں اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ مجرم کام کرنے سے عاجز نہ ہو جائے مثلاً بدکار کی ناک کاٹ لی جاتی تھی' اگر مجرم جرمانہ ادا کرکے رہا ہونے پر دوبارہ اُسی جرم کا مرتکب ہو تو پھر اس کی ناک اور کان کاٹ لیے جاتے تھے "بغیر اس کے کہ اس کو دوبارہ معافی مانگنے کا موقع دیا جائے"[1]۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ قانون تعزیرات میں سزاؤں کا نسبتہً ہلکا کردیا جانا بادشاہ کو انتہائی بیرحمی کی سزا دینے سے مانع نہ تھا، مؤرخ پروکوپیوس نے کئی مثالیں بیان کی ہیں جن میں خسرو نے مجرموں کے جسم میں میخیں ٹھکوائیں[2]، اگاتھیاس نے لکھا ہے[3] کہ جس نخوبرگ نے لازیوں کے علاقے میں شکست کھائی تھی جو ایرانیوں کے لیے تباہی کا باعث ہوئی خسرو نے اس کی زندہ کھال کھچوا دی تھی،

مشرقی کتابوں میں خسرو کو نہ صرف عادل بادشاہوں میں شمار کیا گیا ہے بلکہ اس کو رحم اور عالی ظرفی کا نمونہ بھی قرار دیا گیا ہے، ثعالبی لکھتا ہے[4] کہ ایک دفعہ اس سے شکایت کی گئی کہ اس کا فلاں مختار (الوکیل) اپنے اخراجات اور انعام و اکرام میں اُس سے زیادہ خرچ کرتا ہے جتنا کہ اس کے لیے مقرر ہے، خسرو نے جواب میں یہ توقیع لکھوائی کہ "تم نے کب کسی دریا کو دیکھا کہ خود پانی پینے سے پہلے زمینوں کو سیراب کرتا ہو"؟ ۔ خسرو کی سخاوت کے بارے

[1] نامۂ تنسر ص ۲۱۹ - ۲۲۱ ، طبع مینوی ص ۱۷-۱۸، [2] ج ۲ ، ۱۱ ، ۳۸ ، ج ۲ ، ۱۷ ، ۱۱-۱۲ ،
[3] ج ۴ ، ۲۳ ، [4] ص ۶۰۸ ،

میں اسلامی ادبیات کے اُس شعبے میں جس کو "ادب" کہا جاتا ہے کثرت سے حکایتیں موجود ہیں[1]،

خسرو کی جو توصیف پروکوپیوس نے کی ہے وہ مشرقی روایات کے ساتھ بالکل مطابقت نہیں رکھتی، لیکن وہ غیر جانبدار مؤرخ نہیں ہے اور اس کی تصنیف کے تقریباً ہر صفحے پر سلطنتِ بازنطینی کے اس خطرناک دشمن کے خلاف بُغض و عداوت کے آثار نمایاں ہیں، وہ خسرو کو ایک بے چین اور فتنہ انگیز بادشاہ بتلا رہا ہے جو بدعتوں کو پسند کرتا تھا اور اپنے گرد ہیجان کی فضا پیدا کیے رکھتا تھا اور امراء کو ہمیشہ اشتغال دلاتا رہتا تھا[2]، یہ عبارت جو ایک بدباطن مؤرخ کے قلم سے نکلی ہے حقیقت میں خسرو کی اصلاح پسندی کی توصیف ہے، آگے چل کر پروکوپیوس اس پر مکاری اور حیلہ گری کا الزام لگاتا ہے اور لکھتا ہے کہ خسرو کو سب لوگوں سے زیادہ اس بات میں کمال حاصل تھا کہ جو بات وجود نہیں رکھتی اس کو بیان کرے اور جو وجود رکھتی ہو اس کو چھپائے اور اپنے مظالم کی ذمہ داری اپنے مظلوموں پر ڈال دے، وہ اپنی قسمیں توڑنے کے لیے ہمیشہ آمادہ رہتا تھا اور تحصیلِ زر کی خاطر ہر قسم کے بُرے اعمال سے اپنی روح کو پست کرتا رہتا تھا، وہ زہد و تقدس کا دکھاوا کرتا تھا اور اپنے اعمال کی ذمہ داری کو اپنے زورِ کلام سے ٹالتا تھا[3]، خسرو کی پستیِ اخلاق کی مثال کے طور پر وہ ایک واقعہ بیان کرتا ہے جس کو اگر ایک غیر جانبدار مؤرخ لکھتا تو بالکل دوسری

---

[1] دیکھو کتاب المحاسن والمساوی للبیہقی، ص ۲۹۴، ۵۵۳، شروانی، ترجمہ ریشر، ص ۲۰۷ ببعد،
[2] ج ۱، ۲۳، [3] ج ۲، ۹، ۸،

طرح اس کی تعبیر کرتا، ایرانیوں نے جب شہر سورہ کو فتح کیا تو خسرو نے ایک جگہ دیکھا کہ ایک وحشی آدمی ایک حسین عورت کو نہایت بے رحمی کے ساتھ زمین پر گھسیٹ رہا ہے اور اس کا چھوٹا بچہ زمین پر گرا پڑا ہے، خسرو نے یہ دیکھ کر ایک آہ بھری (لیکن مؤرخ مذکور کے نزدیک یہ سب دکھاوا تھا) اور اپنا اشک آلود چہرہ سب کو دکھایا خصوصاً قیصر کے سفیر انیسٹیسیوس[1] کو جو اس وقت موجود تھا اور کہا کہ خدا اس کا بدلہ اُس شخص سے لے جو اس حادثے کا ذمہ دار ہے، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ وہ خود نہ کہ قیصر جسٹینین (جو اس کا مقصود کلام تھا) سب سے زیادہ گنہگار ہے،

لیکن قطع نظر اس سے خسرو کی عیاری کی مثالیں مشرقی تواریخ میں بھی نایاب نہیں ہیں، بلاذری نے لکھا ہے[2] کہ خسرو نے خاقان اتراک (سنجبو) سے دوستی کرنی چاہی اور یہ طے پایا کہ خسرو اپنی بیٹی خاقان کو دے اور خاقان کی بیٹی سے خود شادی کرے[3]، لیکن اس نے بیٹی کی بجائے اپنی کوئی کنیز اس کے پاس بھجوادی[4]، تب دونوں بادشاہوں نے ایک دوسرے سے ملاقات کی اور اس مواصلت کی خوشی میں بڑی بھاری ضیافت کی گئی، لیکن خسرو نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ رات کے وقت ترکوں کے خیموں میں آگ لگادیں اور جب خاقان نے اس سے اس بات کی شکایت کی تو اس نے لاعلمی ظاہر کی،

---

[1] (Anastasius) [2] طبع یورپ، ص ۱۹۵ بعد،

[3] یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ خسرو نے ایک ترکی شہزادی سے شادی کی، وہ استمی خاقان کی بیٹی تھی جو سنجبو کا چھوٹا بھائی تھا، ہرمزد چہارم کی ماں وہی تھی (شیڈر: ایرانیکا، ص ۱۱)

[4] یہ قصہ بہت جگہ بیان ہوا ہے، دیکھو اوپر، ص ۲۸۳ شاہ پیروز کی تاریخ میں،

ایک دفعہ پھر دوبارہ رات کو اُسی طرح آگ لگائی گئی، تیسری مرتبہ خسرو نے خود اپنے خیموں میں آگ لگوادی اور خاقان کے پاس اس طرح شکایت کی کہ گویا آگ اُس نے لگوائی ہے، جب خاقان نے قسم کھائی کہ اُسے اس کا کچھ علم نہیں تو خسرو نے ایک تجویز پیش کی جس سے اس قسم کی حرکتیں آیندہ کے لیے رُک جائیں، وہ یہ کہ خاقان اس بات کی اجازت دے کہ دونو سلطنتوں کے درمیان ایک دیوار بنادی جائے، خاقان نے اجازت دے دی اور اپنے ملک کو واپس چلا گیا، چنانچہ خسرو نے ایک نہایت مستحکم دیوار بنوادی، جب خاقان کو پتہ چلا کہ اس کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے اور اس کی بیوی خسرو کی بیٹی نہیں بلکہ کنیز ہے تو وہ بدلہ لینے سے عاجز تھا[1]،

ایک اور حکایت جاحظ کی کتاب التاج[2] میں اور کتاب المحاسن والاضداد (منسوب بہ جاحظ[3]) میں بیان ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ خسرو کو اپنے ندیموں میں سے کسی پر خیانت کا شبہ تھا لیکن اس کے جرم کو ثابت کرنے کے لئے اُس کے پاس کوئی دلیل نہ تھی، خسرو نے اُسے قیصر روم کے دربار میں جاسوس کے طور پر بھیجا اور ایسی ترکیب کی جس سے قیصر کو اس کے جاسوس ہونے کا حال معلوم ہوگیا اور اس نے اُسے مروادیا، یہ دونو حکایتیں بظاہر خوذای نامگ سے مأخوذ نہیں ہیں لیکن غالباً ان میں خسرو کے کیرکٹر کے ایک خاص پہلو کی یاد محفوظ ہے جس سے اس کے معاصر ناواقف نہیں تھے لیکن یہ پہلو خسرو کی اُس بے عیب تصویر میں نہیں دکھایا گیا جو ایرانی روایت نے کھینچی ہے،

---

[1] یہی قصہ ابن خرداذبہ نے بھی بیان کیا ہے (ص ۲۵۹ بعد) لیکن اس نے بجائے خاقان اتراک کے شاہِ خزر کا نام لیا ہے، [2] ص ۶۲ بعد، [3] طبع یورپ ص ۲۷۷ بعد،

خسرو کی نظروں میں قابل اور ماہر لوگوں کی رائے کیا قدر و قیمت رکھتی تھی اس کا اندازہ ایک حکایت سے ہوتا ہے جو طبری نے خسرو کے جدید بندوبست اور اصلاح مالیات کے ذکر میں لکھی ہے، اُس نے ایک کونسل منعقد کی اور دبیرِ خراج کو حکم دیا کہ لگان کی نئی شرحیں بآواز بلند پڑھ کر سنائے، جب وہ پڑھ چکا تو خسرو نے دو دفعہ حاضرین سے پوچھا کہ کسی کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟ سب چپ رہے، جب بادشاہ نے تیسری مرتبہ یہی سوال کیا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور تعظیم کے ساتھ پوچھنے لگا کہ آیا بادشاہ کا یہ منشأ ہے کہ ناپائدار چیزوں پر دائمی ٹیکس لگائے جو بمرور زمان ناانصافی پر منتہی ہوگا، اس پر بادشاہ للکار کر بولا کہ اے مردِ ملعون و گستاخ! تو کن لوگوں میں سے ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں دبیروں میں سے ہوں، بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو قلمدانوں سے پیٹ پیٹ کر مار ڈالو، اس پر ہر ایک دبیر نے اپنے اپنے قلمدان سے اس کو مارنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ بچارا مرگیا، اس کے بعد سب نے کہا "اے بادشاہ! جتنے ٹیکس تو نے ہم پر لگائے ہیں وہ ہمارے نزدیک سب انصاف پر مبنی ہیں"[۱]

خسرو کا ایک بھائی کاؤس جو اس کے مقابلے پر سلطنت کا دعویدار ہوا تھا مارا جاچکا تھا جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں[۲]، اس کا دوسرا بھائی زم تھا، امرائے ایران میں سے جو خسرو سے ناراض تھے وہ سب اس کے ہوا خواہ تھے لیکن خسرو نے اس کو قتل کروا کے اس کی مجوزہ بغاوت کو روک دیا،

---

[۱] طبری، ص ۹۶۱، [۲] ص ۴۸۳،

ساتھ ہی اس نے آیندہ سازشوں سے محفوظ رہنے کی خاطر باقی تمام بھائیوں اور ان کے بیٹوں کو اور اپنے چچا اسپبیدس کو مروا دیا، صرف زم کا ایک بیٹا کواذ اس قتل عام سے بچا کیونکہ اس کو کنارنگ آذر گندازاد[1] نے اپنے پاس چھپا لیا تھا، کئی برس بعد جا کر اس کا راز فاش ہوا، بچارا بڈھا آذر گنداذ خسرو کے حکم سے مارا گیا اور کنارنگ کا عہدہ اس کے بیٹے بہرام کو ملا، پروکوپیوس نے بھی یہ واقعہ بیان کیا ہے[2] اور حسب معمول اس موقع پر بھی وہ خسرو کی عیاری کو نمایاں کرتا ہے، یہی حشر ایک اور امیر کا ہوا یعنی سرخوبرگان ماہبُذ جس کو حکومت کا اعلیٰ عہدہ خسرو کے باپ سے ملا تھا، یہ شخص جس نے پہلے اپنی سازشوں سے ارتیشتاران سالار سیاوُش کا خاتمہ کیا تھا اب خود ایک اور امیر زبرگان کی سازش کا شکار ہو گیا، پروکوپیوس لکھتا ہے کہ بادشاہ نے زبرگان کو حکم دیا کہ ماہبُذ کے پاس جاؤ اور اس کو دربار میں لا کر حاضر کرو، ماہبُذ اس وقت فوجیں لیے لڑائی میں مصروف تھا اس نے کہہ دیا کہ یہاں سے فارغ ہو کر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو جاؤنگا، زبرگان نے بادشاہ کو آ کر یہ رپورٹ دی کہ وہ حیلے بہانے کرکے یہاں آنے سے انکار کر رہا ہے، بادشاہ نے غصے میں آ کر حکم دے دیا کہ ماہبذ کو تپائی پر بٹھایا جائے[3]، بچارا کئی دن وہاں بیٹھا رہا بالآخر بادشاہ کے حکم سے مارا گیا جس کا بڑا چرچا ہوا[4]، اس واقعہ کو ثعالبی اور فردوسی نے افسانہ آمیز شکل میں بیان کیا ہے،

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۴۶۸ ،

[2] ج ۱ ، ۲۳ ،

[3] ایک تپائی شاہی محل کے دروازے پر رکھی رہتی تھی جس پر ایسے مجرم بٹھائے جاتے تھے جو بادشاہ کے فیصلے کے منتظر ہوں ، [4] پروکوپیوس ۱ ، ۲۳ ،

وہ یہ کہ زروان[1] جو بادشاہ کا رئیس حجاب تھا ماہبُذ کا جانی دشمن تھا اور بادشاہ سے اس کی چغلیاں کھاتا رہتا تھا، ایک یہودی کو کچھ روپیہ دے کر اس نے اس بات پر راضی کیا کہ بادشاہ سے یہ کہے کہ ماہبُذ تمہیں زہر دینا چاہتا ہے، بادشاہ کو یقین آگیا اور اپنے وفادار خادم یعنی ماہبُذ کو مروا دیا، بعد میں جب اتفاقی طور پر بادشاہ کو اس سازش کا حال معلوم ہؤا تو اس نے مجرموں کو سزا دی اور بہت پچھتایا کہ ماہبُذ کو مروانے میں اس نے جلدی کی[2]،

خسرو کو خود اپنے بیٹے انوشگ زاذ کی بغاوت کو بھی دبانا پڑا، بادشاہ سخت بیمار پڑا اور خبر مشہور ہوگئی کہ وہ مرگیا ہے، انوشگ زاذ نے یہ خبر سُن کر بغاوت کی لیکن اس کا جلد خاتمہ ہوگیا، خسرو نے اُسے قتل نہیں کرایا بلکہ اندھا کرا دینے پر قناعت کی یا بقول پروکوپیوس سرخ لوہے سے اُس کی پلکیں جلوا دیں تاکہ وہ جانشینی کے قابل نہ رہے یا کم از کم جانشینی اُس کے لیے دشوار ہو جائے[3]،

طیسفون جو سلطنت کا پایہ تخت اور شہنشاہ کا مسکن تھا خسرو اوّل کے

---

[1] فردوسی کے ہاں زَروان یا زَوَران ہے (= زبرگان)، ثعالبی نے عہد خسرو کے دو امیروں کو باہم ملتبس کر دیا ہے اور ماہبُذ کے دشمن کا نام آذر وِنداذ (جو آذر گنداذ کی زیادہ پرانی شکل ہے) لکھا ہے، [2] ثعالبی ص ۶۲۵ ببعد، فردوسی طبع مول، ج ۶، ص ۲۹۴ ببعد،
[3] دیکھو نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۴۶۷ ببعد،

زمانے میں اپنی انتہائی وسعت کو پہنچ گیا[1]۔ طیسفون دراصل شہروں کے ایک مجموعے میں سب سے بڑے شہر کا نام تھا، اس مجموعے کو سریانی زبان میں ماحوزے[2] کہا جاتا تھا اور کبھی اس کے ساتھ لفظ "ملکا" (بمعنی بادشاہ) بطور مضاف الیہ بڑھا کر ماحوزے ملکا (بادشاہ کے شہر) کہتے تھے، سریانی میں اس کو بعض وقت مدیناتا یا مدینے (مدینہ کی جمع) بھی کہا جاتا تھا[3] چنانچہ اسی نام کو بعد میں عربوں نے المدائن کی شکل میں اختیار کیا، ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ یہ سامی زبانوں کے نام کسی پہلوی نام (غالباً شہرستانان) کا ترجمہ ہیں جو ہمارے مآخذ میں محفوظ نہیں رہا، ساسانی سکوں پر بادشاہ کے مسکن کو لفظ "در"[4] (بمعنی دروازہ) سے تعبیر کیا گیا ہے، عہد ساسانی کی آخری صدی میں اس مجموعے میں سات شہر تھے، عربی اور فارسی مصنفین جن کے زمانے میں وہ سب برباد ہو چکے تھے ان کی تعداد کے بارے میں

[1] طیسفون کے کھنڈرات کا حال ہرتسفلٹ نے بیان کیا ہے (زارہ وہرتسفلٹ "سرزمین دجلہ و فرات میں آثار قدیمہ کے مطالعے کے لیے سفر" (بزبان جرمن، طبع برلن ۱۹۲۰ء)، ج ۲ ص ۴۶ ببعد، طیسفون اور سلوکیہ کی تاریخ کے لیے دیکھو ایم۔ سٹرک M. Streck کا مضمون بہ عنوان "سلوکیہ و طیسفون" (رسالہ "مشرق قدیم" ج ۱۶، ص ۳-۴، اہل جرمنی نے کھدائی کا کام موسیو رائٹر (Reuther) کے زیر ہدایت ۱۹۲۸ء میں شروع کیا تھا، دیکھو اس کے متعلق اڈوارڈ مائر کا مراسلہ ("مراسلات انجمن مشرقی آلمانی" نمبر ۷، (۱۹۲۹ء) اور رائٹر کا مضمون رسالہ "قدامت" (بزبان انگریزی) میں، ج ۳، ۱۹۲۹ء، ص ۴۳۴ ببعد، نیز طیسفون کا آلمانی وفد مرسلہ ۱۹۲۸/۱۹۲۹ء" (برلن ۱۹۳۰ء)، اہل جرمنی نے ۱۹۲۸ء سے کھدائی کا کام نیویارک کے میٹروپولیٹن میوزیم آف آرٹس کی معاونت سے برابر جاری رکھا ہے، دیکھو اپٹن (Upton) کا مضمون میٹروپولیٹن میوزیم کے رسالے میں (۱۹۳۲ء، ص ۱۸۸ ببعد)، نیز واخٹس موٹ (Wachtsmuth) کی کتاب "طیسفون کا وفد ۱۹۳۱/۱۹۳۲ء میں" (برلن ۱۹۳۳ء)، اس کے علاوہ دیکھو شمٹ (Schmidt) کا مضمون "طیسفون کا وفد ۱۹۳۱/۱۹۳۲ء میں" (بزبان فرانسیسی)، رسالہ سیریا، ج ۱۵، ۱۹۳۴ء،

[2] ماحوزا کی جمع جس کے معنے "شہر" کے ہیں، [3] زارہ۔ ہرتسفلٹ، کتاب مذکور، ص ۴۸، ج ۲،

[4] ہرزوارش:- بابا (سٹرک، ص ۳۸)

شہر سلوکیہ طیسفون اور اسکے گرد و نواح کا نقشہ

ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں، بہرحال اس مجموعۂ مدائن میں طیسفون اور اور ویہ اردشیر (جو پہلے سلوکیہ کہلاتا تھا) سب سے بڑے تھے، (دیکھو نقشہ)،

مؤرخ امیان لکھتا ہے[1] کہ ایران کا پایہ تخت اپنی جائے وقوع کی وجہ سے ناقابلِ تسخیر ہے، مجموعۂ مدائن جس پر وہ مشتمل تھا مضبوط دیواروں سے گھرا ہوا تھا جن میں نہایت مستحکم دروازے بنے ہوئے تھے[2]، یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ مجموعے میں شہروں کی تعداد جوں جوں بڑھتی گئی توں توں استحکامات میں تجدید ہوتی رہی، طیسفون اور ویہ اردشیر کے درمیان (جو علی الترتیب دجلہ کے مشرقی اور مغربی کنارے پر تھے) کشتیوں کا پل بنا ہوا تھا لیکن چونکہ وہ آمد و رفت کے لیے ناکافی تھا لہذا شاپور دوم نے اپنی نوجوانی میں اس کے ساتھ ایک اور پل بنوا دیا تاکہ ایک آنے والوں کے لیے رہے اور دوسرا جانے والوں کے لیے[3]،

طیسفون جس کو پہلوی میں تیسپون[4] کہتے تھے دجلہ کے مشرقی کنارے پر تھا، اس کے گرد نصف دائرے کی شکل میں ایک دیوار بنی ہوئی تھی جس پر برج تعمیر کیے گئے تھے اور جس کے آثار آج بھی موجود ہیں، اس دیوار اور دریا کے درمیان جتنی جگہ گھری ہوئی تھی اس کا رقبہ تقریباً ۵۸ ہکٹار تھا[5]، اس کو

---

[1] ج ۲۴، ۱،۷، [2] طبری، ص ۱۰۶۲، [3] دیکھو اوپر، ص ۳۰۱-۳۰۲،
[4] چینی مصنف اس کو سُوپن لکھتے ہیں (دیکھو ہرٹ: "چین اور مشرق رومی" (بزبان انگریزی) ص ۲۲۴، ساسانیوں کے پایہ تخت کا ایک اور چینی نام سُولی ہے (ایضاً، ص ۱۹۸) جو غالباً پہلوی لفظ سُوریگ ("سریانی") سے ماخوذ ہے، ہیوِن سیانگ نے اس کو سُولاساتنگ نا (سُورستان یعنی سیریا؟) لکھا ہے (ربیل: "بدھائی آثار"، ج ۲، ص ۲۷۷) [5] ایک ہکٹار = ۲½ ایکڑ (مترجم)،

"شہرِ قدیم[1]" کہتے تھے، ۱۹۲۸ء سنہ ۱۹۲۹ء میں اہل جرمنی نے جو کھدائی کا کام کیا
اس سے ساسانی زمانے کے ایک عیسائی گرجے کی عمارت برآمد ہوئی ہے
جس میں کسی سینٹ کے مجسّمے کا دھڑ پایا گیا ہے جو رنگین گچ کا بنا ہوا ہے،
طیسفون کے مشرقی حصّے میں (جہاں اب اسلامی زمانے کا ایک مزار ہے
جس کو سلمان پاک[2] کہتے ہیں) محلّہ اسپان بر[3] تھا، اس جگہ کھنڈرات کے
بہت سے آثار ہیں جو مشہور ساسانی محل طاقِ کسریٰ کے گرد حلقہ کیے ہوئے
ہیں، اس مقام پر غالباً شاہی محل کے پارک اور باغات ہونگے، دیوار کا ایک
کونہ جس کو بستانِ کسریٰ کہتے ہیں در اصل غالباً اُس دیوار کا آخری بچا ہوا
نشان ہے جو بارہ سنگوں کے وسیع رمنے کے گرد کھینچی گئی تھی، محلّہ اسپان بر
کے جنوب کی طرف دریائے دجلہ کی پُرانی گزرگاہ تھی، یہاں پر ایک ٹیلہ ہے
جس کو خزینۂ کسریٰ (خسرو کا خزانہ) کہتے ہیں جس کے اندر غالباً کسی بڑی
عمارت کے آثار پوشیدہ ہیں[4]،

موسیو باخمن کی رائے میں جو موسیو رائٹر کے شریکِ کار ہیں بُستانِ کسریٰ
وہ جگہ ہے جہاں شہر انطاکیۂ نو آباد تھا جو مجموعۂ مدائن کے شہروں میں سے
ایک تھا، اس کا سرکاری نام وِہ انتیوخ خسرو[5] تھا لیکن عام طور پر اس
کو رومگان (رومیوں کا شہر[6]) کہتے تھے، یہ خسرو اوّل کا آباد کیا ہوا تھا،
انطاکیہ کو فتح کرنے کے بعد اس نے وہاں کے تمام باشندوں کو ایک نئے شہر

---

[1] مدینۃ العتیقہ درعربی، (زارہ ہرتسفلٹ، کتاب مذکور، ج ۲، ص ۵۸) نقشے میں طیسفون اور مدینۃ العتیقہ کے نام سے طیسفون اور سلوکیہ کو دکھایا گیا ہے، [2] یعنی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مزار (مترجم) [3] عربی مصنّفوں کے ہاں اس نام کی شکل مختلف ہے، نقشے میں اسفنبر ہے، [4] زارہ ہرتسفلٹ، ص ۵۹، [5] پردکوپیوس نے انتیوخیا خسروون لکھا ہے، [6] عربی میں الرومیہ،

یں لا کر آباد کیا جو اس نے طیسفون کے نواح میں تعمیر کرایا اور اس مقصد کے لیے شام اور جزیرہ روڈس کے شہروں سے اس نے سنگ مرمر کی سلیں اور ستون منگوائے پچی کاری کے لیے بلّور فراہم کیا اور عمارتوں کے لیے ریتیلا پتھر منگوایا[۱] مسعودی لکھتا ہے[۲] کہ خسرو قیصر کے ساتھ صلح کرنے کے بعد جب واپس آیا تو شام سے اپنے ساتھ سنگ مرمر اور مختلف قسم کے فُسَیفسا اور رنگین پتھر لایا، "فسیفسا شیشے اور رنگین چمکدار پتھروں کی ملاوٹ کا نام ہے جو مکعب شکل کے ٹکڑوں میں عمارتوں اور فرشوں کی آرائش کے لیے استعمال ہوتی ہے، اس کے بعض ٹکڑے دیکھنے میں بلّور کے پیالے کی طرح چمکیلے ہوتے ہیں، اس قیمتی مالِ غنیمت کے ساتھ وہ عراق واپس آیا اور مدائن کے نزدیک اس نے ایک شہر تعمیر کرایا جس کا نام اس نے رومیہ رکھا، اس کی عمارتوں اور فصیل کی اندرونی جانب کو پچی کاری سے آراستہ کرایا ٹھیک اُسی طرح جیسا کہ اس نے انطاکیہ اور شام کے دوسرے شہروں میں دیکھا تھا، رومیہ کی دیواریں جو مٹی کی بنائی گئی تھیں اگرچہ نیم خراب شدہ حالت میں ہیں تاہم ابھی باقی ہیں اور ہمارے بیان کی تصدیق کرتی ہیں" افسانے نے اس پر یہ بات اور اضافہ کی ہے کہ یہ شہر بعینہٖ انطاکیہ کے نقشے پر تعمیر کیا گیا تھا اور دونو شہر باہم اس درجہ مشابہ تھے کہ ہر مہاجر نے اپنا مکان خود شناخت کر لیا،[۳] خسرو نے اس میں بہت سے حمّام بنوائے اور ایک گھوڑ دوڑ کا

---

[۱] تھیوفنی لیکٹس، ابوالفرج، نیز دیکھو زارہ ہرٹسفلٹ، ج ۲، ص ۴۸،

[۲] مروج الذہب، ج ۲، ص ۱۹۹ — ۲۰۰،

[۳] طبری، ص ۸۹۸،

میدان تیار کرایا، وہاں کے باشندوں کو اُس نے خاص رعایتیں اور حقوق عطا کیے مثلاً یہ کہ عیسائیوں کو پوری مذہبی آزادی دی، اہلِ رومیہ بلا واسطہ بادشاہ کے ماتحت تھے اور وہاں آکر پناہ لینے والے مجرم گرفتاری سے بے خوف ہوتے تھے[1]۔

دجلے کے مغرب کی طرف ایک شہر پناہ کے کچھ آثار باقی ہیں جس کا بیشتر حصہ بابل کی اینٹوں کا بنا ہُوا ہے اور جو ۲۸۶ ہکٹار کا رقبہ گھیرے ہوئے ہے، یہ شہر سلوکیہ کی جائے وقوع ہے جو مجموعۂ مدائن میں سب سے پرانا شہر تھا اور جس کے ایک حصّے کو اردشیر اوّل نے ویہ اردشیر کے نام سے دوبارہ تعمیر کیا تھا[2]، شہر پناہ اُس سلوکیہ کی فصیل ہے جو سلوکیوں کے وقت میں آباد ہُوا تھا[3]، سلوکیہ کے متصل شہر ماحوزا تھا، لیکن سریانی اور یہودی مصنّفوں نے ماحوزا کا نام سارے سلوکیہ کے رقبے کے لیے استعمال کیا ہے، ویہ اردشیر بہت بڑا شہر تھا جس کے بازاروں اور کوچوں میں فرش کیا گیا تھا، مکانات کے پہلو میں مویشیوں کے لیے چراگاہیں تھیں کیونکہ شہر کے امیروں کے پاس مویشیوں کے گلے تھے جن کو دن کے وقت ایک مستطیل درے میں جو ماحوزا کے نزدیک تھا اور جس کو "ماحوزا کا پچھواڑہ" کہتے تھے چرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا تھا، ویہ اردشیر کا بازار بہت بڑا تھا جہاں یہودی شراب فروش اور ہر قسم کے پھیری والے سوداگر بہت دیکھنے میں آتے تھے اور وہاں کے حمّال بہت محنتی تھے، شہر کی تجارت بہت رونق پر تھی جس نے لوگوں کو مالا مال کر

---

[1] پروکوپیوس، ۲، ۱۴، [2] پہلوی میں ویہ اردشیر کے معنی "اچھا اردشیر" ہونا چاہئیں لیکن نولدکہ کی رائے میں اس کے صحیح معنی "اردشیر کا گھر" ہیں، لفظ ویہ آرامی زبان میں بیت ہے (دیکھو ویانا کا رسالۂ علوم مشرقی، ۱۹۰۲ء، ص ۷)، [3] زارہ ہرتسفلٹ: کتاب مذکور، ص ۵ بعد

رکھا تھا، سونے کی زنجیریں اور چوڑیاں وہاں کچھ زیادہ قیمتی چیزیں نہیں سمجھی جاتی تھیں چنانچہ عورتیں ان کو کثیر مقدار میں فقیروں کو بطور خیرات دے دیتی تھیں اور صدقہ جمع کرنے والے ان کو نقد روپے کی بجائے قبول کر لیتے تھے، لیکن وہاں کے رہنے والوں کو روحانی باتوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ تھی، عیش پرستی، شراب خواری اور بے اعتدالیوں کی وجہ سے وہ مورد ملامت تھے، "عورتیں سوائے کھانے کے کوئی کام نہیں کرتی تھیں"۔ سلوکیہ ماحوزا کی خاص صنعتوں میں وہاں کے مشہور تھیلے تھے اور ایک خاص قسم کی چٹائیاں جن پر کھجوریں سکھائی جاتی تھیں[۱]،

وہ اردشیر ایران کے عیسائیوں کا مرکز اور جاثلیق کا مسکن تھا، یہیں ان کا بڑا گرجا تھا جو سلوکیہ کا "کنیسۂ کبریٰ" کہلاتا تھا جو شاپور دوم کے عہد کی تعدی کے دور میں تباہ ہو گیا تھا اور پھر اس کے مرنے کے بعد دوبارہ تعمیر ہوا اور دولتِ بازنطینی کی مالی امداد سے کئی بار اس کی مرمت ہوئی، اس کے علاوہ عیسائیوں کی اور کئی متبرک عمارتیں تھیں مثلاً سینٹ نارکوس (نرسس؟) کا گرجا اور پادریوں کا مدرسہ جو چھٹی صدی میں قائم کیا گیا تھا، یعقوبیوں کی خانقاہ خاص طیسفون میں تھی، دو اور گرجے یعنی سینٹ میری کا گرجا اور سینٹ سرجیوس کا گرجا بعد میں خسرو دوم نے بنوائے تھے[۲]،

وہ اردشیر اور طیسفون میں یہودیوں کی بھی خاصی آبادی تھی، وہاں ان کا ایک مدرسۂ عالیہ تیسری صدی سے قائم تھا اور بیبی لونیا کی یہودی قوم کا سردار

---

[۱] "مقالات جغرافیا و علم الاقوام" (جرمن)، ص ۴۰ ببعد،
[۲] شٹرک: "سلوکیہ و طیسفون"۔ ص ۴۵ - ۴۶،

جس کو ریش گالوتا (رأس الجالوت) کہتے تھے ماحوزا میں رہتا تھا،[1]

ویہ اردشیر کے شمال کی طرف تقریباً پانچ کیلومیٹر کے فاصلے پر درزنیدان کا چھوٹا سا شہر واقع تھا،[2] ایک اور شہر ولاش آباد (سابات) جس کو ولاش نے آباد کیا تھا دجلہ کے دہنے کنارے پر غالباً ویہ اردشیر کے مغرب کی طرف تھا،[3]

غرض اُن شہروں میں سے جن کے مجموعے سے ایران کا پایہ تخت بنتا تھا ہمیں پانچ کا علم ہے: طیسفون کا قدیم شہر اور رُومگان جو دریا کے مشرقی کنارے پر واقع تھے، ویہ اردشیر (سلوکیہ)، درزنیدان اور ولاش آباد جو مغربی کنارے پر تھے، اگر ہم محلہ اسپان بر کو جو دریا کے بائیں کنارے پر تھا اور ماحوزا کو جو دہنی طرف تھا مستقل شہر شمار کریں تو سات کی تعداد پوری ہو جاتی ہے،

کھدائی کا کام جو ۱۹۳۱/۱۹۳۲ء میں ام السعاتر اور المعاریذ میں (جو طاق کسری کے شمال اور مشرق میں دو ٹیلے ہیں) کیا گیا تھا اس سے ساسانی محلات کی چند بنیادیں برآمد ہوئی ہیں جن کا نقشہ دوبارہ قائم کرنے میں موسیو واُخٹس مُوٹ کو کامیابی ہوئی ہے، اس کھدائی میں اسٹر کاری کے آرائشی کام کے کچھ نمونے دستیاب ہوئے ہیں جن میں گلاب کے پھول، کھجور کے پتے، گلکاری کا ابھرواں کام (جو اسلامی آرٹ کا پیشرو تھا)، جانوروں کی شکلیں، مستطیل سلیں جن پر ریچھوں اور سؤروں کی برجستہ تصویریں بنی ہیں، درخت زندگی کی تصویر جس پر مور بیٹھے ہیں، مربع اینٹیں جن پر شاہزادوں اور شاہزادیوں

---

[1] "مقالات جغرافیا و علم الاقوام" ص ۱۹، ۲۳-۲۴، ۳۹-۴۳، ۶۱-۶۲، سٹرک، ص ۲۷، ۶۳، نیز دیکھو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، عنوان "مدائن"
[2] سٹرک، ص ۳۶، [3] طبری، ص ۸۸۳،

کے نیم مجسمے بنائے گئے ہیں وغیرہ وغیرہ پائے گئے ہیں، عمارتوں کے ملبے میں بعض ٹکڑے ایسے بتوں کے بھی ملے ہیں جو ناچنے والی عورتوں اور بربط بجانے والوں اور شرابیوں کے مجسّمے ہیں کہ بستروں پر مست پڑے ہیں[۱]،

شاہی محل دریا کے دونوں کناروں پر تھے، شاپور دوم کے زمانے سے ایک نہایت خوبصورت چھوٹا سا شکار کا محل سلوکیہ کے باہر ایک میدان میں کھڑا تھا جہاں جھاڑیاں، انگور کی بیلیں اور سرو اُگے ہوئے تھے، اس کے کمروں کی دیواروں پر ایرانیوں کے دستور کے مطابق تصویریں بنی ہوئی تھیں جن میں بادشاہ کو شکار میں ہر قسم کے وحشی جانوروں کو مارتے ہوئے دکھایا گیا تھا کیونکہ بقول امّیان "اہل ایران کی مصوّری اور بت تراشی میں سوائے جنگ اور خونریزی کے کوئی چیز نہیں دکھائی جاتی[۲]"، معمولاً بادشاہ خاص طیسفون میں سکونت رکھتا تھا جہاں شاہی محل دریا سے اس قدر قریب واقع تھا کہ بعض اوقات پُل پر لوگوں کی آمد و رفت کے شور سے بادشاہ کی نیند میں خلل واقع ہوتا تھا، یہی وجہ تھی کہ شاپور دوم نے دوسرا پُل بنانے کا حکم دیا تھا، یہ محل غالباً وہی "کاخِ سفید" تھا جس کو اختتام سلطنت ساسانی کے ڈھائی سَو برس بعد خلیفہ المعتضد اور المکتفی نے اس غرض سے مسمار کرا دیا تھا کہ اس کا مسالہ بغداد میں ایک محل کی تعمیر میں صرف کیا جائے[۳]،

---

[۱] شمٹ: "سیریا" ۱۹۳۴ء،

[۲] تاریخ امّیان: کتاب ۲۴، ۶، ۳،

[۳] زارہ ہرٹسفلٹ، کتاب مذکور، ج ۲، ص ۷۶،

لیکن شاہان ساسانی کی عمارتوں میں سب سے زیادہ مشہور وہ محل ہے جس کو ایرانی طاق کسریٰ یا ایوانِ کسریٰ کہتے ہیں، وہ محلۂ اسپان بر میں واقع تھی اور آج بھی اس کے کھنڈرات سیاحوں کے لیے حیرت کا موجب ہیں[1]، (دیکھو تصویر)، از روئے افسانہ اس کی بنا خسرو اوّل کی طرف منسوب کی جاتی ہے، ہرتسفلڈ کی رائے ہیں وہ شاپور اوّل کے زمانے کی تعمیر ہے لیکن موسیو رائٹر[2] مقبولِ عام روایت کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ طاق خسرو اوّل کے محل میں دربار کا ہال کمرہ تھا، محل اور اس کے متعلقات کے کھنڈرات کا مجموعی رقبہ ۳۰۰ × ۴۰۰ میٹر ہے جس میں ایک تو طاق ہے اور اس کے مشرق کی جانب تقریباً سو گز کے فاصلے پر ایک عمارت کی کچھ ٹوٹی پھوٹی دیواریں ہیں اور جنوب کی طرف ایک ٹیلہ ہے جس کو "حریم کسریٰ" کہتے ہیں اور شمال کی طرف بعض عمارتوں کے ڈھیر ہیں جو ایک جدید قبرستان کے نیچے آگئے ہیں، ان تمام عمارات میں سے صرف طاق ایک ایسا حصہ ہے جس کے کافی آثار اب تک باقی ہیں، اس کے سامنے کا رُخ جو مشرق کی جانب کو ہے ۲۹ گز اونچا ہے، اس میں ایک دیوار ہے جس میں کوئی کھڑکی نہیں ہے لیکن وہ برجستہ ستونوں اور محرابوں سے آراستہ ہے، چھوٹی چھوٹی محرابوں کی قطاریں

[1] اس عمارت کے ایک حصے کی تخریب کا ذمہ دار خاندان عبّاسی کے ابتدائی خلفا میں سے کوئی ہے، عربی مصنفین میں سے اکثر منصور کا نام لیتے ہیں (۷۵۴ء - ۷۷۵ء)، اس کو مسمار کرنے کا کام بعد میں چھوڑ دیا گیا تھا کیونکہ اس کی لاگت اُس نفع سے جس کی توقع تھی کہیں زیادہ تھی، اس کے متعلق ایک افسانہ آمیز بیان ایک پارسی روایت میں پایا جاتا ہے (روایت داراب ہرمزیار، ج ۲، بمبئی ۱۹۲۲ء، ص ۲۴۰ ببعد)، نیز دیکھو سٹرک: کتاب مذکور، ص ۶۱،

[2] رسالۂ "قدامت"۔ ج ۳، دسمبر ۱۹۲۹ء ص ۴۴۷،
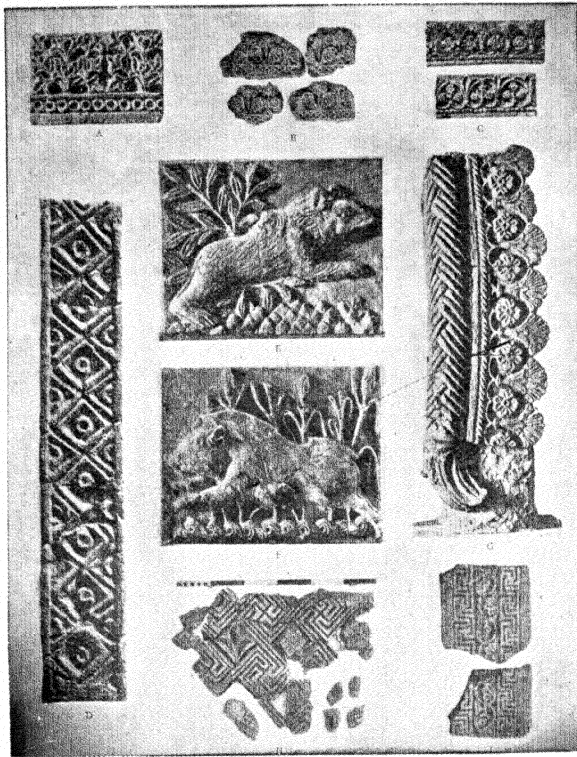
استرکاری میں آرائشی کام کے نمونے (طیسفون)
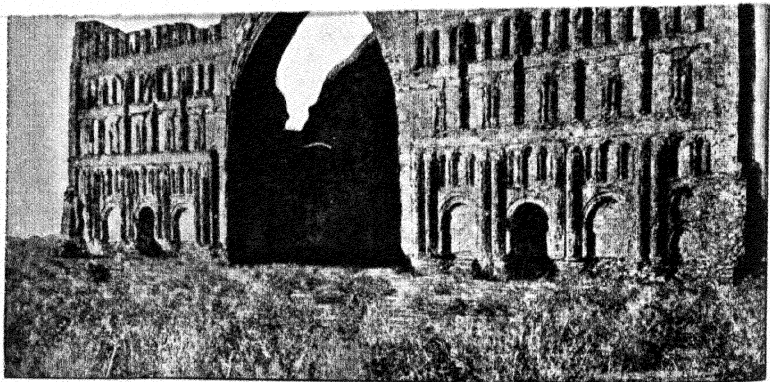
طاق کسریٰ ۱۸۸۸ء میں

چار منزلوں میں بنی ہوئی ہیں، اس قسم کی دیواروں کے نمونے مشرق کے اُن شہروں میں جہاں یونانیت کا اثر زیادہ ہوا خصوصاً پلمیرا میں ڈھونڈے جا سکتے ہیں، اس عمارت کے سامنے کے رُخ پر شاید رنگین استر کاری کی گئی تھی یا سنگ مرمر کی تختیاں مڑھی گئی تھیں یا (جیسا کہ بعض جدید مصنّفوں نے دعویٰ کیا ہے) تانبے کے پترے جن پر سونے یا چاندی کا ملمّع کیا گیا تھا چڑھائے گئے تھے، لیکن اس آخری دعوے کے متعلق موسیو ہرتسفلٹ کو کسی قدیم مأخذ میں کوئی اطلاع نہیں ملی، ۱۸۸۸ء تک سامنے کا رُخ اور مرکزی ہال کمرہ اپنی جگہ پر قائم تھے لیکن اُس سال شمالی بازو خراب ہو چکا تھا اور اب جنوبی بازو بھی گرنے کو ہے، سامنے کی دیوار کے وسط میں بیضوی شکل کی عظیم الشان محراب کا دہانہ ہے جس کی گہرائی محل کی عمارت کے آخر تک چلی گئی ہے، یہ دربار کا ہال کمرہ تھا جس کی لمبائی ۴۳ میٹر اور چوڑائی ۲۵ میٹر تھی، سامنے کے رُخ کے دونو بازوؤں کے عقب میں پانچ پانچ کمرے تھے جو اونچائی میں طاق سے بہت کم تھے اور جن پر محراب دار چھتیں تھیں اور باہر کی طرف سے ایک بلند دیوار سے گھرے ہوئے تھے، عمارت کی مغربی دیوار کے پیچھے غالباً وسط میں ایک مربّع شکل کا ہال کمرہ تھا جو دربار کے کمرے کا جوڑ تھا اور اس کے دونو طرف دو چھوٹے چھوٹے کمرے تھے، تمام دیواریں اور محرابیں اینٹوں کی بنی ہوئی تھیں اور اُن کے آثاروں کی چوڑائی غیر معمولی تھی[1]، اہل جرمنی نے جو کھدائی حال میں کی ہے اس سے عہد ساسانی کی آرائشی استر کاری کے قطعات بر آمد ہوئے ہیں،

---

[1] زارہ ہرتسفلٹ، ص ۶۰ - ۷۶، نیز مقابلہ کرو دیولافوا، ج ۵، آرٹیکل ۶،

طاق کسریٰ کی ساخت تمدّن کے ابتدائی مدارج کا نمونہ ہے، وہ دیکھنے والوں کو اپنی مجموعی شکل یا جزئیات کی خوبصورتی سے اس قدر حیرت و رعب میں نہیں ڈالتی جتنا کہ اپنی جسامت اور اپنے طول و عرض سے، بادشاہ معمولاً یہیں رہتا تھا، ابن خرداذبہ لکھتا ہے[1] کہ "اینٹ اور چونے کی تمام عمارتوں میں بہترین خسرو کا محل ہے جو مدائن میں ہے"۔ اس کے بعد اس نے بحتری کے وہ اشعار نقل کیے ہیں جن میں اس محل کی شاعرانہ توصیف کی گئی ہے :-

وکأنّ الأیوانَ مِن عَجبِ الصَّنعَۃِ جَوبٌ فی جنب أرعَنَ جلسِ

مُشْمَخِرٌّ تعلولہ شُرُفاتٌ　　رُفِعَتْ فی رُؤُسِ رَضْوَیٰ وقُدْسِ

لَیسَ یُدْرَیٰ أَصُنْعُ إِنسٍ لِجِنٍّ　　سکنوہ أم صُنْعُ جِنٍّ لِإِنسِ

یعنی محل کی حیرت انگیز بناوٹ کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ کسی پہاڑ کی اونچی چوٹی میں سے تراشا گیا ہے، وہ اتنا بلند ہے کہ گویا اس کی دیواروں کے کنگرے کوہ رضوی اور کوہ قدس پر اٹھائے گئے ہیں، پتہ نہیں چلتا کہ آیا اس کو آدمیوں نے جنّوں کے رہنے کے لیے بنایا ہے یا جنّوں نے آدمیوں کے لیے،

یہی محل تھا جہاں شاہنشاہِ ایران اپنے پُرشوکت دربار کے حلقے میں سکونت رکھتا تھا اور یہیں سے وہ سلطنت کے معاملات پر احکام جاری کرتا تھا، عربی اور فارسی مصنّفین نے انتظامِ سلطنت کے بارے میں جو تفصیلات بیان کی ہیں ان میں سے بعض خسرو اوّل اور اس کے جانشینوں کے زمانے کے ساتھ مربوط ہیں، مرکزی حکومت کا نظم و نسق چند دفتروں کے ذریعے

---

[1] طبع یورپ، ص ۱۶۲،

سے ہوتا تھا جن کو پہلوی میں "دیوان[1]" کہتے تھے، ان دفتروں میں جو ضابطہ اور سلیقہ کارفرما تھا اس کو بالتفصیل معین کیا گیا تھا، ہمیں مستقیماً اس بات کا علم نہیں ہے کہ دفتروں کی تعداد کیا تھی اور نظام حکومت میں ہر ایک کے اختیارات کی حدود کہاں تک تھیں، صرف اتنی بات معلوم ہے کہ بادشاہ کی کئی مختلف مُہریں ہوتی تھیں ایک مخفی مراسلات کے لیے ایک سرکاری خطوط کے لیے ایک فوجداری عدالت کے لئے ایک تفویضِ عہدہ و اعزاز کے لیے اور ایک امور مالیات کے لیے[2]، میرے خیال میں ہم اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک صیغے کے لیے کم از کم ایک دیوان ضرور ہوتا ہوگا، لیکن اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ یہ فہرست مکمّل ہے کیونکہ یہ قرین قیاس ہے کہ ایک دیوان فوجی امور کے لیے ایک محکمۂ ڈاک کے لیے ایک ٹکسال اور اوزان کے لیے اور شاید ایک جاگیرہائے خالصہ کے لیے ضرور ہوگا، علاوہ اس کے یہ بات بھی ذرا مشکل سے سمجھ میں آتی ہے کہ حکومت کے سب سے اہم محکمے یعنی محکمۂ مالیات کے لیے کئی دیوان نہ ہوں جیسا کہ بعد میں بنو امیہؓ اور بنو عبّاس کے زمانے میں تھے[3]۔

---

[1] ہیوبشمن: ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۱۴۳، اس لفظ کو بعد میں اسلامی نظامِ حکومت میں بھی اختیار کیا گیا، بقول ابن خلدون (طبع یورپ، ص ۱۶) دیوان کا لفظ شروع میں اُن رجسٹروں کے لیے استعمال ہوتا تھا جن میں آمدنی اور خرچ کا حساب لکھا جاتا تھا، رفتہ رفتہ وہ اس جگہ کے لیے استعمال ہونے لگا جہاں محکمۂ مالیات کے ملازم کام کرتے تھے اور آخر میں وہ تمام دوسرے دفتروں کے لیے عام ہوگیا،

[2] بلاذری بحوالۂ ابن المقفع، دیکھو نولڈکہ، ص ۳۵۴ ح ۲، [3] مقابلہ کرو اوپر، ص ۱۵۸-۱۵۹، اور ۱۷۴-۱۷۶، بنو امیہؓ کے زمانے میں ایک خراج کا دفتر تھا اور ایک اراضیِ بیت المال کی آمدنی کے حساب کا دفتر تھا، عبّاسیوں کی حکومت میں خلیفہ متوکّل کے عہد میں ایک دفتر خراج کے لیے تھا اور ایک اخراجات کے حساب کے لیے، (فان کریمر، تاریخ تمدّن مشرقی بعہد خلفاء ج ۱، ص ۱۷۴ و ۱۹۹)

بلاذری کی کتاب میں ان دفتروں خصوصاً دفتر مالیات کے طریقۂ کار پر کچھ اطلاعات ملتی ہیں[1]، مثلاً یہ کہ وصول شدہ رقموں کی میزانیں بادشاہ کے حضور میں بآواز بلند پڑھ کر سُنادی جاتی تھیں اور سال کے سال واستریوشان سالار مختلف ٹیکسوں کی آمدنی اور خزانے کی حالت پر ایک رپورٹ بادشاہ کو پیش کرتا تھا جس پر بادشاہ اپنی مُہر لگا دیتا تھا، خسرو دوم نے جس کو چمڑے کے کاغذ کی بو پسند نہیں تھی حکم دیا تھا کہ سالانہ رپورٹ ایسے کاغذوں پر پیش کی جایا کرے جن کو گلاب میں بھگو کر زعفران سے رنگا گیا ہو، جب بادشاہ کوئی فرمان جاری کرتا تھا تو شاہی سکرٹری (ایران دبیربذ ؟) اس کے حضور میں بیٹھ کر اس کو لکھتا تھا، ایک اور عہدہ دار اس بات پر مأمور تھا کہ پرتال کی خاطر اس فرمان کو اپنے رجسٹر میں درج کرے، مہینے کے مہینے یہ رجسٹر مرتب ہوتا تھا اور بادشاہ کی مُہر لگ کر محافظ خانے میں رکھوا دیا جاتا تھا، اصل فرمان کو سب سے پہلے بادشاہ کے مُہردار کے پاس بھیجا جاتا تھا جو اُس پر مُہر لگا کر اُس عہدہ دار کے پاس بھیج دیتا تھا جو اس کے اجراء کا ذمّہ دار ہوتا تھا، وہ اس کو ایران کے آدابِ انشاء کے مطابق نقل کرتا تھا اور اصل اور نقل دونو کو دبیر کے پاس روانہ کر دیتا تھا جو اُسے بادشاہ کے حضور میں پیش کرتا تھا، اس کے بعد وہ اپنے رجسٹر کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتا تھا، اگر دونوں کا مضمون بالکل ایک ہو تو وہ اُس پر بادشاہ کے سامنے یا اُس کے سب سے زیادہ معتبر ہمراز کی موجودگی میں مُہر لگاتا تھا جس کے بعد فرمان جاری کر دیا جاتا تھا،

[1] بحوالۂ ابن المقفع، دیکھو نولڈکہ ص ۳۵۲، ح ۲،

شاہی فرامین، عہد ناموں اور دوسری سرکاری دستاویزوں پر جو شاہی مُہر لگائی جاتی تھی وہ ایک حلقے کی شکل میں تھی جس پر جنگلی سؤر (وراز) کی تصویر کھُدی ہوئی ہوتی تھی، جب کسی دوسری حکومت کے ساتھ (خواہ وہ ایران کے ماتحت ہو یا آزاد ہو) کوئی اقرار نامہ طے ہوتا تھا تو دستاویز لکھ کر اس کے ساتھ نمک کی ایک تھیلی جس پر شاہی مُہر لگتی تھی بھیجی جاتی تھی جس کے یہ معنی ہوتے تھے کہ اقرار نامہ ناقابلِ فسخ ہے[1]،

بادشاہ کے گرد بہت سے ممتاز اور باالقاب درباری ہوتے تھے، مثلاً ایک تگربذ تھا جس کو رئیسِ دربار سمجھنا چاہیے[2] ایک اندیمان کاران سردار (یا سالار) تھا جو میرِ تشریفات کا مترادف ہے[3] اور ایک خرّم باش یعنی حاجب و پردہ دار تھا، ان سے اُتر کر محل کے داروغے، جمعدار، ساقی (مے بذ؟)[4]، کھانا چکھنے والے (پذشخور؟)[5]، رئیس مطبخ (خوانسالار)[6]، حجّاب (سنکپن، یا سنکپت بشکل ارمنی)[7] رئیس بازداران (شاہ بان؟)[8]، رئیس اصطبل (اخورُبذ یا اخورُ سالار یا ستوربان)[9]، رئیسِ دربانان (دربان سالار)[10] وغیرہ وغیرہ تھے، بادشاہ کے

---

[1] فاؤسطوس بازنیتنی طبع لانگلوا، ص ۲۶۹، پاتکانیان، مجلّہ آسیائی سنہ ۱۸۶۶ء، حصّۂ اوّل، ص ۱۱۳، مسعودی نے نہایت تفصیل کے ساتھ خسرو اوّل کی چار مُہروں اور خسرو دوم کی نو مہروں کا حال لکھا ہے (مروج الذہب، ج ۲، ص ۲۰۴ و ۲۲۸)، [2] ہرتسفلت: پائی گُلی، فرہنگ نمبر ۹۹۹،
[3] بارتھولمی: فرہنگ ایران قدیم، ص ۱۵۹، ہرتسفلت: پای گُلی، فرہنگ نمبر ۱۰۰،
[4] یہ لقب مشکوک ہے، دیکھو ہیوبشمن، ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۶۹، [5] ہوفمن، ص ۹۵،
[6] اردشیر سوم کو جو سات سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا خوانسالار ماہ آذر گشنسپ نے پالا تھا (طبری ص ۱۰۶۱)، [7] پاتکانیان، مقام مذکور ص ۱۱۵، [8] ایضاً، [9] ہیوبشمن، ص ۹۳، کارنامگ ۲، ۳، [10] اون والا: "شاہ خسرو اور اس کا غلام"۔ فرہنگ نمبر ۱۸۹،

باڈی گارڈ (پُشتیگ بان)[1] میں سپاہیوں کی خاصی تعداد تھی، اس کا کام بادشاہ کی محافظت کرنا اور اس کے جلو میں چلنا تھا۔ اس کا سردار پشتیگ بان سالار کہلاتا تھا جس کی دربار میں سب سے زیادہ قدر و منزلت تھی[2]، خسرو اوّل و دوم کے زمانے میں ہمیں ہزار بذ کا لقب بھی ملتا ہے جس کے معنے "ہزار آدمیوں کا سردار" ہیں لیکن پہلے کی طرح وہ وزیر اعظم کا لقب نہیں ہے بلکہ لفظ کے اصلی معنوں میں باڈی گارڈ کا افسر ہے[3]، ہمہ ہرز کے لقب سے غالباً دستۂ پُشتیگ بان یا کسی اور محافظ فوج کے افسر مراد تھے[4]، ساسانیوں کے آخری زمانے میں یہ دستہ عالی نسب لوگوں پر مشتمل تھا[5]، جب بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوتا تھا تو باڈی گارڈ کے سپاہی دو صفوں میں کھڑے ہو جاتے تھے، ہر سپاہی زرہ، خود، ڈھال اور تلوار سے مسلّح ہوتا تھا اور اس کے ایک ہاتھ میں نیزہ ہوتا تھا، جب بادشاہ اس کے برابر سے گزرتا تو وہ اپنی ڈھال کو بادشاہ کی زین کے کنارے کی طرف بڑھا کر اپنے سر کو اتنا جھکاتا کہ پیشانی ڈھال کو چھو جاتی[6]،

لوگوں کی بعض اور جماعتیں بھی تھیں جن کا بادشاہ پر ذاتی اثر تھا اور اس وجہ سے وہ سلطنت ساسانی میں بڑی اہمیت رکھتی تھیں، ان میں سب سے

---

[1] ہیوبشمن، ص ۲۵۵، [2] کارنامگ میں پشتیگ بان سالار کو موبذان موبذ، ایران سپاہ بذ، و بہیران مہشت اور معلّم اسواران کے پہلو بہ پہلو بادشاہ کے خاص ندیموں میں شمار کیا گیا ہے (۷،۱۰)، [3] دیکھو اوپر، ص ۱۴۵، [4] بہرصورت ہمہ ہرز کا عہدہ ایک ممتاز عہدہ تھا، ارمنیوں نے انٹیگونوس کو سکندر اعظم کا ہمہ ہرز بتلایا ہے (ہیوبشمن، ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۱۷۷)، [5] باڈی گارڈ کے معمولی سپاہی بھی نجباء میں سے ہوتے تھے، (دیکھو نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۳۹۱، ح ۱)، [6] طبری، ص ۱۰۶۳،

پہلے نجومی (اخترمار) تھے جن کا رئیس اخترماران سردار کہلاتا تھا جس کا رتبہ دبیروں[1] اور غیب گویوں کے برابر تھا، شاہانِ ساسانی اپنے پیشرو اشکانیوں کی طرح نجومیوں سے ہر بات میں مشورہ اور ہدایت طلب کرتے تھے، بقول مؤرخ امیان مارسیلینوس شاپور دوم "جہنم کی تمام طاقتوں سے طالبِ ہدایت ہوتا تھا اور غیب گویوں سے آیندہ کا حال پوچھا کرتا تھا"[2]۔ یزدگرد اوّل نے دربار کے تمام نجومیوں سے اپنے نوزائیدہ بچے کا زائچہ تیار کرایا تھا[3]، خسرو دوم نے اپنے تمام غیب گویوں، جادوگروں اور نجومیوں کو جو تعداد میں ۳۶۰ تھے جمع کرکے پوچھا کہ دجلہ پر بند کی تعمیر شروع کرانے کے لیے کونسا وقت مبارک ہوگا، چونکہ آخر میں اسے اس تعمیر میں ناکامی ہوئی اس لیے ان میں سے بہت سوں کو اس نے مروا ڈالا[4]، ہم طبعاً یہاں اس بات کو معلوم کرنا چاہینگے کہ جادوگروں اور منجموں کو علمائے مذہب کے ساتھ کس قسم کا رابطہ تھا، اس میں کوئی شک نہیں (اور اگاتھیاس منجملہ اور مؤرخوں کے اس بات کی تائید کرتا ہے[5]) کہ علمائے مذہب خود اپنے آپ کو غیب گوئی کے فن کے ساتھ مربوط کرتے تھے، دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ مغوں نے قدیم کلدانیوں کا ورثہ حاصل کیا تھا[6]، نجومیوں کے علاوہ دربار کے طبیب (دُرُشت بذ) تھے جو خسرو اوّل اور خسرو دوم کے زمانے میں بیشتر عیسائی ہوتے تھے[7]، ایک اور جماعت شعرائے دربار کی تھی، خواجہ سرائوں

[1] نامۂ تنسر، ص ۱۴،۲ از طبع ڈارمسٹیٹر و ص ۱۲ از طبع مینوی، [2] تاریخ امیان، جز ۱۸، ۴، ۱،
[3] طبری، ص ۸۵۴، [4] طبری، ص ۱۰۰۹، [5] ج ۲، ص ۲۶،
[6] قدیم کلدانی علم نجوم کے ماہر تھے لہذا اُن کے ورثے سے مراد علم نجوم ہے (مترجم)،
[7] لابور، ص ۱۹۲، ۲۱۹، علم طب کے متعلق دیکھو آگے اسی باب کے آخر میں،

کی جماعت بھی جن کا سردار غالباً مرو بذ[1] کہلاتا تھا بڑی اہمیت رکھتی تھی لیکن وہ بظاہر کبھی طبقۂ نجباء میں شمار نہیں کیے گئے،

دربارِ عام طاقِ کسریٰ کے ہال میں ہوتا تھا، روزِ معیّن پر لوگوں کا انبوہ محل کی ڈیوڑھی (اَپدانَ) پر جمع ہو جاتا تھا اور آن کی آن میں سارا ہال بھر جاتا تھا، فرش پر نہایت نرم قالین بچھائے جاتے تھے اور دیواروں کے بعض حصّوں پر بھی قالین لٹکائے جاتے تھے، دیواروں کا جتنا حصّہ ننگا رہ جاتا تھا اس کو تصویروں سے سجایا جاتا تھا جو خسرو کے حکم سے غالباً اُن رومی مصوّروں نے بنائی تھیں جنھیں قیصر جسٹینین نے اس کے دربار میں بھیجا تھا[2]، ان تصویروں میں منجملہ اور مضامین کے انطاکیہ کا محاصرہ اور اُن لڑائیوں کے سین دکھائے گئے تھے جو اس شہر کے اردگرد ہوئی تھیں، خسرو کو تصویر میں اس طرح دکھایا گیا تھا کہ سبز لباس پہنے کمیت گھوڑے پر سوار ایرانیوں اور رومیوں کی صفوں کے آگے سے گزر رہا ہے[3]، شاہی تخت ہال کے سرے پر پردے کے پیچھے رکھا جاتا تھا، اعیانِ سلطنت اور حکومت کے اعلٰے عہدہ دار پردے سے مقرّرہ فاصلے پر جاگزین ہوتے تھے[4]، درباریوں کی جماعت اور دوسرے ممتاز لوگوں کے درمیان ایک جنگلا حائل رہتا تھا، اچانک پردہ اُٹھتا تھا اور شہنشاہ تخت پر بیٹھے دیبا کے تکیے پر سہارا لگائے زربفت کا بیش بہا لباس پہنے جلوہ گر ہوتا تھا، تاج جو سونے اور چاندی کا بنا ہوا اور زمرّد یاقوت اور موتیوں سے مرصّع تھا بادشاہ کے سر کے اوپر چھت کے ساتھ ایک سونے کی زنجیر کے ذریعے سے لٹکا رہتا تھا

[1] ہیوبشمن، ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۶۹، ح ۲، [2] تھیوفی لیکٹس، جزء ۵، ۶، ۱۰، [3] زارہ۔ ہرتسفلٹ، ج ۲، ص ۷۰، [4] آگے دیکھو،

جو اس قدر باریک تھی کہ جب تک تخت کے بالکل قریب آکر نہ دیکھا جائے نظر نہیں آتی تھی، اگر کوئی شخص دور سے دیکھتا تو یہی سمجھتا تھا کہ تاج بادشاہ کے سر پر رکھا ہوا ہے، لیکن حقیقت میں وہ اس قدر بھاری تھا کہ کوئی انسانی سر اس کو نہیں اٹھا سکتا تھا کیونکہ اس کا وزن ۹۱ ½ کیلو[۱] تھا۔ ہال کی چھت میں ۱۵۰ روشندان تھے جن کا قطر بارہ سے پندرہ سنٹی میٹر تھا، ان میں سے جو روشنی چھن کر اندر داخل ہوتی تھی اس کی پُراسرار کیفیت میں جو شخص پہلی مرتبہ اس رعب و جلال کے منظر کو دیکھتا تھا وہ اس قدر ہیبت زدہ ہوتا تھا کہ بے اختیار گھٹنوں کے بل گر پڑتا تھا، دربار کے بعد جب بادشاہ اٹھ کر چلا جاتا تھا تو تاج اسی طرح لٹکا رہتا تھا لیکن اس پر دیبا کا ایک کپڑا لپیٹ دیا جاتا تھا تاکہ اس پر گرد نہ پڑے، بلعمی لکھتا ہے کہ دربار کی یہ رسم خسرو اوّل نے جاری کی اور اس کے جانشینوں کے عہد میں جاری رہی[۲] حلقہ جس کے ساتھ تاج کی زنجیر چھت سے لٹکتی تھی سنہ ۱۸۱۲ء تک اپنی جگہ پر موجود تھا لیکن اس سال اُتار لیا گیا[۳]،

بادشاہ کی ہیئت اپنے لباس اور زیور میں ایسی باشکوہ تھی جس میں شوکت اور بربریت دونوں پائی جاتی تھیں، جان کریسوسٹوم[۴] چوتھی صدی میں ایران کے ایک بادشاہ کی جسمانی صورت کو کسی قدر گستاخانہ الفاظ میں بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "اس کی ڈاڑھی سنہری رنگ کی ہے اور اس کی ہیئتِ

---

[۱] ایک کیلو یا کیلوگرام ۲ ⅕ پونڈ کے برابر ہوتا ہے لہذا ۹۱ ½ کیلو تقریباً ڈھائی من ہوا، (مترجم)،
[۲] طبری، ص ۹۴۶، ثعالبی، ص ۷۰۰، بلعمی، ترجمہ زوٹن برگ، ج ۲، ص ۲۰۵-۲۰۶،
[۳] یوسٹی: تاریخ ایران قدیم، ص ۲۱۰، [۴] (John Chrysostom)، مشہور عیسائی واعظ اور سینٹ ہے، ۳۴۷ء میں انطاکیہ میں پیدا ہوا اور ۴۰۷ء میں بحالت جلاوطنی فوت ہوا (مترجم)،

مجموعی ایک عجیب الخلقت جانور کی سی ہے[1]"۔ تھیوفنی لیکٹس نے خسرو اوّل کے جانشین ہرمزد چہارم کی شخصیت کو بیش بہا لباس میں تخت شاہی پر بیٹھے ہوئے ذیل کے الفاظ میں بیان کیا ہے: "اس کا تاج سونے کا تھا اور جواہرات سے مرصّع تھا، سرخ یاقوتوں کی چمک جو اس میں جڑے ہوئے تھے آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی، اُن کے گرد موتیوں کی قطاریں جو اس کے بالوں پر لٹک رہی تھیں اپنی لہراتی ہوئی شعاعوں کو زمرد کی خوشنما آب و تاب کے ساتھ ملا کر ایسی عجیب کیفیت پیش کرتی تھیں کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں فرطِ حیرت سے کھلی رہ جاتی تھیں، اس کی شلوار ہاتھ کے بنے ہوئے زربفت کی تھی جس کی قیمت بے انداز تھی، فی الجملہ اس کے لباس میں اسی قدر زرق برق تھی جس قدر کہ نمود و نمائش کا تقاضا تھا[2]"۔ یہی بیان خسرو اوّل پر بھی صادق آسکتا ہے[3]، حمزہ اصفہانی نے اُس کتاب کی رُو سے جس میں شاہانِ ساسانی کی تصویریں بنائی گئی تھیں[3] خسرو کا حلیہ یوں بیان کیا ہے: "اس کی قبا سفید (یا منقش) زربفت کی ہے اور شلوار آسمانی رنگ کی ہے اور وہ اپنے تخت پر تلوار سے ٹیک لگائے بیٹھا ہے[4]"۔

اسی وضع میں اس کی تصویر ایک نہایت خوبصورت پیالے کی تہ میں بنائی گئی ہے جو پیرس کے قومی کتبخانے میں محفوظ ہے، یہ تصویر سنگِ بلور کے ٹکڑوں کے ایک دائرے کے اندر بنی ہے جس کے گرد گلاب کے پھولوں کے تین دائرے میناکاری کے کام میں بنائے گئے ہیں، پھول باری باری سے

---

[1] دیکھو نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۴۵۳، [2] تھیوفنی لیکٹس، جزو ۴، ص ۳، [3] دیکھو اوپر، ص ۸۱ - ۸۲، [4] تاریخ حمزہ، طبع برلن، ص ۳۹،
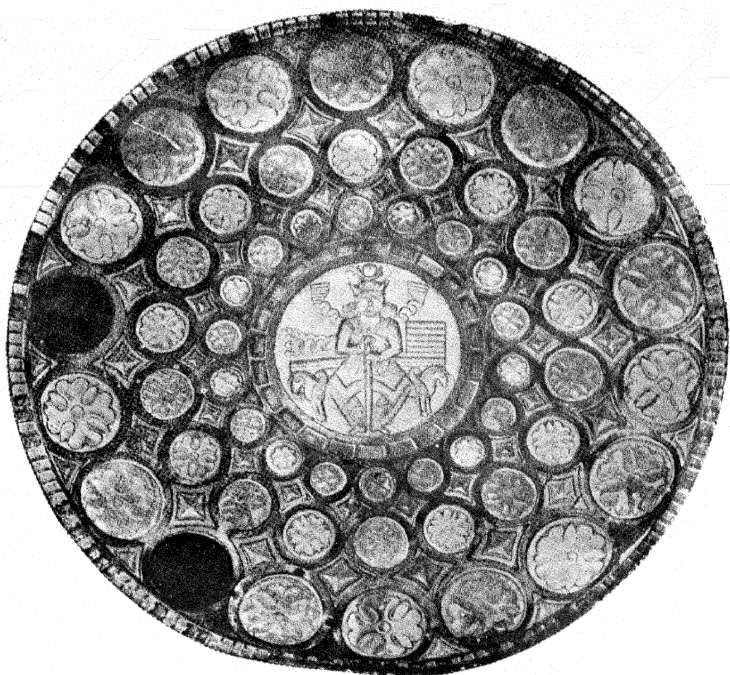
پتھر کی خاتم کاری میں خسرو اوّل کی تصویر

(پیالہ)

سکۂ خسرو اوّل

(انوشیروان)

سرخ اور سفید ہیں اور سونے پر جڑے گئے ہیں، (دیکھو تصویر) بادشاہ کو سامنے کی طرف سے تخت پر بیٹھے ہوئے دکھایا گیا ہے جس کو پردار گھوڑے اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ دونو ہاتھ تلوار پر ٹیکے ہوئے ہے[۱]، شہر شاپور (فارس) میں ایک چٹان پر جو کسی فتح کی یادگار میں ایک برجستہ تصویر بنائی گئی ہے وہ غالباً خسرو اوّل ہی کی ہے[۲]، یہ تصویر کسی قدر بھونڈی سی بنی ہے، اس میں آدمیوں کی دو قطاریں دکھائی گئی ہیں، اوپر کی قطار کے وسط میں بادشاہ ایسی وضع کے ساتھ بیٹھا ہے جس کو دیکھ کر پیالے میں خسرو اوّل کی تصویر یاد آتی ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ اس میں اس کا بایاں ہاتھ ایک خنجر پر رکھا ہوا ہے اور دایاں ایک عصا یا نیزے پر ہے، بائیں طرف ارکانِ سلطنت اپنے روایتی انداز میں کھڑے ہیں یعنی دایاں ہاتھ چہرے کے برابر تک اٹھائے ہوئے ہیں، دائیں جانب اسیرانِ جنگ کو بادشاہ کے سامنے لایا جا رہا ہے، نیچے کی قطار میں بائیں طرف ایرانی سپاہی میدان جنگ سے ایک گھوڑا لا رہے ہیں اور دائیں طرف ایک شخص ہاتھ میں ایک کٹا ہوا سر پکڑے ہوئے ہے اور اس کے پیچھے کچھ اور اسیرانِ جنگ ہیں، ایک شخص ہاتھی پر سوار ہے اور کئی آدمی برتن اور دوسرا مال غنیمت اٹھائے لا رہے ہیں[۳]،

---

[۱] دیولافوا، ج ۵ پلیٹ نمبر ۲۲، فہرست نمونہ ہائے خاتم کاری در کتابخانۂ پیرس، نمبر ۳۷۹، زارہ: صنعت ایران قدیم، پلیٹ نمبر ۱۴۴، [۲] فلاندین وکوست، پلیٹ نمبر ۵۰،

[۳] موسیو زارہ نے برجستہ تصویر اور پیالے کی تصویر کی مشابہت سے اس بات کا ثبوت تو دیکھ لیا ہے کہ دونو تصویریں ایک ہی بادشاہ کی ہیں لیکن وہ اس بادشاہ کو خسرو دوم تشخیص کرتے ہیں، (ایران کی برجستہ حجاری، ص ۲۱۳ ببعد) برخلاف اس کے موسیو ہرسفالٹ پیالے کو خسرو اوّل کی طرف منسوب کرتے ہیں، تاج جو بادشاہ پہنے ہوئے ہے وہ یقیناً خسرو اوّل کا ہے، برجستہ تصویر میں تاج کی شکل واضح طور سے دکھائی نہیں دیتی،

سکّوں پر خسرو کو معمولی وضع کے مطابق مونچھوں اور نوکدار ڈاڑھی کے ساتھ دکھایا گیا ہے ، گلے میں موتیوں کا ہار اور سر پر تاج ہے جس کے پہلوؤں پر پر لگے ہوئے ہیں اور اوپر ایک ہلال ہے جس کے اندر ایک گیند رکھی ہوئی ہے ، (دیکھو تصویر) ،

جو شخص بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوتا تھا اس کو قدیم دستور کے مطابق سامنے آکر سجدہ کرنا پڑتا تھا ، طبری نے بیان کیا ہے کہ کس طرح یزدانوبہ جو کہ اُمرائے بزرگ میں سے تھا ایک پیغام لے کر بہرام پنجم کے حضور میں حاضر ہوا اور بادشاہ کا شکوہ و جلال دیکھ کر اس قدر مرعوب ہوا کہ سجدہ کرنا بھول گیا لیکن بادشاہ اس کی حیرت کا سبب سمجھ گیا اور اس کو ازراہ کرم معاف کر دیا[1] ، قاعدہ یہ تھا کہ پشتیگ بان سالار یا کوئی اور بڑا عہدہ دار جس کو محل کی دربانی کا کام سپرد ہوتا تھا بادشاہ کو آکر اطلاع دیتا تھا کہ فلاں شخص شرفِ باریابی حاصل کرنا چاہتا ہے ، جب بادشاہ اجازت دیتا تو وہ اندر داخل ہوتے وقت اپنی آستین میں سے سفید اور صاف کتان کا رومال نکال کر منہ کے آگے باندھ لیتا ، اس رومال کو پدام (اوستا : پایتی دانَ) کہتے تھے اور وہ اس لیے باندھا جاتا تھا کہ انسانی تنفّس سے مقدّس چیزیں اور عناصر وغیرہ ناپاک نہ ہو جائیں ، بادشاہ کے سامنے اس کو باندھنا اس کی جلالت کے تقدّس کے خیال سے تھا ، قریب آکر وہ شخص فوراً زمین پر گر پڑتا اور جب تک بادشاہ اُسے اُٹھنے کی اجازت نہ دیتا وہ اسی حالت

---

[1] طبری ، ص ۸۵۹ ،

میں پڑا رہتا، اُٹھنے کے بعد وہ "نہایت تعظیم کے ساتھ ہاتھ سے سلام کرتا[1]۔" جب بادشاہ اُسے بات کرنے کی اجازت دیتا تو وہ سب سے پہلے بادشاہ کے لیے دُعا کے طور پر کوئی رسمی جملہ منہ سے ادا کرتا مثلاً "انوشگ بوید" (سدا سلامت رہو!) اور یہ جملہ اکثر کہا جاتا تھا، یا "اوکامک رسی" (مراد کو پہونچو!)[2] وغیرہ،

شاہان ساسانی سے "شماخ بغان" (تم خدا) یا "تمہاری خدائی[3]" کے الفاظ سے خطاب کیا جاتا تھا، بادشاہ "مردان پہلوم" (اوّلین انسان) تھا[4]، اس سے خطاب کرتے وقت اس کا نام نہیں لیا جاتا تھا، جاحظ کی کتاب التاج میں ایک جگہ لکھا ہے[5] کہ یہ قاعدہ تھا کہ لوگ بادشاہ کا نام یا کنیت ہرگز زبان پر نہیں لاتے تھے نہ مدحیہ اشعار میں نہ سرکاری مذاکرات میں اور نہ مدح و ثنا میں، اسی طرح یہ بھی ممنوع تھا کہ جب بادشاہ چھینکے تو کوئی اُسے دُعا دے یا اگر وہ دعا کرے تو کوئی آمین کہے، کیونکہ "نیک بادشاہ پر یہ فرض ہے کہ اپنی نیک رعایا کے لیے دعا کرے لیکن نیک رعایا

---

[1] غالباً اُسی طریقے سے جو ہم برجستہ تصاویر میں دیکھتے ہیں یعنی داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت کو آگے بڑھاکر، سلام کے اس طریقے کو طبری نے (ص ۱۰۴۸) ایک خاص موقع پر بیان کیا ہے یعنی جب شیرویہ کا قاصد معزول بادشاہ خسرو دوم کے پاس اس کا پیغام لے کر جاتا ہے، خسرو اس وقت قید میں تھا لہذا گارد کے افسروں میں سے ایک شخص پردہ دار کے فرائض انجام دے رہا تھا، لیکن سوائے اس ایک بات کے باقی ہر طرح سے خسرو کی ویسی ہی تعظیم کی جا رہی تھی جیسی کہ بادشاہ وقت کی ہوتی ہے، (دیکھو نولدکہ، ص ۳۶۶، ح ۳)،

[2] کارنامگ، ۹، ۱۶ و ۱۰، ۷،

[3] جس طرح انگریزی میں یُوئر میجسٹی یا یُوئر ہائی نس وغیرہ کہا جاتا ہے (مترجم)، دیکھو فرہنگ پای گلی نمبر ۸۸، [4] نواڈیا: "عہد ساسانی کی ایک دوستانہ گپ شپ" (بزبان جرمن)، ص ۶ و ۸، [5] طبع قاہرہ، ص ۸۴،

پر یہ فرض نہیں ہے کہ وہ نیک بادشاہ کے لیے دعا کرے اس لیے کہ نیک بادشاہ کی دعا خدا کو سب سے زیادہ قبول ہے[۱]"۔ بادشاہ اور رعایا کے درمیان امتیاز کو اور بھی کئی طریقوں سے ظاہر کیا جاتا تھا، مثلاً جس روز بادشاہ سینگیاں لگواتا یا فصد کراتا یا کوئی دوائی کھاتا تو لوگوں میں منادی کرادی جاتی تاکہ تمام درباری اور پایہ تخت کے رہنے والے ان میں سے کوئی کام نہ کریں کیونکہ عقیدہ یہ تھا کہ اگر کوئی دوسرا شخص بھی اُس دن وہی علاج کرے تو پھر بادشاہ پر علاج کا اثر گھٹ جائیگا[۲]،

دربار کے سخت اور تفصیلی آداب کے بارے میں جاحظ کی کتاب التاج میں مفصّل اطلاعات ملتی ہیں[۳] جو غالباً گاہ نامک یا آئین نامک سے مأخوذ ہیں، مصنّف اہلِ دربار کی تین جماعتوں کا ذکر کرتا ہے جو ازروئے روایت اردشیر اوّل نے قائم کی تھیں، سب سے پہلی جماعت میں اسوار[۴] اور شاہزادے تھے، یہ جماعت دربار میں پردے سے جو بادشاہ اور درباریوں کے درمیان حائل ہوتا تھا دس ہاتھ کے فاصلے پر کھڑی ہوتی تھی، اس سے دس ہاتھ اور پیچھے ہٹ کر دوسری جماعت ہوتی تھی جس میں بادشاہ کے ندماء اور مصاحب

---

۱ جاحظ، ص ۹۰، ۲ ایضاً، ص ۸۹ - ۹۰، جاحظ نے اس پر یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ خسرو اوّل عموماً سنیچر کے روز سینگیاں لگواتا تھا اور اس روز صبح کے وقت منادی کی جاتی تھی کہ آج کوئی شخص سینگیاں نہ لگوائے، یہ اطلاع دلچسپ ہے کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانے میں ہفتہ شماری رائج تھی، (مقابلہ کرو اوپر، ص ۲۲۱، ح ۱)

۳ صفحہ ۲۲ پر جو کتاب الاغانی کا حوالہ دیا گیا ہے وہ بظاہر غلط ہے، اس کی بجائے ہمارے خیال میں "کتاب الآئین" (آئین نامک) ہونا چاہیے، ۴ جاحظ نے الأساورة من أبناء الملوك لکھا ہے (ص ۲۵)، مقابلہ کرو اوپر، ص ۹۲ ح ۴

اور محدّث ہوتے تھے جو اہل علم و فضل تھے، دوسری جماعت سے دس ہاتھ اور پیچھے تیسری جماعت کی جگہ تھی جس میں مسخرے اور بھانڈ اور بازیگر ہوتے تھے جو "اصحاب طرب" کہلاتے تھے، اس آخری جماعت میں بھی کسی خسیس الاصل مثلاً کسی جولاہے یا حجّام[1] کے بیٹے کو داخل نہیں ہونے دیتے تھے خواہ وہ اپنے فن میں کتنا ہی باکمال کیوں نہ ہو، اس کے علاوہ کوئی لولا لنگڑا یا ناقص الخلقۃ یا بیمار آدمی بھی دربار میں جانے نہیں پاتا تھا[2]، جاحظ لکھتا ہے[3] کہ اردشیر نے علم موسیقی اور اغانی کے ماہروں کو درباریوں کی پہلی جماعت کے برابر جگہ دی تھی اور ان کا وہی رتبہ بھی تھا، دوسری جماعت کے ہم رتبہ "اصحاب الموسیقیات" یعنی دوسرے درجے کے موسیقی دان تھے اور تیسری جماعت کے ہم پلّہ ستار نواز اور دوسرے تار والے سازوں کے بجانے والے تھے، ہر جماعت کا سازندہ اپنی ہی جماعت کے گویّے کے ساتھ بجاتا تھا اور اگر کبھی شاذونادر بادشاہ بحالت مستی کسی سازندے کو نچلی جماعت کے گویّے کے ساتھ بجانے کا حکم دیتا تھا تو وہ انکار کرتا تھا اور اپنے انکار کی تصویب کرتا تھا، ایسی حالت میں بادشاہ کے نوکر اس کو پنکھوں

---

[1] حجّام سے یہاں نائی مراد نہیں بلکہ سینگیاں لگانے والا، (مترجم)، [2] مسعودی نے مروج الذہب میں یہی روایت بیان کی ہے (ج ۲، ص ۱۵۳)، لیکن اس میں ایک اختلاف ہے (اور وہ بظاہر غلط ہے) یعنی یہ کہ اس نے ندماء اور محدثین کو پہلی جماعت میں شمار کیا ہے اور دوسری میں مرزبانوں اور باجگزار بادشاہوں کو اور سپاہبذوں کو، ثعالبی لکھتا ہے کہ شاہ ولاش نے مسخروں کو اپنی ملازمت میں رکھا تھا "تاکہ وہ اپنی بذلہ سنجیوں سے حکومت کے کام کو ہلکا کریں" اور اس کو خوش رکھیں، لیکن وہ ان کو تین جگہوں پر پاس آنے کی اجازت نہیں دیتا تھا ایک عبادتگاہ میں دوسرے دربار عام میں اور تیسرے میدان جنگ میں،

[3] کتاب التاج، ص ۲۵ - ۲۸،

اور چوریوں سے مارتے تھے لیکن وہ یہ کہ کر اپنے آپ کو تسلّی دیتا تھا کہ "اگر مجھے یہ مار بادشاہ کی مرضی سے پڑ رہی ہے تو جب وہ ہوش میں آئیگا تو یہ سن کر خوش ہوگا کہ میں نے اپنی جماعت کے حقوق کی حفاظت کی"۔ بادشاہ کے دربار میں دو غلام اس کام پر مأمور تھے کہ بادشاہ بحالتِ مستی جو کچھ منہ سے کہے اس کو لفظ بہ لفظ محفوظ رکھیں ایک اُن میں سے لکھاتا جائے اور دوسرا لکھتا جائے۔ اگلے دن صبح کو لکھنے والا بادشاہ کے سامنے وہ احکام پڑھ کر سناتا جو اس نے مستی کی حالت میں دیے تھے، تب بادشاہ اُس مطرب کو بلواتا اس کو خلعت بخشتا اور شاباش دیتا کہ اس نے ایک ناواجب حکم کو ماننے سے انکار کیا، اس روز بادشاہ اپنے لیے یہ سزا تجویز کرتا کہ دن بھر سوائے جَو کی روٹی اور پنیر کے کچھ نہ کھاتا، جاحظ نے یہ بھی لکھا ہے کہ بہرام پنجم (گور) نے اردشیر کے مقرّر کیے ہوئے قاعدوں میں بعض تبدیلیاں کیں جو چنداں قابلِ تعریف نہ تھیں، اگرچہ اس نے نجبا اور شہزادوں اور ہیربدوں کی جماعت کو اپنی جگہ پر قائم رکھا "لیکن ندماء اور گویّوں کو مساوی کر دیا اور مسخروں کو پہلی جماعت میں شامل کر لیا حالانکہ وہ سب سے نیچے کے طبقے میں تھے اور جن لوگوں نے اس کی مرضی کی مخالفت کی اُن کو دوسری جماعت میں اُتار دیا، ایسا کرنے سے اس نے اردشیر کی مقرّرات کو فاسد کر دیا خصوصاً جہاں تک کہ مطربوں اور گویّوں کا تعلق تھا"[۱]۔ یہ نئی صورت

---

[۱] جاحظ کے بیانات واضح نہیں ہیں، بقول مسعودی (مروج، ج ۲، ص ۱۵۳) جس کا مأخذ وہی ہے جو جاحظ کا ہے بہرام نے مطربوں کی جماعتوں میں تبدیلیاں کیں، جو درمیانی جماعت میں تھے ان کو پہلی جماعت میں ترقی دی اور جو نچلی جماعت میں تھے ان کو درمیانی جماعت میں داخل کیا، "ارکانِ سلطنت کی سات جماعتیں" (دیکھو اوپر، ص ۴۹۵) اور درباریوں کی تین جماعتیں دو مختلف چیزیں تھیں، مسعودی دونو کا علیحدہ علیحدہ ذکر کرتا ہے،

خسرو اوّل کے زمانے تک قائم رہی جس نے جماعتوں کی ترتیب کو دوبارہ اُسی طرح بحال کر دیا جس طرح کہ وہ بہرام پنجم سے پہلے تھی ،

جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں شاہی محل میں جو مجلسیں ہوتی تھیں اُن میں بادشاہ اور حاضرین کے درمیان ایک پردہ حائل ہوتا تھا ، بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ اور پردے کے درمیان دس ہاتھ کا فاصلہ ہوتا تھا اور پردے اور جماعت اوّل کے درمیان بھی دس ہاتھ کا فاصلہ رہتا تھا لہذا سب سے اگلی صف کے درباری بادشاہ سے بیس ہاتھ کے فاصلے پر ہوتے تھے ، جاحظ[1] اور مسعودی[2] ان مجلسوں کے آداب بیان کرنے میں لفظ بہ لفظ متفق ہیں :

پردہ داری کے فرائض ہمیشہ کسی اسوار[3] کے بیٹے کو تفویض کیے جاتے تھے جس کا لقب خرّم باش تھا ، جب بادشاہ اپنے ندیموں اور درباریوں کو بار یاب کرتا تھا تو خرّم باش کسی آدمی کو حکم دیتا کہ محل کی چوٹی پر چڑھ کر ایسی بلند آواز سے کہ سب سن سکیں یہ جملہ کہے : "اے زبان خبردار کہ اس وقت تو شہنشاہ کے حضور میں ہے !" یہ سن کر کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ آواز نکالے یا ذرا سی بھی حرکت کرے ، اس کے بعد پردہ اٹھتا تھا اور خرّم باش ایک کو حکم دیتا کہ فلاں چیز گاؤ اور دوسرے سے کہتا کہ تم فلاں راگ بجاؤ[4] ،

آدابِ دربار میں جاحظ نے ایک اور قاعدے کا ذکر کیا ہے[5] جس کے

[1] ص ۲۸ - ۲۹ ، [2] مروج ، ج ۲ ، ص ۱۵۸ ببعد ،
[3] دیکھو اوپر ، ص ۴۹۲ و ۵۳۶ ، [4] موسیقی پر ہم اگلے باب میں بحث کرینگے ،
[5] ص ۲۹ - ۳۰ ،

متعلق[1] وہ لکھتا ہے کہ اس کو اردوانِ احمر[2] نے جاری کیا تھا، حاضرینِ دربار میں سے جس کو بادشاہ سے کوئی درخواست کرنی ہو اس کو حکم تھا کہ کاغذ پر لکھ کر شغلِ شراب[3] سے پہلے بادشاہ کو پیش کرے تاکہ وہ مستی سے پہلے اُس کو پڑھ لے اور سمجھ لے، اگر کوئی شخص اس وقت کے علاوہ کسی اور وقت اپنی درخواست پیش کرتا تو اُس کی گردن مروا دی جاتی تھی، بہرام پنجم نے اس قاعدے کو بھی بدل دیا اور حکم دیا کہ جب بادشاہ حالتِ مستی میں ہو تو سب درخواستیں خرّم باش کو دے دی جایا کریں، خرّم باش ان کو بادشاہ کے سامنے پیش کر دیتا تھا اور وہ ان کو بغیر دیکھے ردّی کے ڈھیر میں پھینک دیتا اور حکم دیتا کہ سب درخواستوں کو منظور کیا جائے، لیکن بہرام کے بعد اس بے دریغ اسراف کو بند کیا گیا اور قاعدہ مقرّر کیا گیا کہ جو مطالبات حدِّ اعتدال سے متجاوز ہوں ان کو منظور نہ کیا جائے،

جب بادشاہ سفر کی تیاری کرتا تو اسوار اور امراء جو بالعموم اس کے رفقائے سفر ہوتے تھے اپنے گھوڑے معاینے کے لیے چابک سواروں کے پاس لاتے تھے کیونکہ یہ لازم تھا کہ جو لوگ بادشاہ کے ہم سفر ہوں اُن کے گھوڑے عمدہ حالت میں ہوں، نہ سُست رفتار ہوں نہ سرکش ہوں نہ ٹھوکر کھاتے ہوں نہ چمکتے ہوں اور نہ بادشاہ کے گھوڑے کے برابر آنا چاہتے ہوں، یہ بھی ضروری تھا کہ وہ راستے میں لید اور پیشاب نہ کریں، چنانچہ

---

[2] شاید شاہانِ اشکانی میں سے اردوان نام کے بادشاہوں میں سے کوئی ہوگا، (شاہانِ اشکانی میں پانچ اردوان ہوئے ہیں۔ مترجم)، [3] "شغل" کی بجائے "تنقّل" کا لفظ قابلِ ترجیح ہے،

اسی لیے ایک رات پہلے ان کو کھانے پینے کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا[1]، ان حالات میں بادشاہ کے ساتھ سفر میں جانا ایک مصیبت کا باعث ہوتا تھا اور یہ ایک ایسا فخر تھا جس کو حاصل کرنے کا کوئی چنداں خواہشمند نہ تھا، اسی مناسبت سے بادشاہ بہت زیادہ عرصے تک ایک ہی شخص کو اپنا ہمرکاب نہیں رکھتا تھا[2]،

جب بادشاہ مجلس سے غیر حاضر ہوتا تھا تو خاص جاسوس اس کام پر مأمور رہتے تھے کہ حاضرینِ دربار کی حرکات و سکنات کو دیکھتے رہیں تاکہ وہ اپنے طرز کلام اور ادب آداب حتیٰ کہ سانس لینے میں بھی وہی انداز قائم رکھیں جو بادشاہ کی موجودگی میں رکھا جاتا ہے، جو شخص اس ادب قاعدے کا پابند ہو اس کو "مردِ یک رخ" کہا جاتا تھا لیکن جس شخص کا رویہ بادشاہ کی موجودگی میں اور ہو اور غیر حاضری میں اَور ہو اس کو "دورخا آدمی" خیال کیا جاتا تھا اور بادشاہ اس کو منافق سمجھتا تھا[3]،

بادشاہ پر قاتلانہ حملوں کی روک تھام کے لیے خاص احتیاطیں کی جاتی تھیں، کسی شخص کو اس بات کا علم نہیں ہوتا تھا کہ بادشاہ رات کو کہاں سوتا ہے، کہتے ہیں کہ اردشیر اوّل، خسرو اوّل، خسرو دوم اور بہت سے دوسرے ساسانی بادشاہوں کے لیے چالیس مختلف جگھوں پر بستر بچھائے جاتے تھے اور اس پر بھی بعض وقت بادشاہ ان میں سے کسی بستر پر نہیں سوتا تھا بلکہ کسی معمولی سے کمرے میں بغیر بستر کے ہاتھ کا سرہانہ بنا کر لیٹ رہتا تھا[4]،

---

[1] جاحظ، ص ۷۷، پر اُس موبد کی حکایت ہے جس کے گھوڑے نے کواذ کے سامنے لید کردی تھی،
[2] جاحظ، ص ۸۰، [3] ایضاً، ص ۷۰،
[4] جاحظ، ص ۱۲۴،

بادشاہ کے پرائیویٹ کمرے میں کسی کو داخل ہونے کا حق نہ تھا یہاں تک کہ اس کا اپنا بیٹا بھی وہاں بغیر اجازت کے نہیں جا سکتا تھا، جاحظ اس بارے میں ایک دلچسپ حکایت بیان کرتا ہے[1]، یزدگرد اوّل نے ایک دن اپنے بیٹے بہرام[2] کو جو اس وقت تیرہ سال کا تھا[3] ایسی جگہ پر دیکھا جہاں اس کو آنے کا حق حاصل نہ تھا، اس سے پوچھنے لگا کہ آیا دربان نے تمہیں یہاں آتے دیکھا تھا؟ بہرام نے کہا ہاں، بادشاہ نے کہا کہ اچھا جاؤ اس کو تیس کوڑے مار کر نکال دو اور اس کی جگہ آزاذ مرد کو دربان مقرر کرو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، کچھ مدّت بعد ایک دن پھر بہرام نے وہاں آنا چاہا لیکن آزاذ مرد نے اس کے سینے پر زور کا مُکّا مارا اور کہا کہ " اگر میں نے پھر تجھے یہاں دیکھا تو تجھے ساٹھ کوڑے لگاؤں گا تیس اس بات کے کہ تُو نے پہلے دربان پر ظلم کیا اور تیس اس بات کے کہ وہی ظلم تُو مجھ پر نہ کرے"۔ بادشاہ کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو اُس نے آزاذ مرد کو بلوا کر خلعت اور انعام دیا،

بادشاہ کے لیے لازم تھا کہ اپنی رعایا کے ساتھ فیّاضی کرے خصوصاً اُن لوگوں پر جو اس کے حاشیہ نشین ہوں، اس کی سخاوت اس کی شوکتِ شاہانہ میں اضافہ کرتی تھی اور تاریخ میں اس کے بقائے نام کا موجب ہوتی تھی، نظام الملک نے روایت کی ہے کہ شاہانِ ساسانی کے ہاں قاعدہ تھا کہ

---

[1] جاحظ، ص ۱۲۵، [2] وہی تھا جو تخت نشین ہو کر بہرام پنجم ہُوا، [3] بقول طبری بہرام کو بہت چھوٹی عمر سے منذر (شاہ حیرہ) نے پالا تھا بعد میں وہ اپنے باپ کے دربار میں واپس آگیا اور کچھ مدّت وہاں رہا،

جس وقت بادشاہ کسی کی بات یا عمل پر خوش ہو کر لفظ زِہ (شاباش) سے اپنی خوشنودی کا اظہار کرتا تو خزانچی اس کو ہزار درہم دے دیتا[1] کارنامگ میں[2] لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جب موبدان موبد بادشاہ کے پاس کوئی خوشخبری لایا تو اس نے صلے میں اس کا منہ جواہرات سے بھروا دیا، بادشاہ کی خدمات کا صلہ پانے کا یہ عجیب طریقہ تھا جس کی مثالیں اسلامی زمانے میں بھی ملتی ہیں[3]

سب درباری بادشاہ کی سرکار سے تنخواہ پاتے تھے اور ہر ایک کی تنخواہ اس کے اخراجات کے مطابق ہوتی تھی، اگر درباریوں میں سے کوئی شخص زمین یا جاگیر کا مالک ہوتا تھا تو اس کی آمدنی اس کی تنخواہ میں شمار ہوتی تھی، لیکن اس کے علاوہ بادشاہ کے تخمینے کے مطابق اس کے منصب اور رتبے کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے (مثلاً دس ہزار درہم ماہوار) اس کو دیے جاتے تھے تاکہ اسے بادشاہ کے خزانے سے کچھ مزید مطالبے کی حاجت نہ رہے[4]

جب بادشاہ[5] اپنے وزراء اور امراء میں سے کسی کے گھر جاتا تھا تو وہ اس واقعہ کو اس قدر اہمیت دیتا تھا کہ آیندہ اپنے تمام خطوں پر جو تاریخ وہ

---

[1] سیاست نامہ طبع پیرس، ص ۱۱۸، جتنی حکایتیں اس قاعدے کی مثالوں کے طور پر بیان ہوئی ہیں وہ سب ساسانیوں کی تاریخ سے لی گئی ہیں لہذا ظاہر ہے کہ سیاست نامے میں جہاں بجائے ساسانیان کے سامانیان لکھا گیا ہے وہ یقیناً غلط ہے، کلمۂ زہ غالباً زی ہے جو زِیو (بمعنی جیتے رہو!) کا مخفف ہے، (دیکھو یعقوبی، ص ۱۹۲)، لفظ زہ جدید فارسی میں بھی موجود ہے،
[2] ۱۰، ۱۴۱، [3] مثلاً دیکھو ایک حکایت چہار مقالۂ نظامی عروضی میں جس میں عنصری کے متعلق کہا گیا ہے کہ سلطان محمود نے اس کی ایک فی البدیہہ رباعی پر تین مرتبہ اس کا منہ موتیوں سے بھروایا، (ص ۳۵)، [4] جاحظ، ص ۱۴۵، [5] یہاں بادشاہ سے مراد اردشیر اول اور خسرو انوشروان ہے (جاحظ، ص ۱۵۸)،

لکھنا تھا وہ اس دن سے شمار کی جاتی تھی، جس شخص کے گھر میں بادشاہ نزولِ اجلال فرماتا اس کی زمین پر ایک خاص مدت کے لیے خراج معاف ہو جاتا تھا اور اس کے گھوڑوں اور دوسرے سواری کے جانوروں پر ایک امتیازی نشان داغ کیا جاتا تھا، پولیس کا ایک اعلیٰ افسر تین سَو سوار اور سَو پیادوں کے ساتھ اس کے گھر کے دروازے پر روزانہ صبح سے شام تک پہرہ دیتا تھا اور جب صاحب خانہ سوار ہو کر نکلتا تھا تو اس کے آگے آگے پیادے اور پیچھے سوار چلتے تھے، بادشاہ کی تشریف آوری کے موقع پر وہ تحفے تحائف نذر میں دیتا تھا اور چلتے وقت ایک اسپِ راہوار مع زینِ زرنگار پیش کرتا تھا جس کو بادشاہ ساتھ لے جاتا تھا، بادشاہ کے نزولِ اجلال سے صاحب خانہ کو ہمیشہ کے لیے بعض امتیازی حقوق حاصل ہو جاتے تھے، مثلاً یہ کہ اس کے کسی قریبی رشتہ دار کو کسی جرم میں قید کی سزا نہیں مل سکتی تھی اور نہ اس کے کسی نوکر کو بغیر اس کی رضامندی کے مجرم قرار دیا جا سکتا تھا، جو تحفے وہ بادشاہ کو نوروز اور مہرگان کے تہواروں پر بھیجتا تھا وہ دوسروں کے تحائف سے پہلے بادشاہ کے سامنے پیش ہوتے تھے، دربار کے دن وہ سب سے پہلے داخل ہوتا تھا اور بادشاہ کے دائیں طرف اس کو جگہ ملتی تھی اور جب وہ گھوڑے پر بادشاہ کے ہمرکاب ہوتا تھا تو اس کے دائیں طرف چلتا تھا،

سال کے دو بڑے تہواروں یعنی نوروز اور مہرگان[1] کے موقع پر امراء بادشاہ کو تحفے دیتے تھے، ہر شخص وہی چیز تحفے میں دیتا تھا جو اُسے خود پسند

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۲۲۵ و ۲۲۷،

ہوتی تھی مثلاً عنبر یا مشک یا بیش قیمت کپڑے یا کوئی اور چیز ، فوج کے لوگ اور اسوار بالعموم گھوڑے اور ہتھیار دیتے تھے ، مالدار لوگ سونا اور چاندی نذر دیتے تھے اور صوبوں کے گورنر (علاوہ وصول شدہ خراج کے) اپنے اپنے صوبے کی زائد آمدنی کا ایک حصّہ پیش کرتے تھے ، شاعر اپنے قصیدے سناتے تھے جو وہ خاص اس موقع کے لیے لکھتے تھے اور خطیب موقع کی مناسبت سے تقریریں کرتے تھے ، بادشاہ کے ندماء سال کی پہلی سبزیاں شگون کے طور پر تحفے میں دیتے تھے ، اگر بادشاہ کی بیویوں میں سے کوئی اس کو ایک خوبصورت اور زر و زیور سے آراستہ کنیز پیش کرتی تھی تو وہ شاہی حرم کی دوسری بیگمات پر افضلیت کا دعویٰ کر سکتی تھی ، بادشاہ بھی اپنی طرف سے نوروز و مہرگان کے تحائف کے معاوضے میں بہت بیش قیمت چیزیں انعام میں دیتا تھا ، ہر تحفہ جو بادشاہ کی خدمت میں پیش ہوتا تھا اور اُس شخص کا نام جو پیش کرتا تھا دربار کے رجسٹر میں درج کیا جاتا تھا ، اگر تحفہ دینے والے کو کسی غیر معمولی حاجت کی وجہ سے اخراجات کی ضرورت ہوتی تو رجسٹر سے اس کے تحائف کی قیمت معلوم کی جاتی اور جتنی قیمت ہوتی اس کا دُگنا اس کو دے دیا جاتا تھا ، اگر کوئی تحفہ ایسا ہوتا جو محض شگون کے طور پر پیش کیا گیا ہو اور اُس کی کوئی خاص قیمت نہ ہو تو اس کے معاوضے کا ایک اور طریقہ تھا ، مثلاً اگر کسی نے تحفے میں ایک نارنگی دی ہو تو انعام میں اس کو نارنگی کے چھلکے میں اشرفیاں بھر کر دی جاتی تھیں ، بہر صورت تحفہ دہندہ کو نہ صرف یہ حق تھا بلکہ اُس کا فرض

تھا کہ بوقتِ حاجت دفترِ محاسبات کی طرف رجوع کرے اور مدد مانگے، اگر کوئی شخص ایسا کرنے میں کوتاہی کرتا تو اس کے یہ معنی لیے جاتے تھے کہ اُس کو بادشاہ پر اعتماد نہیں ہے، ایسی صورت میں اس بات کا امکان تھا کہ چھ مہینے کے لیے اس کی تنخواہ بند کر دی جائے اور اس کی بجائے اس کے دشمنوں کو دی جائے، بعض بادشاہ مثلاً اردشیر اوّل، بہرام پنجم اور خسرو اوّل نوروز اور مہرگان کے دن اپنا خزانہ رعایا کو تقسیم کر دیتے تھے اور ہر شخص کو اس کے رتبے کے مطابق حصّہ ملتا تھا، نوروز کے موقع پر (جو موسمِ بہار کا تہوار تھا) بادشاہ کے جاڑے کے کپڑے درباریوں میں بانٹ دیے جاتے تھے اور مہرگان کے موقع پر چونکہ موسم سرما کی آمد ہوتی تھی اس لیے اس کے گرمیوں کے کپڑے اسی طرح تقسیم کیے جاتے تھے[1]،
کسی شخص کو اعزاز کے طور پر خلعت دینے کا شاہی دستور بہت قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے، بعد میں اس کو خلفائے اسلام نے اختیار کیا اور ان کے ذریعے سے تمام اسلامی دنیا میں پھیل گیا، ابن خلدون کی تاریخ میں ایک مقام سے پتہ چلتا ہے کہ خلعت کے کپڑے میں بالعموم بادشاہ کی تصویر منسوج کی جاتی تھی یا بعض اور نقش و نگار بنائے جاتے تھے جو منصبِ شاہی کی علامات پر مشتمل ہوتے تھے[2] ارمنی سپہ سالار مینوئل کو بطورِ اعزاز خاص جو خلعت شاپور دوم نے دیا اس میں سمور کا پوستین اور سر پر

---

[1] جاحظ، ص ۱۴۶-۱۵۰، نوروز اور مہرگان کے موقعوں پر جو دربار کیے جاتے تھے ان کے متعلق دیکھو اوپر، ص ۹۶، [2] مقدمہ ابن خلدون طبع فرانس، ص ۵۷-۵۸، ۶۶-۶۷،

خود کے اوپر نصب کرنے کے لیے سونے اور چاندی کا زیور تھا، اس کے علاوہ پیشانی پر باندھنے کے لیے ایک سرپیچ اور سینے پر لگانے کے لیے ایسے زیور جو بادشاہوں کے لیے خاص ہوتے ہیں، ایک ارغوانی رنگ کا خیمہ مع ایک عقاب اور خیمے کے دروازے پر بچھانے کے لیے چند بڑے بڑے آسمانی رنگ کے قالین اور دسترخوان کے لیے سونے کے برتن وغیرہ تھے[1] بقول پروکوپیوس[2] سونے کے تاروں کا بنا ہوا سرپیچ (یعنی تاج) جس پر موتی جڑے ہوتے تھے منصب شاہی سے دوسرے درجے پر اعزاز کا نشان سمجھا جاتا تھا، وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ کسی شخص کو سونے کی انگوٹھی پہننے اور کمربند اور بکسوا لگانے کا حق نہ تھا جب تک کہ یہ چیزیں اس کو بادشاہ کی طرف سے عطا نہ کی گئی ہوں، اگر کسی شخص نے سلطنت یا بادشاہ کی ایسی خدمات انجام دی ہوں جن کا ذکر باقی رکھنا منظور ہو تو اس کا نام شاہی عمارتوں کے کتبوں میں لکھ دیا جاتا تھا[3]۔

اعزاز و امتیاز کی ایک اور علامت خطاب یا لقب تھا، عمدہ خدمات کا صلہ خطاب کے ذریعے سے ادا کرنا ہخامنشیوں کے وقت سے رائج تھا، ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ جو شخص بادشاہ یا سلطنت کی طرف سے صلے کا حقدار ہوتا تھا اس کو علاوہ جاگیر کے "نیکوکار"[4] کا خطاب دیا جاتا تھا، ساسانیوں کے زمانے میں بیشمار قسم کے خطابات رائج تھے، اس قسم کے خطابات جیسا کہ "مہشت" (بمعنی بزرگترین یعنی بادشاہ کے خدمتگزاروں میں

---

[1] فاؤسٹوس بازنطینی، ج ۱، ص ۳۰۱، [2] ج ۱، ص ۱۷، [3] پروکوپیوس،

[4] "ہُوَرْزَک" کا قدیم لفظ شاید انھی معنوں میں ہو،

۴م

سب سے بڑا)[1]، "وہریز"[2] اور "ہزارفت" (ہزار خوبیوں والا؟)[3] عام طور سے دیکھنے میں آتے ہیں، مہر نرسی کا لقب "ہزار بندگ" (ہزار غلاموں والا)[4] تھا، بعض سپہ سالاروں کو "ہزار مرد" کا خطاب دیا جاتا تھا[5]، ایک خاص قسم کے خطابات وہ تھے جو بادشاہ کے نام کے ساتھ ترکیب دیے جاتے تھے جس کی خدمات خطاب پانے والے نے انجام دی ہوں، اس قسم کی ترکیبوں میں لفظ تہم (بمعنی قوی) کا سب سے زیادہ استعمال ہوتا تھا مثلاً تہم یزدگرد، تہم شاپور، تہم خسرو[6]، تہم ہرمزد[7]، اسی نوعیت کے اور خطابات کی مثالیں یہ ہیں: خسرو شنوم[8] ("بہجتِ خسرو") زاہدان خسرو ("جاوید خسرو")[9]، گمند شاپور[10]، تن شاپور ("شاپور کا جسم")[11]

---

[1] یہ خطاب یزدگرد اوّل نے منذر بادشاہِ حیرہ کو دیا تھا، (طبری، ص ۸۵۵، فرہنگ پای گلی، نمبر ۶۴۵)، نہایہ (ص ۲۲۲) میں اس کی بجائے "مَشترا مَشتران" (مسترِ مستران) مذکور ہے جس کے معنی "اعظم العظماء" ہیں، [2] یہ اُس سپہ سالار کا خطاب تھا جس نے خسروِ اوّل کے عہد میں یمن فتح کیا تھا، (طبری، ص ۹۴۸)، [3] بزبان ارمنی "ہزار وُخت"، زرمہر اور سیاہ بذ وِشنسپ اس لقب سے ملقب تھے (نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۷۶، ح ۲، ہیوبشمن، ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۱۷۴)، [4] طبری، ص ۸۴۹، [5] یعنی جس کے ماتحت ہزار سپاہی ہوں، وہریز فاتح یمن کو یہ خطاب دیا گیا تھا، خسرو دوم نے یہ خطاب ایک رومی سپہ سالار کو دیا تھا جس کو قیصر ماریس نے اس کی مدد کے لیے بھیجا تھا، (نولڈکہ ترجمہ طبری، ص ۲۸۴، ح ۲)،
[6] دیکھو نولڈکہ، ترجمۂ طبری، ص ۴۴۳، [7] آذربائیجان میں گنزک کے ایک مرزبان کا یہ خطاب تھا، [8] ایک ارمنی رئیس سمبت بگراتونی کا خطاب تھا (پاتکانیان، مجلّہ آسیائی ۱۸۶۶ء، حصۂ اوّل، ص ۱۹۵، ہیوبشمن، ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۲۱۴) قادسیہ کی لڑائی میں ایک ایرانی سردار خسرو شنوم کے لقب سے ملقب تھا، (طبری، ص ۲۳۴۶)، [9] ایک ارمنی مسمّی ورز تیروتس کا خطاب تھا (پاتکانیان، مجلّۂ آسیائی ۱۸۶۶ء، حصّۂ اوّل، ص ۱۹۶، ہیوبشمن، ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۶۸)، [10] فاؤستوس بازنطینی، ج ۱، ص ۲۶۳، گمندل پرانی شکل وِمنْد (بمعنی سرحد) ہے، [11] ایلیزے، طبع لانگلوا، ج ۲، ص ۱۹۰، لازار فرپی نے اس خطاب کی زیادہ مفصّل شکل "وبہ تن شاپور" دی ہے ("شاپور کا اچھا جسم")،

رام افزود یزدگرد ("یزدگرد کی خوشی کو بڑھانے والا")[1]، نوخو ہرمزد[2]، ہرمزد ہزاراز، وراز پیروز، شاپور وراز یا وراز شاپور[3] وغیرہ، لفظ کرتیر (کردیر) کے متعلق جس کا صحیح تلفظ اور معنی دونو غیر معلوم ہیں ہم فیصلہ نہیں کر سکتے کہ آیا وہ کوئی خطاب تھا جیسا کہ ہرٹسفلڈ کا خیال ہے[4] یا کسی بڑے عہدے کا نام تھا، علمائے مذہبی کے لیے مخصوص خطاب "ہمک دین" تھا یعنی "وہ شخص جو دین کے جملہ علوم سے واقف ہو"[5]، اگر (جیسا کہ موسیو شٹائن کا خیال ہے)[6] ور اندرزبد (بمعنی مشیر یا مہتمم دربار) کا خطاب جو یزدگرد دوم کے عہد میں رائج تھا درحقیقت وزرگ فرمذار ہی کا لقب تھا تو پھر یہ ایک ایسا خطاب تھا جو آج کل کے "مشیر الدولہ" یا "نظام الدولہ" سے بہت مشابہ ہے[7]،

خطابات، اعزازی تحفے اور دربار سرکار کے عہدے قابلیت کا معاوضہ دینے کے ایسے ذریعے تھے جو سب سے زیادہ استعمال کیے جاتے تھے، بعض قیمت

---

[1] یہ خطاب منذر بادشاہ حیرہ کو دیا گیا تھا، نہایہ (ص ۲۲۲) میں اس کی بجائے افزودخرہ ہے جو غالباً "افزود خرّمی [یزدگرد]" کی تبدیل شدہ صورت ہے جس کے وہی معنی ہیں جو "رام افزود یزدگرد" کے ہیں، [2] نوخو کا صیغہ افعل التفضیل نوخوشت (نخست بمعنی اوّل) ہے، مقابلہ کرو لفظ نوخوبر یا نخوبر (اوپر، ص ۱۶، ح ۲)، دیکھو ہرٹسفلڈ، پای کلی، فرہنگ نمبر ۶۶۸، [3] وراز کے معنی جنگلی سؤر کے ہیں، (ہرٹسفلڈ، پای کلی، فرہنگ نمبر ۸۴۸)، شاپور وراز شاہ نرسی کے عہد میں آذربائجان کے مرزبان کا خطاب تھا، بظاہر وہ اس کو جوانی کے زمانے میں شاپور اوّل سے ملا ہوگا (دیکھو فاؤسٹوس بازنطینی، طبع لانگلوا، ج ۱، ص ۲۲۹)، [4] پای کلی، فرہنگ نمبر ۵۵۸، [5] دیکھو اوپر، ص ۱۵۷، [6] دیکھو ضمیمہ نمبر ۲، [7] عہدِ حاضر میں خطابات کا دستور بند کر دیا گیا ہے،

کسی کو لالچ دکھانے کے لیے بھی ان سے کام لیا جاتا تھا خصوصاً اُن ایرانیوں کو جو عیسائی ہو جاتے تھے اور انھیں زرتشتیت کی طرف واپس لانا منظور ہوتا تھا[1]، جب بادشاہ کسی کو تاج عطا کرتا تھا تو اس سے اُس شخص کو یہ حق حاصل ہو جاتا تھا کہ شاہی دسترخوان پر بیٹھ سکے اور بادشاہ کی مجلسِ مشاورت میں شریک ہو سکے[2]، کواذ اوّل نے ایک سونے کا تاج جس پر موتی جڑے ہوئے تھے مہران کو امتیاز کے لیے عطا کیا تھا لیکن پھر اُس سے واپس لے لیا[3]، ہرمزد چہارم نے شاہِ عرب نعمان ثالث کو ایک تاج عنایت کیا تھا جس کی قیمت ساٹھ ہزار درہم تھی[4]، موسیو روٹ شٹائن کا خیال[5] ہے کہ وہ ایک معمولی عطیہ نہ تھا بلکہ اس کی اہمیت بہت زیادہ تھی اور وہ کوئی اس قسم کی چیز تھی جیسے ہمارے زمانے میں تمغا ہوتا ہے،

مؤلفِ فارسنامہ ہمیں ذیل کی اطلاع دیتا ہے[6] جو غالباً آئین نامگ سے لی گئی ہے: "انوشیروان کے دربار میں یہ دستور (آئین) تھا کہ سونے کی ایک کرسی اس کے تخت کے دائیں طرف ایک بائیں طرف اور ایک پیچھے رکھی جاتی تھی، ان تین کرسیوں میں سے ایک شاہِ چین کے لیے ایک قیصر روم کے لیے اور ایک شاہ خزر (شاہِ ہپتالیان) کے لیے

[1] ہوفمن، ص ۵۴، [2] تاریخ امیان، کتاب ۱۸، ۵، ۶، امیان نے اس مقام پر جس شخص کا ذکر کیا ہے وہ ایک اجنبی یعنی رومی ہے جس کو بادشاہ نے رومیوں کے ساتھ غداری کے صلے میں تاج عطا کیا تھا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اجنبیوں کو شاپور دوم ہی کے زمانے سے اونچے طبقوں میں شامل کر لینے کا دستور شروع ہو چکا تھا، [3] پروکوپیوس، ج ۱، ۱۷، ۲۶-۲۸
[4] طبری، ص ۱۰۱۸، [5] ص ۱۲۸، [6] ص ۹۷،

مخصوص تھی یعنی یہ کہ جب کبھی وہ دربار میں آئیں تو ان کرسیوں پر بیٹھیں ، یہ تینوں کرسیاں سال بھر اپنی اپنی جگہ پر رکھی رہتی تھیں اور کبھی اُٹھائی نہیں جاتی تھیں اور ان تین بادشاہوں کے سوا کوئی دوسرا شخص ان پر نہیں بیٹھ سکتا تھا ، لیکن تخت کے سامنے ایک اور سونے کی کرسی رکھی رہتی تھی جس پر وزرگ فرماذار بیٹھتا تھا[1] ، اس سے اُتر کر موبدان موبد کی کرسی ہوتی تھی اور اس کے بعد مرزبانوں اور دوسرے بزرگوں کی کرسیاں ہوتی تھیں ، ہر شخص کے بیٹھنے کی جگہ معیّن تھی تاکہ ترتیبِ نشست میں کسی قسم کا جھگڑا نہ ہو ، جب خسرو کسی سے خفا ہوتا تھا تو اس کی کرسی دربار سے اٹھوا دی جاتی تھی "

جنگ کے زمانے میں جب ملک آفت میں مبتلا ہوتا تھا تو شاہی ضیافتیں بند کر دی جاتی تھیں اور بادشاہ اپنے دسترخوان پر سوائے موبدان موبد ، ایران و بہیربذ اور رئیسِ اسواران کے اور کسی کو نہیں بٹھاتا تھا اور کھانے میں سوائے روٹی ، نمک ، سرکہ اور سبزی کے اور کچھ سامنے نہیں آتا تھا ، اس کے بعد ایک کھانا لایا جاتا تھا جس کا نام بزم آورد[2] تھا ، جب بادشاہ اس میں سے تھوڑا سا کھا چکتا تھا تو دسترخوان بڑھا دیا جاتا تھا اور بادشاہ پھر کام میں مصروف ہو جاتا تھا ، جب جنگ کا خاتمہ فتح اور کامیابی کے ساتھ

---

[1] فارسنامے کے متن میں بزرجمہر ہے ، لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ قراءت غلط ہے ، دیکھو ضمیمہ نمبر ۲ کے آخر میں ،

[2] بزم آورد (یا بزماورد) گوشت پختہ و ترہ و خاگینہ باشد کہ در نان تنک پیچند و مانند توالہ سازند و با کارد پارہ پارہ کنند و خورند (برہان) ،

ہو جاتا تھا تو ضیافتوں کا معمول پھر شروع ہو جاتا تھا، درباری دوبارہ جمع ہوتے تھے، سب سے پہلے موبدان موبد اور پھر وزراء باری باری سے تقریریں کرتے تھے، اس کے بعد امراء اور ارکان سلطنت ہال کے صدر میں بادشاہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور عوام کے لیے کمرے کے نیچے کی طرف دسترخوان بچھایا جاتا تھا جس کی صدارت "صاحب الشُرطہ" (محکمۂ پولیس کا افسر اعلیٰ) کرتا تھا[1] کھانے پر بیٹھتے وقت بعض دعائیں پڑھی جاتی تھیں، دسترخوان پر کسی کو بولنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی اور کسی کام کے حکم دینے یا کسی چیز کے مانگنے کی ضرورت ہوتی تھی تو اشارے سے مطلب سمجھایا جاتا تھا،[2] کھانا ختم ہونے کے بعد گویوں اور مسخروں کو حاضر کیا جاتا تھا،[3]

جب کسی کو یہ اطّلاع ملتی تھی کہ بادشاہ اس سے ناراض ہے تو اس پر واجب ہوتا تھا کہ نہ کسی مقدّس جگہ میں جا کر پناہ لے[4] اور نہ رُوپوش ہو بلکہ لوہے کی ایک تپائی پر جو شاہی محل کے دروازے کے سامنے رکھی رہتی تھی آ کر بیٹھ جائے اور جب تک بادشاہ اس کے حق میں کوئی حکم صادر نہ کرے وہاں سے نہ اُٹھے، اس عرصے میں کوئی شخص یہ جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ اس کی کسی طرح سے حمایت کرے،[5] سزائے قتل کا اجراء قصرِ شاہی

---

[1] جاحظ، ص ۱۷۳ ابعد، [2] ایضاً، ص ۱۸، [3] ایضاً، ص ۱۷۴،
[4] عہد اسلامی میں جب کسی شخص کو گرفتار کرنا چاہتے تھے تو وہ مسجد میں پناہ (بست) لے کر امن میں ہو جاتا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی زمانے سے پہلے آتشکدے بھی اسی طرح جائے پناہ کا کام دیتے تھے، [5] پروکوپیوس، ج ۱، ۲۳، ۲۸،

کے اندر ایک کھلے میدان میں ہوتا تھا، وہیں مجرموں کے اور اُن لوگوں کے جو بادشاہ کے معتوب ہوتے تھے سر قلم کیے جاتے تھے اور ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے تھے،[1]

بادشاہ کے رتبے سے یہ بات فروتر تھی کہ چھوٹی چھوٹی خطاؤں کو خاطر میں لائے، جاحظ نے اس بارے میں دو حکایتیں بیان کی ہیں[2] جو قابلِ توجہ ہیں خواہ وہ صحیح ہوں یا غلط، بہرام گور کو ایک مرتبہ شکار میں پیشاب کی حاجت ہوئی، ایک گڈریے کو اپنا گھوڑا دے کر خود قضائے حاجت کے لیے بیٹھ گیا، گڈریے نے لگام میں سونے کے حلقے لگے دیکھ کر چپکے سے اس کا ایک سرا کاٹ لیا، بادشاہ نے اس کو یہ حرکت کرتے دیکھ لیا لیکن چپ رہا، واپس آکر وہ دانستہ آنکھیں جھپکنے لگا اور یہ ظاہر کیا کہ گویا اس کی آنکھوں میں گرد پڑگئی ہے اور لگام کا جو نقصان ہوا ہے وہ اس نے نہیں دیکھا، پھر سوار ہوکر گڈریے سے رخصت ہوگیا، واپس آکر اُس نے اپنے داروغۂ اصطبل سے کہہ دیا کہ میں نے لگام کا سرا کاٹ کر ایک فقیر کو دے دیا تھا، دوسری حکایت اسی طرح خسرو انوشروان کی چشم پوشی کی مثال ہے، نوروز یا مہرگان کے موقع پر دعوت تھی، مہمانوں میں سے کسی نے سونے کا ایک پیالہ اُڑا لیا، خسرو نے دیکھ لیا لیکن دانستہ منہ پھیر لیا، شرابدار نے جب دیکھا کہ ایک پیالہ ندارد ہے تو باآواز بلند کہا کہ جب تک ہر شخص کی تلاشی نہ لے لی جائے کوئی باہر نہ جانے پائے لیکن بادشاہ نے یہ سُن کر حکم دیا کہ کسی سے تعرض نہ کیا جائے اور کہا کہ "جس نے پیالہ لیا ہے وہ اُسے واپس نہیں دیگا اور جس نے چور کو دیکھا ہے وہ چغلی نہیں کھائیگا"

---

[1] طبری، ص ۱۰۵۹، [2] کتاب التاج، ص ۱۰۰ بعد،

وقائعِ شہدار میں ایک مقام سے ہمیں اس بات کی اطلاع ملتی ہے کہ نجباء کے بیٹے دربار کی ملازمت میں کس طرح داخل ہوتے تھے، مہران گشنسپ ایک نوجوان امیرزادہ تھا، ادبیات ایران اور دینِ زرتشتی کے نظری اور عملی اصول میں اس کی معلومات ایسی وسیع تھیں کہ اس کی وجہ سے ہرمزدِ چہارم کی نظرِ عنایت اس پر مبذول ہوئی، کتب مقدسہ کی عبارات کو از بر سنانے میں جب اس نے اپنی قابلیت کا اظہار کیا تو بادشاہ نے اُسے ایک بھاری رقم انعام میں دی اور کہا کہ بیشک کسی دن تو صاحبِ ثروت ہوگا، چونکہ اس کا خاندان عالی تھا[1] اور وہ خود بھی خوش قامت اور زیرک جوان تھا اس لیے اُسے بادشاہ کے دستر خوان کا پیش خدمت بنا دیا گیا اور فرّخ شاذ (؟) یا پذشخور[2] کے عہدے پر سرفراز کیا گیا،

بادشاہ کے دربار میں ہمیشہ اجنبی اور دور دراز کی قوموں کے سفیر آتے رہتے تھے[3]، ان کی بڑی خاطر کی جاتی تھی، جب کوئی سفیر وارد ہوتا تھا تو حاکم سرحد فوراً اس کی اطلاع بادشاہ کو پہنچاتا تھا، ہر صوبے کا گورنر جس میں سے وہ گزرتا تھا اس بات کا اہتمام کرتا تھا کہ ہر مقام پر سفیر کے رتبے کے مطابق اس کے لیے ٹھہرنے کی جگہ تیار رہے، جب گورنر کو اس کی آمد کا مقصد معلوم ہوتا تھا[4] تو وہ بادشاہ کو اس سے مطلع کرتا تھا، تب بادشاہ کی طرف سے ایک

[1] اس کا باپ نصیبین کا اُستاندار تھا، [2] کھانا چکھنے والا، [3] طبری، ص ۸۹۹،
[4] اس سے ظاہر ہے کہ سفیر کو اپنے آنے کا مقصد بادشاہ کی ملاقات سے پہلے بیان کر دینا پڑتا تھا تاکہ اس کا جواب تیار رکھا جائے، فوج کا اعزازی دستہ جو اس کے استقبال کے لیے جاتا تھا اس بات پر بھی مامور ہوتا تھا کہ جہاں تک ہو سکے احتیاط کریں کہ وہ ملک کے حالات کو زیادہ بھانپنے نہ پائے، جب ایران کے سفیر دوسرے ملکوں میں جاتے تھے تو ان کے ذمے یہ کام بھی ہوتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو اُس

باقی نوٹ بر صفحہ ۵۵۵

جلوس اس کے استقبال کو جاتا تھا اور اپنے ساتھ اُسے شاہی محل میں لاتا تھا، اس کے بعد بادشاہ اُسے باضابطہ دربار میں باریاب کرتا تھا اس طرح کہ وہ خود تخت پر بیٹھتا تھا اور ارکانِ سلطنت اس کے گرد کھڑے ہوتے تھے، سفیر سے وہ اس کا نام اور سفر کے حالات دریافت کرتا اور پھر اُس کے آنے کا مقصد پوچھتا اور اس کے ملک کے حالات، اس کے بادشاہ اور اس کی فوج کے متعلق معلومات حاصل کرتا، اس کے بعد بادشاہ بڑے شکوہ وجلال کے ساتھ جو ایک سفیر کے شایان شان ہے اُسے اپنے ساتھ محل میں لیجاتا اور اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتا شکار میں ساتھ لیجاتا اور بالآخر اسے خلعت دے کر مناسب رسم و رسوم کے ساتھ جو سفیر کی شان کے لائق ہوتی تھیں اُسے رخصت کرتا تھا[۱]،

معلوم رہے کہ اجنبیوں کو دربار میں آنے کی اجازت نہ تھی، اور دربار تو درکنار وہ یہ بھی نہیں کر سکتے تھے کہ سیدھے اور آسان ترین راستے سے پایہ تخت کی طرف آسکیں بلکہ ذیل کے پانچ شہروں میں سے ایک میں ان کو روک لیا جاتا تھا: شام کی طرف سے آنے والوں کو ہیت میں، حجاز کی طرف

(بقیہ نوٹ) ملک کے راستوں اور گھاٹیوں سے واقفیت پیدا کریں کہ کہاں کہاں دریا ہیں، کہاں کوئیں ہیں، کہاں کہاں جانوروں کے لیے چارہ مل سکتا ہے، عنان سلطنت کس کے ہاتھ میں ہے، فوج کی کیا حالت ہے وغیرہ، یہ باتیں نظام الملک نے سیاست نامے میں اپنے زمانے کے دستور کو بیان کرنے میں لکھی ہیں لیکن وہ دستور یقیناً بہت قدیم ہے، اس نے اپنے زمانے میں سفیروں کے استقبال کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ بھی حرف بحرف فردوسی کے بیانات سے ملتی ہے جن کا خلاصہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں،

[۱] فردوسی، طبع مول، ج ۵، ص ۳۶۴،

سے آنے والوں کو العُذَیب ہیں ، فارس کی طرف سے آنے والوں کو صرَیفین ہیں ، ترکستان سے آنے والوں کو حُلوان ہیں اور خزر اور الان کے ملک سے آنے والوں کو الباب والابواب (دربند) ہیں ، ان شہروں سے مسافروں کی ایک رپورٹ بادشاہ کو بھیجی جاتی تھی اور جب تک بادشاہ کی طرف سے ان کے متعلّق کوئی فیصلہ صادر نہ ہو وہ اپنے سفر کو آگے جاری نہیں رکھ سکتے تھے [1]،

ایران کے اصولِ سفارت کے بارے میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بادشاہ اپنے سفیروں کا انتخاب بڑی احتیاط کے ساتھ کرتا تھا ، درباریوں میں سے ایک شخص جب متعدّد بار آزمایا جا چکتا تھا تب اس کو سفارت کا کام انجام دینے کے لیے مأمور کیا جاتا تھا ، سب سے پہلے بادشاہ اس کو پایہ تخت کے کسی آدمی کے پاس خط لیجانے کا حکم دیتا تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک جاسوس کو بھی بھیجتا تھا کہ اس موقع پر جو باتیں ہوں ان کی آکر رپورٹ دے ، خط لیجانے والے کی رپورٹ کا مقابلہ جاسوس کی رپورٹ کے ساتھ کیا جاتا تھا ، اگر بادشاہ کو اس کی دانائی اور ایمانداری پر اطمینان ہو جاتا تھا تو پھر وہ اس کو سلطنت کے کسی دشمن کے پاس کوئی پیغام دے کر بھیجتا تھا اور پہلے کی طرح پھر ایک جاسوس اس پر متعیّن کرتا تھا تاکہ اس کی کارگزاری کی رپورٹ بادشاہ کو دے ، اگر دوسری مرتبہ بھی قاصد اپنے امتحان میں پورا اُترتا تو پھر بادشاہ کو اُس پر پورا اعتماد ہو جاتا تھا [2]،

---

[1] ابن خرداذبہ ، طبع یورپ ، ص ۱۷۳ ، [2] جاحظ ، ص ۱۲۲ ،

یہ خسرو اوّل ہی کا عہد تھا جس میں کہ ایران کے اندر ادب اور فلسفے کے ایک عظیم الشّان دور کی ابتدا ہوئی، پیشتر اس کے کہ ہم تمدّن کے اس پہلو پر بحث کریں ہم چند باتیں بطور کُلّی اس زمانے کے نظام تعلیم پر کہنا چاہتے ہیں، افسوس ہے کہ اس مسئلے پر ہمارے پاس اطّلاعات کی کمی ہے اور ابتدائی تعلیم کے بارے میں تو کچھ بھی معلوم نہیں، دیہات کے لوگ تو کوئی شبہ نہیں کہ بیشتر ان پڑھ ہوتے تھے، ان میں سے دہقان البتہ ایک طرح کی تعلیم سے بہرہ مند تھے چنانچہ ساسانی سلطنت کے خاتمے کے بعد صدیوں تک وہ قومی تاریخ اور افسانوں کے محافظ رہے، شہروں کے تجارت پیشہ لوگوں میں سے اکثر کم از کم لکھنا پڑھنا اور حساب کرنا جانتے تھے لیکن اس کے علاوہ عام لوگوں میں ادبی تعلیم کا کوئی چرچا نہ تھا، ہیوئن سیانگ لکھتا ہے[1] کہ اہل ایران علم و دانش سے بے پروا ہیں اور صرف اپنے پیشے میں مشغول رہتے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابتدائی تعلیم بالکل اور اعلیٰ تعلیم کا کم از کم کچھ حصّہ علمائے مذہب کے ہاتھ میں تھا اور اس کی مذہبی نوعیّت بہت نمایاں تھی،[2]

سوسائٹی کے اعلیٰ طبقوں کے بچّوں اور نوجوانوں کی تعلیم کے بارے میں ہمیں زیادہ مفصّل اطّلاعات حاصل ہیں، عہد ہخامنشی کی طرح امراء و نجبا کے لڑکوں کو تعلیم کا کچھ حصّہ نوجوان شاہزادوں کے ساتھ دربار میں

---

[1] ترجمہ انگریزی از بیل ص ۲۷۸،

[2] مقابلہ کرو بگ نسک (دین کرد، ۹ - ۵۰، ۱۷)،

ملتا تھا، اس تعلیم کا ڈائرکٹر "معلّم اسواران" تھا[1]، اُن کو پڑھنا لکھنا سکھایا جاتا تھا اور حساب، چوگان بازی[2] شطرنج[3]، سواری اور شکار کی تعلیم دی جاتی تھی[4]، یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ نجیب زادوں کو سب سے پہلے ہتھیاروں کے استعمال کی مشق کرائی جاتی تھی، بقول طبری شہزادہ بہرام نے جو آگے چل کر بہرام پنجم کے نام سے بادشاہ بنا اور جس کی تعلیم شاہِ عرب منذر[5] کو سپرد کی گئی تھی پانچ سال کی عمر میں اپنے مربّی سے کہا تھا کہ "میری تعلیم کے لیے ماہر اور فاضل معلموں کو بلواؤ جو مجھے لکھنا، پڑھنا، تیراندازی اور علم فقہ سکھائیں"۔ منذر نے کہا کہ تم ابھی بہت چھوٹے ہو لیکن شاہزادے نے ضد کی چنانچہ بادشاہ نے اس کے لیے فقہائے ایران اور فنِ تیراندازی، شہسواری، خوشنویسی اور علوم ضروری کے ماہر ڈھونڈ ڈھونڈ کر بلوائے اور ان کے علاوہ ایرانی اور بازنطینی علماء اور عرب قصّہ گو فراہم کیے[6]، جسمانی

---

[1] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۳۶۴، [2] چوگان بازی کے متعلق دیکھو اینوس ترانت زیف: "مطالعات ایرانی" (ترجمہ انگریزی از بوگڈانوف، طبع بمبئی، ص ۷ ببعد) جس میں جملہ اطلاعات بحوالہ عیون الاخبار لابن قتیبہ دی گئی ہیں جس کا ماخذ آئین نامگ ہے،

[3] شطرنج کے متعلق دیکھو آگے، [4] کارنامگ، ۱، ۲۲ ببعد، شہر کی آبادی سے دور گھوڑ دوڑ کے میدان تھے جہاں چابک سوار گھوڑوں کو سدھاتے تھے اور جہاں گھوڑ دوڑ اور تیراندازی کی مشق ہوتی تھی، (دین کرد بحوالہ سکاڈم نسک، ج ۸، ۳۸، ۲۳)، گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کو سدھانے اور پرندوں کو شکار کی تربیت دینے کے فن پر کتابیں موجود تھیں (فہرست، ص ۳۱۵، نیز مقابلہ کرو اینوس ترانت زیف: "مطالعات ایرانی" ص ۱۲ اور نریمان: "اسلامی تمدن پر ایرانی اثرات" ص ۲۹)، تیراندازی کے فن پر بعض اطلاعات جو عیون الاخبار میں بحوالہ آئین نامگ دی گئی ہیں ان کو موسیو اینوس ترانت زیف نے بیان کیا ہے اور ان پر حواشی بھی لکھے ہیں (مطالعات ایرانی، ص ۳۵ ببعد از ترجمۂ انگریزی)،

[5] دیکھو اوپر، ص ۳۵۹، [6] طبری، ص ۸۵۵،

اور اخلاقی تربیت کو ختم کرنے کی عمر پندرہ سال تھی ، پند نامگِ زردشت میں میں لکھا ہے[1] کہ اس عمر میں اس بات کی توقع کی جاتی تھی کہ ایک نوجوان اوستا وزند کی رو سے مذہبی مسائل سے واقف ہو اور انسانی زندگی کے مآل اور اُس کے فرائض کو جانتا ہو ، بیس سال کی عمر میں علماء اور ہیربد اور دستور اس کا امتحان لیتے تھے[2]، خسروِ اوّل کے دربار کا ایک غلام اپنی حاصل کردہ تعلیم کی تفصیل کو یوں بیان کرتا ہے[3]: "مقررہ عمر میں مجھے مدرسہ میں بٹھایا گیا جہاں میں نے "ایک ہیربد کی طرح" اوستا کے اہم ترین حصّے مع شرح زبانی یاد کیے ، اس کے بعد درجۂ متوسّط کی تعلیم میں میں نے ادب اور تاریخ اور بلاغت اور شہسواری اور تیر اندازی اور نیزہ بازی اور طبرزین کے استعمال میں کسبِ کمال کیا ، ان چیزوں کے علاوہ مجھے موسیقی اور علم نجوم میں بھی دخل

[1] پند نامگ زردشت (مقالہ بزبان انگریزی از فرائی مین ویانا ۱۹۰۶ء)، [2] "عہد ساسانی کی ایک گپ شپ" (بزبان جرمن) از زینگر (روئداد ہائڈل برگ اکیڈمی ۱۹۱۲ء، آرٹیکل ۱۱، ۴-۳۱)

[3] "شاہ خسرو اور اس کا غلام" (پہلوی متن، طبع اون والا، پیرس ۱۹۲۱ء)، غلام اپنے آپ کو واسپہر کہتا ہے، (دیکھو اوپر، ص ۱۲۸، ح ۳)، ثعالبی نے خسرو دوم کے عہد کی تاریخ میں (ص ۷۰۵ ببعد) اس بادشاہ اور اس کے غلام خوش آرزو کے درمیان ایک گفتگو تحریر کی ہے جس کا مأخذ اصل پہلوی متن کا (جس پر اون والا کی اڈیشن مبنی ہے) کوئی دوسرا نسخہ ہے ، دونو نسخوں میں (جیسا کہ ظاہر ہے) ایک تو بادشاہ کا نام مختلف ہے (ایک میں خسرو اوّل اور دوسرے میں خسرو دوم ہے) اور دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ایک میں غلام کا نام مذکور ہے اور دوسرے میں نہیں ہے ، موسیو بیلی نے اصل پہلوی متن میں واسپہر کے لفظ سے اس بات کا اندازہ کیا ہے کہ غلام سوسائٹی کی کس جماعت سے تعلق رکھتا تھا ، اصل نسخے میں اس کا نام (خوش آرزو) ساقط ہوگیا ہے ، (دیکھو رسالۂ مدرسۂ علوم مشرقی در لنڈن ۱۹۳۳ء ، ص ۷۲) ، دونو نسخوں میں سے ہر ایک میں بعض عبارات ہیں جو دوسرے میں نہیں ہیں ، تعلیم کی تفصیل ثعالبی کی کتاب میں نہیں دی گئی ،

ہے اور شطرنج اور دوسری کھیلوں میں بھی ماہر ہوں"۔ آخر میں وہ بادشاہ کے سامنے اپنے دوسرے ہنر جو اُسے آتے تھے بیان کرتا ہے مثلاً کھانا پکانا، کپڑے سینا وغیرہ،

لڑکیوں کی تعلیم کے متعلق ہمارے مآخذ میں کوئی اطلاع نہیں ملتی، بارتھولومی نے بجا طور پر یہ قیاس کیا ہے[1] کہ ان کی تعلیم کا نصب العین بیشتر خانہ داری کا سلیقہ تھا، اس کے علاوہ بگ نسک میں صریحاً اصولِ خانہ داری میں عورتوں کی تعلیم پر بحث کی گئی ہے[2]، با ایں ہمہ ممتاز گھرانوں کی عورتوں کو بعض وقت علوم کی گہری تعلیم بھی دی جاتی تھی اور اس بات کا ثبوت ہمیں کتاب مادیگانِ ہزار دادستان کے ایک مقام سے ملتا ہے[3]، لکھا ہے کہ ایک جج کو جبکہ وہ عدالت کو جا رہا تھا پانچ عورتوں نے آکر گھیر لیا اور ان میں سے ایک نے اس سے ضمانت کے خاص موارد پر کچھ سوالات پوچھے، آخری سوال کا وہ کوئی جواب نہ دے سکا، اس پر عورتوں میں سے ایک بول اٹھی کہ "استاد! اس مسئلے پر زیادہ مغز کاوی نہ کرو بلکہ سیدھی طرح سے کہہ دو کہ مجھے معلوم نہیں، میں تمہیں بتاتی ہوں کہ اس کا جواب مگوگان اندرزبد کی شرح میں لکھا ہے"۔

علوم میں اہل روم و یونان ہمیشہ ایرانیوں کے معلم رہے ہیں[4]، ایسے

---

[1] "زن در قانون ساسانی" (ص ۸)، [2] دین کرد، باب ۹، ۶۷، ۹۰،

[3] بارتھولومی: "قانون ساسانی" ج ۴، ص ۳۵ بعد، زن در قانون ساسانی، ص ۹،

[4] شیڈر: "مشرق اور ورثۂ یونان" ص ۲۵۴، (بزبان جرمن)،

لوگ موجود تھے جو کم و بیش اپنے آپ کو علمی مطالعہ میں وقف کر دیتے تھے، چونکہ تمام بڑے بڑے علوم کا منبع ساسانی اوستا تھی لہذا کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ یہ فدائیان علم موبدوں کی جماعت سے تعلّق رکھتے تھے، بندہشن میں اُن تمام علوم طبیعی اور علم کائنات کا خلاصہ اُس شکل میں دیا گیا ہے جس شکل میں کہ وہ ساسانی اوستا اور اس کی شرحوں سے پیدا ہوئے ہیں، یاقوت کی معجم البلدان میں ایک عجیب اطلاع دی گئی ہے[1] کہ ریشہر (ریو اردشیر) میں جو خوزستان کے ضلع ارجان میں ایک چھوٹی سی بستی تھی ساسانیوں کے زمانے میں کاتبوں کی ایک بڑی جماعت تھی جو ایک (پوشیدہ ؟) رسم الخط میں جس کو گشتگ (؟) کہا جاتا تھا طب اور نجوم اور دوسرے پُراسرار علوم کی باتیں لکھتے رہتے تھے، ان کاتبوں کو گشتگ دفتران (؟) کہا جاتا تھا (یعنی وہ لوگ جو خطّ گشتگ میں کتابیں لکھتے تھے)۔

کتاب اوستا کے باب ہُسپارم نسک کے متن اور شرح میں طب اور طبیبوں کے بارے میں تفاصیل درج تھیں، عقیدہ یہ تھا کہ اہورمزد نے ہر مرض کے "سُلانے" کے لیے کم از کم ایک بوٹی ضرور پیدا کی ہے، طبیبوں کی فیس کے بارے میں قواعد مقرّر تھے، علاج کی اجرت میں وہ عمدہ اشیائے خوردنی، اچھے کپڑے اور تیز رفتار گھوڑے کا مطالبہ کر سکتے تھے، نقد روپیہ بطور فیس دینے کے لیے بھی خاص قاعدے تھے مثلاً یہ کہ ایک رئیسِ خانہ یا رئیسِ دیہہ یا حاکمِ ضلع یا حاکمِ ولایت کو کیا فیس دینی چاہیے، نیز یہ کہ غریبوں سے طبیب کو کیا

[1] طبع یورپ، ج ۲، ص ۸۸۷۔

مطالبہ کرنا چاہیے ، جب طبیب سارے جسم کی بیماری کا علاج کرتا تھا اور
جب وہ کسی خاص عضو کی بیماری کا علاج کرتا تھا تو ان دونو صورتوں میں فیس
مختلف ہوتی تھی ، طبیب کا یہ فرض سمجھا جاتا تھا کہ بیمار کا علاج صفائی
اور احتیاط اور پختہ تدبیر کے ساتھ کرے ، اگر وہ آرام طلب ہو اور بیماروں
کو دیکھنے میں تأمل کرے تو وہ ایک جرم کا مرتکب قرار دیا جاتا تھا ، نسکِ
مذکور میں مزید تفاصیل بڑی اور چھوٹی وباؤں کے متعلق بھی دی گئی تھیں ،
طبیبوں کی قابلیت کے لیے ایک طرح کا لائسنس یا سرٹیفکٹ تھا لیکن یہ ہر
وقت ممکن نہیں ہوتا تھا کہ ایک لائسنس یافتہ طبیب میسّر آسکے ، اگر کسی کو
ایرانی طبیب نہ مل سکے تو خاص حالتوں میں اس کو اجازت تھی کہ اجنبی طبیب
کی طرف رجوع کرے ، لیکن ایرانی طبیب میسّر ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص
اجنبی طبیب سے علاج کراتا تھا تو وہ گناہ کا مرتکب سمجھا جاتا تھا[۱] ، با ایں ہمہ
شاہانِ ساسانی اکثر اوقات یونانی یا سریانی طبیبوں کو جو مذہباً عیسائی ہوتے
تھے ترجیح دیتے تھے ،

خاص بیماریوں کے ماہر طبیبوں میں امراضِ چشم کے معالجوں کا ذکر
آتا ہے[۲] ، نسکِ مذکور میں پالتو جانوروں[۳] اور دیوانے کتوں[۴] کے علاج پر
بھی بحث تھی ، نِکاذُم نسک میں بھی علم طب اور بیطاری کے متعلق بعض
تفصیلات دی گئی تھیں[۵] اور ایران کی ایک خاص رسم کا ذکر کیا گیا تھا وہ یہ
کہ اُن مجرموں کو جو سزائے موت کے مستوجب ہوتے تھے بعض وقت طبی

---

[۱] دین کرد ، کتاب ۸ ، ۳۷ ، ۱۴ ببعد ، [۲] ایضاً ، ۳۸ ، ۱۲ ، [۳] ایضاً ، ۳۷ ، ۲۹ ، [۴] ایضاً ، ۳۲ ، ۱ ، [۵] ایضاً ، ۱۹ ، ۳۹ ،

تجربوں کے لیے محفوظ رکھا جاتا تھا[۱]، واجب القتل مجرموں کا طبی تجربوں کے لیے محفوظ رکھنا اس سے پہلے بطالسہ[۲] کے عہد میں مصر میں بھی رائج تھا،

دین کرد کی کتاب سوم میں علم طب کا مختصر سا بیان ہے جو یقیناً عہد ساسانی کے مآخذ سے لیا گیا ہے[۳]، اس کے مصنف نے دو قسم کی صحتوں کا ذکر کیا ہے ایک جسمانی صحت اور ایک روحانی صحت اور اگرچہ طبیبوں کی بھی اس نے دو قسمیں بنائی ہیں ایک وہ جو روحانی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو جسمانی علاج کے ماہر ہیں تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طبابتِ جسمانی میں بھی روحانی علاج کی بحث شامل تھی،

ایران کا طبی نظریہ اگرچہ زرتشتی بنیاد پر قائم تھا جس کی تعمیر اوستائی روایات پر ہوئی تھی تاہم طب یونانی کا اثر ہر قدم پر ظاہر ہے، طبِ بقراطی کی رُو سے علاج تین طریقے سے ممکن ہے: اوّل علاج بذریعہ ادویہ اور اگر وہ مؤثر نہ ہو تو پھر علاج بذریعۂ آہن (یعنی چھری) اور اگر وہ بھی کارگر نہ ہو تو پھر علاج بذریعۂ آتش، لیکن اگر آتش سے بھی شفا نہ ہو تو پھر مرض لاعلاج ہے، وندیداد میں بھی[۴] جو عہد اشکانی کی پہلی صدی میں تالیف ہوئی تین قسم کا علاج مذکور ہے یعنی نشتر، نباتات اور کلام مقدس، آخری علاج سب سے زیادہ مؤثر سمجھا جاتا تھا، علاج بذریعۂ آتش کا ذکر دین کرد میں بھی[۵] موجود ہے جہاں علاج کے

---

[۱] ایضاً، ۲۰، ۴، [۲] (Ptolemies) [۳] اس کا متن دین کرد کی جلد چہارم (پشوتن کی اڈیشن ص ۱۸۱ بعد) میں دیا گیا ہے، دیکھو اس کا انگریزی ترجمہ، ص ۲۲ بعد، فرانسیسی ترجمہ از کسارتلی در رسالہ میوزیوں، ج ۵، ص ۲۹۶ و ۵۳۱ بعد،
[۴] ۷، ۳۶-۴۴، [۵] مقام مذکور،

پانچ طریقے بتائے گئے ہیں : ۱۔ کلام مقدّس ، ۲۔ آتش ، ۳۔ نباتات ، ۴۔ نشتر ، ۵۔ "جلانا" جس سے بظاہر مراد خوشبودار دواؤں کی دھونی لینا ہے ، کلام مقدّس کے ذریعے سے علاج ہمیشہ سب سے زیادہ مؤثّر سمجھا جاتا تھا ، اس سے مراد وہ آیات اور دعائیں تھیں جو کتب مقدّسہ میں سے لی گئی ہوں ،

اچھا طبیب وہی سمجھا جاتا تھا جس میں بیماریوں کو دقّت نظر کے ساتھ معائنہ کرنے کی صلاحیت ہو اور جس کا مطالعہ بہت وسیع ہو[۱]، اس کے لیے لازم تھا کہ جسم انسانی کے اعضا اور ان کے جوڑوں کو خوب پہچانے اور دواؤں کا اُسے پورا علم ہو ، اس پر واجب تھا کہ ہر دلعزیز اور شیریں کلام ہو اور بیماروں کے ساتھ تحمّل روا رکھے[۲]، کتاب مذکور میں ایک اچھے روحانی طبیب اور ایک اچھے جسمانی طبیب کی اخلاقی صفات اور مخصوص معلومات پر طویل بحث ہے لیکن اس میں کچھ زیادہ وضاحت نہیں ہے ، لکھا ہے کہ طبیب روحانی (جو علمائے مذہب کی جماعت سے تعلّق رکھتا ہے) اور طبیب جسمانی دونو کے لیے لازم ہے کہ اپنی قابلیت کے ضروری امتحان دیں ، طبیب جسمانی کے لیے ضروری ہے کہ مومنوں کا علاج شروع کرنے سے پہلے کامیابی کے ساتھ ایک کافر کو اچھا کرے ، اس کے بعد اگر اوپر تلے تین بیمار اس کے ہاتھ سے مرجائیں تو اُسے عمر بھر مطب کرنے کی

---

[۱] دین کرد کے اس جملے کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "جو بہت پڑھ سکتا ہو" (یعنی کلام پاک کے ذریعے سے علاج کر سکتا ہو ؟)

[۲] دین کرد ، مقام مذکور ، ۱۶ - ۱۹ ،

اجازت نہ دی جائے[1]، طبیب کے لیے لازم ہے کہ روزانہ بیمار کی عیادت کے لیے جائے اور جتنی دیر تک ضروری ہو اس کے پاس بیٹھے، علاج کے صلے میں اُسے عمدہ خوراک، تیز رو گھوڑا اور شہر کے مرکزی حصّے میں ایک اعلیٰ مکان رہائش کے لیے دینا چاہیے[2]، لیکن طبیب کو نہیں چاہیے کہ روپے کا زیادہ لالچ کرے، اخلاقی اور مذہبی نقطۂ نظر سے طبیبوں کی کئی قسمیں ہیں، سب سے اچھا طبیب وہ ہے جو محض کارِ ثواب کے طور پر علاج کرے، اس سے اتر کر وہ ہے جو کسبِ مال بھی کرے اور ثواب پر بھی نظر رکھے بشرطیکہ ثواب کو مال پر ترجیح دے، سب سے آخری درجہ اُس طبیب کا ہے جو محض کسب زر کی طرف مائل ہو[3]،

درست بذ یا ایران درست بذ[4] غالباً تمام ایران کے جسمانی طبیبوں کے رئیس کا لقب تھا لیکن تمام اطبائے جسمانی اور روحانی کا رئیس کُل زرتشتروتوم کہلاتا تھا اور اس لقب سے یقیناً یہاں موبدان موبد مراد ہے[5]،

دین کرد کی کتاب مذکور میں مختلف بیماریوں پر جو مشاہدات لکھے گئے ہیں ان سے امراض کا گہرا علم نہیں پایا جاتا، جسمانی مرض اور گناہ کے درمیان متوازیت تسلیم کی گئی ہے، اخلاقی عیوب مثلاً جہالت، فریب، غصّہ، غرور، تکبّر اور شہوتِ نفس کو اُسی طرح جسمانی بیماریوں کا سبب مانا گیا ہے جس طرح کہ عللِ جسمانی مثلاً سردی، خشکی، بدبو، تعفّن، بھوک، پیاس، بڑھاپا اور رنج

---

[1] دین کرد، کتاب مذکور، ۳۱، وندیداد کی ہدایات کے مطابق (۷، ۳۹-۴۰) تین کافروں پر آپریشن کرنے کے بعد امتحان مکمّل ہوتا ہے، [2] ایضاً، ۳۲-۳۳، [3] ایضاً، ۳۴، [4] ایضاً، ۶، ۱۶، ۳۸، [5] ایضاً، ۴۱-۴۲،

و الم کو امراض کا سبب قرار دیا گیا ہے[1]، بیماریوں کی ۹۹۹۹۹ قسمیں بتائی گئی ہیں اور مثال کے طور پر بعض بیماریوں کے نام بھی لیے گئے ہیں جو اوستا میں مذکور ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مصنّف کے لیے ان کی حقیقت ویسی ہی غیر واضح تھی جیسی کہ وہ آج ہمارے لیے ہے،

کتاب مذکور کا آخری حصّہ جس میں معالجات پر بحث ہے سمجھنے میں بہت مشکل ہے، خیالات میں وضاحت نہیں ہے اور اسلوبِ تحریر نہایت پیچیدہ ہے، اس کے علاوہ بہت سی اصطلاحات ایسی استعمال ہوئی ہیں جن کے معنی معلوم نہیں ہیں، طبّ یونانی کی رُو سے طبائع جسمانی کو برودت، حرارت، رطوبت اور یبوست کے مختلف درجوں سے معیّن کیا جاتا ہے، لیکن ایرانیوں نے یونانی نظریے کو طرح طرح سے توڑا مروڑا ہے تاکہ وہ زرتشتی عقیدے کے مطابق ہو جائے جس کی رُو سے تمام امراض اور عیوب کا منبع رُوحِ شر ہے، سردی اور خشکی جو اس منبع سے صادر ہوتی ہیں ان کے نزدیک دو بیماریاں ہیں جن سے جسم کو محفوظ رکھنا ضروری ہے، خون کی حالت اس کی قوّتِ حیات پر منحصر ہے، اگر خون میں قوّتِ حیات ہے تو وہ ایک اچھے طبیب کی مدد سے جس کا کام مناسب دوا تجویز کرنا ہے علاج کو کارگر بنائیگا، غذا کی ترکیب بھی ان کے نزدیک بڑی اہم چیز تھی، عقیدہ یہ تھا کہ غذا میں کافی رطوبت (عنصرِ آبی) ہونی چاہیے جو خشکی کے مضر اثرات کو دفع کرے اور کافی حرارت (عنصرِ آتشی) ہونی چاہیے جو سردی کے اثر کو زائل کرے، غذا میں جو ہوا ہے وہ اُس خاص

---

[1] ایضاً، ۱۵، مقابلہ کرو زند و اوستا (ترجمہ ڈارمیسٹیٹر)، ج ۱، ص ۳۱،

ہوا کے ساتھ جو ترکیبِ مزاج میں ہے جذب ہو جاتی ہے ، اسی طرح غذا میں جو مادۂ خاکی ہے (یعنی غذا کے وہ اجزاء جو عنصرِ خاکی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں) وہ اُس مادۂ خاکی کے ساتھ جو ترکیب مزاج میں موجود ہے مل جاتا ہے ، اچھی صحّت غذا کی اچھی ترکیب پر موقوف ہے بشرطیکہ اعتدال کے ساتھ کھائی جائے[1]

موسیو کاسارتلی نے اس کتاب کے بعض طبّی مسائل کی مشابہت ہندوستانی طب کے ساتھ واضح کی ہے[2] ،

جب چوتھی صدی میں سلطنتِ روم سے نسطوریوں کا اخراج ہُوا تو وہ میسوپوٹیمیا اور ایران میں پھیل گئے ، عیسائیوں نے اپنے خاص مدرسے وہاں قائم کیے جن میں یونانی طب پڑھائی جاتی تھی ، ان میں سب سے مشہور طبّیہ مدرسہ گندیشاپور میں تھا جو ساسانیوں کے بعد بھی باقی رہا اور دورِ اسلامی کی ابتدائی صدیوں میں علم طب کا بڑا اہم مرکز تھا ،

خسروِ اوّل کے عہد کے ممتاز لوگوں میں سے صرف ایک ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے بطور ایک زندہ ہستی کے نظر آرہا ہے ، وہ شاہی طبیبوں کا رئیس برزویہ ہے جو مشہور و معروف ہے ، اس کی اپنی لکھی ہوئی سوانح عمری موجود ہے جس کو ابن المقفّع نے "کلیلہ و دمنہ" کے عربی ترجمے کا مقدّمہ قرار دیا ہے ، کلیلہ و دمنہ برزویہ کی مشہور تصنیف ہے جس کا ذکر ہم آگے چل کر کرینگے ، مقدّمۂ مذکور میں اس طبیبِ اعظم کے ذاتی حالات

---

[1] دین کرد ، کتاب مذکور ، ۴۹ - ۵۲ ، [2] ترجمۂ فرانسیسی ، مقام مذکور ، ص ۲۱۴ ببعد ،

کا بیان[1] یوں شروع ہوتا ہے :-

"میرا باپ لشکریوں[2] میں سے تھا اور میری ماں علمائے مذہب کے ایک ممتاز خاندان کی بیٹی تھی ، خدا کی سب سے پہلی عنایت جو میرے حال پر ہوئی وہ یہ تھی کہ میں اپنے ماں باپ کا چہیتا بیٹا تھا اور وہ میرے بھائیوں کی نسبت میری تعلیم و تربیت کا زیادہ خیال کرتے تھے ، جب میں سات برس

---

[1] بیرونی کی کتاب الہند میں ایک عبارت ہے جس کی طرف آقای عباس اقبال نے جنھوں نے ابن المقفّع کی تصانیف پر ایک فارسی رسالہ لکھا ہے اور موسیو گبریئلی نے توجّہ دلائی ہے (رسالہ "مطالعات مشرقی" بزبان اطالوی ، ج ١٣ ، ص ٢٠٣) ، عبارت مذکور میں بیرونی لکھتا ہے کہ ابن المقفّع نے کلیلہ و دمنہ کے عربی ترجمے میں برزویہ پر ایک باب کا اضافہ اس لیے کیا ہے کہ ضعیف الایمان لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرکے ان کو مانویت کی طرف مائل کرے ، (کتاب الہند ، طبع سخاؤ ، ص ٧٨) ، واضح ہو کہ "مقدّمے" میں مانویت کا کوئی ذکر نہیں اگرچہ (جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھینگے) وہ مانویت کے میلان سے بالکل عاری نہیں ہے ، لیکن حقیقت میں جو بات اہمیت رکھتی ہے وہ بیرونی کا یہ بیان ہے کہ ابن المقفّع نے مقدّمہ کا اضافہ کیا ہے گویا دوسرے لفظوں میں وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ مقدّمہ اصل پہلوی میں موجود نہ تھا ، لیکن بیرونی یہ نہیں کہتا کہ مقدّمہ ابن المقفّع کی جعلسازی ہے ، حقیقت یہ ہے کہ اس میں خسرو اوّل کے عہد کے آثار اور واقعات کی طرف اشارے اس طرح سے پلئے جاتے ہیں کہ آٹھویں صدی کا ایک مصنّف ان کو اپنی طرف سے نہیں گھڑ سکتا ، لہذا ہماری رائے یہ ہے کہ مقدّمے کے مستند ہونے میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے ، ابن المقفّع نے برزویہ کی سوانح عمری کا (جو علیحدہ کتاب کی شکل میں موجود تھی) ترجمہ کرکے کلیلہ و دمنہ کے عربی ترجمے میں شامل کرلیا ہے ، یہ ممکن ہے (جیسا کہ نولڈکہ اور گبریئلی نے فرض کیا ہے) کہ اس نے اصل پہلوی کو کسی قدر آزادی کے ساتھ استعمال کیا ہو اور اس میں بعض تصرّفات کیے ہوں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جو فصل ابن المقفّع نے کلیلہ و دمنہ کے شروع میں بڑھائی ہے وہ برزویہ کے قلم کی لکھی ہوئی ہے ،

[2] یعنی اسواران ،

کا ہوا تو اُنھوں نے مجھے مکتب میں بٹھا دیا، جب مجھے اچھی طرح لکھنا پڑھنا آ گیا تو میں نے اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کیا اور سائنس کی تحصیل کی طرف توجہ کی، سب سے پہلی چیز جس نے مجھے اپنی طرف کھینچا وہ طب تھی، مجھے اس سے بیحد دلچسپی تھی کیونکہ مَیں اس کی خوبی کو پہچانتا تھا، جوں جوں مَیں اسے سیکھتا تھا توں توں مجھے اُس سے رغبت زیادہ ہوتی جاتی تھی اور مَیں زیادہ سرگرمی کے ساتھ اس کے مطالعے میں اپنا وقت لگاتا تھا، جب مَیں نے اتنی ترقّی کر لی کہ مجھے بیماروں کے علاج کرنے کا خیال آنے لگا تو مَیں نے غور کرنا شروع کیا کہ چار چیزوں میں سے جن کی لوگ تمنّا کیا کرتے ہیں (یعنی روپیہ، بہبودی، شہرت اور ثوابِ آخرت) مجھے کس چیز کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے؟ جس بات نے میرے انتخاب کا فیصلہ کیا وہ یہ تھی کہ میں نے دیکھا کہ عقلمند لوگ علم طب کی ستایش کرتے ہیں اور کوئی مذہبی عقیدہ اس کی مذمّت نہیں کرتا، علاوہ اس کے میں نے طب کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ بہترین طبیب وہ ہے جو علاج کرنے میں سوائے ثوابِ آخرت کے کسی چیز کی آرزو نہ رکھے، چنانچہ میں نے تہیّہ کر لیا کہ دنیاوی فائدے کی خاطر ثوابِ عقبیٰ کو ہاتھ سے نہ دونگا، لیکن مَیں نے پُرانی کتابوں میں یہ بھی پڑھا تھا کہ اگر ایک طبیب ثوابِ آخرت کی تمنّا رکھتا ہے تو اس کی وجہ سے اُسے دنیاوی مال کا نقصان نہیں ہوتا جس طرح کہ ایک کاشتکار کھیت میں اناج بوتا ہے اور اُس کا مقصد اناج حاصل کرنا ہوتا ہے لیکن کھیت میں اناج کے ساتھ اور کئی قسم کی بُوٹیاں خود بخود اُگ آتی ہیں، غرض میں نے ثوابِ آخرت کی آرزو کے ساتھ بیماروں کا علاج

کرنا شروع کیا، جس بیمار کے اچھا ہونے کی اُمید ہوتی اُس کا مَیں بڑی توجہ سے علاج کرتا اور جس کے صحت یاب ہونے کی اُمید نہ ہوتی اس کو کم از کم تکلیف میں تسکین دینے کی کوشش کرتا تھا، جس بیمار کی میں خود خدمت کرسکتا تھا خود کرتا تھا لیکن اگر یہ ممکن نہ ہوتا تو نسخہ لکھ دیتا اور اپنے پاس سے خرچ اور دوائیں دیتا تھا کسی بیمار سے مَیں کوئی فیس یا معاوضہ نہیں لیتا تھا، اپنے ہم پیشہ طبیبوں میں سے جو علم میں میرے برابر تھے یا جاہ و دولت میں مجھ سے بڑھے ہوئے تھے مجھے کسی پر رشک نہیں آتا تھا . . . .''[1]

'' . . . . لیکن میری یہ روش مجھے اس بات سے مانع نہ ہوئی کہ کہیں بادشاہوں[2] سے دنیاوی مال و نعمت قبول کروں چنانچہ ہندوستان جانے سے پہلے اور واپس آکر بھی مجھے اس مال و نعمت کا حصّۂ وافر ملتا رہا اور وہ بھی اتنا کہ میرے امثال و اقران میں سے کسی کو نصیب نہ تھا . . . .''[3]

خسرو نے علمائے زرتشتی کے ساتھ اتحاد کرلیا تھا جس سے غرض یہ تھی کہ مزدکیت کا استیصال ہوسکے، لیکن نہ علمائے مذہب کو اور نہ امرا کو اس کے عہد میں وہ اقتدار نصیب ہوا جو اُن کو پہلے حاصل تھا، وہ خود یقیناً زرتشتی تھا لیکن شاہانِ ساسانی میں وہ اس بات میں ممتاز ہے کہ مذہب کے

---

[1] کتاب کلیلہ و دمنہ پر مقدّمہ برزویہ کا جرمن ترجمہ از نولڈکہ (تالیفات انجمن علمی در شتراس برگ، سنہ ۱۹۱۲ء، ص ۱۱ ببعد)، [2] یعنی شہنشاہ اور وہ شہزادے جو گورنر تھے اور شاہ کا لقب رکھتے تھے، [3] نولڈکہ، مقام مذکور، ص ۱۴،

معاملے میں وہ نہایت فراخ دل تھا اور مختلف مذہبی اور فلسفیانہ عقاید کو وہ بے تعصبی کی نظر سے دیکھتا تھا، رفاہ عام کے کاموں میں اُسے عیسائیوں سے مدد لینے میں کوئی دریغ نہ تھا، شہر رُومگان کو آباد کرنے کے بعد اُس نے یعقوبی عیسائیوں کو اجازت دی کہ اپنے آپ کو ایک ملّت کی شکل میں منظّم کر کے اپنا جاثلیق منتخب کرلیں، ایران کے عیسائیوں کو خسرو کی یہ مہربانی مدّتوں تک یاد رہی[1]، اس کے عہد میں ایران کے عیسائی ایک بحران کے زمانے میں سے گزر رہے تھے، زرتشتیوں کی دیکھا دیکھی اُنھوں نے محرّمات کے ساتھ شادی کرنے کی رسم اختیار کر لی تھی حالانکہ یہ امر اُن کی شریعت کے بالکل خلاف تھا چنانچہ مار ابہا نے جو ۵۴۰ء میں جاثلیق منتخب ہوا اس رسم کو بند کرانے کی دل و جان سے کوشش کی[2]، ایران اور روم کے درمیان جنگ کے آغاز میں موبدان موبد داذ ہرمزد نے عیسائیوں پر تعدّی شروع کی خصوصاً اُن ایرانی نجبا پر جو عیسائی ہو گئے تھے، جنگ کی شدّت نے تعصّب کی آگ کو زیادہ بھڑکایا، بادشاہ کو یہ تعدّی روا نہ تھی لیکن سیاسی مصلحت کی وجہ سے اُس نے اس کو برداشت کیا[3]، مار ابہا کو قید کیا گیا اور قریب تھا کہ اُسے سزائے موت دی جائے،

کچھ عرصہ بعد چونکہ عیسائیوں نے بعض ناعاقبت اندیشی کی حرکتیں کیں لہذا

---

[1] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۱۶۲، ح ، [2] لابور، ص ۱۷۵، مقابلہ کرو ادپر، ص ۴۲۸، چندسال پیشتر مار ابہا قسطنطنیہ سے اس ڈر کے مارے بھاگا تھا کہ کہیں اُسے قتل نہ کیا جائے کیونکہ اس نے نسطوری علماء کی تکفیر کرنے سے انکار کیا تھا، (لابور، ص ۱۶۷)،
[3] لابور، ص ۱۷۶ ببعد،

موبدوں نے کوشش کی کہ مار ابہا کا کام تمام کیا جائے۔ اس بچارے کی حالت بہت مخدوش تھی اور جب عیسائیوں نے انوشگ زاذ کی بغاوت میں شرکت کی تو اس کے لیے خطرہ اور بھی بڑھ گیا، لیکن با ایں ہمہ خسرو نے مار ابہا کو آزاد کر دیا اور اُسے اس بات پر مأمور کیا کہ اپنے ہم مذہبوں کو انوشگ زاذ کی رفاقت سے علیحدہ کرے چنانچہ اس نے اس کام میں توقع سے بڑھ کر کامیابی حاصل کی[1]۔

سنہ ۵۶۲ع میں (جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں) ایران و روم کے درمیان صلح ہو گئی اور عیسائیوں کو دوبارہ مذہبی آزادی مل گئی[2]۔

توراۃ کا پہلوی ترجمہ جس کے بعض اجزاء چینی ترکستان میں دستیاب ہوئے ہیں اور اب برلن کے عجائب گھر میں محفوظ ہیں غالباً خسرو ہی کے عہد کی یادگار ہے، یہ اجزاء اُس ترجمے کے کسی نسخے میں سے ہیں جو سریانی سے پہلوی میں کیا گیا تھا اور پہلوی زبان اور پہلوی خط کے مطالعے کے لیے بڑی اہمیت رکھتے ہیں[3]۔

ایک عیسائی مسمّٰی پالوس پرسا[4] نے (جو غالباً وہی پال ہے جو جاثلیق جوزف جانشین مار ابہا کے زمانے میں نصیبین کا بطریق تھا[5]) بادشاہ کے لیے ارسطو کی منطق کا سریانی میں ترجمہ کیا جس میں خدا اور کائنات کے متعلق اُس

[1] ایضاً، ص ۸۷ ابعد، [2] دیکھو اوپر، ص ۴۹۹، [3] دیکھو آنڈریاس: پرشیا کی علمی اکیڈمی کی روئداد بابت سنہ ۱۹۱۰ع، ص ۸۶۹ ببعد، [4] (Paulus Persa)
[5] مرکاتی (Mercati) پالوس کی زندگی اور تصانیف (بزبان اطالوی) روما، سنہ ۱۸۹۹ع، نیز دیکھو لابور، ص ۱۶۶،

نے مختلف عقیدوں کو یوں بیان کیا[1] : "بعض لوگ ایک خدا کو مانتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ خدا ایک نہیں ہے، بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا کی صفات متضاد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ متضاد نہیں ہیں، بعض اس بات کے قائل ہیں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ قادر نہیں ہے، بعض لوگ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ خدا دنیا و مافیہا کا خالق ہے اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہر چیز کا خالق نہیں ہو سکتا، بعض اس بات کے معتقد ہیں کہ دنیا عدم سے وجود میں لائی گئی ہے اور بعض اس بات کو مانتے ہیں کہ خدا نے دنیا کو اُس جوہرِ مادّی میں سے پیدا کیا جو پہلے سے موجود تھا ....."

موسیو کاسارتلی کی رائے میں مصنّف نے یہاں اُن عقیدوں کو بیان کیا ہے جو اس کے زمانے میں ایرانی مذہب کے اندر رائج تھے، جو کچھ بھی ہو ہم صرف اس بات سے کہ پالوس نے یہ کتاب خسرو کے لیے لکھی اور اس میں ایسے عقاید کا اظہار کیا جن میں فلسفے کو مذہب پر فائق تسلیم کیا یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ بادشاہ کو فلسفیانہ خیالات کے ساتھ ایسی دلچسپی تھی جو موبدوں کے مذاق کے ساتھ موافق نہ تھی، اس کے علاوہ اگاتھیاس نے صریحاً اس امر کی تصدیق کی ہے لیکن ایک ایسی غرور آمیز حقارت کے

---

[1] لینڈ (Land) : "حکایات سریانی" ج ۴، ص ۲-۳، از ترجمۂ لاطینی، کاسارتلی: "عہد ساسانی میں مزدائیت کا مذہبی فلسفہ" (رسالۂ "مطالعات مشرقی" بزبان اطالوی ج ۱۴، ۱۹۳۳ء، ص ۱۷ ببعد،) ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ پالوس کی کتاب کا ترجمہ سریانی سے پہلوی میں ہو گیا ہوگا لیکن یہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ خسرو سریانی زبان پڑھ سکتا ہو،

ساتھ جو یونانی ہونے کی حیثیت سے ایک نامہذّب بادشاہ کے لیے اس کے دل میں تھی، اگاتھیاس کو سپاہیانہ خوبیوں کے سوا انوشروان کی اور کوئی بات پسند نہ تھی، اُس کے نزدیک یہ بات کیسے ممکن ہے کہ ایک بادشاہ جو سیاسی اور جنگی معاملات میں اس طرح مصروف ہو یونانی اور رومی ادبیات کی لفظی اور معنوی خوبیوں کو بنظرِ غائر دیکھ سکے خصوصاً جبکہ اُس کے پیش نظر یونانی کتابوں کے صرف وہ ترجمے ہوں جو بقول اس کے ایک "اکھڑ اور بدرجۂ غایت ناشائستہ" زبان میں کیے گئے ہوں[1]، یورینیوس جو فلسفی اور طبیب تھا اور قوم کا سریانی تھا خسرو کو فلسفہ پڑھاتا تھا، اگاتھیاس کے نزدیک وہ ایک جاہل اور فریبی شخص تھا، خسرو موبدوں کو جمع کرکے ان کے ساتھ تکوینِ عالم اور اسی قسم کے دوسرے مسائل پر بحث کیا کرتا تھا مثلاً یہ کہ آیا جہان غیر متناہی ہے یا نہیں اور آیا وہ علّتِ یگانہ پر مبنی ہے یا نہیں[2]،

مذہبی تعصّب جو اُس زمانے میں سلطنت روم کی فضا پر چھایا ہوا تھا اس کو دیکھتے ہوئے ایران کی مذہبی آزادی ہماری نظروں میں اور زیادہ نمایاں ہوتی ہے، ۵۲۹ء میں ایتھنز کے مدرسۂ فلسفہ کے بند ہو جانے کے بعد حکماء پر جو تعدّی کا آغاز ہوا تو اس کی وجہ سے سات فلسفی یعنی (۱) ڈیمیسیوس سریانی، (۲) سمپلیسیوس جو کیلیکیا کا رہنے والا تھا،

---

[1] اگاتھیاس، ج ۲، ص ۲۸، بقول اگاتھیاس لوگ یہ سمجھتے تھے کہ خسرو کو ارسطو اور افلاطون کی تصانیف کے ساتھ بڑا شغف ہے،

[2] اگاتھیاس، ج ۲، ص ۲۹،

(۳) یولیمیوس باشندۂ فریجیا، (۴) پریسیئنوس باشندۂ لیڈیا، (۵) ہرمیاس فینیقی (۶) دیوجانس فینیقی اور (۷) ایسیڈور غزّی[۱] طیسفون میں آکر پناہ گزین ہوئے جہاں بادشاہ نے نہایت اشتیاق کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا، یہ سچ ہے کہ ایران کا طلسم ان کی نظروں میں جلد ٹوٹ گیا اور ایرانیوں کی وحشیانہ رسموں اور بے رحمیوں اور اُن تعدّیوں کو دیکھ دیکھ کر جو امراء اپنے زیردستوں پر کرتے تھے وہ آزردہ خاطر ہو گئے اور ایران سے چلے گئے تاہم خسرو نے نہایت سرگرمی کے ساتھ ان کی حمایت کی اور قیصر روم کے ساتھ جو عہد نامہ اُس نے کیا اس میں یہ شرط لکھوائی کہ ان کو اپنے ملک میں واپس آنے کی آزادی دی جائے[۲]،

خسرو اول کے عہد میں اگر ایک طرف یونانیت کا احیاء ہُوا تو دوسری طرف ایرانیوں کی ذہنی زندگی پر ہندوستان کے تمدّن کا بھی اثر پڑا، پہلوی کی ایک چھوٹی سی کتاب میں جس کا نام ماديگان چترنگ ہے اور جو عہد ساسانی کے بعد کی تصنیف ہے ایک پرانی روایت مذکور ہے کہ شطرنج کا کھیل ہندوستان سے خسرو کے زمانے میں ایران آیا[۳]، اُن ہندوستانی کتابوں میں سے جو پہلوی

[۱] ان سات فلسفیوں کے نام بحروف انگریزی حسب ذیل ہیں :-

(1) Damascios of Syria. (2) Simplicios of Cilicia.
(3) Eulamios of Phrygia. (4) Priscianos of Lydia.
(5) Hermias the Phœnician. (6) Diogenes the Phœnician.
(7) Isidore of Gaza.

[۲] اگاتھیاس، ج ۲، ص ۳۰-۳۱، [۳] دیکھو اوپر، ص ۶۹، ہرٹسفلڈ کا خیال ہے کہ شطرنج کا کھیل پہلے سے ایران میں رائج تھا (آثار قدیمۂ ایران، ج ۳، ص ۲۸)،

میں ترجمہ ہوئیں ایک بدھائی افسانہ ہے جس کا اصل ضائع ہو چکا ہے لیکن اس کی عربی روایت سے ہم آشنا ہیں جو پہلوی ترجمے سے لی گئی ہے اور "بلوہر و یوذاسف" کے نام سے موسوم ہے، اس کے سریانی ترجمے سے یونانی افسانہ موسوم بہ "برلام و یُوّاسف" ماخوذ ہے، اس کے علاوہ قرونِ وسطیٰ کی بہت سی یورپین زبانوں میں اس کی اشاعت ہوئی[۱] اس سے بھی زیادہ مشہور کتاب "کلیلگ و دمنگ" ہے جو سنسکرت کے ایک مجموعۂ حکایات موسوم بہ "پنچ تنتر" کا پہلوی ترجمہ ہے، یہ ترجمہ برزویہ طبیب نے کیا تھا جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں، اس کتاب کا اصل نسخہ وہ ہندوستان سے آتے ہوئے ایران لایا تھا[۲]، اس واقعہ کے متعلق جو افسانہ آمیز قصے پیدا ہوئے ہیں[۳] ان سے ہمیں اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب ایرانیوں میں کس قدر مقبول ہوئی تھی، پہلوی سے وہ فوراً سریانی میں ترجمہ ہوئی اور بعد میں اسے ابن المقفع نے عربی میں ترجمہ کیا جس کے ساتھ مقدمے کی شکل میں برزویہ کی خود نوشتہ سوانح عمری کا اضافہ کیا گیا، پھر اُسے رودکی نے فارسی میں نظم کیا اور دوسرے شاعروں نے بھی اس پر طبع آزمائی کی،

خسرو اول کے عہد کے مذہبی اور فلسفیانہ عقاید پر تبصرہ کرنے میں ہم دوبارہ برزویہ کی خود نوشتہ سوانح عمری کی طرف رجوع کرتے ہیں، ہم کو اس میں انسانی زندگی، حالاتِ معاشرت اور اخلاق حمیدہ کے بارے میں ایسے

۱؎ نولڈکہ: ترجمۂ دیباچۂ برزویہ، ص ۵، روزن برگ: پارسی ادبیات پر اطلاعات، ص ۵۷، ۲؎ دیباچۂ برزویہ (خاتمے کے نزدیک) ۳؎ فردوسی، طبع مول، ج ۶، ص ۴۴۴ ببعد، ثعالبی، ص ۶۲۹ ببعد،

خیالات ملتے ہیں جو ایک مضطرب رُوح کا پتہ دیتے ہیں کہ حقیقت کی تلاش میں ہے لیکن اس کو نہیں پاتی، ایک عبارت اس میں ایسی ہے جس میں مذاہب کا تنوّع بیان کیا گیا ہے اور جس کے متعلق نولڈکہ کا خیال ہے کہ وہ مترجم کی اضافہ کی ہوئی ہے اس لیے کہ جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ برزویہ کے زمانے کی نسبت ابن المقفع کے زمانے کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتے ہیں، لیکن اگر ہم اُن فلسفیانہ عقاید کو مدّنظر رکھیں جو خسرو کے عہد میں رائج تھے اور اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ خسرو خود فلسفے کے ساتھ شغف رکھتا تھا اور پھر پالوس پرسا کی اُس عبارت کو پیش نظر رکھیں جو ہم اوپر نقل کر آئے ہیں تو ہمیں ہرگز اس بات پر تعجب نہیں ہوگا کہ ذیل کی عبارت کا مصنّف برزویہ ہے[۱]:-

"میں دیکھتا ہوں کہ دنیا میں بہت سے مذہب ہیں اور ان کے ماننے والے بھی قسم قسم کے لوگ ہیں، بعض لوگوں کو ان کا مذہب اپنے آباو اجداد سے ورثہ میں ملا ہے، بعض کو تشدّد اور خوف کے ذریعے سے مذہب قبول کرایا گیا ہے اور بعض وہ ہیں جو اپنے مذہب کی بدولت دنیاوی فائدے اور خوشیاں اور عزت حاصل کرنے کے امیدوار ہیں، لیکن ہر شخص کو یہ دعوےٰ ہے کہ صداقت و عدل پر اُسی کا قبضہ ہے اور دوسرے مذہب والے گمراہی

---

[۱] دیباچۂ برزویہ کے اس حصّے کے مستند ہونے کے بارے میں جو میری رائے ہے اس کو میں نے ایک لیکچر میں بیان کیا تھا جو میں نے سنہ ۱۹۳۲ء میں پیرس میں دیا تھا، موسیو پال کراؤس نے بھی یہی مشاہدات بیان کیے ہیں جو میں نے کیے تھے اور میری طرح انھوں نے بھی برزویہ اور پالوس پرسا کے خیالات کی مشابہت کو واضح کیا ہے "مطالعات مشرقی" بزبان اطالوی ج ۱۴، سنہ ۱۹۳۴ء، ص ۱۴ ببعد،

وضلالت میں ہیں، خالق ومخلوق، مبدأ و معاد اور دوسرے مسائل کے بارے میں سب کے عقاید ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن ہر شخص دوسرے کی تحقیر کرتا ہے اس پر معترض ہوتا ہے اور اس کو نفرین کرتا ہے، یہ دیکھ کر میں نے ارادہ کیا کہ عالموں اور مختلف عقیدوں کے پیشواؤں کی طرف رجوع کروں اور دیکھوں کہ وہ کس بات کی تعلیم دیتے اور کس راستے کی طرف ہدایت کرتے ہیں تاکہ شاید میں حق و باطل کے درمیان تمیز کرسکوں اور پورے اعتماد کے ساتھ اپنے آپ کو صداقت کے ساتھ وابستہ کرسکوں اور آنکھیں بند کر کے ایسی بات کو صحیح نہ مان لوں جس کو میں نہیں سمجھتا، چنانچہ میں نے اسی پر عمل کیا اور مطالعہ و مشاہدہ میں مصروف ہوگیا، لیکن میں نے دیکھا کہ ان لوگوں میں سے کسی کے پاس سوائے اوہام باطلہ کے اور کچھ نہیں، ہر شخص اپنے مذہب کا مداح ہے اور دوسرے کو ضرر پہنچانے کے درپے ہے، تب مجھ پر یہ بات روشن ہوگئی کہ ان لوگوں کے عقاید کی بنیاد ہوا پر ہے اور وہ انصاف کی بات نہیں کرتے، میں نے کسی شخص میں بھی ایسی معقولیت اور ایسا خلوص نہ دیکھا کہ عقلمند لوگ اس کی بات کو تسلیم کرسکیں ....."

اس قسم کے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد برزویہ کہتا ہے کہ سب سے زیادہ معقول بات یہ ہے کہ آدمی اسی مذہب پر قائم رہے جو اس کو باپ سے ورثے میں ملا ہو، لیکن اس رائے کو بھی وہ یہ کہہ کر چھوڑ دیتا ہے کہ اگر ایسا کرنا ٹھیک ہے تو پھر ایک جادوگر جس کے باپ دادا بھی جادوگر تھے اپنے آپ کو اپنے پیشے میں حق بجانب خیال کرسکتا ہے، بالآخر اس کو یہ خیال

آتا ہے کہ اب خاتمہ نزدیک ہے اور وہ وقت جلد آنے والا ہے کہ دنیا اس کے لیے معدوم ہو جائیگی، بہتر یہ ہے کہ دنیا کی لذّتوں سے ہاتھ اُٹھایا جائے اور زہد و ریاضت کی زندگی بسر کی جائے[1]،

آخری نتیجہ جس پر برزویہ پہنچا ہے نہایت بامعنی ہے، زہد و ریاضت زرتشتی اصول کے بالکل خلاف ہے، لیکن عیسائیوں، عرفانیوں، مانویوں اور مزدکیوں نے ترکِ دنیا اور زہد کی ایسی رٹ لگائی کہ بالآخر اس کے اثرات متعدّی ہو کر مزدائیوں میں بھی پھیل گئے[2]، ان اثرات پر ہندوستانی عقیدوں کا اور اضافہ ہوا جن کا برزویہ سب سے بڑا نمایندہ تھا،

کتاب کلیلہ و دمنہ ہندوستان کی قوّتِ فکر کا ایک ممتاز نتیجہ ہے، جس جوش کے ساتھ ایران میں اس کا خیر مقدم ہوا اُس کا باعث یہ تھا کہ وہ تعلیمِ اخلاق اور وعظ و نصیحت کے مضمون پر ادبیات کی اُن کتابوں کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی تھی جو خسرو کے عہد میں ایرانیوں کو بہت پسند تھیں یعنی کتبِ اندرزر یا کتبِ پند و نصیحت[3]، یہ مقبولِ عام کتابیں ہمارے لیے خاص دلچسپی کا باعث ہیں کیونکہ ان سے ہمیں تمدّنِ ساسانی کی آخری صدی میں زرتشتیوں کی اخلاقی تعلیم کی تدریجی ترقّی کا حال معلوم ہوتا ہے، جو معلومات ہمیں ان کتابوں سے حاصل ہو سکتی ہیں ان کی تکمیل کے لیے دادستان مینوگِ خرد اور ارداگ ویراز نامگ اور دوسری مذہبی کتابوں سے جن کے مآخذ خسرو کے عہد کے ساتھ مربوط ہیں استفادہ کیا جا سکتا ہے[4]،

---

[1] نولڈکہ: ترجمۂ دیباچۂ برزویہ، ص ۱۵ ببعد، [2] دیکھو اوپر، ص ۲۰۱،
[3] دیکھو اوپر، ص ۶۷، [4] دیکھو اوپر، ص ۶۵،

ان کتابوں کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں :-

نیکی علم و دانش کا نام ہے کیونکہ انسان کی عمدہ صفات کا منبع علم و عقل ہے[1]، نیکیوں میں سب سے پہلا درجہ سخاوت کا ہے[2]، محسن ہمیشہ عادل ہوتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ جب تک جرم کی تفتیش پوری طرح نہ کی جائے سزا نہیں دینی چاہیے[3] اور یہ کہ دشمن سے بھی جو اس کے ساتھ برسرپیکار ہے عدل کرنا چاہیے[4]، اُس مال میں سے خیرات کرنا جو دیانت داری کے ساتھ محنت سے کمایا گیا ہو مستحسن ہے، وہ زندگی جو ایسے خیرات کے کاموں میں بسر کی گئی ہو سب سے زیادہ خوشی اور امن کی زندگی ہے[5]، کارآمد جانوروں پر مہربانی کرنا مزدائیت کا قدیم فرمان ہے[6]، ارداگ ویراز نے جہنّم کے سفر میں ایک شخص کو دیکھا جس کا سارا جسم سوائے دائیں پاؤں کے عذاب میں مبتلا تھا، اس شخص نے ساری عمر میں کوئی نیکی نہیں کی تھی سوائے اس کے کہ ایک دفعہ اُس نے اپنے دائیں پاؤں کے ساتھ چارے کا گٹھا دھکیل کر ایک بارکش بیل کے آگے کیا تھا[7]۔

محنت اور جانفشانی دو ایسی خوبیاں ہیں جو خاص طور پر بنظر استحسان دیکھی گئی ہیں، محنت سے انسان ناموری اور عزت میں اپنے آپ کو غرق کر سکتا ہے[8]، جانفشانی سے انسان دولت کما سکتا ہے جس کو وہ مکان اور تنور اور کاروانسرائیں تعمیر کرا کر ابنائے جنس کے فائدے کے لیے صرف کر سکتا

---

[1] پندنامگِ وزرگمہر (طبع پشوتن سنجانا، ۲۲)، [2] مینوگ خرد، ۳۷، ۴
[3] اندرزِ آذربد، طبع پشوتن سنجانا، ۲، ۵۲، [4] پندنامگ بزرگمہر، ۲۹، ۱۰۰،
[5] پندنامگِ وزرگمہر، ۲۹، ۱۰۰، [6] پندنامگِ زردشت (طبع فرائی مین)، ۹،
[7] ارداگ ویرازنامگ، ۳۲، [8] پندنامگِ وزرگمہر، ۳۳،

ہے[1]، لیکن ہر چند کہ دولتمندی پسندیدہ چیز ہے لیکن شریفانہ فقیری اُس ثروت سے بہتر ہے جو ظلم سے حاصل کی گئی ہو[2]، تعریف کے قابل وہ شخص ہے جو اُن رنجوں اور تکلیفوں کو جو اہرمن اور دوسری شریر ہستیوں کی طرف سے اُسے پہنچیں صبر کے ساتھ برداشت کرے[3] خصوصاً وہ جو بُری خواہشوں کو عزتِ نفس کے ساتھ، غصّے کو تحمّل کے ساتھ، حسد کو بدنامی کے خوف کے ساتھ، شہوتِ نفس کو قناعت کے ساتھ اور جنگجوئی کی رغبت کو انصاف کے ساتھ دبائے[4]،

فقط پرہیزگاری ایسی چیز ہے جس کے ذریعے سے انسان کسب فضائل کر سکتا ہے جو کہ زندگی کی زینت ہیں، آدمی کو ہمیشہ تواضع کے ساتھ گفتگو کرنی چاہیے اور اپنے مخاطب کے سامنے کبھی تیوڑی نہیں چڑھانی چاہیے[5] کیونکہ خوش خلقی اور شیریں کلامی عمدہ خصلت کی علامتیں ہیں[6]، بدگوئی جادوگری سے بھی بدتر ہے[7]، کسی سے انتقام لینے یا کسی کو ضرر پہنچانے کی فکر میں نہیں رہنا چاہیے[8]، جو شخص دوسرے کے لیے جال بچھاتا ہے خود اُس میں پھنستا ہے[9]،

صحت کو برقرار رکھنے کے لیے اعتدال کے ساتھ کھانا چاہیے[10] اور کھانے پینے میں بات کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے[11]، شراب اگر اندازے کے ساتھ پی جائے تو بہت فائدہ کرتی ہے، قوّتِ ہضم کو بیدار کرتی ہے جسم کی حرارت

---

[1] ارداگ ویراز نامگ، ۹۳، ۵، [2] مینوگِ خرد، ۱۵، ۴، [3] ایضاً ۳۹، ۳۱،
[4] پند نامگ وزرگمہر، ۶۷، [5] اندرزِ آذربد، ۸۵، [6] پند نامگِ وزرگمہر، ۲۵،
[7] مینوگ خرد، ۲، ۱۱، [8] اندرزِ آذربد، ۵۴، [9] ایضاً ۱۰۸،
[10] مینوگِ خرد ۲، ۲۸، [11] دین کرد، ج ۸، ۴۳، ۳۷، ج ۹، ۹، ۲، نیز مقابلہ کرو اے پہ، ص ۱۵۶،

کو بڑھاتی ہے فکر اور حافظے کو تیز کرتی ہے زبان کو رواں کرتی ہے اور زندگی کو خوشگوار بناتی ہے[1] بدخصلت آدمی اس کو پینے سے مغرور، بدخُلق اور لڑاکا ہو جاتا ہے اور بیوی بچّوں اور نوکروں کے ساتھ بُری طرح پیش آتا ہے[2]، نیز اگر اس کو افراط کے ساتھ پیا جائے تو اس سے جسم اور جان کو کمزوری لاحق ہوتی ہے[3]،

اندرزِ آذربد میں بعض عملی نصیحتیں بیان ہوئی ہیں مثلاً: عورتوں کو راز کی بات نہیں بتانی چاہیے اور نہ احمقوں کے ساتھ بحث کرنی چاہیے سُنی سُنائی بات کو اس طرح بیان نہیں کرنا چاہیے کہ گویا چشم دید واقعہ ہے، بے محل ہنسنا نہیں چاہیے، حاسدوں کے سامنے اپنی دولت کی نمایش کرنا اچھا نہیں ہے، بات کرنے سے پہلے سوچنا ضروری ہے کیونکہ بے سوچے سمجھے بات کا کہہ دینا تباہ کرنے والی آگ کی مانند ہے، پرانے دشمن کو نیا دوست نہیں بنانا چاہیے کیونکہ پرانا دشمن کالے سانپ کی طرح ہوتا ہے جو سَو سال تک دشمنی کو نہیں بھولتا، لیکن پُرانے دوست کو نیا دوست بنانا مناسب ہے کیونکہ پرانا دوست پرانی شراب کی طرح ہوتا ہے کہ جوں جوں پرانی ہوتی ہے توں توں زیادہ لطیف ہوتی جاتی ہے، دنیا کے رنج و راحت کے ساتھ زیادہ وابستگی نہیں ہونی چاہیے بلکہ دنیا کو محض ایک سرائے سمجھنا چاہیے جہاں لوگ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں[4]، یہ وہ خیالات ہیں جو عمر خیّام کی پرسوز رباعیوں کو یاد دلاتے ہیں،

---

[1] بینوگِ خرد، ۱۶، ۳۶ - ۴۸، [2] ایضاً، ۱۶، ۳۰ - ۳۵،

[3] ایضاً، ۱۶، ۴۹ - ۶۴،

[4] پند نامگِ وزرگمہر، ۱۶۹،

شاہانِ ساسانی اپنی تخت نشینی کے وقت جو خطبے دیا کرتے تھے ان میں بھی انڈرزکا اسلوبِ بیان پایا جاتا ہے، سرکاری تواریخ میں ان خطبوں کے مستند اقتباسات دیے گئے ہیں، خسرو اوّل کے عہد کی ایک اور کتاب جو تنسر کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور" نامۂ تنسر" کے نام سے مشہور ہے انڈرز ہی کی نوعیت رکھتی ہے،

کتبِ انڈرز کا مقبولِ عام فلسفہ اگرچہ مذہبی بنیاد پر قائم تھا تاہم وہ آزادیِ خیال کی ایک ابتدائی صورت تھی اور لہذا راسخ الاعتقادی کے لیے مفید چیز نہ تھی، یہی وجہ تھی کہ علمائے مذہب کو دن بدن زوال ہوتا جارہا تھا اور ان میں اتنی سکت باقی نہیں رہی تھی کہ اس بڑھتی ہوئی رَو کو روک سکیں، مذہبی تعصب لوگوں میں کم ہوتا جارہا تھا اور روشن خیال لوگوں کو احکام دینی کی نسبت اخلاقی اصول کے ساتھ زیادہ دلچسپی تھی، وسعتِ افق اور جدتِ فکر کے ساتھ شکوک اور زیادہ بڑھتے گئے، قدیم اساطیر کی سادگی جو مزدائیت میں افراط کے ساتھ موجود ہیں علمائے مذہب تک کو بھی متشوش کرنے لگی، ناچار ان کی استدلالی تاویلیں ہونے لگیں، چنانچہ ایک مُغ نے گیورگیس عیسائی کے ساتھ مباحثے کے دوران میں کہا: "ہم ہرگز آگ کو خدا نہیں مانتے بلکہ خدا کو آگ کے ذریعے سے پُوجتے ہیں جس طرح تم اس کو صلیب کے ذریعے سے پوجتے ہو"۔ گیورگیس نے (جو ایرانی تھا اور عیسائی ہوگیا تھا[1]) اوستا کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں جن میں آگ کو خدا بتلایا گیا ہے، اس پر مُغ بہت

[1] اس کا ایرانی نام مہران گشنسپ تھا، دیکھو اوپر، ص ۵۵۴،

پریشان ہُوا اور محض اس لیے کہ مغلوب نہ سمجھا جائے کہنے لگا: "ہم آگ کو اس لیے پُوجتے ہیں کہ اس کی وہی ماہیّت ہے جو اہورمزد کی ہے"۔ گیورگیس نے مکّاری کے ساتھ پوچھا: "کیا آگ میں سب وہی باتیں ہیں جو اہورمزد میں ہیں؟"۔ مُغ نے جواب دیا: "ہاں"۔ گیورگیس نے کہا کہ "آگ کوڑے کرکٹ کو اور گھوڑے کی لید کو اور تمام دوسری چیزوں کو جن کے ساتھ وہ چھُو جائے جلا دیتی ہے، اگر اہورمزد کی بھی وہی طبیعت ہے تو کیا وہ بھی ان سب چیزوں کو جلاتا ہے؟" اس پر بیچارہ مُغ جواب سے عاجز رہ گیا[1]۔

وہ ابتدائی خوش بینی جو محنت اور کام کی محرّک تھی اور جس پر مذہب زرتشتی کی بنیاد تھی، جدید خیالات کے بوجھ کے نیچے دب گئی، زہد اور ترکِ دُنیا کی طرف میلان جو زرتشتیت کے غیر مقلّد فرقوں کا خاصہ تھا رفتہ رفتہ زرتشتیوں کے تصوّر میں بھی داخل ہوتا گیا اور ان کے مذہب کی بنیاد کو کھوکھلا کرتا گیا، اندرزِ اوشنر میں[2] ہم کو ذیل کی عبارت ملتی ہے جو مزدائیت کے اصلی عقیدے کے خلاف ہے اور بظاہر مانویت کی تعلیم سے مأخوذ ہے: "رُوح باقی رہتی ہے لیکن یہ جسم ہے جو دھوکا دیتا ہے"۔

زُروانی عقاید جو ساسانیوں کے عہد میں مروّج تھے اس زمانے میں جبر کا عقیدہ پیدا کرنے میں ممد ہوئے جو قدیم مزدائیت کی رُوح کے لیے سمّ قاتل تھا[3]،

---

[1] ہوفمن، ص ۱۰۹، [2] اندرز ۴۶،

[3] زرتشتیت میں مسئلۂ "اختیار" پر پروفیسر ولیمز جیکسن نے اپنی کتاب "مطالعات زرتشتی" (نیویورک ۱۹۲۸ء، ص ۲۱۹ ببعد) میں بحث کی ہے،

خدائے قدیم زُروان جو اہورمزد اور اہرمن کا باپ تھا نہ صرف زمان نامحدود کا نام تھا بلکہ "تقدیر" بھی وہی تھا، کتاب داوستانِ مینوگِ خرد میں جس کا ہم نے جابجا حوالہ دیا ہے "عقلِ آسمانی" (یا "روحِ عقل") حسب ذیل اعلان کرتی ہے[1]: "انسان خواہ کتنا ہی طاقتور، ذہین اور ذی علم کیوں نہ ہو تقدیر کا مقابلہ نہیں کرسکتا، کیونکہ تقدیر جب نیکی یا بدی کرنے پر آتی ہے تو عاقل کام سے عاجز رہ جاتا ہے اور بدمنش میں کام کی اہلیت پیدا ہوجاتی ہے، بُزدل دلیر اور دلیر بُزدل ہوجاتا ہے، کاہل محنتی اور محنتی کاہل ہوجاتا ہے"۔ بایں ہمہ اس کتاب میں انسانی کوشش کو بالکل بیکار نہیں قرار دیا گیا، بائیسویں فصل میں یہ لکھا ہے کہ عقبیٰ میں کوشش کو میزانِ عمل میں تولا جائیگا، لیکن اس میں شک نہیں کہ عقیدۂ جبر اپنی جگہ پر موجود ہے جو ضعیف الاعتقادی کا ذمّہ دار ہے اور یہ نکتہ ایک کتاب سے واضح ہوتا ہے جس کا نام سکند گمانیگ وِزار ("شکوک کو رفع کرنے والی توضیح")[2] ہے اور جو ساسانیوں کے زمانے کے بعد تصنیف ہوئی، اس میں لکھا ہے کہ "جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا نہیں ہے اور اپنے آپ کو دہری کہتے ہیں اس بات کے قائل ہیں کہ کوئی مذہبی فرض انسان کے ذمّے نہیں ہے اور نہ کوئی نیک عمل اس پر واجب ہے، لایعنی باتیں جو وہ بکثرت کرتے رہتے ہیں ان کی ایک مثال یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ دنیا اور وہ تمام تغیّرات

---

[1] ۲۳، ۴-۷، [2] ۶، ۱-۸،

جو اس میں رونما ہوتے رہتے ہیں اور ترتیبِ اجسام اور وسائل عمل اور اشیا کا باہمی ربط و تضاد وغیرہ یہ سب زمانِ نامحدود کے ارتقا کے نتیجے ہیں، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ نہ اچھّے اعمال کے لیے جزا ہے اور نہ بُرے اعمال کے لیے سزا، نہ بہشت ہے نہ دوزخ، اور نہ کوئی ایسی چیز ہے جو انسان کو اچھّے یا بُرے کاموں پر مجبور کر سکے، جتنی چیزیں دنیا میں ہیں سب مادّی ہیں اور رُوح کا وجود نہیں ہے۔"[1]

آخر میں ہم یہ کہینگے کہ ایران میں اسلام کی فوری کامیابی کے اسباب متعدّد تھے، منجملہ اُن کے ایک سبب نفسانی ہے جو عہد ساسانی کی کتبِ حکمت کو دیکھنے سے سمجھ میں آتا ہے اور برزویہ کے افکار میں سے وہ اور بھی واضح نظر آتا ہے، برزویہ بلاشبہ دنیا کے سب سے بڑے ذی علم لوگوں میں سے تھا اور اختتامِ سلطنتِ ساسانی سے ایک صدی پیشتر کے ایرانیوں میں ایک بہت بڑا مفکّر تھا،

مذہب زرتشتی سے واقفیت بہم پہنچانے کے دو ذریعے ہیں، ایک تو موجودہ کتاب اوستا اور پہلوی زبان میں دینیات کی کتابیں جو ساسانی زمانے

---

[1] لفظ "دہری" سے جو یہاں "آزاد خیال" کے معنوں میں استعمال ہُوا ہے ٹواڈیا نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ کسی ساسانی زمانے کے فرقے کا ذکر نہیں ہے کیونکہ لفظ "دہری" عربی لفظ "دہر" (بمعنی زمانہ یا تقدیر) سے مأخوذ ہے اور دہریہ کے نام سے ایک فرقہ اسلامی کتابوں میں مذکور بھی ہے (مجلّۂ ایران و ہند شناسی، سنہ ۱۹۳۱ء، ص ۱۳۲)، ٹواڈیا کا یہ مشاہدہ بیشک درست ہے لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ اس عبارت میں لفظ دہری "زُروانیگ" کا ترجمہ ہے اور یہ کہ مصنّف یہاں اپنے زمانے کے اُس مادی فلسفے کی تردید کر رہا ہے جو عقاید زُروانیہ کے کسی انتہائی مسلک میں سے پیدا ہُوا، یہ صحیح ہے کہ ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ آیا ساسانیوں کے زمانے میں زُروانیت اس انتہا کو پہنچ گئی تھی یا نہیں،

کے بعد لکھی گئیں اور دوسرے غیر ایرانی مصنّفوں کی کتابیں[1] جن میں ساسانی زرتشتیت کے متعلّق اطّلاعات درج ہیں، یہ دو قسم کے مأخذ زرتشتیت کا جو خاکہ پیش کرتے ہیں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہے لیکن اس اختلاف کی وجہ بخوبی سمجھ میں آتی ہے، ساسانیوں کے زمانے کا سرکاری مذہب تحکّم آمیز تعلیمات پر مبنی تھا جو اس زمانے کے آخر میں بوسیدہ اور بے جان ہوگئی تھیں، لہذا اس کا انحطاط ناگہانی اور قطعی ہوا، اسلام کی فتح کے بعد جب زرتشتیت کی دنیاوی طاقت جاتی رہی تو موبدوں کو خیال پیدا ہوا کہ مذہب کو کامل انحطاط سے بچانے کی انتہائی کوشش کرنی چاہیے، چنانچہ وہ کوشش کی گئی اور وہ اس طرح کہ زروانی عقیدے اور اس کے طفلانہ اساطیر کو نکال پھینکا گیا اور غیر زروانی مزدائیت کو نئی سنّت قرار دیا گیا، اس کی وجہ سے آفرینش کائنات کا نظریہ بھی بدل گیا، پرستشِ آفتاب کو منسوخ کردیا گیا تاکہ اہورمزد کی وحدانیت زیادہ نمایاں ہوجائے اور متھرا (مہر) کے مقام کو اس طرح معیّن کیا گیا کہ وہ قدیم مہر یَشت کے ساتھ موافق ہوگیا، بہت سی مذہبی روایات کو حذف کیا گیا یا بدل دیا گیا[2] اور ساسانی اوستا کے اُن حصّوں کو جن میں زُروانیت سرایت کرگئی تھی مع ان کی شرحوں کے نکال دیا گیا یا رفتہ رفتہ طاقِ نسیان کے سپرد کردیا گیا، چنانچہ یہ بات قابلِ توجّہ ہے کہ آفرینش کائنات کے متعلّق جو نسک تھیں ان کا خلاصہ دین کرد میں صرف چند سطروں میں دیا گیا ہے اور اُن میں بھی کوئی بات واضح نہیں ہے، یہ تبدیلیاں سلطنت ساسانی کے بعد

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۱۸۵ ببعد، [2] اس کی مثال ایرانی بُندہشن کا پہلا باب ہے، دیکھو اوپر، ص ۱۹۹،

کی تاریک صدیوں میں رونما ہوئیں، پارسیوں کی کتابوں میں ان اصلاحات کی طرف کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا، اصلاح شدہ زرتشتیت کو نہایت سادگی کے ساتھ اس طرح دکھایا گیا ہے کہ گویا وہ ہمیشہ سے اسی شکل میں چلی آرہی ہے اس طریقے سے علمائے زرتشتی نے اپنے آپ کو دلائل کے حربوں سے مسلح کر لیا تاکہ دوسرے مذاہب کے ساتھ حتیٰ کہ اسلام کے ساتھ بھی مجادلہ کر سکیں اور شروع ہی میں مغلوب نہ ہو جائیں، کتاب سکند گمانیگ وزار میں جو زرتشتیت کی حمایت میں لکھی گئی ہے اور جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں یہ مجادلہ بڑی قابلیت کے ساتھ شروع کیا گیا ہے، اس وقت سے زُروانیوں کی حیثیت محض ایک زرتشتی فرقے کی حیثیت رہ گئی چنانچہ شہرستانی نے جو بارھویں صدی کا مصنّف ہے اور جس نے اپنی کتاب میں دنیا بھر کے مذہبوں کے عقاید بیان کیے ہیں ان کا اسی حیثیت سے ذکر کیا ہے،

خسرو اوّل کا عہدِ سلطنت ساسانیوں کی تاریخ میں ایک نہایت درخشاں زمانہ ہے، ایران کو اس عہد میں وہ عظمت حاصل ہوئی جو شاپوران اعظم[۱] کے دور میں بھی اسے نصیب نہ ہوئی تھی، ادب اور تہذیب کی ترقی نے اس عہد کو چار چاند لگا دیے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس زمانے میں اہلِ ایران کی مادی، معاشرتی اور اخلاقی حالت کیا تھی؟ ہمارے سامنے ایک طرف تو معاصر بازنطینی مصنّفوں کے بیانات ہیں جن میں کم و بیش بغض و کینہ پایا جاتا

[۱] یعنی شاپور اوّل اور شاپور دوم، (مترجم)،

ہے اور دوسری طرف عربی اور فارسی مآخذ کی مبالغہ آمیز توصیفات ہیں جن میں خسرو کو عدل و انصاف کا نمونہ بتلایا گیا ہے، لیکن مآخذ کا باہمی موازنہ کرنے اور ان کے رجحانات کو مدّنظر رکھنے اور ان کی متفاوت روایات کا محاسبہ کرنے اور اُن جزئیات کو مرتّب کرنے سے جو غیر مستقیم راستے سے ہم تک پہنچی ہیں ہم اُس زمانے کے ایران کی تصویر (اگرچہ وہ جزئی اور نامکمّل تصویر ہے) آنکھوں کے سامنے لا سکتے ہیں، وہ ایران جو مزدکیت کی تپ سے شفا پاکر ابھی نقاہت میں گرفتار تھا یعنی وہ ایران جو خسرو انوشروان کے سایۂ عاطفت میں اپنی زندگی گزار رہا تھا،

خسرو کی مالی اصلاحات میں بیشک رعایا کی نسبت خزانے کے مفاد کو زیادہ ملحوظ رکھا گیا تھا، عوام الناس اُسی طرح جہالت و عُسرت میں زندگی بسر کر رہے تھے جیساکہ زمانۂ سابق میں، بازنطینی فلسفی جو شہنشاہ کے ہاں آکر پناہ گزین ہوئے تھے ایران سے جلد برداشتہ خاطر ہو گئے، یہ سچ ہے کہ وہ اتنے بلند نظر فلسفی نہ تھے کہ ایک غیر قوم کی عادات و رسوم کو غیر جانبداری کی نظر سے دیکھ سکتے اور جن باتوں کو وہ ایک فلسفی بادشاہ کی سلطنت میں دیکھنے کے خواہاں تھے وہ ان کو نظر نہ آئیں اور چونکہ علم الاقوام کے مطالعہ کا انھیں ذوق نہ تھا اور ان کی ذہنیت ایسی تھی جو اس علم کے جاننے والے کی ہوتی ہے لہٰذا ایرانیوں کی بعض رسموں مثلاً تزویج محرّمات کی رسم یا لاشوں کو جنگلوں پر کھلا چھوڑ دینے کی مذہبی رسم نے ان کو برہم کیا، لیکن محض یہ رسمیں نہیں تھیں جن کی وجہ سے اُن کو ایران میں رہنا ناگوار ہوا بلکہ ذات پات کی تمیز اور

سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے درمیان ناقابل عبور فاصلہ اور خستہ حالی جس میں نچلے طبقوں کے لوگ زندگی بسر کر رہے تھے یہ وہ چیزیں تھیں جن کو دیکھ کر وہ آزردہ خاطر ہوئے، "طاقتور لوگ کمزوروں کو دباتے تھے اور اُن کے ساتھ بہت ظلم اور بے رحمی کا سلوک کرتے تھے[1]"

اونچے طبقے کے امراء جو ایک خوفناک بُحران میں سے نکلے تھے اور تباہی کی وجہ سے تعداد میں بہت کم ہو گئے تھے بادشاہ کی غیر معمولی تدابیر سے دوبارہ منظّم ہو گئے، وہ فرماں بردار اور امن پسند تھے اگرچہ بادشاہ کی بے قرار اور جدّت پسند طبیعت سے کسی قدر بدگمان تھے، دوسرے درجے کے امراء جو اپنا وقت اپنی جاگیروں پر صرف کرتے تھے مقامی معاملات کے انتظام میں مشغول رہتے تھے اور شاید سب لوگوں سے زیادہ فارغ البالی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے،

ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ عمومی اور معاشرتی زندگی کی مصیبتیں خسرو اوّل کے عہد میں اُتنی شدید نہ تھیں جتنی کہ پہلے زمانے میں تھیں لیکن با ایں ہمہ لوگ ان کو محسوس زیادہ کرتے تھے اس لیے کہ وہ ان پر زیادہ غور کرتے تھے، برزویہ نے اپنی خود نوشتہ سوانح عمری میں انسانی زندگی کی مصائب اور ترک دُنیا کے فوائد پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُن کے خاتمے پر اپنے زمانے کا نقشہ ذیل کے الفاظ میں کھینچا ہے[2] :-

---

[1] اگاتھیاس، ۳، ۳۰، [2] نولڈکہ: ترجمۂ دیباچۂ برزویہ، ص ۲۴ ببعد، یہ ممکن بلکہ قرین قیاس ہے کہ ابن المقفع نے برزویہ کے اس طویل شکایت نامے کو پیش کرنے میں خود اپنے زمانے کی بعض مصائب کا اضافہ کر کے اس کی قنوطیت کو اور بڑھا دیا ہو لیکن ہمارے پاس اس امر میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ تصویر کی تاریکی برزویہ ہی کے موقلم کا نتیجہ ہے،

"۔۔۔۔ ہمارا زمانہ جو کہن سال اور از کار رفتہ ہو چکا ہے اگرچہ ایک روشن پہلو رکھتا ہے تاہم حقیقت میں وہ بیحد تاریک ہے، اگرچہ خدا نے بادشاہ کو اقبالمندی اور کامیابی بخشی ہے اور بادشاہ خود بھی مآل اندیش، توانا، عالی ہمت، متجسس، عادل، رحمدل، فیاض، صداقت پسند، دانا، ذی فہم، فرض شناس، جفاکش، عاقل، امداد کرنے کو ہر وقت آمادہ، حلیم الطبع، معقول پسند، مہربان، ہمدرد، واقف کار، علم دوست، نیکی اور نیکوں کا پسند کرنے والا، ظالموں پر سختی کرنے والا، بے خوف، اٹل ارادے والا، رعایا کی مرادوں کو بر لانے والا اور اُس کی تکالیف کو دور کرنے والا ہے لیکن باوجود اس کے ہمارا زمانہ ہر پہلو سے رُو بہ تنزّل ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے صداقت سے ہاتھ اُٹھا لیا ہے، جو چیز مفید ہے وہ موجود نہیں ہے اور جو موجود ہے وہ مضر ہے، جو چیز اچھی ہے وہ مرجھائی ہوئی ہے اور جو بُری ہے وہ سرسبز ہے، دروغ کو فروغ ہے اور نیکی بے رونق ہے، علم پستی کے درجے میں ہے اور بے عقلی کا درجہ بلند ہے، بدی کا بول بالا ہے اور شرافت نفس پامال ہے، محبّت متروک ہے اور نفرت مقبول ہے، فیض و کرم کا دروازہ نیکوں پر بند ہے اور شریروں پر کھلا ہے، غدّاری بیدار ہے اور وفا خوابیدہ ہے، دروغ مثمر ہے اور راستی بے ثمر ہے، حق مغلوب ہے اور باطل غالب ہے، حکّام کا فرض صرف عیّاشی کرنا اور قانون کو توڑنا ہے، مظلوم اپنی تذلیل پر قانع ہے اور ظالم کو اپنے ظلم پر فخر ہے، حرص اپنا مُنہ کھولے ہوئے ہے اور دور و نزدیک کی ہر چیز کو نگل رہی ہے، قناعت ناپید ہے، شریروں کا سر

عرش پر ہے اور نیک قعرِ مذلّت میں ہیں، شرافتِ قلب بلندی سے پستی میں آگری ہے اور دنائت کو عزّت و طاقت نصیب ہے، تسلّط لائقوں سے نالائقوں کی طرف منتقل ہو گیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا مسرّت کے نشے میں یہ کہہ رہی ہے کہ میں نے نیکی کو مقفّل اور بدی کو رہا کر دیا ہے"۔

باب نہم

آخری شاندار عہد

ہرمزد چہارم - اس کی خصلت - روم کے ساتھ جنگ کا تسلسل - بہرام چوبین کی بغاوت - ہرمزد کی معزولی اور اس کا قتل - خسرو دوم کی تخت نشینی - بہرام چوبین کا بادشاہ بن بیٹھنا - خانہ جنگی - خسرو کا قیصر سے مدد مانگنا - بہرام چوبین کی شکست - اس کا بھاگ جانا اور بالآخر قتل ہونا - وِستہم کی بغاوت - خسرو دوم کا عہد سلطنت - روم کے ساتھ نئی جنگ خسرو دوم کی خصلت - شاہی محل (دستگرد، "قصر شیرین") - طاق بوستان کی برجستہ حجاری - خسرو کے عجائبات - اس کی بیویاں - دربار کی نفاست آمیز عیاشی - خوشبوئیں اور کھانے - مزین پیالے - موسیقی - عیسائیوں کی حالت - خسرو دوم کی معزولی - اس کا قتل - کواذ دوم شیرویہ کی تخت نشینی -

ہرمزد چہارم جو ۵۷۹ء میں خسرو اوّل کا جانشین ہوا بعض باتوں میں اپنے باپ کا خلف الصدق تھا، اگر بغور دیکھا جائے تو وہ خسرو کی نسبت "عادل" کے لقب کا زیادہ مستحق تھا، بلعمی نے صریحاً لکھا ہے کہ اس کا عدل انوشیروان کے عدل سے بڑھ کر تھا[1]۔ تمام مشرقی تاریخیں اس بات

[1] ترجمہ زوٹن برگ، ج ۲، ص ۲۴۶،

پر متفق ہیں کہ وہ کمزوروں اور مظلوموں پر بدرجۂ غایت مہربانی کرتا تھا اور اُمراء پر سخت گیر تھا، لیکن ان تمام تاریخوں میں اس کی اس محبت اور عداوت کو عجیب طریقے سے مخلوط کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خوذای نامگ کو سب سے پہلے جب عرب مترجموں نے نئی صورت دی تو مختلف روایات کو اس میں یکجا کیا جن میں سے بعض میں جذبات عامّہ کا پرتو تھا اور بعض امراء اور موبدوں کے احساسات کی حامل تھیں، مثلاً طبری نے پہلے ہشام بن محمد سے روایت کی ہے[۱] کہ ہرمزد "نہایت مہذّب تھا اور غربا و مساکین پر بہت احسان کرتا تھا لیکن امراء کے ساتھ سختی سے پیش آتا تھا، اسی وجہ سے وہ اس کے مخالف تھے اور اس سے نفرت رکھتے تھے اور وہ بھی ان سے دل میں کینہ رکھتا تھا. . . . عدل و انصاف کا احساس اس کو حد سے زیادہ تھا"۔ اس کے بعد طبری نے دو حکایتیں بیان کی ہیں جو اکثر عربی اور فارسی مؤرّخوں کے ہاں ملتی ہیں اور جن میں ہرمزد کی سخت اور ہمہ گیر عدالت کی مثالیں پیش کی گئی ہیں، آگے چل کر طبری نے کسی اور مأخذ کی رُو سے ہرمزد کی توصیف ذیل کے الفاظ میں کی ہے[۲]: "کہتے ہیں کہ ہرمزد مظفّر و منصور تھا اور ہمیشہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا تھا، اس کے علاوہ وہ مہذّب و شائستہ بھی تھا، لیکن ساتھ ہی وہ عیّار اور شریر بھی تھا اور اپنی خصلت میں ترکوں سے ملتا جلتا تھا جو اس کے ماموں تھے[۳] اس نے علماء اور امراء اور اشراف کو ذلیل کیا اور اُن میں سے

---

[۱] ص ۹۸۸

[۲] ص ۹۹۰، [۳] ہرمزد کی ماں خاقانِ اتراک کی بیٹی تھی جس سے خسرو نے شادی کی تھی، دیکھو اوپر، ص ۵۰۹

۱۳۶۰۰ کو قتل کیا (!)، وہ سفلہ پرور تھا اور بہت سے عظماء و اشراف کو اس نے قید کیا اور ان کے منصب اور لقب گھٹا دیے، معمولی سپاہیوں کی وہ بہت مدارات کرتا تھا لیکن اسواروں کی تنخواہوں میں تخفیف کرتا رہتا تھا۔"
دونوں روایتوں کا مضمون ایک ہے لیکن مدّعا مختلف ہے، دوسری روایت میں بادشاہ کے عدل کا ذکر کرنا مقصود نہیں ہے،

بازنطینی مصنّف[۱] جو ہرمزد کو صرف قیصر کے دشمن کی حیثیت سے دیکھتے ہیں اس کی خصلت کا فقط تاریک پہلو دکھاتے ہیں اور اس کو ظالم، متکبّر، بد باطن اور اپنی رعایا پر سخت گیر بیان کرتے ہیں، برخلاف اس کے ایران کے عیسائیوں نے اس کے نام کو نیکی کے ساتھ محفوظ رکھا ہے کیونکہ جب ہیربدوں نے عیسائیوں پر حملے شروع کیے تو اس نے اُن کی مخالفت میں کہا تھا کہ: "جس طرح ہمارا تختِ شاہی پچھلے دو پایوں کے بغیر صرف اگلے دو پایوں کے سہارے کھڑا نہیں رہ سکتا اسی طرح ہماری حکومت بھی قائم نہیں رہ سکتی اگر ہم عیسائیوں کو اور اُن لوگوں کو جو ہمارے مذہب میں نہیں ہیں باغی ہونے دیں، لہٰذا تم عیسائیوں پر حملے کرنے سے رُک جاؤ اور اُس کی بجائے نیک کام کرنے کی کوشش کرو تاکہ عیسائی اور دوسرے مذہب والے دیکھ کر تعریف کریں اور تمہارے مذہب کی طرف کھچے چلے آئیں۔[۲]" ایشوع یہب جو ہرمزد کی منظوری سے جاثلیق بنایا گیا تھا اس کا بڑا منظورِ نظر تھا اور رومی فوجوں کی نقل و حرکت کی خبریں بادشاہ کو پہنچانے میں اس نے اس

[۱] میناندر اور تھیوفی لیکٹس، [۲] طبری، ص ۹۹۱،

کی مفید خدمات انجام دیں[۱]،

ہرمزد درحقیقت اپنے باپ کی حکمت عملی کا مقلد تھا لیکن اس بارے میں اعتدال اور دور اندیشی کو ملحوظ نہیں رکھتا تھا، اپنی مذہبی روا داری کی وجہ سے وہ موبدوں کے بغض کا نشانہ بن گیا، با ایں ہمہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ جس بغاوت نے انجام کار اس کو تخت اور زندگی سے محروم کیا اس میں ان موبدوں نے کوئی قابلِ ذکر حصہ لیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اپنا پرانا اقتدار دوبارہ حاصل نہیں ہؤا تھا، لیکن امراء کا غرور اور کینہ جس کو خسرو اوّل نے اپنی تدبیر سے قابو میں رکھا ہؤا تھا ہرمزد کے حق میں بدبختی کا باعث ہؤا، مشرقی مآخذ میں بہت سے وزراء و اعیان کے نام مذکور ہیں جن کو اس نے قتل کرایا منجملہ ان کے موبدان موبد زردشت تھا، مؤرخ تھیوفی لیکٹس نے لوگوں کی زبانی سُنا اور مشرقی مصنّفوں نے بھی کافی طور پر اس کی تصدیق کی ہے کہ امراء کے ساتھ اس کی سخت گیری اس وجہ سے تھی کہ منجموں نے اس کے سامنے پیشین گوئی کی تھی کہ اس کی سلطنت اور اس کی زندگی ایک بغاوت کی وجہ سے تلف ہوگی، ہرمزد اپنے باپ کی سی شخصیت نہیں رکھتا تھا یعنی ایسی شخصیت جو حقیقت میں برتر ہو اور ہر قسم کے حالات میں دوسروں سے اپنی تعظیم کرائے، جن شورشوں کی وجہ سے ہرمزد اپنا تخت کھو بیٹھا وہ خسرو اوّل کے ایجاد کردہ فوجی نظام کا نتیجہ تھیں، یہ نظام درحقیقت سلطنت کے لیے مہلک ثابت ہؤا اس لیے کہ اس کی وجہ سے بہت سے فتنے پیدا ہوئے جن کی سب سے پہلی جھلک ہرمزد کے خلاف بغاوت تھی،

[۱] لابور، ص ۲۰۱،

ہرمزد کی تخت نشینی کے وقت ایران اور روم کے درمیان صلح کی بات چیت ہو رہی تھی، لیکن اس نے بادشاہ ہوکر سارا معاملہ بگاڑ دیا، ۵۸۱ء میں گفت و شنید کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا لیکن اس سے بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا جنگ جاری رہی لیکن ایرانی سپہ سالاروں کو کوئی کامیابی نہ ہوئی، ان میں سب سے زیادہ قابل بہرام تھا جس کا لقب چوبین تھا، وہ بہرام گشنسپ کا بیٹا رَے کا رہنے والا اور مہران کے ممتاز گھرانے سے تعلق رکھتا تھا، بڑا نامی گرامی سپہ سالار تھا، اپنے سپاہیوں کا محبوب اور قدیم منصبدار سرداروں کی طرح اولو العزم اور پُر غرور تھا، ایران کی شمالی اور مشرقی سرحد پر حملہ آور قوموں کو مطیع کرنے[1] اور ترکوں کو نیچا دکھانے کے بعد وہ روم کی مہم پر بھیجا گیا لیکن اُسے شکست ہوئی، ہرمزد نے اُسے ایک شرمناک طریقے سے سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیا، چونکہ بہرام کو اپنے لشکر کی طرف سے اطمینان تھا لہذا اُس نے بغاوت کا جھنڈا کھڑا کیا، اس واقعے سے ملک بھر میں بغاوتیں برپا ہوگئیں اور بے چینی پھیل گئی، وِستہم جو کہ اسپاہ بذ کے خاندان سے تھا اور شاہی گھرانے کے ساتھ بھی اس کا رشتہ تھا (ولیعہد شاہزادہ خسرو کا وہ ماموں تھا) اپنے بھائی وِندوی کو قید سے چھڑانے میں کامیاب ہوا، وِندوی اس لیے مقید تھا کہ وہ بادشاہ کی سیاست کا مخالف تھا، دونوں بھائی شاہی محل میں داخل ہوئے اور بادشاہ کو معزول کر کے قید خانے میں ڈال دیا، باغیوں نے بادشاہ کی آنکھوں کو جلا کر اُس کو اندھا کر دیا اور اس کے بیٹے

---

[1] دیکھو مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۶۵ و ۸۳،

خسرو کو کہ خسرو دوم تھا اور بعد میں ابھرویز[1] (بمعنی مظفر) کے لقب سے سرفراز ہوا بادشاہ بنایا، وہ اُس وقت اپنی فوج کے ساتھ آذر بائجان میں تھا، فوراً وہاں سے طیسفون کو روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر تاجِ شاہی سر پر رکھا، یہ واقعہ ۵۹۰ء کا ہے، کچھ عرصہ بعد ہرمزد کو قتل کر دیا گیا، تھیوفی لیکٹس کا قول ہے کہ یہ خسرو کے حکم سے ہوا لیکن اگر یہ نہیں تو پھر اس کی خاموش رضامندی تو ضرور شامل تھی،

لیکن بہرام چوبین نئے بادشاہ کی اطاعت قبول کرنے پر مائل نہ تھا کیونکہ اُسے خود بادشاہ بننے کی ہوس تھی، خاندان مہران کو یہ دعویٰ تھا کہ وہ شاہانِ اشکانی کی نسل سے ہیں اور بہرام اسی دعوے کی بنا پر بادشاہی کے خواب دیکھ رہا تھا، ساسانیوں کی تاریخ میں ایسا دعوےٰ اس سے پہلے کبھی سننے میں نہیں آیا تھا، بہرام کی طاقتور فوج کے سامنے خسرو کے پاؤں نہ جمے اور وہ بھاگ نکلا، بہرام فاتحانہ انداز کے ساتھ پایہ تخت میں داخل ہوا اور باوجود اس کے کہ امراء کی ایک جماعت اس کی مخالف تھی اُس نے تاجِ شاہی اپنے سر پر رکھا اور اپنی تصویر کے ساتھ اپنے سکّے جاری کیے، خسرو اس اثنا میں سرحد پار ہو کر سلطنتِ روم میں جا پہنچا اور اپنے آپ کو قیصر ماریس[2] کی پناہ میں دے دیا،

بہرام چوبین (بہرام ششم) کا چندروزہ عہدِ سلطنت شورشوں اور لڑائیوں کے ایک سلسلے کا نام تھا، تمام موبد اور امراء میں سے اکثر اس

---

[1] فارسی میں پرویز [2] (Maurice)

کے مخالف تھے اور اس کو بادشاہ تسلیم کرنے پر رضامند نہ تھے اس لیے کہ وہ غاصب تھا اور خود اُنھی کی جماعت کا ایک فرد تھا، اس بات کا ہمیں علم نہیں کہ عام ایرانیوں کے احساسات کیا تھے، البتہ یہودی اس کو اپنا حامی و نگہبان سمجھتے تھے اور روپے سے اس کی مدد کرتے رہے، وِندوی جو کہ گرفتار ہو کر قید ہو گیا تھا بعض اُمراء کی کوشش سے رہا کر دیا گیا اور بہرام کے خلاف ایک سازش تیار کی گئی، لیکن راز فاش ہو گیا اور سازش کے لیڈر قتل کر دیے گیے، وندوی بھاگ کر آذربائجان چلا گیا جہاں اس کا بھائی وِستہم خسرو کی اعانت کے لیے کوشش میں مصروف تھا، قیصر ماریس نے خسرو کی مدد کا بیڑا اُٹھایا اور اس کو اس شرط پر فوجی امداد دی کہ شہر دارا اور مایفرقط (میّافارقین یا مارٹیروپولس[1]) جو رومیوں نے جنگ میں فتح کر لیے تھے روم کے حوالے کر دیے جائیں، اس صورتِ حالات نے وہ نتیجہ پیدا کیا جو مطلوب تھا، بہت سے امراء جو اب تک بہرام کا ساتھ دے رہے تھے اس سے الگ ہو گئے، بہت سی خونریز لڑائیوں کے بعد بہرام کو آذربائجان میں گنزک کے نزدیک شکست ہوئی، ان لڑائیوں میں رومی فوجیں خسرو کی مدد پر تھیں اور ارمنیوں نے بھی اس کا ساتھ دیا جن کا سپہ سالار مُوشل تھا، شکست کھا کر بہرام بھاگ گیا اور بلخ جا کر ترکوں کے پاس پناہ گزین ہوا جہاں وہ کچھ عرصہ کے بعد غالباً خسرو کی شہ

---

[1] (Martyropolis)

سے مارا گیا[1]، بہرام کی پُر معرکہ زندگی نے ایرانیوں کے دلوں پر بہت گہرا اثر چھوڑا ہے، اس میں سے ایک مقبولِ عام پہلوی افسانہ پیدا ہوا ہے جس کی تفاصیل ہم کو عربی اور فارسی تاریخوں سے اور شاہنامۂ فردوسی سے معلوم ہوئی ہیں[2]، اس افسانے کے گمنام مصنّف نے بہرام کے قصّے کو نہایت دردناک بنایا ہے جو درحقیقت ایک عجیب و غریب شخصیت کا مالک تھا، وہ نہ صرف ایک جانباز بہادر تھا بلکہ اس کو قدرت کی طرف سے مروّت و انسانیت کی خوبیاں بھی عطا ہوئی تھیں،

خسرو کا واپس آنا موبدوں کے لیے کوئی خوشی کا باعث نہ تھا کیونکہ سلطنت روم میں کچھ عرصہ رہنے کی وجہ سے وہ ہر قسم کے عیسائی توہمات کی طرف مائل ہوگیا تھا اور ایک عیسائی بیوی شیرین جو اس کی چہیتی بیوی تھی اس قسم کے عقاید میں اس کی مؤید تھی، وہ خطرے جو امراء کی طرف سے خسرو کو درپیش تھے ابھی رفع نہیں ہوئے تھے، بادشاہ کا عتاب سب سے پہلے اُن دو شخصوں پر نازل ہوا جنھوں نے تاج و تخت کو دوبارہ حاصل کرنے میں اُس کی مدد کی تھی یعنی وِندوی اور وِستہم، ان دونو کو اُس نے معاوضے میں بڑے بڑے عہدے دیے مثلاً (بقول مؤرخینِ مشرق) وِستہم کو اس نے خراسان اور اُس کے گرد و نواح کے علاقوں کا حاکم بنایا، لیکن خسرو اس بات کو نہیں بھولا تھا کہ ان دونو بھائیوں نے اس کے باپ کے

[1] ان واقعات کا سب سے بڑا مأخذ تھیوفی لیکٹس کی تاریخ ہے، گمنام سریانی مصنّف کی تاریخ جس کو گوئیڈی نے شائع کیا ہے اور جس کا ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں (ص ۱۰۱-۱۰۲) بہت مختصر ہے،

[2] نولڈکہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے اس افسانے کی طرف توجّہ دلائی ہے (ترجمہ طبری، ص ۴۷۴ ببعد)

سکۂ خسرو دوم

(پرویز)

سکۂ وِستہم (بستہم)

خلاف بغاوت کی تھی اور اُسے یہ ڈر تھا کہ کہیں ان کی مثال کسی دن دوسروں کے لیے نمونہ نہ بنے، لہذا کسی بہانے سے اس نے وِندوی کو مروا دیا، اس پر وِستہم نے جس کا یہی حشر ہونے والا تھا بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر دیا اور اپنے صوبے میں آزاد ہو کر بہرام چوبین کی طرح بادشاہ بن بیٹھا، دیلمی فوجوں اور اُن سپاہیوں کی مدد سے جو بہرام کے لشکر میں رہ چکے تھے وہ دس سال تک اپنی سرکشی پر اڑا رہا، اس کا ثبوت ہم کو اس کے سکّوں سے ملتا ہے جو آج موجود ہیں اور جن پر اس کی تصویر بنی ہے، اس عرصے میں اس نے دو کوشانی بادشاہوں کو بھی مطیع کیا جن کے نام شاوگ اور پریوگ ہیں[1] خسرو کو جب اس بغاوت کی اطلاع پہونچی تو ہمت ہار بیٹھا لیکن عیسائی بشپ سبریشوع اس کو تسلّی دیتا رہا اور اس کا حوصلہ بڑھاتا رہا، بالآخر جب چند سازشوں اور لڑائیوں کے بعد جن کی تفصیل ہم کو صحیح طور پر معلوم نہیں ہے وِستہم کو شکست ہوئی[2] تو خسرو نے ایشوع یہب کے مرنے پر سبریشوع کو جاثلیق بنوا دیا[3]،

چند سال بعد یعنی ۶۱۲ء میں قیصر ماریس ایک شخص مسمّی فوکس[4] کے ہاتھ سے مارا گیا، خسرو کو اس سے روم کے ساتھ از سرِ نو جنگ شروع کرنے

---

[1] دیکھو مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۶۵ اور ۸۳ - ۸۴،

[2] افسانۂ بہرام چوبین کی رو سے وہ بہرام کی بہن گُردیگ کے ہاتھ سے مارا گیا جو اس کی بیوی تھی اور جس نے بعد میں خسرو سے شادی کر لی، وستہم کی بغاوت کے لیے دیکھو نولڈکہ: ترجمہ طبری، ص ۴۷۸ بعد،

[3] نولڈکہ: ترجمہ طبری، ص ۴۷۸ بعد، لابور، ص ۲۰۹ بعد۔

[4] (Phocas)

کا بہانہ ہاتھ آیا، فوکس کو ہرقل[1] نے مغلوب کر لیا لیکن جنگ پھر بھی جاری رہی، ایرانی سپہ سالاروں نے ایشیائے کوچک میں بعض فتوحات حاصل کیں از آں بعد انھوں نے الرّہا، انطاکیہ اور دمشق پر قبضہ کیا اور اورشلیم کو فتح کرکے صلیب مقدّس کو طیسفون بھیجنے کے لیے اٹھا لے گئے[2]۔ بالآخر انھوں نے اسکندریہ اور مصر کے بعض اور حصّوں کو فتح کیا جو ہخامنشیوں کے بعد سلطنت ایران میں شامل نہیں رہے تھے، اس زمانے میں یعنی سنہ ۶۱۵ء کے قریب خسرو کی طاقت اپنے پورے عروج پر تھی، مشرقی سرحد پر کوشانیوں کے بادشاہ نے جو ہپتالیوں کے قبیلے سے تھا اور خاقانِ اتراک کا باجگزار تھا کئی حملے کیے لیکن ارمنی سپہ سالار سمبت بگراتونی نے اس کا مقابلہ کیا اور بادشاہ مارا گیا[3]، ہندوستان کے شمال مغربی علاقے کا کچھ حصّہ شہنشاہِ ایران کے زیر فرمان آگیا جس کا ثبوت ہمیں خسرو کے بعض سکّوں سے ملتا ہے جو اس علاقے میں پائے گئے ہیں[4]،

ایرانی فوج کے سب سے اعلےٰ سرداروں میں ایک تو شاہین بہمن زادگان تھا جو مغرب کا پاذگوسپان تھا اور دوسرے فرّخان تھا جس کا نام رومیزان بھی تھا[5] اور جس کا لقب شہرورازِ ("سلطنت کا جنگلی سوٗر") تھا، شاہین نے

---

[1] (Heraclius)

[2] ایرانیوں نے ایروشلیم کو سنہ ۶۱۴ء میں فتح کیا، اس واقعہ کی ایک عیسائی روایت کا عربی ترجمہ موسیو پال پیٹرز نے شائع کیا تھا (مجموعہ مضامین جامعہ بیروت ج ۹، سنہ ۱۹۲۳ء)،

[3] مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۶۶ بعد، [4] ایضاً، ص ۳۳، [5] گمنام مصنّف کی سریانی تاریخ طبع گوئیڈی، ترجمہ از نولڈکہ، ص ۲۴، ح ۴ [6] ان سپہ سالاروں کے کارناموں کی افسانوی روایات ہیں جن سے عمر النعمان اور اس کے بیٹوں کا افسانہ پیدا ہوا جو الف لیلہ میں موجود ہے (سالنامہ انجمن السنہ و تاریخ مشرق، ج ۲، برسلز، سنہ ۱۹۳۴ء)

ایشیائے کوچک میں بعض فتوحات حاصل کیں اور چالسیڈون[1] پر قبضہ کیا جو قسطنطنیہ کے بالمقابل واقع تھا، اس کے بعد وہ مرگیا اور گمان غالب یہ ہے کہ خسرو کے حکم سے مارا گیا[2]، شہر وراز جس نے شام کے بڑے بڑے شہروں کو اور اورشلیم کو فتح کیا تھا قسطنطنیہ کے محاصرے پر آمادہ ہوا لیکن اپنی فوج کو باسفورس کے یورپین کنارے پر اُتارنے میں کامیاب نہ ہو سکا، آخر کار ہرقل ایرانی فوجوں کی فاتحانہ ترقّی کو روکنے میں کامیاب ہوا، اس نے ایشیائے کوچک کو دوبارہ فتح کرلیا اور شہنشاہ کی فوجوں کو آرمینیہ اور آذر بائجان تک پیچھے ہٹا دیا، ۶۲۳ء یا ۶۲۴ء میں اُس نے شہر گنزک کو فتح کرکے آتشکدۂ آذر گشنسپ کو برباد کر دیا، خسرو وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور آتشِ مقدّس کو ساتھ لیتا گیا، اس کے بعد کے سالوں میں قبائل خزر جو ترکی الاصل تھے اور جنھوں نے چھٹی صدی کے نصفِ آخر میں قفقاز کو اپنا مسکن بنالیا تھا دربند پر قابض ہو گئے اور قیصر کے ساتھ اُنھوں نے رشتۂ اتّحاد قائم کیا[3]، ازاں بعد قیصر وادی دجلہ پر حملہ آور ہوا، ۶۲۸ء میں اُس نے دستگرد کے قصرِ شاہی کو لے لیا اور طیسفون کے محاصرے کی تیّاریاں کرنے لگا، خسرو پایہ تخت کو چھوڑ کر کسی محفوظ جگہ میں چلا گیا، لیکن تھوڑا ہی عرصہ بعد ایک بغاوت میں مارا گیا، ہم اس واقعہ کی طرف بعد میں دوبارہ رجوع کرینگے،

---

[1] (Chalcedon)

[2] یُوسٹی در گرنڈرس (ج ۲، ص ۵۴۳)،

[3] مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۱۰۷،

یہ ہیں خسرو دوم کے عہد کے واقعات جن کو ہم نے تھوڑے سے الفاظ میں بیان کر دیا ہے، یہ وہ بادشاہ ہے جو اپنا نام ذیل کے الفاظ میں لیتا ہے:

"خداؤں میں انسانِ غیر فانی اور انسانوں میں خدائے لاثانی،
اس کے نام کا بول بالا، آفتاب کے ساتھ طلوع کرنے والا،
شب کی آنکھوں کا اُجالا"[1]

اس نے اپنی سلطنت کو کچھ عرصے تک ایسی شان و شوکت سے بہرہ ور رکھا جو اُسے ساسانیوں کی تاریخ میں اب تک نصیب نہیں ہوئی تھی، یہی وجہ ہے کہ ایک روایت میں جو طبری کے ہاں محفوظ ہے اس کی تعریف بالفاظِ ذیل کی گئی ہے[2]: "بہادری، دور اندیشی اور جنگی فتوحات میں ایرانی بادشاہوں میں سے وہ سب سے بڑھا ہوا تھا، اس کی طاقت، اس کی فتوحات، اس کی دولت و ثروت اور اس کے خزانے میں وہ عظمت و شان تھی کہ کسی دوسرے بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی تھی، اس وجہ سے اُس کو ابھرویز (یعنی مظفّر) کہتے تھے"۔

لیکن با ایں ہمہ یہ امر مشکوک ہے کہ بہادری میں اس کی تعریف بجا ہے یا نہیں، بہرام چوبین کے ساتھ جنگ میں اُس نے اس کا کوئی ثبوت نہ دیا اور جب سے اس نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی اُس نے اپنے عہد کی بے شمار لڑائیوں میں سے کسی میں اپنے آپ کو خطرے میں نہ ڈالا، اور اس کی دور اندیشی بھی بیشتر اس کی شاطرانہ ہوشیاری ہی پر ختم

[1] تھیوفی لیکٹس ج ۴، ص ۸، [2] ص ۹۹۵،

تھی جس کے ذریعے سے وہ ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہتا تھا کہ جس شخص کا وجود اس کے نزدیک خطرناک ہو اس کا خاتمہ کر سکے، کیونکہ وہ خوب سمجھتا تھا کہ اگر ایک طرف اس کی طاقت کی وسعت خسرو اوّل کے پیدا کردہ فوجی نظام پر موقوف ہے تو دوسری طرف اُسی نظام میں سلطنت کے لیے خطرے بھی موجود ہیں، پہلے تو یہ ہوا کرتا تھا کہ امراء بادشاہ کو معزول کر کے ساسانی خاندان میں سے کسی دوسرے شہزادے کو تخت پر بٹھا دیتے تھے جو ان کو زیادہ مرغوب ہو، لیکن ہرمزد چہارم کے عہد سے یہ ہونے لگا کہ سپہ سالار جن کے ماتحت مستقل اور متحرک فوجیں رہتی تھیں خود بادشاہ بننے کی آرزو کرنے لگے، سب سے پہلے بہرام چوبین نے اس میدان میں قدم رکھا اس کے بعد وستہم اسی راستے پر گامزن ہوا،

ایرانی روایت جس کے مختلف مدارج کو طبری نے بڑی ایمانداری کے ساتھ محفوظ رکھا ہے خسرو دوم کی تصویر کو بعض خط و خال کا اضافہ کر کے مکمّل بنا دیتی ہے، طبری لکھتا ہے کہ اقبالمندی نے اس کو متکبر اور خود پسند بنا دیا، وہ تباہ کن حرص میں مبتلا ہو گیا اور لوگوں کے مال و جائداد پر حسد کرتا تھا، اُس نے ایک اجنبی کو جس کے باپ کا نام سُمّیؔ (؟) تھا لیکن اس کا اپنا ایرانی نام فرّخ زاذ (یا فرّخان زاذ) تھا خراج کا بقایا وصول کرنے کے لیے مقرّر کیا، یہ شخص بڑا موذی تھا اور جن لوگوں سے وقت پر خراج وصول نہ ہو ان کو سخت سزائیں دیتا تھا اور ان پر بیحد ظلم کرتا تھا اور جبر و تعدّی کے ساتھ ان کا مال و اسباب چھین لیتا تھا، خسرو نے اس طریقے

سے لوگوں کی زندگی دشوار کر دی اور وہ اس سے سخت نفرت کرنے لگے[1]،

"خسرو لوگوں کو ذلیل سمجھتا تھا اور جس چیز کو کسی عاقل اور دُور اندیش بادشاہ نے حقیر نہیں سمجھا وہ اس کے نزدیک حقیر تھی، اس کی سیاہ دلی اور ناخدا ترسی اس درجہ تھی کہ اُس نے اپنے باڈی گارڈ کے افسر کو جس کا نام زاذان فرخ تھا حکم دیا کہ جیلخانوں میں جتنے قیدی ہیں سب کو قتل کر دے، اُن کی تعداد چھتّیس ہزار تھی[2] لیکن زاذان فرخ نے حکم کی تعمیل میں جلدی نہ کی اور خسرو کے سامنے طرح طرح کی مشکلات بیان کرتا رہا اور تعمیل کو ٹالتا رہا" ان قیدیوں کے علاوہ خسرو نے اُن سپاہیوں کو بھی قتل کرنے کی ٹھانی تھی جو ہرقل کے مقابلے میں بھاگ کھڑے ہوئے تھے[3]،

اگر ہرمزد چہارم امراء پر سخت گیری کرتا تھا لیکن غرباء پر مہربان تھا تو اس کے مقابلے پر خسرو ایک طرف تو رعایا سے بظلم روپیہ وصول کرتا تھا اور دوسری طرف امراء کو بھی خوش نہیں رکھتا تھا، وہ اس قدر کینہ پرور اور بدگمان تھا کہ جو لوگ سرگرمی کے ساتھ اس کی خدمت کرتے رہے اُن کو مروانے کے لیے بھی موقع ڈھونڈتا رہتا تھا، ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ سب سے پہلے وہ وندوی اور وستہم سے بدگمان ہؤا اور مؤخر الذکر نے اس کو خاصی تکلیف دی، ان دونو کے بعد مردانشاہ کی باری آئی جو نیمروز کا پاذگوسپان تھا اور بادشاہ کے سب سے زیادہ باوفا خادموں میں سے تھا، اس کا قصّہ یوں بیان ہؤا ہے کہ نجومیوں

[1] طبری، ص ۱۰۴۱، [2] یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ تعداد مثل اُن امراء کی تعداد کے جن کو بقول طبری ہرمزد چہارم نے مروایا تھا (دیکھو اوپر، ص ۵۹۴/۵۹۵) محض خیالی ہے، زاذان فرخ غالباً وہی فرخ زاذ ہے، [3] طبری، ص ۱۰۴۳،

نے خسرو سے پیشینگوئی کی تھی کہ تمہاری موت نیمروز کی طرف سے آئیگی، اس بنا پر وہ اس طاقتور اور بارسوخ شخص (مردانشاہ) سے بدگمان تھا، پہلے تو اس نے اس کو مروا دینے کا ارادہ کیا لیکن پھر اس کی آزمودہ وفاداری کا خیال کرکے صرف اس کا دایاں ہاتھ کٹوا دینے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں کو پُر کرنے کے ناقابل ہو جائے، بعد میں اُس نے ایک بھاری رقم اس کو دے کر تلافی کرنی چاہی لیکن اس نے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ اس کی بجائے میری التجا یہ ہے کہ میرا سر کاٹ دیا جائے کیونکہ میں اس ذلیل حالت میں زندگی بسر کرنی نہیں چاہتا، یہ قصہ تو خیر لیکن یہ بات صحیح طور پر معلوم ہے کہ بادشاہ نے مردانشاہ کو مروا دیا تھا اور ایسا کرنے سے اُس نے اس کے بیٹے مہرہرمزد (یا نیوہرمزد) کو اپنا جانی دشمن بنا لیا،[1]

اسی طرح ایک اور بڑے امیر کا بھی یہی حشر ہوا، وہ یزدین ہے جو مذہب کا عیسائی تھا، اس شخص کا قصہ اُس زمانے کی دلچسپ طرز معاشرت کا مرقّع ہے، اُس کا خاندان اصل میں سریانی تھا اور کرخائے بیت سلوخ میں (جس کو اب کرکوک کہتے ہیں) اس خاندان کے لوگوں کی وسیع جاگیریں تھیں اور محکمۂ مالیات میں وہ بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز تھے[2]، یزدین واستریوشان سالار کے عہدے پر متمکن تھا اور عُشر (ٹیکس) وصول کرنے پر مامور تھا، لڑائیوں میں وہ فوج کے ساتھ جایا کرتا تھا تاکہ مالِ غنیمت اور تاوان وغیرہ میں سے شاہی خزانے کا حق

---

[1] ایضاً ص ۱۰۵۸ ببعد، تاریخ گمنام بزبان سریانی طبع گوئیڈی، ترجمہ نولڈکہ ص ۲۹،

[2] نولڈکہ: ترجمہ طبری، ص ۳۸۴، ح،

وصول کرے، کہتے ہیں کہ ہر روز صبح کو وہ ہزار سونے کے ڈلے خزانے میں بھجوایا کرتا تھا[1]، اس کے ساتھ وہ اپنے ہم مذہبوں کی حمایت میں بھی کچھ کم سرگرمی نہیں دکھاتا تھا، اسی وجہ سے عیسائی مؤرخوں نے اس کے غبن کی مثالوں کو نظر انداز کرکے اس کی دینداری اور پارسائی کی بڑی تعریف کی ہے، بادشاہ کی عیسائی محبوبہ شیرین نے ایک خانقاہ تعمیر کرائی تھی جس کو اس نے اوقاف سے مالا مال کر دیا[2]، اس نے خود بھی "ہر جگہ صومعے اور گرجے بنوائے جو آسمانی بیت المقدس کے تصور کے مطابق تھے، جس طرح حضرت یوسفؑ فرعون کے منظور نظر تھے اسی طرح وہ خسرو کا منظور نظر تھا[3]" - جب ایرانیوں نے اورشلیم پر قبضہ کیا تو یزدین نے بے انداز مالِ غنیمت طیسفون کو روانہ کیا، منجملہ اُن چیزوں کے جو عیسائیوں کی نظروں میں سب سے زیادہ قیمتی تھیں صلیبِ مقدس کا ایک ٹکڑا تھا جس کو بادشاہ نے بڑی تعظیم کے ساتھ اپنے نئے خزانے میں جو اس نے پایہ تخت میں تعمیر کرایا تھا رکھوا دیا، اورشلیم کے یہودیوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر عیسائیوں سے بدلہ لیا اور اُن کے گرجاؤں کو آگ لگا دی، یزدین کے مشورے سے بادشاہ نے ان یہودیوں کو سولی پر چڑھانے اور اُن کی جائدادوں کے ضبط کر لینے کا حکم دیا، یزدین نے بعض تباہ شدہ گرجاؤں کو دوبارہ تعمیر کرایا[4]، لیکن واستریوشان سالار کی قدر و منزلت بہت دیر تک نہ رہی، اس کے زوال کا سبب معلوم نہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ جس وقت ہرقل کی

---

[1] تاریخ گمنام، ترجمہ نولڈکہ، ص ۲۲، [2] نولڈکہ: ترجمہ طبری ۳۸۴، ح،
[3] تاریخ گمنام طبع گوئڈی، ترجمہ نولڈکہ، ص ۲۲، [4] ایضاً ص ۲۴ بعد،

فوجوں نے سلطنت کے مغربی صوبوں پر چڑھائی کی اُس وقت خسرو نے یزدین کے قتل کا حکم دیا اور اُس کی بیوی کو عذاب دلوایا جس کا منشا یقیناً یہ تھا کہ وہ اپنے شوہر کی چھپائی ہوئی دولت کا پتا دے جس کو اس نے بجا اور بیجا طریقوں سے جمع کر رکھا تھا[1]۔

حیرہ کا عرب بادشاہ نعمان ثالث بھی جس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا خسرو کی کینہ پروری کا شکار ہوا، بیان کیا جاتا ہے کہ جب خسرو بہرام چوبین کے آگے آگے بھاگ رہا تھا تو اُس نے نعمان کو حکم دیا کہ میرے ساتھ رہو، اس نے نہ مانا اور ساتھ ہی اسے اپنی بیٹی دینے سے بھی انکار کیا، ۵۹۵ء اور ۶۰۲ء کے درمیان کسی وقت خسرو نے اُسے قید کیا اور پھر مروا ڈالا، ساتھ ہی اُس نے خاندان لخمی سے ریاست چھین کر ایاس کو دے دی جو قبیلۂ بنو طی سے تھا، اس کی نگرانی کے لیے اُس نے ایک ایرانی انسپکٹر مقرر کیا جو بقول مؤرخین نخویرگان کے لقب سے ملقب تھا[2]۔

خسرو کی بیرحمی کبھی کبھی خوفناک مذاق کی صورت اختیار کر لیتی تھی، ثعالبی نے لکھا ہے[3] کہ ایک دفعہ ایک گورنر کے متعلق اس کو اطلاع دی گئی کہ اُسے دربار میں بلوایا گیا تھا لیکن وہ حاضر ہونے میں لیت و لعل کر رہا ہے، بادشاہ نے اس پر حکم لکھوا دیا کہ "اگر اس کے لیے یہ مشکل ہے کہ اپنے سارے جسم کے ساتھ ہمارے پاس آئے تو ہم اس پر اکتفا کرتے ہیں کہ اس کے جسم کا

---

[1] ایضاً ص ۳۰، [2] تاریخ گمنام طبع گویدی ترجمہ از نولڈکہ، ص ۱۳-۱۵، طبری، ص ۱۰۵ ببعد، روٹ شٹائن ص ۱۰۷ ببعد، [3] ص ۶۸۹،

فقط ایک حصّہ ہمارے پاس لایا جائے" تاکہ کام اس پر آسان ہو جائے، کہہ دو کہ صرف اس کا سر دربار میں لے آئیں اور باقی جسم کو وہیں رہنے دیں"۔

خسرو اور اس کے سپہ سالار شہر وراز کے درمیان خفیہ عداوت کی مختلف روایتیں عربی مصنّفوں کے ہاں ملتی ہیں، جاحظ کا بیان ہے[1] کہ قیصر کے ساتھ جنگ کے دوران میں خسرو نے شہر وراز کو متضاد احکام لکھے، سپہ سالار کو بادشاہ کی بھری ہوئی نظر سے ڈر پیدا ہوا اور وہ خسرو کے خلاف قیصر سے جا ملا اور نہروان تک اس کے لیے راستہ صاف کر دیا، اس کے بعد ایک عیسائی جو شاہی گھرانے کا ممنون تھا (کیونکہ خسرو اوّل نے مزدکیوں کے قتل عام کے دن اس کے دادا کی جان بچائی تھی[2]) بادشاہ کے حکم سے شہر وراز کے پاس بھیجا گیا اور ایک عصا کے اندر ایک خط چھپا کر اس کو دیا گیا جس میں شہر وراز کے نام حکم لکھا تھا کہ قیصر کے محل کو آگ لگا دو اور اس کے لشکریوں کو قتل کرو، جب عیسائی[3] نہروان پہنچا اور ناقوسوں کا شور اس نے سُنا[4] تو اس کو پشیمانی ہوئی کہ کیوں اس نے ایک عیسائی بادشاہ کے ساتھ غدّاری کی، اس پر وہ سیدھا قیصر کے پاس چلا گیا اور سارا راز اس کو بتا دیا اور عصا اس کو دے دیا، قیصر کو یقین ہو گیا کہ شہر وراز کی نیّت اس کے ساتھ دھوکا کرنے کی ہے اور وہ فوراً اپنے لشکر سمیت واپس روانہ ہو گیا، خسرو نے (جسے اس نتیجے کی پہلے سے توقع تھی) اس طریقے سے ایک مہیب دشمن

---

[1] کتاب التاج، ص ۱۸۰، مروج الذہب مسعودی میں جاحظ ہی کا حوالہ دیا گیا ہے (ج ۲، ص ۲۲۷)،
[2] جاحظ نے مزدک کی بجائے غلطی سے مانی کا نام لکھا ہے، [3] بقول مسعودی: من اساقفة النصرانیة،
[4] مشرق کے عیسائی گھنٹوں کی بجائے نماز کے وقت لکڑی کے ناقوس بجاتے تھے،

سے نجات پائی،[1]

خسرو دوم کی طبیعت کی نمایاں ترین خصوصیت حرص اور زر پرستی تھی، اپنی اڑتیس سال کی حکومت میں اس نے ہر ممکن طریقے سے بے انداز دولت جمع کی اور اسے رفاہ کے کاموں سے بچا کر اپنے خزانوں میں بھرا، اپنے عہد کے اٹھارویں سال (سنہ ۶۰۷ء) میں جب اس نے طیسفون میں اپنے خزانے کو نئی عمارت میں منتقل کیا تو اس میں تقریباً چھیالیس کروڑ اسّی لاکھ مثقال سونا تھا،[2] اگر ایک مثقال کو ایک درہم ساسانی کے برابر مانا جائے تو وہ تقریباً سینتیس کروڑ پچاس لاکھ فرانک طلائی کے برابر ہوا،[3] جواہرات اور قیمتی کپڑوں کی ایک کثیر مقدار اس کے علاوہ تھی،[4] اپنی معزولی کے بعد جب اُس نے اپنے خزانے کا حساب دیا (جس کا ذکر آگے آئیگا) تو کُل میزان اُس رقم سے بہت زیادہ تھی جو ہم نے اوپر بیان کی، اُس کی حکومت کے تیرھویں سال کے بعد اُس کے خزانے میں اسّی کروڑ مثقال وزن کا سونا تھا اور تیسویں سال میں (باوجود طویل اور مہنگی لڑائیوں کے) اس کی مقدار ایک ارب ساٹھ

---

[1] خسرو اور شہرو راز کی بعض اور افسانوی حکایات طبری کے ہاں ملتی ہیں (ص ۱۰۰۸-۱۰۰۹)، نیز دیکھو بیہقی، ص ۱۳۶ ببعد، بادشاہ اور سپہ سالار کے درمیان بعض ایسے اختلافات تھے جن کی تفصیل ہمیں معلوم نہیں اور جو آخر کار شہرو راز کی بغاوت پر منتہی ہوئے جس کا ذکر آگے آئیگا، عربی "ادب" کی کتابوں میں عموماً خسرو دوم کی ایسی حکایات بیان ہوئی ہیں جن کی صحت مشکوک ہے، مثلاً دیکھو بیہقی، ص ۱۵۵ ببعد، ص ۴۹۰، کتاب المحاسن منسوب الیٰ جاحظ، ص ۲۱،

[2] اس میں سے چار کروڑ اسّی لاکھ مثقال کے وہ سکّے تھے جو پیروز اور کواذ کے عہد میں مضروب ہوئے تھے،

[3] یعنی چار ارب اڑسٹھ کروڑ روپے، (مترجم)،

[4] طبری، ص ۱۰۴۲،

کروڑ مثقال تک پہنچ گئی جو ایک ارب تیس کروڑ طلائی فرانک کے برابر ہوتی ہے ، لڑائیوں کا مالِ غنیمت اس کے علاوہ تھا ، آخری زمانے میں یہ غیر معمولی اضافہ پچھلے سالوں کے خراج کا بقایا وصول ہونے کی وجہ سے تھا جس کی وصولی بڑی بیرحمی کے ساتھ کی گئی تھی ، اس کے علاوہ جرمانوں کی وہ رقمیں بھی تھیں جو خزانے میں بعض چوریاں اور نقصان ہو جانے پر سزا کے طور پر وصول کی گئی تھیں[1]

غرض خسرو کے جو حالات مختلف تاریخی مآخذ سے ہمیں معلوم ہوتے ہیں ان کو دیکھ کر ہمیں اس کے ساتھ کوئی محبت یا ہمدردی پیدا نہیں ہوتی ، اس کینہ پرور ، مکّار ، حریص اور بزدل بادشاہ کے خصال میں کوئی دلکش چیز تلاش کرنا بے سود ہے ، لیکن اگرچہ خسرو حریص تھا تاہم بخیل نہ تھا ، بالخصوص ایسے موقعوں پر وہ ہرگز بخل سے کام نہیں لیتا تھا جبکہ اُسے اپنے شاہانہ جاہ و جلال کو نمایاں کرنا اور لوگوں کو اپنے بےمثال تجمّل و رعب سے خیرہ کرنا منظور ہوتا تھا ، اپنی رعایا پر جو ناقابلِ برداشت بوجھ اس نے ڈال رکھا تھا اس کا صحیح اندازہ صرف سونے اور چاندی اور جواہرات کے ڈھیروں سے نہیں ہو سکتا جو اس کے خزانے میں لگے ہوئے تھے بلکہ ان کے ساتھ اُن کثیر رقموں کا تصوّر بھی ضروری ہے جو بادشاہ اور اس کے دربار کے سامانِ عیش و عشرت میں صرف کی جاتی تھیں ، اور جس چیز کی وجہ سے ہمیں خسرو دوم کے عہد کے ساتھ ایک خاص دلچسپی ہے وہ اس کی یہی شان و شوکت ہے جس نے اس کے معاصرین کے دلوں پر ایک ناقابلِ محو نقش بٹھایا ، دربار ساسانی کی شان و شوکت

[1] ایضاً ، ص ۱۰۵۴ ،

کی جو مفصّل روایات عربی اور فارسی مؤرّخوں نے لکھی ہیں اور جن کا مأخذ عہدِ ساسانی کی کتابیں ہیں وہ درحقیقت خسرو دوم ہی کے عہد کے ساتھ مربوط ہیں، اگران روایات کے ساتھ ہم اُن تصاویر کو شامل کریں جو خسرو نے طاقِ بوستان کی چٹانوں پر کندہ کرائیں تو اس کے عہد کا خاصا صاف نقشہ ہمارے سامنے آجاتا ہے جو تمدّن ساسانی کی آخری فصل بہار تھی،

سنہ ۶۰۴ء سے لے کر ہرقل کے حملے کے وقت تک (سنہ ۶۲۷ء / ۶۲۸)
خسرو نے طیسفون میں قدم نہ رکھا جس کی وجہ یہ تھی کہ کسی نجومی نے پیشینگوئی کی تھی کہ یہ شہر تمہارے لیے باعث ہلاکت ہوگا، اس کی پسندیدہ رہایش گاہ دستگرد (یا دستگردِ خسرو) کا محل تھا جس کو عرب مؤرّخ الدّسکرہ یا دسکرۃ الملک لکھتے ہیں، وہ اُس فوجی سڑک پر واقع تھا جو طیسفون سے ہمدان کو جاتی تھی اور پایہ تخت سے شمال مشرق کی جانب ۱۰۷ کیلومیٹر کے فاصلے پر تھا، بعض عرب مؤرّخوں نے دستگرد کی تعمیر کو ہرمزد اوّل کی طرف منسوب کیا ہے لیکن ہرتسفلت نے اس کی تردید کی ہے، یہ بالکل ممکن ہے کہ شہر اور محل خسرو دوم سے پہلے بھی موجود ہوں لیکن یہ مسلّم ہے کہ ساسانیوں نے خسرو اول کے زمانے سے اپنی رہایش کے لیے عراق کو ترجیح دینی شروع کی خصوصاً اس علاقے کو جو طیسفون اور حلوان کے درمیان تھا، دستگرد کے کھنڈرات کو آج کل زندان (بمعنی قیدخانہ) کہتے ہیں،

۱۱؎ حمزہ اصفہانی اور ابن قتیبہ،

اُن کا حال موسیو ہرتسفلٹ نے لکھا ہے[1]، عرب جغرافیہ نویس ابن رستہ کے زمانے میں جس نے اپنی کتاب ۳۰۳ھ ۹۰۳ء کے قریب لکھی شہر کی فصیل جو پکی اینٹوں کی بنی ہوئی تھی اپنی جگہ پر صحیح سلامت موجود تھی لیکن آج اس کا صرف ایک ٹکڑا باقی ہے جو ۵۰۰ میٹر لمبا ہے جس پر بارہ بُرج تو اچھّی حالت میں محفوظ ہیں اور چار منہدم ہو چکے ہیں، بقول ہرتسفلٹ دستگرد کی فصیل غالباً اُن تمام اینٹوں کی بنی ہوئی فصیلوں میں جن کے آثار مغربی ایشیا میں باقی ہیں سب سے زیادہ مستحکم ہے سوائے اُس ایک فصیل کے جس کو بخت نصر نے تعمیر کرایا تھا، ابن رستہ کے زمانے میں بھی فصیل کے اندر کسی قسم کے کھنڈرات باقی نہیں تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ شہر اور محل ہرقل کے ہاتھوں کامل طور پر برباد ہو چکے تھے اور اس نے ایسا کرنے سے اُن تباہیوں کا بدلہ لیا جو ایرانی لشکر نے رومی علاقے میں برپا کی تھیں،

اُسی فوجی سڑک پر ذرا اَور آگے خانقین اور حلوان کے درمیان ایک اَور محل کے کھنڈرات ہیں جس کی خسرو دوم کے عہد میں بڑی اہمیت تھی، اس جگہ کا نام قصر شیرین ہے اور عجب نہیں کہ وہ روایت جس کی رُو سے وہ خسرو کی محبوبہ شیرین کی جائے رہائیش تھی صحیح ہو، اسی جگہ پر ایک مربّع شکل کا قلعہ بھی ہے جس کو قلعۂ خسروی کہتے ہیں، اس پر بُرج بنے ہوئے ہیں اور گرداگرد ایک خندق ہے جس پر ایک محرابدار پُل ہے، جس میدانِ مرتفع کی حفاظت اس قلعے کے ذمّے تھی اس میں ایک وسیع رمنا تھا جس کی دیواریں نہر کا کام

---

[1] "ایران کی برجستہ مجاری"، ص ۲۳۷، "آثار قدیمہ کے مطالعے کے لیے سفر" ص ۸۹ بعد،
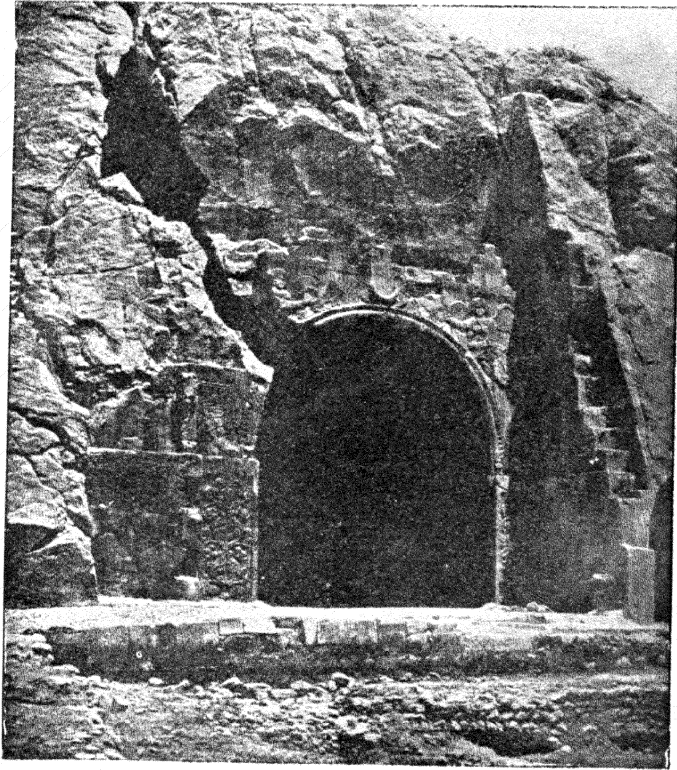
طاق بوستان میں خسرو دوم کا غار

بھی دیتی تھیں اور ایک بڑا محل تھا جو گرمیوں کی رہائش کے لیے بنایا گیا تھا جس کو آج کل حاجی قلعہ سی کہتے ہیں، اور ایک بڑی بھاری عمارت تھی جس کو اب چُوار قاپو (چار دروازہ) کہا جاتا ہے، اس کی تعمیر کسی قدر طیسفون کے محل کے نمونے پر ہوئی تھی[1]۔

ساسانیوں کے زمانے کی سب عمارتوں میں جن کے کھنڈرات آج موجود ہیں محرابی چھتیں ہیں، لیکن بعض شاہی مکانات اور عمارتیں (خصوصاً عراق میں) ایسی بھی تھیں جو ذرا ہلکی بنی ہوئی تھیں اور جن کی چھتیں لکڑی کے ستونوں پر قائم تھیں جس طرح کہ اصفہان میں صفویوں کے زمانے کا محل چہل ستون ہے، لیکن چونکہ ایسی عمارتوں کا مصالح جلدی خراب ہوجانے والا تھا لہذا اب ان کا کوئی نشان باقی نہیں ہے[2]، لیکن پھر بھی ہم ان کی بناوٹ کا کچھ نہ کچھ تصور طاق بوستان کے غاروں کی معماری جزئیات کو دیکھنے سے کر سکتے ہیں، شاپور سوم کے غار کے برابر جو اس نے طاق بوستان کی معروف چٹان میں کھدوایا تھا[3] ایک اور اس سے بہت بڑا غار ہے[4] جو خسرو دوم کا بنوایا ہوا ہے (دیکھو تصویر)، اس کا دہانہ جس کی محراب نصف دائرے کی شکل میں ہے شاہی محل کے دروازے کا نمونہ ہے، محراب دو ستونوں پر قائم ہے جن پر آرائشی کام بہت عمدگی سے کیا گیا ہے، اس میں ایک درخت دکھایا گیا ہے

---

[1] ڈمورگن (de Morgan) : "ایران میں علمی وفد" ج ۴، ص ۳۴۱ بعد، زارہ ہرتسفلت: ایران کی برجستہ حجاری، ص ۲۳۷ بعد اور تصویر نمبر ۹۴، [2] ہرتسفلت: "ایشیا کے دروازے پر"، ص ۱۰۸، [3] دیکھو اوپر، ص ۳۳۰ بعد، [4] ہرتسفلت: کتاب مذکور، ص ۹۱ بعد، اور تصاویر نمبر ۳۳ - ۴۰،

جس کی لہراتی ہوئی شاخیں تناسب اور ترتیب کے ساتھ ستونوں کے گرد لپٹی ہوئی ہیں، ان شاخوں پر درختِ شوکتہ الیہود[۵۱] کے پتّے دکھائے گئے ہیں اور چوٹی پر ایک عجیب کاسۂ گُل کی شکل بنائی گئی ہے، ہرٹسفلٹ کا عقیدہ ہے کہ غالباً یہ درختِ زندگی کا نمونہ ہے جو بہت قدیم افسانوں میں مذکور ہے اور جس نے مزدائی اساطیر میں مختلف نام اختیار کیے ہیں مثلاً درخت گوکرِن اور درختِ وَن یُدبیش جس کے متعلق عقیدہ تھا کہ وہ تمام بیماریوں کو شفا دیتا ہے، دونو ستونوں کے اوپر جس جگہ کہ محراب کے پائے شروع ہوتے ہیں شکن دار فیتوں کے سرے بنائے گئے ہیں جو ساسانی بادشاہوں کے لباس کا جزء ہُوا کرتے تھے، محراب کے نصف دائرے کے اوپر دونو طرف کونوں میں دو فرشتوں کی شکلیں بنائی گئی ہیں جن کی وضع اور لباس میں بالکل یونانی طرز ہے، دونو کے ہاتھوں میں فتحمندی کے تاج ہیں جن میں شکن دار فیتے آویزاں ہیں اور جن کو اُنھوں نے ہاتھ سے ایک دوسرے کی طرف بڑھا رکھا ہے، محراب کے اوپر عین وسط میں ایک ہلال بنا ہے جس کے دونو کونے اوپر کی جانب کو ہیں، اس میں بھی وہی شاہی فیتے آرائش کے طور پر لگائے گئے ہیں[۵۲]

مربّع غار کی پچھلی دیوار پر دو بڑی برجستہ تصویریں اوپر نیچے دو منزلوں میں بنائی گئی ہیں (دیکھو تصویر) نیچے کی منزل میں دونو طرف دو ستون پتھر میں سے تراش کر نکالے گئے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ نیچے کی منزل کی چھت کو اُٹھائے ہوئے ہیں، دونو ستونوں پر تراش تراش کر دھاریاں بنائی گئی ہیں اور اوپر کے سرے انگور کے پتّوں کی ایک پٹّی سے ملائے گئے ہیں، شاخ و برگِ انگور کا آرائشی کام ویسا ہی ہے جیسا کہ غار کے دروازے

۵۱ (acanthus)   ۵۲ ہرٹسفلٹ: ایشیا کے دروازے پر، ص ۱۰۸،
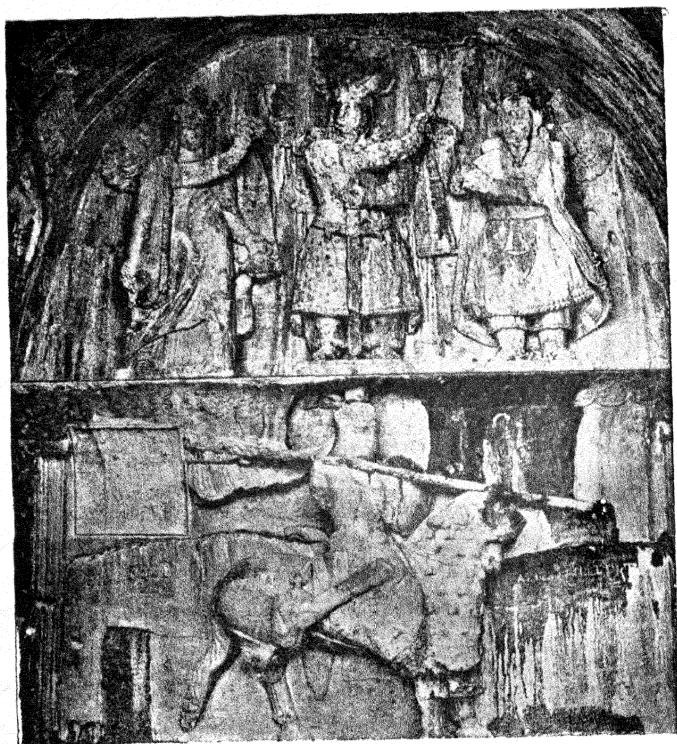
طاق بوستان میں خسرو دوم کی دو برجستہ تصویریں

کے ستونوں پر ہے[۱]، طاق بوستان کے ان ستونوں میں (جو ساسانیوں کی ستون سازی کا واحد نمونہ ہیں) اور لکڑی کے اُن ستونوں میں جو آج بھی کُردستان میں ہر جگہ دیکھنے میں آتے ہیں اور دیہاتی معماری کی ایک قدیم روایت کے حامل ہیں جو باہمی تاریخی تعلق ہے وہ ہرتسفلٹ کی علمی تحقیقات سے واضح ہوگیا ہے[۲]،

اوپر والی تصویر میں عطائے منصبِ شاہی کا سین دکھایا گیا ہے، بادشاہ درمیان میں کھڑا ہوا ہے اور اس کے بائیں ہاتھ پر اہورمزد ہے جس نے تاج کو بادشاہ کی طرف بڑھا رکھا ہے، تاج حسبِ دستور فیتوں سے مزیّن ہے اور بادشاہ اُسے اپنے دہنے ہاتھ سے لے رہا ہے، دوسری طرف سے اناہیذ (اناہتا) دیوی بھی اسے ایک تاج دے رہی ہے تینوں کو سامنے کی طرف سے دکھایا گیا ہے، بادشاہ کے سر پر وہی تاج ہے جو ہم خسرو دوم کے سکّوں میں دیکھتے ہیں یعنی ایک دیوار دار تاج جس کے نچلے حصّے میں موتیوں کی دو لڑیاں اور آگے کی جانب ایک ہلال، چوٹی پر ایک کلس جس کے دونوں جانب عقاب کے دو پَر ہیں اور کلس کے اوپر ایک ہلال ہے جس کے اوپر سورج کی گیند رکھی ہے، بادشاہ کا لباس جس میں حسبِ معمول لہراتے ہوئے فیتے لگے ہیں ایک آستین دار قبا پر مشتمل ہے جو گھٹنوں کے نیچے تک آتی ہے اور ایک بڑی شلوار ہے جس میں شکن پڑے ہوئے ہیں، دونوں جواہرات سے مرصّع ہیں، قبا کا کنارہ، تلوار کا میان اور پرتلہ یہاں تک کہ شلوار

---

[۱] ایضاً، ص ۲۴، تصویر نمبر ۵۴، [۲] ایضاً ص ۱۰۴ بعد،

بھی موتیوں کی متعدّد قطاروں سے مزیّن ہے ، اس کے علاوہ بادشاہ نے گلے میں موتیوں کے کئی ہار پہن رکھے ہیں اور اس کی قبا کے کپڑے پر بھی موتیوں کے نقش ہیں جو گرتے ہوئے قطروں کی شکل میں بنائے گئے ہیں اور ہر ایک کو ایک حلقے میں لٹکتا ہوُا دکھایا گیا ہے ، اہورمزد (خدا) نے بھی ایک لمبی قبا پہن رکھی ہے لیکن اس کے اوپر ایک فراخ جبّہ بھی ہے جس کے کناروں پر موتی جڑے ہیں ، پاؤں میں موزے ہیں جن کے سرے شلوار کے نیچے چھپے ہوئے ہیں ، اس کی لمبی اور نوکدار ڈاڑھی اور اس کے فیتے دار تاج میں کسی قدر قدیمانہ وضع پائی جاتی ہے ، عورت جو بادشاہ کے دائیں طرف ہے وہ بقولِ ہرتسفلٹ اُس دستہ دار کوزے سے جو اس کے بائیں ہاتھ میں ہے پہچانی جاسکتی ہے کہ کون ہے ؟ کوُزہ قدیم زمانے میں آسمانی پانی کا نمایندہ قرار دیا گیا تھا جو زمین کے پانی کا منبع ہے اور جو نباتات کو اگاتا ہے ، لہذا عورت اناہیذ ہے جو پانی کی دیوی ہے ، اس نے یونانی وضع کی قبا پہن رکھی ہے اور اس کے اوپر ایک جبّہ ہے جس پر ستاروں کے نشان بنے ہوئے ہیں ، اس کا تاج اہورمزد کے تاج سے مشابہ ہے جس کے نیچے سے اس کے بالوں کی چار لٹیں اس کے سینے اور کندھوں پر لٹک رہی ہیں ، ساسانیوں کے زمانے میں ایران کی عورتوں میں بالوں کا یہی فیشن رائج تھا[1] ،

یہ ساری تصویر بالکل روکھی اور آثارِ زندگی سے عاری ہے ، ایسا معلوم

[1] ہرتسفلٹ : ایشیا کے دروازے پر ، ص ۹۲ تصویر ۴۲ و ۴۴ ،

ہوتا ہے کہ گویا وہ "مجسموں کی تصویریں" ہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ گویا کسی کاغذ پر بنی ہوئی تصویر کو سامنے رکھ کر وہ بت بنائے گئے ہیں[1]، ہرتسفلٹ نے طاقِ بوستان میں خسرو دوم کے غار کی بت تراشی پر جو تبصرہ کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس برجستہ حجّاری میں گویا کاغذ کی تصویر کو پتھر میں منتقل کیا گیا ہے[2]۔

بدقسمتی سے ساسانی مصوّری کے آثار بہت کم باقی ہیں، بلخ کے مشرق کی طرف خلم کے قریب مقام دخترِ نوشیروان میں ایک محراب کی دیوار پر جو چٹان میں سے تراشی گئی ہے ایک تصویر کے کچھ آثار باقی ہیں، یہ تصویر جو بہت کچھ مٹ چکی ہے کسی ساسانی شہزادے کی ہے جو مشرقی علاقے کا گورنر تھا، وہ ایک تخت پر بیٹھا ہوا ہے جس کو ستونوں کے بیچ میں رکھا گیا ہے، اس تصویر کو دیکھ کر ساسانی بادشاہوں کی برجستہ حجّاری کے نمونے یاد آتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کی جزئیات میں وسط ایشیا کی بدھائی تصویروں کا انداز بھی پایا جاتا ہے[3] طیسفون کی آخری کھدائی میں ساسانی زمانے کی رنگین استرکاری کے کچھ نمونے دستیاب ہوئے ہیں جن میں چند انسانی صورتیں ہیں کہ جن کے فقط سروں کے کچھ ٹکڑے باقی ہیں،" ان میں جو رنگ استعمال ہوئے ہیں وہ بیشتر زرد، سُرخ اور ہلکا بادامی ہے اور کہیں کہیں سُرخ مجیٹھ یا لاجوردی اور سیاہ رنگ کا بھی اضافہ ہوا ہے جن کو کمال مہارت کے ساتھ حاشیہ آرائی میں استعمال کیا گیا

---

[1] ایضاً، ص ۹۳، [2] مقابلہ کرو ہرتسفلٹ: مضمون بہ عنوان "خراسان" در رسالہ "اسلام" (بزبان جرمن)، ج ۱۱، ص ۱۵۴، [3] گودار و ہیکن: "بامیان کے قدیم بدھائی آثار" (فرانسیسی) ص ۶۵ بعد، تصاویر نمبر ۴۲ و ۴۳،

ہے"۔[1]

غار کی پچھلی دیوار کے نچلے حصّے میں ایک برجستہ تصویر بنی ہے جو بدقسمتی سے اس وقت نہایت شکستہ حالت میں ہے، اس میں خسرو دوم کو ہتھیار سجے گھوڑے پر سوار دکھایا گیا ہے، سر پر خود ہے جس کے اوپر تاج رکھا ہُوا ہے، تاج میں پَر لگے ہوئے ہیں اور اوپر ہلال اور گیند ہے (پَر بالکل ٹوٹ چکے ہیں اور پہچانے نہیں جاتے) بدن میں لوہے کے حلقوں کا بنا ہُوا زرہ بکتر ہے جو اوپر خود تک چلا گیا ہے اور بادشاہ کے چہرے کو چھپائے ہوئے ہے، نیچے کی طرف وہ ران تک جسم کو ڈھانپے ہوئے ہے اور بدن پر خوب چسپاں ہے، کنارے کے نیچے سے بادشاہ کا ریشمی لباس نظر آرہا ہے جس پر دریائی گھوڑے کی تصویریں بنی ہوئی ہیں، دہنے ہاتھ میں (جو اب بالکل شکستہ ہو چکا ہے) وہ نیزہ تھامے ہوئے ہے جس کو اس نے کندھے پر رکھا ہُوا ہے اور بائیں ہاتھ میں ایک گول ڈھال ہے، ایک مزیّن کمر بند اور ایک تیروں کا بھرا ہُوا ترکش سوار کے اسلحہ کو مکمّل بنا رہے ہیں، گھوڑے کو اپنی کسی قدر بھاری اور موٹی ٹانگوں پر خاموش کھڑے دکھایا گیا ہے، اس کی گردن اور سینے کو لوہے کے پتّروں کے بنے ہوئے زرہ بکتر سے محفوظ کیا گیا ہے جس پر آرائش کے لیے پھندنے لگائے گئے ہیں، پُٹھے کے دونو طرف یہ علامت بنی ہوئی ہے : جو بعض ساسانی سکّوں پر بھی دیکھنے میں آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی شاہی علامت ہے[2] پچھلی رانوں کے دونو

[1] شمٹ: "سیریا" سنہ ۱۹۳۴ء، ص ۱۸-۱۹، [2] شاید حلقۂ سلطنت ہے جس میں فیتے آویزاں ہیں،

طرف دو بڑی بڑی گیندیں لٹک رہی ہیں جو ناشپاتی کی شکل کی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُون کی بنی ہوئی اور ریشم کے کپڑے میں لپٹی ہوئی ہیں، اس قسم کی گیندیں ساسانی بادشاہوں کے گھوڑوں کے ساز کا مستقل جزو تھیں، اس گھوڑے اور سوار کی برجستہ تصویر کے متعلق اسلامی روایت یہ ہے[۱] کہ وہ خسرو دوم اور اس کے محبوب گھوڑے شبدیز کا مجسمہ ہے، وہ حقیقت میں صنعتِ حجّاری کا شاہکار ہے جس میں تناسب اور جزئیات کو خوب دکھایا گیا ہے، ایک روایت کی رو سے جس کو ابن الفقیہہ الہمدانی نے روایت کیا ہے وہ ایک صنّاع مسمّی قطّوس بن سنمّار کے ہاتھ کا کام ہے، خسرو کے اس مجسّمے کے بنانے والے کا نسب سنمّار کے ساتھ ملانا جو حیرہ کے نزدیک قصرِ خورنق کا افسانوی معمار تھا[۲] صریحاً سہوِ زمانی ہے لیکن یہ یقینی امر ہے کہ قطّوس کے معرّب نام میں ضرور کوئی بازنطینی نام چھپا ہوا ہے اور یہ ناممکن نہیں ہے (جیسا کہ ہرتسفلٹ کا خیال ہے) کہ جس روایت کی رُو سے قطّوس کا نام اس صنعتی شاہکار کے ساتھ وابستہ ہے اس میں تاریخی صداقت ہو[۳]،

شبدیز[۴] کا نام جو کہ خسرو دوم کا مشہور و معروف گھوڑا تھا اکثر مؤرخوں اور عربی اور فارسی شاعروں کے ہاں مذکور ہے، روایت یہ ہے کہ وہ خسرو پرویز کو اس قدر عزیز تھا کہ اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ جو شخص اس کے مرنے کی خبر مجھ کو دیگا میں اس کو مروا دونگا، جب گھوڑا مر گیا تو داروغۂ اصطبل بہت

---

[۱] ابن حوقل (دسویں صدی) بحوالۂ جاحظ، [۲] طبری، ص ۱۰۵۰ ببعد، نیز دیکھو اوپر، ص ۳۵۹

[۳] ہرتسفلٹ: "ایشیا کے دروازے پر" ص ۸۲ ببعد،

[۴] لفظ شبدیز کے معنی شب رنگ یعنی سیاہ کے ہیں،

خوفزدہ ہؤا اور اُس نے بادشاہ کے گویّے باربذ کی طرف رجوع کیا، اس نے بادشاہ کے سامنے ایک ایسا گیت گایا جس میں کنایتہً گھوڑے کے المناک واقعہ کی خبر اس کو دی، خسرو سن کر چلا اُٹھا کہ "اے بدبخت شاید شبدیز مر گیا ہے!" گویّا جھٹ بول اُٹھا کہ "بادشاہ خود ہی فرماتا ہے"۔ بادشاہ کہنے لگا: "بہت خوب! تو نے اپنے آپ کو بھی بچا لیا اور ایک دوسرے شخص کو بھی"۔ اس قصّے کو جو الہمدانی اور ثعالبی[1] کے ہاں بیان ہؤا ہے اس سے پہلے عربی شاعر خالد الفیّاض اپنے اشعار میں نظم کر چکا ہے[2] اور شمالی یورپ میں وہ مختلف شکلوں میں پایا جاتا ہے، ان میں سب سے زیادہ مشہور وہ ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کیونکر ملکہ تیر دانبود[3] نے اپنے شوہر گورم[4] (شاہ ڈنمارک) کو اسی طریقے سے اس کے بیٹے کنود دانیست[5] کے مرنے کی خبر سنائی تھی،

غار کے بالمقابل بڑے چشمے کے نزدیک خسرو کا ایک مجسمہ کھڑا کیا گیا تھا جو دسویں صدی تک اپنی جگہ پر قائم تھا چنانچہ مِسعر بن مُہلہل نے اُس کو اسی جگہ دیکھا[6]، بعد میں وہ اُس چھوٹی سی جھیل میں گر گیا جو چٹان کے سامنے ہے، گذشتہ صدی میں اس کا صرف دھڑ (بغیر پاؤں کے) پانی سے نکالا گیا اور اب وہ جھیل کے بند کے اوپر رکھا ہؤا ہے، اگرچہ پانی نے اس کو رفتہ رفتہ تحلیل کر دیا ہے اور گردوں کی وحشی گری نے بھی اس کو بہت نقصان پہنچایا ہے تاہم

[1] ہرتسفلٹ: "ایشیا کے دروازے پر" ص ۸۳، ثعالبی، ص ۷۰۳-۷۰۴، [2] دیکھو براؤن کا مضمون (JRAS) سنہ ۱۸۹۹ء ص ۵۸، [3] (Tyre Danebod)، [4] (Gorm) [5] (Knud Daneast) [6] ہرتسفلٹ، کتاب مذکور، ص ۸۲ بعد (بحوالۂ یاقوت)،

اس حالت میں بھی بادشاہ کی ہیئت کا اُس سے اندازہ ہوتا ہے، وہ دونو ہاتھ تلوار پر رکھے سیدھا کھڑا ہے[۱]۔ بُت کے نزدیک دو ستونوں کے اوپر کے سرے پڑے ہیں جن میں سے ہر ایک پر ایک طرف خسرو دوم کی تصویر ہے جو اپنے تاج سے پہچانا جا رہا ہے اور دوسری طرف کسی دیوی کی تصویر ہے جس کے دہنے ہاتھ میں ایک حلقہ یا پھولوں کا تاج ہے اور بائیں ہاتھ میں کنول کا پھول ہے، ستونوں کے دو اور سرے جن پر اسی طرح کا آرائشی کام ہوا ہے بیستون کے گاؤں میں داریوش کے کتبے کے نیچے پائے گئے ہیں اور دو اور پہلے اصفہان میں موجود تھے جہاں موسیو فلاندیں نے ان کا نقشہ اُتارا تھا[۲]، دیوی کی تصویر اپنی جزئیات اور علاماتِ خدائی کے لحاظ سے تینوں جگہ مختلف ہے لیکن بادشاہ ہر جگہ ایک ہی ہے اور وہ خسرو دوم ہے، ہرتسفلٹ کا خیال ہے کہ ستونوں کے یہ تین جوڑے ایک ہی عمارت کے سامنے کے حصّے کی تین محرابوں کے ہیں اور یہ سرے محرابوں کے نیچے اس طرح لگائے گئے تھے کہ سامنے کھڑے ہو کر دیکھنے سے بادشاہ کی تصویر بائیں طرف اور دیوی کی دائیں طرف نظر آئے اور دونو تصویریں مل کر ایک تصویر کے دو حصّے معلوم ہوں[۳]۔

طاقِ بوستان کے غار کی پچھلی دیوار پر اوپر والی برجستہ تصویریں (جس کا حال ہم اوپر لکھ آئے ہیں) خسرو دوم کو دربار کے اُس لباس میں دکھایا گیا ہے جو وہ بڑے بڑے موقعوں پر زیبِ تن کیا کرتا تھا جبکہ وہ بلا مبالغہ

---

[۱] ایضاً، ص ۵۲، ص ۱۰۰ ببعد،

[۲] فلاندیں و کوست، ج ۱، تصویر ۲؎،

[۳] ہرتسفلٹ، کتاب مذکور، ص ۱۱۰ ببعد،

سر سے پاؤں تک جواہرات میں غرق ہوتا تھا، اس کی اس تصویر کو مکمل کرنے کے لیے صرف رنگوں کی کسر ہے، حمزہ اصفہانی اُس البم کی رُو سے جس میں شاہانِ ساسانی کی تصویریں بنائی گئی تھیں[1] ان رنگوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: "خسرو پرویز پسر ہرمز کا لباس زردوز گلابی رنگ کا اور اس کی شلوار آسمانی رنگ کی ہے، اس کا تاج سُرخ ہے اور اپنے ہاتھ میں نیزہ لیے ہوئے ہے[2]"۔

امراء اور بیرونی ممالک کے سفیر اس کو قصرِ دستگرد میں اسی لباس میں دیکھتے تھے جہاں وہ اپنے شاہی رعب و جلال کا مظاہرہ کرتا رہتا تھا، طبری کی روایات میں سے وہ روایت جس میں سب سے گھٹا کر اندازہ لگایا گیا ہے مُظہر ہے کہ خسرو کے حرم میں تین ہزار بیویاں تھیں علاوہ اُن ہزارہا لونڈیوں کے جو اس کی خدمت کرتی تھیں یا اُس کے سامنے گاتی بجاتی تھیں، ان کے علاوہ ۳۰۰۰ نوکر، ۸۵۰۰ گھوڑے، ۷۶۰ ہاتھی اور ۱۲۰۰۰ باربرداری کے خچر تھے[3]، طبری نے یہ بھی لکھا ہے کہ اُس سے بڑھ کر کوئی شخص جواہرات اور قیمتی پیالوں اور اسی قسم کی چیزوں کا شائق نہ تھا،

عربی اور فارسی مؤرخ خسرو دوم کے عجائبات کا تذکرہ بڑی رغبت کے ساتھ کرتے ہیں، بلعمی[4] اور ثعالبی[5] نے خسرو کے بارہ عجائبات کا ذکر

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۸۱، [2] طبع یورپ، ص ۶۰،
[3] طبری، ص ۱۰۴۱، نہایہ (براؤن، ص ۲۵۰) میں بھی تقریباً یہی اعداد و شمار ہیں اور غالباً دونو بیانات ایک ہی مأخذ سے لیے گئے ہیں،
[4] ترجمہ زوٹن برگ، ج ۲، ص ۳۰۴، [5] ص ۶۹۸ ببعد،

کیا ہے جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں: قصر طیسفون، درفش کاویانی،[1] ملکۂ شیرین، دربار کے دو گویّے یعنی سرکش اور باربذ (یا پہلپت[2])، اُس کا غلام خوش آرزو[3]، اُس کا گھوڑا شبدیز اور ایک سفید ہاتھی، بقول ہرتسفلت[4] اس قسم کی عجائب شماری ہندوستان کی رسم ہے چنانچہ بدھائی روایت کے "سات رتن" خسرو دوم کے بارہ عجائبات کے ساتھ نمایاں مشابہت رکھتے ہیں، فردوسی نے ان میں سے اکثر کو شاعرانہ تفصیل کے ساتھ الگ الگ بیان کیا ہے اور ان کے علاوہ اس نے خسرو کے سات "خزانوں" کی ایک فہرست بھی دی ہے جن میں ثعالبی کے عجائبات میں سے دو شامل ہیں، ظاہر ہے کہ یہ فہرستیں خوذای نامگ سے مأخوذ نہیں ہیں کیونکہ وہ صرف اُس سلسلۂ روایت کے ساتھ مربوط ہیں جو فردوسی اور ثعالبی کے ہاں ملتا ہے اور جس سے بلعمی بھی مستفید ہوا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ عہدِ ساسانی کے مآخذ سے لی گئی ہیں اور ہندوستانی ادبیات کے اثر کو واضح کرتی ہیں جو عہد ساسانی کی آخری صدی میں پرتو فگن ہوا،[5] اصل میں یہ ایک ہی خزانے کے مختلف حصّوں کا ذکر ہے جو گویا ایک کل کے

---

[1] دیکھو باب دہم، [2] اس کا ذکر آگے آئیگا، [3] مضمون بہ عنوان "تختِ خسرو" (سالنامۂ مجموعہ ہائے صناعات در پرشیا ج ۱۴، ص ۲-۳، ح ۷)،
[4] شاہنامہ طبع مول، ج ۷، ص ۳۲۸، [5] دیکھو اوپر، ص ۵۷۵/۵۷۶، خسرو کو اپنے عہد کے اٹھارہ سال میں جو اٹھارہ عجائبات ہاتھ لگے ان کی طرف اشارہ ایک چھوٹے سے پہلوی رسالے میں پایا جاتا ہے جس کا نام "ماہِ فروردین کے روزِ خورداذ کا حال" ہے جس سے مراد یوم "نوروز" ہے، (دیکھو جے جے مودی: ایشیاٹک پیپرز، ج ۴، ص ۱۹ بعد)،

مختلف جزو تھے، ایک ان میں مشہور "گنزِ واذ آورد" (گنج باد آورد) تھا اور ایک "گنزِ گاو" تھا، جس وقت ایرانیوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کر رکھا تھا تو رومیوں نے شہر کی دولت کو ان کے ہاتھ سے بچانے کے لیے کئی کشتیوں میں لاد دیا لیکن بادِ مخالف ان کشتیوں کو دھکیل کر ایرانیوں کی طرف لے گئی، اس بے انداز مالِ غنیمت کو طیسفون بھیج دیا گیا اور اس کا نام "گنجِ باد آورد" رکھا گیا[1]، بقولِ فردوسی ؏

شمارش گرفتند و در ماندند

"گنزِ گاو" کا قصّہ ثعالبی نے بالفاظِ ذیل بیان کیا ہے: "ایک کسان دو بیلوں کے ساتھ اپنے کھیت میں ہل چلا رہا تھا کہ اچانک اس کے ہل کی پھالی جس کو فارسی میں غباز کہتے ہیں ایک کوزے کے دستے میں اُلجھ گئی، کسان نے دیکھا تو وہ کوزہ اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا، وہ سیدھا بادشاہ کے دربار میں گیا اور اُسے واقعہ کی اطلاع دی، بادشاہ نے حکم دیا کہ کھیت کو کھودا جائے، جب کھودا گیا تو ایک سَو کوزے چاندی اور سونے اور جواہرات کے بھرے ہوئے نکلے، یہ وہ خزانہ تھا جس کو سکندر نے دفن کرایا تھا چنانچہ اس کی مُہر کوزوں پر لگی ہوئی تھی، سب کوزے بادشاہ کے دربار میں پہنچائے گئے، اُس نے خدا کا شکر ادا کیا اور ایک کوزہ کسان کو دے کر باقیوں کو ایک خزانے میں رکھوا دیا جس کا نام اُس نے "گنجِ گاو" رکھا[2]، فردوسی نے ایک اور خزانے کا نام "گنجِ عروس" بتلایا ہے جس میں

---

[1] تاریخ گمنام طبع گوئٹڈی، ترجمہ از نولڈکہ ص ۲۵ ببعد، نیز دیکھو طبری، ص ۱۰۵۷، ثعالبی، ص ۷۰۱،
[2] ص ۷۰۲،

چین اور ہندوستان کا خراج جمع ہوتا تھا، ایک اور خزانہ "دیبائے خسروی" کے نام سے موسوم تھا، ایک "گنجِ افراسیاب" تھا ایک "گنج سوختہ" تھا، ایک کا نام "گنجِ خضرا" اور ایک کا نام "گنجِ شادورد" تھا،

خسرو کے پاس جو بیش بہا اور کسی قدر افسانوی نوعیت کی چیزیں تھیں اُن میں خاص طور پر ایک شطرنج کا ذکر کیا گیا ہے جس کے مُہرے یاقوت اور زمرّد کے بنے ہوئے تھے، اسی طرح ایک نرد تھا جو مرجان اور فیروزے کا بنا ہوا تھا، ایک سونے کا ٹکڑا تھا جس کا وزن دو سو مثقال تھا اور موم کی طرح نرم تھا کہ دبانے سے مختلف شکلوں میں لایا جا سکتا تھا[1]، ایک رومال تھا جس سے بادشاہ اپنے ہاتھ پونچھا کرتا تھا اور "جب وہ میلا ہو جاتا تھا تو اُس کو آگ میں پھینک دیا جاتا تھا جس سے اس کے سب داغ صاف ہو جاتے تھے[2]" غالباً وہ پنبۂ کوہی[3] کا بنا ہوا تھا، ان چیزوں کے علاوہ ایک تاج تھا جس میں ایک سو بیس پاؤنڈ (یعنی ڈیڑھ من) خالص سونا لگا تھا اور اس پر چڑیا کے انڈوں کے برابر موتی جڑے تھے اور یاقوتِ رُمّانی "جو اندھیرے میں روشنی دیتے تھے اور تاریک راتوں میں اُن سے چراغ کا کام لیا جاتا تھا" اور زمرّد "جن کو دیکھنے سے سانپ کی آنکھیں پگھل جاتی تھیں"۔ ایک زنجیر جو ستّر ہاتھ لمبی تھی محل کی چھت سے لٹکی ہوئی تھی اور تاج اس کے ساتھ بندھا ہوا تھا جو بادشاہ کے سر کو چھوتا تھا اور اُس کے بوجھ سے سر کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی تھی[4]، یہ یقیناً وہی تاج ہے جو

---

[1] ثعالبی، ص ۷۰۰، [2] بلعمی، ترجمہ زوٹن برگ، ج ۲، ص ۳۰۵، [3] (asbestos)

[4] ثعالبی، ص ۶۹۹ ببعد،

قصرِ طیسفون میں دربار کے ہال کمرے میں لٹکا رہتا تھا اور جس کا حال طبری نے بھی لکھا ہے[1]،

لیکن سب سے زیادہ عجیب و غریب چیز خسرو کا تختِ تاکدیس تھا جو گنبد کی شکل کا بنا ہوا تھا، ثعالبی نے الفاظ ذیل میں اس کا وصف لکھا ہے[2]: "وہ ایک تخت تھا جو ہاتھی دانت اور ساگون کی لکڑی کا بنا ہوا تھا اور جس کے پترے اور کٹہرے سونے اور چاندی کے تھے، اس کی لمبائی ۱۸۰ ہاتھ، چوڑائی ۱۳۰ ہاتھ اور بلندی ۱۵ ہاتھ تھی، اُس کی سیڑھیوں پر آبنوس کی چوکیاں رکھی ہوئی تھیں جن پر سونے کے پترے لگے ہوئے تھے، تخت کے اوپر سونے اور لاجورد کا گنبد تھا جس میں آسمان اور ستاروں اور برجوں اور سات اقلیموں کی شکلیں بنائی گئی تھیں، ان کے علاوہ بادشاہوں کی تصویریں اور رزم اور بزم اور شکاریں ان کی مختلف ہیئتیں دکھائی گئی تھیں، اور اس میں ایک آلہ تھا جس سے دن کے وقت گھنٹوں اور گھڑیوں کا حساب معلوم ہوتا تھا، تخت پر بچھانے کے لیے دیبائے زربفت کے چار بھرپور فرش تھے جو یاقوت اور موتیوں سے مرصّع تھے، وہ سال کے چار موسموں کے مطابق بنائے گئے تھے۔" فردوسی نے اس تخت کا زیادہ مفصّل حال بیان کیا ہے[3] اور لکھا ہے کہ در اصل وہ ایک تخت تھا جو قدیم زمانے سے چلا آرہا تھا، خسرو کے حکم سے اس کو از سرِ نو تعمیر کیا گیا، فردوسی نے اُس کی نجومی کیفیات کی بھی تصدیق کی ہے:

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۵۳۰، [2] ص ۶۹۸ ببعد، تخت کا نام اس نے عربی شکل میں "طاقدیس" لکھا ہے، [3] طبع مول، ج ۷، ص ۳۰۶ ببعد،

شمار ستارہ دہ و دو و ہفت   ہمان ماہ تابان ببرجی کہ رفت

چہ زوایستادہ چہ رفتہ ز جای   بدیدی بچشم سر اختر گرای

ز شب نیز دیدی کہ چندی گذشت   سپہر از بر خاک بر چند گشت

موسیو ہرتسفلٹ نے "تاقدیس" کے موضوع پر ایک نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے[1] جس میں انھوں نے بازنطینی مؤرخ کیڈرینوس[2] کی ایک عبارت کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے جس کا ماخذ تھیوفانیس[3] کی تصنیف ہے جو آٹھویں صدی کے نصف آخر میں گزرا ہے، کیڈرینوس نے اس عبارت میں بیان کیا ہے کہ ۶۲۴ء میں جب خسرو شکست کھا کر بھاگا اور قیصر ہرقل گنزک کے محل میں داخل ہؤا تو وہاں اس نے "خسرو کا ایک ہیبت ناک بُت دیکھا اور اس کی ایک تصویر جو محل کی چھت پر ایک تخت کے اوپر رکھی تھی، یہ تخت آسمان کی مانند ایک کُرے کی شکل کا تھا اور اُس کے چاروں طرف سورج اور چاند اور ستارے تھے جن کو کافر بطور دیوتاؤں کے پُوجتے تھے، ان کے علاوہ بادشاہ کے قاصدوں کی تصویریں بھی اس کے چاروں طرف بنائی گئی تھیں جو ہاتھوں میں عصا لیے ہوئے تھے، اس گنبد میں اس دشمن خدا (یعنی خسرو) نے ایسی کلیں بنوائی تھیں کہ جو بارش کی مانند پانی کے قطرے برساتی تھیں اور بادل کی طرح گرج پیدا کرتی تھیں،

[1] موسوم بہ "تختِ خسرو" (پرشیا کے مجموعہ ہائے صناعات کا سالنامہ بزبان جرمن ج ۴۱)،
[2] (Kedrenos) ، ایک تاریخ عمومی کا مصنف ہے جو ابتدائے آفرینش سے ۱۰۵۷ء تک ہے اور چھپ چکی ہے (مترجم)، (Theophanes) ، متوفی ۸۱۸ء (مترجم)،

تاکدیس کا ذکر عجیب اتفاق سے ایک ایسی کتاب میں آیا ہے کہ جہاں کسی کو خیال بھی نہیں آسکتا کہ اس کا ذکر ہونا ممکن ہے یعنی "تاریخ عالم بزبان سیکسون[1]" میں اور موسیو ہرتسفلٹ نے اپنی علمی تحقیقات سے یہ ثابت کیا ہے کہ تخت تاکدیس معمولی معنوں میں تخت نہ تھا بلکہ انوکھی قسم کا ایک کلاک تھا جو غزہ[2] کے مشہور کلاک سے مشابہ تھا جس پر موسیو ڈیلس[3] نے تحقیقات کی ہے[4] اور جو بلحاظ زمان و مکان تاکدیس سے زیادہ دور نہ تھا۔ تاکدیس شکل میں مشرقی بادشاہوں کے تخت سے مشابہ تھا یعنی نیچے ایک چبوترہ اور اوپر تخت کی مانند شامیانہ جس کی چھت میں بادشاہ، سورج اور چاند کی تصویریں بنی تھیں، ہرتسفلٹ نے تاکدیس کے اس حصّے کی نقل زمانۂ معاصر کی صنّاعی کے ایک اور نمونے میں پائی ہے یعنی کلیموو ا کے نقرئی پیالے میں جو اس وقت لینن گراڈ کے عجائب خانۂ ہرمیتاژ میں محفوظ ہے[5]، گندھار کی بُت تراشی اور ترکستان کے غاروں کی مصوّری کے نمونوں میں ہماری نگاہیں چاند یا سورج کی گاڑی کی تصویر سے کافی آشنا ہو چکی ہیں، ان کے علاوہ یہ تصویر عہد ساسانی کے ایک نگینے میں بھی کُھدی ہوئی موجود ہے اور بعض کپڑوں پر بھی جو ساسانی آرٹ کی تقلید میں بنائے گئے ہیں دیکھنے میں آرہی ہے، پیالۂ مذکور میں یہی تصویر بنی ہے لیکن اس طرح کہ چبوترے اور تخت کو ایک گاڑی کی شکل میں دکھایا گیا ہے جس کو چار بیل کھینچ رہے ہیں اور جیسا

---

[1] (Sächsische Weltchronik)

[2] (Gaza) [3] (M. H. Diels)

[4] روئداد پرشین اکیڈمی، ۱۹۱۷ء، [5] دیکھو تصویر بالمقابل صفحہ ۲۲۹،

کہ نجوم کے نقشوں میں دستور ہے چاند کو ہلال کی شکل میں بنایا گیا ہے، تخت کے نیچے ایک نیر انداز کی تصویر ہے جو یقیناً مصنوعی طور پر بنائی گئی ہے اور غالباً کلاک کا گھنٹا بجنے کے ساتھ اُس کا تعلق ہے جس طرح کہ غزہ کے کلاک میں ہرکولیز[1] کو گھنٹا بجاتے ہوئے دکھایا گیا ہے، لیکن کلیموا کے پیالے میں کلاک کی سب جزئیات نہیں دکھائی گئیں، مشرقی اور مغربی روایات سے (جو ایک دوسرے سے بے تعلق ہیں) ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ گنزک کے محل میں تاجپوشی کی ایک تصویر بھی بنائی گئی تھی جس میں امراے سلطنت کو بادشاہ کے حضور میں اظہارِ اطاعت کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا، محل میں ایک متحرک گنبد تھا جس پر سات سیارے بارہ برجوں میں حرکت کرتے تھے اور چاند کی مختلف شکلیں بنائی گئی تھیں، اس کے اندر بعض مشینیں تھیں جو معیّن وقفوں کے بعد پانی برساتی تھیں اور بادل کے گرجنے کی آواز پیدا کرتی تھیں، یہ حیرت انگیز کلاک گنزک کے شاہی محل میں بنا ہوا تھا جو اُس قدیم آتشکدے کے نزدیک تھا جہاں آذر گشنسپ کی مقدّس آگ محفوظ تھی، اس کلاک اور محل اور آتشکدے کو ہرقل نے برباد کر دیا[2]،

سنہ ۶۲۸ء میں دستگرد کی لوٹ میں ہرقل کو بے انداز مالِ غنیمت ہاتھ آیا، بقول تھیوفانیس قیصر کو وہاں تین سو رومی جھنڈے ملے جو مختلف

---

[1] (Hercules) [2] خسرو دوم کے خزانوں میں جو قیمتی اشیا تھیں ان کا اور بھی کئی جگہ ذکر ہے جو کم و بیش معتبر ہے، مثلاً دیکھو "کتاب المحاسن والاضداد" منسوب بہ جاحظ، طبع یورپ، ص ۳۶۹-۳۷۱، نیز مقابلہ کرو اینوس ترانت زیف: مطالعات ساسانی، ص ۷۵ بعد،

لڑائیوں میں ایرانیوں کو ہاتھ لگے تھے ، ان کے علاوہ ایک کثیر مقدار چاندی
کی ، نماز پڑھنے کے تخت ، کمخواب کے فرش ، ریشمی کپڑے اور لباس ،
لاتعداد سفید کتان کے پیراہن ، شکر ، زنجبیل ، سیاہ مرچ ، ایک غیر معمولی
مقدار میں عود کی لکڑی اور دوسری خوشبودار چیزیں تھیں ، محل کے ساتھ جو
ایک وسیع رمنا (فردوس) تھا اس میں شتر مرغ ، ہرن ، گورخر ، مور ، چکور ،
شیر اور شیر ببر تھے [1]

یہ رمنا یقیناً بادشاہ کی شکارگاہ تھی جس کی تصویر کو خسرو دوم نے
طاق بوستان کے بڑے غار کے جانبین کی دیواروں پر کندہ کرا کے اُسے
زندۂ جاوید بنا دیا ہے ، یہ دونو تصویریں برجستہ ہیں اور ہرتسفلٹ کے ناپ
کے مطابق ۸ء۳ میٹر چوڑی اور ۷ء۵ میٹر لمبی ہیں ،

داہنے ہاتھ کی دیوار پر بارہ سنگے کا شکار دکھایا گیا ہے (دیکھو تصویر) ،
تصویر کے درمیانی حصّے کو لکیروں کے اندر محصور کر دیا گیا ہے جس سے ایک
مستطیل احاطہ بن گیا ہے ، شکاری بارہ سنگوں کا پیچھا کر رہے ہیں اور وہ
بچارے گھبرائے ہوئے سرپٹ دوڑ رہے ہیں اور ایک راستے سے (جو
مستطیل کے دائیں طرف ہے) نکل رہے ہیں ، بادشاہ کو گھوڑے پر
تین جگہ دکھایا گیا ہے ، سب سے اوپر وہ زین پر بالکل ساکن بیٹھا ہوا ہے
اور گھوڑا چھلانگ لگانے کے لیے تیار ہے ، ایک عورت اس کے سر پر چھتر
لگائے ہوئے ہے جو ہمیشہ سے شوکت شاہانہ کی علامت سمجھی جاتی رہی ہے

[1] زارہ ہرتسفلٹ : " مطالعۂ آثار قدیمہ کے لیے عراق کا سفر " ۔ ج ۲ ، ص ۸۹ ،
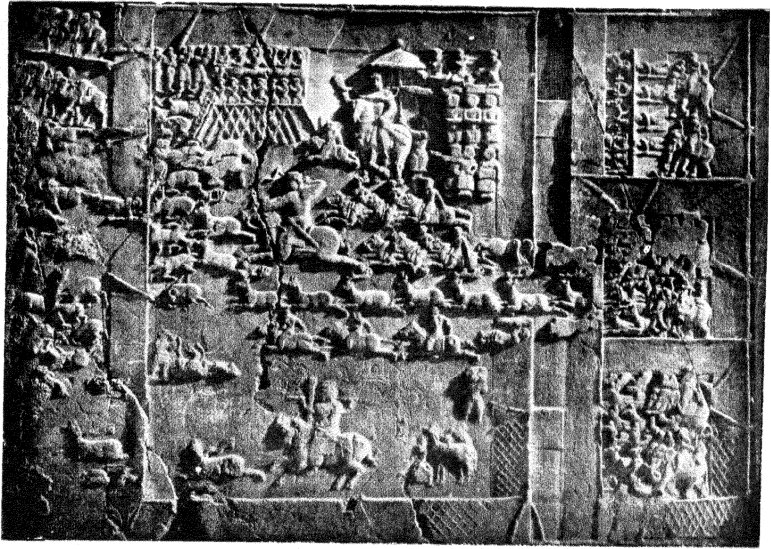
خسرو دوم بارہ سنگے کے شکار میں (طاق بوستان)

خسرو دوم جنگلی سؤر کے شکار میں (طاق بوستان)

اس کے پیچھے عورتیں قطار باندھے کھڑی ہیں جن میں سے بعض تو مؤدبانہ طور پر استادہ ہیں اور بعض گا بجا رہی ہیں، دو کے ہاتھ میں شہنائی ہے اور ایک کے ہاتھ میں دف ہے ۔ لکڑی کے ایک چبوترے پر جس کے ساتھ ایک سیڑھی لگی ہے چند عورتیں بیٹھی ہوئی ہیں جن میں سے بعض ستار بجا رہی ہیں اور بعض تالیاں بجا رہی ہیں ۔ اس سے نیچے کی تصویر میں بادشاہ کمان کو کھینچے ہوئے گھوڑے کو جانوروں کے پیچھے سرپٹ دوڑائے لیے جا رہا ہے ۔ آخری تصویر میں بادشاہ گھوڑے کو ڈلکی دوڑاتے ہوئے ہاتھ میں ترکش لیے شکار سے واپس آ رہا ہے ۔ مستطیل احاطے کے بائیں طرف کچھ اونٹ، مرے ہوئے بارہ سنگوں کو لیجا رہے ہیں ۔

بائیں دیوار کی تصویر میں (جو بیحد احتیاط کے ساتھ بنائی گئی ہے) جنگلی سؤر کا شکار دکھایا گیا ہے (دیکھو تصویر) ۔ اس میں جو لکیریں لگائی گئی ہیں وہ تقریباً ساری تصویر کا احاطہ کیے ہوئے ہیں، صرف دائیں جانب ایک تنگ سا حاشیہ چھوڑ دیا گیا ہے جس میں آدمیوں اور جانوروں کا ازدحام ہے ۔ شکار گاہ ایک دلدل ہے جس میں سرکنڈے اُگے ہوئے ہیں اور اس میں بہت سے جوہڑ ہیں جن میں مچھلیاں اور مرغابیاں بکثرت ہیں، بائیں طرف اوپر نیچے ہاتھیوں کی پانچ قطاریں ہیں، ہر ایک ہاتھی پر آگے پیچھے دو دو مہاوت بیٹھے ہوئے جنگلی سؤروں کا شکار کر رہے ہیں اور وہ سرکنڈوں کے جھنڈ میں سے بھاگ رہے ہیں ۔ اوپر کے حصے میں ایک کشتی مع چپوؤں کے نظر آ رہی ہے جس میں عورتیں بھری ہوئی ہیں جو تالیاں بجا بجا کر گا رہی ہیں ۔ کشتی کے اگلے اور پچھلے حصے پر عورتیں چپو چلا رہی ہیں، تصویر کے وسط میں دو کشتیاں اور ہیں اُن کے چپو بھی عورتیں چلا رہی ہیں ۔ ان

دو کشتیوں کو دو جگہ دکھلایا گیا ہے جس سے مقصد شکار کے دو مختلف موقعوں کو واضح کرنا ہے، پہلی کشتی کے عین بیچ میں بادشاہ (جس کی تصویر طبعی قد سے زیادہ بڑی بنائی گئی ہے) اپنی کمان کو کھینچے کھڑا ہے اور ایک عورت اُس کے بائیں ہاتھ پر اُس کو دوسرا تیر دے رہی ہے اور دائیں ہاتھ پر ایک اور عورت ستار بجا رہی ہے، دوسری کشتی جو پیچھے ہے ساری کی ساری ستار بجانے والی عورتوں سے بھری ہوئی ہے، دو بڑے بڑے جنگلی سور بادشاہ کا تیر کھا کر گر رہے ہیں، دوبارہ یہی دو کشتیاں تصویر کے داہنے حصّے میں بنائی گئی ہیں، یہاں بادشاہ کی تصویر میں سر کے گرد ہالہ بنا ہوا ہے اور اس کے بائیں ہاتھ میں اُتری ہوئی کمان ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ شکار ختم ہو چکا ہے، تصویر کے نچلے حصّے میں ہاتھی، مرے ہوئے جانوروں کو سمیٹ رہے ہیں یعنی اپنی سونڈوں سے اُٹھا اُٹھا کر اپنی پیٹھوں پر رکھ رہے ہیں،

شکار کی ان دو تصویروں میں اور بالخصوص دوسری میں اتنی شکلیں بنائی گئی ہیں کہ کہیں جگہ خالی نہیں چھوٹی، کپڑوں کے نقش و نگار کو بڑی باریکی کے ساتھ دکھایا گیا ہے، جانوروں اور خصوصاً ہاتھیوں کی تصویریں حیرت انگیز اصلیت کے ساتھ بنائی گئی ہیں، جہاں تک حرکات اور زندگی کو دکھانے کا تعلق ہے یہ تصویریں صنعت حجّاری کا شاہکار ہیں، صنّاع نے اپنے تصوّر کو نہایت دلفریب انداز میں پیش کیا ہے، یہاں بھی ہمیں یہ کہنا پڑیگا کہ کاغذ پر بنی ہوئی تصویر کو سامنے رکھ کر پتھر کی تصویر بنائی گئی ہے چنانچہ ہرتسفلت نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اِن تصویروں کو دیکھ کر

ہم عہدِ ساسانی کی مصوّری کا اندازہ لگا سکتے ہیں[۱]، درحقیقت شروع میں اُن کی جزئیات میں مختلف رنگ بھرے گئے تھے چنانچہ یاقوت کے بیان سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے ، اس نے یہ لکھا ہے کہ رنگوں کے آثار ابھی تک باقی ہیں ، اب یہ معلوم نہیں کہ آیا وہ اپنی آنکھوں دیکھی بات لکھ رہا ہے یا احمد بن الفقیہ کا قول نقل کر رہا ہے جو اس کے مآخذ میں سے ہے ، موسیو ہرٹسفلٹ نے قیاس کیا ہے کہ بادشاہ کی باقی چار تصویروں میں بھی سر کے گرد ہالہ تھا (یعنی ایک تصویر وہ جس میں وہ جنگلی سؤر کو تیر لگا رہا ہے اور تین تصویریں وہ جو بارہ سنگے کے شکار میں دکھائی گئی ہیں) لیکن چونکہ وہ پتھر پر رنگ کے ذریعے سے بنایا گیا تھا اس لیے رفتہ رفتہ مٹ گیا[۲]،

طاق بوستان کے بڑے غار کی حجّاری میں سنگ تراشوں نے کپڑوں کے نقش و نگار کو واضح کرنے میں جس احتیاط سے کام لیا ہے اس کی بڑی اہمیت ہے اس لیے کہ اس سے ہمیں عہد ساسانی کی آخری صدی میں ریشمی کپڑے کی بافت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ، موسیو زارہ اور موسیو ہرٹسفلٹ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے ساسانی آرٹ کے اس شعبے کی تشریح کی ہے ،

عہد ساسانی کی مختلف برجستہ تصویروں میں ہم بادشاہوں ، خداؤں ، ستار بجانے والی عورتوں اور فیلبانوں کے کپڑوں کے نقش و نگار میں بڑا

---

[۱] مقابلہ کرو اوپر ، ص ۶۱۹ ،

[۲] زارہ - ہرٹسفلٹ : "ایران کی برجستہ حجّاری" - ص ۲۰۶ - ۲۱۲ ، نیز ہرٹسفلٹ : "ایشیا کے دروازے پر" - ص ۸۹ بعد ، تصاویر نمبر ۴۵ - ۵۱ ،

فرق دیکھتے ہیں، بعض وقت یہ نقش و نگار بادلوں کی صورت میں ہوتے تھے جن کو "خوش نصیبی کے بادل" کہا جاتا تھا اور یہ نقشہ در اصل ایرانیوں نے چینیوں سے لیا تھا اور بعض وقت چار پنکھڑیوں والے پھول بنائے جاتے تھے جن کو مختلف شکلوں میں ترتیب دیا جاتا تھا کہیں شطرنج کی بساط کی طرح (چارخانہ) اور کہیں جواہرات اور موتیوں کی طرح (بیلدار)، بعض وقت کپڑوں کے نقشے میں اصلی موتی ٹکے ہوئے بھی دکھائے جاتے تھے اور بعض وقت جانوروں کی تصویریں بھی بنائی جاتی تھیں مثلاً پہاڑی بکرے کی، مرغے کی، مرغابی کی اور بگلے کی، تصویروں کی قطار میں ایک ایک جانور کا سر باری باری سے دائیں اور بائیں جانب کو ہوتا تھا، ان کے علاوہ اور اور نقشے مرکّب قسم کے ہوتے تھے مثلاً ایک یہ کہ پتّوں کا ہار معیّن کی شکل میں بنا کر اس کے اندر مرغابی کی تصویر اور بیچ بیچ کے فاصلوں میں ستارے یا پھول بنائے جاتے تھے یا موتیوں کے تاج جن کے اندر ہلال کی شکلیں بھری جاتی تھیں اور بیچ کی خالی جگہوں میں کنوّل کے پھول اور پرندے بنائے جاتے تھے، بعض وقت دائروں کے اندر کنوّل یا پرندوں کی تصویریں ہوتی تھیں، جنگلی سوٗر کے شکار کی تصویر میں جو عورتیں بادشاہ کی کشتی میں چپّو چلا رہی ہیں ان کے کپڑوں کے نقشے میں دائروں کے اندر جنگلی سوٗروں کے سر بنے ہوئے ہیں، ساسانی زمانے کے بنے ہوئے کپڑے کا ایک ٹکڑا جس کا یہی نقشہ ہے برلن کے عجائب خانۂ کونسٹ گیوبربے[1] میں محفوظ ہے، بادشاہ کی اُس تصویر میں

---

[1] (Kunstgewerbe Museum)

جہاں وہ کشتی میں کھڑا ہوا ہے اس کے لباس کے کپڑے پر دریائی گھوڑے[1] کی شکلیں بنی ہوئی ہیں جو کہ ایک خیالی جانور ہے کہ چینی آرٹ کے اژدہا کی تصویر سے مأخوذ ہے، دوسری جگہ جہاں خسرو گھوڑے پر سوار ہے وہاں بھی اس کے کپڑوں پر یہی شکل بنی ہے، ساسانی عہد کے بنے ہوئے کپڑے کا ایک نمونہ لنڈن کے ساؤتھ کینسنگٹن میوزیم[2] میں محفوظ ہے جس کا بعینہ یہی نقشہ ہے، ساسانی زمانے کے کپڑوں کے بعض اور ٹکڑے بھی آج موجود ہیں، ان میں سے ایک پر بادشاہ کو شکار میں دکھایا گیا ہے کہ ایک پردار گھوڑے پر یا ایسے ہی کسی اور خیالی جانور پر سوار ہے اور اس کے گرد ہر قسم کے جانوروں کا ہجوم ہے جن کی شکلیں تناسب کے ساتھ کھینچی گئی ہیں[3]، ساسانی کپڑوں کے بعض نقشے نہایت صحت کے ساتھ چینی ترکستان کے غاروں کی تصویروں میں دکھائے گئے ہیں، ریشمی کپڑوں کے یہ آرائشی نقشے مشرق کی ایجاد ہیں، بعد میں بازنطینی صنّاعوں نے ان کی نقل کی جس کا یورپ میں ازمنۂ متوسّطہ کی صنعتِ پارچہ بافی پر بہت بڑا اثر پڑا،

امیر اور ذی رتبہ لوگ سال کے مختلف موسموں کی مناسبت سے مختلف قسم کے کپڑے پہنتے تھے، ثعالبی لکھتا ہے[4] کہ خسرو نے اپنے دانا غلام[5] سے پوچھا کہ سب سے زیادہ مفید لباس کونسا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ "موسم بہار کے لیے وہ لباس جو مرو یا دبیق[6] کے بنے ہوئے کپڑے کا ہو، گرمیوں کے

---

[1] (hippocampus) [2] South Kensington Museum [3] مورگن، ج ۴، ص ۳۲۳ ببعد، ہرتسفلٹ: "ایشیا کے دروازے پر" ص ۱۲۱ ببعد، تصاویر نمبر ۶۱-۶۵، زارہ: قدیم ایران کی صنّاعی، تصویر نمبر ۹۸، ۹۹، [4] ص ۷۰۱، [5] دیکھو اوپر، ص ۵۵۹، غلام کی گفتگو کا یہ حصّہ پہلوی متن میں مفقود ہے، [6] دبیق مصر میں ایک شہر کا نام تھا جہاں کا بنا ہوا کپڑا دبیقی کہلاتا تھا (مترجم)،

کے لیے توزّ یا شطا[1] کے کپڑے کا، خزاں کے لیے منیّر رازی یا ملحم مروزی[2] کا اور جاڑے کے لیے خزّ اور حواصل[3] کا اور سخت سردی میں خزّ کا جس کے نیچے استر بھی خزّ کا ہو اور بیچ میں ریشم بھرا ہو" ہیوئن سیانگ لکھتا ہے[4] کہ ایرانیوں کا لباس چمڑے یا اُون یا نمدے یا منقّش ریشم کا ہوتا ہے، بقول اس کے اہلِ ایران اپنے بالوں کو درست کر کے ننگے سر پھرتے ہیں، اگر ہم اس آخری بیان کو صحیح مانیں تو ہمیں یہ کہنا پڑیگا کہ غالباً یہ کسانوں کے متعلق کہا گیا ہے،

جنگلی سؤر کے شکار والی تصویر میں ہم کو ساسانی زمانے کی قالین بافی کا نمونہ بھی ملتا ہے، ستار بجانے والی عورتوں کی کشتی پر سے جو قالین کا ایک کنارہ لٹک رہا ہے اس کو موسیو ہرتسفلٹ نے بہ نظرِ تحقیق دیکھا ہے، اس پر موتیوں کی دو متوازی لڑیوں کا حاشیہ ہے جو کہیں کہیں قطع ہُوا ہے اور اس سے کئی چوکور شکلیں پیدا ہوگئی ہیں، اس حاشیے کے اندر انگور کی ایک شاخ لہریں مارتی ہوئی چلی گئی ہے جس کے سرے پر ایک کلی ہے، اس نقشے کا مبدأ "یونانی باختری" آرٹ میں پایا جاتا ہے، قالین کے اس

---

[1] توز فارس میں اور شطا مصر میں دو شہروں کے نام ہیں جہاں کی صنعتِ پارچہ بافی مشہور تھی، وہاں کے بنے ہوئے کپڑے توزی اور شطوی کہلاتے تھے، (مترجم)، [2] منیّر ایک قسم کا قیمتی کپڑا تھا جو دوہرے دھاگے کا (ایک ریشم کا اور ایک اون کا) بنایا جاتا تھا، رَے کا منیّر مشہور تھا، ملحم مشہور ریشمی کپڑا ہے جو مرو میں بنتا تھا (مترجم)،

[3] حواصل ایک دریائی پرندہ ہے اُس کی سمور کو بھی حواصل کہتے تھے اور جب کپڑے میں (رضائی کی مانند) اس کے نرم پر بھر دیے جاتے تھے تو اس کو بھی حواصل کہتے تھے، (مترجم)،

[4] بیل: "مغربی دنیا کے بدھائی آثار" (انگریزی)، ج ۲، ص ۲۷۸،

کنارے کا نقشہ اور اندازِ صنعت جو پتھّر پر دکھایا گیا ہے اس سے (بقول ہرٹسفلٹ) اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اصلی قالین گرہ دار تھا[1]، اس نمونے پر ایران میں اسلامی زمانے میں جیسے جیسے خوبصورت قالین بنائے گئے ان کی نظیر نہیں ملتی،

لیکن خسرو دوم کے زمانے کے سب سے مشہور قالین جن کی کیفیت قدیم مشرقی مآخذ میں ملتی ہے ریشمی زربفت کے تھے، ثعالبی نے لکھا ہے[2] کہ تاکدیس پر (جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) "چار بھر پور قالین جو زربفت کے تھے اور یاقوت اور موتیوں سے مرصّع تھے بچھائے جاتے تھے، ان میں سے ہر ایک سال کے ایک خاص موسم کی کیفیت پیش کرتا تھا اور اسی موسم کے ساتھ مخصوص تھا"۔ اسی قسم کا ایک قالین جو بہت زیادہ شاندار اور پُر تکلف تھا طیسفون کے محل میں دربار کے ہال کمرے میں بچھایا جاتا تھا، اس کا نام "وَہارِ خسرو" (بہارِ خسرو) تھا، بلعمی نے اس کو "فرشِ زمستانی" لکھا ہے، یہ قالین ساٹھ ہاتھ لمبا اور ساٹھ ہاتھ چوڑا تھا، موسم سرما میں بادشاہ اس پر بیٹھ کر کھانا کھاتا تھا تاکہ آنے والی بہار کا منظر اس کے پیشِ نظر رہے، قالین کے بیچوں بیچ پانی کی نہریں اور روشیں دکھائی گئی تھیں جن کے گرد باغ کا سبزہ اور ہرے کھیت اور میوہ دار درخت اور پودے تھے جن کی شاخیں اور پھول، سونے اور چاندی اور مختلف رنگ کے جواہرات

---

[1] "ایشیا کے دروازے پر" ص ۱۳۷ ببعد، [2] ص ۶۹۹،

سے بنائے گئے تھے[1]

خسرو جنس لطیف کا بہت دلدادہ تھا، اس کے حرم میں عورتوں کی تعداد ہم اوپر بیان کر آئے ہیں لیکن اس کی چہیتی بیوی شیریں تھی جس کو ثعالبی نے "گلزارِ حسن اور رشکِ ماہ" لکھا ہے[2] چونکہ وہ عیسائی تھی اس لیے بہت سے مشرقی اور مغربی مؤرخوں نے[3] اس کو رومی بتلایا ہے لیکن اس کا نام (شیریں) ایرانی ہے اور بقول مؤرخ سیبئوس[4] وہ خوزستان کی رہنے والی تھی[5] خسرو نے اپنے عہد کے آغاز میں اس سے شادی کی تھی اور وہ آخر تک اس کے مزاج پر حاوی رہی حالانکہ وہ رتبے میں بازنتینی شاہزادی ماریہ سے کمتر تھی جس سے خسرو نے سیاسی وجوہات کی بنا پر شادی کی تھی[6] افسانۂ بہرام چوبین میں لکھا ہے کہ جب بہرام کی مردانہ مزاج بہن گُرد یگ نے وِستہم کو قتل کیا تو خسرو نے اس سے بھی شادی کر لی[7] اگرچہ اس قصے کی جزئیات افسانوی نوعیت کی ہیں تاہم گُردیگ کے ساتھ خسرو کی شادی غالباً ایک تاریخی واقعہ ہے، شیریں نے بادشاہ کو ہوشیار کر دیا تھا کہ اس دیو سیرت عورت سے خبردار رہے[8]

---

[1] طبری، ص ۱۰۴۲، بلعمی، ج ۲ ص ۲۶۸، نیز مقابلہ کرو بلوشے: "آٹھویں صدی کے ایک عربی قالین پر نوٹ" (JRAS)، ۱۹۲۳ء ص ۶۱۳-۶۱۷)،

[2] ص ۷۰۲، [3] مثلاً تھیوفی لیکٹس (۵، ۱۳)، بلعمی، ج ۲، ص ۳۰۸،

[4] (Sebeos)، [5] مجلۂ آسیائی ۱۸۶۶ء، حصۂ اوّل، ص ۱۹۴، بعض کہتے ہیں کہ وہ میسین میں پیدا ہوئی تھی، (لابور، ص ۲۲۲)، [6] بقول طبری وہ قیصر ماریس کی بیٹی تھی، بازنتینی مؤرخ اس شادی سے بے خبر ہیں، [7] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۴۸۲، کتاب المحاسن منسوب بہ جاحظ، ص ۲۵۲، [8] نہایہ، ص ۲۴۳،

خسرو اور شیریں کے عشق کے افسانے بہت جلد وجود میں آگئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت ساسانی کے خاتمے سے پہلے ہی اس مضمون پر کئی ایک داستانیں مقبولِ عام ہوچکی تھیں جن کے متفرّق اجزاء خوذای نامگ کے عربی اور فارسی ترجموں میں داخل ہوگئے تھے، مثلاً ثعالبی[1] اور فردوسی[2] نے شیریں کے اُن حیلوں کا ذکر کیا ہے جو اُس نے اپنے بیوفا عاشق کی محبّت کو حاصل کرنے کے لیے اختیار کیے اور پھر خسرو کے ساتھ اس کی شادی کی تفصیل لکھی ہے، آگے چل کر اُنھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ کس طرح خسرو نے اپنی انوکھی تدبیروں سے امراء کو خاموش کیا جو اس خسیس الاصل عورت کے ساتھ اس کی شادی پر برہم ہو رہے تھے، فرہاد اور شیریں کا افسانہ بھی کافی پرانا ہے چنانچہ بلعمی کے ہاں وہ موجود ہے[3]، وہ لکھتا ہے کہ "فرہاد اس عورت پر عاشق ہوگیا اور خسرو نے اُسے یہ سزا دی کہ اُسے کوہ بیستون میں سے پتّھر نکالنے کے لیے بھیج دیا، پتّھر کا ایک ایک ٹکڑا جو وہ کھود کر نکالتا تھا اتنا وزنی ہوتا تھا کہ آج سو آدمی مل کر بھی اُسے نہ اُٹھا سکیں"۔ خسرو اور شیریں اور فرہاد اور شیریں کی داستان محبّت بعد میں ایران کی بزمیہ اور عشقیہ شاعری کا ایک مقبولِ عام موضوع بن گئی، بقول فردوسی[4] شیریں نے ماریہ (مریم) کو زہر دے دیا جس کا حال کسی کو معلوم نہ ہوسکا، ماریہ کے مرنے کے ایک سال بعد خسرو نے اس کا "شبستانِ زرّین" شیریں کو دے دیا،

---

[1] ص ۶۹۱ بعد، [2] طبع مول، ج ۷، ص ۲۹۴ بعد،

[3] ج ۲، ص ۳۰۴ بعد،

[4] طبع مول، ج ۷، ص ۳۰۴ بعد،

دنیا کی کوئی لذت نہ تھی جو خسرو پرویز کو ناپسند ہو ، خوشبوؤں کے بارے
میں اس کے مذاق کی تائید بلاذری کے اُس بیان سے ہوتی ہے جو ہم اوپر
لکھ آئے ہیں کہ چونکہ اُسے چمڑے کی بو ناپسند تھی اس لیے اس نے حکم دیا تھا
کہ آیندہ آمدنی اور خرچ کا حساب ایسے کاغذ پر لکھ کر پیش کیا جایا کرے جس
کو زعفران میں رنگ کر گلاب میں بھگویا گیا ہو ، اس کے محل میں ہمیشہ عود
اور عنبر اور مشک اور کافور اور صندل کی خوشبوئیں مہکتی رہتی تھیں ، بعد
کے زمانے میں خلفائے بغداد کے محلات کا بھی یہی حال رہتا تھا بقول ثعالبی[۱]
بادشاہ کا غلام خوش آرزو جو خوشبوؤں کی لطافت کا بھی دقیقہ شناس تھا خسرو
کے ایک سوال کے جواب میں سب سے زیادہ لطیف خوشبوؤں کے اقسام
یوں بیان کرتا ہے : " بہترین خوشبو شاہسپرم کی ہے جسے نَدّ[۲] کی
دھونی دی گئی ہو اور پھر اس پر گلاب چھڑکا گیا ہو ، اس کے بعد بنفشہ جسے
عنبر کی دھونی دی گئی ہو اور نیلوفر جسے مشک سے معطر کیا گیا ہو اور باقلا جس
میں کافور کی خوشبو بسائی گئی ہو ، نرگس کی خوشبو جوانی کی بو باس سے مشابہ
ہے گلاب کی خوشبو دوستوں کی خوشبو کی مانند ہے شاہسپرم کی خوشبو نکہتِ
اولاد سے مشابہت رکھتی ہے اور گلِ خیری کی خوشبو یارانِ باوفا کی خوشبو
ہے " ، تب بادشاہ نے پوچھا کہ اچھا اب جنت کی خوشبو کا حال بتاؤ ، اُس
نے کہا کہ " اگر تو شرابِ خسروانی اور سیبِ شامی اور گلابِ فارسی اور شاہسپرم
سمرقندی اور ترنجِ طبری اور نرگسِ مسکی (؟) اور بنفشۂ اصفہانی اور نَدّ

---

[۱] ص ۷۰۷ ببعد ،   [۲] مشک ، عود اور عنبر کے مرکب کو ند کہتے ہیں ،

(جس میں عود ہندی اور مشکِ تبّتی اور عنبر شحری[۱] کی ملاوٹ ہو) اور زعفرانِ قُمّی اور نیلوفرِ سیروانی[۲] کی خوشبوؤں کو ملا سکے تو تُو جنّت کی خوشبو کو پا سکیگا[۳]"

شاہی محل میں عمدہ کھانوں کی بھی بڑی قدر تھی، شاہ و لاش کے لیے جو جو کھانے تیّار ہوتے تھے ان میں سے ایک کا نام "شاہی کھانا" (طعام الملک) تھا جس میں گرم اور ٹھنڈا گوشت اور چاول اور خوشبودار بتّے اور مسالے دار مرغ کا گوشت اور کھجور کا حلوا ہوتا تھا جس میں قند اور شکر کا قوام ملایا جاتا تھا، ایک "خراسانی کھانا" تھا جس میں سیخ کے کباب ہوتے تھے اور گوشت جس کو گھی اور شیرے کے ساتھ دیگ میں پکایا جاتا تھا، ایک "رومی کھانا" تھا جس کو کبھی تو دودھ اور شکر کے ساتھ اور کبھی شہد اور چاول اور انڈوں کے ساتھ تیّار کیا جاتا تھا، ایک "دہقانی کھانا" (طعام الدہاقین) تھا جس میں بھیڑ کے نمکسود گوشت کے قتلے ہوتے تھے جن کو انار کے رس میں ڈبو دیا جاتا تھا اور اس کے ساتھ ابلے ہوئے انڈے ہوتے تھے[۴]،

خوش آرزو ہر قسم کے بہترین کھانوں کو یوں شمار کرتا ہے: دو مہینے کے بکری کے بچّے کا گوشت جس کو اپنی ماں اور گائے کے دودھ سے پالا گیا ہو بالخصوص جب اس کا گوشت زیتون کے رس کے ساتھ پکایا جائے،

---

[۱] شحر ساحلِ عمان کے ایک حصّے کا نام ہے جہاں کا عنبر مشہور ہے (مترجم)،

[۲] سیروان ایک قدیم شہر کا نام تھا جو کرمانشاہ کے جنوب میں واقع تھا (مترجم)،

[۳] پہلوی متن میں چنبیلی کی خوشبو کو سب سے اوّل لکھا گیا ہے، اس کے بعد دوسری خوشبوئیں بتلائی گئی ہیں یعنی گلاب، نرگس، کافور، سوسن، بنفشہ، شاہسپرم، حنا، نیلوفر وغیرہ (متن طبع اون والا، ۶۸-۹۴)، [۴] ثعالبی، ص ۵۸۵،

موٹے تازے بیل کے سینے کا گوشت جس کو سپیذ پاک میں پکایا گیا ہو (سپیذ پاک سے مراد وہ شوربا ہے جو پالک اور آٹے اور سرکے سے تیار کیا گیا ہو) اور پھر اُسے کھانڈ یا شکر کے قوام کے ساتھ کھایا جائے ، پرندوں میں عمدہ گوشت چکور اور تیتر اور مختلف قسم کے کبوتر اور ہنس اور مرغابی اور مرغی کا ہے خصوصاً وہ مرغی جس کی خوراک بھنگ کے بیج اور روغن زیتون ہو ، اس کو مارنے سے پہلے بھگانا اور ڈرانا چاہیے پھر مار کر سیخ پر لگانا چاہیے ، پرندوں کی پیٹھ کا وہ حصّہ جو دُم کے نزدیک ہوتا ہے کھانے میں سب سے زیادہ مزیدار ہوتا ہے ، ٹھنڈے گوشتوں میں سب سے عمدہ گوشت گورخر کا یا ایک سال کے اونٹ کا یا بھینس اور سوئر کا ہے لیکن خاص طور سے لذیذ اُس گورخر کا گوشت ہوتا ہے جس کی غذا گھاس اور جو رہی ہو ، اس کو دہی میں ڈبو کر اس میں ہر قسم کے مسالے ملانا چاہئیں ، ایک اَور مزیدار کھانا دم پخت سالن ہے جو خرگوش کے گوشت یا گھوڑے کی انتڑیوں یا سمور کے گوشت یا چکور کے سر کا تیار کیا جائے لیکن بہترین وہ ہے جو بانجھ ہرنی کے گوشت کا ہو اور اسے چربی میں ملا کر منجمد کر دیا جائے ، گرمیوں میں بادام اور اخروٹ وغیرہ کا لوزینہ نہایت لذیذ ہوتا ہے اور ہر قسم کی میٹھی روٹی از انجملہ وہ جو ہرنی کی چربی ملا کر تیار کی جائے اور اخروٹ کے روغن میں پکائی جائے ، لیکن سردیوں میں وہ روٹی جس میں بادام اور شفتالو بھرے ہوں اور پھولی ہوئی ہو کھانی چاہیئے ، مربّوں میں سے بہترین لیموں اور بہی اور ہڑ اور اخروٹ اور زنجبیلِ چینی کے

مربّے ہیں اور تازہ پھلوں میں سے پسندیدہ پھل ناریل ہے جو شکر کے ساتھ کھایا جائے اور گرگان کا بھنا ہؤا پستہ اور ہرات کی کھجوریں جو اخروٹ کے ساتھ ملا کر کھائی جائیں اور آرمینیہ کے شفتالو اور بلوط اور شاہ بلوط کا پھل جس کو شکر کے ساتھ کھایا جائے ، ہاضمے کے لیے نہایت مفید غذا بھنگ کے بیج ہیں جن کو پہاڑی بکرے کی چربی میں تلا گیا ہو ، بہترین شراب کنگ اور دریائے ارنگ اور مرو رود اور بُست اور کوہ الوند اور سب سے بڑھ کر آسور[1] کی ہوتی ہے[2]۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جن برتنوں میں شاہنشاہ کے سامنے ایسے کھانے رکھے جاتے تھے وہ بھی اس کی شان کے مطابق ہوتے تھے ، خسرو قیمتی پیالوں کو بہت پسند کرتا تھا اور حقیقت میں ساسانی زمانے کے جتنے چاندی کے برتن آج یورپ کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں وہ بیشتر اسی کے عہد کے ہیں ، روس میں ان برتنوں کی کافی تعداد ہے لیکن خود ایران میں بہت کم ہیں جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اس ملک کو غارتگر فاتحوں نے بہت دفعہ لوٹا ہے ، بقول موسیو زارہ[3] اس قسم کے مزیّن پیالے شاہی کارخانے میں بنائے جاتے تھے اور تحفے کے طور پر بادشاہ کے رفقائے شکار یا شاہی ضیافت کے مہمانوں یا غیر ملکوں کے بادشاہوں کو دیے جاتے تھے چنانچہ چوتھی صدی میں قیصر روم کو شاہ ساسانی کی طرف سے اس قسم کے

---

[1] (Assyria) ، [2] "شاہ خسرو اور اس کا غلام" (متن پہلوی طبع اوّن والا ، ۱۹ - ۵۹) ، ثعالبی کی روایت (ص ۷۰۵ - ۷۰۸) اپنی جزئیات میں پہلوی متن سے مختلف ہے ،

[3] ایران قدیم کی صناعی ، ص ۹۴ ،

تحفے بھیجے گیے جس کی شہادت مؤرخ فلیوبوس وو پسکوس[۱] نے دی ہے جو قیصر ڈائیوکلیشین[۲] کا معاصر تھا، عہدِ اسلامی کی ابتدائی صدیوں میں چاندی کے پیالوں میں ساسانی طرز کی نقل کی جاتی رہی،

خسرو دوم کے عہد کے برتنوں کا ایک نہایت اعلےٰ اور نفیس نمونہ ایک چاندی کا پیالہ ہے جو پیرس کے قومی کتب خانے میں محفوظ ہے (دیکھو تصویر) جس میں بادشاہ کو شکار کھیلتے دکھایا گیا ہے تقریباً اُسی طرح جس طرح کہ طاق بوستان کے غار کی دیوار پر اس کی تصویر ہے، اس کے سر پر تاج ہے جس میں پر لگے ہوئے ہیں اور نہایت قیمتی لباس پہنے ہوئے ہے، گلے میں موتیوں کے ہار ہیں اور پیچھے شاہی فیتے ہوا میں اڑ رہے ہیں، کمان کو کھینچے ہوئے گھوڑے کو جانوروں کے پیچھے سرپٹ دوڑائے لیے جا رہا ہے، کچھ جنگلی سؤر اور بارہ سنگے اور ایک بھینسا اس کے تیروں کی ضرب سے گر رہے ہیں،

چاندی کا ایک اور عجیب پیالہ پیرس کے قومی کتب خانے میں ہے، (دیکھو تصویر)، اس میں ہلال کی علامت بنی ہے اور اس کے ساتھ بہت سے اشخاص کی شکلیں مختلف لوازمات کے ساتھ بنائی گئی ہیں مثلاً کسی کے ہاتھ میں بخوردان (؟) وغیرہ ہے، بیچ میں ایک برہنہ عورت کی شکل ہے جو کسی اساطیری جانور کو (جس کا سر بکری کا اور دھڑ شیر کا سا ہے) پیار کر رہی ہے، ابھی تک کوئی شخص اس تصویر کی

---

[۱] (Flavius Vopiscus)   [۲] (Diocletian)

خسرو دوم شکار میں - چاندی کا پیالہ

چاندی کا پیالہ

چاندی کا آفتابہ

حقیقت کو سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوا لیکن وہ یقیناً مذہب کے ساتھ تعلق رکھتی ہے،

ساسانی برتنوں میں جو تصویریں دیکھنے میں آتی ہیں وہ عموماً جانوروں اور درختوں کی مخلوط تصویریں ہوتی ہیں مثلاً ایک درخت اور اس کے دونو طرف ایک ایک پہاڑی بکرا یا ایک شیرنی اور اس کے پاس ایک درخت وغیرہ[1]، تصویر کے گرد عموماً پتوں کا حاشیہ بنا ہوتا ہے جو پان کی شکل کا ہوتا ہے یا انگور کی بل کھاتی ہوئی شاخیں بنائی جاتی ہیں، ایک پیالہ ہے جس میں جھینگا مچھلی کی بیل بنی ہوئی ہے[2]، پیالوں کے علاوہ چاندی کے آفتابے بھی ہیں جن پر بکثرت بیل بوٹے اور تصویریں بنی ہیں کسی پر شیر کی تصویر ہے کسی پر عورت کی تصویر ہے جو پھلوں کا ٹوکرا اٹھائے ہوئے ہے[3] بعض کانسی کے دستہ دار آفتابے بھی ہیں جن پر انسانوں اور پرندوں کی شکلیں منقوش ہیں یا گتھی ہوئی شاخیں دکھائی گئی ہیں[4]،

جس طرح کہ اس عہد میں لذیذ کھانوں اور عمدہ قسم کی شرابوں اور اعلےٰ خوشبوؤں کا مذاق پیدا کیا گیا تھا اسی طرح سامعہ نوازی کے لیے ایسی موسیقی تیار کی گئی تھی جس کا مطالعہ علمی طور پر کیا گیا تھا اور جس میں عملی طور پر مہارت اور استادی کا ثبوت دیا جاتا تھا، ہم نے کئی مرتبہ اس بات کا ذکر کیا ہے کہ ساسانی دربار میں موسیقی دانوں اور گویوں کا رتبہ بہت بلند رکھا گیا تھا،

---

[1] زارہ: "ایران قدیم کی صناعی" تصویر نمبر ۱۲۱ و ۱۲۲، [2] زارہ: "ایران قدیم کی صناعی"، تصویر ع ۱۲۵، [3] ایضاً ع ۱۲۸ و ۱۲۹، [4] ایضاً ع ۱۳۲، ع ۱۳۳، ع ۱۳۵،

بادشاہ کی مجالس خاص میں میر تشریفات (خرّم باش) موسیقی کے باکمال استادوں سے فرمائش کرتا تھا کہ فلاں راگ گاؤ یا فلاں چیز بجاؤ[1]،

مسعودی نے ایرانیوں کے آلاتِ موسیقی کے نام لیے ہیں[2] اور وہ یہ ہیں: ستار، بانسری (نَے)، طنبور، شہنائی اور چنگ، خراسان کے لوگ زیادہ تر ایک ساز بجاتے تھے جس میں سات تار ہوتے تھے اور اس کو وہ زنگ کہتے تھے، رَے، طبرستان اور دیلم کے لوگ طنبور کو زیادہ پسند کرتے تھے اور ایرانیوں کو بالعموم یہی ساز زیادہ مرغوب تھا، طاقِ بوستان کے غار میں خسرو دوم کے شکار کی جو تصویریں بنی ہیں ان کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں ساسانیوں کی موسیقی میں چنگ کو سب سے زیادہ دخل تھا، خسرو کے عہد کے بعض اور ساز جن کا وجود اُس زمانے کے بعض آثار سے ثابت ہوتا ہے شہنائی اور دف ہیں (دیکھو بارہ سنگے کے شکار کی تصویر)، ایک اور ساز بانسری ہے، بعض بانسری بجانے والی عورتوں کی تصویریں اُس زمانے کے چاندی کے برتنوں پر کندہ ہیں[3] (دیکھو تصویر)، موسیقی کے اور بہت سے سازوں کے نام ایک پہلوی رسالے میں جس کا نام "شاہ خسرو اور اس کا غلام[4]" ہے مذکور ہیں، منجملہ ان کے ایک ہندوستانی ستار (وِین) ہے، اس کے علاوہ معمولی ستار جس کا نام

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۵۳۹،

[2] مروج الذہب، ج ۸، ص ۹۰-۹۱،

[3] زارہ: کتاب مذکور، تصویر ۱۱۶ و ۱۳۳،

[4] طبع اون والا، آرٹیکل ۱۳، ۶۲ - ۶۳،

بانسری بجانے والی۔ (چاندی کا پیالہ)

دار ہے ، ایک بربط (بربُوذ) ہے ، ایک طنبور ہے ، ایک کنّار ہے جو ستار کی ایک قسم ہے ، ان کے علاوہ شہنائی (مار) ، چھوٹا دف (دُنبگک) اور اور زنگ جس کا اوپر ذکر ہُوا ،

خسرو دوم کے دربار کے گویّوں اور راگ تصنیف کرنے والوں میں سب سے زیادہ مشہور دو ہیں ایک سرگش (یا سرکش) اور دوسرے باربذ[1] ، ان دو استادوں کے بارے میں جو اطلاعات ہمیں پہونچی ہیں وہ خوذای نامگ سے مأخوذ نہیں ہیں بلکہ غالباً کسی مقبولِ عام کتاب سے لی گئی ہیں جو ساسانیوں کے آخری زمانے میں لکھی گئی ہے ، فردوسی[2] اور ثعالبی[3] نے ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ کم و بیش افسانوی ہے ، لکھا ہے کہ سرکش بادشاہ کے گویّوں میں سب سے اوّل تھا اور غیرت و حسد کی وجہ سے وہ ہر طرح سے اس بات کی کوشش کرتا رہتا تھا کہ نوجوان باربذ کی رسائی بادشاہ تک نہ ہونے پائے ، بقولِ ثعالبی باربذ کا وطن مرو تھا ، لیکن باوجود سرکش کی کوششوں کے باربذ نے ایک ترکیب سے اپنے گانے کی آواز بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دی اور اس کے بعد وہ اس کا مقرب ہوگیا ،

---

[1] عربی اور فارسی کتابوں میں اس کا نام باربد یا فہلبد لکھا ہے . فہلبد فارسی لفظ پہلبد کی معرب شکل ہے ، باربذ کو پہلوی حروف میں پہلبذ پڑھنا ممکن ہے اور چونکہ فارسی کے قلمی نسخوں میں ب اور پ میں تمیز نہیں کی جاتی لہذا اس کو پہلبذ بھی پڑھا جا سکا اور اس شکل کو غلطی سے لفظ پہلو سے مشتق قرار دیا گیا ، برخلاف اس کے اگر اصل لفظ پہلبذ ہوتا تو اس کو باربذ پڑھنا ہرگز ممکن نہ تھا ، لہذا بلاشبہ نام کی صحیح شکل باربذ ہی ہے ، [2] شاہنامہ طبع مول ، ج ۷ ، ص ۳۱۴ ببعد ،
[3] ص ۶۹۴ ببعد ،

روایت کی رُو سے ایرانیوں کی موسیقی کا موجد باربذ ہی ہے[1]، دراصل ان کی موسیقی تو اس سے زیادہ پرانی ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس باکمال استاد نے ساسانیوں کی موسیقی پر بہت بڑا اثر ڈالا ہے جو عہد اسلامی میں عربوں اور ایرانیوں کے فنِ موسیقی کا سب سے بڑا منبع تھی، اور غالباً وہ اثر اب بھی اسلامی ممالک میں باقی ہے جہاں اس فن کی حفاظت میں حد سے زیادہ قدامت پسندی برتی گئی ہے،

بقول ثعالبی، باربذ جب پہلی مرتبہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا تو اُسے ایک راگنی سنائی جس کا نام یزدان آفریذ تھا اس کے بعد دوسری راگنی پرتوِ فرخار[2] سنائی "جسے سُن کر بادشاہ کو اتنی خوشی ہوئی جتنی کہ ایک شخص کو افلاس کے بعد دولتمند بننے سے ہوتی ہے"۔ آخر میں اُس نے جو راگنی گائی اور ساز پر بھی بجائی اس کا نام سبز اندر سبز تھا، اس کو گانے میں اُس نے ایسا کمال دکھایا کہ "سننے والے اس کے ساز کے تاروں کی پُرسوز آواز اور اس کے سُریلے گلے کے زیر و بم سے وجد کرنے لگے"۔ بقول فردوسی اُس نے اس موقع پر بادشاہ کو جو راگنیاں سنائیں ان کے نام داذ آفریذ[3]، پیکار گرد اور سبز اندر سبز تھے،

لغات کی کتاب برہانِ قاطع میں وہ تیس لحن مذکور ہیں جو باربذ نے خسرو دوم

---

[1] آقای رضا زادہ شفق نے رسالہ ایرانشہر میں جو برلن سے شائع ہوتا تھا باربذ پر ایک مضمون لکھا تھا (سال سوم، ص ۶۱ بعد)، [2] فرخار ایک افسانوی شہر کا نام ہے جہاں کے باشندے خوبصورتی میں مشہور ہیں، اس کے علاوہ وہ ایک بت خانے کا نام بھی ہے، [3] صحیح نام داذار آفریذ ہے (یعنی "خالق نے پیدا کیا") اور یہ وہی راگنی ہے جس کو ثعالبی نے یزدان آفریذ لکھا ہے،

کو سنانے کے لیے ایجاد کیے تھے، اُن کے نام بعض تبدیلیوں کے ساتھ نظامی کی "خسرو شیریں" میں بھی دیے گئے ہیں، ثعالبی نے لکھا ہے کہ باربذ "خسروانیات" کا موجد تھا جن کو گویّے اب بھی (یعنی ثعالبی کے زمانے میں) بادشاہوں اور دوسرے لوگوں کی مجلسوں میں گاتے ہیں، خسروانی دراصل کسی ایک راگنی کا نام نہ تھا، عوفی نے[۱] "نوائے خسروانی" کا ذکر کیا ہے، جس سے یقیناً مراد سات "شاہی طرزیں" (الطروق الملوکیہ) ہیں جو مسعودی کے ہاں مذکور ہیں[۲]،

ایک اور روایت کی رو سے[۳] باربذ نے بادشاہ کی مجلسوں کے لیے ۳۶۰ راگنیاں تصنیف کی تھیں "تاکہ (سال میں) ہر روز ایک نئی راگنی سُنا سکے، اس کے مُنہ سے نکلی ہوئی بات "اُستادانِ موسیقی کے لیے قانون کا حکم رکھتی تھی جو سب کے سب اُس کے خرمن کے خوشہ چین تھے"۔

اوپر کے بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نظامِ موسیقی جس کی ایجاد باربذ کی طرف منسوب ہے وہ سات خسروانیات (شاہی طرزیں)[۴]، تیس لحن[۵]، اور تین سَو ساٹھ راگنیوں پر مشتمل تھا، بظاہر ان اعداد کی مطابقت ہفتے کے سات دن[۶]، مہینے کے تیس دن اور (از روے تقویم ساسانی) سال

---

[۱] دیکھو براؤن (JRAS)، ۱۸۹۹ء، ص ۵۴ ببعد، [۲] مروج ج ۸، ص ۹۰،
[۳] براؤن، مقام مذکور، [۴] خسروانیات کی ایجاد کو نگیسا کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے جو خسرو کے عہد کا ایک اور گویّا تھا، اس کا ذکر نظامی کے ہاں ملتا ہے،
[۵] لحن عربی لفظ ہے، اصل پہلوی لفظ جس کا یہ ترجمہ ہے ہمیں معلوم نہیں، [۶] یہ ایک اور ثبوت اس بات کا ہے کہ عہد ساسانی کی تقویم میں ہفتے کا وجود تھا (دیکھو اوپر ص ۲۲۱ ح اور ص ۵۲۶ ح ۲)

کے تین سو ساٹھ دن کے ساتھ رکھی گئی ہے، خمسۂ مسترقہ کے پانچ دنوں کو شمار نہیں کیا گیا، منوچہری اور دوسرے فارسی مصنفین کے ہاں ہمیں بہت سی موسیقی کی اصطلاحیں ملتی ہیں لیکن کسی ایک کے متعلق بھی ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ آیا وہ تیس لحنوں میں سے کسی لحن کا نام ہے یا ۳۶۰ راگنیوں میں سے کوئی راگنی ہے، یزدان آفرید غالباً مذہبی نوعیت کی راگنی تھی، بعض راگوں کے نام ایسے ہیں جو قدیم افسانوی تاریخ کے واقعات کو یاد دلاتے ہیں جن کے ساتھ اہلِ ایران کو پانچویں صدی سے بہت دلچسپی پیدا ہو گئی تھی، اس قسم کے رزمیہ راگوں میں سے ایک کا نام کینِ ایرج[۱] اور ایک کا نام کینِ سیاؤش[۲] ہے، بعض راگ ایسے تھے جن میں خسرو دوم کی طاقت و ثروت کے گیت گائے جاتے تھے، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:- باغِ شیریں، باغِ شہریار، اورنگیک، تختِ تاکدیس[۳]، ہفت گنج[۴]، گنجِ واذ آورد[۵]، گنجِ گاو[۶]، شبدیز[۷]، بعض راگ موسمی تہواروں کی خوشی میں گائے جاتے تھے خصوصاً موسمِ بہار کی آمد اور لطفِ زندگی کا مضمون اس میں باندھا جاتا تھا، ان میں سے ایک نوروزِ وزرگ تھا ایک سروِستان ایک آرائشِ خورشید ایک ماہ ابہر کوہان (پہاڑوں پر کا چاند) اور ایک نوش لبینان (شیریں لبان) وغیرہ، موسیقی کی اصطلاحوں میں

---

[۱] ایرج فریدون کا بیٹا تھا جس کو اس کے دو بھائیوں نے مار ڈالا تھا، اس کی اولاد میں سے منوچہر نے اس کا بدلہ لیا۔ [۲] سیاؤش کیکاؤس کا بیٹا تھا جو توران کے بادشاہ افراسیاب کے حکم سے مارا گیا تھا، اس کے بیٹے کیخسرو نے طویل لڑائیوں کے بعد اس کے خون کا بدلہ لیا، [۳] دیکھو اوپر، ص ۶۲۸ بعد، [۴] دیکھو اوپر، ص ۶۲۵، [۵] دیکھو اوپر، ص ۶۲۵/۶۲۶، [۶] دیکھو اوپر، ص ایضاً، [۷] دیکھو اوپر، ص ۶۲۱/۶۲۲

سے ایک اصطلاح راست تھی جو آج بھی موجود ہے اور وہ "عربی ایرانی" موسیقی کے بارہ مقامات یا پردوں میں سے ایک کا نام ہے[۱]

گذشتہ چند سالوں میں پہلوی ادبیات میں شاعری کے کچھ آثار پائے گئے ہیں[۲]، ان نمونوں میں سوائے ایک چھوٹے سے قطعے کے کسی میں خالص تغزّل نہیں پایا جاتا، وہ قطعہ مانوی متون میں دستیاب ہوا ہے جن کو پہلے میولر نے اور پھر سالمان نے شائع کیا تھا[۳]، لیکن اس میں کوئی ایسی علامت نہیں ہے جو اس کے مانوی الاصل ہونے پر دلالت کرے کیونکہ اُس کا مضمون مذہبی نہیں ہے، اس قطعے کا ترجمہ حسب ذیل ہے[۴]:

خورشید تاباں ماہِ درخشاں
شاخِ شجر پر ہیں نورافشاں
طائرِ خوشی میں کھولے ہوئے پر
ہیں چہچہاتے شاخوں کے اوپر
مور اور کبوتر ہیں زمزمہ خواں

---

[۱] دیکھو میرا مضمون بہ عنوان "عہد ساسانی کی راگنیوں کے ناموں پر ملاحظات" (مجموعہ مضامین بیادگارِ دستور ہوشنگ، بمبئی ۱۹۰۹ء) سنہ ۱۹۲۶ء کے رسالۂ انجمن آسیائی (JRAS) میں مسٹر فارمر نے میرے مضمون کی لاعلمی میں اسی عنوان پر مضمون شائع کیا ہے جس میں اکثر باتیں وہی ہیں، نیز مقابلہ کرو فارسی رسالہ "کاوہ" میں ایرانی موسیقی پر مضمون (سال دوم، نمبر ۵)، اور رسالہ ایرانشہر (سال سوم، ص ۶۱ ببعد)، [۲] دیکھو بین ونسٹ کا مضمون مجلّہ آسیائی میں (سنہ ۱۹۳۰ء ص ۱۹۳ ببعد، سنہ ۱۹۳۲ء ص ۲۴۵ ببعد). نیز رسالہ "بتصرۂ تاریخ مذاہب" (فرانسیسی)، سنہ ۱۹۳۲ء، ص ۳۳۷ ببعد، نیز مقابلہ کرو میرے مضامین رسالہ کاوہ میں (نمبر ۴-۵، ۲۴-۲۶)، اور "رسالہ مدرسۂ علوم مشرقی در لنڈن" (سنہ ۱۹۳۴ء ص ۸۳ببعد)، [۳] قطعہ (M. 554 v.) [۴] مجلّۂ آسیائی سنہ ۱۹۳۰ء ص ۲۲۲،

قیاس ہے کہ اس قسم کے قطعے آرائشِ خورشید یا ماہ ابھر کوہان کی راگنیوں کا مضمون ہونگے،

ساسانی سوسائٹی کے اونچے طبقوں کی عیش و عشرت کے اس مختصر مضمون کو ختم کرتے ہوئے ہم چند الفاظ اُس زمانے کی کھیلوں پر کہنا چاہتے ہیں، چترنگ (شطرنج) کے علاوہ چند اور کھیلوں کے نام ملتے ہیں جو تختے پر کھیلی جاتی تھیں، ایک کا نام ہشت پاذ (آٹھ پاؤں) ہے اور ایک نیو اردشیر یا نرد ہے جو پندرہ سفید اور پندرہ سیاہ مُہروں کے ساتھ کھیلی جاتی تھی، ایک زمب ہے جس کو دو مختلف طریقوں سے کھیلتے تھے،[1]

ابن بطریق کا یہ دعویٰ کہ خسرو دوم نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا یقیناً بے بنیاد ہے[2]، لیکن چونکہ قیصر ماریس کے ساتھ (جس نے اس کو تخت کے حاصل کرنے میں مدد دی تھی) اس کے دوستانہ تعلقات تھے علاوہ اس کے اس نے بازنطینی شہزادی ماریہ سے شادی بھی کر رکھی تھی اور پھر اس کی عیسائی محبوبہ شیرین کا بھی اس پر بہت کچھ اثر تھا اس لیے اُس کو کم از کم ظاہری طور پر اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ مہربانی کا سلوک رکھنا پڑا، البتہ یہ ممکن ہے کہ

---

[1] مادیگانِ چترنگ، آرٹیکل ۹، "شاہ خسرو اور اس کا غلام"۔ آرٹیکل ۱۵، وغیرہ، از روئے افسانہ نرد کی ایجاد وزرگمہر کی طرف منسوب ہے جو خسرو اوّل کا افسانوی وزیر ہے، لیکن (بقول ہرتسفلٹ) اس کے نام سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خسرو اوّل کے عہد میں ایجاد نہیں ہوئی بلکہ کسی ایسے بادشاہ کے زمانے میں جس کا نام اردشیر تھا اور وہ غالباً اردشیر اوّل ہے

[2] نولڈکہ، ترجمۂ طبری، ص ۲۸۷، ح ۲،

اس نے اپنے سابقہ توہمات کے ساتھ بعض عیسائی توہمات کا بھی اضافہ کر لیا ہو کیونکہ جہاں تک پتہ چلتا ہے اس کے مذہبی عقاید کی بنا توہمات پر تھی، اس کا ثبوت یہ ہے کہ اُس نے اپنے گرد نجومیوں اور فال گیروں اور کاہنوں اور جادوگروں کی کافی تعداد جمع کر رکھی تھی[1]،

بنابریں خسرو کی تخت نشینی سے عیسائیوں کی مذہبی آزادی یقینی ہوگئی، لیکن ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اُنھیں زرتشتیوں کو عیسائی بنانے کی اجازت نہیں تھی کیونکہ قانون کی رُو سے (کم از کم نظری طور پر) اگر کوئی زرتشتی اپنے قومی مذہب کو چھوڑ دے تو اُس کی سزا موت تھی[2] اگرچہ عملی طور پر کبھی کبھی اس سے اغماض بھی کیا جاتا تھا[3]، خسرو نے عیسائی کلیساؤں کے معاملے میں بڑی فیاضی دکھائی، سینٹ سرجیوس شہید کے نام پر (جس نے ایامِ جنگ میں اس کی بڑی مدد کی تھی) اُس نے کئی گرجے تعمیر کرائے اور شام میں سرجیوپولس کے گرجے میں سونے کی صلیب کا چڑھاوا چڑھایا[4]،

بادشاہ کی خواہش کے مطابق پادریوں نے ۵۹۶ء میں سبریشوع کو جاثلیق منتخب کیا جو اصل میں گڈریا تھا، وہ بدعتیوں کا بڑا سخت دشمن تھا اور اُس زمانے میں بدعتی فرقوں کی تعداد بھی بہت تھی، مثلاً ایک فرقہ

---

[1] ازروئے روایت ان کی تعداد ۳۶۰ تھی جو سال کے ایام کی تعداد کے مطابق ہے، (طبری، ص ۱۰۰۹ - ۱۰۱۰)، [2] دین کرد، کتاب ۹، ۵۶، ۴ (ٹک نسک)، [3] کتاب دین کرد کی رو سے (جزو ۹، ۳۱، ۲۱ - ۲۳) وَرِشْتمانسر نسک میں (خصوصاً اس نسک کی شرحوں میں) مومنوں یعنی زرتشتیوں اور مرتدوں کے باہمی تعلقات پر بحث تھی، [4] لابور، ص ۲۰۹،

مصلیوں کا تھا[1] جن کا پیشہ گداگری اور رہبانیت تھا اور ہمیشہ سفر میں رہتے تھے گویا ایک طرح کے عیسائی درویش تھے لیکن "ان کے ظاہری زہد کے پردے میں نہایت بُرے اخلاق پنہاں تھے، چونکہ اپنے ظاہری تقدس اور پیشے کی بدولت وہ عیسائیوں کے گھروں میں بلا روک ٹوک چلے جاتے تھے لہذا وہ وہاں ہر قسم کی زیادتیوں کے مرتکب ہوتے تھے"[2] ایک اور فرقہ جنائیوں کا تھا جو عقیدۂ "ہمہ اوست" اور مسئلۂ جبر کے قائل سمجھے جاتے تھے، یعقوبیوں کا فرقہ جو دوبارہ زور پکڑ گیا تھا اپنی پوری طاقت کے ساتھ نسطوری فرقے کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہا تھا، یعقوبیوں اور نسطوریوں کی لڑائی پھر بھڑک اُٹھی اور اس میں یعقوبیوں کو غلبہ حاصل ہوگیا، اس جنگ میں یعقوبیوں کا پُرجوش حامی ایک شخص گبریئل تھا جو خسرو کا رئیس الاطباء (درستبذ) تھا، وہ پہلے نسطوری تھا لیکن پھر یعقوبی ہوگیا، اس کے اور سبریشوع کے درمیان کچھ شکر رنجی تھی اس لیے کہ سبریشوع نے اس کی پرائیویٹ زندگی کی بنا پر اس کو کلیسائی حقوق سے محروم کر دیا تھا، لیکن گبریئل بادشاہ کا منظور نظر تھا کیونکہ اس نے شیریں کا علاج کیا تھا جس کے اولاد نہیں ہوتی تھی، آخر اس کے علاج سے اور سینٹ سرجیوس کی کرامات سے خدا نے اُسے بیٹا دیا جس کا نام مردانشاہ رکھا گیا، چونکہ شیریں نے بھی یعقوبی عقاید اختیار کر لیے تھے اس لیے اس فرقے کو کامل فتح حاصل ہوگئی، سبریشوع کی وفات کے بعد شیریں نے بادشاہ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ گریگوری کو جو سلوکیہ کے

---

[1] مصلی کلدانی لفظ ہے جس کے معنی یہی ہیں جو عربی میں لفظ مُصلّی کے ہیں یعنی نمازی، اس فرقے کے لوگ ہر وقت نماز پڑھنا واجب سمجھتے اور اسی کو نجات کا واحد ذریعہ جانتے تھے (مترجم)، [2] لاہور، ص ۲۱۴،

مدرسے میں معلم تھا جاثلیق بنایا جائے چنانچہ کونسل نے جو اس مقصد کے لیے رسمی طور پر منعقد کی گئی بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں گریگوری کو جاثلیق منتخب کرلیا، یہ شخص عالم اور فقیہ لیکن حریص اور بسیار خور تھا، چار سال کے بعد (۶۰۸ء یا ۶۰۹ء میں) وہ بہت سی دولت چھوڑ کر مرگیا جس کو خسرو نے ضبط کرلیا، اس کے بعد کئی سال تک جاثلیق کی جگہ خالی رہی کیونکہ خسرو جو ہمیشہ گبرئیل اور شیریں کی بات مانتا تھا نہیں چاہتا تھا کہ کسی نسطوری کو جاثلیق بنایا جائے، دونو فرقے آپس میں برسرپیکار رہتے اور وہی پرانی بحث پھر شروع ہوگئی کہ آیا حضرت عیسیٰ کی ایک فطرت ہے یا دو، نسطوری فرقے کو بھی ایک ایسا حامی مل گیا جو بڑا عالی خاندان ایرانی تھا یعنی مہران گشنسپ جس نے عیسائی ہونے پر اپنا نام جارج (گیوَرگیس) رکھ لیا تھا اور اپنے مقدور بھر نسطوریوں کی مدد کرتا تھا[۵۸]

وقائع شہداء میں اس شخص کی زندگی کے جو حالات بیان ہوئے ہیں ان سے ہمیں خسرو دوم کے عہد میں ایران کے اعلیٰ طبقوں کے لوگوں کے طرزِ زندگی کا پتہ چلتا ہے، وہ شاہی نسل کا آدمی تھا، اس کا باپ نصیبین کا کا اُستاندار تھا اور دادا شہر انطاکیۂ نو کا کوتوال تھا جس کو خسرو اوّل نے آباد کیا تھا، اس کی آبائی جاگیر بیت لونیا میں ضلع نائیشتر کے ایک گاؤں پاقوریا میں تھی اور امراء کے دستور کے مطابق پایہ تخت میں اس کا ایک عالیشان مکان تھا، لڑکپن ہی میں اس امیرزادے کو جو عمدہ صفات کا

---

[۵۸] ایضاً، ص ۲۰۸-۲۲۵،

مالک تھا دربار میں بھیج دیا گیا تھا تاکہ کچھ عرصہ بادشاہ کا پیش خدمت رہنے کے بعد حکومت یا دربار کے کسی اعلیٰ عہدے پر سرفراز ہو سکے، جب ماحوزے میں وبا پھیلی تو مہران گشنسپ (جس نے ابھی اپنا آبائی مذہب نہیں چھوڑا تھا حالانکہ اس کے دل میں شکوک موجود تھے) وہاں سے بھاگا، اس موقع پر عیسائی مؤرخ طنزاً لکھتا ہے کہ جب کبھی کہیں وبا پھیلتی ہے تو کفار عموماً وہاں سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، ماحوزے سے نکل کر مہران گشنسپ اپنی کسی جاگیر پر چلا گیا اور اپنے گاؤں اور غلاموں کو کسی عیسائی کے سپرد کر گیا، جب اس نے عیسائی مذہب اختیار کیا تو صحرا میں کسی مقام پر اپنے نئے مذہب کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے چلا گیا، وہاں سے اس نے اپنی بہن سے پچھوایا کہ میرے عیسائی ہونے کی خبر معلوم ہونے پر دربار میں کیا باتیں ہوئیں، جواب میں اس نے کہلا بھیجا کہ "تم چلے آؤ تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے بادشاہ نے تمہارے عیسائی ہونے کی خبر سن کر صرف اتنا کہا کہ مہران گشنسپ دوزخ میں چلا گیا ہے! تمہیں چاہیے کہ فوراً واپس آجاؤ ممکن ہے کہ بادشاہ یہاں تک بھی حکم دیدے کہ تمہاری جاگیر تمہیں واپس کر دی جائے"۔ کچھ عرصہ بعد مہران گشنسپ اپنی بہن سے ملنے آیا جس کی شادی کسی بڑے امیر سے ہو چکی تھی، جب وہ اس کے پاس پہنچا تو کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر اس کے سامنے تعظیماً جھکا، بہن بھی اپنے بھائی کی تعظیم کے لیے مسند سے اٹھی اور اپنا ہاتھ بڑھا کر "جیسا کہ کفار میں امراء کی عورتوں کا دستور ہے" مسکراتے ہوئے اس سے کہنے لگی "خوش ہو!

میں بھی عیسائی ہوں ۔۔۔۔۔"[1] یہاں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ امراء کے آداب میں ایک حد تک نفاست آگئی تھی اور عورتوں سے پیش آنے میں نیازمندی کے اظہار کا دستور تھا جو اٹھارویں صدی کی یورپین سوسائٹی کو یاد دلاتا ہے،

لیکن گبرئیل درستبذ نے جب دیکھا کہ مہران گشنسپ ایک پرجوش اور متعصّب نسطوری ہے تو اس نے ایسی تدبیر کی کہ اس پر دین زرتشتی سے برگشتہ ہونے کا الزام لگ گیا اور اس کو سزائے موت کا حکم سنا کر مصلوب کر دیا گیا،

لیکن نسطوریوں میں بھی آپس میں بہت سے اختلافات تھے، بابھائی کبیر نے جو نصیبین کے شمال میں کوہ اِزلا کی خانقاہ کا صدر تھا اور بڑا کٹّر نسطوری تھا بابھائی صغیر کو جسے عیسائی ویسا ہی واجب التعظیم جانتے تھے کلیسائی حقوق سے محروم کر دیا، سریانی کی گمنام تصنیف میں (جس کو گوئڈی نے طبع کیا ہے) ان دونو کے متعلق لکھا ہے[2] کہ "ان کے اعمال آفتاب سے بھی زیادہ درخشاں تھے اور ان کی بہت سی تصانیف شاہد ہیں کہ ان کا ایمان پاک اور خالص تھا"۔

گبرئیل کے مرنے کے بعد یزدین واستریوشان سالار (جس کا کئی بار ذکر آچکا ہے) عیسائیوں میں ایسا شخص تھا جس کا اثر بادشاہ پر شیرین کے بعد سب سے زیادہ تھا، وہ نسطوری تھا اور اپنے فرقے کی حمایت

---

[1] ہوفمن، ص ۹۴-۹۹،

[2] ترجمہ از نولڈکہ، ص ۲۳،

میں جو کچھ اس سے ہو سکتا تھا کرتا تھا لیکن بادشاہ کو اس بات کی ترغیب دینے میں کہ وہ نسطوریوں کو جاثلیق منتخب کرنے کی اجازت دے اُس کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ بادشاہ کی محبوبہ شیریں اس بات کی مخالف تھی[1]،

علمائے زرتشتی کو اس وقت اتنی توفیق نہ تھی کہ عیسائی فرقوں کی باہمی جنگ سے فائدہ اُٹھا سکیں ، یہ درست ہے کہ وہ مذہب حکومت کے نمائندے تھے اور ان کا تعصّب بھی پہلے کی نسبت کچھ کم نہیں ہوُا تھا لیکن اُن کی قوت کو اس قدر ضعف ہو چکا تھا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے یزدین کے عیسائی خاندان کو محکمۂ مالیات کے بلند ترین عہدے ملے ، اگرچہ اس سے پہلے بھی عیسائیوں کو حکومت کے مختلف محکموں میں جگہیں ملا کرتی تھیں لیکن صرف ایسی کہ جن کی اہمیّت کچھ زیادہ نہیں ہوتی تھی مثلاً کرّوگ بذ کا عہدہ جو بادشاہ کے کاریگروں کا افسر ہوتا تھا[2]، اسی طرح یہ بھی سابقہ روایات کے خلاف تھی کہ خسرو نے ایک اجنبی یعنی فرخ زاذ کو خراج کی وصولی کا کام سپرد کیا ، علمائے زرتشتی کا انحطاط بظاہر ان کے ایمان اور ان کی عبادات میں بھی سرایت کر گیا تھا ، کتاب مینوگ خرد کے انسٹھویں باب میں ان علماء کے جو عیوب شمار کیے گئے ہیں وہ جاذب توجہ ہیں ، ان میں الحاد اور حرص اور غفلت اور تجارتی مشاغل اور حطام

[1] لابور ، ص ۲۲۸ - ۲۳۵ ،

[2] طبری ، ص ۹۶۰ ، لابور ، ص ۶۷ ، لفظ کرّوگ بذ کے متعلق دیکھو بیلی کا مضمون (رسالہ مدرسۂ علوم مشرقی در لنڈن ، سنہ ۱۹۳۴ع ، ص ۵۱۲ ببعد)

دنیوی کے ساتھ وابستگی اور معاملات مذہبی میں قولِ حق سے انکار وغیرہ شامل ہیں ،

با ایں ہمہ فقہائے زرتشتی نے مذہبی عقاید کو معین اور مستحکم کرنے کے لیے از سرِ نو کوشش شروع کی ، دین کرد میں ایک جگہ لکھا ہے[1] کہ خسرو دوم نے اپنے زمانے کے سب سے ہوشیار موبدوں سے اوستا کی نئی تفسیر لکھوائی چنانچہ مارکوارٹ نے وندیداد کے پہلے باب کی اس تفسیر میں ایک مقام کی طرف توجہ دلائی ہے[2] جس میں اُن سیاسی حالات کا پرتو موجود ہے جو ۵۹۱ء میں خسرو اور قیصر ماریس کے درمیان سلطنت ہائے ایران و روم کی تعیینِ حدود کے اقرار نامے کی وجہ سے پیدا ہوگئے تھے ، یہ بات تو بہت مشکوک ہے کہ خسرو کو خود علوم دینی کی ترویج کے ساتھ بہت دلچسپی تھی لیکن یہ ممکن ہے کہ سیاسی وجوہات کی بنا پر اس نے دینِ زرتشتی کے ساتھ اظہارِ عقیدت کو ضروری سمجھا ہو تاکہ اس کی بد اعتقادی کے متعلق لوگوں کو جو بدگمانی تھی وہ دور ہو جائے ، طبری لکھتا ہے[3] کہ اس نے کئی آتشکدے بنوائے جن میں اس نے بارہ ہزار ہیربذ تلاوت اور زمزمہ خوانی کے لیے مامور کیے ، لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کے کامل اعداد میں تاریخی صداقت نہیں ہو سکتی ،

---

[1] ہاؤگ : "پہلوی زبان پر جواب مضمون"۔ ص ۱۴۷ ،

[2] ایرانشہر ، ص ۱۶۳ ،

[3] ص ۱۰۴۱ - ۱۰۴۲ ،

ایران پر قیصر ہرقل کے حملوں کا اثر عیسائیوں کی حالت پر پڑا، گوئڈی کی گمنام تصنیف میں لکھا ہے[1] کہ خسرو نے قسم کھائی تھی کہ اگر اس جنگ میں اس کو فتح ہوئی تو سلطنت بھر میں کہیں کسی کلیسا اور "ناقوس کلیسا" کا نشان باقی نہیں رہنے دیگا، اصل حقیقت جو کچھ بھی ہو نسطوریوں اور یعقوبیوں پر تعدّی شروع ہوگئی چنانچہ اسی زمانے میں یزدین بادشاہ کے حکم سے قتل کیا گیا اس کی بیوی کو عذاب دیا گیا اور اس کا مال واسباب ضبط کرلیا گیا، اُس کے بیٹے شمطا[2] نے بعد میں اُس شورش میں عملی حصّہ لیا جو خسرو کی معزولی اور قتل پر منتہی ہوئی،

جنگ کی مصیبتوں پر قدرتی حوادث کا بھی اضافہ ہُوا، اس سے پہلے کواذ اوّل کے عہد میں دریائے دجلہ کا بند جو کسکر کے جنوب میں علاقہ میسین کے نزدیک واقع تھا ٹوٹ گیا تھا اور سیلاب کی وجہ سے مزروعہ زمینوں کو سخت نقصان پہنچا تھا، چند سال بعد خسرو اوّل نے اس کی مرمّت کرائی لیکن خسرو دوم کے عہد کے آخر میں (۶۲۷ یا ۶۲۸ء میں) دجلہ اور فرات میں سخت طغیانی آئی اور کئی بند ٹوٹ گئے، تاریخوں میں لکھا ہے کہ خسرو نے "زمین پر فرش بچھوا کر روپوں کے ڈھیر لگوا دیے اور کاریگروں کو دکھا کر جوش دلایا" چنانچہ انھوں نے ایک دن میں چالیس بند بنا ڈالے، لیکن یہ ساری کوشش بیکار ثابت ہوئی اور نقصان نہ رک سکا،

---

[1] ترجمہ از نولڈکہ، ص ۲۸،

[2] مقابلہ کرو طامس مرگائی کی "کتاب الولاۃ" ترجمہ انگریزی از والس بج (لنڈن ۱۸۹۳ء) ص ۹۱ ببعد،

اس کے بعد عربوں کے حملوں کی مصیبت نازل ہوئی جس کی وجہ سے بندوں کی مرمت کا کام رُک گیا اور سیلاب کی وجہ سے دور دور تک زمینیں دلدل بن گئیں[۱]۔ ان میں سے ایک بند دجلہ کی اُس شاخ پر تھا جو دجلۃ العوراء کہلاتی تھی اور اُس جگہ سے گزرتی تھی جہاں بعد میں شہر بصرہ آباد ہوا، اُس کے ٹوٹنے سے جو نقصان ہوا اور اس کی روک تھام کے لیے خسرو نے جس طرح بیدریغ روپیہ خرچ کیا اور ناکام کوششیں کیں ان کا اثر دلوں پر بہت گہرا ہوا، اسی زمانے میں طیسفون کے شاہی محل میں دربارِ عام کے کمرے کا ایک حصہ گر گیا، بعد میں لوگوں نے اِن واقعات کو ساسانیوں کے خاتمے اور اسلام کے غلبے کی فال قرار دیا[۲]،

سینتیس ۳۷ برس کی حکومت کے بعد خسرو دوم کا وہی انجام ہوا جو اس کے اپنے ہاتھوں اس کے باپ کا ہوا تھا، ہرقل کے پیغامِ صلح کو رد کرنے کے بعد وہ دستگرد سے بھاگا اور طیسفون میں اپنے محل میں آیا لیکن پھر جلد ہی وہاں سے دجلہ کو عبور کرکے ویہہ اردشیر (سلوکیہ) میں شیرین کے پاس جا کر مقیم ہوا، ایرانی سپہ سالار جو اس مایوس کن جنگ کو جاری رکھنے میں خسرو کی ضد سے تنگ آچکے تھے باغی ہوگئے، شہرورا ز کو معلوم تھا کہ خسرو اس سے بدگمان ہے اور اس کے ماتحت فوجی سرداروں میں سے کسی کو اسے قتل کرنے کا حکم دے چکا ہے لہٰذا اس نے احتیاط

[۱] ابن خرداذبہ، ص ۲۴۰،

[۲] طبری، ص ۱۰۰۹ ببعد، مقابلہ کرو اسی طرح کی ایک اور فالِ بد کے قصے کا جو خسرو اوّل کے زمانے میں حضرت محمدؐ کی شبِ ولادت کے متعلق ہے، (طبری، ص ۹۸۱)

کی تمام تدبیریں اختیار کیں اور خسرو کی اطاعت سے برگشتہ ہوگیا[1]، اسی زمانے میں بادشاہ شدید پیچش کے مرض میں مبتلا ہوگیا اور طیسفون چلا آیا تاکہ اپنے جانشین کے متعلق کچھ فیصلہ کرسکے، اس کے ہمراہ شیریں اور اس کے دو نو بیٹے مردانشاہ اور شہریار تھے اور اس کا ارادہ یہ تھا کہ مردانشاہ کو اپنا جانشین مقرر کرے، جب اس واقعہ کی اطّلاع کواذ (ملقّب بہ شیرویہ) کو پہونچی جو ماریہ کے بطن سے خسرو کا بیٹا تھا اور غالباً اس کے بیٹوں میں سب سے بڑا تھا تو اُس نے اپنے حقوق کی خاطر لڑنے کا مصمّم ارادہ کیا اور نئے سپہ سالار گشنسپ اسپاذ[2] کو (جو بقول تھیوفانیس اس کا رضاعی بھائی تھا) اپنا مددگار بنایا، اس نے قیصر ہرقل کے ساتھ گفت وشنید کا سلسلہ شروع کیا، معلوم ہُوا کہ قیصر ایرانیوں کے ساتھ صلح کرنے پر مائل ہے، بعض اور امراء بھی شیرویہ کے ساتھ مل گئے، ان میں سے ایک شمطا تھا جو یزدین کا بیٹا تھا اور ایک نیو ہرمزد[3] تھا جو پاذگوسپان مردانشاہ کا بیٹا تھا جسے خسرو نے یزدین کی طرح مروادیا تھا[4]، شیرویہ کے حکم سے "قلعۂ فراموشی" کے دروازے کھول دیے گئے اور بہت سے سیاسی قیدیوں کو رہا کردیا گیا جن میں سے اکثر اُس کے ہواخواہ بن گئے،

غرض اِس طرح شیرویہ بادشاہ بنا، رات کو جب خسرو اور شیریں محل

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۶۱۱، ج ۱، طبری، ص ۱۰۰۶ ببعد،
[2] طبری کے ہاں اس کا نام اسپاذ گشنسپ ہے، [3] تصنیف گمنام طبع گوئدی، بقول طبری اس کا نام مہر ہرمزد تھا، [4] دیکھو اوپر، ص ۶۰۷،

میں سونے کے لیے چلے گئے تو شاہی چوکیدار سب کے سب محل سے بھاگ گئے، علی الصبح ہر طرف سے "کواذ شاہانشاہ" کے نعرے سنائی دینے لگے، خسرو خوف زدہ ہوکر بھاگا اور محل کے باغ میں چھپ گیا لیکن وہاں لوگوں نے اُسے ڈھونڈ لیا اور گرفتار کرکے ایک مکان میں لے گئے جس کا نام کذگِ ہندوگ (ہندو کا گھر) تھا، وہ اصل میں خزانے کی عمارت تھی اور اس میں ایک شخص مہرسپند رہتا تھا. لکھا ہے کہ جب لوگ اُس کو لیجا رہے تھے تو راستے میں ایک موچی نے خسرو کو اس کے نقاب کی وجہ سے پہچان کر جو اس کے چہرے پر پڑا تھا جوتے کا قالب اُس پر پھینکا، لیکن بادشاہ کے ایک جان نثار سپاہی نے جو اس کے ساتھ تھا موچی کی اس بے ادبی پر برہم ہوکر اُسی وقت تلوار کھینچ کر اُس کا سر اُڑا دیا، موچی کی ذات (جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کرچکے ہیں) اُس زمانے کے لوگوں میں سب سے ذلیل سمجھی جاتی تھی[1]

بقول مؤرخ سیبئوس ارمنی[2] خسرو اُس سے اگلے دن مارا گیا، شیرویہ نے حکم دیا کہ اس کے بھائیوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے جائیں، وہ چاہتا تھا کہ اسی پر اکتفا کرکے اُن کو زندہ رہنے دے لیکن کچھ عرصہ بعد وہ ان کو قتل کرنے پر مجبور ہوگیا، تھیوفانیس نے لکھا ہے کہ شیرویہ نے سب سے پہلے مردانشاہ کو مروایا پھر دوسرے بھائیوں کو اور خسرو کو اسی خزانے کی عمارت میں بند کردیا تاکہ بھوک سے مرجائے لیکن جب پانچ

---

[1] طبری، ص ۱۰۴۶، [2] پاتکانیان بمجلۂ آسیائی سنہ ۱۸۶۶ء، ۶، ص ۲۱۰،

دن کے بعد دیکھا کہ ابھی وہ زندہ ہے تو اُسے تیر کا نشانہ بنا کر مارا گیا،
گونڈی کی گمنام تصنیف کی رُو سے[۱] خسرو کو شیرویہ کی اجازت سے شمطا
اور نیو ہرمزد نے قتل کیا اور شیرویہ کے بھائی اُن امیروں کے ہاتھ سے مارے
گئے جنھوں نے شمطا کے ساتھ مل کر بغاوت کی تھی،

عربی اور فارسی مصنّفوں نے اس بارے میں بہت سی تفصیلات بیان
کی ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ شیرویہ کو اپنے باپ کے قتل میں بہت تامّل تھا لیکن
امراء نے اُس سے کہا کہ دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرو، یا تو خسرو کو
قتل کراؤ یا تاج و تخت کو چھوڑ دو، شیرویہ نے وقت کو ٹالنا چاہا اور قانونی
کارروائی کے طور پر اس کی ایک فردِ قراردادِ جرم تیار کرائی جس میں ذیل کے
گناہ اس کے ذمّے لکھے گئے[۲]: شاہ ہرمزد کا قتل، خسرو کی اپنے بیٹوں پر
سختی، سیاسی قیدیوں کے ساتھ بدسلوکی، خسرو کا اُن عورتوں کے ساتھ
جابرانہ سلوک جن کو اُس نے زبردستی اپنے حرم میں داخل کر رکھا تھا، بھاری
ٹیکس لگا کر رعایا پر جور و تعدّی، رعایا کے مال سے اپنے خزانوں کو پُر کرنا،
نامتناہی لڑائیاں اور قیصرِ روم کے ساتھ خسرو کی بے وفائی، ۔۔ اس قراردادِ
جرم کو گشنسپ اسپاذ نے خسرو کے پاس بھجوایا اور اس کی طرف سے ایک

---

[۱] ترجمہ از نولڈکہ، ص ۲۹،

[۲] طبری، ص ۱۰۴۶، نیز فردوسی، ثعالبی، دینوری، نہایہ وغیرہ، یہ تفصیل غالباً تاج نامگ سے ماخوذ ہے جس میں خسرو کے زمانۂ قید کے حالات اور بیٹے کے ساتھ اس کے تعلّقات مفصّل طور پر بیان کیے گئے تھے، دیکھو گبرئیلی: "تصانیف ابن المقفع" ("مطالعات مشرقی" بزبان اطالوی، ج ۱۲، ص ۲۱۲، ۲۱۵")،

مفصّل جواب لاکر شیرویہ کو پیش کیا، جواب کا لہجہ اگرچہ متکبّرانہ تھا لیکن اس میں شاہ معزول نے ہوشیاری کے ساتھ اپنی صفائی پیش کی اور سب الزاموں کا جواب دیا اور ساتھ ہی اپنے بیٹے کو اس کی ناشکر گزاری پر ملامت کی اور کہا کہ یہ باتیں جو تم کر رہے ہو ان کو تم خود نہیں سمجھتے ہو، نولڈکہ کی رائے یہ ہے[1] کہ جس شکل میں کہ اس قانونی کارروائی کو (اگر اس کو واقعی قانونی کارروائی کہا جا سکتا ہے) مشرقی مؤرّخوں نے بیان کیا ہے اس کو قابلِ اعتماد سمجھنا ذرا مشکل ہے، نولڈکہ نے لکھا ہے کہ دراصل یہ خسرو پر الزامات کی جواب دہی ہے جو اس کے اور شیرویہ کے مرنے کے چند سال بعد کسی نے لکھی ہے، لیکن میرے نزدیک اس بیان کی صداقت قابلِ اعتماد ہے کیونکہ یہ بات ذرا مشکل سے سمجھ میں آتی ہے کہ ایسی حالت میں کہ جب کسی معزول بادشاہ کے خلاف ایسی قانونی کارروائی کی مثال پہلے موجود نہ تھی تو معاصر مصنّفوں نے محض اپنے تخیّل سے اس کو کیونکر گھڑ لیا،

عرب مؤرّخین کی روایت کی رو سے خسرو کو شیرویہ کی اجازت سے مہر ہرمزد نے قتل کیا جس کا نام گوئڈی کی گمنام تصنیف میں نیو ہرمزد لکھا ہے، شیرویہ نے سمطا اور دوسرے امراء کی تحریک سے اپنے بھائیوں کو بھی مروا دیا جو تعداد میں سترہ تھے، با ایں ہمہ مشرقی مصنّفین جن کی روایت کسی پہلوی کتاب سے مأخوذ ہے گوئڈی کی گمنام تصنیف کے ساتھ اس بات کو بیان کرتے ہیں متفق ہیں کہ شیرویہ نے باپ کو مروا کر اپنی پشیمانی اور ندامت کا

[1] ترجمہ طبری، ص ۳۶۳، ح ۱،

اظہار کیا، یہ واقعات ۶۲۸ء میں پیش آئے،

ایک دلچسپ اطلاع ہم کو دو مختلف ماخذوں میں ملتی ہے جو ایک دوسرے سے بالکل بے تعلق ہیں یعنی ایک تو طبری میں[1] اور دوسرے گوئیڈی کی گمنام تصنیف میں[2]، وہ یہ کہ شیرویہ نے اپنے باپ کی لاش کو شاہی مقبرے میں بھجوا دیا (بقول تصنیفِ گمنام دفن کرا دیا)، دوسرے لفظوں میں یہ کہ شاہ متوفّی کی لاش کو اُس خاص دخمے پر رکھوایا گیا جو خاندان شاہی کے لیے مخصوص تھا، یا (بقول تصنیف گمنام) یہ کہ اس کو ایک خاص مقبرے میں رکھوا دیا گیا،[3]

جاہ طلب شمطا پر بعد میں یہ الزام لگایا گیا کہ وہ تخت و تاج کا آرزومند ہے لہذا شیرویہ نے اس کا دایاں ہاتھ کٹوا کر اسے قید خانے میں بھجوا دیا،[4]

[1] ص ۱۰۶۰، [2] ترجمہ از نولڈکہ، ص ۳۰،

[3] مقابلہ کرو پہلوی کتاب "اندرزِ خسروِ کواتان" کا متن (طبع جاماسپ اسانا، متونِ پہلوی، ج ۲، ص ۵۵، س ۳ - ۵) جہاں خسرو اپنے بستر مرگ پر وصیت کرتا ہے کہ "جب میری روح جسد خاکی سے پرواز کر جائے تو میرے اس بستر کو اٹھا کر اصفہان لے جانا اور مجھے اصفہان میں رکھ دینا"۔ پہلوی اور فارسی مصدر نہادن دفن کرنے کے معنوں میں بھی آتا ہے چنانچہ فردوسی نے شاہنامے میں پہلوانوں کی تجہیز و تکفین کے ذکر میں اس کو انھی معنوں میں استعمال کیا ہے، خسرو اوّل مرتے وقت اپنے "مقبرے" کے متعلّق مفصّل ہدایتیں دیتا ہے جو اس کا آخری مسکن ہوگا، (شاہنامہ، طبع مول، ج ۶، ص ۵۴۰)، ساسانیوں کے زمانے میں لاشوں کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں ابھی بہت سی باتیں غیر معلوم ہیں جن کی حقیقت کا کھلنا ہمارے لیے موجبِ حیرت ہوگا،

[4] تصنیف گمنام (طبع گوئیڈی)، ترجمہ از نولڈکہ، ص ۳۰،

باب دہم

سقوطِ سلطنت

عہد کواذ دوم (شیرویہ)، اردشیر سوم، شہرواز، خسرو سوم، بوران، آزرمیدخت، ہرمزد پنجم، خسرو چہارم، پیروز دوم، فرّخ زاذ خسرو، - یزدگرد سوم آخرین شاہانِ ساسانی - سلطنت کی بدنظمی - چھوٹے چھوٹے بادشاہ - سپاہ بذ روستہم - عربوں کا حملہ - قادسیہ کی لڑائی - "درفش کاوگ" - فتح طیسفون - عربوں کی دوسری فتوحات - یزدگرد سوم کا فرار اور مرو میں اس کی وفات - اس کی اولاد - ایران عربوں کے زیر حکومت -،

خسرو دوم اپنے عیوب اور اپنی برائیوں کے باوجود ایک طاقتور بادشاہ تھا، اس نے اپنے طویل عہد حکومت میں امراء کی جاہ طلبی کو قابو میں رکھا لیکن اس کی اپنی زرپرستی اور رعایا سے استحصال بالجبر اور لڑائیوں کی وجہ سے ملک میں ناداری ہوگئی، بالخصوص اس کے عہد کے آخری سالوں میں جنگ کی بدولت جو مصیبتیں نازل ہوئیں ان سے سلطنت کو مہلک صدمہ

پہنچا، خسرو کی وفات سے امراء کی حرص و ہوا کا ایک طوفان برپا ہوگیا اور شاہی خاندان کی طاقت یکے بعد دیگرے بہت سے جانشینوں کی عارضی اور چند روزہ حکومت کی وجہ سے برباد ہوگئی،

کواذ دوم شیرویہ تقریباً چھ مہینے کی حکومت کے بعد مرگیا، بعض کہتے ہیں کہ اس کو زہر دیا گیا اور بعض کا بیان یہ ہے کہ وہ ہولناک اور عالمگیر وبا کا شکار ہوا جس نے بیشمار جانوں کا نقصان کیا[1]،

شیرویہ کے بعد اس کے بیٹے اردشیر سوم کو تخت پر بٹھایا گیا جو ابھی بالکل خرد سال بچہ تھا، ماہ آذر گشنسپ خوانسالار جو اس وقت امراء میں سر برآوردہ تھا اس کا اتالیق مقرر ہوا اور وہی نائب السلطنت بھی تھا، فرخان شہر وراز جو خسرو کا نامور سپہ سالار تھا نہیں چاہتا تھا کہ اپنے برابر کے ایک امیر کا مطیع ہو کر رہے، اُس نے قیصر ہرقل کے ساتھ سازباز کی اور اپنی فوج لے کر طیسفون کی طرف بڑھا، وہاں دو امیر اور اس کے ساتھ مل گئے ایک نیوخسرو جو بادشاہ کے باڈی گارڈ کا افسر تھا اور دوسرے نامدار گشنسپ جو نیمروز کا سپاہ بذ تھا، شہر وراز فوج لے کر شہر میں داخل ہوا اور خرد سال بادشاہ کو جس نے ابھی صرف ڈیڑھ برس حکومت کی تھی قتل کر دیا، وہ اگرچہ شاہی نسل سے نہ تھا تاہم بہرام چوبین اور وستہم کی مثال کو پیش نظر رکھ کر خود بادشاہ

---

[1] تھیوفانیس نے لکھا ہے کہ شیرویہ کو شیرین نے زہر دیا، ابن بطریق اور ابن قتیبہ کی روایت ہے کہ وہ وبا میں مرا، فردوسی اور ثعالبی نے ایک افسانہ بیان کیا ہے جس کی رو سے شیرین نے خودکشی کی ہے اور شیرویہ کو زہر دیا گیا ہے،

بن بیٹھا ، اس نے شمطا کو قید سے نکلوا کر ایک گرجا کے سامنے جو اس عیسائی رئیس کی جاگیر کے قریب واقع تھا سولی پر چڑھا دیا کیونکہ اس نے ایک مرتبہ اس کی بیٹی کی اہانت کی تھی[1] لیکن شہرِوراز اور اس کے حمایتیوں کے برخلاف ایک پارٹی قائم ہوگئی جس کے بڑے بڑے لیڈروں میں ایک نو ماہیار (اندرزبذِ اسواران) تھا ایک زاذان فرخ تھا جو امراء میں سربرآوردہ تھا اور ایک پُس فرخ تھا جو اصطخر کا ایک نوجوان امیرزادہ تھا ، ان لوگوں نے خفیہ سازش کی اور غاصب (شہرِوراز) کو پُس فرخ اور اُس کے دو بھائیوں نے قتل کر دیا ، یہ تینوں بھائی شاہی گارڈ کے ملازم تھے[2]

اس کے بعد خسروِ سوم کو (جو خسروِ دوم کے بھائی کواذ کا بیٹا تھا) سلطنت کے مشرقی حصّے میں بادشاہ تسلیم کیا گیا لیکن اس کو تھوڑے ہی عرصے کے بعد خراسان کے گورنر نے قتل کر دیا[3] طیسفون میں تاجِ شاہی بوران کے سر پر رکھا گیا جو خسرو دوم کی بیٹی تھی ، پُس فرخ نے شاہی خاندان کی جو خدمات انجام دی تھیں ان کے عوض میں بوران نے اسے اپنا وزیر بنا لیا ، روم کے ساتھ ایک قطعی مصالحت اختیار کرنے کے بعد اُس نے انتقال کیا ، اُس کی مدّتِ حکومت تقریباً ایک سال اور چار ماہ تھی[4] روم کے ساتھ مصالحت سے پہلے ہی ایرانیوں نے صلیبِ مقدّس کو واپس

---

[1] تاریخ گمنام طبع گویڈی ، ترجمہ نولڈکہ ، ص ۳۱ ، [2] یہ طبری کا بیان ہے (ص ۱۰۶۲) جو سب سے زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے ، دوسرے مآخذ میں شہرِوراز کے قاتل کے مختلف نام دیے گئے ہیں ، [3] دیکھو نولڈکہ ، ترجمہ طبری ، ص ۳۹۰ ، ح ۱ ، [4] تاریخ گمنام (ص ۳۳) کا بیان ہے کہ اُسے پھانسی دی گئی ،

کر دیا تھا جسے وہ بیت المقدس (اورشلیم) کی فتح کے بعد اُٹھا لائے تھے[1]، اس کی خوشی میں اورشلیم میں جو باضابطہ جشن منایا گیا اس کی تاریخ ۶۲۹ء ہے[2]،

غالباً اسی زمانے میں ایک بادشاہ مسمّٰی پیروز (دوم) کا نہایت مختصر عہدِ حکومت آتا ہے، اس کے بعد بوران کی بہن آزرمیدخت کو طیسفون میں تاج پہنایا گیا جس نے صرف چند مہینے حکومت کی، بقول طبری[3] ایک سپاہ بذ جس کا نام فرّخ ہرمزد تھا[4] سلطنت کا دعویدار ہوا اور ملکہ سے شادی کی درخواست کی، چونکہ وہ علانیہ اس کی مخالفت نہیں کر سکتی تھی لہٰذا اس نے کسی حیلے سے اُسے قتل کرا دیا، اس کے بعد فرّخ ہرمزد کا بیٹا روستہم[5] فوج لے کر آیا اور پایۂ تخت پر قبضہ کر کے ملکہ کو تخت سے اتار دیا اور اُسے اندھا کر دیا، اس کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہیں،

اسی زمانے کے قریب (۶۳۰ء اور ۶۳۲ء کے درمیان) ہرمزد پنجم اور خسرو چہارم تخت نشین ہوئے جن کے ناموں کے سوا اور کوئی بات معلوم نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حکومت کو سلطنت کے خاص خاص حصّوں میں تسلیم کیا گیا تھا، فرّخ زاذ خسرو[6] جو خسرو دوم کی اولاد

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۶۰۲، [2] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۳۹۲، ح ۱، [3] ص ۱۰۶۵،
[4] بقول مؤرّخ سیبئوس وہ آذربائجان کا سپاہ بذ تھا (مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۱۱۲) اور بقول طبری خراسان کا، [5] اس کا نام وہی ہے جو سیستان کے افسانوی ہیرو (رستم) کا ہے، سریانی ماٰخذ میں پہلے ہی سے اس کا نام رستم لکھا ہے جو شکل کہ عربی اور فارسی روایات کے ذریعے سے ہم تک پہنچی ہے، (تصنیف گمنام طبع گویڈی، ترجمہ از نولڈکہ، ص ۳۳، ح ۴)،
[6] یا خورّہ زاذ خسرو، فرّخو یا فرّخ صفتِ مشبّہ ہے جو فرّ سے بنائی گئی ہے اور وہ لفظ خورّ (بمعنی شوکت وجلال) کی عامیانہ شکل ہے

سکهٔ یزدگرد سوم

یں سے تھا طیسفون پر قابض ہوگیا،

تقریباً چار سال کے عرصے میں ایران پر کم از کم دس شاہانشاہ حکمران ہوئے، بالآخر خسرو دوم کی اولاد میں لوگوں نے ایک نوجوان شاہزادہ یزدگرد پسر شہریار ڈھونڈ نکالا جو اصطخر میں کہ ساسانیوں کا اصلی وطن تھا خفیہ طور پر زندگی بسر کر رہا تھا، اصطخر کے امراء نے اس کو بادشاہ بنایا اور وہاں کے ایک آتشکدے میں جو آتشکدۂ اردشیر[1] کہلاتا تھا اس کو تاج پہنایا، اس کے حمایتی اس کو لے کر طیسفون آئے اور سپاہ بذ روستہم کی مدد سے جس کا ابھی ذکر ہؤا شہر پر قبضہ کر کے فرّخ زاذ خسرو کو قتل کر دیا، اس طرح یزدگرد سوم کے زیر فرمان آخری بار سلطنت ساسانی متحد ہوئی، اس عہد کے سب سے طاقتور امراء میں روستہم اور اس کا بھائی فرّخ زاذ[2] تھے، فرّخ زاد مہتمم دربار تھا جس کو دریگ بذ کہتے تھے[3]، ایک اور با اقتدار امیر زادویہ تھا جو خدّام شاہی کا افسر تھا اس سے پہلے وہ فرّخ زاذ خسرو کا سرپرست تھا[4]،

حالات کی یہ صورت تھی جبکہ صحرائے عرب کے بادیہ نشین جن کے سینوں میں اسلام کی تعلیم کا جوش بھرا تھا اور جن کو خلیفہ عمرؓ جیسے بے مثال مدبّر نے سلکِ تنظیم میں منسلک کیا تھا بے پناہ جانبازی کے ساتھ ایران پر حملہ آور ہوئے، تھوڑی سی مدت میں ان جوشیلے حملہ آوروں نے ایک زبردست سلطنت کو (جیسی کہ ساسانیوں کی تھی) جس کا فوجی نظام کامل تھا نابود کر دیا، اس سے

---

[1] طبری، ص ۱۰۶۷، مقابلہ کرو اوپر، ص ۱۱۴، [2] یا خورہ زاذ،
[3] مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۱۱۲، [4] طبری، ص ۱۰۶۶ ببعد،

ہمیں اندازہ ہو سکتا ہے کہ خسرو دوم کے مرنے کے بعد جو شورشیں برپا ہوئیں اُنھوں نے ملک کی حالت کس قدر خستہ کر دی ہوگی، ارتقائے مُلکی کا میلان روز بروز فوجی تسلط کی طرف ہوتا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر سپاہ بذ یا گورنر اپنے صوبے کو جو اس کے زیر فرمان تھا قدیم زمانے کی طرح اپنی موروثی جاگیر سمجھنے لگا اور یہ بالخصوص اُس وقت ہوا جبکہ شاہی خاندان کا زوال مکمل ہو چکا تھا، ایسے سپہ سالاروں کی مثالیں جنھوں نے سلطنت کو غصب کرنے کی کوششیں کیں دن بدن زیادہ ہوتی گئیں، سپاہ بذ فرّخ ہرمزد نے ملکہ آزرمیدخت سے شادی کر کے تختِ سلطنت کو حاصل کرنا چاہا، اگرچہ اس جاہ طلبی میں اس کو اپنی جان دینی پڑی تاہم اس کے بیٹے روستہم نے اس کا بدلہ لیا، ان دونو سپاہ بذوں کو (جن میں ایک باپ اور دوسرا بیٹا تھا) ارمنی مؤرخوں نے آذر بائجان کے شاہزادے (اِشخان[1]) لکھا ہے،

سپاہ بذوں اور گورنروں کا یہ تسلط دورِ ساسانی میں ارتقائے مُلکی کی آخری منزل تھی، لیکن اس نئی جاگیرداری کو عربوں کے حملے سے پہلے مستحکم ہونے کے لیے کافی وقت نہ مل سکا، با ایں ہمہ مرو، مرورود، سرخس اور کہستان کے مرزبان اس زمانے میں تقریباً خود مختار ہو چکے تھے[2]،

پیروز اوّل ہی کے زمانے سے مرورود کے مشرق کی طرف کا تمام علاقہ سلطنتِ ایران سے خارج ہو چکا تھا، ہرات بھی ساسانیوں کے ماتحت نہیں رہا

---

[1] اس لقب کے متعلق دیکھو ہین ونشت (رسالہ تبصرۂ مطالعات ارمنی. ج ۹، ص ۸)

[2] فان فلوٹن: "تسلطِ عرب پر تحقیقات" (بزبان فرانسیسی) ص ۱۹،

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

تھا، مسلمانوں کے حملے کے وقت ساحل بحر خزر کے تمام صوبوں کے سرداروں نے شاہِ دیلم کی اطاعت اختیار کر لی تھی جس کا نام مُوتا یا مُورتا تھا۔[1] ایران کی شمالی اور مشرقی سرحد کے جو علاقے تھے اُن پر کئی چھوٹے چھوٹے بادشاہ حکمران تھے جن کے خاص خاص القاب تھے، ان میں سے جو ریاستیں زیادہ اہم تھیں ان کے نام اور ان کے حکمرانوں کے القاب حسب ذیل ہیں[2]:-

ریاست کا نام	حکمران کا لقب
نسا	وَراز
ابیورد	وَہمَن
خوارزم	خسرو خوارزم
بخارا	بوخار خُوذَوْ
وَرْدان	وردان شاہ
سمرقند	طَرخان
اُسروشنہ	افشین
سُغد	اِخشید
فرغانہ	اِخشیذ

[1] منورسکی: "تسلّطِ دیلمیان" (سلسلۂ مطبوعات انجمن مطالعات ایرانی، نمبر ۲)، ص ۴،

[2] اس اطلاع کا سب سے بڑا مأخذ ابن خرداذبہ ہے (ص ۳۹ - ۴۰)، نیز دیکھو خان فلوٹن، کتاب مذکور،

ریاست کا نام	حکمران کا لقب
خُتّل	خُتّلان شاہ (یا شیر خُتّلان)
تِرمذ	تِرمذ شاہ
جُوزجان	گوزگان خوذای
رُوب	رُوب خان
تالکان (طالقان)	شہرگ
ہرات	وَرازان
غرچستان	وراز بندگ
سیستان	رُوتبیل
کابل	کاوُل شاہ [1]
بلخ کے مشرق کی طرف طخارستان میں جو فرمانروا حکومت کرتا تھا اس	

[1] ان میں سے کئی القاب پہلوی لفظ شاہ کے ساتھ مرکب ہیں، اخشید ایک ایرانی لفظ کی سُغدی شکل ہے جو اوستا میں بہ شکل کھشیئت آیا ہے اور جس کے معنی بالعموم درخشاں یا چمکدار سمجھے جاتے ہیں، لیکن آنڈریاس نے اس کو مادہ کھشای سے مشتق بتلایا ہے اور اس کا ترجمہ "متسلّط" یا "حکمران" کیا ہے (خورشید بمعنی سورج بادشاہ — دیکھو پہلوی مانیکائیکا، ص ۱۵ ح ۶). دوسرے القاب پہلوی لفظ خوذای یا سغدی خوذو کے ساتھ مرکب ہیں جس کے معنی حاکم اور بادشاہ کے ہیں، شیر اور شہرگ بھی مادہ کھشای سے مشتق ہیں (مقابلہ کرو اوستا میں لفظ کھشتر بمعنی سلطنت، کھشتریا بمعنی بادشاہ، وراز (جس سے ورازان اور وراز بندگ کے القاب بنے ہیں) پہلوی میں "جنگلی سؤر" کے معنوں میں آتا ہے، مقابلہ کرو لقب شہرِ وراز جس کا اوپر ذکر آچکا ہے :

کا لقب یبغو[1] تھا جس کے ماتحت ایک امیر ملقّب بہ شاذ[2] حکمران تھا، "نیزک طرخان" والیِ بادغیس کا لقب تھا جو شاذ کو اپنا ولی نعمت تسلیم کرتا تھا،[3]

روستہم جو اس وقت ایران کا نائب السلطنت بن گیا تھا غیر معمولی قوّت کا آدمی تھا، تدبیرِ سیاست اور فنِّ سپہ سالاری کا بھی ماہر تھا، عربوں کی طرف سے سلطنت کو جو خطرہ درپیش تھا اس کو وہ پورے طور پر سمجھتا تھا اس لیے اس نے تمام فوجوں کی سپہ سالاری کو اپنے ہاتھ میں لیا اور نئے دشمن کو روکنے کی سرگرم کوشش شروع کی، پایہ تخت کے گرد اس نے بہت بڑی تعداد میں لشکر جمع کیا لیکن حضرت عمرؓ نے سبقت کی اور ۶۳۶ء میں عربوں کی فوج حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے ماتحت قادسیہ کے میدان میں (جو حیرہ کے قریب تھا) ایرانیوں کے مقابلے پر آئی، تین دن تک لڑائی ہوتی رہی جو ایرانیوں کی شکست پر منتہی ہوئی، روستہم بذاتِ خود ایک شامیانے کے نیچے بیٹھ کر ایرانی فوج کی کمان کرتا رہا اور اُس کے شامیانے کے آگے درفشِ کاویانی جو سلطنت ایران کا جھنڈا تھا لہراتا رہا، روستہم لڑائی میں مارا گیا اور جھنڈا جو شوکتِ ایران کا نشان تھا عربوں کے ہاتھ لگا،

اہل ایران اس جھنڈے کی ابتدا کو اپنی قدیم اساطیری تاریخ کے ساتھ وابستہ کرتے تھے، جس وقت کہ دنیا میں دہاگ (ضحّاک) کی ظالمانہ حکومت

---

[1] شاہانِ کوشان کا قدیم لقب تھا، [2] کھشائتیا (بمعنی شاہ) سے مشتق ہے، یا غالباً وہ اخشید کی ایک اور شکل ہے، [3] مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۶۹،

کے ہزار برس گزر گئے تو ایک آہنگر نے جس کا نام کاوگ (کاوہ) تھا اپنا چمڑے کا پیش بند ایک نیزے کے سرے پر باندھا اور اس جھنڈے کے ساتھ بغاوت کا اعلان کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ظالم (دہاگ) کو شکست ہوئی اور نوجوان شہزادہ فریدون جو قدیم شاہی خاندان سے تھا تخت نشین ہوا، اُس وقت سے یہ جھنڈا جو کاوگ کے پیش بند کا بنا ہوا تھا شاہانِ ایران کا جھنڈا قرار پایا اور اسی آہنگر کے نام پر اس کا نام "درفش کاویانی" رکھا گیا[1]، اس مشہور و معروف جھنڈے کا وصف (جس حالت میں کہ وہ فاتحین قادسیہ کے ہاتھ لگا) بہت سے عربی اور فارسی مصنّفوں نے کیا ہے، بقول طبری[2] یہ درفش جو چیتوں کی کھالوں کا بنا ہوا تھا آٹھ ہاتھ چوڑا اور بارہ ہاتھ لمبا تھا، بلعمی لکھتا ہے[3] کہ اہلِ ایران ہر اُس لڑائی میں جس میں یہ جھنڈا ہوتا تھا فتح پانے کے بعد آرائش کے لیے اس پر جواہرات جڑ دیتے تھے اور حقیقت میں وہ سارے کا سارا سونے اور چاندی اور جواہرات اور موتیوں سے بھرا ہوا تھا[4]، مسعودی نے بھی اس کا وہی وصف لکھا ہے[5] جو طبری نے لکھا

---

[1] میں نے ایک مضمون میں جو بزبانِ ڈنمارکی لکھا تھا اس افسانے کی جزئیات کو بغور ملاحظہ کیا تھا اس مضمون میں میں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس افسانے کا اوستا میں یا دوسری مذہبی کتابوں میں کوئی ذکر نہیں پایا جاتا لہٰذا وہ ساسانیوں کے زمانے میں پیدا ہوا ہے اور اس کے ساتھ بعض دوسرے قدیم افسانوں کے آثار شامل ہو گئے ہیں، وہ صرف "درفش کاویانی" کی تاویل کے لیے گھڑا گیا ہے جس کے صحیح معنے شاہی جھنڈے کے ہیں (کاویان کا ربط لفظ کوی کے ساتھ ہے جس کے معنی بزبانِ اوستا "بادشاہ" کے ہیں۔ دیکھو اوپر، ص ۲۵۹ ح ۳)، مجھ کو موسیو لیوی اور یوسٹی کی اس رائے کے ساتھ اتفاق نہیں ہے کہ "جنگ سکندر" کی مشہور پچی کاری میں جو جھنڈا دکھایا گیا ہے اور جو شاہانِ فارس کے بعض سکّوں پر بھی دیکھنے میں آرہا ہے وہ درفش کاویانی ہے، [2] ص ۲۱۷۵، [3] ترجمہ زوٹن برگ، ج ۳، ص ۳۹۵، [4] ایضاً، ج ۱، ص ۱۱۹، [5] مروج، ج ۴، ص ۲۰۰،

ہے صرف اتنی بات اس نے اور اضافہ کی ہے کہ وہ لمبے لمبے نیزوں پر باندھا گیا تھا جو ایک قبضے کے ذریعے سے باہم پیوستہ تھے، ایک اور جگہ اس نے یہ لکھا ہے[1] کہ جھنڈے پر یاقوت اور موتی اور دوسرے قیمتی پتھر جڑے تھے، بقول خوارزمی[2] یہ جھنڈا ریچھ کی کھال کا بنا ہُوا تھا، بعض اور مصنّف اس کو شیر ببر کی کھال کا بتلاتے ہیں، بادشاہوں کا عقیدہ تھا کہ وہ شگونِ سعادت ہے اور اس لیے وہ اس پر سونا اور جواہرات جڑتے تھے، ثعالبی نے بھی لکھا ہے[3] کہ بادشاہ اس جھنڈے کو فالِ دولت سمجھتے تھے اور زر و جواہرات کے ساتھ اس کی تزیین میں ایک دوسرے کے ساتھ رقابت کرتے تھے یہاں تک کہ وہ بمرورِ زمان ایک گوہرِ بے بہا اور شاہکارِ زمانہ اور اعجوبۂ روزگار بن گیا، لڑائیوں میں وہ اس کو فوج کے آگے رکھتے تھے اور سوائے سپہ سالارِ اعظم کے وہ کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا جاتا تھا، جب لڑائی فتحمندی کے ساتھ ختم ہو جاتی تھی تو وہ حاکمِ خزانہ کو سپرد کر دیا جاتا تھا جو خاص طور پر اُس کی نگہبانی پر مأمور تھا، مطہّر بن طاہر المقدسی نے لکھا ہے[4] کہ ابتدا میں یہ جھنڈا بکرے یا شیر کی کھال کا تھا لیکن بعد میں ایرانیوں نے اسے سونے اور دیبا کے کپڑے سے تیار کیا، فردوسی کے بیانات بھی تقریباً یہی ہیں[5] چنانچہ وہ کہتا ہے :-

---

[1] ایضاً، ص ۲۲۴، [2] مفاتیح العلوم، ص ۱۱۵،

[3] ص ۳۸ ببعد،

[4] طبع ہیوآر، ص ۱۳۲،

[5] شاہنامہ طبع فولرس، ج ۱، ص ۴۸، ج ۲، ص ۷۶۲ وغیرہ،

(۱) بیاراست آنرا بدیبای روم | زگوهر برو پیکر از زرّ بوم
بزد بر سر خویش چون گرد ماه | یکی فال فرّخ پی افگند شاه
فروهشت زو سرخ و زرد و بنفش | همی خواندش کاویانی درفش
ازان پس هر آنکس که بگرفت گاه | بشاهی بسر بر نهادی کلاه
بران بی بها چرم آهنگران | برآویختی نو بنو گوهران
ز دیبای پر مایه و پرنیان | بران گونه گشت اختر کاویان
که اندر شب تیره خورشید بود | جهانرا ازو دل پرامّید بود
(۲) همان طوس با کاویانی درفش | همی رفت باکوس و زرّینه کفش
بیاورد و پیش جهانجوی برد | زمین را ببوسید و او را سپرد
بدو گفت کین کوس و زرّینه کفش | خجسته همین کاویانی درفش
ز لشکر ببین تا سزاوار کیست | یکی پهلوان از در کار کیست
بدو ده که مارا ازین مایه بس | گنه کرده را عمر سرمایه بس

لڑائی کے دن پانچ موبد جن کو بادشاہ خود نامزد کرتا تھا اس جھنڈے کو لے کر فوج کے آگے آگے چلتے تھے ؎

همان پنج موبد از ایرانیان | برافراخته اختر کاویان

ابن خلدون لکھتا ہے کہ ایک طلسمی شکل جو علم نجوم کے خاص ہندسوں اور علامتوں پر مشتمل تھی درفش کے اوپر کاڑھ کر بنائی گئی تھی،

مسعودی کا بیان ہے[1] کہ قادسیہ کی لڑائی میں یہ جھنڈا ایک عرب

---

[1] مروج، ج ۴، ص ۲۲۴،

کے ہاتھ لگا جس کا نام ضرار بن الخطّاب تھا، اس نے اس کو تیس ہزار دینار میں فروخت کر دیا حالانکہ اس کی قیمت بارہ لاکھ دینار سے کم نہ تھی (اپنی دوسری تصنیف کتاب التنبیہ میں اُس نے بیس لاکھ دینار بتلائی ہے[1]) برخلاف اس کے ثعالبی نے لکھا ہے[2] کہ سعدؓ بن ابی وقّاص نے "اس کو یزدگرد کے دوسرے جواہرات اور خزانوں کے ساتھ جو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو نصیب کیے تھے شامل کر دیا اور اس قسم کی قیمتی چیزوں جیساکہ مرصّع تاج اور کمر بند اور طوق وغیرہ کے ساتھ امیرالمومنین عمرؓ بن الخطّاب کی خدمت میں بھیج دیا، اُنھوں نے حکم دیا کہ اس کو نیزے سے اُتار کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔"

اس فتح عظیم کے بعد مسلمانوں کا حیرہ پر قبضہ ہوگیا، اس کے بعد وہ طیسفون کی طرف بڑھے، ۳۷ھ میں دو مہینے کے محاصرے کے بعد دیہ اردشیر فتح ہوگیا، وہاں کے فاقہ زدہ لوگ طیسفون چلے گئے جو دریائے دجلہ کے بائیں کنارے پر تھا، یزدگرد وہاں سے اپنے دربار سمیت[3] بھاگ نکلا اور "اپنے ہمراہ ایک ہزار باورچی، ایک ہزار گویّے، ایک ہزار چیتوں کے محافظ، ایک ہزار باز دار اور بہت سے دوسرے لوگ لیتا گیا اور یہ تعداد اس کے نزدیک ابھی کم تھی[4]۔" پہلے وہ حلوان کی طرف گیا پھر جب عربوں نے اس کا تعاقب کیا تو وہ میڈیا میں اور آگے کی طرف کو نکل گیا، طیسفون کے بہت سے باشندے اپنی جان

[1] ص ۸۶، [2] ص ۳۹، [3] مروج، ج ۴، ص ۲۲۴، [4] ثعالبی، ص ۷۴۲،

بچانے کے لیے سب مال و اسباب چھوڑ کر بھاگ گئے ،

بہار کا موسم تھا اور دریا چڑھاؤ پر تھا ، ایرانیوں نے پُلوں کو کاٹ دیا اور کشتیوں کو مغربی کنارے سے دور لے گئے ، لیکن عربوں کو ایک گزرگاہ مل گئی اور وہ گھوڑوں پر بیٹھ کر دریا کو عبور کر کے مشرقی کنارے پر پہنچ گئے ، ایرانی گارد کے سپاہی سب تہ تیغ ہوئے اور باقی تمام شاہی فوجیں بھاگ کھڑی ہوئیں ، سعدؓ بن ابی وقاص فتحمندی کے ساتھ ایران پایہ تخت میں وارد ہوئے اور طاق کسریٰ کے بالمقابل خیمہ زن ہو کر شاہی محل میں داخل ہوئے ، وہاں ان کو وہ تمام خزانے دستیاب ہوئے جن کو شاہنشاہ اپنے ساتھ نہیں لیجا سکا تھا ، بہت سے سربمہر ٹوکرے وہاں پائے گئے جن میں ہر قسم کی سونے اور چاندی کی چیزیں تھیں ، ان کے علاوہ بیش بہا لباس ، جواہرات ، ہتھیار ، قالین ، قیمتی ادویات اور نفیس عطریات تھیں ، عربوں کی ایک فوج نے نہروان کے پُل تک ایرانیوں کا تعاقب کیا جہاں اُنھوں نے بہت سے باربرداری کے جانور پکڑے جن پر خزانے اور بیش بہا شاہی ساز و سامان لدا ہوا تھا ، ایک اونٹ کی کمر پر ایک صندوق بندھا ہوا تھا جس میں منجملہ اور اشیا کے خسرو دوم کا تاج اور اس کی قبا تھی جو زربفت کی بنی ہوئی تھی اور اس پر موتی اور جواہرات ٹکے ہوئے تھے ، اس کے علاوہ زربفت کے اور بھی کپڑے تھے ، دوسرے صندوقوں میں خسرو دوم کی زرہ اور خود اور ساق پوش اور بازوبند تھے کہ تمام سونے کے بنے ہوئے تھے ، ان کے علاوہ خسرو کی

تلوار اور دوسری زرہیں اور تلواریں جو قیصر ہرقل ، خاقانِ اتراک ، ہندوستان کے راجہ داہر[۱] اور بہرام چوبین کے مالِ غنیمت میں ہاتھ لگی تھیں ، ہتھیاروں میں بہت سے ایسے تھے جو شاہ پیروز ، کواذ اوّل ، ہرمزد چہارم ، سیاوش اور نعمان (شاہ حیرہ) کے تھے ، خسرو اور نعمان کی تلواریں اور خسرو کا تاج حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا گیا جنھوں نے اُسے کعبے میں لٹکوا دیا[۲]۔ عجیب و غریب قالین "بہارِ خسرو"[۳] بھی مالِ غنیمت میں ہاتھ آیا ، اُسے بھی حضرت عمرؓ کی خدمت میں ارسال کیا گیا اور انھوں نے اسے ٹکڑے کروا کے صحابہؓ میں تقسیم کر دیا ، حضرت علیؓ کے حصے میں جو ٹکڑا آیا اُسے اُنھوں نے بیس ہزار درہم میں فروخت کیا ، مالِ غنیمت میں سے خلیفہ کے حصے کا ایک خمس نکال کر باقی جو بچا اسے سعدؓ کے لشکر کے ساٹھ ہزار سپاہیوں میں تقسیم کیا گیا جن میں سے ہر ایک کو بارہ بارہ ہزار درہم ملے[۴]۔

شاہنشاہ نے اپنی سلطنت کو بچانے کی آخری کوشش کی اور سلطنت کے ہر حصے سے لشکر جمع کیا ، ایک دیرینہ سال سپہ سالار کو جس کا نام پیروزان تھا لشکر کی قیادت پر مامور کیا ، ۶۴۲ء میں اس نے نہاوند کے مقام پر

---

[۱] غالباً وہ خسرو دوم کو ہندوستان کی کسی کامیاب مہم میں ملی ہوگی ، (دیکھو مارکوارٹ : ایرانشہر ، ص ۳۳) ، مارکوارٹ نے داہر کے نام کی صحت میں شبہ کا اظہار کیا ہے ،

[۲] نہایہ کا گمنام مصنف لکھتا ہے کہ "وہ اب تک وہاں آویزاں ہے" (براؤن ، ص ۲۵۷) اس کتاب کی قیاسی تاریخِ تصنیف کے متعلق دیکھو اوپر ، ص ۸۵ ،

[۳] دیکھو اوپر ، ص ۶۳۹ ،

[۴] طبری ، ص ۲۴۲۶ - ۲۴۵۲ ، بلعمی ، ج ۳ ، ص ۴۱۴ ببعد ،

عربوں کا مقابلہ کیا ، سخت خونریز لڑائی ہوئی لیکن انجام کار ایرانیوں کو شکست ہوئی ، پیروزان عربوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر مارا گیا ، اس کے بعد مسلمانوں کے لیے میڈیا پر حملہ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی کیونکہ شاہی لشکر کا تو وجود ہی باقی نہیں رہا تھا اور صوبوں کی حفاظت فقط مرزبانوں اور دوسرے مقامی امراء کے ذمّے تھی ، اگرچہ ان میں سے بعض نے بڑی جوانمردی کے ساتھ عربوں کا مقابلہ کیا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا ، اس کی ایک مثال ہرمزدان ہے[1] جو قادسیہ کے پسماندہ سرداروں میں سے تھا ، اس نے خوزستان میں دشمن کے حملوں کو روکنے میں بڑی دلیری دکھائی ، ہمدان اور رے فتح ہوئے اس کے بعد آذربائجان اور آرمینیہ پر قبضہ ہوا ، یزدگرد اصفہان چلا گیا جہاں وہ بہت سے واسپہروں کے درمیان رہ رہا تھا ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساسانیوں کے آخری زمانے میں اصفہان واسپہرانِ ایران کا مرکز بن گیا تھا اور واسپہران آمارکار (یعنی مستوفیِ خراجِ واسپہران) کا صدر مقام یہی تھا ، یزدگرد نے تین سَو آدمی جن میں سے ستّر امراء اور واسپہر تھے اصطخر روانہ کیے اور جب اصفہان پر عربوں کا قبضہ ہوگیا تو خود بھی اس نے وہاں جاکر پناہ لی ، بالآخر واسپہروں کو شوش بھیج دیا گیا جہاں انھوں نے عربی سپہ سالار ابوموسیٰ کی اطاعت قبول کرلی اور اسلام لے آئے[2] ، اس کے بعد اصطخر فتح ہوا اور پھر سارے فارس پر جو خاندان

[1] عربی اور فارسی مصنفوں نے اسے ہرمزان لکھا ہے ، ہرمزدان (بالدال بعد الزاء) گونڈی کی گمنام تصنیف میں ہے ، بلعمی اس کو "شاہِ اہواز" لکھتا ہے ،

[2] بلاذری ، ص ۳۷۳ ، طبری ، ص ۲۵۶۱ ، دیکھو مارکوارٹ : ایرانشہر ، ص ۲۹ ،

ساسانی کا اصلی وطن تھا مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا،

یزدگرد کو جو اب صرف نام ہی کا بادشاہ تھا پھر بھاگنا پڑا، طبرستان کے سپاہبذ نے اُسے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی، اگر وہ اُسے قبول کر لیتا تو شاید وہ اپنی طاقت کو وہاں کے پہاڑوں کی پناہ میں محفوظ رکھ سکتا چنانچہ وہاں کے سپاہبذوں نے ایک صدی سے زیادہ اپنی آزادی کو مسلمان فاتحین کے مقابلے پر قائم رکھا، لیکن اس نے پناہ لینے کے لیے پہلے سیستان اور پھر خراسان کو ترجیح دی اور اس بات کی ناکام کوشش کرتا رہا کہ مقامی حکمرانوں کو جو اب اپنے آپ کو آزاد سمجھ رہے تھے ہتھیار اُٹھانے پر آمادہ کرے، اس سے پہلے سنہ ۶۳۸ء میں وہ خاقانِ چین سے طالبِ امداد ہوا تھا، نیشاپور سے وہ طوس گیا، وہاں کا حاکم (کنارنگ) چونکہ اُسے پناہ دینا نہیں چاہتا تھا اس لیے اُس نے اس کو قیمتی تحفے دے کر ٹال دیا اور یہ کہہ دیا کہ طوس کا قلعہ اتنا فراخ نہیں ہے کہ اس کے تمام خدم و حشم اس میں سما سکیں[1]، جب اس نے کہیں سمائی نہ دیکھی تو ناچار مرو کا رخ کیا، روایت یہ ہے[2] کہ اس وقت اس کے ہمراہ چار ہزار آدمی تھے جن میں اس کے نوکر، باورچی، فرّاش، سائیس اور سیکرٹری تھے، ان کے علاوہ اس کی بیویاں، کنیزیں اور اس کے گھر کے بچے اور بوڑھے تھے لیکن سپاہی ایک بھی نہیں تھا اور اتنے بڑے کنبے کے خرچ کے لیے اُس بچارے کے پاس کچھ نہیں رہا تھا،

---

[1] ثعالبی، ص ۷۴۳، [2] بلعمی، ج ۳، ص ۵۰۷،

مرو کے مرزبان ماہویہ نے جو اس ناخواندہ مہمان سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا تھا نیزک طرخان کے ساتھ اتحاد کیا جو شاہ طخارستان (بیغو) کا باجگزار تھا[1]، نیزک نے یزدگرد کی گرفتاری کے لیے فوج بھیجی، بدنصیب بادشاہ خوف زدہ ہو کر رات کی تاریکی میں اکیلا شہر سے بھاگا، وہ اس وقت زربفت کی قبا پہنے ہوئے تھا، اندھیرے میں راستے سے بھٹک گیا اور تھک کر ایک پسنہارے کی جھونپڑی میں پناہ لی اور اس سے رات بسر کرنے کی اجازت مانگی، پسنہارے نے اُسے پہچانا تو نہیں لیکن اس کے بیش بہا لباس کو دیکھ کر[2] اس کے منہ میں پانی بھر آیا اور رات کو سوتے میں اُسے قتل کر دیا، ایک اور روایت یہ ہے کہ ماہویہ کے سواروں نے اُسے اس جھونپڑی میں سوتے ہوئے آن پکڑا اور قتل کر دیا[3]، ثعالبی کا بیان ہے[4] کہ حرمان نصیب بادشاہ کی لاش کو دریائے مرو میں پھینک دیا گیا اور پانی اسے ایک نہر کے دہانے تک جس کا نام رزیک تھا بہا کر لے گیا، وہاں پہنچ کر لاش ایک درخت کی شاخوں میں الجھ کر رہ گئی، عیسائیوں کے اسقف نے اُسے پہچانا اور ایک مُشک آلود طیلسان میں لپیٹ کر دفن کرا دیا، یہ واقعہ ۶۵۱ء یا ۶۵۲ء کا ہے،

یزدگرد کے اہل و عیال کا انجام کسی کو معلوم نہیں، مسعودی نے اس

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۶۷۷، [2] اُس کتاب کی رو سے جس میں شاہان ساسانی کی تصویریں بنائی گئی تھیں، یزدگرد کی شبیہ کو یوں بیان کیا گیا ہے: "اس کا مخصوص رنگ سبز ہے، اس کی شلوار آسمانی رنگ کی اور تاج سرخ ہے، اس کے ایک ہاتھ میں نیزہ ہے اور دوسرا ہاتھ تلوار پر ٹیکا ہوا ہے" (کتاب التنبیہ للمسعودی، ص ۱۰۶ ببعد) [3] بلاذری نے مختلف روایتیں بیان کی ہیں، ص ۳۱۵ ببعد، طبری ص ۲۸۷۹ ببعد [4] ص ۷۴۷ - ۷۴۸،

کی اولاد کو یوں شمار کیا ہے[1]: دو لڑکے بہرام اور پیروز اور تین لڑکیاں ادرگ (؟)، شہربانو[2] اور مرداوند (؟)، پیروز نے چین جا کر کوشش کی کہ اگر ہو سکے تو چینی فوجوں کی مدد سے ایران کو دوبارہ فتح کرے اور خاقانِ چین کے تابع فرمان ہو کر رہے لیکن وہ اسی کوشش میں سنہ ۶۷۲ء میں وہیں مر گیا ہے[3] شہزادی شہربانو ایک شیعی روایت کی رو سے جو غالباً مستند نہیں ہے امام حسینؑ کے عقد میں آئی، در اصل اس روایت کا مقصد یہ ہے کہ امام حسینؑ کی اولاد کو قدیم شاہان ایران کی جلالتِ مقدسہ (خورَنہ یا فرّۂ ایزدی) کا جائز وارث قرار دیا جائے، مسعودی کا بیان ہے کہ "یزدگرد کی اولاد مرو میں مقیم ہو گئی لیکن شاہانِ ایران اور طبقاتِ چہارگانہ[4] کے اکثر اخلاف اب تک سواد میں رہتے ہیں اور اپنے نسب کو اسی اہتمام کے ساتھ لکھ کر محفوظ رکھتے ہیں جس طرح کہ قحطان اور نزار کے عرب کرتے ہیں[5]" سنہ ۷۲۸ء / ۷۲۹ میں ایک شخص مسمّی خسرو نے جو یزدگرد سوم کی اولاد سے تھا ترکوں کے ساتھ مل کر اپنا آبائی ملک واپس لینے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا[6]،

---

[1] مروج، ج ۲، ص ۲۴۱،

[2] قلمی نسخوں میں اس نام کو بہت بگاڑا گیا ہے،

[3] مارکوارٹ: ایرانشہر، ۶۸ تا ۱۳۳،

[4] یعنی ایرانی سوسائٹی کے چار طبقے،

[5] مروج، ج ۲، ص ۲۴۱،

[6] مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۶۹،

ایرانیوں کے ہاں تاریخ نویسی میں یہ دستور تھا کہ ہر بادشاہ کے عہد کے واقعات کی تاریخ اس کے سالِ جلوس کے وقت سے شمار کر کے لکھتے تھے، چونکہ یزدگرد سوم کے بعد ایران کا کوئی بادشاہ نہیں ہوا لہذا زرتشتیوں نے اس کے جلوس کے وقت سے اب تک سالوں کا شمار جاری رکھا ہے جس کا نام تقویم یزدگردی ہے،

خاتمہ

ایرانی دنیا جس کے محاسن و معایب کا نقشہ بعض مغربی مصنفوں مثلاً
امیان مارسلینوس اور پروکوپیوس نے کھینچا ہے ہمیں نمایاں طور پر صرف
امراء کی سوسائٹی نظر آ رہی ہے، یہ فقط سوسائٹی کے اعلیٰ طبقے تھے
جنھوں نے ملت ایرانی پر اپنا خاص نقش ثبت کر رکھا تھا،

اہل ایران کی جو پُر جوش توصیف امیان نے لکھی ہے وہ باوجود بعض
غلط بیانیوں کے قابلِ اعتماد ہے، ہم نے اس کی بہت سی عبارتیں جا بجا
نقل کی ہیں، درحقیقت اس نے صرف طبقۂ امراء کا نقشہ کھینچا ہے،
وہ لکھتا ہے کہ ایرانی عموماً بدن کے چھریرے اور رنگ کے سانولے
ہوتے ہیں، اُن کی نگاہیں تند اور بھویں گول نیم دائرے کی شکل کی ہوتی
ہیں جن کے سرے ایک خوشنما ڈاڑھی اور گھنے لمبے بالوں کے ساتھ پیوستہ
ہوتے ہیں، وہ اس درجہ محتاط اور بدگمان ہوتے ہیں کہ یقین کرنا مشکل
ہے، جب وہ دشمن کے ملک میں باغوں اور تاکستانوں میں سے گزرتے
ہیں تو زہر اور جادو کے خوف سے کسی پھل کو ہاتھ نہیں لگاتے، وہ خلافِ
ادب کوئی کام نہیں کرتے، . . . . . باوجود اس کے کہ ان کی اوپر کی
قبائیں سامنے کی جانب اور دائیں اور بائیں طرف چاک ہوتے ہیں اور

ہوا کے چلنے سے اُڑتے رہتے ہیں تاہم ان کے جسم کا کوئی حصّہ کھُلا ہوُا نظر نہیں آتا ، وہ سونے کے کڑے اور طوق پہنتے ہیں ، قیمتی جواہرات اور مروارید زیبِ بدن کرتے ہیں اور ہمیشہ تلوار حمائل کیے رہتے ہیں یہانتک کہ دعوتوں اور مجلسوں میں بھی اُسے علیحدہ نہیں کرتے ، وہ بیہودہ کلمات بکثرت استعمال کرتے ہیں اور بے معنی باتیں کرتے رہتے ہیں ، وہ شیخی باز اور تندخو ہیں اور خوشحالی اور بدحالی میں یکساں دہشت انگیز ہوتے ہیں ، حیلہ سازی غرور اور بے رحمی ان کی خصلت میں داخل ہے ، اُن کی چال میں خوشخرامی پائی جاتی ہے اور چلنے میں اس ناز سے قدم اُٹھاتے ہیں کہ دیکھنے والے کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ عورتیں ہیں حالانکہ وہ دنیا میں سب سے زیادہ بہادر اور جنگجو لوگ ہیں ، یہ صحیح ہے کہ ان کی حیلہ بازی ان کی شجاعت سے بڑھ کر ہے اور میدانِ جنگ میں بھی وہ صرف دور سے لڑنے میں ہیبتناک ہوتے ہیں لیکن فی الجملہ وہ دلیر اور جنگ کی تمام سختیاں سہنے کے عادی ہیں ، وہ اپنے آپ کو اپنی رعایا اور غلاموں کی زندگی اور موت کے مالک و مختار سمجھتے ہیں ، کسی نوکر کی یہ مجال نہیں کہ اُن کے سامنے کھڑے ہو کر یا دسترخوان پر کھانا کھلاتے وقت بات کرنے یا تھوکنے کے لیے منہ کھولے ، امتیان لکھتا ہے کہ اہل ایران اکثر عاشق مزاج ہوتے ہیں اور باوجود تعددِ ازدواج کے ان کی زندگی باعفت نہیں ہوتی ، . . . . . لیکن ساتھ ہی وہ ان کی اس بات کی تعریف کرتا ہے کہ کھانے پینے کی لذتوں سے وہ اپنے نفس کو باز رکھنے پر قادر ہیں ، وہ لکھتا ہے کہ سوائے بادشاہ کے کسی شخص

کے کھانے کا وقت معیّن نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص بھوک کے وقت جو مل جائے کھا لیتا ہے، اور وہ پُر خوری کے بھی عادی نہیں ہیں بلکہ فقط سیر ہونے پر قناعت کرتے ہیں، اس بیان میں ذرا زیادہ تعمیم سے کام لیا گیا ہے پھر بھی جب ہم قیاصرہ کے زمانے میں رومیوں کی شکم پروری کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں ایرانیوں کی کم خوری کو ماننا پڑتا ہے، لیکن امیان کے اس قول کو حرف بحرف صحیح نہیں ماننا چاہیے کہ ایرانی لوگ دھوم دھام کی مجلسوں سے اور شراب نوشی کی افراط سے اس طرح گریز کرتے ہیں جیسے کہ لوگ طاعون سے بھاگتے ہیں، اس روایت میں اُس نے یقیناً اہل ایران کے بیان سے دھوکا کھایا ہے جو اس کے راوی ہیں، اس کی تردید مشرقی اور مغربی مصنّفین کے بیشمار بیانات سے ہوتی ہے جن کو ہم نے اپنی کتاب میں کئی جگہ نقل کیا ہے، ذیل میں ہم ایک اور روایت بیان کرتے ہیں جس کو ہم نے محض اتفاقی طور پر انتخاب کیا ہے: ایک مرزبان نے یہ چاہا کہ عیسائیوں کو عیش و عشرت میں فریفتہ کر کے تبدیلِ مذہب پر آمادہ کرے چنانچہ وہ دعوتوں میں تکلفات کو ہر روز بڑھاتا گیا اور بزمِ عیش کی گھڑیوں میں اضافہ کرتا گیا، رات رات بھر شراب و سرود کی محفلیں گرم رکھتا اور بے حیائی کے ناچ کرواتا تاکہ کفّار کا رقص و سرود ان عیسائیوں کے لیے پسندیدہ ہو سکے[1]"

---

[1] ایلیزے، طبع لانگلوا، ج ۲، ص ۲۰۳،

چینی سیّاح ہیون سیانگ نے ایرانیوں کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا، وہ لکھتا ہے کہ "وہ بالطبع تندخو اور زود رنج ہوتے ہیں اور اپنے اطوار میں ادب اور انصاف کو ملحوظ نہیں رکھتے"۔[1]

خلاصہ یہ کہ امرائے ایران مصروفیت اور ہیجان کی زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے اوقات کو اسلحۂ جنگ اور شکار کی مشق میں اور لطیف عیّاشی میں برابر تقسیم کرتے تھے، دینِ زرتشتی کی طرف سے تو انھیں کسی قسم کی روک ٹوک نہیں تھی کیونکہ یہ مذہب زہد و رہبانیت کا سخت مخالف ہے لیکن کھلی ہوا میں اُن کے مردانہ مشغلے ان کی عیّاشی کے کمزور کرنے والے اثرات کو باطل کرتے رہتے تھے، ایرانیوں میں بیشک بہت سے عیوب بھی تھے لیکن ساتھ ہی ان میں ایک ایسی خوبی پائی جاتی تھی جو قدیم لوگوں میں بہت کم دیکھنے میں آتی ہے یعنی مہمان نوازی اور عالی حوصلگی، یہ خوبی ان میں تاریخ کے اوّلین زمانے سے دیکھنے میں آرہی ہے، بادشاہوں میں کورُش اس عالی حوصلگی کا بہترین نمونہ ہے، تاریخ میں کتنی مرتبہ جلاوطن یونانیوں نے اور مغلوب بادشاہوں نے ایرانیوں کی اس مہمان نوازی اور خاطرداری کا فائدہ اٹھایا ہے! ساسانیوں کی تاریخ میں بھی اس خصلت کے بہت سے نمونے موجود ہیں، بہرام پنجم نے ایک مرتبہ رومیوں کے نمایندے کو (جسے صلح کی بات چیت کے لیے بھیجا گیا تھا) دُور سے پیادہ پا آتے دیکھا جب

---

[1] بیل: بدھائی آثار، ج ۲، ص ۲۷۸،

اُس سے معلوم ہُوا کہ وہ دشمن کی فوج کا سپہ سالار اناطول ہے تو جلدی سے لَوٹ کر اپنے ہمراہیوں سمیت ایرانی علاقے میں واپس آگیا اور گھوڑے سے اُتر کر اناطول کا استقبال کیا اور صلح کے لیے جو شرائط رومیوں کی طرف سے اُس نے پیش کیں اُن کو اُس نے مان لیا[1]، خسرو اوّل نے نہایت خوشدلی کے ساتھ حکمائے نو افلاطونی کی حمایت اپنے ذمّے لی اور باوجودیکہ وہ اس کے دربار سے ناخوش ہو کر چلے گئے تھے پھر بھی اس نے قیصر کے ساتھ جو عہدنامہ کیا اس میں ان کے لیے یہ شرط لکھوائی کہ ان کو اپنے وطن واپس جانے کی آزادی دی جائے جہاں سے وہ جلاوطن کیے گئے تھے[2]، سیاوش کے جو حالات پروکوپیوس نے لکھے ہیں[3] ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایرانی نجابت کا ایک عمدہ نمونہ تھا، وہ مغرور، متکبّر اور جبّار تھا لیکن حد سے زیادہ راست باز اور انصاف پرست تھا، بہرام چوبین کی داستان میں[4] ذیل کی روایت منقول ہے جس میں اس عجیب و غریب آدمی کی شخصیت کو اُسی کیفیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جس طرح کہ وہ اس کے ہموطنوں کے دلوں پر منقوش تھی، بہرام اپنی چند روزہ بادشاہت کے بعد دورانِ فرار میں کسی دُور کے گاؤں میں جا پہنچا اور اپنے چند باوفا ساتھیوں کے ساتھ ایک غریب بڑھیا کے ہاں فروکش ہُوا، اس بچاری نے ان کے آگے ایک پرانی چھلنی میں جَو کی روٹیاں لاکر رکھیں، اس کے گھر میں کوئی پیالہ بھی نہ تھا

---

[1] پروکوپیوس، [2] دیکھو اوپر، ص ۵۷۵، [3] دیکھو اوپر، ص ۴۶۴ ببعد،
[4] ثعالبی، ص ۶۷۶ ببعد، فردوسی طبع مول، ج ۷، ص ۱۷۲ ببعد،

بہرام کے ساتھیوں میں سے ایک شخص کدو کا چھلکا ڈھونڈ کر لایا اور اس کو توڑ کر دو کیا، انھی پیالوں میں بڑھیا نے اُنھیں شراب ڈال کر دی، اُس نے اپنے مہمانوں کو تو نہیں پہچانا لیکن اُس کو معلوم تھا کہ بہرام شکست کھا کر بھاگا ہے، بہرام نے اس سے پُوچھا کہ تمہارے خیال میں بہرام کی بغاوت درست تھی یا غلط؟ بڑھیا نے کہا "بخدا بہرام نے سخت غلطی کی کہ اپنے آقا اور آقا کے بیٹے کے خلاف تلوار اٹھائی"۔ بہرام نے کہا کہ بس پھر دیکھ لو کہ اسی نمکحرامی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج وہ ایک پرانی چھلنی میں جَو کی روٹی کھا رہا ہے اور کدو کے چھلکے میں شراب پی رہا ہے، بڑھیا کو معلوم ہُوا کہ بہرام یہی ہے تو مارے خوف کے لرزنے لگی لیکن بہرام نے اُسے تسلّی دی اور کہنے لگا "ماں! تجھے ہرگز نہیں ڈرنا چاہیے، تو نے بالکل سچ کہا اور تو حق بجانب ہے"۔ تب اس نے اپنے کمربند سے چند دینار نکال کر اُسے دیے اور اپنا راستہ لیا،

باوجود اپنی تمام برائیوں کے سلطنتِ ساسانی ایک عالیشان عمارت تھی جس کا انہدام ایران اور مغربی ایشیا میں ازمنۂ قدیمہ کے اختتام اور قرونِ وسطیٰ کے آغاز کا مترادف تھا، عرب مصنّفین نے اپنی کتابوں میں جابجا ساسانیوں کی شاندار سلطنت کی (جو ان کے نزدیک مشرقی فنِ سیاست کا بہترین نمونہ تھی) اور اہلِ ایران کی جو اس سلطنت کے بانی تھے دل سے تعریف کی ہے، ابوالفداء لکھتا ہے[1] کہ "دنیا بھر میں یہ بات مسلّم

[1] طبع فلائشر، ص ۱۵۰،

ہے کہ شاہانِ ایران تمام بادشاہوں سے زیادہ طاقتور ہیں، عقل و تدبیر ان میں بدرجۂ کمال پائی جاتی ہے اور سلطنت کے حسنِ انتظام میں کوئی بادشاہ ان کے برابر نہیں مانا جا سکتا"۔ ایک اور کتاب میں[1] ایرانیوں کی تعریف بدیں الفاظ کی گئی ہے: "تمام دنیا کے لوگ اہل ایران کی افضلیت کو مانتے ہیں ان کی حکومت کے کمال کی تعریف کرتے ہیں اور ان کے فنّ جنگ کی عمدگی کے قائل ہیں، ان کی رنگ آمیزی کا مذاق، ان کی خوراک، ان کا طریقِ علاج، ان کا لباس، ولایات کا نظم و نسق، چیزوں سے رکھ رکھاؤ کا سلیقہ، فنّ ترسّل، طریقِ گفتگو، حسنِ تعقّل، اُن کی ورشکاری، شائستگی اور اپنے بادشاہوں کی تعظیم غرض ہر چیز میں ان کی برتری مسلّم ہے۔ ان کے بعد جو لوگ سلطنتوں پر حکومت کرینگے ان کے لیے ان کی تاریخ چراغِ ہدایت کا کام دیگی"۔

اہل ایران نے صدیوں تک ملِ اسلامیہ کی ذہنی رہنمائی کا فرض اپنے ذمّے قائم رکھا لیکن ان کی اخلاقی اور سیاسی قوّت سلطنت ساسانی کے خاتمے کے بعد کمزور ہو گئی، اس کمزوری کی وجہ (جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے) یہ نہیں تھی کہ اسلام میں اخلاق کا معیار زرتشتیت کی نسبت کسی طرح کمتر تھا بلکہ ان کے انحطاط کا ایک باعث یہ تھا کہ اسلام کی بدولت مُلک میں جمہوریت سرایت کر گئی[2] جس کی وجہ سے امراء کا طبقہ رفتہ رفتہ آبادی کے نچلے طبقوں

---

[1] مختصر عجایب و غرایب (؟)، ترجمہ کارا دو وو، ص ۱۲۸ - ۱۲۹،

[2] موسیو بارتولڈ نے مشاہدہ کیا ہے کہ بڑے بڑے شہروں کی روز افزوں اہمیت کی وجہ سے خود ساسانیوں ہی کے زمانے میں امرائے ایران کی طاقت کا انحطاط شروع ہو گیا تھا (دیکھو "مجلۂ اسیریالوجی" بزبان جرمن ج ۲۶، ص ۲۵۲ ببعد)، بدقسمتی سے ہمیں عہد ساسانی

بقیہ نوٹ بر صفحہ ۶۹۶

میں حل کر فنا ہوگیا اور اس کی امتیازی خصوصیتیں مٹ گئیں، مغربی ایشیا پر ایرانیوں کا تسلط اُن سیاسی روایات پر مبنی تھا جن کی تشکیل مدتہای دراز تک طبقۂ امراء اور علمائے مذہب کے ہاتھوں عمل میں آتی رہی، یہی سیاسی روایات اور یہی عالی حوصلگی کی روح تھی جو خلافتِ عباسیہ کو قدیم ایرانیوں سے ورثے میں ملی اور ان کی سلطنت کی محکم بنیاد بنی، ان اوصاف کا پاک ترین نمونہ برامکہ کے خاندان میں ظہور پذیر ہوا، زوالِ خلافت کے بعد سرزمین ایران میں سب سے پہلے جو نئی سلطنتیں وجود میں آئیں ان کی تعمیر انھی پرانی روایات کی بنیاد پر ہوئی اور سامانیوں کا شاندار زمانہ جو روحِ ایرانی کا سب سے پہلا جلوہ تھا ساسانیوں ہی کی عظمت کا انعکاس تھا، اگرچہ امرا کے اعلیٰ طبقے بیشتر مٹ چکے تھے تاہم دہقانوں کا طبقہ جو درختِ معاشرت میں بمنزلہ ایک مضبوط تنے کے تھا اپنی جگہ پر قائم رہا اور اسی کی بدولت ایران کے شاندار ماضی کی یاد زندہ رہی،

(گذشتہ سے پیوستہ) کی آخری صدیوں میں معاشرتی اقتصادیات کے تغیرات کا بہت تھوڑا علم ہے اور اسی وجہ سے ہم نے سلطنت ساسانی کے ناگہانی سقوط کی کیفیت کو بیان کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ ناقص ہے، ہمارا خیال ہے کہ سیاسی انقلاب کے بعض اہم ترین اسباب ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں،

ضمیمۂ اوّل

انتقالِ اوستا

موسیو فرانسوا نو نے ایک مضمون میں جو اُنھوں نے رسالہ "تبصرۂ تاریخِ مذاہب"[1] میں لکھا تھا سریانی عیسائیوں کی کتبِ مناظرہ کی مدد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مزدائیوں کی کتبِ مقدسہ تقریباً ساتویں صدی عیسوی کے وسط تک محض زبانی روایت سے عہد بعہد منتقل ہوتی چلی آئی تھیں اور یہ کہ عہدِ ساسانی کے آخری زمانے سے پہلے زرتشتیوں کے پاس کوئی مذہبی کتاب نہیں تھی، اس آخری زمانے میں علمائے زرتشتی کو یہ خوف پیدا ہوا کہ مبادا الکتابِ مقدس کی قدیم روایت تلف ہو جائے، علاوہ اس کے ان کی یہ بھی خواہش تھی کہ زرتشتیوں کو وہ حقوق حاصل ہو جائیں جو اسلام نے اہلِ کتاب کے لیے مخصوص کیے تھے لہذا اُنھوں نے ساسانی اوستا کو تحریر میں ضبط کیا، یہ صحیح ہے کہ لفظ "اوستا" چھٹی بلکہ شاید پانچویں صدی میں بھی استعمال ہو رہا تھا لیکن موسیو نو کا دعویٰ ہے کہ اُس زمانے میں اُس کے

---

[1] ج ۹۵، بابت سال ۱۹۲۷ء، ص ۱۴۹ - ۱۹۹،

معنی کتاب کے نہیں تھے بلکہ اس سے مراد وہ "شریعت" تھی جو زبانی روایت سے چلی آرہی تھی، اس کے بعد آٹھویں صدی میں اوستا کا وہ رسم الخط ایجاد ہوا جس میں اعراب کا اظہار کیا گیا تھا، یہی رسم الخط اوستا کے متن کو نقل کرنے میں استعمال کیا گیا جو اس سے پہلے ۶۳۴ء کے قریب پہلوی حروف میں لکھا جا چکا تھا۔[1]

موسیو نو کا نظریہ بیشتر اس دلیل پر مبنی ہے کہ سریانی تصانیف میں (جو عہدِ ساسانی کے عیسائیوں اور مزدائیوں کے باہمی روابط پر بحث کرتی ہیں) کہیں بھی زرتشتی "کتابوں" کا ذکر نہیں آیا حتیٰ کہ جہاں عیسائیوں اور زرتشتیوں کے درمیان مذہبی مباحثوں کا بیان ہے جن میں عیسائی اپنی انجیل سے استشہاد کرتے ہیں وہاں بھی کسی کتاب کا نام نہیں آتا بلکہ صرف زمزمہ اور نماز یا شریعت کا حوالہ پایا جاتا ہے، برخلاف اس کے مزدائیوں کے اس دستور کا ذکر جا بجا آیا ہے کہ وہ مذہبی روایات کو زبانی یاد کرتے ہیں،

ہمارے خیال میں صرف ایک اتنی بات سے کہ "کتابوں" کا کہیں ذکر نہیں آیا ایسا اہم نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا، یہ صحیح ہے کہ علمائے زرتشتی اوستا کے متن کو زبانی یاد کرتے تھے جس کو وہ عبادات میں استعمال کرتے تھے اور اس کو حرف بحرف یاد کرنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ عبادات کا مؤثر ہونا متن کی صحت تلاوت پر موقوف تھا، لیکن اوستا کے متون کی نوعیت عیسائیوں کی کتب مقدسہ سے بالکل مختلف تھی اور ہم منجملہ اور باتوں کے

---

[1] ج ۹۵، بابت سال ۱۹۲۷ء، ص ۱۴۹ - ۱۹۹،

یہ فرض کر سکتے ہیں کہ عیسائی مصنّفوں نے (جو مذہبی مناظروں میں سخت متعصب تھے) عمداً زرتشتی کتابوں کا ذکر کرنے سے پہلوتہی کی ہے تاکہ ان کے عیسائی قارئین کو یہ خیال نہ پیدا ہو جائے کہ ان کے مخالفین کے پاس بھی الہامی کتابیں تھیں۔

درحقیقت موسیو نو کا نظریہ ناممکن ہے۔ اس کی تردید کے لیے صرف اُس تحقیقات کو دیکھنا کافی ہے جو اوستا کے ضبطِ تحریر کے بارے میں سب سے پہلے آنڈریاس نے اور پھر اُن محققوں نے کی ہے جو اُن کے دبستانِ علم و فضل کے فیضیافتہ ہیں[1]۔ ازآں بعد موسیو ٹڈسکو[2]، موسیو مے یے اور سب سے آخر میں موسیو یُنکر[4] نے اسی مضمون پر تحقیق کا دروازہ کھولا ہے۔ یُنکر نے اگرچہ آنڈریاس کے نظریے پر نکتہ چینی کی ہے لیکن ساتھ ہی پارسی روایت کی تائید بھی کی ہے جس کی رو سے اوستا کا متن عہد ساسانی کے ابتدائی زمانے میں ضبط تحریر میں لایا گیا تھا۔ موسیو نو نے بظاہر اُن تمام مضامین کو جو اس مبحث پر سنہ ۱۹۲۷ء سے پہلے لکھے جا چکے تھے نظرانداز کیا ہے[5]۔

---

[1] آنڈریاس: روئداد انجمن مستشرقین (بارھواں اجلاس)، ص ۹۵ ببعد، آنڈریاس اور واکرناگل: "زرتشترا کا چوتھا گاتھا"۔ گائیگر: مجموعہ مضامین بیادگار آنڈریاس، ص ۹۰ ببعد، لومل: ایضاً، ص ۹۷ ببعد، مجلّہ ایران و ہندشناسی، ج ۱، ۲، ۳، ۵، ۶،

[2] (Tedesco)، مجلّۂ ایران و ہندشناسی، ج ۲، ص ۴۲ ببعد،

[3] (Meillet)، مجلّۂ آسیائی سنہ ۱۹۲۰ء، ص ۱۸۷ ببعد، [4] (Junker): کاکیسیکا، جزو ۲ و ۳، [5] موسیو نو کے نظریے کی تردید اس سے پیشتر موسیو پال پیٹرز کر چکے ہیں (تبصرۂ مطالعات ارمنی، ج ۹، سنہ ۱۹۲۹ء ص ۲۲۱)،

اگر ہم اُس روایت پر اعتماد نہیں کر سکتے جو زرتشتیت کے قدیم ترین زمانے میں کتب مقدسہ کی تاریخ تالیف کو بیان کرتی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم اس بات کے قائل ہوں کہ کلیسائے مزدائی کے مؤرخوں نے اپنے مذہب کی اُس تاریخ کو بھی جو ساسانی عہد کے ساتھ تعلّق رکھتی تھی نظر انداز کیا ہے، علاوہ اس کے ایک دلیل یہ ہے کہ اگر کتب مقدسہ تحریری شکل میں یزدگرد سوم کے زمانے سے پیشتر (جو ساسانیوں کا آخری بادشاہ تھا) موجود نہیں تھیں اور یزدگرد کے عہد میں یہ ضرورت پیش آئی کہ جلدی سے ایک کتابِ مقدّس کو مرتّب کر لیا جائے تاکہ مزدائی "اہل کتاب" مانے جائیں تو ایسی صورت میں علمائے زرتشتی یقیناً صرف ایسے متن کو ضبط تحریر میں لاتے جو عبادات اور عقاید کے متعلّق ہوتا اور ہرگز اس سارے طومار کو لکھنے کی زحمت نہ اٹھاتے جس میں تاریخ طبیعی اور جغرافیہ اور ضابطۂ عدالت اور کیا اور کیا بھر دیا گیا ہے اور جس سے خواہ مخواہ اوستا کا حجم بڑھ گیا ہے، یہ بات کیونکر مانی جا سکتی ہے کہ چند سال کے عرصے میں جبکہ ایران عربی فوجوں کے ساتھ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا علمائے زرتشتی نے اکیس نسک تالیف کر ڈالے جن کے الفاظ کی تعداد ویسٹ کے اندازے کے مطابق ۳۴۵۷۰۰ تھی اور وہ بھی اس طرح کہ پہلے ان کو پہلوی میں لکھا اور پھر بعد میں ایک ایسی صدی کے دوران میں جبکہ اسلام کی فتح اور عربوں کے تسلّط سے ملک میں روحانی بے چینی پھیل رہی تھی ان علمائے زرتشتی نے جو خود قوتِ لایموت کے محتاج ہو رہے

تھے اور اپنے رسوخ اور اقتدار کو دن بدن کم ہوتا ہؤا دیکھ رہے تھے اور زرتشتیت کے پیرو اُن کی آنکھوں کے سامنے اپنا مذہب چھوڑتے جا رہے تھے اور خود بھی ان کو چین سے بیٹھنا نصیب نہ تھا نہایت فرصت اور اطمینان کے ساتھ ایک نیا رسم الخط ایجاد کیا جس کا نام اُنھوں نے خطِّ اوستائی رکھا جو کہ زبانِ مقدّس کی صوتیات کے علمی مطالعے کا نتیجہ ہے اور پھر از سر نو اکیس نسکوں کو اس نئے رسم الخط میں تحریر کیا! اور پھر یہ بات کیسے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اس سے اگلی [یعنی آٹھویں] صدی میں ان علماء نے تمام نسکوں کا پہلوی میں ترجمہ کیا اور شرح لکھی جس میں ویسٹ کے اندازے کے مطابق الفاظ کی تعداد بیس لاکھ سے زیادہ تھی اور جب نویں صدی میں دین کرد کے مصنّف اوستا کا خلاصہ لکھنے بیٹھے تو اس ترجمے کے بعض حصّے [اتنے قلیل عرصے میں] تلف بھی ہو چکے تھے!

ضمیمۂ دوم

حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کی فہرست

موسیو شٹائن نے ایک مضمون میں جو اُنھوں نے "سالنامۂ بازنیتی نو یونانی" بابت سال سنہ ۱۹۲۰ء (ص ۵۰ ببعد) میں "سلطنتِ ایران و سلطنتِ بازنیتی کے حالات میں ایک باب" کے عنوان سے لکھا تھا حکومتِ ساسانی کے سب سے بڑے عہدہ داروں کی تین مختلف فہرستوں کا مطالعہ اور مقابلہ کیا ہے، ان میں سے ایک فہرست تو یعقوبی کی کتاب میں ملتی ہے[1] اور دو مسعودی نے دی ہیں ایک کتاب التنبیہ میں[2] اور دوسری مروج الذہب میں[3]، شٹائن نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ تین فہرستیں تین مختلف زمانوں سے تعلق رکھتی ہیں، وہ یہ ہیں :-

(۱) یعقوبی : وزرگ فرماذار (وزیر اعظم)، موبذان موبذ (رئیس موبدان)، ہیربذان ہیربذ (رئیس محافظین آتش)، دبیربذ (رئیس دبیران)، سپاہ بذ (سپہ سالار) جس کے ماتحت ایک پاذگوسپان ہوتا تھا، صوبے

---

[1] ج ۱، ص ۲۰۲، [2] ص ۱۰۳، [3] ج ۲، ص ۱۵۶،

کے گورنر کو مرزبان کہتے تھے ،

(۲) مسعودی ، کتاب التنبیہ : موبذان موبذ (ہیربذ موبذ کے ماتحت تھا) ، وزرگ فرماذار ، سپاہ بذ ، دبہیر بذ ، ہتخش بذ جس کو واستریوش بذ بھی کہتے تھے (یعنی اُن تمام پیشہ وروں کا رئیس جو ہاتھ سے کام کرتے تھے مثلاً مزدور ، تاجر وغیرہ) ، اونچے عہدہ داروں میں مرزبان بھی تھے جو سرحدوں کے حاکم تھے اور وہ سرحدیں جہاتِ اربعہ کی مناسبت سے تعداد میں چار تھیں ، ہر ایک سرحد کا ایک مرزبان تھا[1] ،

(۳) مسعودی ، مروج الذہب : وزراء ، [موبذان] موبذ (جو قاضی اعظم رئیس شریعت اور ہیربذوں کا افسرِ اعلیٰ تھا) ، چار سپاہ بذ جو حکومت کے سب سے بڑے کارندے تھے اور جن میں سے ہر ایک سلطنت کی ایک چوتھائی کا حاکم تھا اور ہر ایک کے ساتھ ایک ایک نائب تھا جس کو مرزبان کہتے تھے ،

بقول موسیو کرسٹن سین ان تینوں فہرستوں میں سب سے پرانی یعقوبی کی فہرست ہے اس لیے کہ اوّلاً یعقوبی کے ہاں عہدوں کی ترتیب وہی ہے جو مجعول نامۂ تنسر میں ہے یعنی اس میں اُن اعلیٰ عہدہ داروں کے نام لیے گئے ہیں جو کواذ اوّل کی نئی تنظیمِ سلطنت سے پہلے بادشاہ کے انتخاب کا فرض انجام دیتے تھے ، دوسرے ان فہرستوں میں صرف یعقوبی کی فہرست ہے جس میں

---

[1] مرزبان شہرداروں سے مراد ہے ،

اعلیٰ عہدہ داروں میں ہیربذان ہیربذ کو بھی شمار کیا گیا ہے جس کے فرائض بعد میں موبذان موبذ کے ذمّے ہو گئے تھے، اس کے بعد موسیو کرسٹائن نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ صرف یعقوبی کی فہرست ہے جس میں ایک پاذگوسپان کو سپاہ بذ کا نائب بتلایا گیا ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جس زمانے کے ساتھ یہ فہرست تعلّق رکھتی ہے اس وقت صرف ایک پاذگوسپان ہوتا تھا جو سپاہ بذ کے ماتحت تھا اور خسرو اوّل کے عہد تک سلطنت میں ایک ہی سپاہ بذ تھا خسرو نے ایک کی بجائے چار مقرّر کیے، اس کی تائید میں موسیو کرسٹائن نے دینوری کی ایک عبارت نقل کی ہے[1] جس میں اس نے اُن امراء میں سے ممتاز ترین کے نام لیے ہیں جنھوں نے یزدگرد اوّل کی وفات کے بعد اس کی اولاد کو تخت سے محروم کرنے پر اتفاق کیا تھا، وہ یہ ہیں: (۱) وِسْتہم جو سواد (عراق) کا سپہبد تھا اور جس کا لقب "ہزارفت" تھا، (۲) یزدگشنسپ جو الزّوابی[2] کا پاذگوسپان تھا، (۳) پیرگ جو مہران کا عہدہ[3] رکھتا تھا، (۴) گودرز دبیرِ لشکر[4] (کاتب الجند)، (۵) گشنسپ آذرویش دبیر خراج

[1] طبع یورپ، ص ۵۷، نولڈکہ: ترجمہ طبری ص ۹۶ ح ۳، نیز دیکھو اوپر، ص ۳۶۰،
[2] ہم جس لفظ کو الزّوابی پڑھتے ہیں اس کی قراءت یقینی طور پر معلوم نہیں ہے، [3] یہ غلط بیانی ہے، مہران خاندان کا نام تھا نہ کہ عہدے کا، [4] چونکہ ان عہدہ داروں کی فہرست میں صرف پیرگ ہے جس کا عہدہ بیان نہیں کیا گیا لہذا موسیو کرسٹائن نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ گودرز اور پیرگ ایک ہی شخص ہے پیرگ غالباً اس کا خاندانی نام ہے اور مہران زیادہ وسیع معنوں میں قبیلے کا نام ہے، لیکن میرا اپنا خیال یہ ہے کہ چونکہ اس کا عہدہ معلوم نہیں ہو سکا اس لیے مہران کا نام عہدے کے طور پر بیان کر دیا گیا، درحقیقت پیرگ اور گودرز دو مختلف شخص ہیں،

(۶) پناہ خسرو ناظر صدقات سلطنت ، سپاہ بذ وستہم کا نام طبری کے ہاں[1] موبدان موبد کے پہلو بہ پہلو مذکور ہے اور اس کا خطاب (ہزارفت) وہی ہے جو بعد میں ایک بڑے زبردست صاحب اقتدار امیر زرمہر سوخرا کو ملا ، ان دو باتوں سے ٹسٹائن نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وستہم سلطنت بھر میں اکیلا "سپاہ بذ" تھا اور دینوری نے جو اس کو "عراق کا سپہبد" کہا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی سپہبذ تھے بلکہ صرف اس کے قریب ترین اور اوّلین اقتدار کو واضح کرنا مقصود ہے[2]، علاوہ اس کے " الزّوابی کے پاذگوسپان " کا عہدہ جو یزد گشنسپ کو دیا گیا ہے اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ پانچویں صدی کی پاذگوسپانی اُس پاذگوسپانی سے بالکل مختلف تھی جس کو کواذ اوّل نے قائم کیا تھا، کواذ نے ایک ایک پاذگوسپان سلطنت کے ایک چوتھائی حصّے پر مقرر کیا تھا اور الزّوابی تو سواد کے بارہ ضلعوں میں سے صرف ایک ضلع (اُستان) تھا ،

مسعودی نے کتاب التنبیہ میں جو فہرست دی ہے وہ موسیو ٹسٹائن کے نزدیک قدامت کے لحاظ سے دوسرے درجے پر ہے ، انھوں نے مؤرّخ ایلیزے کے ایک مقام کا حوالہ دیا ہے جس کی رو سے موبدان موبد، در اندرزبد اور ایران سپاہ بد یزدگرد دوم کے زمانے کے سب سے

---

[1] ص ۸۶۱ ، [2] مطلب یہ ہے کہ چونکہ عراق کی اہمیت بسبب اس بات کے کہ سلطنت کا پایہ تخت اسی صوبے میں تھا دوسرے صوبوں سے زیادہ تھی اس لیے سلطنت کا سپاہبذ سب سے پہلے عراق کا سپاہبذ تصوّر کیا جائیگا (مترجم)،

اونچے عہدہ دار ہیں، ان کا خیال ہے کہ در اندرزبد (جس کے لفظی معنی "معلم" یا "مشیر دربار" کے ہیں) وزرگ فرماذار کا دوسرا لقب ہے، اگر یہ ہے تو پھر ایلیزے کی فہرست کتاب التنبیہ کی فہرست کے عین مطابق ہو جائیگی اور نتیجہ یہ نکلیگا کہ کتاب التنبیہ کی فہرست یزدگرد دوم کے عہد کی فہرست قرار پائیگی، فلہذا چار مرزبان جن کو (غیر موروثی طور پر) شاہ کا لقب حاصل تھا اس عہد میں موجود سمجھے جائینگے، ان کے علاوہ اور مرزبان بھی تھے جو فوجی گورنروں کے فرائض اُن صوبوں میں انجام دیتے تھے جن پر سلطنت کے چار حصّے مشتمل تھے،

موسیو کرسٹینسن کے نزدیک مروج الذہب کی فہرست زمانے کے لحاظ سے سب سے آخری ہے کیونکہ صرف اسی میں چار سپاہبدوں کا ذکر ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ چار سپاہبدوں کے عہدے خسرو اوّل نے قائم کیے تھے[1] اس فہرست میں موبدان موبد کو تمام دوسرے وزیروں کے بعد رکھا گیا ہے اور یہ بات علمائے مذہبی کی حالت کو ظاہر کرتی ہے جن کی طاقت کواذ اوّل اور خسرو اوّل کی سیاسی پالیسی کی وجہ سے ٹوٹ گئی تھی، موسیو کرسٹینسن کی رائے ہے کہ زمرۂ وزراء میں جن کا ذکر فہرست کے شروع میں مجموعی طور پر کیا گیا ہے اَشتَبَذ کو بھی شمار کرنا چاہیے[2] جس کا ذکر بازنتینی مآخذ میں ملتا ہے: مثلاً ماہبذ جو کواذ اوّل کے دربار

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۴۹۵، [2] دیکھو اوپر، ص ۱۷۷،

کا صاحب منصب تھا[1] اور فرخان جو ہرمزد چہارم کے عہد میں تھا[2] دونو استبذ کے عہدے پر سرفراز تھے، یہ عہدہ اُن زمانوں میں جن کے ساتھ پہلی دو فہرستیں مربوط ہیں موجود نہ تھا،

موسیوشٹائن کے قیاس کی رو سے کواذ اوّل اور خسرو اوّل نے وزرگ فرماذار کی طاقت کو اس طرح گھٹایا کہ بعض نئے عہدے قائم کیے اور وزرگ فرماذار کے بعض اختیارات کو ان کی طرف منتقل کر دیا، کواذ نے پہلے استبذ (میر تشریفات) کا عہدہ قائم کیا اور پھر چار پاذگوسپان مقرر کر کے (جو بقول مصنف ایران سپاہ بذ کے ماتحت تھے) وزرگ فرماذار کو صوبوں کی حکومت میں دخل دینے سے محروم کر دیا، بعد میں خسرو نے ان کی بجائے سلطنت کی ایک ایک چوتھائی پر ایک ایک سپاہبذ مقرر کیا،

موسیوشٹائن کی تحقیقات سے حکومتِ ساسانی کا انتظامی اور سیاسی ارتقاد بالکل واضح ہوجاتا ہے، ہماری رائے میں اُن کے نظریے کی بنیاد بالکل صحیح ہے[3] لیکن مرزبانوں، سپاہبذوں اور پاذگوسپانوں کے رتبے اور مقام کے بارے میں ہم ان کے نظریے کی تفصیلات کے ساتھ متفق نہیں ہوسکتے، دینوری کی عبارت میں "سواد کے سپاہبذ" اور "الزّوابی کے

---

[1] پروکوپیوس، ج ۱، ۱۱، ۲۵، مینانڈر: قطعات تواریخ یونانی، ج ۴، ص ۲۵۷،

[2] تھیوفی لیکٹس، ج ۴، ۲، ۲،

[3] اگرچہ واستریوش بذ یا واستریوشان سالار یعقوبی کی فہرست میں مذکور نہیں ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ اس کا تعلق ہمیشہ حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کی جماعت کے ساتھ رہا ہے،

پاذگوسپان" کی تاویل میں اُنھوں نے بہت کھینچا تانی سے کام لے کر ان عہدوں کی اہمیت کو گھٹانا چاہا ہے، حقیقت میں اگر عبارت میں لفظ الزّوابی صحیح ہے تو ان دو عہدوں کا باہمی رابطہ واضح ہو جاتا ہے، وہ یہ کہ وستہم عراق (سواد) کا فوجی گورنر تھا اور یزدگشنسپ بطور نائب گورنر کے ضلع الزّوابی کا حاکم تھا اور پاذگوسپان کا لقب رکھتا تھا،[1] موسیو شٹائن کی رائے کے برخلاف دینوری کی عبارت کے یہ معنی ہونگے کہ یزدگرد اوّل کے زمانے میں ایک ہی وقت میں کئی سپاہبذ اور کئی پاذگوسپان موجود تھے یا موجود ہو سکتے تھے کیونکہ اُس زمانے تک یہ عہدے جہات اربعہ کی مناسبت سے سلطنت کے چار حصّوں کے ساتھ وابستہ نہیں ہوئے تھے،

ہماری رائے میں صورتِ حالات کو بطریقِ ذیل بیان کرنا چاہیے:
سلطنت کی تقسیم چار حصّوں میں اشکانیوں کے زمانے میں صورت پذیر ہوئی، پانچویں صدی کے شروع سے ان چار حصّوں کے حاکم مرزبان کہلانے لگے اور یہ چار بڑے مرزبان شاہ کے لقب سے ملقّب تھے،[2] دوسرے مرزبان سرحدی یا داخلی صوبوں کے حاکم تھے، ہخامنشیوں کے زمانے میں ہر صوبے کا حاکم اپنے صوبے کی فوج کی کمان کرتا تھا جبکہ کسی اندرونی بغاوت کو فرو کرنا منظور ہوتا تھا لیکن بیرونی دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے تمام صوبوں کی فوجیں عموماً شہنشاہ کے سپہ سالاروں کے ماتحت

---

[1] ہرتسفلٹ نے الزّوابی کی قرارت کو غلط قرار دے کر اس کو آذرپتی یا آذرپایی پڑھنا تجویز کیا ہے یعنی آذربائجان (مجلّۂ آثار قدیمۂ ایران، ج ۴، ص ۵۷، ح ۲)،

[2] دیکھو ص ۱۷۸، ح ۳،

لڑنے کے لیے جاتی تھیں اور اس مقصد کے لیے ساری سلطنت کو فوجی حلقوں میں تقسیم کیا گیا تھا جن میں سے ہر ایک حلقہ بظاہر ایک فوجی سردار کے ماتحت ہوتا تھا جس کو کارَن[1] کہتے تھے جو فوجی معاملات میں حاکم صوبہ کا افسر بالادست ہوتا تھا، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عہد ساسانی کے درمیانی زمانے میں سپاہبذ کو مرزبان سے وہی نسبت تھی جو ہخامنشیوں کے زمانے میں کارَن کو حاکم صوبہ سے تھی، لیکن یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہو سکا کہ چار بڑے مرزبانوں اور سپاہبذوں کے فرائض منصبی میں باہمی تعلق کیا تھا؟ یعقوبی اور مسعودی (کتاب التنبیہ) کی فہرستوں میں سپاہ بذ سے مراد ایران سپاہ بذ ہے، اس زمانے میں پاذگوسپان غالباً اضلاع (اُستان) کے نائب الحکومت ہوتے تھے اور وقت وقت کے اقتضا سے کبھی مرزبانوں اور کبھی سپاہبذوں کے ماتحت ہوتے تھے، بعد میں کواذ اوّل اور خسرو اوّل نے اس بارے میں جو تبدیلیاں کیں ان کے متعلق ہم اوپر لکھ آئے ہیں (ص ۴۶۹ اور ص ۴۹۵ بعد)،

موسیو شٹائن نے جو یہ مشاہدہ کیا ہے کہ کواذ اوّل اور خسرو اوّل وزرگ فرماذار کی طاقت کو گھٹانے کے درپے ہوئے اس کے متعلق ہم یہ کہیں گے کہ یہ ممکن ہے کہ وزرگ فرماذار کے رتبے کا زوال خسرو اوّل کے زمانے سے پہلے شروع ہو چکا ہو، مزدک نے جو "قوائے اربعۂ ملکوتی" کا موازنہ سلطنتِ ایران کے چار اوّلین عہدہ داروں کے ساتھ کیا ہے[2] ان میں وزرگ فرماذار کا نام نہیں ہے، ہم یقین کے ساتھ نہیں کہ سکتے کہ آیا اس امر سے یہ نتیجہ نکالنا

[1] زینوفون: تاریخ یونان، ج ۱، ۴، ۳۰ ، [2] دیکھو اوپر، ص ۴۵۲،

چاہیے کہ وزرگ فرماذار کا شمار سلطنت کے چار اوّلین عہدہ داروں میں نہیں تھا کیونکہ مزدک نے صرف اُن اعلیٰ عہدہ داروں کو لیا ہے جو اس کے قوائے معنوی کے ساتھ کامل ترین مشابہت رکھتے تھے، بہرحال وہ تدابیر جن سے وزرگ فرماذار کے اختیارات اُس سے چھن کر دوسرے عہدہ داروں میں تقسیم ہوئے خسرو اوّل کی ایجاد تھیں، اس قول کی تائید فارسنامۂ ابن البلخی کے ایک دلچسپ مقام سے ہوتی ہے جو بدقسمتی سے بہت مبہم ہے[1]، ذیل میں ہم اس مقام کے متن کو نقل کرتے ہیں جو یقیناً کسی پہلوی مأخذ سے لیا گیا ہے :-

"و با ہمہ بزرگی و حکمت بزرجمہر کی وزیر او بود انوشروان ترتیب وزارت او چنان کردی کی دبیر بزرجمہر و نائب نزدیک کسریٰ آمد نشد توانستی کرد و ما این نائب را وکیل درخوانیم و بہ پہلوی ایرانمازغر گفتندی و نیابت وزیر دارد، و ہر سہ گماشتۂ کسریٰ انوشروان بودندی در خدمت وزیر او بزرجمہر و وزیر بذات خود ازین سہ کس ہیچ یکی را نتوانستی گماشت، و غرض انوشروان آن بود تا دبیر ہر نامہ کی بجوانب بزرگ و اطراف نبشتی و خواندندی نکت آن در سرّ معلوم انوشروان می کرد و وکیل در از آنچ رفتی از نیک و بد براستی مشافہہ می گفتی و راہ وجوہ مصالح باز می نمودی و نایب مال و معاملات نگاہ داشتی و این ہر سہ مردمان اصیل عاقل فاضل سدید بودندی"۔

[1] ص ۹۱-۹۲،

سب سے پہلے ہم یہ کہینگے کہ لفظ "وکیلِ در" کی قرات فارسنامہ کے اڈیٹروں کے اپنے قیاس پر مبنی ہے، قلمی نسخوں میں ایک جگہ "وکلیدر" اور "وکلید" ہے اور دوسری جگہ "وکلیدار" اور "کلیدار" ہے، سیاقِ عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو مختلف الفاظ ہیں، اسی طرح لفظ "ایرانمازغر" بھی قیاسی ہے، قلمی نسخوں میں "ارانمازعر" اور "ایرانمازعر" ہے،

صاف ظاہر ہے کہ اس عبارت کے شروع اور آخر کے حصّے متناقض ہیں شروع میں دبیر (دبھیر) اور بزرجمہر (وزرگمہر) اور نائب کا ذکر ہے اور آخر میں خسرو اوّل کی اصلاحات کی رو سے ان تینوں عہدہ داروں کے فرائض کو ایک ایک کرکے بتایا ہے، ان میں سے ایک تو "دبہیر" ہے ایک "... دار" (کلیدار، وکلیدار[1]) ہے اور ایک "نائب"

اس عبارت میں جو ضروری اصلاح ہونی چاہیے وہ خود بخود واضح ہوئی جاتی ہے، بظاہر لکھنے میں جو غلطی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ کاتب نے تین شخصوں میں سے یعنی دبہیر، وزرگمہر (فارسی: بزرجمہر) اور نائب میں سے وزرگمہر کا نام جو پہلے آچکا ہے دوبارہ لکھ دیا ہے، بجائے "دبیر بزرجمہر" کے ہم کو "دبیرِ بزرگ" (دبھیرِ وزرگ) پڑھنا چاہیے جو "دبھیران مہشت" یا "ایران دبھیر بذ" کا مترادف ہوگا، اصلاح کے بعد یہ جملہ یوں پڑھا

---

[1] موسیو نولڈیکے نے ایک خط میں اس کلمے کی قرات "زینگیر پدار" تجویز کی ہے، ان کا یہ قیاس ہماری رائے میں خاصا قائل کرنے والا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ خطِ پازند میں یائے معروف کی آواز کے لیے کسرہ لکھا جاتا ہے، جو لوگ پہلوی حروف کے ابہام سے واقف ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر پہلوی لفظ کو بغیر یای معروف کے لکھا جائے تو اس کو "وکلیدار" پڑھنا ممکن ہے،

جائیگا : "دبھیروزرگ ، [زنگیر بیدار] و نائب "۔ نائب یعنی نائب وزیر کے متعلق عبارت میں کہا گیا ہے کہ "ما این نایب را وکیل در (؟) خوانیم و بہ پہلوی ایرا نماززغر گفتندی"۔ یہاں "ما" سے یا تو مؤلف فارسنامہ کے زمانے کے لوگ مراد ہیں یا کسی زیادہ پرانی تصنیف کا زمانہ معصود ہے جو فارسنامہ کا مأخذ تھا، کلمۂ "ایرانمازغر" کی جو اختلافی صورتیں ہم اوپر لکھ آئے ہیں ان کے علاوہ ایک صورت "المرد مارعد" ہے جو یعقوبی کے ہاں ملتی ہے[1] اور ایک "ابرا سمارعر" ہے جو ابن مسکویہ کی تجارب الامم میں ہے[2] جس کے معنی اس نے "نائب وزرگ فرماذار" بتلائے ہیں، فارسنامے کی عبارت میں نائب کے فرائضِ منصبی کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ "نایب مال و معاملات نگاہ داشتی" تو اس سے ہمارا قیاس یہ ہے کہ اس لفظ کی تمام بگڑی ہوئی شکلوں کے پردے میں لفظ "ایران آمارکار" پوشیدہ ہے یعنی "سلطنت کا محاسبِ اعلیٰ یا ناظر امورِ مالیات[3]"

ان اصلاحات کے بعد فارسنامے کی عبارت کو یوں پڑھا جائیگا :۔

"و با ہمہ بزرگی [معنوی] و حکمت بزرجمہر کی وزیر او بود انوشروان ترتیب وزارت او چنان کرد کی دبیر بزرگ و [زنگیر بیدار] و نایب نزدیک کسریٰ آمد شد توانستی کرد و ما این نایب را [درین زمان] وکیل در (؟) خوانیم و بہ پہلوی ایران آمارکار گفتندی و نیابت وزیر [بزرگ] دارد،

[1] طبع یورپ، ج ۱، ص ۲۰۳، [2] طبع سلسلۂ گِب، ج ۱، ص ۵۳، یہ حوالہ آقای مجتبیٰ مینوی نے مجھے دیا ہے، [3] دیکھو اوپر، ص ۱۵۸ - ۱۵۹ (مترجم)،

و ہر سہ گماشتۂ کسریٰ انوشروان بودندی در خدمت وزیر [بزرگ]
او بزرجمہر، و وزیر [بزرگ] بذات خود ازین سہ کس ہیچ یکی را
نتوانستی گماشت و غرض انوشروان آن بود تا دبیر [بزرگ]
ہر نامہ کی بجوانب بزرگ و اطراف نبشتی و خواندی نکتۂ آن در
سرّ معلوم انوشروان می کرد و نگہبذار از آنچہ رفتی از نیک و بد
براستی مشافہہ می گفتی و راہ وجوہ مصالح بازمی نمودی و نایب
[یعنی ایران آمارکار] مال و معاملات نگاہ داشتی و این
ہر سہ مردمان اصیل عاقل فاضل زبان دان سدید بودندی"۔

لیکن اس اصلاح کے بعد بھی ہمارا خیال ہے کہ اصل پہلوی متن کے مطالب جو
اس عبارت کا اصلی مأخذ تھا ادا نہیں ہو سکے، ہمیں یقین ہے کہ اصل پہلوی
میں وزرگمہر نہیں بلکہ وزرگ فرماذار ہوگا[1] کیونکہ یہ وزرگ فرماذار ہی کے

[1] اس نظریے کی تائید فارسنامے کی دو عبارتوں سے ہوتی ہے، ایک عبارت صفحہ ۹۰ پر ہے جس میں مصنف نے بادشاہ کے دربار میں امراء و وزراء کی ترتیب نشست کو بیان کیا ہے، یہ ترتیب غالباً انوشروان کی اصلاحات سے پہلے کی ہے لکھا ہے کہ "در جملۂ آئینِ بارگاہِ انوشروان آن بود کی .... در پیش تختِ [خسرو] کرسیِ زر بودی کی بزرجمہر بر آن نشستی و فروتر از آن کرسی موبدموبدان بودی و زیرتر ازان چند کرسی از بہر مرزبانان و بزرگان"۔ چونکہ یہاں صرف دربار کے اعلیٰ عہدہ داروں کی کرسیوں کا ذکر ہے لہٰذا شخصی نام کی اس موقعے پر نہ کوئی اہمیت ہے اور نہ ضرورت، اس بنا پر ہمارا خیال ہے کہ اصل متن میں بزرجمہر کا نام نہیں تھا بلکہ اس کی بجائے لفظ "بزرجفرمادار" یا "بزرگ فرمای" (وزرگ فرماذار) ہوگا، علاوہ اس کے ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ تاریخ میں کوئی شخص بزرجمہر نہیں گزرا، دوسری عبارت جو اس سے بھی زیادہ فیصلہ کن ہے صفحہ ۴۸-۴۹ پر ہے (اس میں شاہ وشتاسپ کے عہد کا بیان ہے جو زرتشت کا مربی تھا اور ساسانیوں کے آخری زمانے کے آئین و قانون کی ایجاد کو اس پُرافتخار عہد کی طرف منسوب کیا ہے)، وہ عبارت یہ ہے: "و وزیر را بزرگ فرمای خواندندی و وزیر را ناہی معتمد بودی کہ ہر سخنی و مہمّی او را نزدیک ملک فرستادی و این نایب را ایرانمارغر خواندندی"۔

اختیارات تھے جن کو خسرو اوّل نے گھٹایا تھا اور تین اَور بڑے عہدہ دار اس کے شریکِ کار بنائے تھے جن کو اُس نے خود مقرر کیا تھا، مسعودی کی مروج الذہب میں کلمۂ "وزراء" کی یہی تشریح ہے، لیکن بایں ہمہ خسرو نے وزرگ فرماذار کا عہدہ کلّیتہً منسوخ نہیں کیا اور موسیو بارٹولڈ نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے[1]،

[1] "مجلۂ اسیریالوجی" (بزبان جرمن)، ج ۲۶، ص ۲۵۹ ببعد،

اضافات

ص ۱۷ - موسیو پگلیارو کی رائے میں[1] بذخش یا بذشخ کے عہدے کو چار بڑے مرزبانوں کے عہدے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا، کلمۂ بذخش کو اُنھوں نے پتی اخش سے مشتق بتایا ہے جس کے معنی "بادشاہ کی آنکھ" ہیں اور یہ لقب ہخامنشیوں کے زمانے میں عام طور سے ملتا ہے، برخلاف اس کے موسیو شیڈر کا خیال ہے[2] کہ "بادشاہ کی آنکھ" کے لیے قدیم فارسی لفظ "سْپَشْتَک" ہونا چاہیے، (مقابلہ کرو لفظ اِسْپَسَگ جو کلیسائے مانوی میں ایک اعلیٰ رتبے کا نام تھا، دیکھو ص ۲۵۲)،

ص ۶۵ - دادستانِ مینوگِ خرد، اس کتاب کے نام کو کئی طرح پڑھا جا سکتا ہے، موسیو شیڈر نے مپولر اور مارکوارٹ کے مشاہدات کو یکجا کر کے اس کی قراءت "دانگ و مینوئیگ خرذ" تجویز کی ہے یعنی "دانا و عقلِ آسمانی"، کتاب مذکور دراصل ایک مکالمہ ہے جس میں ایک "دانا" سوالات پوچھتا ہے اور "عقلِ آسمانی" ان کے جواب دیتی ہے،

ص ۶۶ - ایرانی بُندہِشن کا ایک باب جس میں ایران کی قدیم اور آیندہ تاریخ ہے حال ہی میں موسیو میسینا نے شایع کیا ہے (روم ۱۹۳۵ع)،

---

[1] مجلۂ مطالعات مشرقی بزبان اطالوی (ج ۱۲، ص ۱۶۰ ببعد)،
[2] اشاعات انجمن علمی درگوٹنگن ۱۹۳۴ع،

ص ۶۹، ح ۳ - موسیو اولف ہانسن نے ایک مضمون "وچارشنِ چترنگ" (گزارشِ شطرنج) کے باب میں جمعیتِ مستشرقین کے انیسویں اجلاس کی روئداد میں شائع کیا ہے ،

ص ۸۹ - کتاب تبصرۃ العوام کو حال میں آقای عباس اقبال نے طہران سے شائع کیا ہے (۱۳۱۳ھ ہجری شمسی) ،

ص ۱۲۸ و ۱۳۲ - کلمۂ ویسپُہر اور واسپُہر کے بارے میں بہت کچھ بحث کی جا چکی ہے (مثلاً دیکھو ہرتسفلٹ : مجلۂ آثار قدیمۂ ایران، ج ۷، ص ۱۸ ببعد اور شیڈر کا ایک مضمون جو اُنھوں نے اُس مجموعۂ مضامین میں شائع کیا ہے جو سر جارج گریرسن کو پیش کیا گیا تھا) ، موسیو شیڈر نے ثابت کیا ہے کہ یہ دونو لفظ اشکانی ہیں اور پارتھی اور ساسانی زمانے میں موجود تھے ، ویسپُہر (جس کے لفظی معنی "قبیلے کا بیٹا" ہیں) محض ویس پتی یا ویس بذ کا بیٹا نہیں تھا بلکہ اس لفظ کے معاشرتی معنی رفتہ رفتہ زیادہ وسیع ہوگئے اور اس کا اطلاق شاہی خاندان کے شاہزادوں پر ہونے لگا ، برخلاف اس کے واسپُہر کا اطلاق نجباء کے اعلیٰ طبقے کے افراد پر ہوتا تھا ، ایک پہلوی رسالے موسوم بہ سُورسُخُوَن (یعنی ڈنر سپیچ) میں[1] کلمۂ پُسِ واسپُہر بلاشبہ ولیعہد کے معنوں میں آیا ہے ، موسیو شیڈر نے اس عبارت کی تاویل یہ کی ہے کہ کلمۂ واسپہر یہاں بطور لقب استعمال نہیں ہوا بلکہ بطور وصف استعمال ہوا ہے یعنی

---

[1] طبع اُنوالا ، بمبئی ۱۹۳۵ء ،

مصنّف کو صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ شخص مذکور ایک عالی خاندان یعنی شہنشاہ کا بیٹا ہے، شہنشاہ کا ذکر اس سے اوپر کی عبارت میں موجود ہے، لیکن یہ سوال پھر بھی باقی رہتا ہے کہ اس کو پُسِ واسپُہر کیوں کہا گیا اور پُسِ وِسپُہر کیوں نہیں کہا گیا ؟

کلمۂ وِیسپُہر اپنی اسی ایرانی شکل میں جس پر ہُزوارش کا پردہ نہیں پڑا صرف تُرفان کے مانوی متون میں یا سُغدی میں موجود ہے اور موسیو شیڈر نے اس کی چند مختلف شکلوں سے اس بات کا پتہ لگایا ہے کہ ان کے اندر اصلی لفظ وِیسپُش چھپا ہُوا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ سُغدی شکل اشکانی لفظ ویسپُہر سے لی گئی ہے، مانوی متون کے الفاظ ساسانیوں کے قدیم ترین دَور سے تعلق رکھتے ہیں اور اشکانیوں کے زمانے میں ویسپہر اور واسپہر میں جو فرق تھا وُہ اُس دَور میں ابھی قائم تھا، لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے عہد ساسانی کی آخری صدی کی پہلوی ادبیات میں لفظ ویسپہر کے استعمال کی کوئی مثال موجود نہیں ہے، اس لیے ہمارا خیال ہے کہ عہد ساسانی کے خاتمے سے پہلے لفظ ویسپہر متروک ہو چکا تھا اور اس کی بجائے واسپہر استعمال ہونے لگا تھا،

ص ۱۴۵ - واضح ہو کہ ہزاربد اور ہزارفت ایک ہی لفظ نہیں ہے[1]،

ص ۱۵۴ - مُغان اندرزبد موبدان موبد ہی کا ایک اور لقب ہے[2]،

ص ۱۵۹، ح ۲ - دیکھو ہیننگ کا مضمون بہ عنوان "کلمۂ عربی خراج" (رسالہ اوریئنٹالیا، ج ۴، سنہ ۱۹۳۵ء)،

[1] سور سخن، ص ۲۷، ۸۲-۸۸ ، [2] ایضاً، ص ۲۲۲،

ص ۱۷۸ ۔ بذخش، دیکھو اوپر، ص ۷۱۵،

ص ۲۱۰ ۔ آتشکدے کے کھنڈرات ... دیکھو ہرٹسفلٹ کی کتاب "آرکیولوجیکل ہسٹری آف ایران" سنہ ۱۹۳۵ء، ص ۸۸ بعد،

ص ۲۲۱ ۔ ۲۲۲ ۔ تقویم ساسانی کے مشکل موضوع پر دیکھو موسیو نیبرگ کی جدید تحقیقات، (میگزین اپسالا یونیورسٹی، سنہ ۱۹۳۴ء، ص ۸۰ بعد)

ص ۲۸۶، ح ۱ ۔ ہیپٹرا کی شاہزادی کی حکایت پر دیکھو آرتھر کرسٹن سین کا مضمون (ایکٹا اورینٹالیا، ج ۱۴، ص ۲۴۱ ۔ ۲۵۷)،

ص ۲۹۲ ۔ پیلمرا کے متعلق دیکھو کتاب (Caravan Cities) جس کو مسٹر ٹیلبوٹ رائس نے روسی سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، (آکسفورڈ سنہ ۱۹۳۲ء) ص ۹۱ بعد،

ص ۴۹۳ ۔ الستیاسیجین، دوسرے عرب مؤرخین کے ہاں بھی یہ اطلاع موجود ہے (دیکھو موسیو کرامرس کا مضمون: مجلّۂ مدرسۂ علوم مشرقی در لنڈن سنہ ۱۹۳۶ء ص ۶۱۳ بعد) مختلف قراتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد موسیو کرامرس نے قیاساً بتلایا ہے کہ اس لفظ کی صحیح شکل النّشاستجین (النشاستکین) ہے جو پہلوی میں نشاستگان ہے (بمعنی "نصب کیے ہوئے" یعنی وہ سپاہی جو قلعے میں حفاظت کے لیے بٹھلائے گئے ہوں)

ص ۶۱۵ ۔ چُوارفاپو، دیکھو ہرٹسفلٹ: آرکیولوجیکل ہسٹری آف ایران، ص ۸۸ چُوارفاپو ایک آتشکدے کا نام تھا،

سرزمین سلطنت ساسانی میں گزشتہ چند سالوں کے اندر جو کھدائی کا کام ہوا

ہے اس سے اُس زمانے کی بہت سی عمارتیں برآمد ہوئی ہیں، دامغان میں یونیورسٹی میوزیم اور پنسلوینیا میوزیم (امریکہ) کے مشترک وفدوں نے ایک ساسانی محل برآمد کیا ہے، اسی طرح بیبی لونیا میں کھُدائی کے کام سے پتہ چلا ہے کہ دجلہ اور فرات کے درمیان کا تمام علاقہ نہروں سے سیراب ہوتا تھا جس سے زمین کی زرخیزی میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا، عہد ساسانی میں اس علاقے میں بیشمار شہر آباد تھے، ساسانیوں کے کئی محل اور عالیشان مکان قدیم شہر کیش کی جائے وقوع میں برآمد ہوئے ہیں جن کی کیفیت پر مسٹر لینگڈن (Langdon) نے اخبار ڈیلی ٹیلیگراف میں چند آرٹیکل لکھے ہیں، ایک بہت بڑا محل صحرا میں کیش سے بیس میل کے فاصلے پر دریافت ہوا ہے، (دیکھو مسٹر اپہم پوپ کا مضمون اخبار ٹائمز بابت ۲ر جون ۱۹۳۳ء میں)،

مسٹر اپہم پوپ نے ایک مضمون چکاگو کے آرٹ بلٹین ۱۹۳۳ء میں بعنوان "ساسانیوں کا ایک قصرِ بستانی" لکھا ہے جس کو پڑھ کر ہمیں ایک محل کی وہ دلچسپ تصویر یاد آتی ہے جو کانسی کی ایک رکابی میں بنی ہے، وہ رکابی برلن کے عجائب گھر میں محفوظ ہے اور چھٹی یا شاید ساتویں صدی کے شروع کی بنی ہوئی ہے، یہ ایک چھوٹا سا موسم گرما کا محل ہے اور بہت ہلکا اور نازک بنا ہے، اس میں پانچ گنبد ہیں (جن میں سے تصویر میں صرف تین نظر آتے ہیں) جو پتلے پتلے ستونوں پر قائم ہیں، اس کو دیکھ کر ہمیں اصفہان میں صفویوں کے محل یاد آتے ہیں، سامنے کے رخ کا نچلا حصہ گملوں اور کھجور کے پودوں کی تصویروں سے سجایا گیا ہے جو متناسب ترتیب میں لگائے گئے ہیں، اوپر

کے حصّے میں چھوٹی چھوٹی برجستہ محرابیں ہیں جو طاقِ کسریٰ کی محرابوں سے مشابہ ہیں، وسط میں اسلامی نمونے کی ایک محراب ہے جس کے اندر ستون کی شکل کا ایک آتشدان رکھا ہے جس کے نمونے ساسانی سکّوں پر دیکھنے میں آتے ہیں،

ص ۶۸۶ - یزدگرد کے آخری سالوں کے متعلق دیکھو آقای سعید نفیسی کا مضمون بہ عنوان "یزدگرد سوم" (رسالہ مہر، ۱۳۱۲ھ ہجری شمسی)، یزدگرد اور اس کے بیٹے پیروز کے جو تعلقات چین کے ساتھ تھے ان کے متعلق دیکھو موسیو کوردیے (Cordier) کی "تاریخ عمومیِ چین" (ج ۱، ص ۴۳۶ - ۴۳۸)،

ص ۷۱۴ - پہلوی کتاب "سُورسَخُون" (طبع ٹواڈیا) میں بزرگانِ سلطنت کی ایک اور فہرست موجود ہے جو شہنشاہ سے شروع ہوتی ہے، وہ اس طرح پر ہے:- شاہانشاہ، پُسِ واسپُہر (ولیعہد)، وزرگ فرماذار، چارسپاہ بذ، داذورِ داذوران (چیف جج)، مغان اندرزبذ (موبدان موبد)، یہ فہرست بہت دلچسپ ہے اس لیے کہ اس کے ذریعے سے ہم اس کتاب کی تاریخِ تصنیف کا اندازہ لگا سکتے ہیں، یہ کتاب خسروِ اوّل کی اُن اصلاحات کے بعد لکھی گئی جن کی رو سے اُس نے چار سپاہ بذ مقرر کیے تھے لیکن اس کی دوسری اصلاحات سے پہلے لکھی گئی جن کی رو سے اُس نے وزرگ فرماذار کے اختیارات گھٹائے تھے، اُس میں لکھا ہے کہ "... وزرگ فرماذار جو عظمت میں بڑا اور طاقت میں قوی ہے رعایا (؟) کے لیے اور بھی زیادہ بزرگ اور مہربان ہے"۔ یہ بات کہ اس فہرست میں موبدان موبد کا نام سب سے آخر میں ہے بہت بامعنی ہے،

فہرست اوّل

شخصوں، خداؤں اور دیوتاؤں کے نام

فہرستِ دوم

جگھوں، قوموں، قبیلوں اور خاندانوں کے نام

فہرستِ سوم

کتابوں اور مصنّفوں کے نام

فہرستِ چہارم

الفاظ، اصطلاحات اور دیگر مطالب

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

نقشۂ سلطنتِ ساسانی

فرہنگ اصطلاحات علمیہ

(انگریزی سے اردو میں)

انجمن نے یہ فرہنگ آج سے کئی سال پہلے مرتب اور شائع کی تھی لیکن زمانے کے ساتھ ساتھ اصطلاحات کا بدلنا بھی ناگزیر ہے۔ اس لیے ان تمام اصطلاحات پر نظرثانی کی گئی ہے اور جابجا مناسب اضافے اور ترمیمیں کرنے کے بعد اس کتاب کو مختلف حصوں میں شائع کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ اصطلاحات کیمیا (CHEMISTRY) کے نام سے پچھلے سال شائع ہوا تھا۔ امسال دوسرا اور تیسرا حصہ شائع کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں معاشیات (ECONOMICS) تاریخ و سیاسیات (HISTORY & POLITICS) اور عمرانیات (SOCIOLOGY) کی اصطلاحیں دی گئی ہیں تیسرا حصہ طبعیات (PHYSICS) کی اصطلاحات پر مشتمل ہے۔ کوئی مدرسہ اور کوئی کتب خانہ ان کتابوں سے خالی نہ رہنا چاہیے۔ ہر حصے کی قیمت ایک روپیہ رکھی گئی ہے،

روسی ادب

حصہ اول و دوم

روسی ادب دنیا کی ادبیات میں ایک نہایت ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ جس طرح ایک زمانے میں فرانس کا ادب سارے یورپ پر چھا گیا تھا اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ روسی ادب نے نہ صرف یورپ بلکہ تمام ایشیائی ممالک میں ایک ادبی انقلاب برپا کر دیا۔ روسی ادب کی تاریخ کا مطالعہ انسانی نفس اور انسانی جدوجہد کا مطالعہ ہے پروفیسر محمد مجیب نے جو روسی زبان سے بھی واقف ہیں یہ کتاب بڑی محنت اور تحقیق سے بہت صاف اور شستہ زبان میں لکھی ہے۔ ہر ہندوستانی کو اس کا مطالعہ لازم ہے۔ ہر حصے کی قیمت بلا جلد ۱۲؍ اور مجلد ۸؍۱

گورکی کی آپ بیتی

روس کے نامور مصنف میکسم گورکی کی خود نوشت سوانح کا ترجمہ

از ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری

موریر نے "حاجی بابا اصفہانی" اور چارلس ڈکنس نے "ڈیوڈ کاپرفیلڈ" میں ہیرو کی کہانی اسی کی زبانی بیان کی ہے۔ لیکن اس روسی مصنف نے اپنی سرگزشت اپنے الفاظ میں پیش کی ہے۔ اس کا حافظہ اور مشاہدہ دونوں حیرت انگیز ہیں اس کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ہماری اپنی سرگزشت ہے طرز بیان بہت سادہ اور دلربا ہے فاضل مترجم نے ترجمہ میں اصل کی خوبی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ سردست پہلا حصہ "میرا بچپن" کے عنوان سے شائع کیا گیا ہے تقطیع ۲۲×۱۸/۸ صفحات ۳۴۰، قیمت بلا جلد دو روپے، مجلد دو روپے آٹھ آنے،

معمار اعظم

یہ یورپ کا بلند پایہ ڈراما نگار رابسن کے نہایت ممتاز ڈرامے "ماسٹر بلڈر" کا ترجمہ ہے جس میں مصنف نے نفسیاتی نکات کے بیان کرنے میں بڑا کمال دکھایا ہے اور جو پروفیسر فرانسس بل "جہاں تک بنیادی اموراس کے مقصد اور بنی نوع انسان کے متعلق اس کے تصور کا تعلق ہے یہ ڈراما وقت اور مقام کی قیود سے آزاد ہے اور دنیا کے دور دراز حصے میں بھی جہاں انسان بستے ہیں یہ سب کی سمجھ میں آسکتا ہے" عزیز احمد صاحب بی۔اے آنرز (لنڈن) نے ایسی خوبی سے ترجمہ کیا ہے کہ اصل کا لطف آجاتا ہے۔

قیمت بلا جلد بارہ آنے، مجلد ایک روپیہ چار آنے،

مکالمات سائنس

یعنی

زندگی اور انسان کی تخلیق پر دلچسپ مکالمے

یہ مکالمے فی الواقع بہت دلچسپ ہیں جنھیں پروفیسر محمد نصیر احمد صاحب عثمانی، استاد طبعیات جامعہ عثمانیہ نے خاص سلیقے سے مرتب کیا ہے۔ مشکل اصطلاحات کا استعمال نہیں کیا، زبان عام فہم ہے اور ہر شخص اسے شوق سے پڑھ سکتا اور معلومات میں اضافہ کرسکتا ہے۔

تقطیع $\frac{18 \times 22}{8}$ صفحات تقریباً تین سو قیمت بلا جلد ایک روپیہ آٹھ آنے مجلد ۲

الف لیلہ و لیلہ

یہ بہت مشہور کتاب ہے۔ اس کے ترجمے دنیا کی مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں اردو میں بھی اس کا وجود ہے لیکن بالکل مسخ صورت میں۔ ڈاکٹر منصور احمد (مسلم یونیورسٹی) نے اصل عربی سے بہت عمدہ ترجمہ کیا ہے،

سردست پہلا حصہ شایع کیا گیا ہے جو پچاس راتوں پر مشتمل ہے،

تقطیع $\frac{18 \times 22}{8}$ صفحات ۵۲۰

قیمت بلا جلد تین روپے مجلد تین روپے آٹھ آنے،